قرآن و سنت کی روشنی میں زندگی کے سیکڑوں مسائل کا حکیمانہ حل

ملفوظاتِ حکیم الامت

جلد چہارم

قسطِ اوّل

الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ

مسلسل ترتیب کی ۱۶ قسط

مجددِ ملت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

باہتمام: ــــــــــ نسیم احمد

ناشر

ادارۂ فکرِ اسلامی دیوبند یوپی ۲۴۷۵۵۴

نام کتاب ــــ ملفوظات حکیم الامت جلد چہارم قسط اول

باہتمام ــــ نسیم احمد بن شمس الحسن صاحب مرحوم

سنِ طباعت ــــ ۱۹۸۹ء سنہ ۱۴۰۹ہجری

طباعت ــــ محبوب پریس دیوبند

کتابت ــــ فرمود عالم قاسمی

قیمت ــــ فی قسط ۱۴/ روپے

ملفوظات حکیم الامتؒ کی جلد چہارم قسط اول مسلسل ترتیب کی قسط ۱۶ ناظرین کے سامنے پیش ہے۔ کوئی بھی شخص ایک خط لکھ کر ممبر بن سکتا ہے۔ فیس ممبری کچھ نہیں۔ ممبر بننے کے بعد ہر دو ماہ میں ایک ایک قسط ۱۴/ روپے کی وی پی سے اور دو قسط ایک ساتھ ۲۵/ روپے کی وی پی سے ارسال ہوگی، جس کا وصول کرنا آنجناب کا اخلاقی فریضہ ہوگا۔

منیجر ادارہ

فہرست مضامین ملفوظات حکیم الامت جلد ۴ قسط ۱

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ ہجری

مجلس بعد نماز جمعہ

ملفوظ نمبر ۱:- ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت پڑوس کی کہاں تک حد ہے۔ فرمایا کہ عرف میں جہاں تک پڑوس کہلاتا ہے۔ پھر اس میں جتنا زیادہ قریب ہے اتنا ہی زیادہ حق زائد ہے اور جتنا دور ہے اُتنا ہی حق کم ہے۔

ملفوظ نمبر ۲:- ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایک صاحب نے مجدد صاحب کا مکتوب نقل کیا تھا کہ مجدد صاحب نے نماز میں تلفظ بالنیۃ کو بدعت کہا ہے۔ فرمایا کہ یہ غلبہ ہے ذوقِ سنت کا اس غلبہ میں بعض نے تو یہاں تک کہدیا ہے کہ ڈھیلا استنجے کے لئے لینا چونکہ منقول ہے یہ سنت ہے اور بنارِ مدرسہ و رباط اور خانقاہ چونکہ منقول نہیں سنت نہیں اسلئے استنجے کیلئے ڈھیلا لینا بنارِ مدرسہ اور خانقاہ سے افضل ہے یعنی من وجہ نہ کہ من کل الوجوہ یعنی باعتبار نفع دینی کے یہ بنار ہی افضل ہے رہا تلفظ بالنیۃ سو بعض محل میں منقول بھی ہے جیسے حج میں۔ اشتراک علت سے نماز میں بھی علمار نے جائز کہا ہے جسکو انھوں نے قوتِ اجتہادیہ سے متعدی کہا ہے اور مجتہدین میں اور دلوں سے یہی چیز زیادہ تھی یعنی فہم۔

ملفوظ نمبر ۳:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک بدعتی مولوی تمام بڑے بڑے اکابر دین اور بزرگوں کی تکفیر کرتا ہے۔ مگر ہم لوگوں کی یہ مشکل ہے کہ ہم اس کو بھی کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہمارے لئے جہاں اور مجاہدے ہیں۔ ایک مجاہدہ یہ بھی ہے کہ وہ ہمکو کافر کہتا ہے۔ ہم اس کو کافر نہیں کہتے اور یہ بدعتی تو اکثر بددین بھی ہوتے ہیں خوفِ خدا ذرا بھی ان کے قلب میں نہیں ہوتا قلوب مسخ ہو جاتے ہیں۔

ملفوظ نمبر ۴:- ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اعتراض کر دینا کون مشکل ہے مشکل تو کام کرنا ہے یا کام کی بات کہنا یا اس کا سمجھنا۔ میری تصانیف پر رات دن غثاثہ تھا اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ حفظ الایمان کی عبارت پر اعتراض ہے حالانکہ اس کی عبارت

بالکل صاف اور اس کا مفہوم بالکل بے غبار ہے لیکن عناد اور بغض وحسد کا کسی کے پاس کیا علاج حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تقویۃ الایمان کی عبارت پر اعتراض کرتے ہیں وہ عبارت یہ ہے کہ اگر خدا چاہے تو محمد جیسے سیکڑوں بنا ڈالے یہ ایک بڑا اعتراض ہے جس پر مخالفین کو ناز ہے کہ اس کا کوئی جواب نہیں حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری محدث رح نے ایک مولوی صاحب کو اس عبارت پر اعتراض کرنے کے وقت جو جواب دیا تھا عجیب وغریب ہے اور بزرگوں کے جواب ہوتے ہی ہاں عجیب مناظر بن کا ذہن وہاں تک نہیں پہونچتا۔ ان مولوی صاحب نے یہ اعتراض کیا تھا کہ حضرت شہید صاحب رح نے تقویۃ الایمان میں اس عنوان سے ایک عبارت لکھی ہے کہ اگر خدا چاہے تو محمد جیسے سیکڑوں بنا ڈالے اور محاورہ میں یہ صیغہ بنا ڈالے تحقیر کا ہے تو اس میں حضور صلے اللہ کی تحقیر ہے اور یہ کفر ہے۔ حضرت مولانا نے جواب فرمایا کہ تحقیر تو ہے مگر فعل کی تحقیر ہے مفعول کی نہیں۔ بنانے کی تحقیر ہے یعنی بنانا سہل ہے عظیم اور ثقیل نہیں کہنے لگے کہ حضرت یہ تو تاویل ہے۔ فرمایا بہت اچھا اگر تاویل ہے جانے دیجئے یہ حضرات عجیب شان کے تھے کسی بات کے پیچھے نہ پڑتے تھے بڑے ظرف کے لوگ تھے کسی بات کے درپے نہ ہوتے تھے۔ اتفاق سے دو تین ہی روز کے بعد ہی مولوی صاحب مولانا سے عرض کرنے لگے کہ حضرت مشکوٰۃ شریف، ترمذی شریف تو آپ کے یہاں چھپ چکیں اب بیضاوی شریف بھی چھاپ ڈالئے۔ مولانا نے فوراً فرمایا کہ مولوی صاحب یہ وہی ڈالنا ہے جس سے تحقیر ہوتی ہے آپ نے بیضاوی کی تحقیر کی جو مشتمل ہے قرآن پر اور کل کی تحقیر جزو کی تحقیر ہے اور قرآن کی تحقیر کفر ہے اب بتلایئے وہی کفر کا فتویٰ آپ پر ہوتا ہے یا نہیں۔ اس وقت مولوی صاحب کی آنکھیں کھلیں اور عرض کیا کہ حضرت واقعی اس کا مطلب اور مفہوم تو خود تو میرے ذہن میں وہی تھا کہ آپ کے پاس سامان موجود ہے آپ کو چھاپ دینا آسان ہے فعل ہی کی تحقیر تھی مفعول کی نہ تھی۔ دیکھئے حضرت مولانا شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر یہ ایک بہت بڑا اعتراض تھا جس کی حقیقت مولانا کے جواب سے واضح ہوگئی۔ غرض اعتراض کر دینا بدون سوچے سمجھے بدون غور کئے ہوئے کوئی مشکل چیز نہیں۔ خصوص بدعقل بدفہم بددین کے نزدیک تو بہت ہی آسان اور سہل چیز ہے کیونکہ اس کو کوئی چیز مانع نہیں اگرچہ

مشکل ہے تو اہل حق اہل عقل اہل فہم اور اہل دین ہی کو ہے کیونکہ ان کو آخرت کی فکر ہے اسلئے وہ حدود سے گذر کر نہ کچھ کہہ سکتے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں۔

ملفوظ ۵:- ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شاہ نجدیوں میں اگر کچھ کمی ہے تو اس کی ہے کہ محض نجدی ہیں وجدی نہیں باقی مزارات کے متعلق جو نجدیوں نے مسلک اختیار کیا۔ اہل بدعت اس میں صاحب قبر کی اہانت کا ایہام سمجھتے ہیں لیکن ان لوگوں کو اس پر بھی نظر کرنا چاہیئے کہ جو لوگ مزارات کی بدولت روٹیاں کھاتے ہیں اور اس روٹی کی بدولت قسم قسم کے خرافات اور بدعت شرکیات میں مبتلا ہیں اور کبائر تک کا ارتکاب بزرگوں کے مزارات پر کرتے ہیں۔ فسق و فجور تک سے باز نہیں آتے کیا ان کو اس سے صاحب مزار کی اہانت کا ایہام نہیں ہوتا۔ نجدی تو اگر ان خرافات سے باز رکھنے کے لئے تدابیر کریں تو مورد الزام اور مجرم بنائے جائیں۔ اور یہ لوگ کفر و شرک و فسق و فجور تک کا ارتکاب کریں پھر بھی اچھے خاصے رہیں۔ اور نجدیوں کے مسلک پر زیادہ تر اعتراض ان ہی روٹیاں کھانے والوں کو ہے۔ لیکن اگر اہل نجد مجھ سے مشورہ لیتے تو میں منکرات کے ازالہ کی پر امن تدبیر ان کو بتلاتا مصلح کو کسی قدر حکیم ہونیکی بھی ضرورت ہے۔ منکر کا ازالہ اگر کیا جائے اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک تو یہی صورت ہے کہ ان کو توڑ ڈالے باقی اسکے علاوہ اور بھی صورتیں ہیں جیسے حضرت مولانا شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ میرے آباء و اجداد سے تعزیہ بنتا چلا آتا ہے میں بھی بناتا ہوں لیکن اب آپ کے فرمانے سے معلوم ہوا کہ یہ شرک و بدعت ہے دین کا کام نہیں بد دینی کا کام ہے نیکی نہیں بدی ہے ثواب کا کام نہیں گناہ کا کام ہے مگر ایک بنا ہوا تعزیہ میرے گھر رکھا ہے اس کو کیا کروں۔ حضرت شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کرنا کیا توڑ پھوڑ جلا پھونک کر الگ کر اور کیا کرنا وہ چونکہ ایک زمانہ تک اس کی وقعت اور احترام کرتا رہا تھا اس عنوان کا متحمل نہ ہوا اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جاکر اس واقعہ کو اسیطرح عرض کیا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی گھر جاکر اس کے بند کاٹ ڈالو اس نے بخوشی جاکر بند کاٹ ڈالے معنون ایک عنوان جدا جدا لیکن اثر میں زمین آسمان کا فرق

دوسرا واقعہ حضرت شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک کاغذی تصویر میرے پاس ہے میں اسکو کیا کروں۔ فرمایا توڑ پھوڑ کر الگ کرو اور کیا کرتے وہ شخص حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا سنکر فرمایا کہ وہ تصویر جاندار ہے یا بے جان عرض کیا بے جان فرمایا کہ جب تصویر والے بیجان ہو گئے تھے اور وفات پاگئے تھے تو ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا تھا۔ عرض کیا کہ غسل اور کفن دے کر دفن کر دیا تھا۔ فرمایا کہ تم بھی یہی معاملہ کرو مشک اور عنبر کے پانی سے غسل دو۔ قیمتی کپڑے کا کفن دو۔ اور ایسے مقام پر دفن کر دو جہاں کسی کا پاؤں نہ پڑے۔ اس شخص نے اس تدبیر کو قبول کرکے عمل کیا۔ حضرت مولانا شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی طرح تعلیم میں ایسے لطائف کی رعایت نہ فرماتے تھے۔ اسلئے لوگ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کے متحمل نہ ہوئے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم رعایت مذاق عوام کے مناسب ہوتی تھی اس کے لوگ متحمل ہوئے۔ اور میں ان دونوں تعلیموں کے تفاوت کو اس طرح بیان کرتا ہوں کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کا نفع عام تھا تام نہ تھا اور حضرت مولانا شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کا نفع تام تھا عام نہ تھا۔ یہی بات یاد رکھنے کی ہے کہ مصلح کے ذمہ تعلیم کے لئے ایسی غیر موحش تدابیر کا تجویز کرنا لازم نہیں اگر ایسا ہو یہ اس کا تبرع اور احسان ہے ورنہ اصل تعلیم حق وہی ہے جو حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اور طرز ہے۔

ملفوظ نمبر ۶:- ایک سلسلہ میں فرمایا کہ یہ فن تربیت نہایت ہی نازک فن ہے۔ مشائخ نے عجیب عجیب طرح پر اصلاح کی ہے۔ ایک بزرگ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ حضرت کوئی کہتا ہے کہ آٹھ تراویح ہیں کوئی بارہ بتلاتا ہے کوئی بیس۔ اس میں کیا ہونا چاہیے۔ سائل عامی شخص تھا فرمایا کہ میاں اگر کسی زمیندار سے مال گزاری کا مطالبہ کیا جائے اور اس کو تحصیل میں بلایا جاوے مگر مال گزاری کی مقدار اس کو معلوم نہ ہو ایک شخص کہے کہ آٹھ روپیہ مالگزاری کے لئے جائیں گے دوسرا کہے کہ بارہ روپیہ لئے جائیں گے۔ تیسرا کہے کہ بیس روپیہ لئے جائیں گے اب بتلاؤ کہ اس کو کتنی روپیہ لیکر تحصیل میں جانا چاہیے۔ اس نے کہا کہ عقل کی بات ہے کہ بیس روپیہ لیکر جائیں تاکہ جتنے روپیہ کی مانگ ہو دیکر چلے آئیں کوئی گڑبڑی نہ ہو۔ اگر آٹھ لے گئے

اور مانگ ہوئی بارہ کی یا بارہ لیکر گئے اور مانگ ہوئی بیس کی تو پریشانی ہوگی۔ فرمایا کہ
بس تم بیس ہی پڑھو جتنے کا مطالبہ ہو گا پیش کر دینا۔ بس وہ شخص سمجھ گیا دیکھئے اس کی فہم کے
موافق کیسے سہل عنوان سے سمجھا دیا۔ ایک عالم کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ
فلاں حافظ صاحب نے یہ دریافت کیا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں جنگ
ہوئی کون حق پر تھا ان عالم نے دریافت فرمایا کہ وہ حافظ صاحب کیا کام کرتے
ہیں عرض کیا کہ جوتے بیچتے ہیں۔ پوچھا تم کیا کرتے ہو عرض کیا کہ کپڑے رنگا کرتا ہوں
فرمایا کہ تم جاکر کپڑے رنگو اور حافظ صاحب سے کہو جوتے بیچیں۔ علی جانیں معاویہ
جانیں (رضی اللہ عنہما) قیامت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا
مقدمہ فیصلے کیلئے تمہارے پاس نہ آئے گا اور اگر آیا تو میں خدا تعالیٰ سے عرض کر کے تمہارے
اجلاس سے اٹھوا دوں گا۔ یہ ہے طریق اصلاح کا۔ لوگ عبث اور فضول میں مبتلا ہیں
عمریں گذر گئیں ختم ہوگئیں مقصود اور غیر مقصود ہی کا پتہ نہ چلا ایک انسپکٹر نے میرے پاس سوال
لکھ کر بھیجا تھا کہ کافر سے سود لینا کیوں حرام ہے۔ میں نے لکھا کہ کافر عورت سے زنا کیوں
حرام ہے۔ ایک شخص نے لکھا کہ فلاں مسئلہ میں کیا حکمت ہے میں نے لکھا کہ سوال عن الحکمۃ
میں کیا حکمت ہے۔ تم تو خدا تعالیٰ کے افعال کی حکمتیں ہم سے پوچھتے ہو ہم خود تمہارے
ہی فعل کی حکمت تم سے پوچھتے ہیں

ملفوظ ۱۷ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بعض لوگ صوفیہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ امر
بالمعروف نہیں کرتے۔ یہ بیشک قولاً زیادہ نہیں کرتے مگر عملاً کرتے ہیں
قنوج کے سفر میں ایک صاحب وہاں کے رئیس ریل کے سفر میں میرے ساتھ تھے
کھانا ساتھ تھا۔ جب کھانے بیٹھے تو ایک بوٹی ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر تختہ پر گر گئی
ان صاحب نے جوتے سے اس کو اور زیادہ تختے کے نیچے سرکا دیا مجھ کو ناگوار ہوا کہ خدا
کی نعمت کی یہ بے قدری کی۔ میں نے ایک رفیق سفر سے کہا کہ اسکو اٹھا کر اور دھو کر مجھ کو
دیدو کہ کھا لوں۔ ایک اور صاحب نے کہا کہ اگر میں کھالوں۔ میں نے کہا کیا حرج ہے۔ انہوں نے ان
رفیق کے ہاتھ سے لیکر کھالی۔ ان پر اس رئیس صاحب نے دوسرے ساتھی سے کہا کہ آج تو مجھ کو ذبح
ہی کر ڈالا تمام عمر کبھی ایسی حرکت نہ کروں گا تو یہ لوگ عملاً تبلیغ کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ میں گھر
سے ریل میں سوار ہوا۔ ایک صاحب سرکاری عہدہ دار پہلے سے سوار تھے جو نماز کے اندر

وہ مجھ سے باتیں کرنے لگے۔ اسی میں مغرب کا وقت ہو گیا۔ نماز کی تیاری ہوئی۔ خواجہ عزیز الحسن صاحب نے ان صاحب کے متعلق مجھ سے کہا کہ ان کو نماز کے لئے کہا جاوے میں نے کہا کہ مجھ کو تو غیرت آتی ہے کہ جنت میں تو جاویں یہ اور خوشامد کرے اشرف علی غرض وہ صاحب بیٹھے رہے ہم لوگوں نے نماز پڑھی اب بعد نماز انکو خیال تھا کہ اب یہ لوگ، چونکہ میں نے نماز نہیں پڑھی اس لطف سے گفتگو نہ کریں گے مگر میں پھر ان ہی کے پاس بیٹھ گیا اور اسی لطف سے گفتگو شروع کردی۔ مجھ سے تو نہیں اور کسی سے کہا کہ آج سے ساری عمر کے لئے پکا نمازی بن گیا۔ اگر مجھ کو نماز کے لئے کہا جاتا تو مغرب کی نماز تو پڑھ لیتا مگر ساری عمر بے نمازی رہتا۔ مگر اس نہ کہنے نے گو مغرب کی نماز تو نہیں پڑھی مگر ساری عمر کے لئے نمازی بنا دیا۔ شریف طبیعتوں پر ایسے برتاؤ سے اثر ہوتا ہے۔ البتہ اگر اس نیت سے سکوت کرے کہ کہہ کر کون برا بنا وے یہ تو برا ہے لیکن اگر قرائن دیکھ کر یہ نیت ہو کہ کہنے سے نہ کہنے کا اثر زیادہ ہوگا تو یہ اچھا ہے۔ شریف طبیعتوں پر لطف کا اثر ہوتا ہی ہے تو ان کا امر بالمعروف نہی عن المنکر عملاً ہوتا ہے۔ قولاً کم ہوتا ہے یہ لوگ حکیم ہوتے ہیں نبض کو پہچانتے ہیں ہر شخص کی استعداد کی مناسب معاملہ کرتے ہیں۔

ملفوظ ۸:- ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آج کل ایک بڑی غلطی بعض مشائخ کے یہاں یہ ہے کہ امراض کا علاج جانتے ہیں۔ اور محض جاننے کو کافی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ بدون عمل کئے ہوئے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک شخص نے کہا تھا کہ میں ایک پیسہ کا گھی مہینہ بھر میں کھاتا ہوں۔ صورت اسکی یہ کرتا تھا کہ گھی سامنے رکھ لیا اور روٹی لیکر بیٹھتا اور کہتا جاتا کہ تجھ کو کھاؤں مگر نہ کھاتا نہ پیتا جب مہینہ ختم ہوا۔ اس روز کھا لیا۔ ایک ایسے ہی منتظم ان سے اور ملے اور کہا کہ تو بڑا فضول خرچ معلوم ہوتا ہے کہ مہینہ میں ایک پیسہ کا گھی کھا جاتا ہے۔ ہم تو یہ کرتے ہیں کہ جس مکان سے ہنڈیا بھنے کی خوشبو آتی ہے۔ اس مکان کی دیوار کے نیچے روٹی لیکر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ناک سے خوشبو سونگھتے رہے اور روٹی کھا لیتے ہیں۔ پس بعض لوگ بھی برتاؤ طریق کے ساتھ .... کرتے ہیں کہ جسطرح وہ اشخاص گھی کھانا جانتے تھے مگر کھاتے نہ تھے۔ اسی طرح یہ علاج جانتے ہیں مگر کرتے نہیں اس میں خوش ہیں کہ جب چاہیں گے کرلیں گے تو اس سے کیا نفع بڑی چیز عمل ہے اور علم اس کا مقدمہ تو علم پر ناز کچھ بھی نہیں کرنا چاہئے۔ خصوص علوم مکاشفہ تو مقدمہ کے درجہ سے بھی متاخر ہیں۔ حضرت جنید رح کو کسی

نے خواب میں دیکھا - دریافت کیا کیا معاملہ ہوا - فرمایا کہ تمام معارف اور علوم اور تحقیقات بیکار ثابت ہوئیں - صرف تہجد کی مختصر نفلیں کام آئیں - دیکھئے عمل ہی کام آیا - گو یہ علوم بھی غیر مفید نہیں - علوم معاملہ میں احیاناً ان سے بصیرت بڑھ جاتی ہے جو کہ مقدمہ ہیں عمل کا مگر ہیں غیر مقصود اور کام کی چیز اور مقصود کام میں لگا رہنا ہے - جو کرے گا وہ کار آمد ہے - اور باقی زبانی جمع خرچ اور محض تحقیقات بلا علم کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص دار الضرب میں نوکر ہو اور تمام دن روپیہ اور نوٹ بناتا اور چھاپتا ہو - مگر شام کو تلاشی لیکر باہر نکال دیا جاتا ہے - ایسے ہی یہاں سمجھو کہ ملتا کیا ہے جو تنخواہ ہے بس وہ کار آمد ہے - اور سب بیکار - مطلق جاننے اور عمل نہ کرنے کی ایک دوسری مثال ذہن میں آئی وہ یہ کہ جیسے قیصر جانتا ہے کہ جارج پنجم بادشاہ ہے مگر مانتا نہیں اس سے باغی ہے یا جارج پنجم جانتا ہے کہ قیصر بادشاہ ہے مگر مانتا نہیں اس سے باغی ہے تو نرے جاننے سے کیا مل سکتا ہے ماننے سے کام چلتا ہے - ایسے ہی یہاں محض جاننے سے کیا ہوتا ہے - جب تک کام میں نہ لگے - ایک تیسری مثال ذہن میں آئی - ایک شخص تمام میوؤں اور مٹھائیوں کی حقیقت بیان کرے اور کھانے کو ایک بھی نہ ملے تو محض بیکار اور اگر تمام ایک چیز کا بھی معلوم نہ ہو اور نہ صورت دیکھی ہو اندھیرے میں ایک قاب بھر کر کوئی اسکے سامنے رکھدے اور یہ کھائے تعجب کچھ ہے -

ملفوظ ۹:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میرا ایک یہ بھی معمول ہے کہ اصلاح کے ماتحت اگر کوئی عورت خط بھیجنا چاہے تو اپنے خاوند کے دستخط کرا کر بھیجے - اس میں بڑی حکمتیں اور بہت سے فتن کا سد باب ہے یہ ہیں وہ باتیں کہ جنکی بدولت میں بد نام ہوں - بعض بیبیوں نے لکھا کہ خاوند پردیس میں ہے - میں نے لکھا کہ پردیس میں اس مضمون کو بھیجکر اسکے دستخط کرا کر منگا لو پھر میرے پاس بھیجو - بہرحال بدون خاوند کے دستخط کرائے ہوئے میرے پاس خط نہ بھیجا جائے -

ملفوظ ۱۰:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ کا فضل ہے اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت سے دنیا پر دین کو ترجیح دینے کی توفیق نصیب فرمائی ہے میں دونوں نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہوں ترجیح دین کا بھی اور اسکا بھی کہ بقدر ضرورت بلکہ ضرورت سے زیادہ سامان زندگی نصیب فرمایا جو کہ بڑی نعمت اور رحمت ہے - اسی کو فرماتے ہیں -

چوں ترا نانے و خرقانے بود ٭ ہر بن موئے تو سلطانے بود

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من اصبح آمنا فی سربہ معافی فی جسدہ عندہ قوت یومہ فکانما حیزت لہ الدنیا بحذافیرھا - یعنی جس کے پاس ایک دن کا گھر میں کھانے کو ہو اور تندرست

ہو اور کسی دشمن کا خوف نہ ہو تو گویا اسکو ساری دنیا مل گئی اس حسی رزق کا بھی معاملہ بڑا نازک ہے جسکو جسقدر حق تعالیٰ عطا فرمائیں اسکو قدر کرنا چاہیئے۔ ہرگز ہرگز کفران نعمت نہ کرنا چاہیئے اس کے فقدان یا نقصان پر صبر کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔ ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے باقی خواص کا دوسرا دوسرا معاملہ ہے جیسے ایک حکایت سنی ہے کہ دہلی کی جامع مسجد میں ایک مسافر شخص کئی روز سے ٹھہرے ہوئے تھے۔ کئی وقت کا فاقہ ہوگیا ایک شخص مرغ کے پلاؤ کی قاب بھری ہوئی لایا اور دیکر چلدیا۔ انھوں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا اب جو پلاؤ بچا تو بڑی گڑبڑ اور بڑی کشمکش میں پڑا کہ پھر کے لئے رکھوں۔ کیونکہ شاید پھر قریب وقت میں نہ ملے یا کسی کو دیدوں اور آئندہ کے لئے توکل رکھوں۔ آخیر میں ترجیح دینے ہی کو ہوئی تو جامع مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر کسی حاجت مند کے منتظر رہے ایک نظر آیا اس کو دیدیا دینے کے بعد ہی ایک طرف سے ایک مجذوب نکلے جو بآواز بلند کہتے ہوئے جا رہے تھے کہ خوب سمجھا لے سالے خوب سمجھا اگر نہ دیتا تو یہ طے ہوگیا تھا کہ سالے کو ایک دانہ مت دو مگر جا بچ گیا۔

ملفوظ ۱۱:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں یہ جو میری طبیعت کا رنگ ہے کہ بکھیڑوں سے گھبراتی ہے اسکی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ایک مجذوب کی دعا سے پیدا ہوا ہوں جن کا نام حافظ غلام مرتضیٰ صاحب ہے ان سے کہا گیا تھا کہ اس لڑکی یعنی میری والدہ کی اولاد زندہ نہیں رہتی تو فرمایا کہ عمر اور علی کی کھینچا تانی میں ٹوٹ جاتی ہے اب جو اولاد ہو علی کے سپرد کر دینا اسکو کوئی نہیں سمجھا۔ میری والدہ جنکی نسبت سنا ہے کہ صاحب ذوق تھیں سمجھ گئیں اور کہنے لگیں کہ باپ فاروقی ہیں اور ماں علوی اور نام بچوں کے والد کے نام رکھے جاتے ہیں اب جو اولاد ہو ماں کے خاندان پر نام رکھو یعنی اس میں لفظ علی ہو خوش ہوئے اور فرمایا یہ لڑکی بڑی ذہین ہے یہی مطلب ہے۔ نانی صاحبہ نے عرض کیا کہ پھر آپ ہی نام رکھ دیجئے فرمایا کہ دو لڑکے ہوں گے ایک کا نام اشرف علی خاں رکھنا اور ایک کا نام اکبر علی خاں۔ عرض کیا گیا کہ کیا پٹھان ہیں۔ فرمایا ہاں ہاں ایک کا اشرف علی اور ایک کا اکبر علی رکھنا۔ ایک ہمارا ہوگا وہ حافظ اور مولوی ہوگا اور ایک دنیادار ہوگا۔ پھر ہم دونوں بھائی پیدا ہوئے۔

ملفوظ ۱۲:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حیدرآبادی ماموں صاحب فرمایا کرتے تھے کہ بہائم صاحب کشف ہوتے ہیں چنانچہ حدیث میں ہے کہ مُردے کے اصوات جن وانس نہیں سنتے ہیں اور جانور سنتے ہیں۔

ملفوظ ۱۳۳: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جو بزرگ صاحب خدمت ہیں تعلق تکوینیات اور اختفاء میں ان کی ایسی شان ہے جیسے خضر علیہ السلام اسلئے ان کا پتہ لگنا بھی مشکل ہے وہ فنل سی ۔ آئی ۔ ڈی کے مخفی ہیں اسلئے ان کی تلاش بھی بیکار ہے نیز وہ چونکہ وہ تصرفات تکوینیہ میں مامور اور مضطر ہیں ۔ اسلئے اگر انکو راضی رکھو تب کوئی نفع نہیں پہونچا سکتے اور اگر ناراض رکھو تو کوئی ضرر نہیں پہونچا سکتے وہ جو کرتے ہیں حکم سے کرتے ہیں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک شخص نے حضرت شاہ صاحب سے شکایت کی کہ حضرت آج کل دہلی کے اندر منتظم حکام میں بڑی سستی چھائی ہوئی ہے ۔ ہر کام میں اندھیر ہے ۔ فرمایا میاں آج کل یہاں کے صاحب خدمت (ڈھیلے دبیائے اول معروف) ہیں ۔ مزاحاً فرمایا کہ انتظام کیلئے ضرورت ہے ڈھیلے دبیائے اول مجہول) ہونگی ۔ عرض کیا گیا کہ کون صاحب ہیں ۔ فرمایا کہ بازار میں فلاں سمت میں جو کنجڑے خربوزے بیچ رہے ہیں وہ ہیں ۔ عرض کیا گیا ملاقات کراؤں فرمایا کر آؤ یہ شخص انکے پاس پہونچا جاکر سلام مسنون عرض کر کے کہا کہ مجھ کو کچھ خربوزوں کی ضرورت ہے کہا کہ لو اسنے کہا کہ پہلے دیکھ لوں کہ پھیکے تو نہیں ۔ کہا کہ دیکھ لو اس شخص نے تمام خربوزے توڑ ڈالے اور آخیر میں کہدیا کہ اچھے نہیں ۔ میں نہیں لیتا ۔ کہا بہتر ۔ یہ چلا آیا اگر حضرت شاہ صاحبؒ سے تمام واقعہ بیان کیا ۔ فرمایا دیکھ لو یہ ایسے ہیں ۔ ان ہی کا اثر ظاہری حکام پر ہے ۔ تقریباً ایک مہینہ ہی گذرا تھا کہ دفعۃً تمام کاروبار میں ترقی لوگوں میں تیزی اور چستی پیدا ہو گئی ۔ اس شخص نے پھر دوبارہ حضرت شاہ صاحبؒ سے جاکر عرض کیا کہ آج کل تو دہلی کے اندر کاروبار میں بڑی رونق ہے ۔ لوگوں میں خوب چستی طراری پیدا ہو گئی فرمایا کہ اب صاحب خدمت بھی ایسے ہی تیز اور طرار ہیں ۔ عرض کیا کہ وہ کون ہیں ۔ فرمایا کہ فتحپوری کے بازار میں ایک سقے ایک چھدام میں ایک کٹورا پانی پلاتے پھرتے ہیں صاحب خدمت وہ ہیں ۔ وہ کٹوروں کی جھنکار لگا رہے ہونگے ۔ عرض کیا کہ ملاقات کرآؤں فرمایا کر آؤ ۔ یہ شخص فتحپوری بازار میں پہونچا دیکھا کہ ایک صاحب مشک کاندھے پر لگائے اور کٹوروں کی جھنکار کے ساتھ یہ کہتے پھر رہے ہیں کہ ایک چھدام میں ایک کٹورا پانی ۔ اس شخص نے ایک چھدام دی اور ایک کٹورا پانی مانگا انہوں نے دیدیا اسنے یہ کہکر گرادیا کہ اسمیں تنکا ہے اور دوبارہ مانگا انہوں نے دریافت کیا کہ اور چھدام ہے ۔ اس شخص نے کہا کہ اور تو میرے پاس چھدام نہیں ۔ اس کہنے کے ساتھ ہی ایک چپت رسید کیا اور کہا کہ جب چھدام نہ تھی تو دوسرا کٹورا کیسے مانگا ۔ کیا خربوزے والا سمجھا ہوگا ۔ یہ شخص بھاگا اور حضرت شاہ صاحبؒ سے یہ واقعہ

عرض کیا کہ حضرت وہ تو بڑے تیز ہیں۔ فرمایا کہ تم ہی دیکھ لو۔ ایک اور واقعہ ہے۔ ایک شخص حضرت شاہ صاحبؒ ممدوح کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت میں صاحب خدمت کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ فرمایا بہت اچھا ایک کوری ٹھیکری لاؤ وہ شخص کوری ٹھیکری لایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس پر کچھ لکیریاں سی بنا کر فرمایا کہ فلاں مقام پر سرکاری فوج پڑی ہے۔ وہاں کچھ فاصلے سے ایک شخص جوتے گانٹھتے ملیں گے۔ انکو یہ ٹھیکری دیدینا وہ شخص ٹھیکری لیکر پہونچا دیکھا کہ ایک شخص بیٹھے جوتے گانٹھ رہے ہیں۔ بظاہر صورت بھی چماروں جیسی بنا رکھی تھی۔ اس شخص نے جا کر ٹھیکری دی انھوں نے لیکر جوتے گانٹھنے کا جو ساز و سامان پھیلا پڑا تھا اس کو ایک جگہ جمع کیا اسطرف فوراً فوجی افسر نے بگل دیا کہ کوچ ہے سب سامان جمع کر لو پھر انھوں نے اس سامان کو اپنی جھولی میں بھرا۔ دوسرا بگل ہوا کہ سب خیمے ڈیرے اکھاڑ ڈالو فوج نے ایک دم خیمے اکھاڑ ڈالے...... وہ جھولی گلے میں ڈال کر کھڑے ہوئے ایک دم بگل ہوا کہ کوچ کیلئے تیار رہو۔ اسکے بعد یہ بیٹھ گئے تو بگل ہوا کہ سب سامان اتار ڈالو۔ پھر جھولی میں سے سامان نکالا سب خیمے گاڑ دینے کا بگل ہوا۔ پھر اس سامان کو پھیلایا تو سب فوج نے بھی بگل پر سب سامان پھیلا دیا۔ اسی طرح دو تین مرتبہ ہوا فوجی لوگوں نے باہم کہا کہ افسر کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اسکی ڈاکٹری کراؤ۔ یہ شخص یہ تماشہ دیکھ کر چلا آیا اور آکر حضرت شاہ صاحبؒ سے سب قصہ بیان کیا فرمایا کہ اہل خدمت ایسے ہوتے ہیں ایک مرتبہ کانپور و نواح کانپور میں نمازیوں کی اس قدر کثرت ہوئی کہ کوئی حد باقی نہ رہی کسی سے معلوم ہوا تھا کہ اسوقت جو وہاں پر قطب تھے وہ نمازی تھے یہ حالت تھی کہ جسنے ساری عمر نماز نہ پڑھی تھی وہ بھی نماز پڑھنے لگا تھا۔ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ ہر ہر گاؤں میں ایک قطب ہوتا ہے مگر اکثر مجذوب ہوتا ہے اور کارخانہ تکوینیہ اکثر مجذوبین کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ کبھی کبھی سالک بھی ہوتا ہے۔

ملفوظ ۱۴:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ذہانت بھی خدا تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے اور نہایت مفید ہے۔ مولانا فیض الحسن صاحب ادیب تھے اور ذہین بڑے تھے۔ لاہور کے زمانہ قیام میں ایک دوکاندار سے خربوزے خریدے۔ گھر لائے اب جسکو چیرتے ہیں وہی پھیکا۔ سب پھیکے نکل گئے۔ واپس دوکاندار کے پاس لائے کہ بھائی یہ سب پھیکے نکل گئے۔ واپس کر لو۔ دوکاندار نے کہا کہ اب کٹنے کے بعد میرے کس کام کے ہیں۔ کہا کہ اچھا بھائی اور کہکر اسکی دوکان کی برابر میں چادر بچھا اور اسپر وہ خربوزہ رکھکر بیٹھ گئے اب جو خریدار اسکی

دوکان پر آتا ہے مولانا کہتے ہیں کہ بھائی پہلے نمونہ دیکھ لو تب خریدنا۔ اب بکری ہی بند ہو گئی۔ اب دوکاندار گھبرایا کہ یہ کیا بلا سر پڑی کہا کہ مولوی صاحب لیجئے چار آنہ لو اور میرا پیچھا چھوڑ دو۔ اپنے چار آنہ لیکر اور اسکے خربوزے دیکر اپنے گھر چلے آئے۔ عجیب حکایت ہے خوب سوجھی انکو قاعدے سے خیار عیب کا حق حاصل تھا اپنے حق سے منتفع ہو گئے۔

ملفوظ ۱۵:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے حضرات تک جیسے نہ تھے ہنستے بولتے رہتے تھے۔ مگر دل میں ایک آگ لگی ہوئی رہتی تھی بس یہ حالت تھی ؎

تو اے افسردہ دل زاہد کیے در بزم رنداں شو + کہ بینی خندہ بر لبہا و آتش پارہ در دلہا

میں نے اسکی ایک مثال تجویز کی ہے جیسے توا ہنستا ہے مگر کوئی ہاتھ لگا کر دیکھے کہ کیسے ہنستا ہے۔ پتہ چل جائے گا کہ جگر میں کیا بھرا ہے۔

ملفوظ ۱۶:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ اہل بدعت اکثر بدفہم ہوتے ہیں بوجہ ظلمت بدعت کے علوم اور حقائق سے کورے ہوتے ہیں۔ ویسے ہی لغویات ہانکتے رہتے ہیں جیسکے سر نہ پیر۔ مثلاً یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو علم غیب محیط ہے اور یہ کہ حضور کا مثل پیدا کرنے کی اللہ تعالیٰ کو قدرت نہیں۔ اس قسم کے ان کے عقائد ہیں۔ اور پہلے تو اکثر بدعتی بھی اللہ اللہ کرنے والے ہوتے اسلئے فساد عقائد سے گذر کر فساد اعمال فساد اخلاق ان میں نہ ہوتا تھا۔ اور اب تو اکثر شریر بلکہ فاسق فاجر ہیں۔ میں ایک مرتبہ ریاست رامپور ایک مدرسہ کے جلسہ میں گیا ہوا تھا ایک مجلس میں ایک مولوی صاحب جو ذاکر شاغل تھے۔ وحدۃ الوجود کا بیان بڑے زور وشور سے کر رہے تھے۔ اثناء بیان میں میں پہونچ گیا مجھ پر نظر پڑتے ہی ایک دم اس بیان کو قطع کر دیا اس کے بعد ایک حرف اسکے متعلق نہیں کہا۔ بہت ہی محبت فرماتے تھے۔ غلطی میں ابتلا تھا قصد نہ تھا اور یہ سب ذکر اللہ اور خلوص کا اثر تھا۔ جسکی اب کمی ہے۔

ملفوظ ۱۷:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ہماری جماعت سے جو بعض جماعتوں کو حسد ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں تو رات دن معتقد بنانیکی کوشش ہے اسلئے کہ جاہ پسند ہیں اور ہمارے حضرات کسی کو منہ بھی نہیں لگاتے۔ بلکہ اور اسکی الٹی کوشش کرتے ہیں کہ کوئی معتقد نہ رہے یا معتقد نہ ہو اور پھر بھی لوگ لپٹے ہیں بس اس پر حسد ہے کہ کیا بات ہے کہ انہیں کے معتقد بڑھتے رہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ سے تعلق بڑھاؤ اور ان خرافات کو چھوڑ دو۔ دیکھو پھر تمہارے بھی معتقد بڑھ جائیں گے۔

ملفوظ ۱۸:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ علمائے سلف پر خشیت غالب تھی۔ ذرا بھی شبہ ہوتا تھا وہ فتویٰ نہیں دیتے تھے آج کل خشیت کی کمی ہے کمی کیا بلکہ قریب قریب

مفقود کے ہے جیسا چاہو فتویٰ دلوالو ۔ الا ماشاء اللہ ۔

ملفوظ ۱۹:- ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آج کل کا مناظرہ بے ہنگی واہیات چیز اس میں احتیاط ہو ہی نہیں سکتی گڑبڑی ہو جاتی ہے اسی لئے مجھ کو اس سے سخت نفرت ہے ۔ وقت کا خراب ہونا حق بات کو نہ ماننا ۔ غرض آج کل کے مناظرہ کا حاصل صرف یہ ہے کہ ہیٹی نہ ہو سبکی نہ ہو ۔ اڑنگ بڑنگ اصول بے اصول ہانکے چلے جاؤ ۔ زیادہ بولنا چپ نہ رہنا بس یہ کمال ہے مناظرہ کا ۔

ملفوظ ۲۰:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ معلوم نہیں کہ اکثر معقولیوں کو یہ کیا خبط ہے کہ جاہل فقیروں کے معتقد ہو جاتے ہیں ۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ علمائے حق سے بداعتقاد ہونیکی سزا ہے کہ انکو جہلاء کے سامنے ذلیل کیا جاتا ہے ۔ علماء کو تو کہتے ہیں کہ فلانے کیا جانیں اور فلانے کیا جانیں مگر معلوم نہیں ان جہلاء فقیروں کے جو معتقد ہو جاتے ہیں ۔ وہاں یہ احتمالات کیوں نہیں نکالتے وہاں ان غیر معقولوں کی معقول کہاں چلی جاتی ہے ۔

ملفوظ ۲۱:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اہل اللہ نہایت رحم دل ہوتے ہیں ۔ ایک مرتبہ قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی کی ایک شخص نے دعوت کردی اور بجائے کیوڑہ کے فرینی میں کافور ڈال دیا ۔ لوگوں نے ناک منہ چڑھایا ۔ فرمایا کہ ناگواری کا اظہار نہ کیا جاوے اس کی دل شکنی ہوگی اور خود اسی کو نوش فرمایا ۔

ملفوظ ۲۲:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آج کل لوگوں کا مذاق بالکل خراب اور برباد ہوگیا کسی مفید کام کیطرف تو متوجہ ہی نہیں ویسے ہی شور وغل فتنہ فساد برپا کئے پھرتے ہیں ۔ نہایت بھدی طبیعتیں ہیں ۔ میں نے ایک کتاب لکھی ہے " حیوٰۃ المسلمین " اس میں سب کچھ مسلمانوں کی فلاح اور بہبود کے مضامین جمع کر دیئے ہیں ۔ اگر اس پر کاربند ہوں اور ان مضامین کی اشاعت کریں اور ان پر عمل کریں تو چندروز میں انشاء اللہ تعالیٰ کایا پلٹ ہو جائے ۔ اس میں جو مضامین ہیں میں نے بہت سوچ سوچکر لکھے ہیں اور عام فہم کرنیکے لئے سہل بھی کر دیئے ہیں ۔ اس پر عمل کرنے سے مسلمانوں کی دنیا اور دین دونوں کی فلاح اور بہبود ہے ۔ لیکن مشکل تو یہ ہے کہ لوگوں میں تو ایسا زہریلا مادہ اثر کیئے ہوئے ہے کہ کسی مفید کام کیطرف توجہ ہی نہیں ۔ چاہتے ہیں جو کام جوش کے ماتحت ہو شور وغل ہو ۔ فتنہ فساد ہو ۔ اس میں جی لگتا ہے ۔ اگر واعظین صرف ان ہی مضامین کو جو حیوٰۃ المسلمین میں جمع کر دیئے ہیں ۔ پڑھ کر سنا دیا کریں تو بہت ہی مناسب اور مفید ہو اور واعظین پر سوچنے کا بھی بار نہ پڑے ۔ یہ لکھے لکھائے مضامین ہیں اور ان میں سب ضروریات دنیا اور دین کی موجود ہیں ۔ مگر مسلمانوں میں حس نہیں رہا بیہوش ہو رہے ہیں ۔ میں نے بہت چاہا کہ مسلمانوں کا کوئی مرکز ہو جس میں اپنی ضروریات کا مشورہ

کر لیا کریں۔ مگر نہیں ہو سکا بے حد افسوس ہے۔ یہ سب اس کا اثر ہے کہ خلوص نہیں اور خلوص نہ ہونیکی وجہ دین کی کمزوری ہے۔ ہر شخص اپنی اغراض میں مبتلا ہے اور یہ کمزوری مسلمانوں کی بڑی زبردست ہے کہ ان کی قوت کے اجتماع کا کوئی مرکز نہیں اور عادت اللہ...... جاری ہے کہ مل کر کام ہوتا ہے دیکھئے ھو الذی ایدک بنصرہ میں و بالمومنین بھی بڑھایا گیا ہے ورنہ مومنین کے بڑھانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس میں حق تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ اتنی بڑی ہستی کی نصرت میں بھی سنۃ اللہ یہی ہے کہ مل کر کام کیا جاوے۔ غرض ہر حال میں مل کر کام کرنے کی ضرورت ہے محض زبانی باتوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ مگر آج کل مسلمانوں میں صرف زبانی عملدرآمد ہے۔ کام کی بات ایک بھی نہیں جسکا بڑا ہی افسوس ہوتا ہے البتہ ایک کام یہ آتا ہے کہ اغیار کی بغلوں میں جا کر گھسنا شروع کر دیں گے کبھی گوروں کی بغل میں کبھی کالوں کی بغل میں اور یہ سب جانتے ہیں کہ گورے سے کالا خطرناک ہوتا ہے۔ اس کا ڈسا ہوا پانی نہیں مانگتا (یہ لطیفہ ہے سانپ کی دو قسموں کے متعلق) مسلمانوں کی حالت بالکل اس کی مصداق ہے فر من المطر وقام تحت المیزاب۔ یعنی بارش سے بھاگا اور پرنالہ کے نیچے جا کھڑا ہوا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کا کوئی بھی دوست نہیں۔ سب دشمن ہیں۔ مگر یہ سب سے پیوند جوڑتے پھرتے ہیں۔ میں تو مسلمانوں کی حالت دیکھ کر کہا کرتا ہوں کہ اگر ایسوں کے بھروسہ کوئی کام کیا جائے تو نہایت بے عقلی ہے۔ وقت پر سب الگ ہو جاتے ہیں۔ ساری بلا ایک ہی کے سر پڑ جاتی ہے جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ دین کے جو اور کام کر رہے ہیں ان سے بھی محروی ہو جائیگی۔ اس لئے ایسے کام کرنے کو کہ جس کام میں دوسروں کا تعلق ہو اس میں پڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ اور کیا یہ بھی کوئی کام ہے کہ جیل خانہ چلے گئے۔ دو چار مہینہ رہ آئے آخر اسکا نتیجہ ہی کیا۔ جب ایک چیز پر قدرت نہیں تو کیوں آدمی اپنے کو پریشانی میں ڈالے۔ ہاں ایک نتیجہ تو جیل خانہ میں جانے سے ضرور نکل آتا ہے کہ شہرت ہو جاتی ہے کہ فلاں صاحب ایسے ہیں ویسے ہیں مگر یہ کوئی دینی مقصد نہیں اس کا تعلق صرف جاہ سے ہے جو خود ایک مستقل مرض ہے جو قابل اصلاح ہے۔ ان اہل جاہ میں خلوص کا نام نہیں بس ایسے مرتے ہیں کہ نام ہو پھر کام کہاں۔ اسی لئے میں مولویوں کو بھی مشورہ دیتا ہوں کہ انکو چاہیئے کہ ان فضولیات کو چھوڑ دیں اور ان کاموں میں لگیں کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں فتوی دیں تبلیغ کریں۔ پڑھیں پڑھاویں۔ جاہلوں کے ساتھ ہو کر تضییع اوقات نہ کریں۔ پھر دیکھا تابع بنکر اگر جاہل انکو متبوع بناتے تب بھی چنداں مضائقہ نہ تھا۔ مگر آج کل تو رزولیوشن پاس کر لیتے ہیں جاہل اور مولوی ان کا اتباع کرتے ہیں۔ کیا واہیات ہے انہوں ہی کی بدولت ملک اور مخلوق برباد اور خراب ہوئی۔

ملفوظ ۲۳: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں حکام سے نہ کبھی ملنا نہ جلنا نہ واسطہ نہ مطلب مگر ہم تو موالاتی اور یہ طاعنین ان کے یہاں جا جا کر شب و روز کرسیوں پر ڈٹے رہتے ہیں۔ صورت۔ سیرت ان کی سی۔ لباس۔ وضع قطع ان جیسی۔ کیک بسکٹ چھری کانٹا ان جیسا۔ غرضیکہ

طرح ان سے حلا ملا اور پھر یہ غیر موالاتی۔ عجیب فیصلہ ہے۔ پھر حکام سے یکسوئی پر ایک واقعہ ذکر فرمایا کہ ایک انگریز کلکٹر کا میرے پاس خط آیا جسمیں تحریکات سے علیحدگی پر شکریہ ادا کیا تھا۔ میں نے لکھ دیا کہ میں آپ کے کسی شکریہ کا مستحق نہیں ہوں۔ اسلئے کہ میں نے جو کچھ اس باب میں لکھا ہے اپنے بھائیوں کی بہبود اور فلاح کے لئے لکھا ہے۔ لیکن اگر اس پر بھی آپ شکریہ ادا کرتے ہیں تو آپ کے اس شکریہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ باوجود آپ کو نفع نہ ہونے کے میرا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اور آپ کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ سے مخلوق کو نفع پہنچائے۔ میں نے کسی عہدے کی دعا نہیں دی بلکہ بندگان خدا کا خادم ہی رکھا۔ بعض انگریزی تعلیم یافتہ روشن دماغ لوگوں نے یہ جواب سنا تو بے حد پسندیدگی کا اظہار کیا کہ جس شخص کو کبھی ان لوگوں سے خط وکتابت کا اتفاق نہ ہوا ہو اور اسکا پہلا موقع ہو اور اس حالت میں ایسا عجیب جواب دیا۔ میں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے ان کا انعام ہے جو انھوں نے مناسب وقت دل میں ڈال دیا۔

ملفوظ ۲۴:- ایک صاحب کی کسی غلطی پر حضرت والا نے متنبہ فرمایا تھا۔ ان صاحب نے اس کے بعد جو خط بھیجا اس میں اس غلطی کی معذرت نہ تھی اسپر انکو لکھا گیا کہ تمنے اور بہت سا مضمون تو لکھ مارا مگر اپنی غلطی کی معذرت نہ چاہی۔ تم کو معذرت کرنا چاہیئے تھا۔ اس پر جو ان صاحب کا جواب آیا اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔ واقعی میری غلطی تھی اور غلطی کی معذرت نہ چاہنے پر نادم ہوں اور خواستگار معافی کا ہوں کیا براہ بندہ نوازی آپ مجھے معاف فرمائیں گے۔ اس پر حضرت والا نے جواب میں تحریر فرمایا یہ معذرت ہے یا مجھ سے استفسار ہے جس سے معذرت کرتے ہیں کیا اس سے یہ پوچھا کرتے ہیں کہ معاف کردو گے یا نہیں۔ اس پر ان صاحب کا جو جواب آیا اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔ میں نے تو معافی ہی چاہی تھی مگر اس کو استفسار سمجھا گیا اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ میں بے سمجھ ہوں تو تم بے سمجھ سے تعلق مت رکھو چھوڑ دو۔ اس پر حسب ذیل مضمون جواب میں آیا کہ میں اپنی غلطی کو محسوس کرچکا سمجھ چکا۔ میں ہی بے سمجھ ہوں۔ اور یہ سب انگریزی تعلیم کم بخت کی نحوست ہے آئندہ کبھی ایسے محاورات استعمال نہ کروں گا للہ حضرت والا معاف فرمائیں۔ اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ تم سمجھ گئے اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا جس سے بے حد مسرت ہوئی اور تمام پچھلی کلفتیں دُھل گئیں اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائے۔ اس پر اہل مجلس کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ مجھ کو وہمی اور شکی کہا جاتا ہے اگر ایسا نہ کروں تو اصلاح کیسے ہو ان کے دماغوں سے خناس کیسے نکلے یہ بددماغ اپنے سامنے سبکو بیوقوف سمجھتے ہیں۔ دیکھو کیسا دماغ درست ہوا۔ ایک شخص کو جہل سے نجات ہوئی۔ کیا یہ بدخلقی ہے۔ سخت گیری ہے یا خوش خلقی اور نرم گیری کا ہے خود ہی فیصلہ کرلیجئے۔

ملفوظ ۲۵:- ایک نووارد صاحب حاضر ہوئے بعد سلام مسنون اور مصافحہ کے حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ کہاں سے آنا ہوا۔ کے روز قیام رہے گا۔ غرض آنیکی کیا ہے۔ کام کیا کرتے ہو۔

عرض کیا فلاں مقام سے آیا ہوں ۔ تین روز قیام کیا کروں گا ۔ بیعت ہونے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں تجارت کا کام کرتا ہوں ۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ اتنا لمبا چوڑا تو سفر جسمیں وقت اور روپیہ کافی صرف ہوا ۔ اور اس کی غرض محض بیعت ۔ اور تین دن کا قیام ۔ ایسی باتوں سے مجھ کو تنگی ہوتی ہے افسوس اور قلق ہوتا ہے ۔ آپ کو ایسی تنگی میں مجھ کو نہ ڈالنا چاہیئے تھا ۔ پہلے آپ کو خط لکھنا تھا اس سے میرا معمول دریافت کر لیتے کتنی بڑی غلطی کی بات ہے تعلیم یافتہ ہو کر اس قدر فاحش غلطی یہ آپ کو کیسے اطمینان ہو گیا کہ جاؤں گا اور بیعت ہو جاؤں گا ہر جگہ کے اصول و قواعد جدا ہوتے ہیں اور اگر یہ اطمینان ہو گیا تھا تو یہ اطمینان اصول کے موافق ہے یا نہیں ۔ آخر اصول کوئی بیکار چیز تو نہیں ۔ دیکھیئے نماز دین کا کتنا بڑا شعار ہے لیکن اصول اور قواعد سے وہ بھی خالی نہیں ۔ دور کیوں جائیے اصول کے خلاف کرنے پر ابھی دیکھ لیجئے کہ کس قدر الجھن اور پریشانی کا سامنا ہو رہا ہے ۔ مجھ کو بھی آپکو بھی یہیں سے اصول کی ضرورت معلوم ہو گئی ہے ۔ اب یہی صورت ممکن ہے کہ وطن واپس پہونچ کر آپ مجھ سے خط و کتابت کریں میں مفید مشورہ دونگا بشرطیکہ آپ نے سلیقہ اور ڈھنگ سے لکھا ورنہ گنبد کی آواز ہو گی جیسا لکھو گے جواب پاؤ گے میں مجبور نہ ہوں گا ۔ میں خود بھی اصول صحیحہ کا اتباع کرتا ہوں اور دوسروں سے بھی یہی چاہتا ہوں کہ اصول صحیحہ کا اتباع کریں نہ میں دوسروں کا اتباع اور غلامی کرتا ہوں نہ دوسروں سے اپنی غلامی کراتا ہوں ۔ یہاں تک کہ پرانے مقیم لوگوں سے خدمت تک نہیں لیتا ان سے بھی کہہ رکھا ہے کہ جس کام کو یہاں آئے ہو اس میں لگے رہو ۔ میری خدمت کر کے میرے پیچھے مت پڑو کام کی بات یہی ہے خدا کی پرستش کرو مخلوق پرستی چھوڑو اپنے کام میں لگو یہی سب کچھ ہے ۔

ملفوظ ۲۲:- ایک صاحب جو کہ خانقاہ میں مقیم تھے دوسرے صاحب سے کوئی معاملہ لین دین کا کیا جو اصول و قواعد خانقاہ کے خلاف تھا اور وہ بھی ادھار اسکی اطلاع حضرت والا کو ہوئی تو ان صاحب کو بلا کر ان کی اس حرکت پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ بدون میری اطلاع اور میری اجازت کے ایسا کیوں کیا ، پھر یہ تبلایئے کہ وہ بیچارے جانے والے ہیں ۔ انتظار سے ان کی نجات کی کیا صورت ہے عرض کیا کہ میں انتظام ابھی کردونگا ۔ فرمایا جاؤ انتظام کرو اور اس کے بعد مجھے اطلاع دو ۔ پھر حاضرین سے فرمایا کہ اس قدر اصول و قواعد اور ضوابط پر بھی یہ حالت ہے گڑبڑ کرتے رہتے ہیں ۔ مگر ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کسی مجبوری بیماری وغیرہ میں ایسا کر لیتے ہیں ورنہ اکثر تو پابند ہی ہیں ۔

۲۹ / جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم شنبہ

ملفوظ ۲۶:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ استویٰ علی العرش کے متعلق جو لکھا ہے بہت ہی ڈرتے ڈرتے لکھا ہے کہ کہیں حدود سے تجاوز نہ ہو جائے اپنے نزدیک تو بہت ہی احتیاط سے کام لیا ہے۔ بہت ہی نازک بحث ہے اور جن پر خشیت غالب ہے انکو تو ڈر ہی لگتا ہے۔ اور جو اس سے کورے ہیں ان کے نزدیک تو یہ ایک معمولی چیز ہے اللہ بچائے جرأت سے میرا تو لکھنے کے وقت ہاتھ تک کانپ رہا تھا اور قلب کی کیفیت احاطۂ بیان سے باہر ہے بڑی نازک بات ہے۔ مگر بضرورت قلم اٹھایا۔

ملفوظ ۲۷:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل ایک فتنہ یہ شروع ہوا ہے کہ بعض لوگ بلا دلیل انصاری بن رہے ہیں۔ دھنیئے کہتے ہیں کہ ہم حسین بن منصور حلاج کی اولاد سے ہیں۔ فرمایا کہ مجھ کو تو خواجہ صاحب کی بات پسند آئی کسی شخص نے اُن سے انکے نسب کے متعلق پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ انھوں نے کہا کچھ تحقیق نہیں مگر قرائن سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ میں کسی شریف قوم سے۔ انہیں کاوشوں کے متعلق مولانا جامی نے خوب کہا ہے ؎

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی   کہ دریں راہ فلاں بن فلاں چیزے نیست

اور واقعی اس میں رکھا کیا ہے باقی شریعت نے جو غیر کفو میں نکاح کرنے کے متعلق قانون مقرر فرمایا ہے اسمیں فخر کی اجازت نہیں دی بلکہ عرفی ذلت سے بچانا مقصود ہے اسلئے فتویٰ دیا ہے کہ بعض صورتوں میں غیر کفو میں نکاح جائز نہیں ولی کیلئے یا لڑکی کے لئے۔

ملفوظ ۲۸:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بعض قوموں کے بعض خواص تقریباً فطری ہوتے ہیں۔ کسی قوم کی اس میں کوئی تخصیص نہیں۔ چوسانہ کے رئیس محمود خاں کہتے تھے کہ ایک قوم کے ایک چودھری کسی پیر سے مرید تھے اس نے پیر سے کہا تھا کہ پیر جی اپنے صاحبزادے کو منع کر دینا کہ ہماری قوم کے کسی شخص کو مرید نہ کرے۔ انھوں نے وجہ پوچھی کہنے لگا کہ کئی مرتبہ میرے جی میں آیا کہ تمھاری بھینس کھول کرلے جاؤں۔ مگر پیر سمجھ کر نفس کو دبا رکھا ہے اور آئندہ نسل میں یہ بات نہ رہیگی کہ پیر کی رعایت نفس سے زیادہ کریں تو یہ خواص کثرت عادت مثل فطری کے ہوجاتے

ہیں۔ ایک سخت مزاج قوم کے ایک بزرگ تھے۔ جنگل میں رہتے تھے ان کے متعلق دو شخصوں میں گفتگو ہوئی۔ ایک نے کہا کہ فلاں قوم کے لوگ کبھی بزرگ نہیں ہو سکتے۔ دوسرے نے کہا ہو کیوں نہیں ہو سکتے۔ دیکھو فلاں بزرگ ہیں۔ اخیر میں مشورہ ٹھہرا کہ چلو امتحان کریں جنگل میں پہونچے ان بزرگ کے پاس ادھر ادھر کی دو چار باتیں کر کے منکر نے ان بزرگ نے کہا کہ آپ جنگل میں تنہا رہتے ہیں۔ جہاں پھاڑ کھانے والے جانور شیر بھیڑیے رہتے ہیں آپ کو تو ڈر معلوم ہوتا ہوگا تو وہ بزرگ جواب میں کہتے ہیں کہ میں شیر بھیڑیوں سے تو کیا ڈرتا۔ میں خدا سے تو ڈرتا ہی نہیں ایسے خواص کو دیکھ کر شیخ زادوں کی قوم کے کیلئے فطرت کی صفت مشہور ہے۔ ایسی باتیں ضرب المثل ہو گئی ہیں انکے پیچھے پڑنا اور اپنی قوم سے نفی کرنا غیر مفید ہے۔ قاری عبدالرحمٰن پانی پتی" کی ایک حکایت ہے کہ باندہ میں مدرس تھے ایک سرحدی طالب علم ان سے پڑھتا تھا ایک روز وہ قاری صاحب کے پاس ایک دری لایا اور عرض کیا کہ ہم آپ کے واسطے دری لایا ہے۔ قاری صاحب نے یہ سمجھ کر کہ طالب علم غریب بے دیسی ہے فرمایا کہ تم طالب علم آدمی ہو اپنے کام میں لاؤ۔ میرے پاس بستر کافی ہے۔ واپس لے گیا دوسرے روز پھر لایا قاری صاحب نے لینے سے پھر عذر کیا۔ تو کہا کہ ہم بڑے شوق سے لایا ہے تم اسکو لے گا قاری صاحب نے پھر عذر کیا۔ واپس لے گیا۔ پھر تیسرے روز لایا۔ قاری صاحب نے اصرار کیوجہ سے اور یہ سمجھ کر کہ اس کی دل آزاری ہوگی قبول فرمالی تو وہ سرحدی طالب علم کہتا ہے کہ شکر ہے آج دو مسلمانوں کی جان بچ گئی ورنہ آج ہم ایک چھرا لایا تھا ایک ہاتھ تمہارے مارتا اور ایک اپنے۔ دونوں ختم ہو جاتے"۔ مولانا محمد اسحاق صاحب کی ایک حکایت ہے کہ ایک سرحدی طالب علم آپ کے پاس پڑھتا تھا۔ مولانا بہت ہی متواضع تھے ایک بار پیاس لگی صراحی قریب رکھی تھی خود پانی لے کر پی لیا اسنے باوجود شاگرد ہونے کے تھا مولانا کا ہاتھ مروڑ دیا اور کہا کہ ہم سے پانی کیوں نہیں مانگا ہم کس واسطے ہے۔ ہم خدمت کے واسطے ہے۔ تبلائیے جو باتیں طبعی اور فطری ہیں ان کا کیا علاج ہے۔ بعضی قومیں اپنے خواص سنکر خوامخواہ چڑتے ہیں اور ان خواص کی نفی کرنے کے لئے جلسے کرنا کمیٹیاں کرنا رزولیوشن پاس کرنا اپنے کو زیادہ ظاہر کرنا ہے۔

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

ملفوظ ۲۹:- فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں عرصہ سے اپنی اصلاح کی فکر میں تھا آج اللہ تعالیٰ نے دل میں یہ بات ڈالی کہ جب تک فلاں شخص سے (اس سے مراد میں ہوں) مرید نہ ہوگا اصلاح نہ ہوگی اور یہ لکھ کر مجھ پر زور ڈالا۔ میں نے لکھ دیا کہ الہام تو تم کو ہوا اور عمل مجھ پر واجب ہو۔ یہ عجیب ہے۔ پھر الہام بھی ہوا تو مرید ہونے کا۔ جسکا حاصل یہ ہے کہ مرید ہونا اصلاح کے لئے شرط ہے اسلئے یہ الہام ہی غلط ہے کیونکہ غلط چیز کا الہام غلط ہی ہوگا۔ میں ان لوگوں کی نبضیں بحمد اللہ خوب پہچانتا ہوں۔ دوسری جگہ اگر ایسا خط آتا تو نہ معلوم کسقدر مدح سرائی کی جاتی اور ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا۔ یہاں یہ گت بنی کہ اسکے الہام کی بھی قدر نہ کی گئی۔

ملفوظ ۳۰:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ ابتلاء لوگوں کو طریق کی حقیقت سے بے خبری کی بنا پر ہے کہ غیر ضروری کو ضروری اور غیر مقصود کو مقصود سمجھ رکھا ہے میں اس ہی جہل سے نکالنا چاہتا ہوں چاہتا یہ ہوں کہ ہر چیز اپنی حد پر رہے۔ لوگوں کے عقائد درست ہوں اور علماء جس طرح بہت سی چیزوں کو بدعت سمجھ کر مٹانیکی کوشش کرتے ہیں معلوم نہیں۔ بیعت کے متعلق کیوں خاموشی ہے یہاں بھی تو غیر ضروری اور غیر واجب کو لوگ ضروری اور واجب سمجھنے لگے مگر کوئی روک ٹوک نہیں کرتا۔

ملفوظ ۳۱:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل یہ مرض بھی عام ہو گیا ہے کہ دوسروں کے قصوں جھگڑوں میں لوگ پڑے رہتے ہیں۔ بہت لوگوں کو اللہ نے فراغ دیا۔ تندرستی نصیب کی مگر کوئی قدر نہیں کرتا۔ یہ بھی کفران نعمت ہے۔ اپنی نہ دنیا کی فکر نہ آخرت کی خنشی الی ہناک الاخسی (؟) کا مصداق بنے ہوئے ہیں اور ایسے لوگوں کو اگر کوئی بات ہاتھ نہیں آتی تو اخبار ہی کو لے کر بیٹھ جائیں گے۔ آدمی کو اپنی فکر چاہیئے کیوں اپنا وقت خراب کرے۔ وقت کا نصیب ہونا بڑی دولت ہے۔ مسلمان کا تو یہ مذہب ہونا چاہیئے ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم   از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

ملفوظ ۳۲:- ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت دل میں برے برے خیالات آتے ہیں کیا کروں۔ دریافت فرمایا خود لاتے ہو یا وہ خود آتے ہیں۔ عرض کیا کہ وہ خود ہی آتے ہیں۔ فرمایا کہ اگر اس طرح آویں آنے دو۔ کل کو کہنا کہ سڑک پر بھنگی چمار سب ہی چل رہے ہیں کیا کروں۔ اسی طرح یہ دل بھی سڑک ہے اس پر بھی سب ہی چلتے ہیں۔ پھر پوچھا کہ تم کو کبھی راستے پر کتے بھی ملتے ہیں۔ عرض کیا کہ جی ہاں ملتے ہیں۔ فرمایا کہ اس پر کبھی شبہ نہ ہوا کہ کیا کروں۔

ملفوظ ۳۳:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ان انگریزی خوانوں میں بعضے عجیب بیہودہ مہمل محاورے چلے ہیں۔ میرے ایک عزیز کے یہاں ایک وکیل صاحب مہمان تھے میری بھی دعوت تھی انہوں نے چنے کی روٹی بھی پکوائی تھی اور مجھ کو گو عادت گیہوں کے کھانے کی ہے مگر اس خیال سے کہ یہ کہیں گے کہ ملانے ایسے مغرور ہیں کہ چنے کی روٹی سے استنکاف ہے میں نے بھی چنے کی روٹی کے کھانیکا ارادہ کیا۔ میزبان بولے کہ وکیل صاحب کو زکام ہے۔ اسلئے ان کے واسطے چنے کی روٹی پکوائی ہے۔ میں نے چھوڑ دی تو وکیل صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں آپ کھا سکتے ہیں یہ محاورہ ملاحظہ ہو۔ ایک صاحب یہاں پر آئے تھے۔ ایک مہمان یہاں سے رخصت ہونے لگے تو وہ صاحب مجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا میں بھی اسٹیشن جا سکتا ہوں۔ میں نے کہا کہ خدا نے پیر دیئے چلنے کو آنکھیں دیں دیکھنے کو جا کیوں نہیں سکتے۔ جلد وہاں پہونچ جاؤ گے۔ یہ ہے ان لوگوں کی تہذیب اور محاورات جن سے الجھن ہو۔ میں تو اکثر کہا کرتا ہوں کہ یہ تہذیب نہیں تعذیب ہے۔

ملفوظ ۳۴:- فرمایا کہ ایک بی بی ہاپوڑ سے آئی ہیں۔ پہلے تو مجھکو خط لکھا۔ میں نے کچھ ضروری ضروری باتیں معلوم کیں۔ جنکے فیصلے پر آنے کی اجازت دینا موقوف تھا۔ ان کا جواب تو نہیں دیا خود اپنے جوان لڑکے کو ساتھ لے کر آ دھمکیں۔ میں نے صاف کہدیا کہ تم بے اصول آئیں۔ اسلئے قیام کی اجازت نہیں۔ عجیب کوڑ مغزی اور بدفہمی کا زمانہ ہے مرد ہوں یا عورت سب ہی اسکا شکار بنے ہوئے ہیں۔ ہر شخص کو چاہیئے کہ انجام کو سوچ کر کام کرے۔

ملفوظ ۳۵:- ایک نو وارد صاحب کی غلطی پر متنبہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ آپ لوگ مجھے بدنام کرتے ہیں اور خود اچھے خاصے رہتے ہیں کالک کا ٹیکا میرے ماتھے لگتا ہے مجھ کو اس کا خاص رنج ہے کہ ایک شخص سفر کرکے سفر کی پریشانی صعوبت اٹھا کر آتا ہے۔ مگر

اپنی ان حرکتوں کی وجہ سے اس آنے والی کی مزاج پرسی کی جاسکتی ہے نہ دل جوئی۔ اس سے مجھ کو کس قدر شرمندگی ہوتی ہے مگر کیا کروں مجبور ہوں کیونکہ اگر خاموش رہوں تو اصلاح نہ ہو۔ جہل میں ابتلاء رہے اسلئے بولنا پڑتا ہے مگر اس سے بدنامی اور خود شرمندگی بھی ہوتی ہے افسوس معاشرت تو بالکل ہی خراب اور برباد ہو گئی اصول تو رہے ہی نہیں جو جی میں آیا وہ کرلیا۔ اللہ نے آدمی کو فہم دیا عقل دی اس سے کام لینا چاہیئے۔

ملفوظ:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج جو ہاپوڑ سے ایک بی بی اپنے جوان لڑکے کو ساتھ لیکر آئیں ہیں معلوم ہوا کہ آنے کی غرض بیعت ہے۔ اب بتلائیے کیسے نہ بولوں بیعت تو اختلافی مستحب ہے اس کی وجہ سے فرض واجب کو گڑبڑ میں ڈالنا خصوص عورتوں کو کس قدر بے حجابات ہے۔ چنانچہ نماز ہے۔ پردہ ہے یہ فرض ہیں۔ انکو گڑبڑ میں ڈالنا کہاں تک مناسب ہے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو عورت کے لئے جو ایک مرتبہ حج کرچکی تھی۔ دوبارہ حج میں جانے کو بھی مناسب نہیں فرماتے تھے یہ حدود ہیں انتظام ہے۔ بس اہل ظاہر بے ذوق لوگ ایسی باتیں سنکر گھبراتے تھے۔

ملفوظ:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ گھر کی بعض باتیں مجلس میں بیان کر دیتا ہوں مگر کون سی باتیں صرف وہ جنسے کوئی نفع دینی ہو باقی خانگی اسرار پر تھوڑا ہی مطلع کیا جاتا ہے۔ کہ محض فضول ہے ان مفید حالات کا نمونہ بتلاتا ہوں۔ ہمارے گھر ایک عورت مرید ہونے آئی۔ اپنی ساتھن سے کہا کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ درویش ہیں۔ ان کے یہاں تو پاندان بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پاندان منافی درویشی ہے۔ ہاں گھر نہ ہو بیوی نہ ہو بچے نہ ہوں تب درویشی کی رجسٹری ہوتی ہے۔ جب میں گھر پہونچا یہ قصہ معلوم ہوا۔ میں نے کہا کہ ان کو ہم سے مناسبت نہیں۔ انکو کہیں اور جاکر اصلاح کا تعلق پیدا کرنا چاہیئے اصلاح فرض ہے۔ مگر یہ کہ وہ خاص یہاں ہی ہو یہ فرض نہیں۔ رہا درویش ہونا نہ ہونا سو ہم تو طالب علم ہیں۔ اگر طالب علمی کا نام درویشی ہے تب تو ہم درویش ہیں اور اگر اسکے علاوہ اور کسی چیز کا نام درویشی ہے تو ہم درویش نہیں۔ تمام دنیا درویشوں سے بھری پڑی ہے وہاں جائیں۔ اور ایک یہ بات بتلاؤ کہ تم اپنی اصلاح کے لئے آئی ہو یا ہماری اصلاح کے لئے۔ کیا سی آئی۔ ڈی کا کام بھی سپرد ہے کہ چیزوں کا جائزہ لیتی ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلب غیر اللہ میں مشغول ہے سو اسکی اصلاح سب سے پہلے ضروری ہے۔ اس پر بڑی معذرت کی معافی چاہی میں نے کہا کہ معافی سے کیا انکار ہے مگر اس طرح اصلاح نہیں ہوا کرتی کہ وہ ہمارے عیب نکالیں ہم ان کے عیب نکالیں یہ تو وہی مثل ہو جاوے گی۔ من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو۔ میں یہ کہکر چلا آیا

اب پھر مجھ کو بلا کر بھیجا ہے۔ میں نے چلتے وقت گھر میں کہدیا تھا کہ اب تم انکو کچھ مت کہنا بحمد اللہ
میں تو عین مواخذہ کے وقت اور عین غصہ کی حالت میں بھی حدود کی رعایت رکھتا ہوں اور
جو کچھ کہتا ہوں مصالح پر نظر کر کے قصد سے کہتا ہوں کوئی اضطراری کیفیت پیدا نہیں ہوتی بلکہ
اختیاری کیفیت ہوتی ہے۔ آنے والے کی مصلحت پیش نظر رہتی ہے اب بلایا ہے اگر پچاس مرتبہ بھی
بلا دیں جانے کو تیار ہوں آخر مہمان ہیں۔ مہمان کا حق ہے۔ پھر اللہ کا نام معلوم کرنے کے لئے
ان کا راستہ پوچھنے آئی ہیں۔ مگر کیا کروں کام تو کام ہی کے طریقہ سے ہوتا ہے اسلئے غلطی پر
تنبیہ کرنا پڑتا ہے سو اصلاح یہیں سے شروع ہو گئی۔ مگر ان مصالح کو تو کوئی دیکھتا نہیں اعتراض
شروع کر دیتے ہیں۔ ایک اور قصہ ہے۔ ایک عورت مکان پر آکر ٹھہریں۔ چونکہ بڑے گھر
میں سے اہل حاجت اقارب و اجانب کی خدمت کیلئے بہت زیادہ خرچ کرتی ہیں حتی کہ حدود
سے بھی آگے بڑھ جاتی ہیں۔ اور اسی کی بدولت اکثر زیور بکتا بنتا رہتا ہے۔ قرض دار ہو جاتی ہیں
غرض اسی سلسلے میں وہ زیور بیچ رہی تھیں۔ ان مہمان بی بی نے پانچ روپیہ دوسرے خریدار
سے زائد لگائے۔ لالچ میں آ کر انکو دیدیا۔ مجھ کو اسکی اطلاع ہوئی۔ میں نے واپس کرایا کہ انھوں
نے لحاظ کیوجہ سے قیمت زائد لگائی ہے۔ لہٰذا خریدار کی رضامندی سے زیور واپس لو اور اس
کا روپیہ اسکو دو۔ سو میں تو یہاں تک رعایتیں کرتا ہوں۔ اس پر اگر آنے والے میرے ساتھ ایسا
برتاؤ کریں تو ناگواری ضرور ہوگی۔

ع ۳۸ ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ تم بدفہم معلوم ہوتے ہو

ملفوظ:- تم کو مجھ سے مناسبت نہیں۔ میں تمھاری خدمت سے معذور ہوں۔ تمہاری اصلاح
یہاں نہیں ہو سکتی۔ کہیں اور جا کر اصلاح کا تعلق پیدا کرو اگر کسی مصلح کا نام مجھ سے دریافت
کرو گے میں بتلا دوں گا نہ پوچھو تو اپنا کام کرو۔ یہاں سے رخصت کون بیٹھا ہوا ان بدفہموں
کی چاپلوسیاں کیا کرے۔ یہاں بحمد اللہ یہ جھگڑا ہی نہیں کہ لوگوں کو گھیرا جاوے۔ البتہ خدمت
کو تیار ہوں آدھی رات بھی عذر نہیں۔ خادم ہوں بشرطیکہ سلیقہ اور ڈھنگ سے خدمت لی جاوے
اور ویسے بے طریقہ اور بے اصولی سے اگر کوئی خدمت لینا چاہے تو میں کسی کا نوکر نہیں غلام نہیں
بعضے اسطرح آتے ہیں جیسے کوئی نواب کے نیچے ہوتے ہیں۔ بات پوچھی جاتی ہے جواب ابھی
ندارد۔ چپ کا روزہ رکھ کر آتے ہیں اور بولے بھی تو منھ کے اندر ہی اندر دوسرا کوئی سن
ہی نہ سکے یہ آج کل تہذیب میں داخل ہے کہ اول تو بولو مت اور اگر بولو تو اسطرح کہ دوسرا نہ سنے
سو ایسے بدفہموں کا یہاں کوئی کام نہیں۔ چلتے بنو۔ عرض کیا قصور ہوا۔ آئندہ کبھی ایسی حرکت
نہ کروں گا۔ فرمایا کہ اب کہاں سے زبان لگ گئی۔ پٹاپٹ بولنا شروع کر دیا اب کہاں سے گھڑی

میں کوک بھر گئی۔ میں تمہاری نبضیں خوب پہچانتا ہوں۔ معترض ان واقعات کی ترتیب کو نہیں دیکھتے۔ یہاں پر رہ کر دیکھیں تب انکو معلوم ہو کہ کیا کیا واقعات پیش آتے ہیں اور یہ معلوم ہو کہ آنے والے بدخلق ہیں یا میں۔ مظلوم یہ ہیں یا میں ظالم یہ ہیں یا میں اور دور بیٹھے فیصلے دینا کون انصاف کی بات ہے۔ پھر ان صاحب سے فرمایا کہ جب تک رہو مجلس میں خاموش بیٹھے ہوئے باتیں سنا کرو۔ اور وطن واپس پہونچکر بذریعہ خط وکتابت تعلیم کے متعلق طے کرنا۔ پہلے آدمی بنو کیا بزرگی اور ولایت کو ڈھونڈتے پھرتے ہو۔ آدمیت سیکھو بزرگی بیچاری تو ایک دن میں ساتھ ہو لیتی ہے اور مل جاتی ہے۔ مشکل چیز آدمیت اور انسانیت ہے میرے یہاں بزرگی وزرگی تقسیم نہیں ہوتی اور ہو تو جب جبکہ میں خود بزرگ ہوں۔ ہاں ایک مسلمان ہوں الحمدللہ باقی میرے یہاں صرف آدمیت انسانیت تقسیم ہوتی ہے۔ اگر کسی کو پسند ہو آئے ورنہ جہاں چاہے جائے۔ بزرگیوں کی تقسیم تو بڑے بڑے دربار کھلے ہوئے ہیں گئے تھیں اور بزرگ بنے نہیں۔ افسوس ان رسمی مشائخ اور پیروں نے ایسی دکانداری اختیار کی ہے کہ لوگوں کے کمالات اور عقائد کو بالکل تباہ اور برباد کر دیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب مدتوں کے بعد ان دکاندار مکاروں کی پول کھلی ہے۔ خفا تو بہت ہیں مگر ہوتا کیا ہے حق ہی غالب ہو کر رہے گا۔ قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔

۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

ملفوظ ۳۹:- ایک صاحب نے ایک پرچہ پیش کیا۔ حضرت والا نے اسکو ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ میں عامل تو نہیں ہوں اور یہ کام عاملوں کا ہے لیکن اگر تم کہو تو اللہ کا نام لکھدوں۔ عرض کیا کہ حضرت کو اختیار ہے۔ فرمایا اگر مجھ کو اختیار دیتے ہو تو جاؤ میں نہیں لکھتا بندۂ خدا یہ میری بات کا جواب ہوا۔ میں نے سیدھی بات کہی اس کا الٹا پلٹا جواب دیا۔ کچھ نہیں سمجھیں خراب ہو گئیں۔ لوگوں کے مذاق ہی بدل گئے۔ جو چیزیں اذیت اور تکلیف پہونچانیوالی ہیں وہ راحت بخش سمجھی جاتی ہیں۔ اس قدر کایا پلٹ ہوئی ہے کہ جسکا کوئی حد و حساب نہیں۔ میں حتی الامکان اسکی سعی کرتا ہوں کہ بات صاف ہو پوری ہو کسی بات میں الجھن نہ ہو۔ اور لوگ حتی الامکان اسکی کوشش کرتے ہیں کہ اگر صاف بات بھی ہو تو الجھا دیں۔ مرگی کے متعلق میں چند آیتیں لکھ دیتا

ہوں۔ بہت جگہ نفع بھی ہوا مگر کسی عامل کا بتلایا ہوا نہیں۔ اسلئے ظاہر کردیتا ہوں کہ میں عامل نہیں
دوسرے یہ کہدیتا ہوں کہ اگر نفع نہ ہوا تو پھر نہ آنا۔ اس کہدینے سے دھوکا نہیں ہوتا۔ ایک صاحب
مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے ان تعویذ طلب کرنے والے سے کچھ کہا اس پر حضرت والا
نے فرمایا کہ کسی کی بات میں دخل دینا بالکل تہذیب کے خلاف ہے۔ دیکھئے میں بتلاتا ہوں امراء کی
مجلس کی تہذیب اور ہے اور غریبوں کی مجلس کی تہذیب اور ہے۔ دوسرے اس سے معلوم ہوتا
ہے کہ ہم مخصوصین میں سے ہیں اور ایذی کا ڈھنگ ہے۔ تیسرے چہار طرف سے آنے والے پر ہجوم کرنا
وہ بیچارا گھبرا جاتا ہے کہ یہ چہار طرف سے کیا بلا نازل ہوئی۔ میرا مضمون چاہے کتنا ہی رد کیا ہو مگر
حدود سے متجاوز نہیں ہوتا۔ میں سوچ سمجھ کر الفاظ زبان سے نکالتا ہوں۔ پھر یہ کہ میں اگر کچھ کہہ
لوں تو اسکا تدارک بھی کرسکتا ہوں۔ اور یہ حضرت جو درمیانی ہولے ہیں نذیر ہی نذیر ہیں۔
ان میں بشیر کا نام بھی نہیں۔ عرض کیا کہ آئندہ کبھی ایسا نہ ہوگا معافی کا خواستگار ہوں۔ فرمایا
معاف ہے مگر ایسی باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔

ع ۴۰ **ملفوظ :-** ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ عقل ونقل دونوں کا حکم ہے کہ سہولت کا انتظام کرو
اپنے لئے بھی اور دوسرے کے لئے بھی۔ باقی بعضے نادان ہر انتظام کو سختی سمجھتے
ہیں۔ جو سخت غلطی ہے۔ سختی وہ ہے کہ اصول سخت ہوں اگر کوئی شخص کسی کو مضر چیزوں سے بچنے
پر مجبور کرے تو کیا اسکو سخت کہیں گے۔ میرے یہ تمام قواعد اور اصول راحت ہی کے واسطے ہیں تو
انکو سختی کہنا محض جہل ہے۔

ع ۴۱ **ملفوظ :-** ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ محض گردن جھکا کر نرم بولنے کو اخلاق نہیں کہتے
بلکہ اخلاق کی حقیقت یہ ہے کہ تمام رذائل سے قلب صاف ہو اور فضائل سے
قلب معمور ہو اور ان کی جڑ دین ہو تاکہ اسکو بقاء اور رسوخ ہو اور اگر صرف نرم بولنا ہی اخلاق
ہے تو ہمارے ضلع میں ایک کلکٹر تھا۔ اس کی یہ عادت تھی کہ غصہ میں نہایت نرم لہجے سے کہتا کہ
آپ کا کان پکڑ کر باہر نکال دو تو کیا اسکو تہذیب اور حسن اخلاق سے تعبیر کروگے گو وہ اخراج ناحق
ہی ہو اور آج جو یورپ کے اخلاق و تہذیب کی تعریف کی جاتی ہے اول تو یہ ان کے گھر کی چیز
نہیں۔ ہمارے گھر کی چیز ہے وہ مستحق مدح نہیں۔ دوسرے ان کے ان اخلاق کی جڑ محض دنیا
ہے اور وہ محض پالیسی اور مصلحت پر مبنی ہے جو مصلحت کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں تو وہ اخلاق
نہیں محض رسوم نہیں۔ میں حیدرآباد دکن گیا تھا۔ ایک دوست نے مدعو کیا تھا۔ اسی دوران
میں بعض احباب کے اصرار پر دار الضرب دیکھنے گیا۔ جہاں سکہ اور ٹکٹ وغیرہ بنتا ہے۔ ان چیزوں
کا دکھلانیوالا ایک انگریز تھا۔ جب سب دیکھ کر ہم دروازہ پر لوٹ کر آئے اور اس سے رخصت ہونے

لگے تو میں نے بطور شکر یہ کے کہا ہے کہ آپ کے اخلاق تو ایسے ہیں جیسے مسلمانوں کے اخلاق ہوتے ہیں۔ ایک بڑے عہدہ دار میرے ہمراہ تھے۔ انھوں نے کہا کہ آپ نے تو غضب ہی کیا۔ عجیب طرز سے تعریف کی کہ تعریف کے ساتھ ہی اسکی تنقیص بھی ہو گئی کہ اخلاق میں تم ہم سے گھٹے ہوئے ہو میں نے کہا کہ میں نے حقیقت بیان کر دی کہ کہیں اسکو ناز ہو کہ ہمارے اخلاق ایسے ہیں۔ میں نے یہ بتلا دیا کہ یہ ہمارے گھر کی چیز ہے جو تمہارے پاس ہے۔ باقی جس خاص تہذیب پر انکو ناز ہے وہ تہذیب ہی نہیں تعذیب ہے۔ تہذیب حقیقی اسلامی تعلیم ہی کے اندر ہے۔ حضرت ابراہیم تیمی کرایہ کے گھوڑے پر سفر کر رہے تھے۔ اتفاق سے ان کا چابک گھوڑے سے گر پڑا۔ خود گھوڑے سے اتر کر پیدل جا کر چابک لائے۔ کسی نے دریافت کیا کہ اسی گھوڑے پر سوار رہکر چابک کے موقع تک نہ پہونچے۔ فرمایا یہ مسافت شرط سے زائد تھی۔ اسلئے بلا اذن انہیں گھوڑے کا استعمال جائز نہ تھا امام مالکؒ کے یہاں امام شافعیؒ مہمان ہوئے۔ جسوقت کھانا آیا امام مالکؒ صاحب نے غلام سے فرمایا کہ پہلے ہمارے ہاتھ دھلاؤ۔ ہمارے سامنے پہلے کھانا رکھو خود پہلے کھانا کھانا شروع فرمایا اور یہ سب رسم و عرف کے خلاف تھا۔ اس میں راز یہ تھا کہ تجربہ کی اور طبعی بات ہے کہ کھانا کھانے میں سبقت کرتے ہوئے مہمان کو گرانی ہوتی ہے۔ اور یہ مہمان کا حق ہے کہ اس پر کسی قسم کی گرانی اور بار نہ ہو۔ اسلئے میزبان خود شروع کرے تاکہ مہمان کا دل کھل جائے۔ دیکھئے کیسی عمیق اور دقیق بات سمجھی کہ ہر چیز میں پیش قدمی فرمائی۔ ہاتھ پہلے اپنے دھلوائے کھانا اپنے سامنے پہلے رکھوایا۔ خود پہلے کھانا شروع کر دیا جس سے مہمان ہلکا پھلکا ہو گیا۔ عرب کی تہذیب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے چند روز میں کہاں سے کہاں پہونچ گئی۔ ایک بدوی حضرت معاویہؓ کے دستر خوان پر کھانا کھا رہا تھا حضرت نے فرمایا کہ بھائی ذرا لقمہ چھوٹا لو کبھی حلق میں پھنس کر تکلیف نہ ہو۔ وہ بدوی ایک دم کھانا چھوڑ اور چلدیا۔ حضرت معاویہؓ نے بیحد کوشش کی رو کنے کی اس نے کہا کہ تم کھانا کھاتے ہوئے مہمان کو دیکھتے ہو۔ تمہارے دستر خوان پر کھانا کر ہم کو جائز نہیں۔ دیکھئے ایک جنگلی کے جذبات جس وقت جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بلا واسطہ یا بواسطہ قریب کلمہ سکھایا۔ ایک دم تہذیب حقیقی اور اصول صحیحہ سب ان کے اندر پیوست ہو گئے۔ عجیب برکت بھری تعلیم تھی۔ سبحان اللہ لوہے کو کندن بنا دیا بلکہ اکسیر جس سے یہ جذبات اور اصول بدوی لوگوں تک میں پیدا ہو گئے اور ایک یہی کیا واللہ ساری ہی تہذیبیں اور اصول عطا ہو گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس کون سے تجربے تھے مگر کیا کچھ کر گئے۔

ملفوظ ۴۴ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کے طالب بھی ایسے رہ گئے ہیں۔ آتے ہیں۔ چاہتے یہ ہیں کہ آؤ بھگت ہو خاطر تواضع ہو اور جب تک رہیں لنگر سے کھانا ملے

جب رخصت ہوں پیر سینہ میں سے کچھ دیدے نہ کچھ کرنا پڑے نہ دھرنا ۔ اصلاح کا باب تو اس زمانہ میں بالکل ہی مسدود ہو گیا ۔ روک ٹوک کی برداشت نہیں ۔ یہ محبت کا دعویٰ کر کے آئے تھے کہا تھا کس نے کہ اس راہ میں قدم رکھنا ۔ ارے طالب مولیٰ بنکر یہ حالت ہے ۔ طالب لیلیٰ مجنون کی حالت نہیں سنی اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود　　گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

اے عزیز اس میدان میں آیا ہی کیوں تھا ۔ اس راہ میں چلا ہی کیوں تھا ۔ کیا معلوم نہ تھا کہ یہ عشاق کا میدان ہے ۔ ایسے ویسے تو اس راہ میں یوں ہی اپنا سامنہ لیکر رہ جاتے ہیں ۔ جب ایک چرکہ کی بھی برداشت نہیں تو اس راہ میں ہزاروں تلواریں اور چھریاں اور آرے چلتے ہیں اسوقت کیا کرو گے اسکو مولانا فرماتے ہیں ؎

تو بیک زخمی گریزانی ز عشق　　تو بجز نامے چہ میدانی ز عشق
در بہر زخمے تو پر کینہ شوی　　پس کجا صیقل چو آئینہ شوی

ملفوظ ۴۳:- فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں نے آپ کا بتلایا ہوا وظیفہ شروع کیا تھا ۔ ایک چلہ ختم ہو گیا کوئی اثر نہیں ہوا ۔ اس سے کوئی پوچھے کہ بندہ خدا میں نے یہ کب دعویٰ کیا تھا کہ ضرور اثر ہو گا ۔ فرمایا کہ میں جو مناسب فیو دلگا دیتا ہوں ان سے یہ نفع ہے کہ میں اب یہ جواب دے سکتا ہوں ۔ پیر جیوں نے لوگوں کے عقائد کا ناس کر دیا ہے ان کی دکانداری پھیری اور لوگوں کا دین خراب اور برباد ہوا ۔ ان کو اپنے نفع سے غرض مردہ بہشت میں جائے یا دوزخ میں ۔ انھیں اپنے حلوے مانڈوں سے کام ۔ ان جاہل پیروں اور فقیروں کی بدولت بڑی گمراہی پھیلی ۔ اللہ بچائے جہل اور بدفہمی سے ۔

ملفوظ ۴۴:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دیوبند کا بڑا جلسہ ہوا تھا تو اسمیں ایک رئیس صاحب نے کوشش کی تھی کہ دیوبندیوں اور بریلویوں میں صلح ہو جائے میں نے کہا کہ ہماری طرف سے تو کوئی جنگ نہیں وہ نماز پڑھاتے ہیں ہم پڑھ لیتے ہیں ہم پڑھاتے ہیں وہ نہیں پڑھتے تو انکو آمادہ کرو (مزاحاً فرمایا کہ ان سے کہو آمادہ نہ آگیا) ہم سے کیا کہتے ہو ۔ آج کل طبائع میں ایک خاص بات یہ بھی پیدا ہو گئی ہے کہ اہل حق کو تو کہا جاتا ہے کہ تم اہل باطل سے متفق ہو جاؤ اہل باطل کو نہیں کہتے کہ تم باطل چھوڑ کر اہل حق سے متفق ہو جاؤ ۔ عجیب عقلیں ہیں کہتے ہیں کہ تفریق مناسب نہیں ۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ تفریق مناسب نہیں ۔ مگر اس کا صحیح طریقہ تو یہی ہے کہ اہل باطل کو چاہیئے کہ وہ اپنا باطل مسلک چھوڑ کر اہل حق سے متفق ہوں نہ کہ اہل حق اپنا مسلک چھوڑ کر اہل باطل سے متفق ہوں اور اتفاق وہی مطلوب ہے جو حق کے ساتھ ہو ورنہ یہ اغراض

تو دور تک پہونچتا ہے کہ جب کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اعلاء کلمۃ اللہ کا اعلان کیا تو تمام کفار کفر پر متفق تھے۔ اس اعلان سے ایک دم تفرق پیدا ہو گیا۔ یہاں پر کیا کہا جاوے گا ظاہر ہے کہ اہل حق کے لئے یہاں تفرق ہی مطلوب اور محمود تھا۔ پس جسطرح وہاں کفار کو حضور ..... کے ساتھ اپنا کفر چھوڑ کر متفق ہو جانا چاہیئے تھا۔ اسی طرح یہاں سمجھ لو کہ تمام اہل باطل کو اپنا باطل چھوڑ کر اہل حق کے ساتھ متفق ہو جانا چاہیئے۔ اور اگر اہل حق کو کہا جاوے کہ یہ حق کو چھوڑ کر ان کے ساتھ متفق ہو جائیں تو یہ اتفاق خود مردود اور غیر مطلوب ہے۔

ایک صاحب نے کانپور میں بطور اعتراض کے مجھ سے کہا کہ آپ گیارہویں کو منع کرتے ہیں اور دوسرے جائز کہتے ہیں۔ اب ہم کیا کریں۔ میں نے کہا یہ کہیئے کہ آپ نے ان مجوزین سے بھی کہا ہے کہ تم گیارہویں کو جائز کہتے ہو اور دوسرے منع کرتے ہیں۔ ہم کیا کریں۔ بس خاموش میں نے کہا کہ یہ حق کی طلب اور تحقیق نہیں۔ نفس کی پیروی ہے کہ دل پہلے سے اس طرف مائل ہے قلب میں اس شق کی عظمت ہے۔ اسکو نفس چاہتا ہے۔ اسلئے ہم سے کہتے ہو ان سے نہیں کہتے۔ اگر تردد ہے تو دونوں طرف یکساں ہونا چاہیئے۔ خواہ مخواہ بیکار وقت کیوں خراب کرتے پھرتے ہو۔

ملفوظ ۵۔۲۴:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مستحب طریقہ سے ایصال ثواب تو بعد کی چیز ہے۔ سب سے پہلے دیکھنے کی اور ضروری چیزیں یہ ہیں کہ مرحوم کے ذمے قرض تو نہیں اگر قرض ہے تو یہ فرض ہے کہ پہلے اسکو ادا کیا جاوے اگر قرض نہیں یا ادا ہو کر کچھ ترکہ بچ گیا۔ تو یہ دیکھو کہ مرحوم کی کچھ وصیت تو نہیں جب اس سے بھی یکسوئی ہو جاوے اور ترکہ خالص وارثوں کا قرار پا جاوے تو پھر دوسرے خیر خیرات خصوص متعارف رسمیات سے مقدم یہ دیکھنا ہے کہ میت کے ذمہ کچھ نماز اور روزہ تو قضا نہیں اگر ہے تو اسکا فدیہ دیں اگر اسکے ذمہ زکوٰۃ ہو اسکو ادا کریں محلہ میں جو غربا، یتیم بیوہ محتاج ہوں انکو تقسیم کر دیا جائے۔ یہ دوسری تطوع ایصال ثواب سے بڑھ کر ہے۔ مگر اس کی طرف آج کل لوگوں کو قطعاً التفات نہیں۔ علی الحساب سیکڑوں ہزاروں روپیہ مرحوم کی طرف سے خرچ کر دیں گے اور یہ سب خرابیاں رسموں کی ہیں۔ اب دیکھ لیا جائے کہ یہ ضروری ہے یا نہیں۔ اسکو ہر دیندار سمجھ سکتا ہے بیچارے اہل حق کو بدنام کیا جاتا ہے کہ مولوی وہابی ایصال ثواب کو منع کرتے ہیں۔ لو ایصال ثواب کرو۔ مولوی اجازت دیتے ہیں منع نہیں کرتے۔ مگر ایصال ثواب کا طریقہ بتلاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص بجائے قبلہ رخ ہونے کے پورب کو منہ کر کے نماز پڑھنے لگے۔ اور اسکو کوئی منع کرے کہ نماز نہ ہوگی تو کیا یہ

یہ شخص نماز کو منع کرتا ہے۔ یا نماز کے صحیح پڑھنے کا طریقہ بتلا رہا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ دیکھو یہ کو نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے۔ تو تم کیا فیصلہ دو گے۔ جو وہاں فیصلہ دو وہی یہاں سمجھ لو۔

ملفوظ ۲۶:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں ثواب کیلئے کھانا کھلانے کے متعلق فرمایا کہ اگر ایک دم کھانا پکا کر کھلایا جاوے۔ اس صورت میں تو زیادہ تر برادری ہی کھا جاوے گی۔ جیسے کہ رسم ہو رہی ہے۔ اس سے وہ صورت بہتر ہے جو میں عرض کرتا ہوں کہ اسکی تین صورتیں ہیں۔ پکا کر کھلایا جاوے۔ خشک جنس دیدی جائے۔ نقد تقسیم کر دیا جاوے سو سب سے افضل اور بہتر صورت تو یہی ہے کہ مستحقین کو تقسیم کر دیا جاوے۔ کیونکہ معلوم نہیں ان کو کیا ضرورت پیش ہو۔ انسان کے ساتھ علاوہ کھانے کے اور بہت سی ضرورتیں ہوتی ہیں۔ مثلاً بیوہ عورت پردہ نشین ہے اب کسی کو کیا خبر کہ اسکو کیا حاجت اور ضرورت پیش ہے۔ دوسرے درجہ کی صورت یہ ہے کہ خشک جنس دیدی جاوے کہ جب جی چاہے گا اور جسطرح جی چاہے گا پکا کر خود کھا لیں گے۔ تیسرے درجہ کی صورت یہ ہے کہ پکا کر کھلایا جاوے سو اسکی بہتر صورت یہ ہے کہ روزانہ ایک دو خوراک پکا کر مستحقین کو پہونچا دی جایا کرے ایک دم پکانے سے مستحق اور غیر مستحق سب جمع ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ہنگاموں میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ مستحق رہ جاتے ہیں۔ اور غیر مستحق کھا جاتے ہیں۔ یہ سب تجربات کی بنا پر عرض کر رہا ہوں۔ عرض کیا گیا کہ جس طریق سے آج کل قرآن شریف پڑھ کر ایصال ثواب کیا جاتا ہے کیا اس طرح پر قرآن پاک پڑھ کر ایصال ثواب کر دیا جاوے۔ فرمایا کہ صورت مروجہ تو ٹھیک نہیں ہاں احباب خاص سے کہدیا جاوے کہ اپنے اپنے مقام پر حسب توفیق پڑھ کر ثواب پہونچا دیں باقی اجتماعی صورت سو اس میں بھی وہی کھانے کی سی گڑبڑ ہے۔ لوگ مختلف نیتوں سے آتے ہیں۔ اور اکثر ریاء ہے۔ میری ہمشیرہ والدہ مولوی ظفر احمد کا انتقال ہوا۔ میں اس وقت مدرسہ جامع العلوم کانپور میں تھا۔ عین درس کی حالت میں خط پہنچا رنج ہوا۔ طلبہ نے محسوس کیا۔ سبق نہیں پڑھا۔ چہرہ سے معلوم کر لیا کہ کوئی حادثہ ہوا۔ حالانکہ میں نے ظاہر نہیں کیا تھا۔ مگر معلوم ہو گیا مجھ سے اجازت چاہی کہ جمع ہو کر قرآن خوانی کریں۔ میں نے کہا کہ ایسا نہ کرو بلکہ اگر جی چاہے سب اپنے اپنے حجروں میں جس قدر جی چاہے قرآن پاک پڑھ کر ثواب پہونچا دو۔ اور مجھ کو بھی خبر نہ کرو اور اس صورت سے اگر تین بار قل ھو اللہ پڑھ کر بخش دو گے جس سے ایک قرآن کا ثواب مل جاوے گا۔ یہ اس سے اچھا ہے کہ دس بار پڑھ کر مجھ کو جتلاؤ۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں تھوڑے بہت کو نہیں دیکھا جاتا۔ خلوص اور نیت دیکھی جاتی ہے۔ اور یہ طریق اسلئے تجویز کیا گیا کہ اگر جمع ہوں گے تو کچھ تو خلوص سے پڑھیں گے اور

کچھ اس لیئے شریک ہوں گے کہ اگر شریک نہ ہوئے تو یہ کہیں گے کہ ان کو ہم سے ہمدردی نہیں پھر ثواب کہاں۔ اور احسان کی گٹھڑی سر پر رہی۔ اور حق تعالیٰ خلوص کو دیکھتے ہیں قلیل کثیر پر نظر نہیں فرماتے۔ حتیٰ کہ اگر ایک شخص ایک امرود کسی کو خلوص اور محبت سے دے اور ایک بدون خلوص اور محبت کے سو روپیہ دے تو ان میں وہ ایک امرود دینے والا عند اللہ افضل ہو گا۔

ملفوظ ۴۷: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مشاہدہ اور معمول ہے کہ قلیل کثیر پر خود ہماری ہی نظر نہیں ہوتی۔ محبت و خلوص کو دیکھتے ہیں تو حق سبحانہ تعالیٰ تو کیا نظر فرماتے۔ بھوپال کے قریب کی ایک ریاست کے نواب صاحب کے بھیجے ہوئے ایک شخص یہاں پر آئے تھے۔ بہت کچھ لائے تھے مگر میں نے عذر کر دیا کہ بدون بے تکلفی کے پہلی ملاقات میں۔ میں ہدیہ نہیں لیا کرتا۔ یہ میرا معمول ہے اس لئے نہیں لیا کیونکہ خلوص مشکوک تھا۔ اور ایک غریب ایک اکنی لیکر آیا اور کہا کہ ایک پیسہ رکھ لو اور باقی تین پیسے واپس کر دو۔ محبت اور خلوص کے جوش میں لیکر آ گیا۔ میں نے نہایت قدردانی کے ساتھ لے لیا۔ تو حق تعالیٰ قلیل و کثیر پر نظر نہیں فرماتے وہ صرف خلوص اور نیت کو دیکھتے ہیں۔ اسی کو ہمارے حضرت نے خوب کہا ہے ؎

بس ہے اپنا ایک بھی نالہ اگر پہونچے وہاں ٭ گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ و فریاد ہم

حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرا ایک صحابی ایک مد کھجور خیرات کرے اور غیر صحابی احد پہاڑ کے برابر سونا تو وہ اس درجہ کو نہیں پہونچ سکتا۔ یہ فرق خلوص اور عدم خلوص ہی کا تو ہے۔ اور چونکہ وہ خلوص صحابیت کا خاصہ ہے۔ اسلیئے صحابیت کو اسکا مدار قرار دیا گیا۔

ملفوظ ۴۸: ایک شخص کے انتقال کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ عین انتقال کے وقت اس نے یہ کہا کہ وہ ایک اونٹنی لیکر مجھ کو لینے آیا ہے (اس سے میں مراد ہوں) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی حق تعالیٰ اپنی رحمت کی بنا پر ملائکہ کو اس شکل میں بھیج دیتے ہیں تاکہ میت کو انس ہو۔ جان کندنی کے وقت سہولت ہو۔ جس شخص کی شکل نظر آتی ہے اس کی حقیقت نہیں ہوتی۔ صرف صورت ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔ رحمتیں ہیں۔ کیا کوئی انکا احاطہ کر سکتا ہے وہ ماں باپ سے زیادہ بندوں پر شفیق و رحیم ہے۔ بندہ ہی خود ناکارہ ہے۔ اس طرف سے تو ہر وقت عطاء اور کرم ہوتا ہے ؎

من نہ کردم خلق تا سودے کنم ٭ بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

اسکے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر ٭ تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

عـ ۱۴۹
ملفوظ:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جن کے قلوب میں خدا کی محبت اور عظمت ہے اور جو اس راہ میں ثابت قدم ہیں ان کی شان ہی جدا ہے۔ ان کی ہر ادا سے خدا کی محبت ٹپکتی ہے ان کے چہروں سے نور عیاں ہے۔ مشک چھپائے نہیں چھپتا ان کی یہ حالت ہے ؎

نور حق ظاہر بود اندر ولی — نیک بیں باشی اگر اہل دلی
مرد حقانی کے پیشانی کا نور — کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

اور وہ ہر حال میں مسرور رہتے۔ مست ہیں خوش ہیں اور بزبان حال کہتے ہیں ؎

ناخوش تو خوش بود بر جان من — دل فدائے یار دل رنجان من

اور کہتے ہیں ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت — سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

عـ ۱۵۰
ملفوظ:- ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت قبر پر قرآن شریف پڑھ آیا کروں۔ فرمایا اجرت پر جائز نہیں ویسے کوئی حرج نہیں۔ اور اجرت سے تو خود اسے ہی ثواب نہ ملے گا۔ تو بخشے گا کیا۔ عرض کیا کہ بعض لوگ بڑے پیر صاحب کی نذر و نیاز کرتے ہیں منتیں مانتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے فرمایا کہ علاوہ فساد عقیدہ کے نیت پر نظر کر کے دیکھ لیا جاوے کہ ہم جیسوں پر اس سے گرانی ہوتی ہے کہ ہم کو کوئی ہدیہ دے کر کسی کام کی فرمائش کرے تو بڑے پیر صاحب کو دنیوی غرض سے ثواب بخشنے میں تو وہ اس کو منہ بھی نہ لگائیں گے۔ اپنی ضروری حاجتیں تو خدا سے طلب کرو ایصال ثواب کو اس کا آلہ کیوں بناؤ باقی ثواب بخشنا سو خلوص نیت سے اللہ کے واسطے صرف کر کے حضرت بڑے پیر صاحب کو ثواب پہونچاؤ کون منع کرتا ہے۔ یہ ممانعت تو خرافات بدعات شرکیات وغیرہ کی وجہ سے کی جاتی ہے نہ یہ کہ ثواب پہونچانے کو منع کیا جاتا ہے۔

عـ ۱۵۱
ملفوظ:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعضے مہربانوں کی طرف سے جو برا بھلا کہنے اور سب و شتم و لعن و طعن کی بوچھار نظر آتی ہے۔ یہ سب حقائق کے اظہار پر عنایتیں ہو رہی ہیں۔ جس سے یہ حالت ہو رہی ہے کہ ؎

خشمہاؤ چشمہاؤ رشکہا — بر سرت ریزد چو آب از مشکہا

ایسے حضرات کا شب و روز مشغلہ ہے کہ مجھ پر اور میری تصانیف پر اعتراضات کئے جا رہے ہیں اور یہ لوگ تو دشمنی پر محمول کرتے ہیں اور میں خدا کی ایک بڑی زبردست رحمت اور نعمت پر محمول کرتا ہوں۔ اگر میں ہزاروں روپیہ بھی صرف کرتا اور اپنی تصنیفات پر

نظر اصلاحی کراتا تب بھی اس قدر کامیابی ہونا مشکل تھا۔ جس قدر اب مخالفین کی بدولت کام ہو رہا ہے یہ سب خدا کا فضل اور رحمت ہے جسکا میں شکر ادا نہیں کر سکتا۔

ملفوظ ۵۲:- ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس طریق میں سب سے زیادہ نازک چیز اصلاح کا کام ہے۔ یہ بدون شیخ کامل کے نہیں ہو سکتا اور شیخ کامل سے مراد بزرگ ولی قطب غوث نہیں بلکہ فن داں مراد ہے جو فن جانتا ہو جسکو فن سے مناسبت ہو۔ پھر اگر اسکے ساتھ تقوی طہارت بھی ہو تو اسکی تعلیم میں نور ہو گا برکت ہو گی۔ لیکن خود فن کے لئے وہ شرط نہیں یہ تو بالکل فن طب کیطرح ہر ایک فن ہے۔ تو جیسے طبیب جسمانی کا بزرگ ولی قطب غوث ہونا شرط نہیں۔ ایسے ہی یہاں بھی شرط نہیں ہاں فن داں ہو فن کو جانتا ہو اصلاح کیلئے کافی ہے اور اگر بزرگ ولی قطب غوث ہو۔ مگر فن نہ جانتا ہو وہ اصلاح نہیں کر سکتا۔

ملفوظ ۵۳:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میرے پاس سوائے بزرگوں کی دعا کی برکت کے اور کچھ نہیں۔ خصوص حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور یہ سب ان ہی بڑے میاں کی محبت و شفقت توجہ دعا کے پھل ہیں۔ ورنہ مجھے اپنی علمی عملی حقیقت خوب اچھی طرح معلوم ہے۔ مخالف لوگ خواہ مخواہ اس کوشش میں پریشان ہیں کہ وہ میرے عیوب پر مخلوق کو مطلع کریں۔ میں خود ہی اپنی حقیقت منکشف کئے دیتا ہوں۔ اور اس موقع پر یہ شعر پڑھا کرتا ہوں ؎

ہیں گلہ کرتا ہوں اپنا تو نہ سن غیروں کی بات
ہیں یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہیں

اور جب کوئی مجھ سے اعتراض کرتا ہے اور میری روک ٹوک اور اصلاح پر ناگواری ہوتی ہے تو پڑھا کرتا ہوں ؎

ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

اور اس برا بھلا سب و شتم اور لعن طعن کرنے پر یہ پڑھا کرتا ہوں ؎

دوست کرتے ہیں شکایت غیر کرتے ہیں گلہ
کیا قیامت ہے مجھی کو سب برا کہنے کو ہیں

خیر کہا کریں برا بھلا اور لگائیں الزام اور بہتان اور کریں اچھی طرح بدنام یہاں تو الحمد للہ یہ مذہب ہے ؎

عاشق بدنام کو پروائے ننگ و نام کیا
اور جو خود ناکام ہو اس کو کسی سے کام کیا

اور یہ مشرب رہا ہے ؎

دل آرامیکہ داری دل درو بند
دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

اگر یہ بات نہ ہو تو اچھی خاصی مخلوق پرستی ہے کہ فلاں برا نہ کہے فلاں بھلا نہ کہے اچھا خاصہ عذاب ہے۔ خیر کوئی کچھ کہا کرے کوئی خوش رہے یا ناراض معتقد ہو یا غیر معتقد یہ کہہ کر الگ ہو جانا چاہئیے ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم　　　از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

اور یہ کہدینا چاہیئے ؎

تمہیں غیروں سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کب خالی : چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

اور صاحب یہ تو بے فکروں کی باتیں ہیں۔ جنکو آخرت کی فکر ہے ان کو ان چیزوں کی فرصت کہاں۔ انھیں دشمن کے مقابلے کے واسطے وقت ہی میسر نہیں دوست کی مشغولی کیا کچھ کم ہے۔ خوب کہا ہے ؎

گرایں مدعی دوست بشناختے　　　بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

اور ان کی مشغولی تو بڑی چیز ہے ایک فانی عورت لیلیٰ کے عشق میں مجنوں کی کیا کیفیت تھی اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود　　　گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

ملفوظ ۵۴:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل حالت تو یہ ہو رہی ہے کہ کام شروع کرنے سے قبل ہی سب کچھ بننا چاہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ساری عمر کے مجاہدات اور ریاضات پر بھی اگر فضل ہو جائے تو ان کی بڑی رحمت ہے۔ اور یہ کیا تھوڑی نعمت ہے کہ انھوں نے اپنے کام میں لگا لیا اور کیا بننا چاہتے ہو اور یاد رکھو کہ جب تک اس کی ہوس قلب میں ہے کہ ہم کچھ ہو جائیں۔ بس خوب سمجھ لو کہ یہ شخص محروم ہے ہوسوں کو فنا کرے اور خدمت میں مشغول رہے اور فضل کا امیدوار رہے۔ اور مایوس نہ ہو اور اپنی ناقابلیت پر نظر کر کے ہراساں نہ ہو۔ اٹھو چلو پھر دیکھو جو کو دشوار نظر آرہا ہے وہ اسکو کیسا سہل فرما دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک تو دشوار اور مشکل نہیں۔ اسی کو فرماتے ہیں ؎

تو مگو ما را بداں شہ بار نیست　　　با کریماں کارہا دشوار نیست

لیکن طلب شرط ہے ہمارے اندر طلب ہی نہیں۔ طلب ہو تو دیکھو پھر کیا ہوتا ہے ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد　　　اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

ملفوظ ۵۵:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اگر طلب کی حقیقت نہ ہو تو صورت تو ہو وہ صورت پر بھی فضل فرما دیتے ہیں۔ بڑی رحیم کریم ذات ہے لیکن جب کوئی اس طرف رخ ہی نہ کرے اور منہ پھیر کر چلے تو اس کا کسی کے پاس کیا علاج ہے اسکے متعلق فرماتے ہیں انلزمکموھا وانتم لھا کٰرھون۔ غرض اسطرف متوجہ ہونا طلب کرنا جس طرح بھی ہو۔ یہ انسان کا کام ہے آگے وہ خود سب کچھ کرلیں گے۔ یہی طلب

اور نیاز ہے جس کو مولانا گریہ سے تعبیر فرماتے ہیں ؎

اے خوشا چشمے کہ آں گریانِ اوست　　اے خوشاں آں دل کہ آں بریانِ اوست
در تضرع باش تا شاداں شوی　　گریہ کن تا بے دہاں خندہ شوی
در پسِ ہر گریہ آخر خندہ ایست　　مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

اور اگر نیاز نہیں تو نرے رونے سے کچھ نہ ہوگا جب تک کہ قلب اسکے ساتھ ساتھ نہ ہو۔ کیونکہ آنکھ سے رونا سو بعض کو رونا آجاتا ہے۔ بعض کو نہیں آتا یہ فعل غیر اختیاری ہے۔ جبکا منشا محض ایک غیر اختیاری کیفیت ہے۔ جو مقصود نہیں گو محمود ہے چنانچہ بعض کو ساری عمر نہیں آتا۔ اور سب کام بن جاتا ہے اور اسی نرے رونے کو بدون نیاز کے کہتے ہیں

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال　　صد سال میتواں بتمنا گریستن

اسی طرح یہ مروج بھوبھاں ہو حق کود پھاند کوئی چیز نہیں اول تو یہ خود خالی شخص کی حالت ہے اور اگر خالی بھی نہ ہو تب بھی کمال کی حالت نہیں۔ ہمارے بزرگوں میں سے حضرت شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد۔ اینجا مردانند کہ دریاہا فرو برند و آروغ نزنند اسیطرح حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مجلس وجد میں کسی نے سوال کیا کہ آپ کو اثر نہیں ہوا انھوں نے فرمایا وترى الجبال تحسبها جامدة وهى تمر مر السحاب تو ان کی حالت یہ ہوتی ہے۔ اسی طرح ہمارے اکثر حضرات ہنستے بولتے رہتے تھے۔ مگر قلب کے اندر ایک آگ رکھتے تھے۔ اسکی ایک مثال میں نے تجویز کر رکھی ہے۔ جیسے توا ہنستا ہے مگر کوئی ہاتھ لگا کر دیکھے تو اس کے ہنسنے کا پتہ چل جائے گا۔ ایک بزرگ رونے کے بارہ میں فرماتے ہیں ؎

تو اے افسردہ دل زاہد یکے در بزم رنداں شو　　کہ بینی خندہ بر لبہا و آتش پارہ در دلہا

غرض یہی نیاز کے ساتھ گریہ زاری کامیابی کا مقدمہ ہے۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

تا نہ گرید کودکِ حلوا فروش　　بحرِ بخشائش نمی آید بجوش
تا نہ گرید طفل کے جوشد لبن　　تا نہ گرید ابر کے خندد چمن
کام تو موقوف زاری دلست　　بے تضرع کامیابی مشکل است
ہر کجا پستی است آب آنجا رود　　ہر کجا مشکل جواب آنجا رود
ہر کجا رنجے شفا آنجا رود　　ہر کجا دردے دوا آنجا رود

ملفوظ نمبر ۵۶　ایک نو وارد صاحب حاضر ہوئے۔ حضرت والا کے دریافت فرمانے پر عرض کیا کہ مجھ کو تنہائی میں کچھ عرض کرنا ہے۔ فرمایا کہ مجھ کو اتنی فرصت نہیں

اگر ایسی ہی خلوت کی ضرورت ہے۔ تو اس کی دوسری سہل صورت یہ ہے کہ جو کچھ کہنا ہے ایک پرچہ پر لکھ لاؤ۔ اس کو میں ہی پڑھوں گا۔ دوسرے کو خبر نہ ہوگی۔ یہ اس سے بھی بہتر خلوت ہے۔ جاؤ الگ بیٹھ کر لکھ لاؤ۔ دیکھو تنہائی کا موقع مجمع ہی میں ملے گا۔ وہ صاحب پرچہ لکھ کر لائے۔ اس میں کسی کام کے لئے عمل کی درخواست تھی۔ ملاحظہ فرما کر فرمایا جا بندہ خدا اس کے لئے تنہائی کی ضرورت تھی۔ یہ تو مجمع میں بھی کہہ سکتے تھے۔ یہ کون سے راز کی بات تھی جس میں اپنا اور میرا وقت خراب کرنا چاہتے تھے۔ تم لوگوں کو اتنی بھی عقل نہیں کہ وہ کون سی ایسی باتیں ہیں جنکے لئے تخلیہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ تو ایسا ہوگیا جیسے دو چرواہے بھینس چرایا کرتے تھے۔ ایک دریا کے اس کنارے کھڑا تھا۔ دوسرا دریا کو عبور کر کے اپنی کسی ضرورت سے اس کنارے پہونچ گیا تھا۔ اس طرف والے نے آواز دی کہ میری ایک بات سن جا۔ اس نے کہا وہیں سے کہدے۔ اب تو دریا پار کر کے بمشکل اس طرف پہونچا ہوں کہتا ہے کہ زور سے کہنے کی بات نہیں۔ کبھی کوئی اور سن لے۔ کان میں سننے کی بات ہے جلدی آ وہ مصیبت کا مارا۔ تیر کر پھر اس طرف آیا تو اس بلانے والے نے اسکے کان سے منہ لگا کر کہا کہ آج بھینس کہاں چراؤ گے۔ اس نے کہا کہ جا تیرا ناس ہو مجھے تو پریشان کر ڈالا کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔ یہ بات تو کوئی راز کی نہ تھی۔ وہیں سے کہہ سکتا تھا۔ یہ تو افواہی حکایت ہے۔ مگر تم نے کر کے دکھلا دیا۔ خدا معلوم عقل اور فہم دنیا سے رخصت ہی ہوگئے۔ جواب نہیں جواب میں صاف کہے دیتا ہوں کہ میں عامل نہیں ہوں یہ کام عاملوں کا ہے۔ اگر کہو گے کوئی اللہ کا نام پڑھنے کو بتلا دوں گا۔ اور اس کا وعدہ نہیں کہ کوئی ثمرہ مرتب ہوگا یا نہیں۔ کبھی پھر شکایت کر دیا مجھ کو دق کرو۔ عرض کیا کہ حضرت کچھ پڑھنے کو فرما دیں۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ عمل کروں گا۔ فرمایا کہ جو میں نے کہا وہ بھی بغور سن لیا۔ عرض کیا کہ جی سن لیا فرمایا کہ بعد نماز عشاء، چودہ سو چودہ مرتبہ یَا وَھَّابُ پڑھ کر خلوص دل سے دعا کیا کرو۔ اللہ بہتر فرمانے والے ہیں۔ آج کل رزق کے معاملے میں مخلوق کثرت سے پریشان ہے حق تعالیٰ اپنا رحم فرمائیں۔ میرا تو بڑا دل دکھتا ہے۔ جب کسی کی معاشی پریشانی سنتا ہوں۔

ملفوظ ۵۵۰ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اگر کسی کو شیخ کامل میسر ہو جائے جو جامع ہو ظاہر و باطن کا تو بڑی دولت ہے بڑی نعمت ہے۔ ہمارے حضرات کی یہی شان تھی وہ جامع تھے۔ ان کی حالت یہ تھی ؎

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

اور یہ حالت تھی ؎

بہار عالم حسنش دل و جان تازہ میدارد   برنگ اصحاب صورت را ببوار باب معنی را

ملفوظ ۵۸:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل مقصود کو غیر مقصود اور غیر مقصود کو مقصود بنا رکھا ہے۔ اوراد اور وظائف کو تو طریق سمجھتے ہیں۔ اور کیفیات لذات کو اس کا ثمرہ مقصودہ کس قدر دھوکا ہے۔ حالانکہ اعمال مقصود ہیں اور رضاء حق ثمرہ ہے یہ ہے طریق کی حیثیت پھر اگر ساری عمر کیفیات اور لذات نہ ہوں تو کوئی بھی نقصان نہیں کام کرنے والے کی تو شان ہی دوسری ہوتی ہے۔ وہ اسکو کب دیکھتا ہے کہ لذت آتی ہے یا نہیں۔ جی لگتا ہے یا نہیں۔ اگر اسپر کام کو موقوف رکھا جاوے تو خدا پرستی تو نہ ہوئی لذت پرستی نفس پرستی ہوئی۔ اپنی ہی پوجا پاٹ میں رہا خدا کا کیا کام کیا۔ کیوں ان فضولیات اور عبث میں وقت خراب اور برباد کرتے ہو۔ کام میں لگو۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے پنہاری یہ کہے کہ میرا تو جی نہیں لگتا اور نہ چکی پھرانے میں لذت آتی ہے تو کیا جواب ملے گا۔ یہی کہو گے کہ یہ جی لگنے کی چیز نہیں عمل کی چیز ہے۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ میں ذکر کرتا ہوں۔ مزا نہیں آتا۔ میں نے عرفی تہذیب چھوڑ کر کہا کہ مزا تو مذی میں ہوتا ہے۔ ذکر میں مزا کہاں۔ ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ یہ سب طریق کی حقیقت سے بے خبری کی بنا پر لوگوں کو غلطیوں میں ابتلا ہو رہا ہے۔

ملفوظ ۵۹:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بزرگی کی چند علامتیں عوام نے انتخاب کر رکھی ہیں۔ پھر آگے چاہے وہ ڈاکو ہی ہو چور ہو رہزن ہو زانی ہو جھوٹا ہو مکار ہو فریبی ہو۔ مگر یہ درویشی ایسا بحر ذخار سمجھتے ہیں کہ اسکو کوئی ناپاک نہیں کرسکتا۔ وہ علامتیں یہ ہیں کہ کپڑے رنگے ہوں۔ بڑے بڑے دانوں کی تسبیح ہاتھ میں ہو کسی سے بات نہ کرتے ہوں۔ بڑا اچھا خوش زیب تن ہو سر پر عمامہ ہو۔ پھر چاہے اندر یہ حالت ہو۔ جسکو فرماتے ہیں ؎

از بروں چوں گور کافر پر حلل   واندروں قہر خدائے عزوجل

از بروں طعنہ زنی بر بایزید   وز دروں ننگ می دارد یزید

اور عارف شیرازی ایسی ہی جامہ ریائی کے متعلق فرماتے ہیں ؎

نقد صوفی نہ ہمہ صافی دبے غش باشد   اے بسا خرقہ کہ مستوجب آتش باشد

میاں کہاں کی تن آرائی اور بناؤ سنگار لئے پھرتے ہو وہاں تو فنا ہو نا مٹنا اپنے کو پامال کرد بنا عجز انکسار شکستگی یہ چیزیں اس بازار میں چلتی ہیں نہ یہ کہ تسبیح ہاتھ میں ہے۔ زبان پر توبہ ہے اور دل کی کیفیت یہ ہوتی ہے جسکو ...... فرماتے ہیں ؎

سبحہ برکف توبہ برلب دل پراز ذوق گناہ + معصیت راخندہ می آید براستغفار ما

تسبیح اگر لیں گے تو ایسی کہ میدان کارزار میں تلوار کی بھی ضرورت نہ ہو وہ تسبیح لٹھ کا کام دے سکے ۔ لباس ایسا پہنیں گے کہ دور سے معلوم ہو کہ کوئی بہت بڑے شاہ صاحب ہیں مگر یہ شاہ صاحبی کیسی کہ جسکے لئے وردی کی ضرورت ہے ۔ میاں وردی میں کیا رکھا ہے دل وردی ہونا چاہیئے ۔ جن کے قلوب میں حق تعالیٰ کی محبت ہے ۔ اور اس طرف کا تعلق ہے ۔ انکو بناؤ سنگار کی کہاں فرصت ۔ انکی تو یہ حالت ہے ؎

بنا شد اہل باطن در پئے آرائش ظاہر بنقاش احتیاجے نیست دیوار گلستاں را

دل فریباں نباتی ہمہ زیور بستند دلبر ماست کہ با حسن خدا داد آمد

معلوم بھی ہے درویشی کہتے کسکو ہیں ۔ درویشی صرف خدا سے صحیح تعلق کا نام ہے ۔ اور آگے سب عبث اور فضول ہے ۔ طریق کی بھی یہی حقیقت ہے ۔ باقی یہ بناؤ سنگار اور تن آرائی یہ وہ شئے ہے ۔ جسکی نسبت ایک دانشمند کا قول ہے ؎

ایں تن آرائی وایں تن پروری عاقبت سازد ترا از دیں بری

ملفوظ ۵۰: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کے عقلاء عقل کو احکام میں دخیل بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عقل احکام کی کسوٹی ہے ۔ ایسے ہی عقل پرست کی ایک حکایت ہے کہ اپنی ماں سے منہ کالا کرتا تھا ۔ اور یہ کہا کرتا تھا کہ جب میں سارا ہی اسکے اندر تھا تو اگر میرا ایک جزو اسکے اندر چلا گیا تو کیا حرج اور کیا گناہ ہے ۔ ایک شخص گوہ کھایا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ جب میرے ہی اندر تھا تو پھر اگر میرے اندر چلا گیا تو کیا حرج ہے ۔ ایسے ہی عقل پرستوں کی نسبت مولانا فرماتے ہیں ؎

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

اور جنکو تم دیوانہ سمجھتے ہو ایسی دیوانگی کی نسبت فرماتے ہیں ؎

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد مرعسس را دید و در خانہ نشد

ایسی عقل جو محبوب سے دوری پیدا کردے وہ عقل نہیں نہایت درجہ اور پرلے درجہ کی بدعقلی ہے ۔ اور جو محبوب سے واصل کرے اگر وہ دیوانگی بھی ہے تو ہزار عقلوں سے افضل ہے اور وہ دیوانگی وہ ہے جسکو مولانا فرماتے ہیں ؎

باز دیوانہ شدم من اے طبیب باز سودائی شدم من اے حبیب

نری عقل و ذکاوت سے کیا کام چل سکتا ہے جب تک اطاعت اور محبت نہ ہو انسی کو فرماتے ہیں ؎

فہم خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

بس راستہ صرف ایک ہی ہے کہ محبت و اطاعت کے ساتھ احکام شریعت کے سامنے اپنے کو پیش کردو اور بجز اسکے کوئی راستہ نہیں کیوں ادھر ادھر بھٹکتے پھرتے ہو۔ کہیں راہ نہ ملے گا۔

ملفوظ ۶۱: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اب تو الحاد دہریت نیچریت کا زمانہ ہے اور ایسا کچھ قلوب پر زہریلا اثر ہوا ہے کہ ان بد دماغوں کو کسی کی بزرگی اور ولایت و شخصیت پر تو کیا اعتماد ہوتا اور کیا کسی کی وقعت و عظمت ان کی نظر میں ہوتی جب کہ خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت قلوب سے نکلتی جاتی ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ بدون محبت کے کسی کام کا ہونا سخت دشوار اور مشکل ہوتا ہے۔ ان حضرات کی حکومت قلوب پر ہوتی ہے۔ جس کی بنا روہی محبت ہے۔ اور ان سلاطین کی حکومت جسم پر۔ ان حضرات کے خدام اور محکومین کی شان ہی جدا ہوتی ہے۔ جو کہہ دیا جاتا ہے وہ کرتے ہیں۔ کسی بات سے انکار نہیں ہوتا۔ رسم پرست اور ظاہر پرست تو کبھی ایسا نہیں کر سکتے۔ اور یہ زمانہ تو بڑا نازک ہے۔ اس میں رسم پرستی کا اور ظاہر پرستی ہی کا غلبہ ہے۔ اور زیادہ مذاق لوگوں کا اس نیچریت کے بدولت خراب ہوا ہے۔ مگر الحمد للہ الیسوں کا مذاق اور مزاج درست کر دیا جاتا ہے۔

ملفوظ ۶۲: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بڑے ہی فتنہ کا زمانہ ہے۔ جسے دیکھو باون ہی گز کا نظر آتا ہے۔ چنانچہ ایک طبقہ مدعیان اجتہاد کا ..... ہے۔ جسکو دیکھو الگ ہی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائے بیٹھا ہے۔ ان میں خصوصیت سے ایک بات ایسی بری ہے جو جڑ ہے تمام خرابیوں کی وہ یہ ہے کہ ان میں مرض ہے بدگمانی کا پھر اس سے بدزبانی پیدا ہوتی ہے۔ بزرگوں کی شان بدزبانی کرنا یا ان کی طرف بدگمانی کرنا نہایت ہی خطرناک چیز ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ بزرگوں کے معتقد بنو۔ معتقد ہونا فرض نہیں۔ مگر بدگمانی سے بچنا تو فرض ہے۔ اگر ان لوگوں میں یہ بات نہ ہو تو خیر یہ بھی ایک طریق ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ دیانت ہو نیک نیتی ہو۔ اگر یہ نہیں تو پھر شیعوں کی طرح یہ بھی ایک اچھا خاصہ تبرائی فرقہ ہے اور اصل ..... یہ ہے کہ جس چیز کی یہ نفی کرتے ہیں اور جسکے مخالف ہیں وہی چیز انکو سنوار سکتی ہے اور وہ کسی کامل کی صحبت ہے۔ بدون صحبت کامل کے انسانیت اور آدمیت پیدا ہوتی نہیں۔ مگر یہ جماعت نہ قرآن و حدیث کو صحیح طور پر سمجھی اور نہ تصوف کو۔ اکثر ایسوں کے خطوط آتے ہیں۔ اور بعض خود بھی آتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ سوائے

چند چیزوں کے نہ پورے مسائل کی خبر نہ قرآن وحدیث میں مہارت محض برا بھلا کہنا ان کا مذہب ہے کسی کو بدعتی کسی کو مشرک کسیکو فاسق کسیکو فاجر بنانا خوب جانتے ہیں اور خود اپنی خبر نہیں کہ قلب میں ہزاروں بت یعنی رذائل جمع کر رکھے ہیں۔ خصوص کبر تو اس جماعت کے لوگوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اور سب سے زیادہ یہی جڑ ہے خرابیوں کی۔ بعض اہل علم اس جماعت کے یہاں پر آئے قیام کر کے دیکھ گئے۔ بفضلہ تعالیٰ اپنی زبان سے اقرار کر گئے کہ یہاں پر کوئی چیز سنت رسول اللہ اور حدیث رسول اللہ اور کتاب اللہ کے خلاف نہیں۔ ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ ایک غیر مقلد عالم نے تو یہ کہا کہ ہماری جماعت بھول میں ہے۔ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ ان کا فضل ہے اور اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت ہے کہ ہر چیز یہاں پر اپنی حد پر ہے۔ مجھ کو تحدث بالنعمۃ کے طور پر اسکی مسرت ہے۔

ملفوظ ۶۳:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ فقہ کا فن بھی بڑا نازک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مدعیان اجتہاد اس میں الجھتے تو ہیں مگر سمجھتے نہیں۔ اور وجہ نہ سمجھنے کی نور فہم کی کمی ہے۔ جو کسی کی جوتیاں سیدھی کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ جس سے انکو عار اور استکبار ہے یہی سبب ہے۔ انکی محرومی کا اور تماشہ ہے کہ اپنی تو ساری دنیا سے تقلید کرانا چاہتے ہیں۔ اور خود تقلید سے بھاگتے ہیں۔ ان بھلے مانسوں سے کوئی پوچھے کہ تم میں کون سا کمال ممتاز ہے کہ تمہاری کوئی تقلید کرے۔ ایک غیر مقلد عالم سے میری گفتگو ہوئی میں نے کہا کہ اتباع کا مدار عام دلائل نہیں بلکہ حسن ظن ہے۔ چنانچہ آپ کو ابن تیمیہ اور ابن القیم پر اعتماد ہے حسن ظن ہے۔ یہ سمجھتے ہو کہ وہ جو کہتے ہیں قرآن وحدیث ہی سے کہتے ہیں۔ اسلئے انکے اقوال کے بعد دلائل کا بھی انتظار نہیں کرتے۔ حالانکہ میں دکھلا سکتا ہوں کہ وہ دھڑا دھڑ فتوی لگاتے چلے جاتے ہیں۔ لکھتے چلے جاتے ہیں۔ اور دور تک کہیں قرآن وحدیث کا پتہ نہیں۔ نہ کوئی دلیل ہے اپنے دعوے کے اثبات میں۔ اور اس سے بڑھ کر تماشہ یہ ہے کہ بعض جگہ خصم کے دلائل نقل کرتے ہیں۔ اور بدون ان دلائل کے جواب دیئے ہوئے اس میں اختلاف کرتے ہیں۔ خود اپنے دعوے کی دلیل بیان نہیں کرتے۔ سو اسی طرح ہم کو امام ابو حنیفہؒ پر اعتماد اور حسن ظن ہے۔ ہم بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ جو کہتے ہیں قرآن وحدیث سے کہتے ہیں۔ اسلئے دلائل تفصیلیہ کا انتظار نہیں کرتے اب بتلایئے کہ اس میں اور اسمیں کیا فرق ہے۔ کہنے لگے بالکل صحیح ہے۔

ملفوظ ۶۴:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ زمانہ تحریک خلافت میں بھی کم وبیش میں سفر کرتا تھا

باوجودیکہ اس زمانہ میں قتل تک کی دھمکیوں کے خطوط آرہے تھے۔ ایک سفر اس زمانہ میں مرادآباد۔ ٹانڈہ بادلی۔ امروہہ۔ بچھراؤں۔ ان کی طرف ہوا۔ بچھراؤں پہونچ کر معلوم ہوا کہ یہاں کے لوگ بہت زیادہ ناخوش ہیں۔ ایک میرے دوست حکیم صاحب تھے۔ انہوں نے مدعو کیا تھا۔ شب کو کھانے پر وہیں کے ایک باشندے جو مرادآباد میں لیڈری کرتے تھے۔ میرے بائیں ہاتھ کی جانب کھانے کی مجلس میں آکر بیٹھے کھانا آگیا شروع کر دیا گیا۔ اس وقت غالباً کھانے کی مجلس میں دسترخوان پر تیس یا چالیس آدمیوں کا مجمع تھا۔ ایک یا دو لقمہ کھایا ہوگا کہ ان لیڈر صاحب کو اپنی عقل اور معلومات کا جوش اٹھا۔ بولے کہ میں کچھ عرض کر سکتا ہوں۔ میں نے کہا کہ فرمایئے۔ اب انہوں نے تمہیدی مضمون شروع کر دیا۔ کہ حضرت کا علم وفضل اور کمال، بیدار مغزی، حکیم الامت ہونا اور امت کے لئے حضرت کی ذات کا رحمت ہونا اظہر من الشمس ہے اور اسی قسم کے الفاظ کہتے رہے۔ میں نے کہا کہ اس کو چھوڑیئے۔ جو اصل مقصود ہے اسکو بیان کیجئے۔ کہا کہ میرا مشورہ یہ ہے کہ حضرت مقامات مقدسہ کی سیر کریں تو بہت زیادہ نافع ثابت ہوگا مطلب اس سے یہ تھا کہ وہاں کی سیر کرے گا حالات دیکھے گا تو رائے بدل جائے گی تحریک میں شرکت ہو جائیگی۔ میں نے کہا کہ میرے اوصاف واقعیہ یا غیر واقعیہ جس قدر آپ نے بیان کئے یہ تو آپ کو تسلیم ہیں۔ کہا کہ جی۔ میں نے کہا کہ منجملہ اور کمالات کے آپ نے میری بیدار مغزی بھی بیان کی تو باوجود میرے اس قدر جامع کمالات ہونیکے خصوص بیدار مغزی کے میرے دماغ میں یہ بات نہیں آئی۔ اور آپ کے دماغ میں آئی اس سے معلوم ہوا کہ آپ مجھ سے زیادہ صاحب کمالات اور بیدار مغز ہیں۔ اسلئے میرا مشورہ یہ ہے کہ اگر آپ مقامات مقدسہ کا سفر کریں تو بہت ہی زیادہ نافع ثابت ہوگا بس رہ گئے آگے نہیں چلے۔ پھر میں نے ڈانٹا اور کہا کہ کیا تمکو آداب مجلس بھی معلوم نہیں چڑ چڑھی کرنا آتی ہے۔ یہ مجلس سوالات کی تھی یا کھانے کی۔ کیا یہ کھانے کی مجلس کے آداب کے خلاف نہیں کہ ایسا سوال کیا جائے کہ جس سے دماغ پر تعب ہو۔ کھانے کا وقت فراغ اور تفریح کا وقت ہوتا ہے۔ اسوقت تفریح ہی کی باتیں کرنا مناسب ہے۔ میں نے یہ بھی کہا کہ گو میں حکیم صاحب کا مدعو کیا ہوا ہوں۔ حکیم صاحب میرے داعی ہیں۔ مگر بستی میں آنے کی حیثیت سے آپ سب حضرات کا مہمان ہوں۔ میزبان کو یہ حق نہیں کہ مہمان سے کوئی ایسا سوال کرے جس سے اسکے قلب پر بار یا گرانی ہو۔ میرا یہ جواب آئندہ کے لئے سب کو سبق آموز تھا کہ اور کوئی اس قسم کا سوال نہ کر سکے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

بڑی راحت سے وقت گزرا - یہ عقلاء ہیں - ایک ہی جواب پر سب ترکی ختم ہو گئی -
ساری لسانی اور بیہدارمغزی اور روشن دماغی کا کام تمام ہو گیا - قابلیت تو ان لوگوں میں
ہوتی نہیں - چند الفاظ ہیں جو رٹ لیے ہیں - اور قابلیت ہو بھی تو علم نہیں ہوتا -
دو چار ڈگریاں حاصل کر کے دماغ میں خناس سما جاتا ہے - پھر اس پر مزید حماقت کہ اپنے
سامنے کسی کو گردانتے نہیں - اکثر ایسے لوگوں سے ملاقات ہوئی بدفہم بدعقل ہی معلوم ہوئے
ایسوں کو کبھی کوئی بات کارآمد کہتے نہ سنا -

ملفوظ ۹۵:- ایک نووارد صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ میں نے
کون سی غامض اور دقیق بات دریافت کی تھی - جسکا تم جواب نہ دے
سکے - یہی تو معلوم کیا تھا کہ کہاں سے آئے ہو - کون ہو آنے کی غرض کیا ہے - جس پر تم
نے جواب دیا کہ پھر تبلاؤں گا - یہاں سے اٹھو - میں بھی جب ہی بیٹھنے کی اجازت دونگا
ایسے ایسے بدفہم ستانے کو آجاتے ہیں - میرے اندر صفائی ہے صاف بات کو پسند کرتا ہوں
اور ان لوگوں کو صفائی سے دشمنی ہے - عرض کیا کہ میں خلوت میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں
فرمایا کہ بکے جاتا ہے - خاموش نہیں بیٹھا جاتا - معلوم نہیں چور ہے - ڈکیت ہے - سی آئی
ڈی ہے - کہ اپنے کو تبلانا نہیں چاہتا - اس تبلانے میں کون سی خلوت کی ضرورت ہے
اگر ہوگی تو کوئی بات ہی ہوگی راز کی - مگر یہ کون سی راز کی بات ہے - کہ آدمی اپنا وطن
اپنا نام اور جو کام کرتا ہے اسکو ظاہر کر دے - عرض کیا کہ قصور ہوا معاف فرما دیجئے - فرمایا
کہ قصور کی سزا یہی ہے کہ اسوقت مجلس سے اٹھو اور کسی شخص کے واسطے سے بدون اسباب
کے طے کئے ہوئے مجلس میں آکر مت بیٹھو - عرض کیا کہ جو بات ہے وہ ابھی عرض کر دوں گا
فرمایا کہ ماشاء اللہ جو بات ہے ایک سے ایک بڑھ کر ہے - یا تو وہ راز کی بات تھی - خلوت
میں کہنے کی تھی - یا اب جلوت میں آگئی تو کیا ایک مسلمان کا وقت خراب کرنا اس کو دھوکا
دینا جائز ہے - تم لوگوں کی عقلیں کیوں خراب ہو گئیں - اچھا کہو کیا بات ہے - عرض کیا کہ
میں مرید ہونے آیا ہوں اور فلاں بزرگ سے میں اتنے عرصہ سے مرید بھی ہوں - فرمایا بڑا
ہوشیار بنا پھرتا ہے - مریدی آگے ہی رکھی ہے - اٹھا کر لیکر گھر کو چل دے گا - میں ابھی
صاف کہے دیتا ہوں کہ مجھ کو تم سے مناسبت نہیں اور تم کو مجھ سے مناسبت نہیں اور
نفع کے لئے شرط اعظم ہے کہ طرفین سے مناسبت ہو - بدون مناسبت کے ہرگز نفع نہیں ہو سکتا
اسلئے اس کی امید مت رکھو - اور اکثر جو لوگ کسی غیر محقق سے پہلے بیعت ہو جاتے ہیں
ان میں جو خرابیاں ہوتی ہیں وہ نکلنا دشوار ہوتی ہیں - چنانچہ اسوقت اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے

کہ دماغ میں خرابی ہے۔ محنت زیادہ کی ہے۔ دماغ پر اثر ہے۔ اگر کھود کرید نہ کروں کیسے پتہ چلے۔ جاؤ رخصت۔ میں مرید نہ کروں گا۔ عرض کیا کہ چاہے حضرت مجھ کو جان سے ماردیں میں بغیر مرید ہوئے نہ جاؤں گا فرمایا کہ زبردستی مرید ہوگے۔ عرض کیا کہ جی۔ فرمایا اچھا میں اس کا طریقہ بتاتا ہوں۔ وطن واپس ہو جاؤ اور وہاں سے خط لکھو جو مناسب ہو گا جواب دیا جاوے گا۔ عرض کیا کہ ابھی مرید کرلو۔ فرمایا کہ پیر کے حکم کے خلاف بھی کیا کرتے ہیں۔ عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا تو پھر ہم جو حکم کریں وہ کرو اور یہ بھی بتلاؤ کہ تمہارے گاؤں میں کوئی طبیب ہیں۔ عرض کیا کہ ہیں۔ فرمایا انکو نبض دکھلا کر نسخہ پینا۔ جب طبیب کہدے کہ اب تم اچھے ہوگئے۔ اسوقت مجھ کو خط لکھنا۔ اس سے پہلے نہ لکھنا۔ پھر دریافت فرمایا کہ جو میں نے کہا اس کو سمجھ گئے۔ عرض کیا کہ جی سمجھ گیا۔ خلاف تو نہیں کروگے عرض کیا کہ نہیں وطن کب جاؤ گے۔ عرض کیا کہ کل چلا جاؤں گا۔ آج ہی یہاں تم کو کسی طبیب کو دکھلا دیں۔ عرض کیا کہ بہت اچھا۔ ایک شخص کے ساتھ طبیب کے یہاں بھیج دیا اور نسخہ لاکر دکھلانے کو فرمایا اور یہ کہ نسخہ کے دام میں دوں گا جو حضرات حضرت والا کے مسلک پر معترض ہیں وہ اس واقعہ سے سبق حاصل کریں کہ کیا اسی کو بد خلقی اور سختی کہتے ہیں معذور سمجھ کر ایک دم ترحم کا برتاؤ شروع فرمادیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کا ہر کام اللہ ہی کیواسطے ہوتا ہے۔ معترض خوامخواہ برا بھلا کہہ کر اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ احقر جامع ۱۲ منہ)

ملفوظ ۶۶:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ان رسمی اور دکاندار مکار پیروں نے لوگوں کو خراب اور برباد کر دیا۔ لمبے چوڑے وظیفے بتلا دیتے ہیں۔ نہ اخلاق کی اصلاح ہے نہ اعمال کی۔ اب میں اکیلا کہاں تک تیر چلاؤں۔ اور کسی جگہ تو روک ٹوک کا نام ونشان نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں ہی سب کا نشانہ بنا ہوا ہوں۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ میں سب مولویوں اور پیروں کا وقایہ ہوں کہ بدنام میں ہوتا ہوں اور راحت سب کو پہونچتی ہے۔

ملفوظ ۶۷:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ قانون سے لوگ گھبراتے ہیں۔ مگر قانون تو آزاد منش ہی لوگوں کے واسطے ہے۔ اگر قانون نہ ہو تو عالم میں فساد اور خونریزی برپا ہو جائے۔ گورنمنٹ کے قانون کا حاصل یہی ہے۔ اب اگر تمام بدمعاش چور ڈکیت جمع ہو کر کمیٹی کریں اور اس میں رزولیوشن پاس کریں کہ یہ تعزیرات ہند کی دفعہ اور اصول وقواعد نہایت سخت ہیں انکو نکال دیا جائے تو کیا جواب ملے گا

جو وہاں سے جواب ملے وہی ہماری طرف سے سمجھ لیا جائے۔

ملفوظ ۶۸:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ انسان کو چاہیئے کہ کوئی بات ایسی نہ کرے کہ جس سے دوسرے کو تکلیف اور اذیت پہونچے یہ لطف سلوک بلکہ ایک معنی کر کل سلوک ہے۔

ملفوظ ۶۹:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حکومت ہی کی کیا تخصیص ہے ایک خاص حالت میں ہر چیز کو زوال ہے چاہے وہ حکومت ہو یا قوت ہو اور شجاعت ہو مال ہو عزت ہو جاہ ہو علم ہو عمل ہو فضل ہو کمال ہو اور وہ خاص حالت یہ ہے کہ یہ شخص اسکو اپنا کمال سمجھنے لگے۔ عطیہ خداوندی نہ سمجھے اور راز اس کا یہ ہے کہ اس کو اپنا کمال سمجھ کر اس میں حقوق کیطرف نظر نہیں رہتی۔ اس لئے اس امانت سے برطرف کر دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کل ہمارے پاس سب کچھ تھا۔ آج کچھ بھی نہیں۔

ملفوظ ۷۰:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ بھی آج کل بعض لوگوں کا طریقہ ہو گیا ہے کہ مختلف بزرگوں سے ملتے پھرتے ہیں اس سے حالت میں گڑبڑ ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ غالباً سامعین کے نزدیک یہ ایک نئی بات مگر تجربہ کی۔ میں اپنے دوستوں کو اس سے منع کرتا ہوں۔

ملفوظ ۷۱:- ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کسی عالم کو ایک جاہل کے مقابلہ میں اپنے کو اکمل سمجھنا تو جائز ہے۔ مگر افضل سمجھنا جائز نہیں۔ جیسے ایک شخص کو پندرہ پارہ یاد ہیں۔ اور پچاس جگہ بھولتا ہے اور ہم کو سارا قرآن شریف یاد ہے۔ اور پچاس برس تک بھی پچاس جگہ نہیں بھولے تو اکمل تو سمجھیں گے افضل نہ سمجھیں گے۔ اور اسکو اکمل نہ سمجھنا جائز اور اپنے کو افضل سمجھنا ناجائز۔

ملفوظ ۷۲:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کیا کوئی کسی بات پر ناز کرے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حالت تھی کہ جب کوئی مشائخ میں سے ملاقات کے لئے آتے اور حضرت کی کمالات کی تعریف کرتے۔ ان کے چلے جانے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ اللہ میاں کی ستاری ہے کہ اہل نظر کی نظر سے بھی میرے عیوب چھپا رکھے ہیں۔ (سبحان اللہ کیا تواضع ہے)

ملفوظ ۷۳:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں جو منع کیا کرتا ہوں کہ مختلف بزرگوں کی خدمت میں جانا اندیشہ کی چیز ہے۔ اس سے بدعتی ہی مراد نہیں۔ بلکہ اہل حق بھی مراد ہیں۔ وجہ یہ کہ مزاج کا اختلاف طبائع کا اختلاف

وجوہ تربیت کا اختلاف یہ تو سب میں ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اہل حق میں بھی۔ اسلئے طالب تشویش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسلئے سب سے منع کرتا ہوں۔

ملفوظ ۴:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ پہلے ایسی شرارتیں کہاں تھیں۔ بدعتی بھی اللہ اللہ کرنے والے ذاکر شاغل نیک نیت ہوتے تھے۔ اللہ کے نام لینے کی برکت سے قلب میں رقت، انکسار، عاجزی، فنا، تواضع ہوتی تھی۔ علماء اہل حق سے محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔ ان کے قلوب میں علماء کی وقعت عظمت، ادب واحترام ہوتا تھا۔ کبھی ان کے سامنے قیل وقال نہ کرتے تھے۔ اور اب تو نہ ذکر ہے نہ شغل نہ تواضع نہ ادب غرض تدین نہیں۔ فساق، فجار تک ہو جاتے ہیں۔ کبائر تک میں ابتلا ہو جاتا ہے۔ اور پھر صوفی درویش بنے ہوئے ہیں۔ اور جو اہل ادب ہوتے تھے۔ اہل حق بھی حدود کے اندر ان کی رعایت کرتے تھے۔ چنانچہ خود وطن ہی میں جامع مسجد میں میرا بیان ہوا کرتا تھا۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ اس مجمع میں ایک ڈھولک باز بدعتی آیا کرتا ہے۔ ذرا اس کی خبر لیجئے۔ میں نے کہا کہ میں خبر نہیں لیا کرتا۔ خبر دیا کرتا ہوں۔ اور میں نے کبھی اس کے اس مسلک سے تصریحاً تعرض نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود بخود اس کی اصلاح ہو گئی۔

یکم جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم دوشنبہ

ملفوظ ۵:- ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر مدارس کی طرف سے کمیشن پر (یعنی آمدنی کا ایک حصہ نسبت سے) سفیر رکھے جائیں یہ جائز ہے۔ فرمایا کہ شرط فاسد ہے۔ مگر بکثرت مدارس والے اس بلا میں مبتلا ہیں۔ جائز ناجائز کو کوئی نہیں دیکھتا ہے اسی لئے ثمرات و برکات بھی ویسے ہی پیدا ہو رہے ہیں نہ اساتذہ کو طلبہ پر شفقت اور محبت ہے نہ طلبہ کو اساتذہ کا ادب واحترام ہے نہ ظاہراً ان پر علم کی شان معلوم ہوتی ہے نہ باطناً ان میں اسکا اثر ہے۔ یہ سب غیر مشروع آمدنی کے پھل پھول لگ رہے ہیں۔ اسی طرح چندوں میں قطعاً احتیاط نہیں

کر وصول کرنے والے کیسی رقم وصول کر کے لائے۔ نہ تحقیق نہ تفتیش وہ اصول کر کے لائے مدرسہ والوں نے داخل کر لیا۔ کوئی پوچھتا ہی نہیں۔ مگر بعض بندے اللہ کے محتاط بھی ہیں۔ میں ہر طرح پر اور ہر صورت سے اہل مدارس کو آگاہ کر چکا۔ مگر کون سنتا ہے

ملفوظ ۴۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ معلوم نہیں کہ ان اہل باطل کو کوئی سحر یاد ہے کہ بہت جلد لوگوں کو راضی کر لیتے ہیں اور موٹی موٹی رقمیں اینٹھ لیتے ہیں۔ دوسروں سے پیسہ وصول کرنا یہ بھی ایک مستقل فن ہو گیا ہے کہ دوسرے کے ہاتھ یا جیب سے پیسہ نکال لیا جائے اور تعجب ہے کہ لوگ بھی ایسوں ہی کو دے دیتے ہیں۔ سوچنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر نفوس پہلے ہی سے ان باتوں کو پسند کرتے ہیں۔ ذرا سہارا ملا فوراً مائل ہو گئے۔ نیز ایک بڑا سبب ان کی چاپلوسی اور خوشامد بھی ہے۔ چندہ دینے والوں کی اخباروں میں جلسوں میں اشتہاروں میں مدح سرائی کی جاتی ہے۔ ایسے مدارس سے دین کو کوئی نفع نہیں پہونچ سکتا۔ یہ لوگ کبھی حق اور صاف بات نہیں کہہ سکتے۔ اسلئے کہ چندہ دینے والوں کی انکو ہر وقت دلجوئی کا خیال رہتا ہے۔

ملفوظ ۴۴: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نام کو تو علم بظاہر ترقی کرتا ہوا معلوم ہو رہا ہے۔ مگر حقیقت میں جہل ترقی کر رہا ہے۔ مثلاً انگریزی وغیرہ ہیں۔ کیا وہ بھی کوئی علوم ہیں۔ محض نام ہے۔ حقیقت علم کی نہیں اور غیر قوموں میں تو کبھی علوم ہوئے ہی نہیں۔ علوم ہمیشہ مسلمانوں میں رہے۔ اور اب بھی ہیں۔ اس گئے گزرے زمانہ میں بھی مسلمانوں کے علوم کا دوسرے لوگ مقابلہ نہیں کر سکتے۔ باقی یہ ایجادات وغیرہ سو انکو علم سے کیا تعلق یہ تو صنعت و حرفت ہے بس مادیات میں کچھ ترقی کر لی۔ باقی علوم سے اب بھی بالکل کورے ہیں۔ ایک حکایت ہے کہ انگریز جنٹ کی پیشی میں ایک مسلمان پیشکار تھے۔ ان پیشکار کے پاس ان کے ایک عزیز مولوی صاحب مہمان ہوئے۔ وہ انگریز ذرا علم دوست تھا اس لئے انھوں نے اس سے ذکر کر دیا کہ میرے ایک عزیز مولوی صاحب میرے یہاں مہمان ہوئے ہیں اس انگریز نے کہا کہ ہم بھی مولوی صاحب سے ملاقات کرے گا ہم سے ضرور ملاؤ۔ انھوں نے مولوی صاحب سے کہا کہ صاحب ملاقات کو کہتے ہیں۔ مولوی صاحب نے یہ خیال کر کے کہ انکی ملازمت پر میری ملاقات سے اچھا اثر ہو گا۔ ملاقات کرنا منظور کر لیا۔ ملاقات کو گئے بڑے ادب سے پیش آیا

بڑا احترام کیا۔ اور مولوی صاحب سے سوال کرنے کی اجازت چاہی۔ اور اجازت کے بعد پوچھا کہ مولوی صاحب گنگ۔ انھوں نے جواب میں کہا کہ سنگ۔ بس اسی پر ملاقات ختم ہو گئی۔ یہ اٹھ کر چلے آئے۔ جب پیشکار مکان پر آئے تو مولوی صاحب نے کہا کہ کس مہمل کے پاس لے گئے تھے۔ پیشکار نے کہا کہ آپ یہ کہتے ہیں۔ اور وہ آپ کے علم کی تعریف کر رہا ہے۔ کہ مولوی صاحب بہت بڑا عالم ہے۔ ہم نے سوال کیا تھا کہ گنگ ندیا کہاں سے نکلا۔ اسنے جواب دیا پہاڑوں میں سے۔ مولوی صاحب جغرافیہ بھی جانتا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میرا تو اس طرف ذہن نہیں گیا۔ اس نے ایک بیہودہ بات کہی کہ گنگ میں نے قافیہ ملا دیا۔ کہ سنگ۔ بس یہ ان لوگوں کے علوم ہیں۔

ملفوظ ۹۰: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مرد تو قلیل الحیاء ہوتے ہی ہیں۔ لیکن عورتوں کو تو کثیر الحیاء ہونا چاہیئے۔ یہ کیسے بے پردگی پر راضی ہو گئیں ایک نام کی اسلامی حکومت کے قانون میں جوان عورتوں کو پردہ کرنا جرم ہے۔ اور ساٹھ برس کی عورت کو پردہ کی اجازت ہے۔ مجھ کو یہ روایت سنکر تعجب تھا کہ یہ تو الٹی بات ہے۔ ایک ظریف مولوی صاحب پنجاب کے میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے تعجب کو دیکھ کر کہنے لگے کہ اسمیں ایک حکمت ہے۔ وہ یہ کہ بے پردگی سے مقصود تو یہ ہے کہ عورتوں کو دیکھ کر لطف آئے۔ تو ساٹھ برس کی بڑھیا کو دیکھ کر کیا خاک لطف آئے گا۔ بلکہ الٹا تکدر ہو گا۔ اسلئے اس کو تو قانوناً پردہ کی اجازت دی۔ اور جوان عورت کو دیکھ کر لطف آئے گا حظ ہو گا اس کے لئے پردہ کو جرم قرار دیا۔ خیر یہ تو ایک لطیفہ تھا۔ مگر راوی سے حقیقت یہ معلوم ہوئی کہ بڑی عمر کی عورت کو چونکہ پہلے سے عادت پردہ کی ہے تو اسکے خلاف پر اس کو گرانی ہو گی تکلیف ہو گی۔ اور نوجوان عورتوں کو بے پردہ ہونے پر گرانی نہ ہو گی۔ اسلئے ایسا قانون وضع کیا گیا۔ یہ اسلامی حکومتیں ہیں جنکا احکام اسلام کے ساتھ یہ برتاؤ ہے۔ تو دوسروں سے اسلام اور احکام اسلام کی عزت کی کیا توقع رکھی جاوے۔ جب کہ خود احکام اسلام کی اس طرح پامالی کرتے ہیں۔ سن سنکر بہت افسوس اور صدمہ ہوتا ہے۔

ملفوظ ۹۱: ایک شخص نے تعویذ کی درخواست کی یہ ذرا دور اور بوڑھے تھے۔ حضرت والا نے ایک صاحب سے جو مجلس میں بیٹھے تھے۔ فرمایا کہ ان سے کہدو کہ میں اس قسم کے امراض کا تعویذ گنڈا نہیں جانتا نہ میں عامل ہوں۔ ہاں برکت کیلئے

جو جی میں آئے گا لکھ دوں گا اگر منظور ہو تو زبان سے کہیں لکھ دوں۔ عرض کیا کہ لکھ دیجئے۔ فرمایا یہ بھی ان سے کہدو کہ اگر خدانخواستہ نفع نہ ہوا (اور خدا کرے نفع ہو)۔ تو پھر مجھ سے نہ کہنا کہ کوئی اثر نہیں ہوا اور نہ اس کام کے لئے میرے پاس دوبارہ آنا کبھی مجھ کو ٹھیکے دار سمجھو۔ میں تو طالب علم آدمی ہوں۔ تعویذ گنڈے نہیں جانتا ہوں مسئلہ مسائل جانتا ہوں۔ یہ کام عاملوں کا ہے کہ ایک تعویذ سے آرام نہیں ہوا تو اس کی جگہ دوسرا لکھ دیا۔ دوسرے کا اثر نہ ہوا تیسرا لکھ دیا۔ انکے یہاں ایک خاص مرض کے کئی کئی عمل ہوتے ہیں۔ یہ بھی ایک مستقل فن ہے۔ بعضے لوگ اس کو باقاعدہ حاصل کرتے ہیں۔ مگر مجھ کو کبھی اس سے مناسبت نہیں ہوئی۔ اور یہ جو کچھ بھی لکھ دیتا ہوں محض حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرمانے کی بناء پر ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ اگر کوئی آیا کرے تو جو جی میں آئے اللہ کا نام لکھ دیا کرنا ورنہ مجھ کو تو اس سے وحشت ہوتی ہے۔ ایک ضرر اس میں یہ ہے کہ اس میں پڑ کر آدمی ضروری کاموں سے رہ جاتا ہے کیونکہ شہرت اور ہجوم اس کے لوازم سے ہے۔ پھر اور کام کہاں۔ پھر فرمایا کہ ان سے پوچھو کہ جو میں نے کہا وہ اچھی طرح سن لیا اور سمجھ لیا۔ عرض کیا کہ جی سن لیا اور سمجھ لیا اس کے بعد ایک تعویذ لکھ کر دیدیا۔ وہ شخص لے کر چلے گئے۔ اس پر فرمایا کہ یہ میں اس لئے کہدیتا ہوں کہ کسی کو دھوکا نہ ہو۔ میں ہر بات میں یہ چاہتا ہوں کہ صفائی ہو۔ الجھن نہ ہو دھوکا نہ ہو۔ ایک یہ چاہتا ہوں کہ پوری بات ہو۔ ادھوری نہ ہو۔ مگر چونکہ آج کل لوگوں کی عادت اسکے عکس ہے۔ یہی میری لڑائی ہے اس پر روک ٹوک کرتا ہوں۔ آدمیت انسانیت سکھلاتا ہوں۔ لوگ برا مانتے ہیں۔

ملفوظ ۸۸:- ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بعض حضرات کی یہ رائے ہے کہ کفار سے استخلاص وطن ضروری ہے۔ مجھ سے بھی ایک صاحب نے اسکو بیان کیا۔ میں نے کہا کہ یہ بالکل صحیح ہے مگر یہ کونسی کتاب میں ہے کہ کفار سے مراد ایک ہی قوم ہے۔ دوسری قوم تو بہت پکے مسلمان ہیں ان سے تو استخلاص وطن ضروری ہی نہیں۔ میں تو کہتا ہوں پہلی قوم سے زیادہ دشمنِ اسلام اور مسلمانوں کی دوسری قوم ہے۔ اس پر معترضین کہتے ہیں کہ عدد میں کم ہیں۔ پہلے ان سے فارغ ہو جائیں میں نے کہا کہ جب دوسری قوم زائد ہیں اور ہیں زیادہ دشمن اسلئے سب مل کر انکو کمزور کریں تو اس میں نفع کی صورت ہے۔ اور اگر پہلی قوم نکل گئی تو پھر دوسری قوم کی قوت بڑھ جائیگی اور ہیں یہ زیادہ دشمن اسلئے اس صورت میں زیادہ خطرہ ہے۔ جیسا کہ مشاہدہ ہے۔

کہ باوجود پوری قوت نہ ہونے کے اور ایک قوم کی ان کے سر پر حکومت ہونے کے آئے دن مسلمانوں کے ساتھ ناگوار برتاؤ کرتے رہتے ہیں۔ پھر ان سے کیا بھلائی کی امید ہو سکتی ہے۔ مگر مسلمان ہیں کہ آنکھیں بند کئے بیہوشی کے سے عالم میں چلے جا رہے ہیں اور انکو اپنا دوست سمجھتے ہیں۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ سفید سے کالا زہریلا ہوتا ہے۔ اس کا ڈسا ہوا پانی نہیں مانگتا۔ پانی کیا مانگتا خود ہی پانی ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کا ایک قوم سے بھاگنا اور دوسری قوم کی بغل میں جا کر گھسنا اسکا مصداق ہے کہ فر من المطر وقعد تحت المیزاب یعنی بارش سے تو بھاگا اور پرنالہ کے نیچے جا کھڑا ہوا یہ کون عقل مندی کی بات ہے۔ حق تعالیٰ فہم سلیم اور عقل کامل مسلمانوں کو نصیب فرمائیں۔

ملفوظ ۸۱: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میرے سامنے دو مولوی صاحبوں میں آپس میں گفتگو ہوئی ایک نے تو انگریزوں کی زیادہ برائی بیان کی۔ دوسرے نے ہندوؤں کی زیادہ برائی بیان کی۔ جنھوں نے انگریزوں کی زیادہ برائی کی تھی انھوں نے کہا کہ یہ ہندو بھی انگریزوں ہی کے بہکائے ہوئے ہیں۔ اسلئے مسلمانوں سے ایسا برتاؤ کرتے ہیں۔ دوسرے نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو انگریز بھی شیطان کے بہکائے ہوئے ہیں۔ انکا بھی کوئی قصور نہیں۔ بس تو آج سے انگریزوں کو برا مت کہنا جو کچھ کہنا ہو شیطان کو کہنا۔ یہ مولوی صاحب ماشاء اللہ بڑے ذہین اور تیز ہیں۔ ایک مرتبہ ایک شیعی نے ان سے کہا کہ مولوی صاحب آج یہ جسقدر نئے نئے فرقے بنتے ہیں یہ سب سنیوں میں سے بنتے ہیں آپ نے شیعوں میں سے کوئی فرقہ باطلہ بنتے نہ دیکھا ہو گا۔ انہوں نے اس شیعی کو جواب دیا کہ بنتے دیکھنا تو کیا معنی سنا بھی نہیں یہ تو واقعہ ہے جو بالکل صحیح ہے جسکو آپ نے بیان کیا مگر اسکی وجہ جناب کو غالباً معلوم نہیں وہ مجھ کو معلوم ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ تو آپ کو تسلیم ہو گا کہ شیطان اپنا وقت بیکار نہیں کھوتا پھرتا جو اسکا فرض منصبی ہے شب و روز اس کی انجام دہی میں مصروف رہتا ہے۔ شیعی نے کہا کہ یہ تو مسلم ہے۔ انہوں نے کہا کہ تو اب سنئے کہ شیطان شیعوں کو تو انتہائے مرکز گمراہی پر پہونچا چکا ہے اور اس سے آگے کوئی درجہ گمراہی کا رہا ہی نہیں۔ اسلئے انکو اور کہاں لے جائے۔ باقی سنیوں کو حق پر سمجھتا ہے۔ اسلئے رات دن انکے پیچھے پڑا رہتا ہے۔ اِنکو بہکا دیا اُنکو بہکا دیا وہ شیعی بیچارہ مبہوت ہو گیا کوئی جواب نہ بن پڑا۔

ملفوظ ۸۲: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جو اپنے حضرات کی شان اور انکی حق پرستی اور بے نفسی دیکھی ایسا کسی کو بھی نہ دیکھا۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جس وقت مالٹہ سے دیوبند تشریف لائے تو میں بھی بغرض زیارت دیوبند حاضر ہوا۔ حضرت نے بڑا ہی شفقت کا برتاؤ فرمایا وہ باتیں اسوقت یاد آتی ہیں اور ان حضرات کو نظریں ڈھونڈتی ہیں۔ اسی وقت جب کہ میں دیوبند ہی تھا۔ ایک صاحب نے حضرت سے عرض کیا کہ اس وقت اشرف علی موجود ہے۔ حضرت اپنی زبان سے کچھ فرمادیں تاکہ مسائل حاضرہ میں یہ اختلاف کی صورت ختم ہو جائے۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ وہ میرا لحاظ کرتا ہے وہ میرے سامنے کچھ نہ بولے گا۔ میرے کہنے سے اسکو تنگی اور تکلیف ہوگی۔ اور کہنے سننے اور گفتگو سے رائے نہیں بدلا کرتی۔ رائے واقعات سے بدلا کرتی ہے۔ جب وہ واقعات سمجھ لیں گے تو خود ہی رجوع کر لیں گے۔ کیا ٹھکانا ہے حضرت کی اس شفقت کا اور شان تحقیق کا۔ کہاں ہیں حضرت کے نقش قدم پر چلنے والے اور محبت کا دعویٰ کرنے والے وہ حضرت کی شان ملاحظہ فرمائیں اور اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت ہی کی بیٹھک میں بیٹھے ہوئے مجھ کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ حضرت کے کان میں وہ الفاظ پڑ گئے حضرت نے سب کو ڈانٹا اور فرمایا کہ تم ایسے شخص کی شان میں یہ الفاظ کہہ رہے ہو جسکو میں اپنا بڑا سمجھتا ہوں۔ یہ الفاظ نقل کرتے ہوئے مجھ کو حجاب ہوتا ہے۔ یہ الفاظ میری ذات سے کہیں اعلیٰ اور ارفع ہیں۔ محض حضرت کی شفقت اور محبت ہی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ یہ حضرت کا اپنے چھوٹوں کے ساتھ برتاؤ تھا۔ اب دعویٰ تو کرتے ہیں حضرت کے نقش قدم پر چلنے کا۔ مگر حضرت جیسا حوصلہ تو پیدا کر لیں۔ بقول مشہور اگرچہ شیخ نے داڑھی بڑھائی سن کی سی مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی ٭ فرمایا کہ حضرت کے ایک خاص معتقد اور معتمد مولوی صاحب مجھ سے یہ روایت بیان کرتے تھے کہ مرض الموت میں جب حضرت دہلی میں تھے۔ اختلافات کی خبریں کانوں میں پڑیں تو حضرت نے فرمایا کہ لاؤ پھر میں ہی کچھ اپنی راؤں سے ہٹ جاؤں یہ اختلاف تو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ سو اگر حضرت میرے اختلاف کو باطل سمجھتے اور حضرت کو ان سے ناگواری ہوتی تو اپنے مسلک اور مشرب کی نسبت یہ کیسے فرماسکتے تھے کہ لاؤ میں ہی کچھ اپنی راؤں سے ہٹ جاؤں۔ یہ حضرت کا فرمانا بتلا رہا ہے کہ حضرت اس اختلاف کی حقیقت سے اچھی طرح پر واقف تھے۔ ایک بار حضرت نے اسکی نسبت فرمادیا تھا کہ کیا میرے پاس کوئی وحی آتی ہے یہ محض رائے ہے اس کی بھی ایک رائے ہے تو یہ حضرات تو ہر چیز کو اپنی حد پر رکھنے والے تھے۔ اب تو اتباع کا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے اور میں تو ایک اور بات کہا کرتا ہوں کہ حضرت مولانا کو ان لوگوں نے پہچانا ہی نہیں اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں۔ حضرت جیسی ہستی اب کہاں سے

کارپاکاں راقیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

ملفوظ ۸۳:- ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ایک واقعہ اور بھی اسی سفر کا ہے جبکہ حضرت والا الٰہ آباد سے تشریف لائے تھے تو ایک مولوی صاحب جو ذرا بے تکلف ہیں مجھ سے کہا کہ آپکو خبر بھی ہے کہ غدر میں آپ کے بزرگ کھڑے ہوئے تھے میں نے کہا کہ جی ہاں خبر ہے۔ اور ایک بات کی اور بھی خبر ہے وہ یہ کہ بعد میں بیٹھ گئے تھے تو تم منسوخ پر عمل کرو اور میں ناسخ پر۔ آخری قول اور فعل حجت ہوا کرتا ہے تو آخر فعل اپنے بزرگوں کا بیٹھ جانا ہی ہے تو اب بتلاؤ کہ بزرگوں کے متبع تم ہوئے یا میں اس کا کوئی جواب نہیں بن پڑا۔

ملفوظ ۸۴:- ایک سلسلہ گفتگو میں اپنے حضرات کے اخلاق حمیدہ کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی میں علاوہ اور کمالات کے ایک عجیب بات یہ تھی کہ اُمراء سے ذرہ برابر دلچسپی نہ تھی۔ جب تک کوئی امیر پاس بیٹھا رہتا اس وقت تک حضرت کے قلب پر انقباض رہتا ورنہ اکثر علماء میں کچھ نہ کچھ مدارات اُمراء کی ضرور ہوتی ہے۔

امیر شاہ خاں صاحب راوی ہیں کہ نواب یوسف علی خاں صاحب کو میں بعضے بزرگوں کیطرف زیادہ متوجہ کرتا تھا مگر انکو حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کیطرف زیادہ میلان تھا۔ میں نے ایک روز نواب صاحب سے دریافت کیا کہ میں آپ کو اور بزرگوں کیطرف متوجہ کرتا ہوں۔ اور تم حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کیطرف مائل ہو۔ اس کی خاص وجہ کیا ہے نواب صاحب نے ایک عجیب بات فرمائی کہ اور جگہ میں جاتا ہوں تو میرے جانے سے خوش ہوتے ہیں بہت زیادہ خاطر تواضع کرتے ہیں مدارات کرتے ہیں۔ اور مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جاتا ہوں تو مولانا مجھ سے طبعاً ایسی نفرت کرتے ہیں جیسے کسی کو مانس گند آتی ہو تو میں اس سے یہ سمجھتا ہوں کہ وہاں دین اور خالص دین ہے۔ دنیا بالکل نہیں۔ اس وجہ سے میں مولانا کا معتقد ہوں۔ عجیب بات فرمائی۔ نواب کیا تھے درویش تھے بلکہ یہ بات ان میں بھی نہیں جو مدعی درویشیت کے ہیں دیکھئے پہلے امراء ایسے ہوتے تھے جو مخلص کہلائے جانے کے قابل ہیں گو وہ مقدس نہ تھے مگر مخلص تھے۔

یکم جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم دو شنبہ

ملفوظ ۸۵:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ تبلیغ کا کام بھی ایک حکیمانہ کام ہے۔ ہر شخص اسکو انجام نہیں دے سکتا۔ اس میں بڑے فہم اور عقل کی ضرورت ہے کہ کس محل میں کیا اور کس عنوان سے کہنا چاہیئے۔ ایک صاحب سرکاری عہدہ دار ہیں۔ وہ اکثر میرے پاس آتے جاتے تھے۔ سونے کی انگوٹھی پہنے ہوتے تھے میں نے انہیں کبھی نہیں ٹوکا۔ ایک روز انھوں نے مجھ سے بیعت کی درخواست کی۔ اس روز مجھ کو خیال ہوا کہ آج مجھ کو حق ہے انکو اس پر مطلع کرنے کا میں نے بیعت کر لیا بعد بیعت کے ارادہ ہی تھا کہ انگوٹھی کے متعلق ان سے کہوں۔ مگر انہوں نے بیعت ہوتے ہی انگوٹھی اتار کر مجھ کو دی کہ اسکو کسی مناسب مصرف میں صرف کر دیا جائے میں نے کہا کہ اگر اسکو اپنے گھر والوں کو دیدیں تو کوئی حرج نہیں آپ کو پہننا جائز نہیں۔ مگر گھر کی عورتیں پہن سکتی ہیں کہا نہیں بہت دنوں تک معصیت میں مبتلا رہا اب اسکا کفارہ یہی ہے دیکھیئے کسی کے قلب کی حالت کی کسی کو کیا خبر کیسا خالص عمل کیا۔ مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ ایسے لوگوں سے اپنا تعلق ہو کہ جنکے رگ و پے میں دین کی عظمت اور محبت ہو۔ گو ظاہر میں اسکا گمان نہ ہو۔ میں اسی لئے کہا کرتا ہوں کہ کیا کسی کو کوئی نظر تحقیر سے دیکھ سکتا ہے۔ نہ معلوم خدا کے ساتھ اس کا کیا تعلق اور کیا معاملہ ہے۔ اسلئے عاصی سے نفرت نہ ہونا چاہیئے البتہ معاصی سے ہونا چاہیئے۔ بعض اوقات ایک سکنڈ اور ایک منٹ میں کایا پلٹ ہو جاتی ہے۔ صد سالہ کافر اور بت پرست پلک جھپکنے میں مومن صادق اور مومن کامل ہو جاتا ہے۔ کیا خبر ہے کسی کے قلب میں کیا آگ بھری ہے اور دوسروں کی کیا خبر ہوتی اپنی ہی خبر نہیں۔ اسلئے انسان کبھی اپنی چیز پر ناز نہ کرے اور ناز کی ہے ہی کون سی چیز سب ان کی رحمت اور عطاء ہے۔ بس ہمیشہ نیاز پیدا کرنے کی سعی اور کوشش میں لگا رہنا چاہیئے۔ ایسے ہی ناز کے متعلق مولانا فرماتے ہیں ؎

ناز را روئے بباید ہمچو ورد   چوں نداری گرد بدخوئی مگرد

عیب باشد چشم نابینا و باز ٭ زشت باشد روئے نازیبا و ناز

ملفوظ ۸۶:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ان اطراف میں اپنے بزرگوں کی بدولت بڑا امن ہے۔ یہاں سے باہر جا کر پتہ چلتا ہے کہ چہار طرف گمراہ اور مکار لوگوں کے ہاتھ میں ایک مخلوق پھنسی ہوئی ہے۔ اپنے اغراض نفسانی کو پورا کرنے کی غرض سے ان میں حقائق کا نام و نشان تک نظر نہیں آتا۔ باقی اس طرف بفضلہ تعالیٰ اتنا فرق ہے کہ جن مشائخ کو ہمارے علماء بدعتی کہتے ہیں وہ دوسری جگہ وہابی کہلاتے ہیں۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے یہاں کے بدعتی اور جگہ جا کر وہابی کہلاتے ہیں۔ اسی اطراف میں ایک شاہ صاحب جو بہت بڑے مشائخ میں سے مشہور ہیں۔ بڑے بڑے جو لوگ ان کے مرید ہیں مگر انہوں نے اپنے گھر میں سے مجھ سے بیعت کرایا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آپ تو خود پیر ہیں۔ پھر ان سے بیعت کرانے کی کون ضرورت تھی تو پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ ہم تو اسکے پیر ہیں۔ اصل پیر تو یہی لوگ ہیں۔ یہ وہ ہیں جو ڈھولک اور ستار کے سننے والے قوالیوں کے شیدائی ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ انکو بدعتی نہ کہو ان کے عمل میں کوتاہی ہے۔ بدعتی اسے کہتے ہیں کہ جس کے عقیدہ میں خرابی ہو ان کے عقیدے میں خرابی نہیں۔ تو ان اضلاع یعنی مظفر نگر سہارنپور وغیرہ میں جو اس قسم کے لوگ ہیں ان میں گمراہی کا وہ رنگ نہیں جو اور جگہ کے بدعتیوں میں ہے ان لوگوں کے قلوب میں علم اور اہل علم کی عظمت اور محبت ہے اور یہ سب اپنے پہلے بزرگوں کا اثر اور ان کی برکت ہے۔

ملفوظ ۸۷:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جہاں تبلیغ ہو چکی ہو وہاں تبلیغ کرنا ایک مستحب فعل ہے اور جہاں تبلیغ نہ ہوئی ہو وہاں فرض ہے۔ پہلے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پیر جیوں کے متعلق وعظ فرمایا کرتے تھے آخر میں آکر جب تبلیغ ہو چکی وعظ فرمانا بند کر دیا تھا۔ اس پر پیر زادوں نے ایک دفعہ شکایت کی کہ دیکھو مولانا نے وعظ فرمانا بند کر دیا۔ اس پر ان ہی میں سے ایک صاحب نے کہا کہ تم پیر زادوں پر بڑا احسان کیا کہ وعظ بند فرما دیا پوچھا کیا احسان کیا کہا کہ اب جو مبتلا ہو یہ تو محض معصیت ہی ہے اور وعظ سنکر مخالفت کرنے میں اندیشہ کفر کا تھا تو تم کو مولانا نے کفر سے بچایا۔ اس سے بڑھکر اور کیا احسان ہو گا اور یہ حال تو اسطرف کے مشائخ اور پیر جیوں کا ہے جو زیادہ بعید نہیں کیونکہ پھر دین والے ہیں اس طرف کے تو سلاطین دوسری جگہوں کے سلاطین سے بہتر تھے۔ مثلاً اودھ وغیرہ کے

سلاطین سے دہلی کے سلاطین ہر طرح پر بہتر اور غنیمت تھے۔ میں ان اطراف کو جس میں دہلی بھی داخل ہے۔ دار الایمان والامان کہا کرتا ہوں۔ بفضلہ تعالیٰ یہی نواح ایسی ہے کہ اس میں بڑے بڑے اکابر اور بزرگان دین گزرے ہیں۔ اسکا کھلا مشاہدہ یہ ہے کہ لکھنؤ میں جاکر مساجد کی حالت دیکھئے کہ ویران ہیں نہ چٹائی ہے نہ لوٹا نہ غسل خانہ۔ نہ حمام نہ سردیوں میں گرم پانی کا انتظام غرضکہ کوئی اہتمام ہی نہیں اور دہلی میں جاکر دیکھئے کہ کسقدر مساجد ہیں اور کیا کیا انتظام اور اہتمام ہیں اور دہلی تو بڑی چیز ہے۔ چھوٹے چھوٹے قصبات اور گاؤں میں اور ان میں بھی جن محلوں میں بیچارے غرباء آباد ہیں وہاں بھی ہر طرح کا۔ مساجد میں انتظام اور اہتمام موجود ہے۔ یہ سب بزرگوں اور سلاطین ہی کے برکات اور ثمرات ہیں۔ باوجود اسکے کہ مالی حیثیت میں اسطرف کے لوگ زیادہ کمزور ہیں۔ اور دوسری اطراف کے لوگ مالی قوت میں بہت زیادہ بڑھے ہوئے ہیں۔ مگر پھر تعجب ہے کہ دوسری طرف کے سلاطین اپنی عیش وعشرت میں ہزاروں لاکھوں روپیہ صرف کرتے تھے مگر دینی کاموں کیطرف بالکل التفات نہ تھا۔ بہر حال اس نواح میں دین کے اعتبار سے اس وقت تک بڑا امن ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے باقی رکھیں اور دوسری جگہ کے مسلمانوں کو بھی دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

ملفوظ ۸۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک فتنہ ختم ہونے نہیں پاتا کہ دوسرے کا آغاز ہو جاتا ہے۔ آج کل ایک نیا فتنہ شروع ہوا ہے جس کا تعلق مرض جاہ سے ہے۔ وہ فتنہ بعض قوموں کا اپنے حسب اور نسب کو بدل دینا ہے کوئی اپنے کو قریشی کہتا ہے کوئی انصاری کوئی زبیری یہ ایک مرض عام پیدا ہو گیا ہے یہ مساوات کا عجیب سبق نکلا ہے۔ جاہلوں کی جوابات بھی ہولتی ہے نرالی ہوتی ہے۔ ایک صاحب کا خط آیا تھا انہیں سوال تھا کہ تمام دنیا کی قوموں میں مساوات ہے یا نہیں اچھی طرح سوال یاد نہیں رہا اسی قسم کا مضمون تھا میں نے جواب میں لکھا کہ احکام دنیا میں یا احکام آخرت میں۔ بس ختم ہو گئے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ کابل سے ایک شخص پشاور آیا وہ تھا جولاہہ لیکن لوگوں کے دریافت کرنے پر کہا کہ میں پٹھان ہوں۔ کوئی وجہ لوگوں کے پاس تکذیب کی نہ تھی پھر اتفاق سے ایک پٹھان آئے انکو یہ قصہ معلوم ہوا کہ فلاں شخص نے اپنے کو پٹھان بتلایا ہے۔ ان سے جو لوگوں نے پوچھا انھوں نے سوچا کہ میں پٹھان بتلاتا ہوں تو اسکے برابر سمجھا جاؤں گا۔ اسلئے کہا کہ میں سید ہوں۔ پھر ایک سید آئے انکو یہ قصہ معلوم ہوا لوگوں نے ان سے پوچھا انہوں نے کہا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ یہ خدا کا بیٹا کیا معنیٰ۔ کہا کہ جہاں

جولاہہ پٹھان بن سکتا ہے اور پٹھان سید تو اگر سید خدا کا بیٹا بن جاوے تو کیا تعجب ہے۔ غرض یہ ایک فتنہ کا آغاز ہوا ہے اور قطع نظر معصیت کے ویسے بھی تو غیرت کی بات ہے کہ اپنی نسبت دوسرے آبا کی طرف کی جاوے اس میں کون سی عزت کی بات ہے۔ سوائے اسکے کہ انجام ذلت ہو۔ اور اصطلاحی شرفا، پر انکی محض بدگمانی ہے کہ وہ ان کی تحقیر کرتے ہیں۔ اہل کمال کی سب تعظیم ہی کرتے ہیں۔

ملفوظ ۸۹:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک بار جون پور میں وعظ ہوا۔ جسمیں بعض اختلافی مسائل پر بھی بیان تھا جو بعض علماء حاضرین کو ناگوار ہوا اور تہذیب کے ساتھ مخالفت کا اظہار کیا۔ میں ادب کے ساتھ جواب دے رہا تھا کہ اسی دوران میں وہاں ہی کے ایک اور مولوی صاحب جو فاضل اور مصنف تھے اور بڑے پیمانہ پر ان کا طبعی میلان بدعت کی طرف بھی تھا وہ معترض صاحب کے مقابلہ میں آکھڑے ہوئے اور بھرے مجمع میں یہ کہا کہ صاحبو میں مولود کیا ہوں قیام کیا ہوں لیکن حق وہی ہے جو انھوں نے بیان کیا اور میرے ہی متعلق ان مولوی صاحب نے اپنے ایک رسالہ میں متکلم، مناظر صوفی محدث فقیہ اوصاف لکھے ہیں۔ حالانکہ یہاں کچھ بھی نہیں۔ محض اپنے بزرگوں کی جوتیوں کا طفیل ہے۔

ملفوظ ۹۰:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صاحب بصیرت و تجربہ کہا کرتے تھے کہ ان دیوبندیوں وہابیوں کو اپنی قوت معلوم نہیں یہ اپنے کو ہیچ در ہیچ ناکارہ سمجھتے ہیں۔ مخالفین کو ان کی قوت معلوم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفین ان پر حسد کرتے ہیں یہ ایسی بات ہے جیسے کہ مشہور ہے کہ بھیڑیئے کو اپنی قوت معلوم نہیں۔

ملفوظ ۹۱:- فرمایا کئی روز ہوئے ایک شخص کا خط آیا تھا لکھا تھا کہ میرے دل میں اللہ تعالیٰ ہیں یہ میرا عقیدہ ہے۔ میں نے جواب میں لکھا تھا کہ اس کی دلیل کیا ہے۔ آج خط آیا ہے پہلا خط بھی ساتھ ہے۔ آج کے خط میں لکھا ہے کہ میں نے ایک اور صاحب سے خط لکھوایا تھا اور ان سے اس عنوان سے کہا تھا کہ میرے دل میں اللہ تعالیٰ کا خیال ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ عنوان صحیح نہیں بلکہ اس طرح تعبیر کیا کرتے ہیں جسطرح لکھا گیا وہ لکھے پڑھے شخص ہیں۔ اسلئے میں خاموش ہو گیا ورنہ نہ میرا یہ عقیدہ ہے اور نہ میرے پاس اس کی کوئی دلیل ہے اب آئندہ ایسے شخص سے خط لکھوایا کروں گا جو وہاں کا صحبت یافتہ ہو تاکہ گڑبڑ نہ کرے۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ جو لوگ رعایتوں کا مشورہ دیا کرتے ہیں اصل میں وہ بدخواہی کرتے ہیں۔ اگر میں اس پر مواخذہ نہ کرتا تو

وہ لکھنے والا شخص یہ کہتا کہ دیکھا اسی طرح لکھا کرے "ہیں۔ اسی طرح تعبیر کیا کرتے ہیں۔ اور یہی عقیدہ صحیح ہے۔ مصلح کو مشورہ دینا طبیب کو مشورہ دینا ہے۔ جبکا ہر شخص اہل نہیں ہاں مریض کو مشورہ دینا چاہیئے کہ طبیب سے رجوع کرے۔

ملفوظ ۹۲:- ایک لڑکے نے تعویذ کی درخواست کی اور یہ نہیں کہا کہ کس چیز کا تعویذ حضرت کے دریافت فرمانے پر کہا کہ نظر کا تعویذ چاہیئے۔ فرمایا کہ مجھ کو پہلے سے نظر نہ آیا کہ آتے ہی کہدیتا کہ نظر کا تعویذ دیدو۔ بدون کہے کس چیز کا تعویذ دیتا۔ ابھی سے یہ بدتمیزیاں سیکھ لو۔ بچہ سمجھ کر تعویذ دیئے دیتا ہوں۔ خبردار اگر کبھی آدھی بات کہی۔ جہاں جایا کرتے ہیں پوری بات کیا کرتے ہیں۔

ملفوظ ۹۳:- ایک نووارد شخص حاضر ہوئے اور مصافحہ کے انتظار میں ایسی جگہ بیٹھے جس سے دوسرے مجلس میں بیٹھے ہوئے حضرات کو تکلیف پہونچی حضرت والا نے ان سے مواخذہ فرمایا اور فرمایا کہ ان رسموں نے ناس کر دیا اور یہ رسمیں پیرزادوں کی وجہ سے پیدا ہوئیں۔ مجھ کو تو اصول کے خلاف کرنے پر ناگواری ہوتی ہے۔ چاہے وہ معاملہ خلاف اصول میرے ساتھ ہو یا کسی دوسرے کے ساتھ بچوں کا کھیل بنا رکھا ہے۔ جو جی میں آیا کر لیا۔ کچھ ایسی رسمیں بگڑ گئیں کہ اسطرف ذہن ہی نہیں جاتا کہ ہم سے دوسروں کو تکلیف نہ پہونچے۔ تم جو بیٹھنے والوں سے بھڑ کر بیٹھ گئے سو اگر کسی سے بے تکلفی ہو اور اس سے مل کر بیٹھ جائے تو یہی خیال ہو کہ وہ گوارا کر لے گا اور جب بعض اجنبیت ہے تو خود بھی تو ہمت نہیں ہوتی کہ کسی سے اس طرح مل کر بیٹھ جائیے۔ خدا معلوم کیا بات ہے کہ کسی بات میں بھی تو اصول کا اہتمام نہیں رہا۔ بلکہ اگر کوئی اصول کی تعلیم کرے اس سے ناراض ہوتے ہیں اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ آج کل لوگ اہل وصول سے خوش رہتے ہیں۔ اور اہل اصول سے ناراض کوئی بیٹھا ہوا اینٹھتا رہے مونڈتا رہے اس سے خوش رہتے ہیں۔ ایسا مذاق بگڑا ہے کہ فہم اور عقل کا تو نام ہی نہیں رہا۔ عجب بدفہمی کا بازار گرم ہے۔

۲۰ / جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم سہ شنبہ

ملفوظ ۹۴:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ کو تو بدنام کرتے ہیں کہ بد خلق ہے سخت گیر ہے

مگر آنے والے کی حرکات کو نہیں دیکھتے کہ یہ آکر کون سے خوش اخلاق اور نرم گیری کا میرے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں۔ کل بعد جماعت نماز مغرب ایک صاحب دور سے کھڑے ہوئے مجھ کو مصافحہ کے لئے ہاتھ دکھلا رہے تھے۔ میں اس وقت سنتوں کی نیت باندھنے والا تھا۔ اور وہ ان کی کمیٹی اور مشورہ کا وقت تھا۔ اگر ایسا ہی ارزاں مصافحہ ہے تو تھوڑے دنوں میں لوگ کہیں عین نماز میں مصافحہ نہ کرنے لگیں۔ آخر کہاں تک صبر کروں اور کب تک تغیر نہ ہو۔ ایک شخص نے دیوبند میں مسجد کے اندر جب کہ میں نماز پڑھانے کیلئے مصلے کے قریب پہونچ چکا تھا۔ میرا ہاتھ پکڑ کر غالباً تیسری صف میں لے جاکر مصافحہ کر کے کہا کہ اب جاؤ۔ میرے تو تمام اصول و قواعد کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی سے کسی کو تکلیف نہ پہونچے۔ اسکو اصول سمجھ لیجئے قاعدہ سمجھ لیجئے۔ صرف یہی ایک قاعدہ ہے دوسرا کوئی قاعدہ وغیرہ کچھ نہیں تمام اصول اور قواعد اس ہی بات کے لئے ہیں۔ اس قاعدہ کا حاصل یہ ہے کہ ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد ٭ کسے را باکسے کارے نباشد

اس پر مجھ کو بدنام کرتے ہیں اور دوسرے لوگ خود اہل معاملہ سے یکطرفہ ہو کر روائتیں سنکر حکم لگا دیتے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ یہ اہل معاملہ اپنی حرکات کیوں بیان کرنے لگے وہ تو میری ہی سختی اور مواخذہ کو بیان کرتے ہیں۔ اس پر سننے والے یکطرفہ بیان سنکر مجھ پر بد اخلاقی کا فتویٰ دیدیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اتنی ذرا سی بات پر اسقدر مواخذہ اسکی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک شخص نے چپکے سے دوسرے کو سوئی چبھو دی اس نے زور سے آہ کی تو کیا اس پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ بھالا تو نہیں مار اتلوار یا چھرہ تو نہیں مارا پھر اس آہ واویلا کی کون ضرورت ہے۔ معلوم بھی ہے کہ بعض اوقات بڑے ہتھیار کے مارنے سے وہ تکلیف نہیں ہوتی جو چھوٹے سے ہوتی ہے۔ خصوص سوئی سے جس کا فوراً ہی اثر محسوس ہوتا ہے اور سوئی تو پھر بڑی چیز ہے۔ پھانس ہی کو دیکھ لو اس کا کیا وجود ہوتا ہے جس کا غور سے دیکھنے کے بعد بھی نظر آنا مشکل ہی ہوتا ہے لیکن اس کی چبھن کا اندازہ اسی کو ہو سکتا ہے جس کے لگی ہوتی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات چھوٹی بات سے بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے خصوص اس تصور سے کہ ایسی حرکت کرنے والا بھی اس کو چھوٹا سمجھے۔ اور اس وقت ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حس عطاء فرمائی ہے اس کو بے چین کرنے کے لئے ایک ذرا سی پھانس یا سوئی کافی ہے باقی جو مفلوج ہیں جن کو کسی چیز کا احساس ہی نہیں اس کا کیا علاج۔

ملفوظ ۹۵: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مخالف کے ستانے پر تو صبر ہو سکتا ہے مگر دوست کے ستانے پر صبر نہیں ہو سکتا۔ فلاں خانصاحب نے ہمیشہ گالیاں دیں مگر مجھ پر کبھی ذرہ برابر اثر نہیں ہوا مگر

جو لوگ محبت کا دعویٰ کر کے آتے ہیں پھر اپنا بوجھ بناتے ہیں، ستاتے ہیں تکلیف دیتے ہیں سو محبت کیساتھ یہ چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اس پر صبر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور پیروں کے یہاں تو بڑا کام مجلس آرائی ہے چوم چاٹ ہے۔ تعلیم و تلقین ہے دست بوسی پابوسی ہے فارغ بیٹھے اور کریں بھی کیا کوئی کام تو ہے نہیں بس یہی شغل ہے۔ یہاں دیکھئے صبح سے کام میں مشغول اب بڑی مشکل سے فراغت نصیب ہوئی وہ بھی جبکہ بڑی عجلت سے کام کیا۔ ایسی حالت میں فضولیات کے لئے فرصت کہاں۔ میں آنے والوں سے چاہتا ہوں کہ اپنی ضروری خدمت لو۔ میرا اور اپنا وقت فضول اور عبث باتوں میں برباد نہ کرو اور نہ مجھ کو ستاؤ۔ اور گو قاعدہ سے مجھ کو حق ہے کہ میں آنے والوں کو اپنا تابع بناؤں مگر پھر بھی ایسا نہیں کرتا بلکہ اُن کو اور خود اپنے کو بھی اصول صحیحہ کا تابع بناتا ہوں اہل حق اور اہل باطل میں یہ بھی ایک فرق ہے کہ وہ اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں اور اہل حق کسی کو اپنا غلام نہیں بناتے یہ خود بھی کتاب و سنت کے غلام ہیں اور دوسروں کو بھی کتاب و سنت ہی کا غلام بناتے ہیں۔ اصول صحیحہ کا خود بھی پابند ہوں۔ دوسروں کو بھی پابند کرتا ہوں۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنا بندہ نہیں بناتا خدا کا بندہ بناتا ہوں، جو کچھ میرے پاس ہے اگر کسی کو اس سے زیادہ کی طلب ہو خوشی سے اجازت ہے کہ وہ اور کہیں جائے۔ سو جس شخص کا یہ مذاق ہو اور دوسروں کو اس قدر آزاد رکھے اگر اس کو کوئی جکڑ بند کرے تو بُرا معلوم ہو ہی گا۔ فرمایا کہ آزادی پر یاد آیا مولوی شبیر علی میری اولاد ہیں مگر جب مجھ کو اُن سے کوئی کام ہوتا ہے تو میں اُن کو نہیں بلاتا خود ان کے پاس جا کر کام بتلاتا ہوں میں چاہتا یہ ہوں کہ میری وجہ سے ذرہ برابر کسی کا قلب مشوش نہ ہو اور نہ گرانی ہو۔ جو تنخواہ دار ملازم ہیں ان سے پوچھئے کہ میں ان پر کوئی حکومت کرتا ہوں بشرطیکہ وہ اصول کے ماتحت کام کریں۔ البتہ اگر خلاف اصول کرتے ہیں تو پھر سیاست کا برتاؤ کرتا ہوں۔

ملفوظ ۱۰۰ ع ۹۶

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کے اکثر پیر مریدوں سے اس قدر خدمتیں لیتے ہیں جس کا کوئی حد و حساب نہیں اور الحمد للہ یہاں تو سب آزاد ہیں۔ یہی جی چاہتا ہے کہ جس کام کے لئے گھر چھوڑا ہے اُس کام میں مشغول رہیں اس لئے میں کسی سے خدمت نہیں لیتا۔ اگر کوئی محبت کی وجہ سے خدمت کرتا ہے اس کو بھی منع کر دیتا ہوں۔ ہاں جو تنخواہ دار ملازم ہیں اُن کو منع نہیں کرتا۔ یا جو لوگ پہلے سے بے تکلف ہیں وہ بھی مثل عزیزوں کے ہیں اُن کی خدمت سے بھی گرانی نہیں ہوتی۔ باقی اکثر پیر تو ذلیل ذلیل اس قدر خدمتیں لیتے ہیں۔ ایک شخص بیان کرتے تھے کہ ایک تحصیلدار اپنے پیر سے الہ آباد ملنے آئے تھے۔ پیر نے کہا کہ پاخانہ میں لوٹا رکھ آؤ۔ کیا واہیات ہے۔ کیا خود کے ہاتھ کٹ گئے تھے ایک مسلمان کو بلا ضرورت بلاؤں میں بھیجنا۔ میں تو کبھی تنخواہ دار ملازم سے بھی یہ کام نہیں لے سکتا اور نہ آج تک بحمد اللہ ایسا کام کسی سے لیا۔

ملفوظ ۹۷: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل بکثرت لوگوں نے ضروری کو غیر ضروری اور غیر ضروری کو ضروری بنا رکھا ہے۔ چنانچہ بیعت ہی کا مسئلہ ہے اس کو فرض و واجب کے درجہ میں سمجھتے ہیں اور بیعت ہونے کی اور بزرگ بننے کی بڑی کوشش کرتے ہیں۔ اور میں انسان بنانے کی کوشش کرتا ہوں۔ بزرگی تو بہت آسان ہے اس لئے کہ اس کا واسطہ تو ایک بہت بڑی زبردست کریم رحیم ذات سے ہے اور انسانیت آدمیت کا تعلق ہے مخلوق سے اس لئے انسان بننا مشکل ہے ایک شاعر نے لکھا ہے ؎

شیخ شدی زاہد شدی　　ولیکن مسلمان نہ شدی

مسلمان نہ شدی سخت جملہ ہے۔ میں نے اس کو اس طرح بدل دیا ہے ؎

شیخ شدی زاہد شدی　　ولیکن انسان نہ شدی

اب ٹھیک ہو گیا مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

آدمیت لحم و شحم و پوست نیست　　آدمیت جز رضائے دوست نیست

ملفوظ ۹۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جن کو دین حاصل ہو گیا اور اہل دین کی صحیح معنوں میں صحبت نصیب ہو گئی ان میں تو تہذیب پیدا ہو جاتی ہے ورنہ اس کے پیدا ہونے کا اور کوئی ذریعہ نہیں اور یہ جو آج کل کے بددینوں کی تہذیب ہے اس کو میں کہا کرتا ہوں کہ یہ تہذیب نہیں تعذیب ہے۔ بڑی تکلیف ہوتی ہے۔

ملفوظ ۹۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ان نو تعلیم یافتہ انگریزی خوانوں میں اور خصوص جو اسکولوں میں ماسٹر یا ٹیچر ہیں عقل کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ کچھ تو اس تعلیم انگریزی کی نحوست پھر بچوں لڑکوں کی صحبت بس عقل رخصت ہو جاتی ہے۔ ایک صاحب نے جو ماسٹر ہیں مانسہرہ سے زمانہ تحریک خلافت میں باوجودیکہ مجھ سے بیعت بھی ہیں لکھا تھا کہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ سب علماء وغیرہ تو تحریکات میں شریک ہیں تمہارے پیر کیوں شریک نہیں۔ میں ان کو کیا جواب دوں۔ میں نے لکھا کہ تمہارے پاس بہت سہل جواب ہے تم یہ کہدو کہ میں نے ایسے مہمل پیر کو چھوڑ دیا۔ بدعقلی دیکھئے تعلق تو کرتے ہیں اصرار کے ساتھ پھر شبہات کرتے ہیں۔ اس پر جواب آیا۔ معذرت کی معافی چاہی۔ آگے بڑا طویل قصہ ہے میں بیعت کرنے میں اسی وجہ سے تنگی کرتا ہوں اور بہت کمی کے ساتھ بیعت کرتا ہوں کہ کیوں بدفہموں اور بدعقلوں کو بھرتی کیا جاوے کوئی فوج تھوڑا ہی بنانا ہے اور اگر فوج بھی بنانا ہوتی تو ایسے نالائق تو وہاں بھی بیکار ہی ثابت ہوتے۔ دیکھئے فوج میں اگر اندھے لنگڑے لنجے اپاہج یا بے وفا بھرتی کر لئے جاویں تو کیا فائدہ جیسے وہاں یہ بیکار ثابت ہوں گے ایسے ہی بے عقل کے اندھے فہم کے لنگڑے یہاں پر بیکار ہیں۔ کام کے تو اگر ایک ہی دو ہوں وہی کافی ہیں۔

ملفوظ ۱۰۰: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ان رسمی مشائخ اور دکاندار پیروں نے اس طریق کو اس قدر گندہ اور ذلیل کیا ہے کہ بعض وقت اس قدر غیرت کا غلبہ ہوتا ہے کہ اس سلسلہ ہی کو بند کر دیا جائے۔

ملفوظ ۱۰۱: ایک عربی خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ عربی بولنے یا لکھنے میں مجھ کو مہارت نہیں کبھی زیادہ لکھنے پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہاں اللہ کا شکر ہے۔ ضرورت کبھی بند نہیں ہوتی۔

ملفوظ ۱۰۲: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ چاروں سلسلوں میں اس لئے بیعت فرماتے تھے تاکہ دوسرے سلسلوں کی تحقیر اور بدگمانی بدظنی کا قلب میں وسوسہ نہ آسکے۔ اس سے حضرت کا محقق ہونا معلوم ہوتا ہے۔ بہت بزرگوں کو دیکھا مگر جو شان تحقیق اور حدود کی رعایت حضرت کے یہاں دیکھی وہ کسی کے یہاں نہیں دیکھی۔ ہر چیز حضرت کے یہاں اپنی اپنی حد پر رہتی تھی جس چیز کو مضر سمجھا اس کو وہ عملی جامہ پہنایا کہ جڑ ہی اکھیڑ کر پھینکدی اور حاصل مقصود تو سب سلسلوں کا ایک ہی ہے۔ صرف طرق تربیت کے اعتبار سے فرق ہے۔ معنون ایک ہے عنوان میں فرق ہے اگر ان میں سے کسی ایک کی بھی تنقیص کرے گا وہ اس طریق میں محروم رہے گا ان کو الگ الگ سمجھنے کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے ایک استاد نے اپنے ایک شاگرد سے جو کہ احول تھا (یعنی بھینگا) ایک چیز اس کو دو نظر آتی کہا کہ دیکھو فلاں طاق میں ایک بوتل رکھی ہے وہ اٹھا لاؤ۔ وہ طاق پر پہونچا تو استاد سے کہا کہ کونسی لاؤں وہاں تو دو رکھی ہیں استاد نے کہا کہ نہیں ایک ہی ہے اس نے پھر اصرار کیا استاد نے کہا کہ ایک کو توڑ دے ایک لے آ اس نے جو اٹھا کر توڑی تو دونوں ہی ختم ہوگئیں کیونکہ حقیقت میں وہ دو نہ تھیں ایک ہی تھی صرف اسکو ایک کی دو نظر آئیں تو یہ اس کی نظر کا قصور تھا۔ اسی طرح ایک سلسلہ کی تحقیر سب کی تحقیر ہے۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ایک قصہ میں فرماتے ہیں ؎

شاہ احول کرد در راہ خدا آں دو دمساز خدائی را جدا

۲ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم سہ شنبہ

ملفوظ ۱۰۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ قریب زمانہ میں پچھلے دنوں ایک خط احمد رضا خانصاحب

کے ایک مرید کا آیا تھا جس میں لکھا تھا کہ میں پچیس سال سے مولوی احمد رضا خانصاحب سے مرید تھا اب اُن عقائد باطلہ سے توبہ کرتا ہوں اور حضرت سے بیعت کی درخواست کرتا ہوں عمر کے متعلق لکھا تھا کہ اس وقت میری عمر تقریباً پینسٹھ سال کی ہے اس لئے جلد از جلد مرید ہونا چاہتا ہوں اور بھی اسی قسم کا مضمون تھا۔ میں نے جواب میں لکھ دیا تھا کہ تعجیل مناسب نہیں۔ آج اُن کا پھر خط آیا ہے لکھا ہے کہ تعجیل کی حد بتلا دی جائے تا کہ میں اس وقت تک کچھ نہ بولوں۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ جب تک میرے چالیس وعظ اور رسائل نہ دیکھ لو اور بیس مرتبہ خط و کتابت نہ کر لو اور دس بار ملاقات نہ کر لو۔ بس یہی حد ہے۔ فرمایا کہ اگر خلوص اور محبت سے اُن کا خیال اس طرف رجوع کرنے کا ہوا ہے تو ان شرائط کو پورا کریں گے یہ سب باتیں تجربہ کے بعد معلوم ہوئی ہیں۔ ان لوگوں کی نفسیں میں خوب پہچانتا ہوں یہ سب میرے آزمائے ہوئے ہیں۔ دوسرے ناواقف جو مشورہ دیتے ہیں خواہ مخواہ بکتے ہیں جھک مارتے ہیں۔ میں بعضوں کی نسبت اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ ؎

نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار ان سے　　یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

اگر یہ شخص کسی دوسری جگہ بیعت کی درخواست کرتے تو یہ سمجھ کر کہ ہمارے مخالف سے ٹوٹ کر آرہے ہیں فوراً بیعت کر لئے جاتے مگر میں تو جب تک کھرا کھرا نہ دیکھ لوں اُس وقت تک پاس کو بھی نہیں گذرنے دیتا۔ کوئی دوکان تھوڑا ہی جمانا ہے۔ میں تو ایک مثال دیا کرتا ہوں گو بظاہر ہے تو ذرا فحش مگر ہے منطبق وہ یہ کہ رنڈی اور گھرستن میں ایک بڑا فرق یہ ہوتا ہے کہ رنڈی تو ہر قسم کی تدابیر اپنی طرف مائل کرنے کی کرے گی۔ بناؤ سنگار کرے گی۔ چہرہ پر پوڈر ملے گی۔ کپڑے صاف ستھرے پہنے گی غرضکہ دل لُبھانے کی ہر تدبیر کرے گی اور گھرستن خدمت کرے گی۔ ذلت اُٹھائے گی مگر زیادہ دبایا جائے گا صاف کہدے گی کہ میں بھی برادری کی ہوں کسی بات میں تم سے کم نہیں ہوں۔ آج کل کے بہت سے رسمی پیروں نے رنڈیوں کا سا وتیرہ اختیار کر رکھا ہے۔ ہر قسم کی تدابیر لوگوں کے پھنسانے کی کرتے ہیں۔ اغراض بھی پیر جی اور رنڈی میں مشترک ہیں۔ وہی جھپٹنا اور اینٹھنا۔ یہ بھی دونوں میں مشترک ہیں۔ اسی فرق کی بناء پر کہتا ہوں کہ رنڈی کو تو دس پانچ روپیہ دے کر جب چاہو راضی کر لو اور کسی کی لڑکی تو اس طریق سے لے لو۔ معتد بہ روپیہ الگ صرف ہوتا ہے۔ سخت سخت شرائط الگ پورے کرنے پڑتے ہیں تب بھی ناک سیدھی ہو جاوے غنیمت سمجھا جاتا ہے۔ ایک چھوٹی سی بات سمجھو کہ اگر کوئی کسی اور لڑکی کے متعلق پیام بھیجے اور وہ خط ہو بیرنگ تو کیا لڑکی والے کو ناگوار نہ ہوگا۔ لیکن بعضے آدمی جس طرح یہاں عذر اور مصلحت بیان کرتے ہیں کہ میں نادار ہوں مفلس ہوں اگر وہاں بھی

یہ عذر کریں تو کیا لڑکی والا یہ نہیں کہے گا کہ سب کچھ سہی مگر یہ دلیل ہے عدم طلب کی ۔ تو صاحبو غیرت بھی تو آخر کوئی چیز ہے ۔ مجھ کو تو غیرت آتی ہے کہ طریق کو ایسا ذلیل کیا جائے ۔ اسی طرح کوئی شخص اگر کسی کی لڑکی کے متعلق پیام دے اور وہ پیام ہو بے اعتنائی اور بے پروائی سے تو کیا وہ گوارا کرلے گا ۔ اسی طرح بعضے خیرخواہ تعجیل بیعت میں یہ مصلحت بتلاتے ہیں کہ اگر یہاں ناامید ہو کر دوسری بے دینی کی جگہ پھنس گیا تو برا ہوگا اس لئے اس کے بے ڈھنگے پن سے درگذر کی جاوے اور بیعت کرلیا جاوے تو اگر اس طرح کوئی بے رغبتی و تحقیر کے ساتھ کسی لڑکی کے لئے پیام دے اور وہاں بھی یہی مشورہ دیا جاوے کہ یہ لڑکا دیندار نہیں اور لڑکی دیندار ہے اگر اس لڑکی سے نسبت منظور نہ کی جائے گی تو نہ معلوم پھر کس بددین لڑکی سے نسبت ہو جس سے زیادہ بددین ہو جاوے گا اور اگر اس لڑکی سے نسبت ہو جاوے تو اس کے اثر سے لڑکا دیندار ہو جاوے گا ۔ اس مصلحت سے منظور کرلو گو پیام بے قدری کے ساتھ دیا ہے تو اس کے جواب میں ایک شریف شخص لڑکی والا کیا نہ کہے گا اور کیا اس کہنے کو کوئی ناپسند کرے گا کہ بھائی چاہے کچھ ہی ہو مگر اس حالت میں غیرت کا تقاضہ تو یہی ہے کہ میں ایسے بدتمیز سے بات بھی نہ کروں تو کیا طریق کی اتنی بھی وقعت اور عظمت نہ ہو جتنی ایک لڑکی کی اور مجھ کو جو اس قدر جلد تغیر ہوتا ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ میں اس کے طرز سے اس پر استدلال کرتا ہوں کہ اس کے قلب میں طریق کی عظمت اور وقعت نہیں گو بظاہر وہ فعل اس قدر قبیح نہیں ہوتا مگر اس کا منشاء قبیح در قبیح ہوتا ہے یعنی وہی بے وقعتی طریق کی سو اس پر مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے کہ سخت مزاج ہے اور تم بڑے نرم مزاج ہو ۔ اور میں تو تمہارے ہی مقابلہ میں سخت ہوں پھر وہ بھی تمہاری ہی مصلحت سے کہ کسی طرح اصلاح ہو جاوے جو خود میرے نرم ہونے کی دلیل ہے ۔ اور اپنے کو نہیں دیکھتے کہ تم تو دین کے معاملہ میں بھی نرم نہیں ہوتے اسقدر سخت ہو کہ سیدھے راستے پر نہیں آتے پھر میرا تو مزاج ہی سخت ہے وہ بھی تمہارے قول پر حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے جس کو میں ایک مثال سے ابھی ظاہر کروں گا اور تمہارا تو قلب سخت ہے ۔ اس فرق کی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کے بدن میں کیڑے پڑ رہے ہیں مگر اس کی ان پر نظر نہیں ۔ اور دوسرے کے بدن پر مکھی ہے اس پر نظر ہے ۔ یہ کونسی عقل کی بات ہے ۔ غرض یہ کہنا کہ میں سخت ہوں غلط ہے ۔ سخت نہیں ہے بلکہ مضبوطی ہے ۔ اور صاحب اس سے کیا ہوتا اچھا سخت ہی سہی مگر میں کسی کو بلانے تو نہیں جاتا بیٹھا ہوں اگر میرا طرز اور مسلک پسند نہیں مت آؤ کہیں اور جاؤ اور یہ سمجھ لو ۔

در کوئے نیک نامی مارا گذر ندادند گر تو نمی پسندی تغییر کن قضارا

اور میں ایسے موقع پر اکثر یہ شعر پڑھا کرتا ہوں کسی نے خوب ہی کہا ہے ؎

جس کو ہو جان و دل عزیز اُس کی گلی میں جائے کیوں ہاں وہ نہیں دنیا پرست جاؤ وہ بیوفا سہی

سو کسی کی وجہ سے اپنے طرز اور مسلک کو بدل نہیں سکتا جب تک کہ میرے ہاتھ میں اصلاح کا کام ہے۔

ملفوظ ۱۰۴: فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں فلاں بزرگ سے مرید تھا ان کا انتقال ہوگیا ہے۔ اب رحجان آپ کی طرف ہے کوئی وظیفہ ایسا بتا دو جس سے کشائشِ رزق ہو میں نے لکھدیا ہے کہ ایسے وظائف عامل لوگ جانتے ہیں۔ میں عامل نہیں اس پر فرمایا کہ میاں کو اس لئے رحجان ہوا۔ یہی ایک چیز رحجان کے لئے رہ گئی تھی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ بھی آج کل بدعقلی اور بدفہمی کا ایک شعبہ ہے کہ جس کا جو کام ہے وہ تو اس سے لیا نہیں جاتا۔ دوسرے کام جو اُس کے متعلق نہیں یا اس سے ناواقف ہے وہ لیتے ہیں۔ سو میں تو صرف ایک ہی کام کا ہوں وہ یہ کہ اللہ کا راستہ معلوم کرلو یعنی اللہ کا نام اور اس کے احکام پوچھ لو اس سے آگے مجھے کچھ نہیں آتا جاتا بلکہ مجھ کو تو ایسی باتوں اور فرمائشوں سے وحشت ہوتی ہے۔

ملفوظ ۱۰۵: فرمایا ایک صاحب کا خط آیا ہے۔ بی۔ اے ہیں۔ لکھا ہے کہ مجھ کو بفضل ایزدی قرآن شریف یاد کرنے کا شوق ہوا۔ اب کچھ پارے باقی ہیں۔ رمضان المبارک میں تراویح میں سنانے کا ارادہ ہے اور ایک خواب لکھا ہے کہ پیرانِ کلیر حضرت مخدوم علاؤالدین صاحب رح کے مزار پر گیا ہوں۔ وہاں پر ایک صاحب ہیں وہ کہتے ہیں کہ بیس دن تک چالیس مرتبہ روزانہ (یاد نہیں رہا) یہ پڑھ لیا کرو۔ قرآن شریف حفظ ہو جائیگا۔ حضرت والا سے عرض ہے کہ کیا پڑھ لیا کروں کوئی حرج تو نہیں۔ میں نے لکھ دیا کہ کیا حرج ہے پڑھ لیا کرو۔

ملفوظ ۱۰۶: فرمایا ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میری لڑکی ہے جب وہ بیمار ہوتی ہے تو میں بدحواس ہو جاتا ہوں۔ قلب میں دنیا کی اس قدر محبت ہے (جواب) اولاد دنیا نہیں ہے ہاں دنیا میں رہتی ہے اُن کے حقوق ادا کرنا دین ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ وطن چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں تب اِس بلا سے نجات ملے گی۔ اور ثواب سے بھی نجات ملے گی۔ یہ بھی لکھا ہے کہ اولاد نے بندہ کو تباہ کر دیا (جواب) بندہ کو تباہ کیا بندہ کے دین کو تو تباہ نہیں کیا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ بندہ کی

مشکل حضرت کی توجہ اور دعاء سے آسان ہو گی۔ (جواب) اگر مشکل ہی نہ ہے تو ثواب زیادہ ملے گا۔ اس پر فرمایا کہ اگر یہی سوالات کہیں اور جاتے تو نہ معلوم بیچاروں کی کیا گت بنائی جاتی۔ ان جوابات کو دیکھ کر انشاء اللہ تعالے سکون ہو جائے گا۔ عین وقت پر اللہ تعالے مناسب وقت باتیں دل میں القاء فرما دیتے ہیں لکھ دیتا ہوں۔

ملفوظ ۱۰۷: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ زمانہ نہایت ہی پُر فتن ہے۔ اس میں تو ایمان ہی کے لالے پڑے ہیں۔ اسی وجہ سے میں نے بزرگان دین کی صحبت کو فرض عین قرار دیا ہے تو فتوی دیتا ہوں کہ صحبت بزرگان دین کی اس زمانہ میں فرض عین ہے اور اس میں شبہ کیا ہو سکتا ہے اس لئے کہ جس چیز پر تجربہ سے تحفظ دین تحفظ ایمان موقوف ہو اس کے فرض ہونے میں کیا شبہ کی گنجائش ہے۔

۳ / جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم چہار شنبہ

ملفوظ ۱۰۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہندوستان میں دو قومیں کافر ہیں پھر یہ کیا بات کہ ایک ہی قوم سے اس قدر دشمنی کیوں ہے اور دوسری قوم سے نہیں اگر اس کا سبب کفر ہے تو یہ چیز تو دوسری قوم میں بھی ہے جس سے اتحاد کا سبق پڑھا جا رہا ہے اور اگر سبب اس دشمنی کا مسلمانوں کو نقصان پہونچانا ہے تو دوسری ہی قوم کی طرف سے مسلمانوں کے کے ساتھ کونسا اچھا سلوک کیا جا رہا ہے اور کون سے شعائر اسلام کے ادا کرنے کی آزادی دی جا رہی ہے۔ نیز یہ امر محتاج دلیل نہیں کہ ایک قوم کو جس قدر اس وقت قدرت اور قوت ہے اور باوجود اس قدرت اور قوت کے مسلمانوں کو اُن سے اتنا نقصان نہیں پہونچا جتنا نقصان باوجود پوری قدرت نہ ہونے کے مسلمانوں کو دوسری قوم سے پہونچا اگر اس کم حوصلہ قوم کو اتنی قدرت ہوتی جتنی ایک قوم کو ہے اور پھر اُن کی ایسی مخالفت کی جاتی جیسی ایک قوم کی کی گئی تب دیکھتے کہ مسلمانوں کی کیا گت بنتی۔ یہ ضرور ہے کہ اس قوم کی یہ مراعاتیں خود غرضی پر مبنی ہیں۔ خواہ کسی نیت اور کسی غرض سے ہو دوسروں کو تو نفع پہونچ جاتا ہے۔

ملفوظ ۱۰۹: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مسلمانوں کی غفلت شعاری کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ کسی طرح بیداری نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کو تو ہر وقت فکر چاہیئے۔ یہ اُن کی غفلت کا وقت نہیں۔ آخرت کے لئے اپنے اعمال کی اصلاح اور دنیا کے لئے

اپنی قوت کا اجتماع اور آپس میں اتحاد و اتفاق یہ سب ان کا فرض تھا اور یہ جو مسلمانوں کو اپنی فلاح سے استغنا ہے اس کا منشا چند غلطیاں ہیں۔ ایک غلط استعمال توکل کا۔ سو توکل تو فرض ہے۔ ہر مسلمان کو براہِ راست خدا تعالیٰ سے ایسا ہی تعلق رکھنا چاہیئے کہ کسی چیز کی پرواہ نہ کرے۔ یہی اعتقاد رکھے کہ جو خدا کو منظور ہوگا وہی ہوگا کوئی کچھ نہیں کر سکتا لیکن توکل کا استعمال خلاف محل کرتے ہیں۔ ایک غلطی یہ ہے کہ جو کام کرتے ہیں جوش کے ماتحت کرتے ہیں۔ اگر ہوش کے ماتحت کریں تو بہت جلد کامیاب ہوں۔ ایک غلطی یہ ہے کہ ہر کام کرنے سے قبل یہ معلوم کر لینا واجب تھا کہ شریعت مقدسہ کا اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ پھر اللہ و رسول کی بتلائی ہوئی تدابیر پر عمل کرتے۔ حاصل نظام صحیح کا یہ ہوا کہ جوش کے ماتحت کوئی کام نہ کیا کریں ہوش کے ماتحت کیا کریں۔ اپنی قوت کو ایک مرکز پر جمع کر لیں۔ آپس میں اتحاد و اتفاق رکھیں احکام کی پابندی کریں جن میں صحیح توکل بھی داخل ہے اگر ایسا کریں تو میں دعوے کے ساتھ خدا کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ چند روز میں کایا پلٹ ہو جائے۔ بہت جلد مسلمانو کے مصائب اور آلام کا خاتمہ ہو جائے۔ نیز جو کام کریں اس میں کامیابی کے لئے خدا سے دعاء کریں۔ پھر دیکھیں کیا ہوتا ہے مگر اس وقت کام کی بات ایک نہیں محض ہڑبونگ ہے۔

ملفوظ ۱۱۰: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مسلمان تو خود اپنے ہاتھوں تباہ ہوتے ہیں ان کو کبھی دوسرے لوگ نقصان نہیں پہونچا سکتے۔ ان کو جب نقصان پہونچتا ہے اپنے ہی بھائیوں سے پہونچتا ہے وجہ اس کی بقول ایک مولوی صاحب کے یہ ہے کہ مسلمان خوف سے مغلوب نہیں ہوتا مگر طمع سے مغلوب ہو جاتا ہے بس دشمن سے روپیہ لے کر بھائی کو نقصان پہونچاتا ہے۔ یہ راز ہے ان سے نقصان پہونچنے کا۔ یہاں ایک مکان ہے۔ ہندوؤں کا محلہ ہے اس میں کچھ گنتی ہی لوگ آباد ہیں۔ ہمیشہ اس مکان گائے کی قربانی ہوتی تھی ہندوؤں نے کوشش کی کہ قربانی نہ ہو۔ ایک مسلمان صاحب جا کر عدالت میں شہادت دے آئے کہ اس مکان میں کبھی قربانی نہیں ہوئی اب وہاں پر قربانی بند کر دی گئی اور اس شہادت کے صلہ میں مسلمان صاحب کو ملا کیا ایک اچکن کا کپڑا۔ بس یہ اس طرح طمع سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ ایک انگریز افسر نے ایک مسلمان صاحب سے بسبیل گفتگو کہا تھا کہ ہندوستان میں تین[۳] قومیں ہیں۔ مسلمان[۱]۔ ہندو[۲]۔ انگریز[۳]۔ اس میں تفصیل یہ ہے کہ انگریزوں کے دو[۲] دشمن ہندو اور مسلمان۔ ہندوؤں کے دو[۲] دشمن۔ انگریز اور مسلمان۔ مسلمانوں کے تین[۳] دشمن ہندو۔ انگریز اور خود مسلمان۔ تو مسلمانوں کو جب کبھی نقصان پہونچتا ہے مسلمان ہی کی بدولت پہونچتا ہے ورنہ اس گئے گذرے زمانہ میں بھی مسلمانوں کو دوسرے لوگ نقصان نہیں پہونچا سکتے۔

ملفوظ ۱۱۱: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل جو اسلامی سلطنتیں کہلاتی ہیں اُن پر بھی یورپ کی تقلید کا بھوت سوار ہے ہر اسلامی سلطنت میں جمہوریت قائم ہوگئی جس پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ مگر معلوم نہیں کہ فاذا عزمت کی کیا تفسیر کریں گے۔ کیونکہ اس میں تو تصریح ہے کہ بعد مشورہ کے مدار صرف ایک کے ہی عزم پر ہے۔ جو صاف شخصیت ہے۔ میں زمانہ تحریک خلافت میں قصبہ کیرانہ گیا تھا ایک مولوی صاحب نے مجھ سے ترکی کی خلافت پر گفتگو کی۔ میں نے کہا کہ خلافت تو بڑی چیز ہے پہلے ترکی سلطنت کا موجودہ حالت میں اصول شرعیہ سے اسلامی سلطنت ہونا تو ثابت کردو۔ میں نے کہا کہ جو سلطنت مرکب ہو مسلم اور غیر مسلم سے کیا وہ اسلامی سلطنت ہوگی کہا کہ غیر مسلم ہوگی۔ میں نے کہا کہ ترکی میں جمہوریت قائم ہو چکی ہے جو مسلم اور غیر مسلم سے مشترک ہے تو کیا وہ اسلامی سلطنت ہوئی کہا کہ نہیں اور ظاہر بھی ہے کہ یہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ مرکب کامل اور ناقص کا ناقص ہوتا ہے تو کفار اور مسلم سے۔ جو سلطنت مرکب ہوگی وہ غیر اسلامی ہوگی۔ کہنے لگے کہ واقعی آج سمجھ میں آیا۔ میں نے کہا پھر اس پر جو غل مچاتے پھرتے ہو تو کس کی امداد کے لئے کہا کہ واقعی امداد نہ کرنا چاہیے۔ میں نے کہا کہ بس اتنی جلدی فتویٰ دیدیا۔ ہم کہتے ہیں کہ باوجود ترکی کے اسلامی سلطنت نہ ہونے کے پھر بھی ہم پر اُس کی نصرت واجب ہے۔ میں نے کہا کہ ذمہ تو تمہارے تھا مگر یہ تبرع ہے ہمارا۔ ہم بتلاتے ہیں کہ ترکی سلطنت گو اسلامی سلطنت نہیں مگر دوسری غیر مسلم سلطنتیں تو اس کا مقابلہ اسلامی سلطنت سمجھ کر کرتی ہیں اس لئے مسلمانوں پر اُس کی نصرت واجب ہے۔ یہ سن کر اُن مولوی صاحب پر ایک ایک وجد کی سی کیفیت ہوگئی اور مسرت کے جوش میں مجھ کو دو روپیہ ہدیہ دیئے۔ میں نے لے لئے اس لئے کہ میں سمجھا کہ ان کو تو کوئی دھوکا نہیں ان کو تو میری حقیقت معلوم ہے۔ اور یہ بھی سمجھا کہ میں نے دماغ سے کام لیا اور یہ حق تعالیٰ کی مشین ہے اس کی قوت کے واسطے یہ عطاء ہے کیوں چھوڑا جائے۔ اس قسم کے واقعات اُس زمانہ میں بکثرت پیش آئے۔ حق تعالیٰ جواب دل میں ڈال دیتے تھے۔ ورنہ انسان کا کیا وجود اور کیا ہستی سب اُن کا فضل و کرم ہے۔

۳ رجمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم چہار شنبہ

ملفوظ ۱۱۲: فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ تہجد قضا ہو جاتا ہے جس سے سخت

تکلیف ہوتی ہے۔ اس کا کوئی علاج تحریر فرمادیں۔ میں نے لکھ دیا کہ علاج معصیت کا ہوتا ہے یا غیر معصیت کا بھی۔ کیا یہ معصیت ہے۔ اس پر فرمایا کہ اب دیکھئے کیا جواب آتا ہے خواہ مخواہ خود لوگ اپنے لئے سختیاں کر لیتے ہیں۔ یہ سب بے خبری کی باتیں ہیں۔

ملفوظ ۱۱۳: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ یہاں قصبہ کے اندر جس قدر رہنے والے لوگ ہیں محبت تو سب کو ہے۔ میں اس نعمت پر بھی حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور یہ چیز قصبہ کے ہندو۔ بھنگی چماروں تک میں ہے۔ چماروں کے بچے تک بڑے ابا کہکر سلام کرتے ہیں۔

ملفوظ ۱۱۴: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ دعاء بڑی چیز ہے تمام عبادات کا مغز ہے اور سب سے زیادہ آج کل اسی سے غفلت ہے۔ اور دعاء ایسی چیز ہے کہ دنیا کے کاموں کے واسطے بھی دعاء مانگنا عبادت ہے بشرطیکہ وہ کام شرعاً جائز ہوں۔ یہ غلطی ہے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ دین ہی کی کاموں کے واسطے اور آخرت ہی کی فلاح اور بہبود کے لئے دعاء عبادت ہے بعض لوگ بجائے درخواست دعاء کے لکھتے ہیں کہ فلاں کام کے لئے کوئی مجرب عمل اور کوئی مجرب وظیفہ بتلا دیجئے میں لکھ دیتا ہوں کہ اس قید کی ساتھ مجھ کو عمل معلوم نہیں اور دعاء سے بڑھکر کوئی وظیفہ اور عمل نہیں۔ ایسے جوابوں کی وجہ سے بھی لوگ مجھ سے خفا ہیں۔ میں اصول کی تعلیم کرتا ہوں اور لوگ آج کل اہل اصول سے خفا رہتے ہیں اور اہل وصول سے خوش یعنی جو اُن سے کچھ وصول کر لے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک اہل کار تو رشوت خوار ہے اور ایک رشوت خوار نہیں تو جو رشوت نہیں لیتا اُس سے سب ناراض ہیں اور جو رشوت لیتا ہے اُس سے سب خوش۔ اس میں راز یہ ہے کہ رشوت لینے والے سے یہ امید رہتی ہے کہ جب لیا ہے تو کام کرے ہی گا چاہے وہ نہ ہی کرے۔ اور نہ لینے والے سے کوئی امید نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہاں پر بھی ان جاہل اور رسمی پیروں سے جو ان سے اینٹھتے رہتے ہیں سب خوش رہتے ہیں۔ اور یہاں یہ قصہ جھگڑا ہے نہیں اس وجہ سے ناراض ہیں بھلا کسی کو کون نگل لے۔

ملفوظ ۱۱۵: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ پہلے لوگوں میں سادگی کے ساتھ وضع داری بھی تھی مگر بعض اوقات اس میں غلو بھی ہو جاتا تھا۔ یہاں پر ایک خاندان تھا جو عرفاً کم درجہ کا سمجھا جاتا تھا ان کے یہاں بچہ پیدا ہوا انہوں نے اس کا نام رکھا اشرف علی۔ ایک بڑی بی تھیں ہمارے خاندان میں اُن کو یہ سن کر بہت ناگواری ہوئی اور بچہ کی دادی سے کہا پوتا مبارک ہو۔ اب کی بار بچہ ہو تو عبدالحق نام رکھنا پھر پیدا ہوا فیض علی رکھنا۔ یہ میرے باپ دادا کے نام ہیں اس کو معلوم ہوا کہ ان کو ناگوار ہوا بار نہیں پھر کیا ہوا مگر میں نے کہا کہ یہ تو خفا ہونے کی کوئی بات نہیں خوش ہونے کی بات ہے

کہ ہم کو ایسا سمجھا کہ ہمارے نام پر نام رکھ کر شرف حاصل کرتے ہیں تو اس قدر وضع داری کو بھی اینٹھ مروڑ ہی سے تعبیر کرنا چاہیئے ایک خاندان والے دوسرے خاندان کے لیئے ان کے نام پر نام رکھنے کو بھی ناپسند کریں۔ ناموں کے سلسلہ میں ایک ظرافت کا قصہ بیان فرمایا ہندوستان سے چند شخص حج کو گئے۔ ساحل پر عرب صلاحیت لکھنے آئے۔ نام پوچھا ایک شخص نے اپنا نام بتلایا اللہ دیا۔ وہ عرب پریشان کہ ایش اللہ دیا حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے ظریف تھے۔ فرمایا اللہ اعطی ورنہ سیدھا ترجمہ عطاء اللہ تھا پھر فرمایا دیکھیئے عطاء اللہ کس قدر پُر شوکت نام معلوم ہوتا ہے اور اللہ دیا میں وہ بات نہیں۔ واقعی عربی میں ہے ہی شوکت۔ دیکھیئے عائشہ کا ترجمہ ہے جیونی۔ مگر عربی میں کیسی شوکت معلوم ہوتی ہے اور ترجمہ کے بعد کیا معلوم ہوتا ہے۔

ملفوظ ۱۱۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کی یہ شاعری بھی سوائے تضیع اوقات کے اور کچھ نہیں جس کو دیکھیئے شاعر بنا ہوا ہے جیسے ہر شخص پیر بنا ہوا ہے یا طبیب بنا ہوا ہے اور سچ یہ ہے کہ فن دانی تو ہر طبقہ سے قریب قریب مفقود ہو چکی۔ سب سے چھوٹے ماموں صاحب بڑے ذہین تھے ایک روز ایک شخص جو بنیا کے رہنے والے تھے وہ جنگل سے گھاس کا بوجھ لے کر آئے۔ ماموں صاحب بیٹھے ہوئے تھے کہا کہ بھائی صاحب آج ہم نے ایک شعر کہا ہے مگر ایک ہی مصرع ہے،، سنو دوستو ہے عجب ماجرا۔ آگے تم ٹھیک کر کے شعر بنا دو۔ ماموں صاحب نے فرمایا کہ بہت اچھا میں شعر بناتا ہوں ؎

سنو دوستو ہے عجب ماجرا　　　کہ کھایا تھا منڈوا ہگا باجرا

اس شخص نے کہا کہ بھائی صاحب تم تو ایسی ہی باتیں کرتے ہو۔ فرمایا کہ میاں عجب ماجرا تو یہی ہو سکتا ہے کہ کھاؤ کچھ ہگو کچھ۔ بس آج کل کی شاعری اکثر بوجہ فقدان لیاقت اس سے زیادہ نہیں خواہ مخواہ فضول اور عبث لوگ وقت کو ضائع کرتے ہیں۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک استاذ الاساتذہ بزرگ کا قول نقل فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی کو دین کا بنانا ہو تو درویش کے سپرد کرو۔ اور دنیا کا بنانا ہو تو طبیب کے سپرد کرو۔ اور اگر دونوں سے کھونا ہو تو شاعر کے سپرد کرو۔ میں نے عرض کیا کہ چوتھی ایک صورت اور رہ گئی کہ اگر دونوں کا بنانا ہو فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا واقعی حضرت مولانا نے صحیح فرمایا اسی کو فرمایا گیا ہے۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں　　　ایں خیال است و محال است و جنوں

ملفوظ ۱۱۷: ایک سلسلہ گفتگو میں ایک فقہی مسئلہ پر ایک مولوی صاحب کو آگاہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ میں سب سے زیادہ مشکل چیز فقہ کو سمجھتا ہوں اور لوگوں کو اکثر اسی پر دلیر پاتا ہوں بہت سوچ سمجھ کر مسئلہ بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ فقہا نے تو کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ فقہاء ہی کی اس قدر نظر ہے۔ احکام پر بھی۔ علل احکام پر بھی۔ سچ تو یہ ہے کہ خدا کی طرف سے ان حضرات کو

الہام ہوتا تھا جس سے ایسی دین کی خدمت کی ہے حق تعالیٰ ان کو جزاء خیر عطا فرمائیں ۔ اگر فقہاء کی ذات
دنیا میں نہ ہوتی تو عالم میں ایک اندھیر ہوتا۔ دین کے ہر مسئلہ کو روشن اور واضح کردیا ۔ اگر فہم سلیم اور
عقل کامل ہو تو کوئی دقیقہ باقی نہیں رہا ۔ باقی بدفہموں اور بدعقلوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

ملفوظ ۱۱۸: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آج کل تو یہ چاہتے ہیں کہ سب کچھ ہو جائیں
اور سب کچھ کہلائے جانے لگیں اور کام کے نام صفر۔ لمبے لمبے چوڑے چوڑے القاب ہوں
جیسے کہ آج کل - امیر الشریعت - امیر الملت - شیخ الحدیث - شیخ التفسیر - امام الہند - ہمارے بزرگ
بحمداللہ سب کچھ تھے مگر ان کے لئے کبھی مولوی یا مولانا سے آگے کوئی القاب ہی استعمال نہیں کیا
گیا۔ حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے جو شیخ الہند کا خطاب مشہور کیا گیا اس کی نسبت
میں کہا کرتا ہوں کہ افسوس شیخ العالم کو شیخ الہند کہدیا۔ یہ حضرت مولانا کی اچھی قدر کی ۔ واقعہ یہ
ہے کہ حضرت مولانا کو ان لوگوں نے پہچانا ہی نہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب
القاب اور خطاب سنئے ۔ بلبل ہند۔ طوطی ہند۔ شیر پنجاب ۔ وعلی ذالک ۔ بجائے انسان کے جانوروں
کے خطاب دیئے گئے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ روز میں اسپ ہند۔ فیل ہند۔ گرگ ہند بھی پیدا ہو جائیں گے
یہ سب نیچریت سے ناشی ہوئے ہیں ۔ دوسروں کی کیا شکایت کی جائے خود اپنے ہی بزرگوں سے
محبت کا دعویٰ کرنے والے اور ان کے دیکھنے والے ان چیزوں کا شکار بن گئے۔ ایک دم کایا پلٹ
ہوگئی۔ ایک دم انقلاب ہوگیا۔ اور منشا اس کا سوائے حب جاہ کے اور کوئی ایسی چیز نہیں جو اس
قدر جلد انقلاب کرسکے اور یہ ہوا ان تحریکات کی بدولت جس میں نیچریوں کا زیادہ دخل تھا۔ جو چیز
پچاس برس کے اندر پیدا ہوتی وہ پانچ برس کے اندر پیدا ہوگئی۔ اس منحوس نیچریت کا اس قدر زہریلا اثر
پھیلا ہے کہ ہر شخص پر اس کا اثر ہے اِلّا ماشاء اللہ۔ بس جس پر فضل خداوندی ہے وہ تو بچا ہوا ہے ۔
مجھکو ان تمام نئی چیزوں اور نئے خطابات اور القاب سے نفرت ہے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ
حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر دیو بند میں جو کتبہ لگا ہے اس پر شیخ الاسلام
کا لقب لکھا دیکھا ہے۔ فرمایا کہ یہ نیا لقب نہیں یہ پرانا لقب ہے اس سے وحشت نہیں ہوتی ۔

ملفوظ ۱۱۹: ایک مولوی صاحب کی گفتگو کے سلسلہ میں فرمایا کہ یہ آپ نے بالکل صحیح فرمایا کہ سلف
میں بزرگان دین نے بڑی بڑی مشقتیں اور تکلیفیں اٹھا کر دین کی خدمت کی ہے۔
ایک بزرگ عالم تھے جن کا نام اس وقت یاد نہیں القاسم میں ان کا واقعہ پڑھا ہے۔ ان پر کئی کئی
روز کے فاقے ہو جاتے تھے۔ ایک باورچی تھا ان بزرگ کا معتقد تھا وہ کھانے کی دوکان کیا کرتا
تھا۔ جب اس کو یہ حالت معلوم ہوئی تو اس نے ان بزرگ سے کھانے کے انتظام کی اجازت چاہی۔
فرمایا التزام تو مجھ کو گوارا نہیں اگر اعانت کرنا چاہتے ہو تو اس کی ایک صورت ہو سکتی ہے کہ

مسافروں کے سامنے کا بچا کچا مجھ کو دے دیا کرو۔ اُس نے قبول کر لیا۔ بس یہ بزرگ کبھی کبھی جاتے اور مسافروں کے سامنے کا جو بچا کچا ہوتا اس کو باورچی سے لے کر کھا لیتے۔ ایک روز تشریف لے گئے تو اس روز بچا کچا بھی نہ رہا تھا تو یہ آیت پڑھتے ہوئے ہشاش بشاش واپس تشریف لے آئے۔ تلک اذاً کرة خاسرة۔ بات یہ ہے کہ یہ حضرات اس دنیائے ناپائدار فانی کی حقیقت سے واقف ہو چکے تھے اور یہ واقفیت ہوتی ہے اُس کی حقیقت میں غور کرنے سے اسی لئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں لعلکم تتفکرون فی الدنیا والاخرة۔ یعنی دنیا کو بھی سوچو۔ آخرت کو بھی سوچو۔ پھر بطور لطیفہ کے فرمایا کہ ناصحین حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی طرف التفات مت کرو۔ اور میں کہتا ہوں کہ خوب التفات کرو کیونکہ جب دنیا کی حقیقت کو خوب سوچو گے اور اس کے ساتھ آخرت کو بھی تو موازنہ کے بعد دین ہی کو دنیا پر ترجیح دو گے بلکہ میں اس میں اور توسع کرتا ہوں کہ موازنہ کے لئے بھی نہ سوچو بلکہ محض اس کی حقیقت سے واقف ہونے کے لئے اس میں غور اور فکر کرو اور خوب توجہ کرو تاکہ اس مردار کی حقیقت واضح ہو جائے اور پھر کامل درجہ کی اس سے نفرت ہو۔ اسی کو فرماتے ہیں ؎

بس قامت خوش کش نہ یہ چادر باشد چوں باز کنی مادر مادر باشد

اس کے جو لذات ہیں اُن میں بھی کدورت ہے۔ کھانا ہے۔ پینا ہے۔ بیوی کے ساتھ عیش عشرت ہے اس میں ساتھ کے ساتھ کدورت بھی ہوتی ہے گو بوجہ مستی کے محسوس نہ ہو۔ اب چاہے وہ مستی دولت کی ہو یا جوانی کی ہو۔ حس پر پردہ پڑ جاتا ہے اسی کو فرماتے ہیں اس میں حالت احتلام کا بیان ہے ؎

ضعف سر بیند از اں و تن پلید آہ ازاں نقش پدید و ناپدید

اور فرماتے ہیں ؎

حال دنیا را پرسیدم من از فرزانۂ گفت یا خوابے ست یا بادے ست یا افسانۂ

باز گفتم حال آنکس گو کہ دل در وے بہ بست گفت یا غولے ست یا دیوے ست یا دیوانۂ

ایک حکایت دنیا کی مثال کی اس وقت یاد آئی۔ ایک شخص روزانہ بستر پر پیشاب کر لیتا تھا ایک روز بیوی نے کہا کہ یہ کیا مصیبت ہے کہ روز کے روز ایسا کرتے ہو۔ شوہر نے کہا کہ شیطان مجھ کو خواب میں روزانہ سیر کراتا ہے اور ایسا دکھلاتا ہے کہ میں کسی نالی پر پیشاب کر رہا ہوں۔ بیوی نے کہا کہ اس کو تو سب خزانے معلوم ہیں اس سے یہ کہو کہ سیر ہی کراتے ہو پریشان ہی کرتے ہو کوئی نفع بھی پہونچاؤ وہ یہ کہ کچھ روپیہ دلواؤ۔ شوہر نے کہا کہ آج کہوں گا۔ غرض رات کو خواب میں شیطان آیا اس شخص نے اس سے کہا کہ میاں ہم غریب آدمی ہیں اور تم کو خزائن معلوم ہیں۔ کچھ روپیہ بھی تو دلواؤ۔ شیطان نے کہا کہ جتنا جی چاہے لو کمی کیا ہے آؤ چلو میرے ساتھ یہ شخص ساتھ ہو لیا ایک شاہی خزانہ پر لے جا کر کھڑا کر دیا کہ یہ دیکھو خزانہ ہے جس قدر جی چاہے روپیہ باندھ لو۔

اس شخص نے چادر پھیلا کر حسب خواہش روپیہ باندھ لیا اور شیطان نے اس کو اٹھوا دیا۔ زور جو پڑا پاخانہ نکل گیا۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ روپیہ پیسہ تو کچھ بھی نہیں سب ندارد۔ پاخانہ موجود۔ صبح کو خوشی خوشی بیوی اٹھیں کہ روپیہ آیا ہوگا۔ دیکھا تو پیشاب کے ساتھ آج پاخانہ بھی ہے۔ خاوند سے پوچھا اس نے واقعہ بیان کیا۔ بیوی نے کہا کہ میں باز آئی ایسے روپیہ سے تم پیشاب ہی کر لیا کرو۔ پاخانہ مت پھرا کرو۔ یہ تو حکایت تھی ہنسی کی لیکن واقعہ یہ ہے کہ تم اب تو خواب میں ہو جس وقت آنکھ کھلے گی تو آخرت میں پہنچو گے تب معلوم ہوگا کہ وہ سب چیزیں ندارد پاخانہ یعنی اس کی مضرتیں اور گناہوں کی پلوٹ موجود۔ بس یہ حقیقت ہے اس دنیا کی۔ حق تعالیٰ ان ہی خزائن سے جدا ہونے کو فرماتے ہیں۔

ولقد جئتمونا فرادیٰ کما خلقناکم اول مرۃ وترکتم ما خولناکم وراء ظہورکم۔ ایک مولوی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ بس مال تو اتنا ہو کہ بھوکوں نہ مریں اور جاہ اتنی ہو کہ کوئی مارے پیٹے نہیں بس کافی ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

از بہر خورش ہر آنکہ نانے دارد
وز بہر نشست آستانے دارد
نے خادم کس بود نہ مخدوم کسے
گو شاد بزی کہ خوش جہانے دارد

ملفوظ ۱۲۰: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چاندنی رات رہیں ایک نظر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر کرتا تھا اور ایک نظر قمر پر تو حضور کو زیادہ حسین پاتا تھا (ترمذی و دارمی) انور ہونا جو قمر کی صفت ہے اور بات ہے۔ احسن ہونا جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے اور بات ہے۔ حسن اور چیز ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کی فضیلت میں وارد ہے۔ اور جمال جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں اور چیز ہے۔ اور حسن سے جمال بڑھا ہوا ہے۔ حسن کو دیکھ کر تو ایک گونہ تحیر ہو جاتا ہے اور جمال کو دیکھ کر کشش ہوتی ہے۔ اس سے یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اجمل کہا جائے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو احسن کہا جائے تو نہ کسی نص کی مزاحمت ہے اور نہ کسی کی تنقیص ہوتی ہے۔ یعنی یوں کہا جائے کہ حسن میں حضرت یوسف علیہ السلام سب میں فائق تھے اور جمال میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم۔ اس میں کیا حرج ہے۔

ملفوظ ۱۲۱: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس فن طریق کے امام تھے۔ مجدد تھے وہ تحقیقات فرمائی ہیں کہ آج ان کی نظیر مشکل ہے۔ چنانچہ حضرت فرمایا کرتے تھے انوار ملکوتی حجابات نورانی ہیں اور کائنات ناسوتیہ حجابات ظلمانی اور حجب نورانیہ اشد ہیں حجب ظلمانیہ سے اس لئے کہ انسان انکو مقصود سمجھ کر آگے کی ترقی سے رہ جاتا ہے اور حق تعالیٰ سے محجوب ہو جاتا ہے اور حجابات ظلمانی کو ہر شخص ناقابل التفات اور حجاب مذموم اور برا سمجھتا

ہے۔ اسلئے ہمارے یہاں اس کی نفی کرنے کی تعلیم کی جاتی ہے۔ جو شخص اس راہ میں قدم رکھے اور اس کو طے کرنا چاہے سب چیزوں کو پس پشت چھوڑنے کی متعلق اس کی یہ حالت ہونا چاہئے ؎

اے برادر بے نہایت در گہے ست　　ہرچہ بروے می رسی بروے مایست

اسی طرح اشغال وغیرہ اس طریق میں تدابیر کے درجہ میں ہیں۔ یہ سب دوائیں ہیں۔ غذا نہیں ہیں۔ اور دوا کبھی مقصود نہیں ہوا کرتی۔ ہاں مقصود کی معین ضرور ہوتی ہے۔ مقصود تو تندرستی ہے۔ ایسے ہی یہاں سمجھ لو کہ یہ تدابیر مقصود نہیں بلکہ مقصود اعمال واجبہ کی اصلاح اور رسوخ ہے اور وہ تدابیر اس کی معین۔

ملفوظ ۱۲۲: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل بعض اہل حق میں بھی یہ مرض عام ہوگیا ہے کہ مذاہب مجتہدین میں ایک مذہب سے دوسرے مذہب کا اس طرح موازنہ کرتے ہیں کہ اس سے دوسرے مذاہب کے بطلان کا وہم ہوتا ہے۔ مثلاً مذہب حنفی کے کسی مسئلہ کو اس طرح ترجیح دیں گے کہ اُس سے شافعی مذہب کے ابطال کا شبہ ہوگا۔ سو میں اس طرز کو پسند نہیں کرتا یہ طرز نہایت ہی خطرناک اور مضر ہے۔ توحید اور رسالت وعقائد اصل ہیں اور قطعی دلائل اس پر قائم ہیں اس میں سب شریک ہیں۔ آگے فروع ہیں جن کے دلائل خود ظنی ہیں ان میں کسی جانب کا جزم کرنا غلو فی الدین ہے۔

ملفوظ ۱۲۳: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم وسعت نظر کی وجہ سے مجتہد نہیں ہوئے بلکہ عمق نظر کی وجہ سے مجتہد ہوئے ہیں ان کی اور محض وسیع النظر لوگوں کے فرق کی یہ شان ہے ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند　　نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجا ست　　نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

غیر مقلد کہتے ہیں کہ امام صاحب کو کل سترہ حدیثیں یاد تھیں۔ میں نے کہا کہ تم نے ہماری خوشی کو خاک میں ملادیا اگر تم ان کو سات حدیثیں یاد ہونا بیان کرتے تو ہم کو زیادہ خوشی ہوتی۔ کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے سترہ ہی حدیثوں سے تمام دین کو سمجھ لیا اور لاکھوں مسائل استنباط کرلئے اس سے بھی زیادہ اور کیا کمال کی دلیل ہوسکتی ہے یہ ذوق سلیم ہی تو تھا جو حق تعالیٰ نے امام صاحب کو عطاء فرمایا تھا ایسے شخص کو عارفین کی اصطلاح میں صدیق کہتے ہیں جس میں قوت قدسیہ ہوتی ہے۔ یہ قوت قدسیہ حق تعالیٰ عارفین کو اور بعض علماء کو بھی عطاء فرماتے ہیں۔ اور صدیق کی یہ شان ہوتی ہے کہ اس کی نظر میں تمام نظریات بدیہی ہوتی ہیں۔ اور یہ سب فضل خداوندی ہے جس پر بھی متوجہ ہوجائے۔

ملفوظ ۱۲۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل زیادہ گمراہی کا سبب ایک یہ بھی ہے کہ ہر شخص محدث اور مفسر بنا ہوا ہے۔ جاہل لوگ قرآن و حدیث میں دخل دیتے ہیں۔ معنی میں تحریف کرتے ہیں اور جیل خانہ میں جا کر تو مولانا ہی بن جاتے ہیں حالانکہ وہ جہل خانہ ہے وہاں علوم سے کیا تعلق۔ ان لوگوں کا تفسیر کرنا اور قرآن و حدیث کے سمجھنے کا دعویٰ کرنا ایسا ہے۔ جیسے ایک شخص نے حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کے ایک شعر کی تفسیر کی تھی اور معنی سمجھے تھے وہ شعر یہ ہے ؎

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست
در پریشاں حالی و در ماندگی

قصہ یہ ہوا کہ ایک شخص کی کسی سے لڑائی ہوئی مار بھی رہا تھا اور مار کھا بھی رہا تھا اتفاق سے اس شخص کے ایک دوست صاحب تشریف لے آئے۔ جوان ہی جیسے تعلیم یافتہ ہوں گے۔ جا کر دوست کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ اب دوست صاحب کی خوب اچھی طرح مرمت ہوئی۔ کسی نے پوچھا کہ یہ کیا حرکت تھی کہا کہ میں نے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے فرمانے پر عمل کیا وہ فرما گئے ہیں ؎

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست
در پریشاں حالی و در ماندگی

یہی حالت ان لوگوں کی تفسیر دانی کی ہے۔ ایک ڈپٹی کلکٹر یہاں پر آئے تھے جو جدید تعلیم کا کانی اثر لئے ہوئے تھے اور اس وقت تو اس منحوس کا قریب قریب سب ہی پر اثر ہے۔ کہنے لگے کہ میں کچھ پوچھ سکتا ہوں۔ میں سمجھ گیا کہ کوئی اسی قسم کا سوال کریں گے جس خیال کے ہیں اس لئے کہ یہ بھی آج کل مرض عام ہے خصوص ان جدید تعلیم یافتوں میں کہ نصوص میں عقلی شبہات نکالا کرتے ہیں۔ ایک حکایت اس میں عجیب و غریب بیچ میں یاد آ گئی۔ ایک سرحدی ایک اسٹیشن پر اترا اور ایک کشمش کا بورا جو وزن میں دو من کا ہو گا بغل میں تھا۔ بابو کو اپنا ٹکٹ دیا۔ بابو نے کہا کہ اس بورے کا ٹکٹ مراد بلٹی تھی۔ ولایتی نے کہا کہ اس کا ٹکٹ بھی یہی ہے۔ بابو نے کہا کہ پندرہ سیر سے زائد کا قانون نہیں (اس وقت یہی قانون تھا) اور یہ دو من سے کم نہیں اس ولایتی نے کہا کہ یہ قانون ہندوستانی کے لئے ہے وہ اتنا ہی بوجھ اٹھا سکتا ہے۔ ہمارا یہی پندرہ سیر ہے۔ دیکھو ہم بغل میں دبائے کھڑا ہے۔ یہ اس ولایتی نے قانون کی تفسیر اور شرح بیان کی کہ پندرہ سیر سے مراد خاص وزن نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ مسافر جتنا آسانی سے اٹھا سکے۔ سو ہندوستانی اتنا ہی اٹھا سکتا ہے اس لئے قانون کا عنوان پندرہ سیر مقرر کر دیا گیا۔ تو کیا اس کو قانون کی تفسیر اور شرح کہا جا سکتا ہے۔ اور کیا یہ تفسیر ایک قانون داں کے سامنے قابل قبول ہے۔ اسی طرح غیر اہل فن کی تفسیر قرآن شریف کی اہل فن کے سامنے ایسی ہی ہے جیسے اس سرحدی کی تفسیر قانون کی۔ اب کیا قانون داں اس کو سمجھائے۔ اس کو اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ تو احمق ہے تو کیا جانے قانون کیا چیز ہے۔ غرض ان ڈپٹی صاحب نے مجھ سے کہا کہ سود کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ میں نے کہا کہ میرا کیا خیال ہوتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں فلسفی نہیں ہوں

مذہبی شخص ہوں۔ قرآن و حدیث کا حکم ظاہر کر دینا میرا کام ہے۔ قرآن و حدیث سے جواب دوں گا۔ میرے اتنا کہہ دینے سے ہی اُن کے سوالات کا بہت بڑا ذخیرہ تو ختم ہوگیا۔ اکثر ایسے ہی اصول موضوعہ ہی سے اللہ کا شکر ہے کہ پھیکے پڑ جاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ حکم سنیئے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں واحل اللہ البیع و حرم الربوا۔ کہنے لگے فلاں دہلوی تو اس کی یہ تفسیر کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ بیچارہ کیا جانے قرآن کی تفسیر۔ اس کو اس طرح سمجھئے کہ آپ قانون کی دفعات کی بناء پر فیصلے دیتے ہیں۔ آپ وہ قانون اور دفعات مجھ کو دیجئے۔ میں اس کی شرح کروں گا۔ اس کے بعد آپ اُس شرح کے ماتحت فیصلے دیا کریں پھر دیکھئے کہ گورنمنٹ کی طرف سے آپ کو کیسی لتاڑ پڑتی ہے۔ اور آپ سے کیسا جواب طلب ہوتا ہے آپ اس پر اگر یہ کہیں کہ فلاں شخص نے قانون کی بھی شرح کی ہے اور وہ عربی فارسی اردو سب جانتا ہے اس سے میں نے یہ فیصلہ لکھا ہے تو جواب یہی ملے گا کہ زبان دانی اور چیز ہے قانون دانی اور چیز ہے۔ تو اس شخص کی قرآن شریف کی تفسیر ایسی ہی ہے کہ جیسے میں قانون کی شرح لکھوں کہنے لگے کہ سود نہ لینے کی وجہ سے مسلمان تباہ و برباد ہو رہے ہیں بلا اس کے ترقی نہیں کر سکتے۔ میں نے کہا کہ اگر آپ کے نزدیک ترقی اس پر موقوف ہے تو آپ حرام سمجھ کر بھی تو لے سکتے ہیں۔ اس صورت میں بھی ترقی ہو سکتی ہے کیونکہ ترقی تو لینے پر موقوف ہے۔ عقیدہ پر موقوف نہیں۔ ترقی کو کیا خبر کہ اس کا عقیدہ کیا ہے۔ حرام سمجھ کر لیں تب بھی ترقی ہو سکتی ہے مگر اس میں فرق یہ ہوگا کہ اگر حرام سمجھ کرے گا تو چور اور ڈاکو سمجھا جائے گا اور اس جرم کی سزا زائد سے زائد یہ ہوگی کہ جیل خانہ چلا جائیگا اور اگر حلال سمجھ کر لے گا تو یہ بغاوت ہوگی اس پر دائم الحبس یا پھانسی کا حکم ہوگا۔ ایک صاحب اُن ڈپٹی صاحب کے ہمراہ تھے اُن سے کہنے لگے کہ دیکھو یہ ہے اعلیٰ درجہ کا فلسفہ۔ غالباً وہ اپنے نزدیک اس کو اجازت سمجھے مگر یہ اجازت ایسی ہے جیسا ساحران موسیٰ کہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ہم کو سحر کی اجازت فرمادی کہ القوا ما انتم ملقون فرمادیا۔ یعنی ڈالو جو تم کو ڈالنا ہے۔ تو موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمانا جوازِ سحر کے لئے تھوڑا ہی تھا بلکہ عدم مبالاۃ کا اظہار تھا کہ تم جو کچھ رکھتے ہو دکھلاؤ ہم کو کچھ فکر نہیں۔ پھر میں بھی دکھلاؤں گا اسی طرح میرے جواب میں سود کے حرام ہونے کا صریح حکم تھا۔ حرام کہنا خود دلیل ہے اُس کام سے منع کر لے کی۔ ایسی سمجھ اور فہم کا علاج کس کے پاس ہے۔ پھر اس بدفہمی اور بدعقلی پر دعویٰ ہے کہ ہم قرآن و حدیث کو سمجھتے ہیں باوجود اس کے کہ میں اپنی مثال میں مجرم ہونا اور چور ڈاکو سے تشبیہ بیان کر چکا ہوں۔ کیا بیچارے ڈپٹی کلکٹری کرتے ہوں گے اور کیا خاک فیصلے معاملات کے کرتے ہوں گے۔ خواہ مخواہ کرسی کو بھی بدنام کیا۔ ایسے ایسے بدفہم دنیا میں آباد ہیں۔ ان مدعیوں کا فہم تو بالکل ہی مسخ ہوگیا اور پھر عقل کا دعویٰ ہے۔ حالانکہ عقل کا ان میں نام و نشان نہیں ہوتا بالکل کورے ہوتے ہیں۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ یہ آج کل کے عاقل نہیں آکل ہیں۔ عقل کی ایک بات نہیں البتہ

ہر وقت اکل کی فکر ہے وہ چاہے بصورت سود ہو یا بصورت رشوت ہو۔ یہی اُن کی ترقی کے ترانوں کا حاصل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دنیا ہی ان کی محبوبہ مرغوبہ ہے اسی کی ہر وقت فکر ہے دشمن ہے آخرت کی ذرہ برابر فکر نہیں نہ اُس کی طرف توجہ ہے۔

۴ رجمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم پنجشنبہ

ملفوظ ۱۲۵: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کشمیر میں بھنگی کا پیشہ مسلمان کرتے ہیں بہت ہی بُرا معلوم ہوتا ہے۔ اب کچھ تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ تعلیم کے بعد یہ پیشہ چھوڑ دیں گے۔ دریافت فرمایا کہ کس قسم کی تعلیم۔ عرض کیا کہ انگریزی ہی تعلیم کے اسکول کھولے گئے ہیں۔ فرمایا کہ اگر یہ بھنگی کا پیشہ چھوٹ جائے گا تو یہ انگریزی تعلیم کا پیشہ اس سے بدتر ہے۔ اب تک تو ظاہری ہی نجاست تھی اور یہ باطنی نجاست ہو گی۔ اکثر یہ دیکھا ہے کہ اس تعلیم سے عقائد خراب ہو جاتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ انتظام تو مسلمانوں میں ہے نہیں اگر دینیات پڑھا کر پھر ضرورت کے لئے انگریزی تعلیم ہو تب اندیشہ عقائد خراب ہونے کا بہت کم ہوتا ہے اور جب اپنے مذہب کے عقائد کی خبر نہیں ہوتی تو اکثر بگڑ ہی جاتے ہیں۔ اور ملانوں پر اعتراض ہے کہ انگریزی کو منع کرتے ہیں۔ یہ منع کرتے ہیں یا طریقہ بتلاتے ہیں۔ آج کل یہ بھی ایک مرض عام ہو گیا ہے کہ اگر کسی گروہ کسی طبقہ کی اصلاح کرو۔ یا اصلاح کا طریقہ بتلاؤ تو اس پر نظر کرتے نہیں۔ بس ایک بات لے کر بیٹھ جاتے ہیں کہ فلاں مفید بات سے منع کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ بدعتی ہیں انہوں نے ہزار دں لاکھوں بدعتیں ایجاد کر رکھی ہیں کوئی اصلاح کرے تو اس کو بدنام کرتے ہیں۔ مثلاً ان کو اگر ایصال ثواب کا صحیح طریقہ بتلاؤ تو کہتے ہیں کہ ایصال ثواب سے منع کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر ان نیچریوں سے کہا جاوے کہ پہلے علم دین پڑھکر بعد میں انگریزی پڑھو تو کہتے ہیں کہ انگریزی کو منع کرتے ہیں۔ اسی طرح اہل مدارس کی حالت ہے کہ اگر ان کو شرعی اصول کے ماتحت تحصیل چندہ کا طریقہ بتلاؤ تو کہتے ہیں کہ چندہ وصول کرنے کو منع کرتے ہیں۔ غرضکہ ہر طبقہ اس ہی مرض میں مبتلا ہے اسی طرح تحریک خلافت کے زمانہ میں میں نے تصریحاً کہدیا تھا کہ میں مقامات مقدسہ کی حفاظت اور اسلامی حکومت کے خلاف نہیں ہوں۔ مجھ کو صرف طریق کار سے اختلاف ہے اس پر کہا گیا کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کا دشمن۔ اور سی۔ آئی۔ ڈی سے

تنخواہ پانے والا ہے۔ یہ لوگوں کا دین ہے۔ ذرہ برابر خدا کا خوف قلب میں نہیں۔ بھلا ایسے گروہ اور قوم کی کیا اصلاح کی امید ہو سکتی ہے۔ اس منع کرنے کی اور مانع کے بدنام کرنے کی بالکل ایسی ہی مثال ہے کہ ایک شخص بجائے قبلہ رخ ہونے کے نماز میں پورب کو منہ کرکے کھڑا ہو اور اس کو کوئی آگاہ کرے اور صحیح نماز کے ادا کرنے کا طریقہ بتلائے اور وہ اس پر شور وغل کرے کہ لوگو دیکھو یہ شخص مجھ کو نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے تو تم ہی فیصلہ کرو تم بڑے عاقل اور بیدار مغز ہو کہ کیا یہ نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے۔ یا نماز کا طریقہ بتلا رہا ہے۔ اس زمانہ میں نہ کوئی اصول ہیں نہ کوئی قاعدہ ایسا بد فہمی کا زمانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عقل کامل اور فہم سلیم عطاء فرمائیں۔ ان کی ان حالتوں پر افسوس ہوتا ہے۔

ملفوظ ۱۲۶ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آج کل اردو میں خطبۂ جمعہ پڑھنے پر بڑا زور دیا جا رہا ہے۔ اس کی حقیقت کیا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ خطبہ سے مقصود نصیحت ہے جس کو سامعین سمجھ سکیں۔ فرمایا کہ نصیحت ضرور ہے مگر اس میں دلیل سے عربی میں ہونے کی بھی تو قید ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فارس اور روم کے سلاطین کو عربی زبان میں خطوط بھیجے ہیں حالانکہ اس وقت حضور کی خدمت میں فارس اور روم کی زبان جاننے والے موجود تھے مگر پھر بھی اس کی رعایت نہیں فرمائی۔ راز اس کا یہی تھا کہ شریعت چونکہ اس زبان میں ہے اور یہ شاہی زبان ہے اسی میں اس کا نفاذ چاہیئے۔ دیکھو تاتونا وائسرائے کو واجب ہے کہ فرمان شاہی کا انگریزی زبان میں اعلان اور تقریر کیا کرے۔ وائسرائے کو اجازت نہیں اردو میں تقریر کرنے کی۔ اسی طرح یہ خطبہ فرمان شاہی ہے اس کا عربی میں ہونا واجب ہے بلکہ خطبہ کو تو قرآن شریف میں سورۂ جمعہ میں ذکر اللہ فرمایا گیا ہے جو نصیحت اور غیر نصیحت کو عام ہے۔ ذِکریٰ نہیں فرمایا گیا اور قرآن شریف کے لئے ذِکریٰ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی نصیحت کے ہیں۔ تو نماز میں جو قرآن پڑھا جاتا ہے وہ بدرجہ اولیٰ اردو میں ہونی چاہیئے۔ اور ایک بات میں اور کہتا ہوں کہ یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ خطبہ سامعین کے سمجھانے کے لئے ہوتا ہے اور خطبہ سے مقصود نصیحت ہے جس کو سامعین سمجھ سکیں۔ تو اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اگر سامعین میں بعض ہندی ہوں بعض عربی۔ بعض ترکی۔ بعض مصری۔ بعض چینی۔ بعض ولایتی۔ اور تمہارے قاعدہ کے موافق ان سب کی رعایت کرنا ضروری ہوگا۔ تو اس صورت میں خطبہ کیا ہوگا معجون مرکب ہوگا اور اس میں وقت کتنا صرف ہوگا۔ ممکن ہے نماز کا وقت ہی ختم ہو جاوے تو خطیب کس کس کا تابع ہو

اور عقل اصول سے بھی پچاس کو مرکز واحد پر جمع کر سکتے ہیں اور نقطہ کو پچاس پر کیسے تقسیم
کریں۔ تو اس کی کیا وجہ کہ خطیب کو تو مجبور کیا جاوے کہ سامعین کی رعایت سے خطبہ
کو عربی سے اردو میں کر دیا جائے اور سامعین سے نہ کہا جائے کہ بقدر ضرورت دین کی
تعلیم حاصل کریں۔ عربی سیکھیں۔ دین کو تو اتنا تابع بنایا جائے اور خود دین کے تابع نہ
بنیں۔ کل کو نماز بھی اردو میں پڑھنے کو کہنا۔ کیا واہیات ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے
لے کر اس زمانہ تک تمام امت کا اسی پر عمل رہا کیا اُس وقت سے اس وقت تک اتنی بات
کو بھی کوئی نہ سمجھ سکا جس کو اب سمجھے ہیں خود ہندوستان ہی میں اس وقت تک عربی
میں خطبہ رہا۔ صدہا برس اسلامی سلطنت رہی۔ ہزارہا علماء اور بزرگان دین گذر گئے
جنہوں نے ہندوستان جیسی جگہ میں عربی خطبہ کو شائع کیا جس سے اس کا شعار اسلامی ہونا
ظاہر ہے۔ افسوس آج اس کو مٹانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ بھلے مانسو۔ بھلے مانسو کیوں
دین کی بیخ کنی پر تلے ہوئے ہو۔ خود ہی اپنی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہو۔ دین کا تو انشاء اللہ
تعالیٰ کوئی نقصان نہ ہو گا وہ تو اپنی حالت اور اپنی جگہ ہی پر رہے گا مگر تم خود ہی مٹ
جاؤ گے۔ آخر عقلیں کیا ہوئیں۔ جو سوجھتی ہے الٹی ہی سوجھتی ہے کسی نے خوب کہا ہے۔
اس کی مصداق بالکل اس وقت کے مسلمانوں کی حالت ہو رہی ہے ؎

ہم اُلٹے بات الٹی یار الٹا ۔۔۔ بنے کیونکر کہ ہے سب کار الٹا

اور آخرت اور دین کی عقل کا تو قحط مسلمانوں میں ہوا ہی تھا افسوس ہے کہ دنیا کی بھی
عقل نہ رہی۔ ایک اور بات پر متنبہ کرتا ہوں کہ تمہارا شعار ہو گیا ہے کہ سب باتوں میں
دوسری قوموں کی تقلید کیا کرتے ہو۔ مگر یہاں اُن کی بھی تقلید نہ کی۔ کیا صرف اس وجہ
سے کہ یہ دین کا مسئلہ ہے جس کا حاصل ہو گا کہ اصل مخالفت احکام شرعیہ سے ہے
جو شریعت کہے اس کے خلاف کرنا ضرور ہے خواہ اس میں وہ شعار تقلید غیر کا بھی فوت
ہو جائے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ دوسری قومیں اپنی اپنی زبانوں کی بقاء کی کوشش میں
شب و روز سرگرم ہیں اور بقاء قوم کا ایک جزو بقاء زبان کو بھی سمجھتے ہیں تم اس میں
ان کی تقلید کیوں نہیں کرتے۔ اگر اس کی روک تھام نہ کی تو پھر اسی پر بس تھوڑا ہی
ہو گا۔ قرآن شریف بھی اردو میں چھپنے شروع ہو جائیں گے جس سے اندیشہ تحریف
کا یقینی ہے۔ خدا معلوم مسلمانوں کی عقلیں کہاں گئیں۔ پھر اگر ان کو بتلایا جائے سمجھایا
جائے تو ناصح پر الزامات کی بوچھار شروع کر دیتے ہیں اس کو اسلام اور مسلمانوں کا
دشمن سمجھ بیٹھتے ہیں۔ افسوس ہے مسلمانوں کی نکیل اور باگ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہے

جو اسلام کے دوست نما دشمن ہیں۔ وہ علم دین۔ دین فہم۔ عقل سب سے معرا ہیں اور جب وہ خود گم کردہ راہ ہیں۔ دوسروں کو کیا راہ بتائیں گے۔ اور آج کل ایسے ہی لوگ لیڈر ہیں جن میں اکثر ناعاقبت اندیش ہوتے ہیں۔ انہوں نے ہی ملک اور مخلوق کو تباہ اور برباد کیا اور امن تو ان کی بدولت دنیا سے رخصت ہی ہو چکا۔ آئے دن ایک نیا فساد ملک میں کھڑا رہتا ہے ایسے ہی بداندیش لوگوں کے متعلق کسی نے خوب کہا ہے ؎

گربہ میر و سگ وزیر و موش را دیوان کنند ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند

ملفوظ ۱۲۷: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل عقل اور فہم تو لوگوں میں ہے نہیں۔ محض پالیسی چالاکی۔ مکاری ہے۔ اور یہ چیزیں ایسی ہیں کہ سب ہی کو آتی ہیں۔ مگر جن کو نفرت ہے وہ اس کو عمل میں نہیں لاتے۔ جیسے گو کھانا کسے نہیں آتا۔ جیسے سور کو گو کھانا آتا ہے انسان کو بھی آتا ہے مگر کون کھاتا ہے۔ اگر میں بھی ان چیزوں سے کام لیتا تو لے سکتا تھا مگر میں انتقام میں بھی اس سے کام نہیں لیتا اور کسی سے میں چونکہ کچھ نہیں بولتا اس لئے مجھ کو سب چپٹتے ہیں۔ فلاں مولوی صاحب بولتے ہیں ان سے کوئی بات نہیں کرتا۔ باقی میں تو صبر کرتا ہوں اور خدا کے سپرد کر دیتا ہوں۔ اور دل سے بھی معاف کر دیتا ہوں اور اللہ سے یہ دعاء کرتا ہوں کہ یہ میری وجہ سے آپ کسی مسلمان سے مواخذہ نہ فرمائیں۔ لوگ مجھ کو برا بھلا کہیں۔ مجھ کو سب دشنام کریں۔ بہتان باندھیں۔ الزامات لگائیں۔ مجھ کو قوم اور ملک کا بدخواہ ٹھہرائیں۔ اسلام اور مسلمانوں کا دشمن بتلائیں۔ مگر میں اس سب پر بھی بتلائے دیتا ہوں کہ مجھ سے مخلوق پرستی نہ ہو گی۔ میں ایک منٹ اور ایک سکنڈ کے لئے اپنے مسلک اور مشرب سے نہیں ہٹ سکتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ ایک انچ احکام شرعیہ سے آگے نہیں بڑھ سکتا نہ پیچھے ہٹ سکتا ہوں۔ حق تعالیٰ کے فضل و رحمت سے اور اپنے بزرگوں کی دعاء اور توجہ کی برکت سے شریعت مثل میری فطرت کے بن گئی ہے۔ میں اس کے خلاف پر قادر نہیں ہوں۔ جیسے تم بزعم خود معذور ہو میں بھی معذور ہوں۔ تمہیں دنیا کی فکر سے فراغ نہیں۔ رات دن اس میں کھپ رہے ہو اس کی فکر ہے مجھ کو آخرت کی فکر سے فراغ نہیں ہر وقت اسی کی فکر ہے۔ مقید دونوں ہیں فرق صرف یہ ہے کہ ایک محبوب کا مقید ہے اور ایک غرض کا مقید ہے مگر ہیں دونوں مقید۔ فرصت نہ تمہیں نہ ہمیں ؎

نہیں غیروں سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کم خالی چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

ملفوظ ۱۲۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں ہر شخص کی رعایت کرتا ہوں مگر میری رعایت کی کسی کو فکر نہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ ایک شخص یہاں پر آئے تھے ایک شنیع حرکت ان سے خلاف شرع سرزد ہوئی تھی کئی سال کی بات ہے مگر نام سن کر مجھ کو وہ

بات یاد آگئی تو اس سے مجھ کو انقباض ہوا ہے۔ وہ پھر آئے ہوئے ہیں۔ میں نے کہلا بھیجا ہے کہ آپ کے یہ واقعات ہیں اور ان کے پیام کا جواب بذریعہ تحریر دیدیا ہے۔ مگر ملنے کو جی نہیں چاہا۔ میں نے یہ سب خط میں لکھ دیا اتنی رعایت پھر بھی کی کہ منہ پر نہیں کہا کہ اب نہ ملیں مگر ملنے سے میں مجبور ہوں کیا کروں۔

ملفوظ ۱۲۹: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اگر بندہ بندہ ہو تو حق تعالیٰ کو اس سے خاص بے کیف قرب ہوتا ہے۔ اس قرب کی بزرگوں نے کچھ مثالیں بھی دی ہیں مگر اس میں زیادہ کلام کرنا محل خطر ہے اسی واسطے مولانا فرماتے ہیں ؎

اے بروں از وہم و قال و قیل من خاک بر فرق من و تمثیل من

ملفوظ ۱۳۰: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بعضے غیر مقلدوں کو حدیث دانی اور عامل بالحدیث ہونے کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے عمل کے وقت کورے نظر آتے ہیں اور حدیث کو سمجھتے خاک بھی نہیں ایک صاحب میرے پاس آئے۔ اس وقت ایک غیر مقلد صاحب بھی پاس بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ مجھ کو شہوت کا غلبہ رہتا ہے اور نکاح کی وسعت نہیں کوئی علاج تجویز کر دیجئے میں ابھی بولا بھی نہ تھا کہ وہ غیر مقلد صاحب بولے کہ روزہ رکھا کرو۔ انہوں نے کہا کہ میں روزہ بھی رکھ چکا ہوں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی۔ اس پر وہ غیر مقلد صاحب تو خاموش ہو گئے گویا کہ سب تیر کی تمام ہو گئی۔ میں نے کہا کہ تم نے دو چار روزے رکھے ہوں گے کہا کہ جی ہاں۔ میں نے کہا کہ کثرت سے رکھو۔ کثرت سے روزہ رکھنا شہوت کو مغلوب کر دے گا اور یہ خود حدیث میں ہے کہ علیہ بالصوم فرمایا ہے علیہ لزوم کے لئے ہے اور یہ لزوم اعتقادی تو ہے نہیں عملی ہے اور لزوم عملی تکرار و کثرت سے ہوتا ہے اور مشاہدہ بھی ہے کہ رمضان کے اول روزوں میں شہوت بڑھتی ہے کیونکہ یہ رطوبت فضلیہ مقلل شہوت ہے اور حرارت غریزیہ معین شہوت ہے۔ اول روزوں میں رطوبت فنا ہو کر حرارت بڑھتی ہے اس لئے شہوت بڑھتی ہے۔ اور آخر روزوں میں بوجہ کثرت رطوبت اصلیہ گھٹنے لگتی ہے اس سے شہوت گھٹتی ہے اس کو سن کر ان غیر مقلد صاحب کی آنکھیں کھلیں۔ انہوں نے ساری عمر بھی یہ بات نہ سنی تھی۔ بعضے لوگ سمجھتے خاک بھی نہیں۔ پھر دعویٰ اتنا بڑا کہ ہر عامی آدمی اپنے کو مجتہد سمجھتا ہے حتیٰ کہ ایک غیر مقلد کی یہ حکایت سنی ہے کہ وہ جب امامت کرتے تو نماز میں کھڑے ہوئے ہلا کرتے۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ نماز میں یہ کیا حرکت تھی کہا کہ حدیث میں آیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بھائی ہم نے تو آج تک کوئی ایسی حدیث نہ سنی نہ دیکھی۔ آج کل چونکہ بڑی بڑی حدیثوں کی کتابوں کے ترجمہ اردو میں چھپ گئے ہیں

وہ ایک کتاب مترجم اٹھا لائے اس میں امام کے متعلق حدیث بھی تھی کہ من ام منکم فلیخفف یعنی امام کو چاہئے کہ وہ خفیف یعنی ہلکی نماز پڑھے تاکہ مقتدیوں پر گرانی نہ ہو۔ آپ نے اس ہلکی بیائے معروف کے لفظ کو ہلکے بیائے مجہول پڑھا اور عمل شروع کر دیا۔ بس یہ ان کی سمجھ کی حقیقت ہے۔

ملفوظ ۱۳۱: ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ اگر کسی کو لکھنا آجاوے مگر علمی لیاقت نہ ہو تو یہ بھی ایک عذاب ہے۔ ایک خط آیا ہے نہ سر نہ پیر۔ ایسے بدفہم لوگ ہیں کہ جو جی میں آتا ہے بدوں سوچے سمجھے لکھ مارتے ہیں جس سے بعض وقت بڑی اذیت ہوتی ہے۔ لکھا ہے کہ حضور مجھ کو بھی فیض باطنی سے کچھ عطاء فرمائیں۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ فیض باطنی تم کسے سمجھتے ہو اور عطاء فرمانے سے کیا مراد ہے دیکھو کیا جواب آتا ہے اس سے ان کی عقل اور فہم کا بھی اندازہ ہو جائے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص کسی انگریزی اسکول میں ماسٹر رہ چکا ہے۔ یہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے۔ میں نے یہ بھی سوال کیا ہے کہ تمہاری تعلیم کہاں تک ہے اور کیا کیا پڑھا ہے اور اس وقت تک کیا مشغلہ رہا۔ سب لکھو۔ اس سے سب معلوم ہو جائے گا۔ اکثر ایسی بدعقلی اور بدفہمی کی باتیں ماسٹر لوگوں سے زیادہ سرزد ہوتی ہیں۔ ان کی عقل لڑکے لے جاتے ہیں۔

۴ر جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر پنج شنبہ

ملفوظ ۱۳۲: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل لوگوں کے ذہنوں میں بزرگی کی خاص علامتیں جمی ہوئی ہیں وہی خیال لے کر یہاں پر بھی آتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ بڑا عمامہ سر پر ہوگا۔ ایک بڑا جوغہ زیب تن ہوگا۔ بڑے بڑے دانوں کی تسبیح ہاتھ میں ہوگی۔ گردن جھکائے دنیا و مافیہا سے بے خبر بیٹھا ہوگا۔ کسی بات کا احساس نہ ہوگا۔ یہاں پر پہونچ کر اس کا عکس نظر آتا ہے نیز اگر کوئی گدّی ہو تو بھیڑیال کی کھال کھینچتی نظر آتی ہے۔ اور ان بیچاروں کے اس خیال کی وجہ یہ ہے کہ آج کل کے رسمی پیروں نے اسی ڈھونگ کے ساتھ دکانیں جما رکھی ہیں۔ میں ایسی باتوں سے نفرت رکھتا ہوں نہ اپنے بزرگوں کو ایسی باتیں کرتے دیکھا نہ یہ پسند۔ میں ایک مرتبہ پانی پت سے آرہا تھا ایک شخص دہلی تک پہونچانے کے لئے ساتھ آئے تھے۔ اسٹیشن دہلی پر پہونچ کر وہ صاحب مصافحہ کر کے چل دیئے میں تنہا رہ گیا۔ ایک رئیس پنجاب کے اسی ڈبہ میں سوار تھے۔ مجھ سے پوچھا کہ آپ کہاں رہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ایک گاؤں ہے

تھانہ بھون وہاں رہتا ہوں۔ مجھ سے پوچھا کہ آپ اشرف علی کو بھی جانتے ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ میں ہی ہوں۔ اُن کو یقین نہ آیا۔ یقین نہ آنے کی وجہ صرف یہی تھی کہ اُن کے ذہن میں میرا ایک خاص ہیئت کا نقشہ ہوگا کہ بڑا چوغہ اور عمامہ ہوگا۔ بڑے دانوں کی تسبیح ہاتھ میں ہوگی۔ دس پانچ غلام داہنے بائیں دست بستہ ہوں گے اس لیئے کہ پنجاب کے پیر تو سلاطین کی سی شان رکھتے ہیں۔ اچھی خاصی حکومت کرتے ہیں۔ اور میں کبھی سفر میں اپنے کو چھپاتا نہیں تھا۔ محض اس مصلحت سے کہ ممکن ہے کہ کسی شخص کی کوئی حاجت ہو۔ اور بعد میں اس کو معلوم ہو تو حسرت اور ارمان ہو۔ غرضیکہ ان رئیس صاحب نے مجھ کو جھوٹا سمجھا اور امتحان کے لیئے مجھ سے ایک مسئلہ پوچھا جو ان کے نزدیک لاجواب تھا۔ میں نے اس کا جواب دیا تب اُن کو یقین آیا اور نیازمندانہ برتاؤ شروع کر دیا۔

ملفوظ ۱۳۳: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں آج کل بے پردگی کا دور ہے بڑے فتنہ کا زمانہ ہے۔ یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ پردہ عورتوں کو قید میں رکھنا ہے...

...میں کہتا ہوں یہ قید نہیں بلکہ حفاظت ہے۔ جو ہر نفیس چیز کے لیئے عقلاً تجویز کی جاتی ہے۔ دیکھو ریل کے سفر میں کوئی اپنے روپیہ پیسہ کو کھول کر عام منظر پر دکھلاتا ہوا نہیں چلتا کیسی حفاظت سے رکھتا ہے ایسی ہی عورت کا عام منظر پر لانا ظاہر ہے کہ خطرات سے خالی نہیں بس جو اندیشہ وہاں ہے وہی اندیشہ یہاں ہے۔ ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ عورت کو پردے میں رکھنے کی مصلحت یہ کہی جاتی ہے کہ عفت محفوظ رہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ پردہ میں بھی خرابیاں ہو جاتی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ پردہ کے اندر قیامت تک خرابی نہ ہوگی۔ خرابی جب ہوگی بے پردگی ہی سے ہوگی جب تک وہ پردہ رکھیں گی خرابی ہو ہی نہیں سکتی خرابی کی ابتداء ہمیشہ بے پردگی ہی سے ہوگی۔ یہ عقل وحیاء کے دشمن ایک یہ بھی کہتے ہیں کہ چونکہ عورتیں محبوس سا میں بند ہیں قید ہیں اسی لیئے ترقی نہیں کر سکتیں اس لیئے کہ ترقی کے لیئے لازم ہے علم۔ اور اس صورت میں علم حاصل نہیں کر سکتیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر بے پردگی ذریعہ ہے علم کا تو ہندوستان ہی میں بہت کم ایسی قومیں ہیں جس میں پردہ کا اہتمام ہے خود مسلمانوں ہی میں کثرت سے وہ قومیں ہیں جن کی عورتیں بے پردہ پھرتی ہیں ان میں کونسی علامہ یا ڈگری یافتہ ہوگئیں اس سے معلوم ہوا کہ بے پردگی ذریعہ علم کا نہیں بلکہ توجہ اور فکر سے ہر کام ہوتا ہے اس میں چاہے بے پردگی ہو یا پردہ ہو بلکہ اگر تعمق کی نظر سے دیکھا جائے تو پردہ معین علم ہے۔ دیکھئے کہ جب طلبہ کو کسی اہم مضمون کا سمجھنا یا لکھنا ہوتا ہے تو گوشہ نشینی تنہائی خلوت کی تلاش ہوتی ہے اکثر دیکھا ہے کہ اسکولوں کالجوں اور مدارس کے طلبہ ایسے موقع پر جنگلوں میں نکل جاتے ہیں تاکہ اُس اہم مضمون کو سمجھ لیں تو یہ عورتوں کو بدوں اہتمام ہی کے حاصل ہے

تو اگر یہ علوم کی طرف متوجہ ہوں تو مردوں سے زیادہ قابلیت پیدا کر سکتی ہیں اور اس قابلیت کا ذریعہ یہ پردہ ہی ہوگا چنانچہ بزرگان سلف میں عورتیں کتنی بڑی بڑی عالم ہوئی ہیں۔ پردہ کے قید کہنے پر ایک حکایت یاد آئی ایک افسر انگریز نے حافظ عبدالرزاق صاحب تھانوی انجنیر سے پردہ کے متعلق گفتگو کی کہ مسلمانوں کی سب باتیں اچھی ہیں مگر ایک بات بہت خراب ہے وہ یہ کہ یہ عورتیں کو قید میں رکھتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ قید کا مطلب میں نہیں سمجھا کہا کہ یہی جس کو تم پردہ کہتا ہے انہوں نے کہا کہ یہ قید ہے ذرا مجھ کو سمجھا دیجئے اس لئے کہ قید کا مفہوم تو یہ ہے کہ کسی شخص کو بند کیا جائے اور اس کو وہ بند کرنا ناگوار ہو وہ بھاگنا چاہتا ہو پھر اس پر پہرہ چوکی قائم کرنا ہو آپ نے کسی مسلمان کے گھر پر پہرہ چوکی دیکھا ہے۔ کہا کہ پہرہ چوکی تو نہیں دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ پھر آپ نے قید کیسے کہا بلکہ ان کو باہر نکالنا قید ہے کیونکہ وہ ان کی طبیعت کے خلاف ہے اگر بالفرض ہم ان کو باہر جانے کو کہیں تو وہ اندر کو بھاگیں تو اصول کی رد سے یہ پردہ آزادی ہے اور بے پردگی قید ہے غرض یہ قید نہیں حیا ہے جو تمہاری عورتوں میں نہیں اس پر وہ انگریز خاموش ہو گیا۔ پھر فرمایا کہ بعض عورتوں پر تعجب ہے جنہوں نے پردہ توڑ دیا مرد تو قلیل الحیاء ہوتے ہیں لیکن عورتیں کثیر الحیاء ہوتی ہیں مگر یہ بے پردگی پر کیسے آمادہ ہو گئیں۔ مسلمانوں کی ان حرکات پر بڑا ہی رنج اور صدمہ ہوتا ہے (جامع کہتا ہے حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مدظلہ العالی پردہ کے متعلق کیا خوب فرماتے ہیں ؎

مسلمانوں سے بھی اٹھ جائے پردہ کیا قیامت ہے	چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی
پتہ کی کہہ رہا ہے بڑھ میں ایک مجذوب بوانہ	چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی ۱۲

احقر جامع ملفوظات)

ملفوظ ۱۳۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ صدق اور خلوص بڑی چیز ہیں بدون اس کے کام کا چلنا یا بننا مشکل ہی ہوتا ہے یہ آج کل جو اکثر ناکامی ہوتی ہے اس کا سبب عدم خلوص ہی ہے۔ اگر خلوص ہو تو بڑے سے بڑا کام اور سخت سے سخت کام سہل بن جاتا ہے۔ حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت بیان فرمائی تھی کہ ایک شخص نے حج کا ارادہ کیا ایک پیسہ پاس نہ تھا اور اس میں تمام کمالوں میں صرف ایک کمال یہ تھا کہ گدھے کی بولی بولنا جانتا تھا۔ ایک سیٹھ نے بولتے ہوئے سن لیا اپنی تفریح کے لئے سفر حج میں اس کو ہمراہ لے لیا بعد فراغ حج اسی کمال کی بدولت بدڈل سے ریل میل ہو گیا ان کی معیت میں مدینہ منورہ پہونچ گیا۔ دیکھئے ارادۂ حج خلوص سے کیا حق تعالیٰ نے سب آسان فرما دیا۔ اسی کو فرماتے ہیں۔ ؎

تو مگو ما را بداں شہ بار نیست	باکریماں کار ہا دشوار نیست

ملفوظ ۱۳۵: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بڑے درجہ کے لوگ کیسے ہی ہوں مگر پھر ان میں اکثر حوصلہ ہوتا ہے۔ چھوٹے درجہ کے لوگوں میں وہ حوصلہ نہیں ہوتا مگر بعض قومیں ایسی بھی ہیں کہ ان کے بڑے لوگ بھی کم حوصلہ ہوتے ہیں سو ایسے لوگوں سے کوئی توقع نہیں ہوتی اس لئے کہ ان کے یہاں کوئی اصول یا آئین نہیں ہوتے۔ جو جی میں آیا کر لیتے ہیں ایسوں کی دوستی اور دشمنی دونوں خطرناک ہوتی ہیں۔

ملفوظ ۱۳۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میرا ایک یہ بھی معمول ہے کہ میں کسی بات کے پیچھے نہیں پڑتا۔ اول کوشش کرتا ہوں سمجھانے کی اور سمجھنے کی۔ جب دیکھتا ہوں۔ ۔ ۔ ۔ کہ الجھن پیدا ہو چلی ایک دم کلام کو بند کر دیتا ہوں اور کہہ دیتا ہوں کہ یا تم سمجھنے کے اہل نہیں یا میں اہل نہیں چھوڑو قصہ کو ختم کرو۔ ایک بات کو لے بیٹھا ہوا محض وہ کھرل کیا کرے جس کو کوئی اور کام نہ ہو۔ یہاں اتنی فرصت کہاں اور ہی مشغولیاں کیا کم ہیں۔ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ جب کوئی ایسا موقع پیش آئے تو مخالف کے سامنے سب رطب یابس رکھ کر الگ ہو جاؤ اسی میں عافیت ہے۔ واقعی ان باتوں میں پڑ کر آدمی کسی کام کا نہیں رہتا اور مجھ کو ان باتوں سے طبعاً بھی نفرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں مناظرہ مروجہ کو پسند نہیں کرتا سوائے تضیع اوقات کے اس میں کیا رکھا ہے۔ مولانا نے ایک حکایت مثنوی میں لکھی ہے کہ ایک بانسلی بجانے والا بڑا مسخرہ تھا۔ بانسلی بجاتے وقت بڑے زور سے اس کی ریح صادر ہوئی تو بانسلی مقعد پر رکھ کر کہتا ہے کہ لے بی اگر تو اچھا بجانا جانتی ہے تو ہی بجا۔ اسی طرح جب کسی کام میں کشمکش ہو تو بس یہی کرے لے بھائی تو ہی کام کر۔ اس لئے انسان خواہ مخواہ کیوں الجھن اور پریشانی میں پڑے اگر دوسرا شخص کام کرنا چاہے اس کے سپرد کر کے الگ ہو جاوے مقصود تو کام ہونا ہے اور مخالفت کرنے سے زیادہ ہیجان ہوتا ہے اگر مخالفت نہ کی جائے تو سب ٹھنڈے ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہاں پر ایک مرتبہ ایک جماعت میں سازش ہوئی کہ اس مدرسہ کے مقابلہ دوسرا مدرسہ کھولنا چاہیئے۔ پھر سازش ہوئی کہ اسی پر قبضہ کرو۔ مجھ کو معلوم ہوا کہ یہ قصہ ہے۔ شب کو ایک مکان میں مجھ سے مخفی کمیٹی قرار پائی موقع ایسا تھا کہ وہ مکان میرے مکان سے قریب تھا عین کمیٹی کے وقت جبکہ ایک معترض تقریر فرما رہے تھے میں دفعۃً پہونچ گیا اور جا کر السلام علیکم کر کے میں نے کہا کہ میں نے آپ حضرات کو بڑی تکلیف دی آپ کا بڑا حرج کیا اس وقت تمام جلسہ پر ایک سناٹا چھایا ہوا تھا سب دم بخود تھے۔ میں نے کہا کہ میں نے ایک ضرورت سے یہ جرأت کی اور ابھی ایک ضروری مختصر بات کہہ کر

واپس جاتا ہوں۔ آپ کے جلسہ میں مخل نہ ہوں گا اور وہ بات یہ ہے کہ مدرسہ بلا جس وقت آپ کا جی چاہے قبضہ کر لیں (تمام ارکان اس سازش کے کرنے والے جمع تھے) صبح کو آپ حضرات مدرسہ میں تشریف لا کر اس کی تمام چیزوں کو ہم سے وصول کر لیں۔ صرف وہ کتابیں جو میرے اثر سے آئی ہیں دو سال تک نہ دوں گا لیکن اگر ضرورت ہو گی عاریتہً دے دوں گا کیونکہ میرے اثر سے جمع ہوئی ہیں۔ میرے ہی اعتماد پر آئی ہیں دو سال کے بعد جب میں دیکھوں گا کہ مدرسہ کا کام اچھا ہو رہا ہے وہ کتابیں بھی مدرسہ میں داخل کر دوں گا اور یہ کہہ کر میں نے کہا کہ میں جاتا ہوں۔ صرف یہی کہنے آیا تھا السلام علیکم۔ بس پھر نہ وہ جلسہ رہا اور نہ معترض نے تقریر کی وہ مشورہ ہی ختم ہو گیا۔ یہ گڑبڑ تو مخالفت سے ہوتی ہے سو مخالفت کی ضرورت ہی کیا ہے بس یہ کہہ دینا چاہیئے کہ لو بھائی تم ہی کام کرو ہم دین کے کسی اور کام میں مصروف ہو جائیں گے باقی مخالفت کا اصل راز یہ ہے کہ مقصود نام ہوتا ہے کام مقصود نہیں ہوتا اس لئے ایک ہی چیز کے در پے ہو جاتے ہیں۔ پھر اس میں طرفین سے کشاکشی ہوتی ہے۔ جھگڑے قصے فساد ہوتے ہیں

ملفوظ ۱۳۲: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جب قلب کے اندر کسی چیز کی لگن ہوتی ہے اس کی شان ہی جدا ہوتی ہے۔ ریاست رامپور کے ایک ریاستی خاندان کے ایک صاحب نے ایک قاری صاحب کا قصہ بیان کیا تھا کہ کل ایک روپیہ چار آنہ اُن کے پاس تھے اور حج کا ارادہ کر دیا۔ ایک روپیہ کے بھنے ہوئے چنے لئے اور چار آنہ میں ایک تھیلہ بنوایا اور اس میں چنے بھر کر کندھے پر ڈال بمبئی کو چل دیئے جہاز کی روانگی کے وقت جہاز کے ایک افسر انگریز سے کہا کہ میرا ارادہ حج کا ہے آپ کوئی ملازمت مجھ کو جہاز میں دیدیں اُس نے صورت شان دیکھ کر کہا کہ تمہارے لائق کوئی نوکری نہیں کہنے لگے اس کو مت دیکھو کوئی بھی ہو اُس نے جھلا کر کہا کہ بھنگی کی نوکری ہے۔ قاری صاحب نے کہا کہ مجھ کو منظور ہے میرا نام ملازموں میں لکھ لیجئے اس نے عاجز کرنے کے لئے کہا کہ اُس میں بوجھ بھی اٹھانا پڑے گا۔ اُنہوں نے کہا کہ اٹھاؤں گا وہاں ایک بورا پڑا تھا کئی من کا۔ کہا کہ اچھا یہ اٹھا کر دکھاؤ مگر وہ ان کی قوت سے باہر تھا اول تو کبھی وزن اُٹھانے کا اتفاق نہ ہوا تھا پھر وزن بھی اتنا زائد۔ اس وقت انہوں نے دل ہی دل میں خدا سے دعا کی کہ اے اللہ یہاں تک تو میرا کام تھا اب آپ کی نصرت اور امداد کی ضرورت ہے آپ اتنی قوت عطاء فرما دیں کہ میں اس وزن کو اٹھا سکوں یہ کہہ کر اور اللہ کا نام لے کر اس بورے کو سر سے اونچا اُٹھا کر دور پھینک دیا انگریز بہت خوش ہوا اور ہی نوکری دیدی۔ انہوں نے بڑی خوشی سے قبول کر لی۔ دو شخص وہاں اور کھڑے تھے انہوں نے کہا کہ ہم بھی جانا چاہتے ہیں اور ہیں غریب آدمی ہمارا نام بھی کسی خالی

نوکری میں لکھ لیجئے۔ اُس نے کہا کہ بھنگی ہی کی اور ملازمت بھی ہے۔ نام سن کر وہاں سے بھاگ گئے۔ ان دونوں میں کچھ فرق معلوم ہے وہ یہ ہے کہ ایک کے دل کو لگی ہوئی تھی اور دوسرے کے نہ لگی تھی۔ قاری صاحب نے فرمایا بھاگو مت تمہارا کام بھی میں ہی کروں گا۔ اُن کا نام بھی لکھ لیا گیا۔

غرض قاری صاحب نے بھنگی کا کام شروع کر دیا اپنا بھی اور اُن دو کا بھی۔ شب کو معمول تھا کہ تہجد کے وقت قرآن پاک کی نفلوں میں تلاوت فرماتے ایک روز وہ انگریز عین نماز تہجد کے وقت ان کی طرف پہونچ گیا جب تک یہ نماز سے فارغ نہیں ہوئے کھڑا قرآن شریف سنتا رہا۔ قاری صاحب نہایت خوش الحان تھے پھر دل میں درد تھا قلب میں اللہ کی محبت تھی اُس تلاوتِ قرآن نے اس انگریز پر وہ اثر کیا کہ قاری صاحب سے دریافت کیا کہ یہ تم کیا پڑھتا ہے انہوں نے کہا کہ یہ کلام اللہ ہے یعنی خدا کا کلام۔ اُس نے کہا کہ یہ ہم کو بھی سکھلا دو انہوں نے کہا کہ یہ یوں نہیں سکھایا جاتا اس کے لئے پاکی شرط ہے اس نے کہا کہ ہم غسل کرے گا انہوں نے کہا کہ اس سے کیا ہوتا ہے باطن کی پاکی ہونا چاہئے اس نے کہا کہ وہ کیا ہے۔ فرمایا کلمہ پڑھو۔ اس نے کہا کہ اچھا ہم کو کلمہ سکھلا دو۔ اسی وقت کلمہ پڑھا مگر ہنوز اس کو یہ خبر نہ تھی کہ اس سے مسلمان ہو جاتا ہے اور قاری صاحب سے قرآن شریف یاد کرنا شروع کیا اور ہر وقت کلمہ پڑھتا پھرتا تھا۔ دوسرے انگریزوں نے کہا کیا تم مسلمان ہو گئے اس نے کہا نہیں جب اس سے بار بار کہا گیا تو وہ قاری صاحب کے پاس پہونچا اور اس کا ذکر کیا اُنہوں نے فرمایا آج کیا تم تو بہت دن سے مسلمان ہو گیا اول تو وہ مبہوت سا ہوا پھر سب سے کہدیا کہ مسلمان سہی اسی حالت میں جب جدہ پہونچا کہا کہ ہم بھی حج کو چلے گا اور نوکری بھی چھوڑ دی اور قاری صاحب کی خدمت میں اپنی عمر گزار دی۔ دیکھا قاری صاحب کے خلوص اور صدق کی برکت کو کہاں تک آثار و ثمرات کی نوبت پہونچی۔ آج کل مسلمان صرف باتیں بناتے ہیں ہر کام نام کے واسطے کرتے ہیں اللہ کے واسطے کوئی کام نہیں ہوتا۔ ہر وقت جاہ اور عزت کے متلاشی ہیں تو اس کے آثار و ثمرات بھی ایسے ہی ہیں۔ ارے اللہ کے ہو جاؤ۔ مٹ جاؤ فنا ہو جاؤ پھر دیکھو کیا ہوتا ہے بس وہ ہو گا جس کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؎

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ　　　خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

اور اگر اعتقاد سے ایسا نہیں کرتے تو بطور امتحان ہی کر کے دیکھو بت پرستی تو کر کے دیکھ لی۔ اب خدا پرستی بھی کر کے دیکھ لو؎

سالہا تو سنگ بودی دل خراش　　　آزموں را یک زمانے خاک باش

اور حسب سنۃ اللہ یہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ کسی کامل کی معیت اور صحبت نصیب ہو اس کی صحبت سے قلب کے اندر جذب پیدا ہوگا پھر اس چیز کے پیدا ہو جانے کے بعد ساری عمر کے لئے ایک بجلی قلب کے اندر پیدا ہو جائے گی اور وہ کندن بنا دے گی یہ صحبت کامل ہی اکسیر اعظم ہے مگر افسوس اسی سے غفلت ہے یہ وہ چیز ہے کہ ؎

گر تو سنگِ خارہ و مرمر شوی ۔ چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

گو بظاہر تجھ کو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ صحبت ایک اپنے جیسے ہم جنس کی ہے لیکن یہ سمجھنا سراسر غلط ہے اور اپنے پر اس کو قیاس کرنا صحیح نہیں ایسے قیاس کے بارہ میں مولانا فرماتے ہیں

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر ۔ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

اور اسی صحبت کو مولانا فرماتے ہیں ؎

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا ۔ گو نشیند در حضور اولیا

اور فرماتے ہیں ؎

یک زمانے صحبت با اولیا ۔ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

صحبت نیکاں اگر یک ساعت است ۔ بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است

ملفوظ ۱۳۸: ایک مولوی صاحب نے ایک رسالہ کا مسودہ حضرت والا سے دیکھنے کے لئے طلب کیا حضرت والا نے فرمایا کہ میں سب صفحات درست کر کے دوں گا۔ میں وہی آدمی ہوں اگر صفحات لگانے میں کچھ فرو گذاشت ہو گئی تو خواہ مخواہ کسی پر کیوں شبہ کیا جاوے۔ اس پر میں سخت مشہور ہوں اگر یہ سختی ہے تو میں اپنے نفس پر بھی تو سخت ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ اپنے نفس کے لئے کوئی شخص سختی گوارا نہیں کیا کرتا معلوم ہوا کہ یہ سختی نہیں اور اگر پھر بھی یہ سختی ہے تو جب میں اپنے لئے کرتا ہوں تو پھر دوسروں کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں اور اصل بات تو یہ ہے کہ نہ میں تم سے اپنا اتباع چاہتا ہوں اور نہ میں خود کسی کا متبع بنانا چاہتا ہوں بس یہ چاہتا ہوں کہ اصول صحیحہ کے تم بھی تابع بنو اور میں بھی تابع بنوں۔

ملفوظ ۱۳۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ خدا بھلا کرے ان رسمی مشائخ اور دکاندار پیروں کا انہوں نے مخلوق کو گمراہ کر دیا ان کی بدولت مخلوق کے عقائد اس قدر خراب اور برباد ہوئے کہ جس کا کوئی حد و حساب نہیں۔ بالکل گمراہی کے علمبردار بنے ہوئے ہیں۔ حیدر آباد دکن کا قصہ ہے وہاں پر ان جاہل مشائخ اور پیروں کی بدولت لوگوں کے عقائد کی یہ حالت ہے کہ جس وقت موسی ندی چڑھی اور تباہی ہوئی تو یہ عبرت کا وقت تھا مگر یہ عبرت حاصل کی کہ یہ تجویز کی کہ اولیاء اللہ کا ادب کم ہو گیا تھا اس لئے یہ وبال آیا۔ یہ توجیہ کر کے

اور زیادہ قبر پرستی شروع کر دی۔ اس فہم اور سمجھ کو ملاحظہ فرمایئے کہ اُن کے زعم میں بعد عن الشرک جس کا نام انہوں نے قلت ادب اولیاء رکھا سبب ہوگیا قہر خداوندی کا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ملفوظ ۱۴۰: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں پنجاب کے بعضے پیر سلاطین کی سی شان رکھتے ہیں۔ جب چلتے ہیں بڑا مجمع ساتھ ہوتا ہے۔ لباس فاخرہ ہوتا ہے مگر حالت یہ ہے کہ خود اُن میں امراض بھرے ہوتے ہیں۔ دوسروں کا کیا علاج کریں گے الحمدللہ ہمارے بزرگوں میں یہ بات نہ تھی وہ تو اپنے کو مٹائے ہوئے رہتے تھے اور یہ حالت تھی کہ باوجود اس کے کہ جامع تھے کمالات کے اور پھر دیکھنے والوں کو یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ یہ کچھ جانتے بھی ہیں یا ان کے اندر کوئی کمال بھی ہے حالانکہ کمال کی یہ کیفیت تھی کہ؎

بر کفے جام شریعت بر کف سندان عشق ہر ہوسناکے نداند جام وسندان باختن

لیکن گو وہ اپنے کو ظاہر نہ فرماتے تھے اپنے کو فنا کئے ہوئے اور مٹائے ہوئے رہتے تھے مگر مشک کہیں چھپائے چھپتا ہے اُن حضرات کے چہروں سے نور عیاں تھا اور یہ حالت تھی جس کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؎

نور حق ظاہر بود اندر ولی نیک بیں باشی اگر اہل دلی

اسی کا ترجمہ مولوی ابوالحسن صاحب کاندھلوی نے گلزار ابراہیم میں کیا ہے؎

مرد حقانی کے پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

ملفوظ ۱۴۱: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کسی مکتوب میں بقسم یہ تحریر فرمایا ہے کہ میں کچھ نہیں اس میں بعض کج فہم معاندین نے یہ کہا کہ مولانا تو خود ہی فرماتے ہیں کہ میں کچھ نہیں۔ سو ہم تو مولانا کو سچا سمجھتے ہیں اس لئے یہی سمجھتے ہیں کہ مولانا کچھ نہیں۔ خیر یہ تو معاندین کی بیہودگی تھی۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ اپنی جماعت کے ایک عالم فاضل شخص حضرت مولانا سے از حد درجہ خلوص اور محبت رکھنے والے ہر طرح پر معتقد اور جان نثار وہ اس شبہ میں مبتلا ہو گئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ ہم تو حضرت کے کمال کے بھی معتقد ہیں اور اُن کے صدق کے بھی یہ دونوں کیسے جمع ہو سکتے ہیں میں نے کہا کہ مولوی صاحب آپ سے تعجب ہے کہ آپ جیسا عالم فاضل شخص ذکی اور ذہین ایک واہیات اور لچر شبہ میں پڑ گئے۔ جواب ظاہر ہے کہ وہ یہ ہے کہ کمالات کی دو قسمیں ہیں ایک کمالات واقعیہ اور ایک کمالات متوقعہ۔ حضرت مولانا تو کمالات متوقعہ پر نظر کر کے فرماتے ہیں کہ میں کچھ بھی نہیں اور ہم کمالات واقعیہ پر نظر کر کے معتقد ہیں۔ یہ جواب سن کر بہت

سرور ہوئے۔ یہ سب اللہ کا فضل ہے وقت پر قلب میں ڈال دیتے ہیں۔

ملفوظ ۱۴۲: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نے جس قدر قرآن و حدیث سے مسائل تصوف کا استنباط اور ان پر استدلال کیا ہے وہ نکات کے درجہ میں نہیں بلکہ وہ وجوہ دلالت لئے ہوئے ہیں جو اہل علم کے نزدیک بھی وجوہ دلالت ہیں۔ میں نے ایسے مسائل کی ایک فہرست تیار کرائی ہے اس کو ذرا لوگ دیکھیں تو کہ تصوف کتاب و سنت سے کیسا ثابت ہے جس کو خلاف کتاب و سنت سمجھتے تھے اس فہرست سے سب معلوم ہو جائے گا اور حقیقت کا انکشاف ہو جائے گا۔ اس فہرست کا نام ہے عنوانات التصوف وہ چھپ بھی گیا۔

ملفوظ ۱۴۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ کو جو بیعت کے توقف میں انتظار ہوتا ہے وہ مناسبت کا ہوتا ہے اور یہ مناسبت اکثر زیادہ ملنے جلنے سے پیدا ہو جاتی ہے لوگ اس کو ٹالنا سمجھتے ہیں اور اگر مناسبت نہیں دیکھتا تو صاف کہدیتا ہوں کہ تم کو مجھ سے مناسبت نہیں کسی اور جگہ اصلاح کا تعلق پیدا کر لو۔ اور یہ بھی کہدیتا ہوں کہ اگر مصلح کا نام پوچھو گے بتلادوں گا۔ ہر حال میں فرض چیز اصلاح ہے اگر ایک سے مناسبت نہیں دوسرے سے سہی کوئی نوچ کھسوٹ تھوڑا ہی جمع کرنا ہے نہ نام کرنا مقصود ہے مقصود تو کام ہے یہ تو دوکانداروں کی باتیں ہیں کہ جو بھی آئے ضرور پھنسا شکار ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ الحمد للہ یہاں پر یہ باتیں نہیں۔ یہاں پر تو سیدھی اور سچی اور صاف بات ہے کسی کو دھوکا نہیں ہوتا اور ضرورت ہی کیا ہے۔ ایچ پیچ کی ایسی باتیں تو وہ کرے کہ جس کی کوئی غرض وابستہ ہو۔ یہاں تو صرف اللہ کا بندہ بنانا اللہ کا راستہ بتلانا ہی غرض ہے اور یہی کام ہے اس کے علاوہ نہ کوئی غرض ہے اور نہ کوئی اور کام ہے۔

ملفوظ ۱۴۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ کو اس سے غیرت آتی ہے کہ لوگوں کو معتقد بنانے کی تدبیر یا ترغیب دی جائے یہ طریقہ نہایت ہی ناپسندیدہ ہے اپنے دوستوں کو میری تاکید ہے کہ وہ کبھی ایسا نہ کریں ہاں ایک صورت اور ہے جس میں ایک مسلمان کی امداد ہے اور ثواب بھی ہے کہ طالب کو چند جگہوں کے نام بتلادے اور یہ مشورہ دیا جاوے کہ اپنے حالات سب جگہ لکھو۔ جہاں کے جوابات سے سکون اور تسلی ہو وہاں تعلق پیدا کر لو۔ باقی یہ ایجنٹوں کی سی صورت اختیار کرنا نہایت برا طرز ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پھنسانے کے لئے لوگ چھوڑ رکھے ہیں۔ بڑی غیرت معلوم ہوتی ہے۔

ملفوظ ۱۴۵: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل بعض لوگوں کی یہ حالت ہے کہ وہ دنیا کو دین پر مقدم کر کے دنیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ طریقہ سراسر گمراہی ہے کہ دنیا کو مقدم رکھ کر دین کو اس کا تابع بنائیں اگر دین کو مقدم رکھیں اور پھر حصول دنیا کی فکر کریں

بشرطیکہ حدود شرعیہ سے تجاوز نہ ہو تو پھر کامیابی بھی بہت قریب ہے۔

ملفوظ ۱۴۶: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اصل چیز محبت اور اتباع ہے پھر اس میں بھی اساس محبت ہے اتباع عادۃً اس پر مرتب ہو جاتا ہے اس لئے کہ محب محبوب کے خلاف نہیں کر سکتا باقی بیعت وہ محض ایک برکت کی چیز ہے اس پر نہ تعلیم موقوف ہے اور نہ نفع۔ مگر آج کل کے پیروں نے اس بیعت کو لوگوں کے پھنسانے کا اچھا خاصہ آلہ بنا رکھا ہے۔ لوگوں کے عقائد بیعت کے متعلق درجہ منکر تک پہونچ گئے ہیں کہ اس کو فرض و واجب سمجھتے ہیں۔ علماء اہل حق کو اس طرف متوجہ ہو کر اصلاح کرنے کی ضرورت ہے جیسے اور بدعتوں کی اصلاح کرتے ہیں یہ بھی تو بدعت ہے اور قابل اصلاح آخر فرق دونوں میں کیا ہے۔

۵ / جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز جمعہ

ملفوظ ۱۴۷: فرمایا کہ ایک صاحب کا لفافہ آیا ہے جس میں نہ واپس ہونے والے لفافہ پر پتہ لکھا ہے اور نہ اندر کے خط پر کہیں پتہ لکھا ہے اب بتلائیے یہ خط جائے گا کیسے۔ اس پر فرمایا کہ لوگوں میں بیداری نہیں غفلت ہے ایسی کھلی بات اور اس میں یہ غلطی جس سے دوسرے کو ایذا پہونچے۔ اب اس لفافہ کی حفاظت کرنا امانت میں رکھنا کس قدر گرانی کا کام ہے۔ ان کی تو ذراسی غفلت ہوئی یا بھول ہوئی اور دوسرے کو تکلیف پہونچی۔ یہی باتیں ہیں جن پر روک ٹوک کرتا ہوں جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ بیداری پیدا ہو غفلت دور ہو اس پر بعضے خفا ہو کر چلدیتے ہیں۔ باہر جا کر بدنام کرتے ہیں اپنی حرکات کو نہیں دیکھتے۔

ملفوظ ۱۴۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جب رحمت حق متوجہ ہوتی ہے تو ساری عمر کے میل کچیل دھل جاتے ہیں مگر خود رحمت کے متوجہ ہونے کے لئے طلب شرط ہے اور یہ انسان کا اختیاری فعل ہے یہ اپنے اختیاری کام کو کرے پھر آگے سب کچھ وہی کر دیتے ہیں۔ ایک صاحب کا خط آیا تھا لکھا تھا کہ میں پچیس ۲۵ سال سے فلاں خانصاحب کا مرید ہوں اب تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ ان کے عقائد ناسد تھے اس لئے ان عقائد باطلہ سے توبہ کر کے آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں اور آپ کے دست مبارک پر بیعت ہونا چاہتا ہوں عمر میری تقریباً پچسٹھ ۶۵ سال کی ہے اس لئے جلد از جلد مجھ کو بیعت فرما لیا جائے۔ میں نے لکھ دیا کہ تعجیل مناسب نہیں۔ پھر دوبارہ خط آیا لکھا تعجیل نہ کرنے کی حد بتلا دی جائے۔

اُس وقت تک میں کچھ نہ بولوں گا۔ میں نے لکھ دیا کہ جب تک میرے چالیس وعظ اور رسائل نہ دیکھ لو۔ بس ملاقات اور مجالست نہ کرو اس وقت تک اس کی حد ہے۔ دوسری جگہ یہ خط جاتا اور اس طرح رجوع کرتے نہ معلوم غنیمت سمجھ کر کس قدر عجلت سے ہاتھوں ہاتھ ان کو لیا جاتا اور مدح سرائی کی جاتی۔ یہاں پر یہ جواب ملا کر تعجیل مناسب نہیں۔ یہ اس لئے کہ ان کو یہ شبہ نہ ہو کہ یہ لوگ ہر وقت انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں کہ ادھر سے کوئی لوٹ کر آئے تو ہم دوبوچیں اس صورت میں طریق کی تذلیل ہے کہ طالب کو مطلوب بنایا جائے۔ مجھ کو تو غیرت آتی ہے کہ کسی کو شبہ بھی ہو کہ اس کو ہمارا انتظار ہے۔ میں چاہتا یہ ہوں کہ ہر چیز اپنی حد پر رہے۔

ملفوظ ۱۴۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اُس امت میں ایسے ایسے اہل اللہ گذرے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ان کو ہر وقت مشاہدہ رہتا تھا۔ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ حدیث سن کر بتلا دیتے کہ یہ حدیث ہے یا حدیث نہیں کسی نے پوچھا فرمایا میں حدیث سن کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر نظر کرتا ہوں اگر بشاشت پاتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ہے اور اگر منقبض دیکھتا ہوں سمجھتا ہوں کہ یہ حدیث نہیں۔ ایک بزرگ ہیں عبدالعزیز دباغ یہ عالم نہ تھے۔ ایک شخص بطور امتحان آپ کے پاس پہونچا اور کچھ قرآن پاک کی آیت کے الفاظ اور کچھ حدیث شریف کے الفاظ اور کچھ ویسے ہی عربی کے الفاظ ایک جگہ ملا کر پڑھے۔ آپ نے فرمایا کہ اتنا تو قرآن ہے اور اتنی حدیث ہے اور آگے نہ قرآن نہ حدیث ویسے ہی عربی کے الفاظ ہیں اس شخص کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ بزرگ عالم نہیں پھر کیسے معلوم کر لیا۔ عرض کیا کہ حضرت نے یہ کیسے معلوم کر لیا کہ اتنا قرآن پاک ہے اور اتنی حدیث ہے اور آگے نہ قرآن نہ حدیث۔ فرمایا کہ جب کوئی پڑھنا شروع کرتا ہے اگر اس کی ساتھ نور قدیم ظاہر ہوا تو سمجھتا ہوں کہ یہ قرآن ہے اور اگر نور حادث ظاہر ہوا تو حدیث سمجھتا ہوں اور اگر نور ظاہر نہ ہوا تو امتی کا کلام سمجھتا ہوں ماشاء اللہ کیا ٹھکانا ہے اس ادراک کا۔

ملفوظ ۱۵۰: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل عام طور سے عملیات و وظائف کی طرف لوگوں کو زیادہ توجہ ہے حتیٰ کہ مقاصد طریق کے لئے بھی اوراد ہی تجویز کئے جاتے ہیں بعض لوگ تو مجموع الوظائف بنے ہوئے ہیں منجملہ اُن کے ایک خاص چیز کے لئے بہت کثرت سے عمل کے متلاشی ہیں کہ کوئی ایسا وظیفہ اور عمل ہو کہ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو جاویں۔ نیت تو بری نہیں۔ بہت اچھی ہے لیکن بڑی ہی نادانی کی بات ہے کہ وظائف کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا ارادہ کیا جاوے۔ اگر ایسا ہی ذوق شوق ہے تو اتباع کرو اس پر بھی اس مقصود کا ترتب لازم نہیں مگر بہ نسبت اوراد کے پھر اس میں توقع

زیادہ ہے۔ بعض بزرگ ایسے گذرے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اُن کو ہر وقت مشاہدہ رہتا تھا اور یہ سب اتباع کی برکت ہے۔ اتباع ہی بڑی چیز ہے اور بدون اتباع کے ایسی خواہش کرنا عجیب ہے بلکہ ہم جیسوں کو تو اتباع کامل کے بعد بھی اپنے کو اس شرف کا اہل نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہاں وہ دربار کہاں ہم ذلیل وخوار، ہماری تو اس دربار کی ساتھ یہ نسبت ہے کہ سے

بخدا کہ رشکم آید زدو چشم روشن خود　　که نظر دریغ باشد چنیں لطیف روئے

مگر یہ مضمون ذوقی ہے عقلی واستدلالی نہیں۔

ملفوظ ۱۵۱: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمیں تو ہر وقت اُن کی رحمت اور اُن کے فضل کی ضرورت ہے جو کچھ ملے گا وہ انعام ہی ہے گو نام کو جزائے اعمال ہے مگر ہمارے اعمال ہی کیا جس پر جزا کا استحقاق ہو بلکہ خود ان اعمال کو اعمال میں شمار کرنا یہ بھی انعام ہی ہے ورنہ ہمارے اعمال تو حسنات کہنے کے بھی قابل نہیں بلکہ وہ اپنے فضل سے اُن کو حسنات بنا دینگے بعض اہل لطائف نے اولئک یبدل اللہ سیاٰتھم حسنات کی یہی تفسیر کی ہے۔ پھر ایک بڑی ۔۔۔ رحمت یہ ہے کہ ہمارے اعمال محدود اور جزاء غیر محدود اور میں نے جو کہا ہے کہ وہ جزاء برائے نام ہے ورنہ محض عطاء ہی ہے اس کی دلیل خود قرآن میں ہے جزاء من ربک عطاءً حسابا اس تقریر سے اس شبہ کا بھی جواب ہو گیا کہ اگر وہ جزاء ہے تو عطاء کیسی اور اگر عطاء ہے تو پھر حساب کیسا۔ جواب یہ ہے کہ جزاء صورۃً ہے اور عطاء حقیقۃً اور حساب جزاء یا عطاء کے لئے نہیں بلکہ خود اہل عطاء میں تفاوت کے لئے حساب ہو گا باقی عطاء بغیر حساب ہی ہو گی

ملفوظ ۱۵۲: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کے لوگ طرح طرح کے ڈھونگ بناتے ہیں امتیازی شان کا اہتمام رکھتے ہیں لیکن کیا کریں ہماری نظروں میں نہیں سماتے سچ تو یہ ہے کہ ہم کو تمہارے بزرگ بگاڑ گئے کس طرح کی سادہ زندگی گذار گئے بس ان کا جو رنگ ڈھنگ دیکھا وہی پسند ہے آج کل کے ڈھونگ اور بناوٹیں پسند نہیں۔ ہمارے بزرگوں میں ایک خاص بات یہ تھی کہ خودداری کا نام ونشان نہ تھا ملے جلے ہنستے بولتے رہتے تھے مگر دل میں ایک انگارا دہک رہا تھا بقول نواب شیفتہ سے

تو اے افسردہ دل زاہد یکے در بزم رنداں شو　　کہ بینی خندہ بر لبہا وآتش پارہ در دلہا

میں نے اس مضمون پر ایک مثال تجویز کی ہے کہ جیسے توا ہنستا ہے مگر ہاتھ لگا کر کوئی دیکھے تو پتہ چل جائے گا کہ کیسے ہنستا ہے اُن کے قلب میں خدا کی محبت کی ایک آگ بھری تھی ہر وقت خشیت کا غلبہ رہتا تھا۔ شب وروز آخرت کی فکر لگی تھی۔ یہ بات اس درجہ کی کسی جماعت کے بزرگوں میں نہیں دیکھی۔

ملفوظ ۱۵۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض نقشبندی حضرات کی رائے ہے کہ شیخ کو وقار و تجمل کے ساتھ رہنا چاہئے۔ تاکہ طالبین کے قلب میں عظمت ہونے سے ان کو نفع زائد ہو مگر چشتیوں سے یہ نہیں ہو سکتا ان کا وقار اور تجمل یہی ہے کہ کوئی وقار و تجمل نہ ہو ان کی تو بس یہ شان ہوتی ہے ؎

نہ باشد اہل باطن در پئے آرائش ظاہر　　بنقاش احتیاجے نیست دیوار گلستاں را

اور یہ حالت ہوتی ہے ؎

دلفریباں نباتی ہمہ زیور بستند　　دلبر ماست کہ با حسن خدا داد آمد

زیر بارند درختاں کہ ثمر ہا دارند　　اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد

اور اصلی حسن سادگی ہی میں معلوم ہوتا ہے۔ اس رنگ میں حضرات چشتیوں کا حال بچوں کا سا ہے کہ اُن کی ہر ادا سے محبوبیت کی شان معلوم ہوتی ہے اور ہر ادا میں کشش ہوتی ہے۔

ملفوظ ۱۵۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ صحابہ کرامؓ گو یا اضداد کے جامع تھے جو اعلیٰ درجہ کا کمال ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق تو ایسا تھا کہ حضورؐ کے وضو کا پانی زمین پر نہ گرنے دیتے تھے اور ساتھ ہی بے تکلفی کا یہ حال تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاح میں ایک صحابی کے پہلو میں انگلی چبھو دی وہ کہتے ہیں میں بدلہ لوں گا چنانچہ آپ آمادہ ہو گئے انہوں نے بجائے بدلہ کے بوسے لینے شروع کر دیئے۔ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے امتی بھی گو جان نثار تھے مگر جیسے صحابہ حضورؐ پر نثار تھے وہ بات نہ تھی اور رہی ول کشی تو تھی جس نے صحابہ کو فدائی بنا دیا۔ مخالفین کا یہ اعتراض ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا خوب جواب فرمایا کہ شمشیر خود تو چلا نہیں کرتی کوئی چلاتا ہے جب ہی تو چلتی ہے تو ان چلانے والوں پر کس نے شمشیر چلائی تھی۔ بس معلوم ہوا کہ وہ کوئی اور ہی چیز تھی جس نے شمشیر زنوں کو جمع کر دیا وہ چیز آپ کی محبوبیت ہے جس کا دوسرا نام حسن خلق ہے۔ اور یہ تو انسانوں کا ذکر تھا آپ کی شان محبوبیت تو ایسی ہے کہ حجتہ الوداع میں جب حضورؐ نے اونٹ قربان کئے تو ہر اونٹ آگے بڑھنے کی کوشش کرتا تھا کہ حضور پہلے مجھ کو ذبح کریں۔ ان جانوروں پر کونسی تلوار کا اثر تھا کسی نے خوب کہا ہے ؎

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ بر کف　　بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

یہ سب کچھ کیا تھا محض حضورؐ کا عشق تھا اور جس کے دل میں عشق ہوگا وہ تو محبوب کے سامنے گردن جھکا کر یہی کہے گا ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت — سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ملفوظ ۱۵۵: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جانوروں میں بھی عقل ہے گو بقدر تکلیف احکام کے نہ ہو۔ واقعات اور مشاہدات اس کے مؤید ہیں جن کے بعد اس کو اضطراراً ماننا پڑے گا۔

ملفوظ ۱۵۶: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تعجب ہے ہم تو ہندو کے نزدیک گاؤ کشی کر کے ظالم اور وہ خود آدمی کشی کر کے بنتے ہیں اور ظالم نہیں۔ عجیب۔

ملفوظ ۱۵۷: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بُرا بھلا کہنے والوں نے کس کو چھوڑ دیا۔ اللہ کو چھوڑ دیا۔ اللہ کے رسول کو چھوڑ دیا۔ ائمہ مجتہدین کو چھوڑ دیا۔ بعد کے علماء اور بزرگان دین تو بیچارے کس شمار میں ہیں۔ مگر کسی کے بُرا بھلا کہنے سے بُرا کیوں مانے اس سے بگڑتا کیا ہے۔ معاملہ تو اللہ کے ساتھ ہے۔ مخلوق سے لینا ہی کیا ہے اگر کسی کو اس کی فکر ہے تو یہ تو اچھی خاصی مخلوق پرستی ہے پھر خدا پرستی کہاں اور یہ فکر خود ایک مستقل اور بہت بڑا عذاب ہے کہ فلاں بُرا نہ کہے فلاں بھلا نہ کہے کون بیٹھا ہوا ان خرافات کا مراقبہ کیا کرے ایسے موقعہ کے متعلق ذوق نے خوب کہا ہے ؎

تو بھلا ہے تو بُرا ہو نہیں سکتا اے ذوق — ہے بُرا وہ ہی کہ جو تجھ کو بُرا جانتا ہے

اور اگر تو ہی بُرا ہے تو وہ سچ کہتا ہے — پھر بُرا کہنے سے کیوں اس کے بُرا مانتا ہے

خصوص عشاق کی تو یہ شان ہونا چاہیئے ؎

عاشق بدنام کو پروائے ننگ و نام کیا — اور جو خود ناکام ہو اس کو کسی سے کام کیا

ملفوظ ۱۵۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک شخص ہیں حافظ بھی ہیں ان سے ایک بات شریعت کے خلاف ہو گئی تھی بات سخت تھی میرے مواخذہ پر اس کا انہوں نے اقرار کیا۔ میں نے کہا کہ تم اپنی غلطی کو شائع کرو (یعنی السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ کے قاعدہ سے تو بہ ہو) اس لئے کہ تمہاری اس حرکت سے نیک اور اہل علم بدنام ہوئے کہ مولوی حافظ بھی ایسا کرتے ہیں اس پر انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا کہ میں اپنی غلطی ضرور شائع کروں گا۔ لیکن تین سال کے قریب ہو گئے اب تک خبر نہ بات شد۔ پروا تک بھی نہیں کی۔ ایک تو حرکت خلاف شریعت پھر وعدہ خلافی۔ وہ بھی ایک فعل خلاف شریعت ہے۔ اب میں ہی آخر کہاں تک رعایت کروں۔ اگر کوئی اپنا ذاتی معاملہ ہو تو رعایت بھی کر دوں۔ دین کے معاملہ میں کیا رعایت اب وہ ایک صاحب کا سفارشی خط لے کر آئے ہیں۔ میں نے ان کو تو یہ کہلا دیا کہ یہ معاملہ کی حقیقت ہے صاف بات ہے تم مجھ سے نہ ملنا اور جنہوں نے ان کو خط دیکر بھیجا تھا ان کو لکھ دیا

کہ آئندہ ایسی فرمائشوں سے مجھ کو معاف رکھا جائے۔ یہ اصلاح کا معاملہ ہے۔ مریض کے حالات کو طبیب ہی خوب سمجھتا ہے۔

ملفوظ: ۱۵۹ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بیعت ہونے سے اکثر یہ فائدہ ضرور ہے کہ اپنے بزرگوں سے محبت بڑھ جاتی ہے اور حدیث المرء مع من احب میں محبت کے ساتھ معیت کا وعدہ ہے۔ اب اس کو سن کر خشک منکر طریق لوگ کہیں گے کہ اندر باد محبت کا خیال محض وہم ہے ہم کہتے ہیں کہ وہم ہی سہی جس سے مقصود حاصل ہو بلا سے وہ کچھ ہی ہو۔ جیسے کسی کو سوکھی روٹی کھانے میں شیرمال کا مزا آتا ہو تو اس کو ضرورت نہیں کہ وہ اس روٹی کو شیرمال ثابت کرے ایسے ہی ہم کو یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کہ یہ محبت کا ذریعہ ہے مگر یہ بات بھی قابل تنبیہ ہے کہ کسی چیز کے سبب ہونے سے اس کا شرط ہونا لازم نہیں آتا ایسی محبت مقبولین سے بدون بیعت بھی ہو سکتی ہے۔ وہم پر یاد آیا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ایک شخص کا علاج کیا تھا اس کو یہ وہم ہو گیا تھا کہ میرے سر نہیں ایک بڑا سا پگڑ باندھے پھرا کرتا تھا حضرت مولانا نے سر سے پگڑ اتار اور جوتا لے کر سر پر بجانا شروع کیا اس پر رویا چلایا اور کہا کہ حضرت مرگیا چوٹ لگتی ہے۔ دریافت فرمایا کہاں چوٹ لگتی ہے کہا کہ سر میں۔ فرمایا تیرے تو سر ہی نہیں کہا کہ حضرت ہے۔ پھر کبھی یہ وہم اس کو نہیں ہوا۔ حضرت مولانا بڑے ہی حکیم تھے۔

ملفوظ: ۱۶۰ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بیعت کا حاصل یہ ہے کہ ایک طرف سے التزام ہو اتباع کا اور ایک طرف سے التزام ہو تعلیم کا بس اصل بیعت یہ ہے خواہ اس کی ظاہری صورت نہ ہو۔

ملفوظ: ۱۶۱ ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم ہم سے دین کی کوئی خدمت لو گے ہم خدمت کریں گے بشرطیکہ ڈھنگ اور طریقہ سے خدمت لی جائے ورنہ سر چلتے ہو۔ کیا کوئی تمہارا نوکر ہے۔ بعضے تو اب صاحب بن کر آتے ہیں۔ بے ڈھنگی باتیں کرتے ہیں جس سے اذیت ہوتی ہے کہاں تک صبر کیا جائے اور تغیر نہ ہو۔

ملفوظ: ۱۶۲ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ خیال اور عقیدہ کو اثر میں بڑا دخل ہے اور ان پڑھے لکھے پڑھوں کا جو بھی عقیدہ ہوتا ہے وہ راسخ ہوتا ہے اور یہ لکھے پڑھے اکثر اگر مگر ہی میں رہتے ہیں ایک گاؤں والے شخص کا عدالت میں مقدمہ تھا وہ ایک بزرگ سے مقدمہ کے لئے تعویذ لایا تھا حاکم نیچرل عقیدہ کا آدمی تھا جس وقت آواز دلوائی گئی تو یہ گاؤں والا پیش ہوا۔ اجلاس پر پہنچ کر اس کو خیال ہوا کہ جو تعویذ میں نے حاکم کے نرم ہونے کے لئے کرایا

تھا وہ اس وقت ساتھ نہیں ہے باہر بھول آیا ہوں۔ ان لوگوں میں اکثر سادگی ہوتی ہے گو اب تو گاؤں والوں میں بھی یہ بات نہیں رہی عرض حاکم سے کہتا ہے کہ میں مکدمہ (مقدمہ) کے لئے دیبن (دیوبند) والے حاجی سے تبیج (تعویذ) لایا تھا وہ باہر بھول آیا۔ ذرا ٹھہر جائیں تبیج (تعویذ) لے آؤں۔ اس نے اپنے نیچری خیال کے موافق کہا کہ جائے آ دیکھیں تعویذ کیا کرے گا۔ وہ باہر گیا اور اپنے ساتھ والے سے تعویذ لے آیا اور حاکم سے کہا کہ تبیج لے آیا اور یہ میری پگڑی میں ہے اب پوچھ کیا پوچھ حاکم کی نیت سزا کی تھی مگر حق تعالیٰ کی قدرت کہ بروقت فیصلہ لکھنا چاہتا ہے سزا اور لکھا جاتا ہے بری۔ اپنے خیال کے موافق جب فیصلہ سناتا ہے تو بری۔ حاکم حیران رہ گیا اور اُن بزرگ کے پاس آکر توبہ کی۔ واقعی اسماء الٰہیہ کا اثر اور برکت کہاں جاسکتی ہے مگر خلوص کی ضرورت ہے۔ عرض عملیات میں موثر مجموعہ ہے دو چیزوں کا خود عمل اور دوسرا خیال اور اس میں کوئی بُعد نہیں۔ ایک امر بھی قابل تنبیہ ہے کہ کلام الٰہی گو اس کام کے لئے موضوع نہیں لیکن اگر کوئی اُسی کے لئے استعمال کرے تو برکت ضرور ہوتی ہے جیسے قلم لکھنے کے لئے ہے لیکن اگر اُس سے کوئی کان کا میل نکال لے تو اس میں بھی کام آجاتا ہے۔

ملفوظ ۱۶۳: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میری بیوی ایک عرصہ سے بیمار رہے۔ حکیم صاحب سے علاج کرایا کوئی نفع نہیں ہوا حضرت دعاء فرماویں اور کوئی عمل بتلادیں۔ فرمایا کہ دعاء کرتا ہوں مگر عامل نہیں ہوں۔ ہاں بزرگوں سے سنا ہے کہ صبح کی نماز کے بعد اکتالیس بار الحمد شریف پڑھکر پانی پر دم کرکے مریض کو پلادیا جائے تو اُمید نفع کی ہے۔

ملفوظ ۱۶۴: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں ایک جگہ مدرس ہوں۔ بعض لوگ اوقات تعلیم کے وقت پاس آکر بیٹھ جاتے ہیں اُن سے باتیں کرنے میں جو طلبہ کا حرج ہوتا ہے کیا یہ خیانت ہوگی۔ فرمایا کہ بیشک خیانت ہے۔ اُن لوگوں کو منع کردینا چاہیئے کہ یہ کام کا وقت ہے۔ عرض کیا جو اس وقت تک ہوچکا یا آئندہ اتفاقاً ایسا پھر ہوجاوے تو کیا اس کا کوئی بدل ہوسکتا ہے۔ فرمایا سوائے توبہ کے اور کوئی بدل نہیں۔ عرض کیا کہ خارج اوقات میں کام کردیا جائے۔ فرمایا کہ یہ بھی اُس کا بدل نہیں۔ فرضوں کے تمام مقام نفلیں تھوڑا ہی ہوسکتی ہیں۔ کام کے وقت کام کرنا چاہیئے اور لوگوں کو منع کردینا چاہیئے۔

ملفوظ ۱۶۵: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ عورتوں میں بمقابلہ مردوں کے عقیدت زیادہ ہوتی ہے اور وجہ اس کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک تو ان کا دل نرم ہوتا ہے۔ دوسرے صاحب الرائے نہیں ہوتیں۔

۶ر جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم شنبہ

ملفوظ ۱۶۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ طریق کی حقیقت نہ معلوم ہونے کی وجہ سے لوگوں کو غلطیوں میں ابتلاء ہے کل ایک صاحب نے مجھ سے ایک سوال کیا تھا: بیچارے مریض ہیں۔ میں نے بحمداللہ تسلی کردی بہت خوش ہوئے۔ حاصل میرے جواب کا یہ تھا کہ اگر حالت مرض میں قلب کے اس طرف مشغول ہونے کی وجہ سے استغفار معتاد میں کمی ہو جائے تو اس وقت جس قدر استغفار ہے وہی کامل ہے۔ اس کو یوں سمجھ لیا جائے کہ جیسے مرض کی وجہ سے کوئی شخص کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا ہے بیٹھکر پڑھتا ہے تو اس کی وہی نماز جو بیٹھ کر پڑھی ہے کامل ہے۔ یا جیسے ایک شخص مرض کی وجہ سے وضو نہیں کر سکتا تیمم کرتا ہے اس کی وہی طہارت کامل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جتنا اس وقت مامور ہے وہی کامل ہے ناقص نہیں تو پھر ہمیں اس تفاوت کے دیکھنے کی کون ضرورت ہے۔ ایک شخص ہے کہ وہ ایک شخص کو ایک روپیہ کی سیر مٹھائی دیتا ہے اور ایک کو آٹھ آنہ سیر دیتا ہے تو اس آٹھ آنہ والے کو کون ضرورت ہے کہ یہ اس پر افسوس کرے کہ مجھ سے کم لیا بلکہ خوش ہونے کا موقع ہے کہ تھوڑا لیا اور نہ زیادہ لیا اور صورت میں جو کمی ہے وہ کمی حسًا ہے حکمًا و معنًی نہیں غرض ہر حال میں جبکہ حتی الوسع امتثال کر لیا بندہ کو خدا کے ساتھ نیک گمان رکھنا چاہیئے۔

ملفوظ ۱۶۷: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حق تعالیٰ کا مراقبہ جلال کا تو نافع ہے ہی مگر جمال کا اس سے زیادہ نافع ہے خصوص ضعفاء کو۔ جمال کا مراقبہ زیادہ چاہیئے اس سے محبت بڑھ کر بہت جلد کامیاب ہوتی ہے۔

ملفوظ ۱۶۸: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ غیر اختیاری عارض پیش آنے سے عمل کے ثواب میں کمی نہیں کی جاتی۔ یہ اُن کی رحمت ہے۔ مثلاً بیماری ہے تو یہ اختیاری تھوڑا ہی ہے۔ ایک غیر اختیاری چیز ہے سو اس کی وجہ سے بظاہر جو اعمال میں کمی ہوتی ہے وہ صورۃً کمی ہے حقیقتًہ کمی نہیں ان تشویشات میں نہیں پڑنا چاہیئے اس وقت اس کا مراقبہ کرے کہ میرے لئے یہی بہتر ہے جو اُس طرف سے تجویز ہوئی ہے۔

ملفوظ ۱۶۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو کمزور ہوں ضعیف ہوں۔ میں نے تو اپنے ضعف کی وجہ سے ایسے مسائل ڈھونڈ رکھے ہیں کہ جن میں کام تو کم کرنا پڑے اور ثواب پورا ملنے کی امید ہو۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ میرے پاس دلائل بھی ہیں۔ یہ نہیں کہ بلادلیل کے کہہ رہا ہوں۔

ملفوظ ۱۷۰: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ صوفیہ اور فقہاء دونوں حکماء ہیں ان کے کلام میں بحمد اللہ باہم تعارض نہیں لیکن سمجھنے کے لئے عقل اور فہم کی ضرورت ہے اگر فہم نہ ہو تو ٹھوکریں ہی کھانا پڑے گا اور اکثر دو شخصوں میں جو اختلاف ہوتا ہے اُن کے غیر محقق ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر دونوں محقق ہوں تو اختلاف کچھ بھی نہیں دونوں ایک ہی ہیں۔ جیسے اگر کسی کو ایک چیز کی دو جدا جدا نظر آویں تو اس کی نظر کا قصور ہے۔ جیسے بھینگے کو ایک چیز کے دو نظر آیا کرتے ہیں۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

شاہِ احول کرد در راہ خدا ۔۔۔ آں دو دمساز خدائی را جدا

ملفوظ ۱۷۱: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ طریق اصلاح کا باب نہایت ہی نازک ہے اس میں طالب کی ہمت بڑھانے کے لئے عنوانات اختیار کیے جاتے ہیں اور اس سخت ضرورت ہے مایوسی اور ہراس کو تو کبھی اس طریق میں راہ ہی نہ دیا جائے مگر یہ اُس وقت ہوتا ہے جبکہ اہل فن کے ہاتھ میں ہاتھ ہو ایسے صاحب فن کو اصطلاح میں شیخ کامل بھی کہتے ہیں مراد اس سے ماہر فن ہی ہے کہ طالب کی کوئی بھی حالت ہو اس کو کام میں لگائے رکھے اُس کو سمجھا دے کہ وہ چلا چلے اِدھر اُدھر نہ دیکھے۔ مثلاً اگر کوئی غیر اختیاری حادثہ پیش آئے جیسے بیماری وغیرہ ہے تو اُس وقت اس کو یہی سمجھائے کہ قلت اعمال کی وجہ سے مایوس نہ ہو وہ ہمارے نزدیک کمی ہے مگر چونکہ امر کے موافق ہے اس لئے اُن کے نزدیک وہی کامل ہے۔ سنئے اس پر ایک صاف دلیل آئی حق تعالیٰ فرماتے ہیں فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ۔ کوئی خیر ذرہ سے کم تو نہیں ہوگی اس پر بھی وعدہ ہے اجر کا اور یرہ میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ اجرت عمل سے زیادہ ملے گی کیونکہ اگر ذرہ کی برابر ہوتی تو عادۃً نظر بھی نہ آئے گی اس لئے وہ اُس ذرہ ہی کو پہاڑ بنادیں گے وہ قطرہ کو دریا بنادیں گے۔

ملفوظ ۱۷۲: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کی شان ہی کچھ اور تھی وہ آج کسی میں نہیں پائی جاتی یہ حضرات اپنے کو مٹائے ہوئے تھے ورنہ وہ اپنی شان تحقیق اور کمالات میں غزالی اور رازی سے کم نہ تھے اگر شبہ ہو تو اُن حضرات کی تحقیقات اور ملفوظات بھی موجود ہیں اور ان بزرگوں کے بھی موجود ہیں موازنہ کر لیا جائے معلوم ہو جائے گا۔

ملفوظ ۱۷۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نے آنے والوں کے لئے ایک اور قید لگا دی ہے جب سے ذرا امن ہے مگر پھر بھی بعض بدفہم ستاتے ہیں وہ قید یہ ہے کہ جب تک یہاں قیام رہے خاموش مجلس میں بیٹھا کریں مکاتبت مخاطبت کچھ نہ کریں۔ جب بصیرت بڑھ جائے وطن واپس پہونچ کر خط و کتابت کریں اور زیادہ کریں کیونکہ کثرت مکاتبت سے

مناسبت بھی پیدا ہوتی ہے۔ غرض مجلس میں خاموش رہنا تجربہ سے بے حد مفید ثابت ہوا لوگ اس کی قدر نہیں کرتے۔ یہاں سے وطن واپس جاکر لوگ لکھتے ہیں کہ پہلے تو سمجھ میں نہ آیا تھا مگر اس خاموش رہنے سے جو نفع ہوا دس برس کے مجاہدہ سے بھی نہ ہوتا۔ یہ اس قدر مفید چیز ہے۔

ملفوظ ۱۶۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بڑے گھر میں علاج کرانے مظفر نگر گئیں تھیں۔ حافظ سخاوت علی کے مکان پر ٹھہریں ایک عیسائی مس کے زیر علاج تھیں وہ صبح شام دیکھنے آتی تھی میں بطور مزاح کہا کرتا کہ سخاوت مس عیب را کیمیا ست۔ سخاوت کا مکان علاج کرنے والی مس۔ اور کیمیا یہ کہ نہیں لیتی تھی۔ اس مس کا مقولہ حافظ سخاوت علی نے بیان کیا کہ وہ کہتی تھی کہ میں مردوں کے بڑے بڑے مجموں میں جاتی ہوں کبھی کوئی بات محسوس نہیں ہوتی اور آج پیر صاحب کو بیٹھے دیکھ کر میرا پیر نہ اٹھتا تھا یہ اثر محض منجانب اللہ ہے ایک مرتبہ ریاست رامپور میں نواب صاحب نے علماء دیوبند کو قادیانیوں سے مناظرہ کے لئے مدعو کیا تھا۔ بعض حضرات کے اصرار پر میں بھی چلا گیا تھا۔ ایک خاص وقت سب علماء دربار میں بیٹھتے تھے۔ میں بھی نواب صاحب سے بہت دور بیٹھا تھا۔ نواب صاحب نے اپنے ایک مصاحب سے جو انگریزی میں سب انسپکٹر تھے کہا تھا کہ یہ جو شخص جو ایک طرف کو گردن جھکائے بیٹھا رہتا تھا کون ہے معلوم نہیں اس کی طرف قلب کو کیوں کشش ہوتی ہے ان سب انسپکٹر نے سب بتلایا“ یہ سب کشش اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ سب اپنے بزرگوں کی دعاء اور توجہ کی برکت ہے۔

ملفوظ ۱۶۷: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل برساتی مینڈکوں کی طرح بہت سے مجتہد اور مصنف پیدا ہو گئے۔ بڑے ہی فتنہ کا زمانہ ہے۔ جاہل لوگ قرآن و حدیث میں دخل دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ روز بروز معانی میں تحریف ہو رہی ہے احکام میں اصلاح دی جا رہی ہے ان کی اس اصلاح دین کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص ایک جلد ساز کے پاس قرآن شریف کی جلد بندھوانے کے واسطے لے گئے ان کو یہ پہلے سے معلوم تھا کہ اس کی عادت ہے کہ جو کتاب یا قرآن جلد بندھنے کے لئے ان کے پاس آتا ہے یہ اپنی طرف سے اس میں کچھ نہ کچھ اصلاح دیتے ہیں انہوں نے کہا کہ بھائی قرآن شریف کی جلد بندھوانا ہے معلوم ہوا ہے کہ تم ہر کتاب میں اپنی طرف سے کتر بیونت کرتے ہو۔ دیکھو یہ اللہ کا کلام ہے اس میں کچھ گڑ بڑ نہ کرنا۔ کہا کہ اب تو میں نے یہ حرکت چھوڑ دی ہے آپ بالکل مطمئن رہیں وہ دے کر چلے گئے اور یہ وعدہ پر قرآن شریف لینے گئے دیکھا کہ جلد بندھ کر تیار ہے انہوں نے دریافت کیا کہ کہو۔ بھائی کوئی کتر بیونت تو نہیں کی۔ کہا کہ جی نہیں۔ مگر بعض غلطیاں بہت فاش تھیں ان کو البتہ صحیح کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ غلطیاں کیا تھیں۔ کہا کہ اس میں لکھا تھا خر موسیٰ حالانکہ خر تو عیسیٰ کا تھا۔

میں نے وہاں کاٹ کر لکھ دیا ہے ختم عیسیٰ ایک جگہ لکھا ہے عصیٰ آدم۔ عصیٰ موسیٰ کا تھا میں نے وہاں کاٹ کر لکھ دیا ہے عصیٰ موسیٰ۔ ایک جگہ لکھا ہے وتفل ناداں نوح۔ بھلا نوح ناداں تھے۔ میں نے وہاں لکھ دیا ہے وتفل داناں نوح۔ اور ایک بات تو اس میں بہت ہی گڑبڑ کی تھی اور یہ کہ اس میں بجائے فرعون ہامان قارون شداد کافروں کے نام تھے۔ میں نے سب کاٹ کر اپنا اور تمہارا نام لکھ دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ خدا تیرا ناس کرے تو نے تو قرآن شریف ہی کو گڑبڑ کر دیا۔ بس یہی حالت آج کل کے مجتہدوں اور مصنفوں کی ہے۔ یہ بھی من گھڑت باتیں کرتے رہتے ہیں۔ اللہ بچائے ایسے خیر خواہان اسلام و ہمدردان اسلام سے۔ یہ اسلام اور مسلمانوں کے دوست نما دشمن ہیں بلکہ اپنے بھی دشمن ہیں اپنی عاقبت اور آخرت کو برباد کر رہے ہیں باقی اسلام کی تو وہ شان ہے کہ جس کو فرماتے ہیں۔

چراغے را کہ ایزد بر فروزد ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد

ملفوظ ۱۷۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جان مفت تھوڑا ہی دی جا سکتی ہے جب تک کہ یہ اطمینان نہ ہو کر اپنے محل پر جا رہی ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ جان اپنی ملک نہیں کہ اس میں جو چاہو تصرف کر لو۔ دیکھئے اگر جان اپنی ہوتی تو خودکشی کیوں حرام ہوتی۔ ہاں جہاں یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں جان دینا طاعت ہے تو وہاں کمزور مسلمان بھی قوت ایمانی سے بہادر ہو جائے گا کیونکہ شجاعت میں کمی تردد سے ہوتی ہے اور بے موقع بے محل بدون اذن شرعی کے جان دینا کوئی بہادری نہیں بلکہ بزدلی ہے جیسے خودکشی بہادری نہیں اور اگر یہ بہادری ہے تو ایسی ہی ہے جیسے عورتیں کنوئیں میں گر کر مر جاتی ہیں کیا کوئی عاقل ان کو بہادر کہے گا اور حقیقی شجاعت صرف مسلمان میں ہے اور شجاعت ہی کی کیا تخصیص ہے تمام کمالات کی یہی حالت ہے کہ دنیا کی غیر مسلم اقوام مسلمانوں سے کسی چیز میں نہیں بڑھ سکتیں خواہ علم ہو یا عمل ہو۔ شجاعت ہو یا عقل ہو۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے اندر ایک چیز ہے جس کو ایمان کہتے ہیں اور نور ایمان کے اندر جو چیز نظر آوے گی وہ ظلمت اور اندھیریوں میں کہاں نظر آ سکتی ہے اس کے موازنہ کے سہل صورت یہ ہے کہ ایک کافر کو لیجئے اور ایک مسلمان کو لیکن وہ دونوں ایک ملک ایک تعلیم ایک سے قویٰ ایک سی وسعت میں شریک ہوں پھر موازنہ کر لیجئے معلوم ہو جائے گا کہ کون قابل اور کون ناقابل ہے۔

ملفوظ ۱۷۷: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شجاعت اور تدابیر ایک جگہ جمع ہو سکتی ہیں دیکھئے شیر جیسا بہادر اور شجاع جانور چھپ کر شکار کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں یہ جو عام لوگ کہتے ہیں کہ تدبیر شجاعت کے خلاف ہے محض غلط ہے فرمایا شیر کے ذکر پر اس کی ہیئت کے متعلق یاد آ گیا ایک مدراسی طالب علم بیان کرتے تھے

کہ ایک پہلوان تھا فربہی کے سبب اس کے ہاتھ کی انگلی میں ایک انگوٹھی پھنس گئی تھی کسی طرح نکلتی نہ تھی۔ ایک مرتبہ چھکڑے میں بیلوں کو ہانکتا ہوا سفر کر رہا تھا جنگل کا موقع تھا سامنے سے شیر آگیا اس کو دیکھ کر انگوٹھی ہاتھ سے نکل گئی۔

ملفوظ ۱۷۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کل ایک صاحب کا منی آرڈر آیا تھا بندہ خدا نے منی آرڈر رقم بھیجا اور یہ نہیں لکھا کہ کس مد کا ہے۔ آخر کوپن میں تو بہت جگہ ہوتی ہے اور وہ ہے بھی اسی ہی لئے تو میں اب کیا کرتا جب کوئی مد ہی متعین نہیں۔ میں نے واپس کر دیا۔ میں کیوں گڑبڑ میں پڑوں کیوں الجھن اور غلطیاں اور پریشانی سہروں۔ اس کو وصول کر کے پوچھتا پھروں۔ مال اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس کے آنے سے خوشی ہوتی ہے۔ اگر کوئی مجھے دیتا ہے اس کی اور طرح کی خوشی ہوتی ہے اور اگر مجھ کو کسی کار خیر کا واسطہ بناتا ہے اس کی اور طرح کی خوشی ہوتی ہے۔ فطری فرق ہے۔ میں بزرگ نہیں بنتا جو حقیقت ہے وہ عرض کرتا ہوں۔ مگر یہ خوشی جب ہی ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی بے ڈھنگا پن نہ ہو۔ اپنی آزادی اور اصول میں خلل نہ آوے ورنہ ہزاروں کے لینے سے بھی انقباض ہوتا ہے۔ ایک صاحب نے چار ہزار اٹھائیس روپیہ یہاں پر مدرسہ کے لئے بھیجنا چاہا اور ایک صاحب کی وصیت تھی۔ لکھا کہ فلاں صاحب کی وصیت کی بنا پر چار ہزار روپیہ بھیجا جاتا ہے لہٰذا ایک تو رسید بھیجدیں اور ایک یہ کہ اس رسید پر سب رجسٹرار کی تصدیق کرا کر رجسٹری کرا کر بھیجدیں۔ میں نے لکھ دیا کہ نہ یہاں سے رسید بھیجنے کا معمول ہے اور نہ ہم سب رجسٹرار کے پاس جائیں گے۔ دوبارہ لکھا کہ کسی مجسٹریٹ کی ہی تصدیق کرا کر بھیجدیں جو وہاں پر ہوں۔ میں نے لکھا کہ مجسٹریٹ تو ہیں اور ایسے ہیں کہ گھر پر آ کر تصدیق کر سکتے ہیں۔ مگر ہم نہ ان کو تکلیف دینا چاہتے ہیں اور نہ خود تکلیف اٹھائیں گے پھر لکھا ہوا آیا کہ پھر کیا ہو۔ میں نے لکھا اس کا فتویٰ علماء سے حاصل کر لو کہ ایک شخص کی یہ وصیت تھی اور ہم اس کی وصیت کی موافق ان شرائط سے روپیہ دینا چاہتے ہیں۔ خادمان مدرسہ ان شرائط کو قبول نہیں کرتے اس میں کیا فتویٰ ہے۔ بس جو فتویٰ ہو اس پر عمل کر لیا جائے اس پر لکھا ہوا آیا کہ نہ ہم رسید چاہتے ہیں اور نہ تصدیق مذکور صرف دو طالب علموں کی تصدیق کرا دیں اور روپیہ بھیجتے رہیں۔ میں نے منظور کر لیا اتفاق سے اس وقت ہمارے یہاں دو افسر سرکاری ایک جج ایک ڈپٹی کلکٹر قیام کئے ہوئے تھے۔ میں نے دونوں کی تصدیق لکھا کر بھیجدی بھیجنے والے بے حد خوش ہوئے۔ پھر فرمایا کہ ایک تو ہم کام کریں اور اوپر سے پابندیاں اور نخرے اٹھائیں اس کی ضرورت ہی کیا ہے اگر ہم پر اعتماد ہے بھیجو۔ نہیں تو مانگتا کون ہے۔ یہاں پر نہ ترغیب ہے نہ تحریک ہے پھر کیوں کسی کا ناز اٹھایا جاوے۔ جی یوں چاہتا ہے کہ دین کی عزت کے لئے اپنے مقصود بھی ہو اور دنیا کی

مصلحت کے لئے لاکھ کروڑ بھی ہو۔ اجی استغنائی القلب تو جس قدر ہونا چاہیئے نہیں ۔ مگر الحمدللہ استغناء عن القلب ہے ۔ حضرت مرزا مظہر جانان رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص ایک ہزار روپیہ لے کر آیا اور خدمت میں پیش کیا۔ فرمایا کہ آج کل مجھ کو حاجت نہیں کیا کروں گا۔ عرض کیا کہ حضرت کسی مصرف خیر میں صرف فرمادیں۔ فرمایا کہ میں تمہارا نوکر ہوں۔ مخبر ہوں۔ خزانچی ہوں۔ میاں خود صرف کردو۔ ان بزرگوں کی کیسی استغناء کی شان تھی اور ہمارے سب بزرگوں کی قریب قریب یہی شان تھی ۔ بحمد اللہ سب ایسے ہی گذرے ہیں۔ استغناء کی شان سب میں تھی مگر ان کمالات پر اپنے کو چھپائے اور مٹائے ہوئے تھے اس وصف میں وہ شان تھی جیسا کسی بزرگ کا الہام ہے ۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم سوائی وہاں بجز مشغولی حق کے کچھ نہ تھا۔ اس مشغولی بحق اور غیرت عن الشغل بغیر الحق کا ایک نمونہ ایک حکایت سے پیش کرتا ہوں۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ کا ایک خط آیا تھا نواب صاحب چھتاری کے نام جب اُن کا ارادہ ہجرت کر کے مکہ معظمہ میں عمر گذارنے کا تھا اور عارضی طور پر اپنی ریاست کا انتظام کرنے کے لئے ہندوستان آئے تھے اُس وقت حضرت نے اُن کو لکھا تھا کہ اس انتظام میں اپنے خرچ کے لئے تو ریاست سے روپیہ منگانا تجویز کریں۔ مگر داد و دہش کے لئے منگانے کا انتظام نہ کریں۔ یہ بھی غیر حق کی طرف مشغولی ہے جو عابد مجرد کے لئے تو زیبا ہے مگر عاشق کے لئے زیبا نہیں اور یہ شعر لکھا ہے

نان دادن خود سخائے صادق است　　جان دادن خود سخائے عاشق است

اور یہاں مکہ میں رہ کر مشغولی بغیر حق سخت مضر ہے۔ اور اصل بات تو یہ تھی کہ تم اپنے لئے بھی منگانا تجویز نہ کرتے اس لئے کہ کریم کے دروازہ پر کھانا باندھ کر لانا بہت ہی سوء ادب ہے ۔ مگر چونکہ تم ابتداء سے اس کے خوگر ہو اس لئے تم اپنے لئے انتظام کر کے لاؤ ورنہ موجب تشویش ہوگا اور تشویش بھی مضر ہے کیا ٹھکانا ہے حضرت کی اس بصیرت کا۔ بزرگوں کے یہاں اس کا ہمیشہ اہتمام رہا کہ مشغولی بغیر حق نہ ہو۔

ملفوظ ۱۶۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ محض زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلتا ۔ کام کرنے سے کام چلتا ہے۔ ایک بزرگ نے بہت اچھی بات لکھی ہے ۔ بڑے کام کی بات ہے کہ اے عزیز بزرگوں کے ملفوظات کے یاد کرنے کا اہتمام نہ کرو بلکہ اس کی کوشش کرو کہ تم ایسے ہو جاؤ کہ تمہاری زبان سے بھی وہی نکلنے لگے جو اُن کی زبان سے نکلا۔ اس کی ایک مثال ہے کہ ایک قلعہ ہے اُس میں رسد جمع کرنا ہے تو پانی کا ایک بہت بڑا حوض تیار کرایا اور اس کو بیرونی پانی سے بھر لیا مگر اس سے اچھا یہ ہے کہ ایک چھوٹا سا کنواں اندر کھود لو گو پانی تھوڑا ہوگا مگر آتا رہے گا

برابر خرچ کرتے رہو نکالتے رہو۔ کمی نہ ہوگی۔ اسی طرح اپنے اندر کنواں کھود لو۔

ملفوظ ۱۸۰: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حقیقی مسرت بچوں کو نصیب ہوتی ہے کہ وہ تکلف سے مسرت ظاہر نہیں کرتے جو کچھ دل میں ہوتا ہے اسی کو ظاہر کرتے ہیں اسی واسطے ان کی ہر ادا محبوب اور پیاری ہوتی ہے۔ حضرت مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود حد درجہ نازک مزاج ہونے کے اور باوجود بچوں کے بے تمیز ہونے کے ان کی ادائیں دیکھنے کے لئے اپنے ایک مرید سے فرمایا کہ میاں تم اپنے لڑکوں کو ہم کو دکھاؤ۔ یہ سمجھے کہ حضرت نازک مزاج ہیں بچے شوخ ہوتے ہیں کوئی گڑبڑ کریں گے حضرت کو تکلیف ہوگی اس خیال سے ٹال گئے۔ حضرت نے پھر فرمایا کہ میاں تم سے بچوں کے لانے کو کہا تھا اسی طرح کئی دفعہ فرمایا۔ اب یہ سمجھے کہ جان نہ بچے گی۔ بچوں کو خوب تعلیم دے کر اور ان کو خوب مہذب بنا کر ان کو لے کر خدمت میں حاضر ہوئے وہ لڑکے گردن جھکا کر نہایت متانت اور تہذیب سے بیٹھ گئے۔ حضرت نے ان کو بہت چھیڑا مگر وہ کھلے ہی نہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ میاں تم بچوں کو نہیں لائے۔ عرض کیا کہ حضرت یہ تو بیٹھے ہیں۔ فرمایا کہ یہ بچے ہیں یہ تو تمہارے بھی باوا ہیں۔ بچے تو ایسے ہوتے ہیں کہ کوئی کودتا کوئی پھاندتا کوئی ہمارے سر سے ٹوپی اتار کر بھاگ جاتا پھر فرمایا دیکھو بیچارے ان حضرات کا عدل کہ بچوں سے وہی بات پسند تھی جو بچوں میں فطری ہوتی ہے یہ حضرات بڑے عادل ہوتے ہیں۔

ملفوظ ۱۸۱: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میرے حیدرآباد والے ماموں صاحب فرماتے تھے کہ دو چیزیں خاص طور پر قابل رحم اور قابل خیال ہیں۔ ایک عورت اور ایک مسجد ان دونوں میں ایک چیز مشترک ہے کہ ان دونوں کا اپنے کو کوئی ذمہ دار نہیں سمجھتا اس لئے ان کے حقوق بہت ہی کم ادا کئے جاتے ہیں حالانکہ اگر عورتیں خاوندوں کو تنگ کرنا چاہیں تو خاوند کچھ نہیں کر سکتے اور جو عورتیں خاوندوں کے قابو میں ہیں اور ان کو پریشان نہیں کرتیں وہ مردوں کا کمال نہیں عورتوں کا کمال ہے اگر خدانخواستہ عورتیں بگڑ جائیں تو خاوند ان کا کچھ نہیں کر سکتے مردوں کی یہ تمام اکڑفوں اسی وقت تک ہے جب تک کہ عورت کچھ نہیں بولتی۔

ملفوظ ۱۸۲: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل خوشخطی تو فنا ہی ہو گئی۔ اکثر بہت ہی بھدے خطوط آتے ہیں۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خط نسخ و نستعلیق دونوں قسم کا نہایت ہی پاکیزہ تھا۔ اللہ نے ہر قسم کا حسن دیا تھا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا نہایت خوش نما خط تھا۔ ان حضرات کی تو ہر بات ہی دلکش تھی۔

ملفوظ ۱۸۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک شخص کی ماں بدکار تھی اس نے ماں کو قتل کر دیا۔ لوگوں نے

پوچھا کہ یہ کیا کیا اُن بدمعاشوں کو کیوں نہ قتل کیا۔ کہا کہ جڑ تو یہی تھی اس لیے جڑ ہی کو الگ کر دینا چاہیئے۔ یہ حکایت اس پر بیان فرمائی کہ ایک صاحب اپنی ملازمت کا ذکر کرتے ہوئے بیان کر رہے تھے کہ بہت سے کام ایسے کرنے پڑتے ہیں جن کو بوجہ خلاف دین ہونے کے کرنے کو دل نہیں چاہتا۔

ملفوظ ۱۸۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ عورت کو مطیع بنانے کی یہی ایک تدبیر ہے کہ اس کو خوش رکھے اور یہی خاوند کو راضی رکھنے کی تدبیر ہے۔

۶ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

ملفوظ ۱۸۵: ایک مولوی صاحب یہ ذکر کر رہے تھے کہ جس قدر تعلیم میں وسعت کی جا رہی ہے اور اس پر ہزاروں روپیہ صرف کیا جا رہا ہے اسی قدر قابلیت گھٹتی جاتی ہے حتیٰ کہ ان جدید تعلیم یافتوں کا املا تک صحیح نہیں ہوتا باوجود اس کے کہ وہ سرکاری عہدوں پر ممتاز ہو جاتے ہیں۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ آپ نے بالکل صحیح فرمایا قابلیت کی یہ حالت ہے بھائی اکبر علی مرحوم کہتے تھے کہ ایک سب جج کے اجلاس پر اُن کی شہادت تھی بیان ختم ہونے کے بعد کہا کہ یہ اپنا بیان پڑھکر دستخط فرما دیجئے اور جہاں کوئی اعتراض ہو درست کر دیجئے۔ اُس میں ایک جگہ اعتراض کا لفظ تھا اور وہ (ز) سے لکھا تھا۔ بھائی نے کہا کہ مجھ کو صرف اس اعتراض پر اعتراض ہے۔ سب جج صاحب کہنے لگے کہ آہا میں بھولا (ظ) ہونی چاہیئے تھی اگر اتنا کہکر خاموش ہو جاتے کہ میں بھول گیا تب بھی بہتر تھا (ظ) کہہ کر اپنی قلعی کھول دی اور تھے سب جج۔

ملفوظ ۱۸۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ قناعت بھی جبھی ہو سکتی ہے جبکہ اپنے حوائج کو محدود رکھے اور حدود سے آگے بڑھ جانے میں پھر قناعت بھی مشکل ہے۔

ملفوظ ۱۸۷: فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے۔ انہوں نے مدخَتم میں دعاء کرائی تھی بحمداللہ کامیاب ہو گئے۔ لکھتے ہیں کہ حضور کو اور ذاکرین کو کچھ مٹھائی بھیجوانے کا ارادہ ہے اگر اجازت ہو۔ میں نے لکھا کہ معمول کے خلاف ہے اس پر فرمایا کہ غنیمت ہے کہ فہم سے کام لیا اجازت حاصل کی۔ اگر بدون اجازت ایسا کرتے تو بڑی گڑبڑ ہوتی۔ بس میں یہی چاہتا ہوں کہ ہر معاملہ میں عقل اور فہم سے کام لو کچھ بھی گڑبڑ نہ ہو۔ انہوں نے ڈھنگ اور سلیقہ سے ایک بات معلوم کی لطف سے جواب دے دیا گیا۔ کوئی فتنہ جھگڑا نہیں ہوا۔ اگر بے ڈھنگا پن اختیار

کرتے تو اس طرف سے بھی ایسا ہی روکھا سوکھا جواب ملتا۔ یہی میری بدخلقی سمجھی جاتی۔

ملفوظ ۱۸۸: فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ یہاں پر ایک شخص ہیں وہ عرضی نویسی کا کام کرتے ہیں ان کو وعظ کہنے کا شوق ہے اور وہ جمعہ سے پہلے وعظ بیان کرتے ہیں جس سے لوگوں کی سنتوں میں خلل پڑتا ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ میں نے جواب میں لکھا ہے کہ کیا وہ شخص فتویٰ دیکھ کر رک جائیں گے اگر یہ امید ہے تو ان سے کہئے کہ وہ خود پوچھیں۔ اس پر فرمایا کہ اس جواب سے فتنہ فساد کا بھی سدباب ہوگیا اور عاقل کے نزدیک حکم بھی ظاہر ہوگیا۔ ورنہ اچھا خاصا جنگ کا سامان ہوتا۔ اس خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ امیر مختار کی شرح فرمایئے۔ میں نے لکھا ہے کہ آپ اس شرح کو لے کر کیا کریں گے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ بعض لوگ بعد نماز جنازہ کہا کرتے ہیں کہ قل ھو اللہ پڑھ کر میت کو بخشدو۔ کیا یہ جائز ہے۔ میں نے لکھا کہ آپ کو شبہ کاہے سے پڑا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں رسم ہے کہ مردے کو ایک صندوق میں بند کرکے اس کو دفن کردیتے ہیں اور قبر اوپر سے خام رہتی ہے مگر چہار طرف سے اس کو پختہ کرا دیا جاتا ہے کیا یہ جائز ہے۔ اس سب کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ جواب بحوالہ کتب تحریر فرمایا جاوے۔ میں نے لکھدیا ہے کہ کیا اس رسم کے متعلق آپ کے ذمہ انتظام ہے۔ اور کیا بدون حوالہ کتب غلط جواب ملنے کا احتمال ہے اب ان جوابات پر جھلائیں گے اس لئے کہ سب ضابطہ کے جواب ہیں۔ ان سب سوالوں کے متعلق یہ فرمایا کہ بعض لوگوں میں مرض ہوتا ہے کہ دوسروں کے درپے ہوتے ہیں ان کو اپنی فکر ذرا نہیں ہوتی۔ ان سب جوابات کا حاصل یہ ہے کہ اپنی فکر میں لگو مگر چونکہ فہم کا قحط ہے اس لئے ان جوابوں سے کسی نفع کی امید نہیں بلکہ خفا ہوجائیں گے حالانکہ یہ سب اصلاح ہے۔ کہ تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو۔

ملفوظ ۱۸۹: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ غیر مقلد بظاہر تو متبع سنت معلوم ہوتے ہیں فرمایا جی ہاں یہاں تک کہ سنت کے پیچھے بعضے فرائض تک کو بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں یہ ایسے متبع سنت ہیں۔ اکابر امت کی شان میں گستاخی کرنا کیا یہ فرض کا ترک نہیں۔ بہت ہی بے باک فرقہ ہے۔ ابن تیمیہ اور ابن القیم جو ان کے بڑے ہیں اور یہ ان کو امام مانتے ہیں اور واقع میں ہیں بھی بڑے درجہ کے مگر جرأت سے وہ بھی خالی نہیں۔ اور باوجود اس کے کہ وہ ہمارے اکابر پر بھی جرأت کر بیٹھتے ہیں۔ مگر ہماری ہمت ان کے ساتھ گستاخی کرنے کی نہیں ہوتی۔ ان حضرات میں غصہ بہت ہے۔ جب غصہ آتا ہے بے دھڑک لکھتے چلے جاتے ہیں۔ ادب یا احترام کسی کا یاد نہیں رہتا۔ استواء علی العرش کے مسئلہ میں دعویٰ تو سلف ہی کے مسلک پر ہونے کا ہے مگر تقریر میں ایسے غلو کے الفاظ آجاتے ہیں جن سے مشبہ اور مجسمہ کے مذہب کا ایہام ہوجاتا ہے۔

ملفوظ ۱۹۰: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض لوگ مجھ کو متعارف نرمی کا برتاؤ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ اُن کا یہ مشورہ حقیقت سے بے خبری کی بناء پر ہے جو دخل در معقولات سے کم درجہ نہیں رکھتا۔ اب میں اپنے تجربات پر عمل کروں یا ان کے مشوروں پر۔ کام تو میرے سپرد اور مشورہ ان کا۔ یہ کیسی بے جوڑ بات ہے۔ ایک صاحب نے لکھا تھا کہ میں حضور اقدس کے دیدار سے مشرف ہو کر دست مبارک پر بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ میں نے لکھا کہ کیا ان دونوں کا جمع کرنا لازم ہے یہ بھی لکھا ہے کہ ؎

یک زمانے صحبتے با اولیا　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

میں نے لکھا کہ یہ معمہ بازی چھوڑ دو ایک جز کو صاف صاف لکھ کر اُس کا جواب معلوم کرو جب وہ طے ہو جائے تب دوسری بات لکھو۔ یہ بھی لکھا ہے کہ حضور بیعت فرما کر مشرف فرمائیں اس میں بھی صفائی اور سادگی نہیں اور بات جب تک صاف نہ ہو تلحقیں اور تخمین کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس کا مطلب ہے کیا۔ اس تخمین پر مجھکو لوگ وہمی کہتے ہیں۔ اب تحقیق اور تفتیش پر دیکھو دیکھئے کیسے ان کے پردے کیا معلوم ہوتے ہیں اور کیسی چوری پکڑی جاتی ہے۔ ایک صاحب بیعت پر بے حد مصر تھے انہوں نے بھی لکھا تھا کہ میں ہر حکم کے بجالانے کے لئے تیار ہوں۔ میں نے لکھا کہ اچھا ایک حکم یہ ہے کہ بیعت پر اصرار کرنا چھوڑ دو۔ جواب لکھا ہے کہ حضور بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نے لکھا کہ پھر یہ بات لکھی ہی کیوں تھی۔ یہ ہر حکم کی تعمیل کہاں ہوئی ان لوگوں کی نبضیں میں ہی خوب پہچانتا ہوں۔ ان میں جو مرض ہے میں اُس کو بحمد اللہ خوب سمجھتا ہوں۔

ملفوظ ۱۹۱: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تبلیغ وہاں فرض ہے جہاں تبلیغ نہ ہوئی ہو۔ اور جہاں تبلیغ ہو چکی ہو وہاں اس میں استحباب کا درجہ ہے جیسے ایک شخص کو معلوم نہیں کہ سنکھیا مضر اور ہلاکت کا سبب ہے اس کو تو بتلانا فرض ہے اور جس کو معلوم ہے اس کو بتلانا فرض نہیں ویسے اگر اُس کو کھاتے دیکھے اور بتلائے تو تبرع اور احسان ہے۔

ملفوظ ۱۹۲: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اقدس بڑی ہی بابرکت ذات تھی۔ حضرت کے فیوض باطنی سے ایک عالم متاثر ہو گیا۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرما رہے تھے اور ذکر میں درجہ محویت کا تھا مگر ذکر کرتے کرتے دفعۃً فرمایا کہ یہ سب کچھ ہے مگر جو بات حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں تھی وہ کسی میں بھی نہیں تھی۔ واقعی حضرت حاجی صاحب عجیب جامع تھے۔ عاشق بھی بے بدل اور عارف بھی بے بدل۔

ملفوظ ۱۹۳: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر میں ایک خاص کیف ہوتا ہے۔ فرمایا کہ مقبول کی یہی شان ہوتی ہے۔

ملفوظ ۱۹۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ اصلاح کا باب بڑا ہی نازک ہے۔ بدون مہارت فن کے مشکل ہے کہ کسی کی اصلاح کر سکے۔ ایک صاحب نے اپنے حالات لکھے تھے۔ ان کی چند مرتبہ کی مکاتبت کے بعد میں نے لکھا کہ آپ نے نا تمام جواب دیا ہے۔ یہ تو خیال کا انقلاب ہے۔ میں اعمال کا انقلاب پوچھتا ہوں۔

ملفوظ ۱۹۵: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایک صاحب ہیں نہایت قابل ہیں۔ پہلے وہ بالکل جنٹلمین تھے۔ اب حضرت کے وعظ دیکھتے ہیں۔ بالکل حالت بدل گئی۔ ایک صاحب نے اُن سے کہا کہ ہندوستان میں حضرت سے بڑھکر کوئی نہیں انہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ تمام دنیا میں حضرت مولانا سے بڑھکر کوئی نہیں۔ فرمایا کہ انہوں نے دنیا دیکھی کہاں ہے جو ان کا یہ کہنا صحیح مانا جائے یہ تو ایسی بات ہے کہ جیسے ہمارے ایک تائی صاحبہ تھیں انہوں نے کسی بات پر بھائی اکبر علی مرحوم سے کہا کہ دنیا میں یوں ہی ہوتا ہے۔ بھائی مرحوم نے کہا کہ تم کو دنیا کی کیا خبر میرا گھر تمہارا گھر بس یہ تمہاری دنیا ہے تم نے دنیا دیکھی کہاں ہے۔ اسی طرح ان بیچاروں نے دنیا دیکھی کہاں ہے۔ دوسرا ان بیکار باتوں میں کیا رکھا ہے۔ کام کی باتیں کرنا چاہیئے۔ کام میں لگنا چاہیئے۔ یہ مسلم ہے کہ وعظ دیکھ کر اپنی اصلاح میں لگے ہوئے ہیں مگر یہ باتیں بیکار ہیں کوئی ایسا دنیا میں ہو یا نہ ہو۔ اُن کو اس سے کیا بحث۔

۷ر جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم یکشنبہ

ملفوظ ۱۹۶: ایک صاحب نے عرض کیا حضرت السنۃ الجلیلہ میں وحدۃ الوجود کی بحث ہے یا نہیں فرمایا کہ السنۃ الجلیلہ میں بزرگوں کی اُن چیزوں کی تحقیق ہے جن سے لوگ تمسک کرتے ہیں۔ مثلاً سماع ہے کہتے ہیں کہ انہوں نے سنا تھا ہم بھی سنیں گے۔ مگر یہ کوئی نہیں کہتا حسین بن منصور نے انا الحق کہا تھا ہم بھی کہیں گے اس لئے وحدۃ الوجود کے مسئلہ کا اس میں کوئی جوڑ نہ تھا۔

ملفوظ ۱۹۷: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ محض اپنی رائے سے کسی قسم کا مراقبہ وغیرہ کرنا بدون معلم کی اجازت کے مناسب نہیں بلکہ بعض اوقات بجائے نفع کے مضرت کا

اندیشہ ہے کبھی ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ جیسے مریض کا اپنی رائے سے کوئی دوا کھانا۔

ملفوظ ۱۹۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ السنۃ الجلیۃ فی الچشتیۃ العلیۃ، جو بزرگان دین کی تعریف میں ہے میں نے لکھا ہے اس رسالہ میں تین باب ہیں اول کے ہیں ان حضرات کے وہ اقوال جن میں انہوں نے اتباع شریعت کی تاکید فرمائی ہے ثانی میں اُن کے بعض وہ افعال جن سے خود اُن کا شدت کے ساتھ متبع شریعت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ثالث میں بعض ایسے اقوال یا افعال کی توجیہ جو خلاف ظاہر حالت غلبہ میں یا کسی خفی عارض سے اُن سے صادر ہو گئے ایسے امور متعدد ہیں مگر اُن میں سے ایک خاص اشکال کے متعلق جو کثیر الوقوع اور کثیر التذکرہ ہے نمونہ کے طور عرض کرتا ہوں اور وہ سماع کے متعلق ہے اس مختصر تفصیل یہ ہے کہ مزامیر کو تو ان بزرگوں نے بڑی سختی سے منع کیا ہے خود سلطان جی کا ارشاد دہلی ان کے ملفوظات فوائد الفواد میں چھپا ہوا موجود ہے اور یہ مزامیر بھی آج کل کا سماع نہ تھا جیسے کہ بریلی میں ایک مجلس سماع میں کلکٹر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کو کہ دونوں انگریز تھے مدعو کیا گیا اور وقت سماع اُن پر بھی وجد کی سی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔ کیا یہ حالت محمودہ تھی جس میں ایمان بھی شرط نہیں۔ پھر اس کو نہایت فخر کے ساتھ بیان کیا گیا اس غلو کی کوئی حد ہے بڑا ہی دھوکہ ہے اور اس پر بزرگوں کے فعل سے استدلال کرنا سخت جہل ہے اور اس کے علاوہ کیا ایک ہی چیز میں اُن کا اتباع یا اُن کے قول و فعل سے استدلال کرنا رہ گیا۔ اور اُن کے طاعات و مجاہدات میں اُن کا اتباع نہیں کیا جاتا چنانچہ خود اُن ہی کتابوں میں اُن کے حالات کتاب و سنت پر عمل کرنیکے بھی تو لکھے ہیں اُن کو کیوں نہیں اختیار کرتے۔ سنۃ جلیہ کے لکھنے کے وقت میرے پاس ان حضرات کے حالات معلوم کرنے کے لئے زیادہ کتابیں نہ تھیں اور نہ اس کی ضرورت تھی مجھ کو تو نمونہ پیش کرنا تھا سو وہ بحمد اللہ جمع ہو گیا علاوہ اعمال اختیاریہ کے اللہ تعالیٰ نے اُن کو کمالات و کرامات بھی تو عطا فرمائے تھے سو تم کس کس بات میں اُن کی مساوات کرو گے۔ چنانچہ حضرت قطب صاحب سماع سن رہے تھے اس وقت بہت کم عمر تھے کہ ڈاڑھی بھی نہ نکلی تھی۔ چند علماء جمع ہو کر اعتراض کرنے کے لئے آئے اور قطب صاحب سے کہا کہ سماع کی بہت سی شرائط ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ بھی ہے کہ امرد شریک نہ ہو اور آپ خود امرد ہیں ایسی حالت میں کہاں جائز ہے آپ نے منہ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا لو دیکھ لو یہ داڑھی ہے۔ چنانچہ داڑھی ظاہر ہو گئی۔ علماء قدموں پر گر گئے اور معافی چاہی۔ اور حقیقت مشترکہ سب عذروں کی یہ ہے کہ یہ لوگ عشاق تھے اور عاشق اپنے خاص حالات میں معذور ہوتا ہے جو کچھ اُن سے ہوا اکثر غلبۂ حال میں ہوا۔

ملفوظ ۱۹۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض لوگوں کو آج کل یہ مرض ہے کہ وہ بیٹھے ہوئے ادھر

کی اُدھر کیا کرتے ہیں۔ یا دل ہی دل میں فضول مسودے گانٹھا کرتے ہیں حتی کہ بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہو کر بھی ان وساوس میں آلودہ رہتے ہیں۔ ایک شخص نے مجھ سے خود بیان کیا کہ میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھا ہوا دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ معلوم نہیں عند اللہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ زیادہ ہے یا حضرت حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا۔ حضرت اس خطرہ پر مطلع ہو گئے۔ فرمایا میاں تم کو اس سے کیا بحث بادل کا ہر ٹکڑا سیراب کرنے کے لئے کافی ہے پھر تم کو اس کی کیا فکر کہ ان میں کون ٹکڑا بڑا ہے کون چھوٹا۔

ملفوظ: ۲۰۰ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض بزرگوں پر اعتراض ہے کہ متبع شریعت نہ تھے محض غلط ہے یہ حضرات سلف کے طریق پر تھے اُن میں خشیت تھی۔ اور بعض خلاف ظاہر باتوں کا جو اُن سے صدور ہوا وہ اس وجہ سے ہے کہ بعض حضرات پر شورش کا غلبہ تھا اس میں معذور تھے اور بھلا احکام شریعت میں تو کیا کوتاہی کرتے۔ ان حضرات نے تو حقوق طریق تک پورے ادا کیے ہیں۔ دیکھیے ایک قصہ عرض کرتا ہوں اس سے حقوق طریق کی کس قدر رعایت ثابت ہوتی ہے۔ حضرت سلطان جی مرید ہیں حضرت شیخ فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ سے۔ ایک بار نصوص کا ذکر آ گیا شیخ فرید رح کی زبان سے نکلا کہ نصوص کے نسخے اکثر غلط ہیں۔ سلطان جی کی زبان سے نکل گیا کہ حضرت فلاں شخص کے پاس صحیح نسخہ ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ جی ہاں واقعی بدون صحیح نسخہ کے مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ بات آئی گئی ہوئی۔ جب سلطان جی مجلس سے اٹھے حضرت شیخ کے صاحبزادہ نے کہا خبر بھی ہے حضرت شیخ نے کیا فرمایا کہ وہ خالی الذہن تھے کہنے لگے میں تو کچھ نہیں سمجھا صاحبزادہ نے کہا حضرت شیخ نے اپنی ناراضی ظاہر کی گویا تم نے حضرت شیخ کی استعداد علمی پر حملہ کیا کہ بدون صحیح نسخہ کے وہ کتاب کو نہیں سمجھ سکتے اس لئے صحیح نسخہ کا پتہ بتلایا گیا۔ اتنا سننا تھا کہ سلطان جی دم بخود رہ گئے اور حاضر ہو کر معافی چاہی شیخ راضی نہیں ہوئے۔ صاحبزادہ نے سفارش کی تب راضی ہوئے۔ لوگ آج کل تشدد تشدد گاتے پھرتے ہیں ان حضرات کو دیکھئے یہ تو سب فانی تھے پھر کتنی بعید دلالت پر کیسی تادیب فرمائی۔ حضرت سلطان جی فرماتے ہیں کہ گو حضرت راضی ہو گئے مگر میرے دل میں ساری عمر کانٹا سا کھٹکتا رہا کہ میں نے شیخ سے ایسی بات کیوں کہی جس سے حضرت کو تکلیف پہونچی۔ دیکھا شیخ کے حقوق کی رعایت کا قلب میں کس قدر اہتمام تھا جب شیخ کی یہ عظمت تھی تو یہ حضرات اللہ اور رسول کے حقوق کو تو کیسے فراموش کر سکتے تھے۔

ملفوظ: ۲۰۱ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں تعظیم کو تو پسند نہیں کرتا البتہ محبت سے جی خوش ہوتا ہے مگر وہ بھی ضروری نہیں بلکہ مناسبت ضروری ہے۔ اور علامت مناسبت کی

یہ ہے کہ شیخ کی کسی بات پر کوئی اعتراض بدرجہ انقباض نہ ہو اور اسے یہ تردد بھی نہ ہو کہ ایسی حالت میں اس سے تعلق رکھوں یا نہ رکھوں اگر اس شان کا اعتراض پیدا ہو تو کسی اور سے تعلق پیدا کر لو اس لئے کہ جب شیخ کی طرف سے کھٹک ہے تو نفع ہرگز نہ ہو گا ہر وقت حجاب رہے گا۔ اور مناسبت نفع کے لئے اصل شرط ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ ناجائز امر کو شیخ کے لئے جائز سمجھے بلکہ باوجود ناجائز سمجھنے کے اعتراض و تردد بقید مذکور نہ ہو۔

ملفوظ ۲۰۲: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بزرگان سلف نے طالبین کے بڑے بڑے سخت امتحان لئے ہیں۔ ایک بزرگ سے ایک شخص مرید ہوتے آیا غضب کا امتحان لیا کہا کہ میں ایک بلا میں مبتلا ہو گیا ہوں اور مریدوں سے تو کہہ نہیں سکتا اعتقاد جاتا رہے گا اور تم ابھی مرید نہیں ہوئے محض دوست ہو اس لئے تم پر ظاہر کرتا ہوں اس میں تمہاری امداد کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ میں ایک عورت پر عاشق ہوں بہت سی سعی اور کوشش کے بعد اس نے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ ایک شب کے لئے میرے پاس آجائے۔ لہذا آج وہ آئے گی اس کے مکان کا یہ پتہ ہے اور مشورہ سے ایک خاص آواز تجویز ہو گئی ہے کہ ایسی آواز پر وہ میرے فرستادہ کی ساتھ چلی آئے گی لہذا تم ایسی آواز دیکر اس کو اپنی ہمراہ لے آنا اور یہ بزرگ یہ سمجھے کہ اب میرے پاس نہیں آئے گا اور یہ خیال کرے گا کہ یہ شیخ کدھر سے ہے یہ تو زانی ہے مگر وہ اس بی بی کو لے کر آ گیا اب یہ سمجھے کہ صبح کو نظر نہ آئے گا۔ مگر صبح کو دیکھا کہ گھڑے کے نیچے چولہے میں پانی گرم کرنے کے لئے آگ جلا رہا ہے۔ پوچھا کہ کیا کرنا ہے کہا غسل کے لئے پانی گرم کر رہا ہوں۔ یہ عورت شیخ کی بیوی تھی کوئی غیر محرم عورت نہ تھی۔ مگر کمال ہی کیا امتحان کی بھی حد ہو گئی۔

-:-

-:-

قرآن و سنت کی روشنی میں زندگی کے سیکڑوں مسائل کا حکیمانہ حل

ملفوظات حکیم الامت رح

جلد چہارم

قسط دوم

الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ

مسلسل ترتیب کی قسط ۱۷

مجدد ملت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ

باھتمام ——— نسیم احمد

ناشر
ادارہ فکر اسلامی دیوبند (یوپی) ۲۴۷۵۵۴

نام کتاب	ملفوظات حکیم الامت جلد چہارم قسط دوم
باہتمام	نسیم احمد بن شمس الحسن صاحب مرحوم
سن طباعت	۱۹۸۹ء ۱۴۰۹ھ
طباعت	محبوب پریس دیوبند
کتابت	فرمود عالم قاسمی دینا جپوری
قیمت	فی قسط ۱۲/ روپے

ملفوظات حکیم الامت کی جلد چہارم قسط دوم مسلسل ترتیب کی قسط ۱۷ ناظرین کے سامنے پیش ہے۔ کوئی بھی شخص ایک خط لکھ کر ممبر بن سکتا ہے۔ فیس ممبری کچھ نہیں۔ ممبر بننے کے بعد ہر دو ماہ میں ایک ایک قسط ۱۲/ روپے کی وی پی سے اور دو قسط ایک ساتھ ۲۵/ روپے کی وی پی سے ارسال ہوگی، جس کا وصول کرنا آنجناب کا اخلاقی فریضہ ہوگا۔

منیجر ادارہ

فہرست مضامین ملفوظات حضرت حکیم الامت جلد قسط

۷ رجمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم یکشنبہ

ع ۲۰۳

ملفوظ: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بزرگان سلف کا طرز عمل اور مسلک اصلاح کے باب میں دیکھ لیا جائے کہ کیسے کیسے امتحانات طالبین کے لئے ہیں اور وہ لوگ کس قدر ثابت قدم رہے ایک رسالہ ہے آداب الشیخ والمرید یہ شیخ اکبر کا رسالہ ہے عربی میں تھا اب اس کا ترجمہ اردو میں ہو گیا اس کے دیکھنے سے حقیقت معلوم ہوگی کہ طالب علم کے لئے کیا کیا شرائط لکھے ہیں۔ یہ تو اس زمانہ کے شیخ نہیں سلف میں سے ہیں جن کا مسلک حجت ہے اور میرا انتظام وہاں تک پہونچا ہوا بھی نہیں مگر مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے سخت بتلایا جاتا ہے حالانکہ میں نے کبھی امتحان کا قصد بھی نہیں کیا۔ شروع ہی سے تعلیم کرنا شروع کر دیتا ہوں۔ امتحان سے تو میں خود ہی ڈرتا ہوں۔ مگر بزرگان سلف نے تو ہمیشہ قصداً امتحان لیا ہے۔ ایک شخص ایک بزرگ سے اسم اعظم معلوم کرنا چاہتا تھا ان بزرگ نے معلوم کیا کہ اس میں ضبط کا مادہ نہیں معلوم نہیں کس کس کو سکھلا دے گا اس لئے یہ اس کا اہل نہیں۔ عرض کیا کہ حضرت کبھی حکم کے خلاف نہ کروں گا یہ لوگ بڑے ظرف کے ہوتے ہیں۔ فرمایا اچھا ٹھہرو یہ ٹھہر گیا۔ دو چار روز کے بعد دو پلیٹ بند لاکر اس شخص کو دیں اور فرمایا کہ فلاں مسجد میں ایک بزرگ رہتے ہیں ان کو یہ پہونچا آؤ مگر راستہ میں کھول کر نہ دیکھنا۔ یہ شخص لے کر چلا اب راستہ میں اس پر کشمکش کا غلبہ ہوا کہ اس میں ہے کیا۔ اگر شیخ یہ نہ فرماتے کہ کھول کر نہ دیکھنا تو شاید اس قدر ہیجان نہ بھی ہوتا۔ مگر وہ کہہ دینا غضب ہو گیا۔ سوچتا ہے کہ اس میں ایسی کیا چیز ہے کہ جس کے دیکھنے کی ممانعت کی ہے۔ پھر خیال کیا کہ شاید کوئی چیز کھانے کی ہو۔ اور شیخ نے اس لئے منع کر دیا ہو کہ کہیں کھا نہ لے سو میں نہیں کھاؤں گا اس لئے کھول کر دیکھنا چاہئے بس۔ جیسے ہی اوپر کی پلیٹ کو اٹھایا اس میں سے ایک چوہا کود کر بھاگ گیا اب یہ سخت پریشان چیز ایسی کہ آسانی سے ہاتھ نہیں آسکتی۔ غرضکہ خالی پلیٹ لے کر اس مرسل الیہ بزرگ کی خدمت میں پہونچا اور واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ تم نے کوئی درخواست کی ہوگی شیخ نے تیرا امتحان کیا۔ یہ شخص نہایت شرمندگی کے ساتھ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے فرمایا کہ بس اب تو درخواست نہ کرے گا۔ جب تو معمولی چیز کی حفاظت نہیں کر سکا اس امانت کی حفاظت کی تو تجھ سے کیا امید ہو سکتی ہے۔ ایک اور بزرگ کے پاس

جو شخص مرید ہونے آتا شیخ خادم کے ہاتھ کھانا بھیجکر فرماتے کہ یہ شخص جب کھانا کھا چکے تو بچی ہوئی روٹی سالن ہم کو دکھلانا۔ ایسا ہی ہوتا شیخ اس کو ملاحظہ فرماتے اور یہ دیکھتے کہ روٹی سالن تناسب سے بچایا ہے یا نہیں اگر تناسب سے نہ بچتا تو فرما دیتے کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم میں مادہ انتظام کا نہیں لہٰذا تم کو ہم سے مناسبت نہیں ہم تم کو مرید نہ کریں گے۔

ملفوظ ۲۰۴: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر شیخ سے مناسبت نہ ہو دوسرے سے تعلق پیدا کرے وہاں بھی نہ ہو تیسرے سے کرلے اگر کسی سے بھی نہ ہو تو سب کو چھوڑ دے۔ قرآن ہے۔ حدیث ہے فقہ ہے۔ ان پر خلوص سے عمل کرے اور ہدایت و استقامت کی دعاء کرتا رہے۔ بس کافی ہے۔ خدانخواستہ کاملین میں یہ احتمال تھوڑا ہی ہے کہ جس سے ان کو انقباض ہو اس کے دوزخ میں جانے کی تمنا کریں پھر آخرت میں ۔۔۔ یہ انقباض بھی جاتا رہیگا ونزعنا ما فی صدورھم من غل تجری من تحتھم الانھر۔۔ ایک صاحب تھے اُن کو مناسبت ہی نہ تھی بلکہ اور اوپر سے اُن میں اعتراض کا مادہ بھی تھا اور انہوں نے اپنی کج فہمی سے طریق کا خلاصہ یہ نکالا تھا کہ بس پیر پرستی کرو یہ خود رائے خود اس کی دلیل ہے کہ اس شخص کا دماغ خراب ہے میں نے خدا کے فضل سے اور اپنے بزرگوں کی دعاء اور توجہ کی برکت سے طریق کی حقیقت کو واضح کردیا ہے منجملہ اور مسائل کے ایک مسئلہ یہ بھی ظاہر کردیا کہ اصول صحیحہ کا اتباع تم بھی کرو اور شیخ بھی کرے۔ مراد اصول صحیحہ سے اصول شرعیہ و مسائل شرعیہ ہیں۔ پیر پرستی یا شیخ پرستی تو مخلوق پرستی ہے۔ اس کو چھوڑو خدا پرستی اختیار کرو اور میں نعوذ باللہ مخلوق پرستی کو تو کیا گوارا کرتا آنے والوں سے خدمت لینے تک کو پسند نہیں کرتا۔

ملفوظ ۲۰۵: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ شیخ کی تعلیم پر ذرا چوں و چرا نہ کرے ورنہ محروم رہے گا وہ جو مناسب سمجھتا ہے تعلیم کرتا ہے۔ جیسے طبیب حاذق جو مناسب سمجھتا ہے تشخیص کے بعد تجویز کرتا ہے ہاں طالب کو اس کا بیشک حق ہے کہ اس شیخ کو چھوڑ دے مگر یہ حق نہیں کہ تعلق رکھ کر پھر اس کی تجویز میں چون و چرا کرے یا دخل دے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توریت میں مشغول ہونے کی اجازت نہیں فرمائی تھی اور فرمایا کہ میں ایسی شریعت لایا ہوں اس کے سامنے کسی دوسری شریعت کی ضرورت نہیں حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب حضور کے سامنے توریت کے پڑھنے سے یہ تھا کہ سامنے پیش کروں گا تو اصل معلوم ہو جائے گی مگر پھر بھی اجازت نہیں دی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم تمام انبیاء علیہم السلام کے غلام ہیں مگر کریں گے وہی جو حضور حکم فرمائیں دوسری طرف بلاضرورت توجہ بھی نہ کریں گے۔ جیسے ایک شخص کا کوئی غلام ہے تو وہ غلام اس شخص کے

بھائی کا حکم تھوڑا ہی مانے گا حکم تو اس کا ہی مانے گا جس کا غلام ہے۔ البتہ بھائی ہونے کے دوسرے حقوق ہیں وہ ادا کرے گا۔ اسی طرح شیخ کی تعلیم ہوتے ہوئے دوسری تعلیم کی طرف توجہ مضر ہے ہاں تعظیم و ادب و اعتقاد سب شیوخ کا ضروری ہے۔

ملفوظ ۳۰۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض باتیں صورۃً دین ہوتی ہیں مگر حقیقت میں دین نہیں رہتیں نفسانیت سے ان کو دین سمجھ بیٹھتا ہے۔ میرے متعلقین میں ایک شخص تھے لکھے پڑھے مولوی۔ ان کو اس مسئلہ میں عملاً غلو ہو گیا تھا کہ دیہات میں جمعہ نہیں ہوتا۔ مسئلہ تو احناف کے مسلک کے موافق صحیح ہے۔ جو علماء ان کے مقابل تھے ان پر احتجاج کے لئے انہوں نے ایک فتوی مرتب کر کے اس پر تمام ہندوستان کے مشاہیر علماء کے جن کو وہ جانتے تھے دستخط کرائے۔ جہاں جاتے اس فتوی کو ساتھ رکھتے۔ چنانچہ یہاں پر بھی اس کو ساتھ لائے۔ معلوم ہوا کہ ڈیڑھ دو سال سے اسی میں منہمک رہیں۔ میں نے کہا کہ آپ اس اہتمام کو دین سمجھ رہے ہوں گے حالانکہ کھلی دنیا ہے اس لئے کہ اس میں نفس کی آمیزش ہے دوسروں کی تو آپ کو فکر ہے مگر اپنی فکر نہیں کہ نفسانیت سے دین تباہ ہو رہا ہے۔ غرض میں نے خوب ڈانٹ ڈپٹ کی اور ان سب کاغذات کو جلوایا۔ ایسے ہی اوراق ناشی عن النفس کے حق میں کہا گیا ہے ؎

جملہ اوراق و کتب در نار کن سینہ را از نور حق گلزار کن

مجھ سے تو نہیں کہا مگر اور لوگوں سے کہا کہ جس وقت سے وہ ذخیرہ جلا ہے قلب ہلکا اور صاف ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک بڑی اندھیری اور ظلمت سے میں روشنی میں آگیا ؎

ہر چہ از دوست وامانی چہ کفر آں حرف و چہ ایماں ہر چہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش و چہ زیبا

ملفوظ ۳۰۷: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دنیا میں اس درجہ بدفہمی بڑھ گئی ہے اور پھر اس کے ساتھ نفس کی . . . شرارت اور چالاکی بھی کہ جس کا کوئی حد و حساب نہیں۔ ہیں تو بدفہم بدعقل اور سمجھتے ہیں اپنے کو عاقل۔ ایک شخص نے لکھا تھا کہ اگر کسی عورت کو اس نیت سے دیکھے کہ اگر اس سے نکاح ہو گیا تو اسی طرح دیکھوں گا تو کیسا ہے۔ ذرا یہ شیطانی اور نفسانی تدبیر ملاحظہ ہو۔ میں نے لکھا کہ اگر کسی عورت سے زنا کرے اس نیت سے کہ اگر اس سے نکاح ہو گیا تو اسی طرح صحبت کیا کروں گا تو کیسا ہے۔ بس رہ گئے اور سمجھ گئے۔ دیکھا نفس کا کید ایسی ایسی سوجھاتا ہے بڑا ہی چالاک اور مکار ہے۔ شیطان کو اسی نفس نے مردود کرایا۔ بڑا ہی خطرناک ہے۔ عارف ہی اس کی چالاکیوں اور مکاریوں سے خود بھی بچ سکتا ہے اور دوسروں کو بھی بچا سکتا ہے ورنہ ہزاروں کو اس نے خراب اور برباد کر دیا اور خاصکر جب اس کی مدح کی جائے اور اس کی خواہشات کو پورا کیا جائے تب تو یہ اور ہی رنگ اختیار کر لیتا ہے

نفس از بس مدحہا فرعون شد کن ذلیل النفس ہونا لا تسد

ہر وقت اور ہر لحہ ایک نئی شاطرانہ چال نکال کھڑی کرتا ہے۔ البتہ جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہی بچ سکتے ہیں۔ دین کو آلہ بنانا معصیت کا یہ اسی کا کام ہے جس سے اندیشہ کفر کا ہے۔

ملفوظ ۲۰۸: ایک مولوی صاحب کے کسی فضول سوال کے جواب میں فرمایا کہ ان بیکار الجھنوں میں پڑنا وقت کا خراب کرنا ہے۔ ان لفظی تحقیقات میں رکھا کیا ہے اس سے تو اتنا بھی نفع نہیں کہ آدمی کو تن ہی سے مناسبت ہو جائے۔ اصل چیز وحی ہے اس کا اتباع کرنا چاہیئے اور اُسی کی موافق کام میں لگنا چاہیئے۔ اگر انسان کام میں لگے تو ایسی تحقیقات سے بہتر اس کو ایک دولت نصیب ہوگی وہ یہ کہ اپنی آنکھوں سے حقیقت دیکھ لے گا۔ یہ ثمرہ ہوگا اتباع وحی کا اس لئے علاوہ وحی کے دوسرے زوائد کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ ہاں اصول اور قواعد شرعیہ کے ماتحت اگر کسی علم کا وحی سے استنباط ہوتا ہو تو اُس کو اس کے درجہ میں رکھ کر اختیار کر لینے میں کوئی حرج نہیں وہ من وجہ مدلول وحی میں داخل ہے۔ جیسے مجتہدین ظاہری یا باطنی کے علوم۔

ملفوظ ۲۰۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ لوگ مجھ کو سخت گیر بتلاتے رہیں۔ حالانکہ میں دعوے سے تو نہیں کہتا مگر واقعہ ہے کہ میں بہت نرم ہوں۔ خورجہ میں ایک ولایتی بزرگ تھے۔ میں اُن سے ملا ہوں انہوں نے میری نسبت ایک شخص سے کہا کہ بہت اچھے آدمی ہیں مگر مزاج میں قدرے مداہنت ہے بتلایئے اُن کی یہ رائے تھی گویا میں اتنا نرم ہوں کہ ان کو مجھ پر شبہ مداہنت کا ہوا۔ بات یہ ہے کہ سمجھنے کے لئے فہم اور عقل کی ضرورت ہے۔ معترضین سمجھتے نہیں میں بتلاتا ہوں ایک صورت تو یہ ہے کہ خود اصول اور قواعد سخت ہوں وہ بیشک سختی ہے اور ایک صورت یہ ہے کہ اصول اور قواعد تو نہایت نرم اور راحت کے ہیں مگر اُن کا پابند بنایا جاتا ہے سختی سے سو اس میں تشدد کہاں ہوا بلکہ یہ تو راحت اور نرمی ہی کی تقویت ہے۔ دیکھئے نماز کس قدر سہل چیز ہے مگر اس کی پابندی کس سختی سے کرائی جاتی ہے اور اس کے ترک پر کس قدر سخت سزا ہے گو اس سزا میں اختلاف ہے مگر اُس پر سب کا اتفاق ہے کہ اُس پر سخت سزا ہے بعض نے قتل تک کا فتویٰ دیا ہے تو دیکھئے نماز تو سہل مگر اُس کا پابند بنایا جاتا ہے سختی سے تو کیا نماز کو سخت کہدیں گے ... سختی یہ تھی کہ یہ کہا جاتا کہ پندرہ گھنٹے نماز میں کھڑے رہو یہ سختی تھی۔ اب تو یہ ہے کہ الحمد شریف کے بعد قل ہو اللہ ہی پڑھ کر نماز ختم کردو۔ اور کسی کو یہ بھی یاد نہ ہو تو جب تک یاد ہو تین مرتبہ سبحان اللہ پڑھ کر رکوع میں چلے جاؤ۔

ملفوظ ۲۱۰: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میری نظر احتمالات پر بہت جاتی ہے اور یہ خدا کی نعمت ہے

کہ مضر احتمالوں کو روکتا ہوں جس سے دوسروں کو نفع پہونچتا ہے اس روک ٹوک کو لوگ بداخلاقی سمجھتے ہیں اس کے متعلق میں کہا کرتا ہوں کہ میری بد اخلاقی کا منشا خوش اخلاقی ہے کہ سب کو راحت پہونچانا چاہتا ہوں اور کلفت کے اسباب کو روکتا ہوں۔

ملفوظ ۲۱۱: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو جیسے دوسروں کی اصلاح کا اہتمام کرتا ہوں الحمدللہ اپنے سے بھی غافل نہیں ہوں ہر وقت اپنی اصلاح کی فکر میں رہتا ہوں اور یہ تو راہ ہی ایسی ہی ہے

اندریں رہ می تراش و می خراش — تادم آخر دمے فارغ مباش

ملفوظ ۲۱۲: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ الحمدللہ میں خود کسی پر اپنی طرف سے بار ڈالنا نہیں چاہتا آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ اوروں پر تو کیا بار ڈالتا اپنے گھر والوں کے ساتھ ایسا برتاؤ رکھتا ہوں کہ میری وجہ سے ان پر ذرہ برابر گرانی اور بار نہ ہو۔ تنخواہ دار ملازموں تک کے ساتھ یہی برتاؤ ہے اور یہ میں تحدث بالنعمۃ کے طور پر بیان کرتا ہوں کہنا تو نہیں چاہئے تھا مگر مصلحت تعلیم سے کچھ حرج بھی نہیں شاید اور کوئی اس پر عمل کرلے۔ میری وجہ سے گھر والے ہوں یا تنخواہ دار ملازم یا دین کا تعلق رکھنے والے ہوں یا نو وارد آنے والے ہوں بحمداللہ تعالیٰ کسی کو کوئی گرانی یا بار نہیں ہوتا اور مسلمان کا تو مذہب یہی ہونا چاہئے ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد — کسے را باکسے کارے نباشد

مثلاً عرض کرتا ہوں کہ میں چھینک کر الحمدللہ زور سے نہیں کہتا تاکہ دوسروں کو اس کے جواب کا اہتمام نہ کرنا پڑے پھر اگر ایسے شخص کو دوسروں کی موذی حرکت پر تغیر ہو جاوے کہ ہم تو ان کی راحت کا اتنا خیال کرتے ہیں انہوں نے ہماری راحت کا کیوں نہیں خیال کیا تو اس کو اس شکایت کا حق ہے مگر میں تو اس پر بھی صبر کرتا ہوں اور کبھی اس نیت سے مواخذہ نہیں کرتا کہ مجھ کو ستایا ہے بلکہ پھر بھی ان ہی کی مصلحت سے ایسا کرتا ہوں کہ کسی طرح ان کی اصلاح ہو جاوے اور بظاہر گو میں کہتا ہوں کہ تمہاری اس حرکت سے تکلیف اور اذیت پہونچی مگر اکثر اس کا منشا بھی یہی ہوتا ہے کہ یہ دوسروں کو تکلیف اور اذیت نہ پہونچائیں۔

ملفوظ ۲۱۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو خدا کی نعمتوں اور رحمتوں کا شکر نہیں ادا کرسکتا یہ بھی خدا کی ایک بہت بڑی نعمت ہے کہ قلب کے اندر عدل رکھا ہے ایک شخص کے واقعہ سے دوسرے کے معاملہ پر اثر نہیں ہوتا یہ کیا اُن کا تھوڑا فضل ہے۔

ملفوظ ۲۱۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک نعمت ہو تو ذکر کروں نعمتیں ہی نعمتیں ہیں الحمدللہ مجھ میں رحمدلی اس قدر ہے کہ اگر کوئی بچہ کو مارتا ہو اور وہ اُسی کا

بچہ ہو اور میرا اس شخص سے تعلق ہو تو اس کو ڈانٹتا ہوں کہ میرے سامنے مت مارو دل دکھتا ہے۔ نیز میں سوتے ہوئے شخص کو نہیں اٹھاتا حالانکہ ثواب ہے کہ سوتے ہوئے کو نماز کے لئے اٹھایا جائے مگر اپنے ثواب کی وجہ سے اس کو اٹھانے کی ہمت نہیں ہوتی۔ یہ خیال رہتا ہے کہ اس سونے والے کو تو کوئی گناہ نہیں کہ اس پر ایک غیر اختیاری چیز مسلط ہے اور اٹھانے سے ممکن ہے کہ تکلیف ہو۔ البتہ اگر محل میں وجوب کا شرعی فتویٰ ہو تو اس وقت رعایت نہیں کرتا۔ ایک اور واقعہ ترحم و رعایت کا یاد آیا۔ میں ایک روز نماز کو آ رہا تھا چند بچے راستے میں چمٹ گئے کوئی دامن کھینچ رہا تھا کوئی آستین وہ اپنے محلہ میں لے جانا چاہتے تھے۔ ان کی اس حرکت پر اس قدر قلب خوش اور مسرور تھا کہ میں کیا بیان کروں اس لئے کہ بچوں کی جو بات بھی ہوتی ہے بے ساختہ ہوتی ہے اور وہ حقیقت ہی ہوتی ہے اس میں تصنع نہیں ہوتا۔ اس بیساختگی کی محبوبیت پر ایک اور قصہ یاد آیا۔ ایک شخص مجھ سے بیعت تھا اس نے مجھ سے پوچھا کہ ایک فقیر ہمارے گاؤں میں آیا ہے اگر اجازت ہو تو میں اس کا طالب بن جاؤں چونکہ ایک محبت مغل تھا اور کچھ پتہ بھی نہ تھا کہ وہ فقیر کیسا تھا اس لئے میں نے اس کو ڈانٹا کہ کیا واہیات خرافات ہے۔ چند روز بعد پھر ملا۔ میں نے مزاحاً پوچھا کہو بھائی طالب ہو گئے کہنے لگا بس اب تو تیرا ہی پلہ پکڑ لیا ہے۔ یہ سادگی سے کہنا ایسا اچھا معلوم ہوتا تھا کہ جی چاہتا تھا کہ یہ یوں ہی کہے جائے یہ اس کا کہنا بہت ہی پیارا معلوم ہوتا تھا۔

ملفوظ ۲۱۵ ایک نو وارد شخص انگریزی تعلیم یافتہ کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ تم لوگوں کو تہذیب کا بڑا دعویٰ ہے اپنے کو مہذب سمجھتے ہو اور دوسروں کو بد تہذیب اور غیر مہذب اپنے کو عاقل دوسروں کو بے وقوف مگر یہ بتلاؤ کیا یہی تہذیب ہے یہی عقل کی بات ہے کہ باوجود خط میں شرط ہوتے کے کہ یہاں پر زمانہ قیام میں خاموش بیٹھے رہنا ہوگا مکاتبت مخاطبت کچھ نہ ہوگی پھر اس کے خلاف کیا گیا۔ آخر منشا ایسی حرکت کا ہے کیا۔ کیا کسی کو ستانا اذیت پہنچانا تکلیف دینا تہذیب اور عقل کے خلاف نہیں۔ کیوں تم لوگوں کے دماغوں میں گوبر بھرا ہے عرض کیا کہ غلطی ہوئی حضرت للہ معاف فرمائیں۔ فرمایا معافی کو معافی ہی ہے میں کوئی انتقام خدانخواستہ تھوڑا ہی لے رہا ہوں مگر کیا اس کہنے سے تمہاری حرکت سے جو اذیت پہنچی وہ بھی جاتی رہی اچھا اس وقت مجلس سے اٹھ جاؤ تم کو دیکھ کر اور تغیر ہوتا ہے اور اس بات کا جواب تمہارے ذمہ پر باقی ہے کہ ایسی کھلی ہوئی اور موٹی بات کے خلاف کرنے کا منشا ہے کیا چاہیے اس کا جواب اسی وقت دے دو اور چاہے کسی دوسرے وقت دو اور وہ جواب چاہے زبانی ہو یا تحریری۔ اور تحریری کی صورت یہ ہے کہ یہاں پر دیوار میں ایک لیٹر بکس

لگا ہے۔ جو بعد نماز فجر کھلتا ہے اس میں پرچہ ڈال دینا۔ عرض کیا کہ جو حقیقت اور واقعیت ہے میں حضرت سے ابھی عرض کرتا ہوں۔ فرمایا بہت اچھا فرمائیے۔ عرض کیا کہ اور لوگ مختلف قسم کے سوالات اور مسائل وغیرہ معلوم کر رہے تھے میرے نفس میں یہ بات پیدا ہوئی کہ اگر میں خاموش رہوں شاید یہ سمجھیں کہ اس کو کچھ نہیں آتا جاتا اس لئے بولنے کی اجازت چاہی۔ فرمایا کہ بس یہی میں نے تشخیص کیا تھا مگر چونکہ تم نے حقیقت اور واقعیت کو ظاہر کر دیا کسی تلبیس اور تاویل سے کام نہیں لیا اس لئے تمام کلفت دور ہو گئی۔ مجلس میں بیٹھئے اور آئندہ ایسی بات سے احتیاط رکھئے اور میرے مواخذہ کا حاصل بھی یہی تھا کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ ہماری چوری پکڑنے والا اور ہمارے نفس کی چالاکی اور مکر و فریب کو سمجھنے والا بھی کوئی ہے تاکہ پتہ چلے کہ ہم تو فرد ماغ میں ہی مگر کوئی دوسرا بھی اسپ دماغ ہے۔

ملفوظ ۲۱۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہم تو مشین ہیں۔ وہی بادی ہیں۔ وہی حافظ ہیں کسی کو ناز کسی بات پر۔ یہ ہمارا وجود اور ہستی ہی کیا ہے ہر وقت نیاز ہی کی ضرورت ہے۔ ناز کا انجام محض ہلاکت ہے ؎

ناز را روئے بباید ہمچو ورد　　　چوں نداری گرد بدخوئی مگرد

ملفوظ ۲۱۷: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ عربی کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے کہ اس کو اس کی کسی حرکت سے تحقیر کا شبہ نہ ہو اس سے سخت مضرت کا اندیشہ ہے بلکہ میرا مذاق تو یہ ہے کہ عرفی تعظیم کا بھی شبہ نہ ہو۔ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کو بنانا چاہئے اور یہ بھی مضرت سے خالی نہیں غرض دونوں چیزیں اخلاص اور محبت کے خلاف ہیں۔

ملفوظ ۲۱۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ذکر و شغل سے اصلاح نہیں ہو سکتی۔ اصلاح اعمال سے ہوتی ہے۔ اعمال سے جو چیز قلب میں پیدا ہوتی ہے ذکر و شغل اس کا معین ہوتا ہے مگر آج کل کے جاہل صوفیوں میں احکام کی پابندی یا اہتمام بالکل ہی ندارد۔

ملفوظ ۲۱۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نے غور کر کے دیکھا کہ آج کل درویشی اتنیاز کا نام رہ گیا یعنی اس میں ایسی عجیب بات ہو کہ وہ دوسری جگہ نہ ہو اس ہی لئے دکاندار لوگ آئے دن روزانہ بہروپیوں کے سے روپ بدلتے رہتے ہیں۔ نئی نئی باتیں اور نئی نئی صورتیں اختیار کرتے رہتے ہیں۔

ملفوظ ۲۲۰: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مخالفین کا ہمارے بزرگوں پر یہ اعتراض کہ فلاں بزرگ کے بعض متعلقین ایسے ایسے ہیں نہایت ہی لغو اعتراض ہے۔ ہم نے یہ دعویٰ کب کیا ہے کہ جتنے لوگ ہمارے بزرگوں کی طرف منسوب ہیں وہ سب کے سب ہی کامل

ہیں خود امتی تمامتر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں مگر ان میں کوئی فاسق ہے کوئی فاجر ہے کوئی بدعتی ہے تو اس میں حضور پر کیا شبہ ہوتا ہے۔ البتہ اگر ہمارے بزرگ ان معائب کی تعلیم فرماتے تو شبہ صحیح تھا۔ ہاں پھر بھی یہ بات ضرور ہے کہ ہمارے بزرگوں کے ساتھ نسبت رکھنے والے اور صحبت میں رہنے والے اکثر دیندار اور فکر آخرت رکھنے والے ہیں۔ دیانت اکثر میں ہے اور دوسری جماعت کے بزرگوں سے تعلق رکھنے والوں میں یہ بات اس درجہ نہیں پائی جاتی یہ امر مشاہد ہے جس کا انکار نہیں ہو سکتا جس وقت جی چاہے آزما لو جانچ کر لو معلوم ہو جائے گا۔

۷ رجمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

ملفوظ ۲۲۱ ایک نو وارد صاحب نے ایک تسبیح سیپ کی جو نہایت خوشنما اور خوبصورت تھی بطور ہدیہ حضرت والا کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت والا نے دیکھ کر فرمایا کہ اس کے متعلق آپ سے دو سوال ہیں ایک تو یہ کہ اس قدر قیمتی کیوں خریدی اور پھر مجھ کو کیوں دیتے ہو۔ عرض کیا کہ مجھ کو بھی پسند آئی اور بعد میں یہ خیال ہوا کہ حضرت کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اس پر ایک صاحب نے جو مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے ہدیہ پیش کرنے والے صاحب سے تسبیح کی قیمت معلوم کرنا چاہا اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ ہدیہ دینے کے وقت قیمت نہیں پوچھا کرتے یہ ہدیہ کے آداب میں سے ہے اس سے مہدی کے دل پر ناگواری کا اثر ہوتا ہے کہ شاید قیمت کی کمی سن کر ہدیہ کو خفیف سمجھیں۔ اور ان مہدی صاحب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ چونکہ مجھ کو ضرورت نہیں اس لئے مجھ کو لینے سے انکار ہے اور دوسری وجہ نہ لینے کی یہ ہے کہ میرا معمول ہے کہ میں جبتک بے تکلفی نہ ہو ہدیہ قبول نہیں کرتا اور آپ سے تو یہ پہلی ہی ملاقات ہے۔ اور میں آپ کو یہ بھی بتلائے دیتا ہوں کہ میرے یہاں جس قدر اصول اور قواعد اور معمولات ہیں یہ سب تجربات کی بناء پر ہیں۔ اگر میں ان کے اسباب تجربہ بیان کروں تو ایک اچھا خاصہ ضخیم رسالہ تیار ہو جائے۔ سو چونکہ یہ سب تجربہ سے تجویز ہوتے ہیں اس لئے میں کسی کی وجہ سے اپنے ان اصول اور معمولات کو بدل نہیں سکتا نہ چھوڑ سکتا ہوں تم بیچارے نو وارد ہو تمہیں ابھی خبر نہیں ہاں آئندہ سب معلوم ہو جائے گا۔ اس پر انہوں نے نہایت لجاجت سے عرض کیا کہ بہت اچھا جس میں حضرت کو راحت ہو۔ اور معمول کے خلاف بھی نہ ہو میں بھی اسی کو ترجیح دیتا ہوں اس پر حضرت والا نے ان کی اس لجاجت و اطاعت سے متاثر ہو کر فرمایا کہ لاؤ میں تمہاری دل آزاری کرنا نہیں چاہتا اور قبول فرمالی۔

ملفوظ ۲۲۲: ایک دیہاتی شخص نے تعویذ مانگا اور یہ نہیں بتلایا کہ کس چیز کا تعویذ۔ حضرت والانے دریافت فرمایا کہ جب سمجھ لوں گا تب جواب دوں گا ابھی میں سمجھا نہیں پوری بات کہو۔ عرض کیا کہ اوپر ے اثر کا تعویذ چاہیئے۔ دریافت فرمایا کہ پہلے اوپرے اثر کا ذکر کیا تھا یا نام لیا تھا عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا پھر کاہے کا تعویذ دیتا جاؤ اب تو جی برا کر دیا کل آنا انشاء اللہ کام ہو جائیگا بشرطیکہ آکر پوری بات کہی جاوے۔ یہ سب بے فکری کی باتیں ہیں۔ اور کہتے یہ ہیں کہ ہم انجان ہیں بالکل غلط۔ خوب جانتے ہیں۔ میں نے ایک دیہاتی ہی شخص سے اس اہمال کا سبب پوچھا تھا اس نے صاف بات کہدی کہ ہم میں باٹ دیکھوں تھا جب پوچھیں گے کہدوں گا۔ یہ گنوارو بولی ہے باٹ انتظار کو کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اد ہر میں یہ باٹ دیکھوں تھا کہ جب بتلا دے گا تب دوں گا۔ تو بھی باٹ میں رہا اور میں بھی باٹ میں۔ کام بارہ باٹ ہوگیا۔

ملفوظ ۲۲۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ غیر مقلد ہر بات کو بدعت کہتے ہیں۔ خصوص طرق کے اندر جن چیزوں کا درجہ محض تدابیر کا ہے ان کو بھی بدعت کہتے ہیں۔ حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی چیزوں کی ایک عجیب مثال دی تھی کہ ایک طبیب نے نسخہ میں شربت بزوری لکھا ایک موقع تو ایسا ہے کہ وہاں شربت بزوری بنا بنایا ملتا ہے وہ لا کر استعمال کرے گا اور ایک موقع ایسا ہے کہ وہاں بنا بنایا نہیں ملتا تو وہ نسخہ کے اجزاء خرید کر لایا۔ چولہا بنایا۔ دیگچی لی۔ آگ جلائی۔ اب اگر کوئی اس کو بدعت کہے کہ طبیب کی تجویز پر زیادت کی تو کیا یہ کہنا صحیح ہوگا۔ اسی طرح دین کے متعلق کسی چیز کی ایجاد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک احداث فی الدین اور ایک احداث للدین۔ اول بدعت ہے اور دوسری قسم چونکہ کسی مامور بہ کی تحصیل و تکمیل کی تدبیر ہے خود مقصود بالذات نہیں لہذا بدعت نہیں سو طریق میں جو ایسی چیزیں ہیں یہ سب تدابیر کے درجہ میں ہے سو اگر طبیب جسمانی کی تدابیر کو بدعت کہا جائے تو یہ بھی بدعت کہلائی جا سکتی ہے ورنہ نہیں۔

ملفوظ ۲۲۴: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو یقیناً تمام قرآن شریف حفظ یاد تھا اس میں شبہ کیا ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے حضور دور بھی فرماتے تھے اور یہ حفظ ہو جانا قرآن مجید کا محض عطاء خداوندی ہے اور نہایت عجیب بات ہے کہ اتنی بڑی کتاب کیسے یاد ہو جاتی ہے اور وہ بھی چھوٹے بچوں کو آخر یہ بات کیا ہے بجز عطاء حق و اعجاز قرآن کے۔ پھر فرمایا کہ قرآن شریف پر ایک واقعہ یاد آگیا۔ یہاں پر قریب ہی ایک قصبہ ہے جلال آباد وہاں پر ایک جبہ تبرک مشہور ہے اس کے ساتھ ایک حمائل شریف ہے عام طور پر یہ کہتے ہیں کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ ایک رئیس شیعی ہیں جھنجانہ میں اور قاضی اشتیاق احمد ایک سنی بڑے ذہین ہیں۔ ایک بار ان رئیس کے گھر زیارت ہوئی مگر وہ رئیس زیادہ تر حمائل شریف

کی طرف ملتفت تھے چونکہ اس کی نسبت حضرت علی رضہ کی طرف تھی۔ ان سنی صاحب نے ان شیعی سے کہا کہ آپ جس قدر توجہ اس حمائل شریف کی طرف کرتے ہیں جبہ کی طرف اس کا عشر عشیر بھی التفات نہیں ان شیعی نے کہا کہ یہ حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰ کے دست مبارک کی لکھی ہوئی ہے ان سنی صاحب نے کہا کہ ہم کو تو یقین نہیں کہا کہ تم بدعقیدہ ہو۔ ان سنی نے کہا کہ کیا آپ کو پورا یقین ہے۔ انہوں نے کہا بیشک مجھ کو یقین ہے۔ ان سنی نے کہا کہ بالکل یقین ہے انہوں نے کہا کہ بالکل یقین ہے دریافت کیا کہ بالکل شک نہیں کہا کہ بالکل شک نہیں وہ شیعی بیچارے خالی الذہن تھے سمجھے نہیں کہ یہ کیا نتیجہ نکالیں گے جس وقت یہ گفتگو ہو رہی تھی مجمع کافی تھا ان سنی صاحب نے کہا کہ تو بس آج شیعی اور سنی مذاہب کا کافی فیصلہ ہو گیا اب آپ یہ دیکھ لیں کہ یہ قرآن سنیوں کے قرآن سے ملتا جلتا ہے یا نہیں اگر اس کی موافق ہے تو سنیوں کا مذہب صحیح ہے ورنہ شیعوں کا وہ شیعی رئیس دم بخود رہ گئے بس اتنا کہا کہ اشتیاق تو بڑا شریر ہے۔ اس نے کہا کہ یہ تو جو کچھ آپ فرماویں مجھ کو تسلیم ہے لیکن گفتگو شرارت عدم شرارت پر نہیں گفتگو تو اس پر ہے کہ یہ حمائل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے جو آپ کو تسلیم ہے تو اب اگر یہ قرآن سنیوں کے قرآن سے ملتا جلتا ہے تو سنی مذہب حق ہے اور اگر نہیں تو شیعی مذہب حق ہے اس کا جواب دیجئے مگر کوئی جواب نہیں بن پڑا۔

ملفوظ ۲۲۵: فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ فدوی کو نماز میں وسوسے آتے ہیں کوئی تعویذ دیجئے۔ دیکھئے مریض ہیں اور طبیب سے اپنی تجویز بیان کرتے ہیں کہ مرچ سیب دیجئے اس بدفہمی اور کوڑمغزی کی کوئی حد ہے یہ درخواست کرنا چاہیئے کہ کوئی علاج کر دو اب جو مناسب ہوتا۔

ملفوظ ۲۲۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض کو تو ادب میں بہت ہی غلو ہوتا ہے میں چاہتا ہوں کہ سب بے تکلف ہو کر رہیں اور اس کے ساتھ اپنی راحت کا بھی خیال رکھیں اور میری راحت کا بھی اس سے آگے بڑھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا اور جانبین کو تکلیف بھی ہوتی ہے۔

۸ر جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم دوشنبہ

ملفوظ ۲۲۷: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تلاوت کی ترتیب اور ہے اور نزول کی ترتیب اور ہے۔ قرآن شریف کی حفاظت کے اہتمام میں یہ بھی ہے کہ اس کی ترتیب تلاوت

میں بھی کوئی تغیر نہ کیا جائے حتیٰ کہ یہ بھی جائز نہیں کہ رسم خط کے خلاف لکھا جائے اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس سے مواخذہ کریں گے۔

ملفوظ ۲۲۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کامل کی صحبت اکسیر اعظم ہے۔ دیکھو بیٹھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے صحابہ کرام کیا کچھ ہو گئے۔

ملفوظ ۲۲۹: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو جو شخص خواب میں دیکھے وہ حضور ہی ہوتے ہیں مگر ہیأت وحالات کا اختلاف اس لئے ہوتا ہے کہ حضور آئینہ بھی ہیں۔ ایک شخص نے حضور کو خواب میں حقہ پیتے دیکھا۔ میں نے کہا کہ تم نے اپنی حالت دیکھی حضور آئینہ ہیں۔ اپنی ہی حالت تم کو نظر آئی۔

ملفوظ ۲۳۰: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضور کی زیارت جس کو خواب میں ہو جاتی ہے اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔

ملفوظ ۲۳۱: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ سفر منقطع ہونے سے بڑی راحت ملی گو کامل اجتماع خاطر تو اب بھی نہیں وہ تو ذکر اللہ ہی سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔ مگر ضروری سکون اور راحت ضرور ہے۔

ملفوظ ۲۳۲: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آیتوں کی باہم ترتیب یہ بذریعہ روحی کے ہے اس کسی اجتہاد کا دخل نہیں اس وجہ سے اس کا بھی قائل ہونا پڑے گا کہ آیات میں مناسبت ضرور ہے ورنہ ترتیب نزول کو نہ بدلا جاتا۔ اب رہا یہ کہ وہ مناسبت کیا ہے سو اس کا بتلانا ہمارے ذمہ نہیں مگر اجمالاً یہ ضرور کہا جاویگا کہ قرآن شریف کی آیتوں میں تناسب اور تناسق ضرور ہے۔ اب یہ شبہ کہ وہ رابط سمجھ میں نہیں آتا تو سمجھ میں نہ آنا تو مستلزم اس کو نہیں کہ اس میں ربط نہ ہو۔ دوسری بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ جس ربط کو آج کل ربط سمجھا جاتا ہے کہ مسلسل متعارف تصنیفات کا سا رنگ ہو یہ قرآن میں نہیں اس لئے کہ کریم اور رحیم خداوند جل جلالہ کا کلام ہے۔ جو شفقت سے بھرا ہے اور شفقت کے مخاطبات میں تصنیفات کا سا ربط نہیں ہوتا۔ مثلاً باپ نے بیٹے کو ایک جلسہ میں کئی نصیحتیں کیں تو ان میں ایک گونہ مناسبت ہے مگر تصنیفات کا سا رنگ نہیں ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ خود حالات جو منشاء ان مخاطبات کے ہیں ان میں بھی تو ویسا جوڑ نہیں ہوتا تو پھر باپ کی نصیحت میں متعارف ربط کیسے ہو۔ جب حالات میں وہ خاص ارتباط نہ ہو تو نصائح میں کیسے ہوگا بلکہ ارتباط کا نہ ہونا ہی خوبی ہے اور دلیل شفقت ہے اس لئے کہ مثلاً باپ نے پانچ نصیحت کیں اور اتفاق سے چار میں تو ربط تھا اور پانچویں میں نہ تھا۔ جو شخص ارتباط متعارف کا اہتمام

کرے گا وہ اس وقت پانچویں نصیحت کو ضرور موقوف رکھے گا جو کہ شفقت اور محبت کے منافی ہے اور اس لئے ایسا اہتمام ارتباط کا نقص ہے اور منافی محبت ہے۔ اگر کوئی باپ سے پوچھے کہ تمہاری اس پانچویں نصیحت میں ربط کیا تھا وہ کہے گا کہ ربط کیا ہوتا جو ضرورت دیکھی ظاہر کر دیا غرض قرآن مجید میں تصنیفات کا سا رنگ نہیں اور یہی بڑی شفقت ہے حق تعالیٰ کی۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں مکررات ہیں یہ تکرار بھی اسی انتہائی شفقت پر مبنی ہے چنانچہ ارشاد ہے ولقد صرفنا فی ھذا القرآن لیذکروا۔ اور کہیں کہیں مکررات میں عنوان مختلف ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کیونکہ مخاطب کے حالات بعض اوقات مختلف بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً باپ نے دیکھا بیٹے کو کہ بُری صحبت میں بیٹھتا ہے تو ایک وقت کچھ نصیحت کرتا ہے اور کسی طرز سے اور ایک وقت کچھ نصیحت کرتا ہے اور کسی ڈھنگ سے۔ ایک اور نظیر دیکھ لیجئے کہ منادی کرنے والا جو منادی کرتا ہے سو جو ضرورتیں پیش آتی رہتی ہیں اس کو ظاہر کرتا ہے اُن میں کوئی خاص جوڑ نہیں ہوتا اور یہ خاص جوڑ نہ ہونا اس کی بھی دلیل ہے کہ اس اعلان میں یہ کسی بڑے آزاد مختار کامل حاکم کا مامور ہے اُس حاکم نے اس منادی کرنے والے کو جو اعلان بتا دیا ہے یہ منادی کرنیوالا اسی طرح اعلان کر رہا ہے اگر وہ خود اپنی رائے سے کرتا تو وہ اتنا مقید نہ ہوتا کہ اس میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا کہ خواہ اس میں ربط ہو یا نہ ہو بعینہ اعلان کر رہا ہے۔ ایک بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ قرآن شریف میں متعارف مناظرہ کا رنگ نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑے حاکم کا کلام ہے کیونکہ حاکم کو ایسے مناظرہ کی ضرورت نہیں دیکھئے شیطان نے شرارت کی دلیل کے ساتھ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین۔ اس کا جواب حق تعالیٰ حکیمانہ دے سکتے تھے کہ ان مقدمات کا ابطال فرماتے مگر ایسا نہیں کیا کہ اس میں مناظرہ کا رنگ تھا بلکہ حاکمانہ جواب دیا کہ اُخرج منہا فانک رجیم۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید جو ہے یہ ایک شفیق اور بڑے حاکم کا کلام ہے کسی مصنف اور ناقص القدرت کا کلام نہیں۔ یہ لاکھوں روپیہ کا نسخہ میں نے بتلا دیا ہے ایک اور بات بھی یاد آئی جس سے یہ خدا کا کلام معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر ہم کسی پر غصہ کریں اور اس حالت میں کوئی عزیز و اقارب آ جاوے تو اس وقت اس سے بھی ایک گونہ بے رخی کے ساتھ ہمارا کلام ہوگا اور حق تعالیٰ جہاں کفار کا ذکر قرآن میں فرماتے ہیں اس کے متصل ہی مؤمنین و مطیعین کا ذکر ہوتا ہے جس میں وہ پہلا رنگ ذرا نہیں آتا۔ یہ خدا تعالیٰ ہی کی قدرت ہے یہ انہی کا کام ہے کیونکہ وہ انفعال سے منزہ ہیں اور اس تقریر کے اکثر اجزاء ذوقی و فطری ہیں طالبین حق اس کے مخاطب ہیں معاندین نہیں۔

ملفوظ ۲۴۳ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی لامتناہی نعمتیں ہیں کہاں تک انسان شکر

ادا کر سکتا ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں ان تعدو نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔ اب میں انہیں سے صرف ایک نعمت کا ذکر کرتا ہوں۔ واللہ جعل لکم من بیوتکم سکنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیوت سے تمہارے لئے مسکن بنایا۔ یعنی اللہ نے تم کو ایک ایسی چیز دی جس میں تم رہتے ہو۔ میں نے شہروں میں دیکھا کہ چھوٹی سی کوٹھری تاریک آگے صحن نہیں وہیں کھانا وہیں ہگنا۔ قصبہ اور گاؤں کے لوگ تو پھر بڑے بڑے مکانات میں رہتے ہیں تو یہ مکانات اُن تنگ و تاریک کوٹھریوں کے سامنے کتنی بڑی نعمت ہیں پھر خود وہ کوٹھریاں بھی بالکل نہ ہونے کے اعتبار سے نعمت ہیں اور ان چھوٹے بڑے بیوت کا نعمت ہونا اُن لوگوں سے پوچھئے کہ جن کے پاس مکان نہ ہو یا اُس کرایہ دار سے پوچھئے کہ برسات میں جس سے مکان خالی کرایا جائے خصوص جبکہ اس کے پاس کافی سامان بھی ہو جس کا نقل کرنا بھی مصیبت ہو۔

ملفوظ ۲۳۴: فرمایا ہمارے پاس جتنی چیزیں ہیں وہ سب درحقیقت حق تعالیٰ کی ملک ہیں گو وہ ہم کو ہبہ بھی کر دیں کیونکہ اس ہبہ کے بعد بھی پھر اُن ہی کی ملک ہے۔ جیسے مالک اپنے غلام کو ہبہ کرے تو وہ محض صورت ہے ہبہ کی حقیقت نہیں ہبہ کی۔ مگر اس صورت میں یہ حکمت ہے کہ اس سے دوسروں کو منع کر دینا ہے کہ کسی کا کوئی اچکن نہ اتار سکے کوئی کسی کی ٹوپی نہ اتار سکے کوئی کسی کی بیوی نہ چھین سکے حاصل یہ ہے کہ دوسرا تصرف نہ کر سکے اگر یہ بات نہ ہوتی تو نظام عالم درہم برہم ہو جاتا کیونکہ ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کی ملک ہیں اور سب اس کے بندے ہیں جو چیز جس کے ہاتھ آئے لے سکتا ہے اس لئے یہ صورت ہبہ کی تجویز فرمائی اور اُس کا یہ قانون مقرر کیا کہ یہ صورت بھی مانع ہے دوسروں کے تصرف سے اسی قانون کا نام شریعت ہے۔ پس یہ شریعت ہی کے خواص میں سے ہے کہ نظام عالم باقی رہے کسی قسم کا فساد نہ ہو۔ ورنہ بدون شریعت کے اگر صرف حقیقت ہی پر عمل ہوتا تو حقیقت تو یہی تھی کہ ہر چیز خدا تعالیٰ کی ملک ہے تو سب سے اول ان ہی شاہ صاحب کی گدڑی اُترتی جو شریعت کی نفی کر کے حقیقت بگھار رہے ہیں۔ غرض قانون حقیقت کی بناء پر تو اول شاہ صاحب ہی کا خرقہ اُترنا چاہیئے تھا سو عالم کا یہ نظم شریعت مقدسہ ہی کی بدولت ہے ورنہ سب درہم برہم ہو جاتا۔ حضرت حاجی صاحب نے اس شعر کی شرح میں یہ مضمون فرمایا تھا ؎

سر پنہاں است اندر زیر و بم (اسرار توحید حقیقی) — فاش اگر گویم جہاں برہم زنم (اسناد الی السبب)

پس ان حکمتوں کی بناء پر شریعت کو ظاہر فرما دیا گیا اور حقیقت کو مستور فرما دیا گیا۔

ملفوظ ۲۳۵: انہماک تعلقات دنیویہ کے سلسلہ میں فرمایا کہ اگر انسان اپنی زندگی میں غور کرے کہ جس طرح کرایہ پر رہنے والے کو کرایہ کی چیز پر ناز نہیں ہوتا یہ بھی کسی

چیز پر ناز نہیں کر سکتا، یہی سمجھے گا کہ میرا قیام یہاں عارضی ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے ایک بزرگ سے کہا کہ تم کہاں سے کھاتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ دنیا ہمارا گھر نہیں ہم یہاں خدا تعالیٰ کے مہمان ہیں اور مہمان کا حق مہمانی تین روز ہوتا ہے اور دن کی مقدار اس آیت میں ارشاد فرماتے ہیں و ان یوماً عند ربک کالف سنۃ مما تعدون یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک ہزار برس کا دن ہوتا ہے پس اس حساب سے تین ہزار برس تک تو یہ سوال ہی نہیں ہو سکتا اس کے بعد پھر سوال کرنا کہ کہاں سے کھاتے ہو۔ غرض ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ عطاء ہے اور عطاء پر انسان کو ناز نہ کرنا چاہیئے جب چاہیں نکال باہر کریں پھر ناز کیسا ہاں شکر کرو اور اہل اللہ کو چونکہ نعمت کی حقیقت زیادہ معلوم ہے اس لیئے ان کو نعمت پر شکر زیادہ ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ جس قدر تعلق نعمت سے ہے اُس سے زیادہ منعم سے تعلق ہوتا ہے اس کی زیادہ نظر منعم پر ہوتی ہے۔ نیز وہ ہر نعمت کو اپنے استحقاق سے زیادہ سمجھتے ہیں اسی لیئے وہ موجودہ پر راضی رہتے ہیں مفقود پر نظر نہیں کرتے چنانچہ ایک شخص نے شکایت کی ایک بزرگ سے مجھے افلاس زیادہ ہے۔ فرمایا کہ میاں اگر دل میں امن و اطمینان ہو۔ بدن میں کوئی مرض نہ ہو۔ ایک دن کا کھانے کو ہو اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے۔ اسی لیئے اہل اللہ کی یہ شان ہے کہ اگر مل گیا تو شکر نہ ملا تو اس کو بھی نعمت سمجھ کر صبر۔ اور عبدیت کی وجہ سے وہ حاجت کی ہر چیز مانگتے ہیں لیکن اگر کوئی چیز نہ ملے تو اس پر بھی راضی رہتے ہیں کہ یہ بھی ہمارے لیئے نعمت ہے۔ ایک بزرگ تھے ان کے گھر میں سات کوٹھریاں تھیں ایک گری دوسری میں جا بیٹھے دوسری گری تیسری میں جا بیٹھے اسی طرح ساتویں کوٹھری میں انتقال ہو گیا۔ بس ان حضرات کی دنیا سے تعلق نہ ہونے کی یہ حالت ہوتی ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ سب ایسا کریں یہ بتلا دیا کہ یہ بھی اہل اللہ کا ایک رنگ ہے اگر اپنا نہ کرسکو تو اس کو پسند تو کرو۔ اور ان حضرات کو اگر کسی نعمت کی طلب ہوتی ہے وہ بھی اُن ہی کے واسطے کہ جمعیت قلب میسر ہو قلب کو پریشانی نہ ہو تا کہ اطمینان کے ساتھ کام میں لگیں اسی لیئے ان حضرات کے یہاں جمعیت قلب کا بڑا اہتمام ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سال بھر کا سامان ازواج کو عطا فرما دیتے تھے گو حضور کی جمعیت اس پر موقوف نہ تھی مگر حضور نے اپنے مذاق مبارک کے خلاف صرف ہماری رعایت کی اور ایسا کر کے اس فعل کو جائز سے آگے بڑھا کر سنت بنا دیا تا کہ میری امت کو دنیا میں بھی دین کا ثواب ملے کیونکہ اتباع سنت تو دین ہے۔ کیا انتہاء ہے اس شفقت کی کہ ہم نالائقوں کی رعایت سے سال بھر کا خود انتظام فرمایا جس سے مقصود یہ تھا کہ امت کو ایسا کرنے سے جمعیت قلب حاصل ہو اور حضور کے ہر فعل میں۔ یہی شفقت ہے کیا یہ شفقت نہیں کہ آپ ساری ساری رات کھڑے ہو کر اُمت کی سفارش کر رہے ہیں حتیٰ کہ قدم مبارک

پر ورم آگیا۔

ملفوظ ۲۳۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب شان رہتی۔ عبدیت کا اس قدر غلبہ تھا کہ آپ کی ہر بات سے شان فنا ٹپکتی تھی چنانچہ باوجود زاہد ہونے کے گھر کی حاجت کے لئے یہ دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ کوئی ایسا ٹھکانا دیدیجئے جس میں میں بیٹھ جاؤں اور کوئی یوں نہ کہے کہ یہاں سے اٹھو۔ سو حق تعالیٰ نے ایسا ہی سامان فرمادیا۔

ملفوظ ۲۳۷: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی غلبہ حضور کی یہ کیفیت رہتی حضرت کے ایک خادم خاص کہتے تھے کہ میں نے حضرت کو پاؤں پھیلا کر سوتے نہیں دیکھا میں نے پوچھا کہ حضرت کیا آرام ملتا ہوگا۔ فرمایا کہ ارے باؤلے کوئی محبوب کے سامنے پاؤں بھی پھیلایا کرتا ہے۔ حضرت سیاہ نری اور کیمخت کا جوتا نہ پہنتے تھے۔ خادم کے پوچھنے پر فرمایا کہ ارے باؤلے میں نے جب سے خانہ کعبہ کا غلاف سیاہ دیکھا ہے اور روضہ مبارک پر سبز غلاف دیکھا ہے اس رنگ کو پاؤں میں ڈالنا خلاف ادب سمجھتا ہوں اسی سلسلہ میں ذکر فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کو واقعہ میں دیکھا کہ کچھ دے رہے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ لاکھوں روپے تمہارے ہاتھ پر صرف ہوں گے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ میں اس کا متحمل نہیں صرف یہ چاہتا ہوں کہ ایسا ٹھکانا مل جائے کہ وہاں سے کوئی اٹھائے نہیں جیسا ملفوظ سابق میں مذکور ہوا غرض نعمت کی تحقیر نہیں فرمائی بلکہ ایک نعمت کی خود درخواست کی مگر اپنا ضعف تحمل ظاہر کر کے عذر فرمایا پھر صاحب ملفوظات نے اسی نعمت کی تحقیر نہ کرنے پر خود اپنا معمول بیان فرمایا کہ میری خود یہ حالت ہے کہ میں مال کو خدا کی نعمت سمجھ کر اس ہاتھ میں جوتا نہیں لیتا جس میں روپیہ ہوتا ہے پھر فرمایا کہ نعمت کی تحقیر کا کسی کو کیا حق ہے نعمت وہ چیز ہے کہ ہمارے یہ سارے لمبے چوڑے دعوے کمالات کے اور سارا طنطنہ جبھی تک ہے جب تک کہ انہوں نے اپنی نعمت سے نواز رکھا ہے۔ ورنہ ایمان کا سنبھالنا بھی مشکل تھا۔

ملفوظ ۲۳۸: ایک سلسلہ گفتگو فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود مجھ سے فرمایا تھا گھر علیحدہ بنا لینا مناسب ہے اس کی ضرورت ہے کہ اپنا کوئی جدا ٹھکانا ہو۔

ملفوظ ۲۳۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ سب جو کچھ دیکھتے ہو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کی دعاؤں کی برکت ہے ورنہ یہاں کیا رکھا ہے۔

ملفوظ ۲۴۰: اپنے شیخ کے ساتھ شدت تعلق کے ذکر میں فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ایک مجلس میں حضرت جنید بھی ہوں اور حضرت حاجی صاحب

رحمۃ اللہ علیہ بھی ہوں تو ہم حضرت جنید کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔

ملفوظ ۲۴۱: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ وہ اہل ایمان کے ساتھ ایسے رحیم اور کریم ہیں کہ اگر کوئی مؤمن دوزخ میں جاوے گا تو وہ دوزخ بھی دوسری نوع کی ہو گی۔ کیونکہ دوزخ میں دو حیثیتیں ہیں وہ دوزخ مسلمانوں کے لئے اور طرح کی ہو گی کفار کے لئے اور طرح کی ہو گی یعنی کفار کے لئے تو وہ جیل خانہ ہے اور مسلمانوں کے لئے حمام ہے اور بعض مومنین کا نور ایمان تو اتنا قوی ہو گا کہ پل صراط پر ان کے گذرنے کے وقت آگ کہے گی کہ جُز یا مومن فان نورک اطفأ ناری یعنی اے مومن جلدی گذر جا تیرے نور ایمان کی وجہ سے میں ٹھنڈی ہوئی جاتی ہوں اگر تو ذرا ٹھہر گیا تو میں پٹ جاؤں گی اور بعضے ضعیف الایمان جو دوزخ میں جائیں گے بھی ان کا جانا تزکیہ و تطہیر کے لئے ہو گا چنانچہ کفار کے وعید میں ارشاد ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں لا یزکیھم اور وعید میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے پس ثابت ہو گیا کہ مومن کے لئے دوزخ موجب تزکیہ ہو گا حاصل یہ کہ کفار دوزخ میں تعذیب کے لئے بھیجے جائیں گے اور مسلمان تہذیب کے لئے۔ یعنی دوزخ میں مؤمن پاک صاف کرنے کے لئے جائے گا جو اس کے لئے مثل حمام کے ہو گا۔ جب یہ ہے تو تم کیوں میلے کچیلے ہو کر جاتے ہو پاک صاف ہو کر جاؤ پھر حمام کی صورت بھی نہ دیکھنے میں آئے گی نیز ایک تفاوت دوزخ میں مومن اور کافر کا کشفی ہے یہ کشف شیخ اکبر کا ہے کہ مؤمن دوزخ میں سو جائیں گے بھی اور خواب میں بھی دیکھیں گے کہ جنت ہے حور ہیں قصور ہیں اور یہ سونا ایسا ہو گا کہ جیسے کلوروفارم سنگھا کر اپریشن کیا جاتا ہے اس لئے دوزخ میں مؤمن کو موت کی سی حالت دیدی جائے گی۔ البتہ جنت میں نیند نہ ہو گی کیونکہ یہ نیند مشابہ موت کے ہے اور جنت میں موت نہیں بہرحال دوزخ مؤمن کے لئے مطہر ہے گو بعض اوقات تطہیر مولم بھی ہوتی ہے دیکھئے بعض میل تو ایسا ہوتا ہے کہ ٹھنڈے پانی سے دور ہو جاتا ہے اور بعض گرم پانی سے اور بعض بدون صابن لگائے دور نہیں ہوتا اور بعض بدون بھٹی پر چڑھائے نہیں جا سکتا۔ ٹھنڈے پانی سے مراد توبہ ہے۔ گرم پانی سے مراد بیماری و حوادث ہیں۔ صابن سے مراد موت ہے۔ بھٹی سے مراد دوزخ ہے پس مؤمن کا دوزخ میں جانا میل کچیل داغ دھبہ سے پاک صاف ہونا ہے یہاں کی آگ میں تطہیر کی خاصیت رکھی گئی ہے۔ دیکھو جیسے گوبر ناپاک مگر جلکر راکھ ہو کر پاک ہو جاتا ہے اسی طرح تم بھی خدا کی محبت اور عشق میں جل کر فنا ہو جاؤ مٹ جاؤ سوختہ افروختہ ہو جاؤ بس پاک صاف ہو کر پہنچو گے۔ اسی کو فرماتے ہیں ؎

افروختن و سوختن و جامہ دریدن ۔ پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت

ملفوظ ۲۴۲: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نفس ایمان پر بھی دخول جنت

ہو جاتا ہے یہ دوسری بات ہے کہ دخول اولی نہ ہو۔

ملفوظ ۲۲۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اکثر ان اسکولوں اور کالجوں کے مدرسین اور ماسٹروں کی عقلیں لڑکے ہی چھین لیتے ہیں۔

ملفوظ ۲۲۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ نعمت کے ساتھ تعلق بھی مذموم نہیں البتہ اُس سے زیادہ منعم کی طرف توجہ ہونا ضروری ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں قل ان کان آباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموها وتجارة تخشون کسادها ومسٰکن ترضونها احب الیکم من اللہ ورسولہ وجہاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یأتی اللہ بامرہ واللہ لا یہدی القوم الفٰسقین۔ یعنی یہ چیزیں جو غیر اللہ ہیں اگر تمہیں اللہ اور رسول سے زیادہ پیاری ہوں تو تم منتظر رہو کہ تم پر کوئی وبال آئے گا۔ حاصل یہ ہے کہ یہ نعمتیں بھی خدا کی ہیں ان کا طبعاً محبوب ہوتا برا نہیں مگر اللہ اور رسول سے احب یعنی زیادہ محبوب ہونا برا ہے اللہ اور رسول کے ساتھ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت فرض ہے اسی کو فرماتے ہیں ولو انا کتبنا علیہم ان اقتلوا انفسکم او اخرجوا من دیارکم ما فعلوہ الا قلیل منہم ولو انہم فعلوا ما یوعظون بہ لکان خیراً لہم الآیۃ۔ یعنی اگر خودکشی کا یا گھر سے نکلنے کا اللہ اور رسول کا حکم ہوتا تو ایسا ہی کرنا ضروری تھا۔ غرض نعمت کے ساتھ اگر منعم سے زیادہ تعلق بھی نہ ہو تو مضائقہ نہیں چنانچہ اوپر کی آیت میں نعمتوں کے ساتھ ترضونہا بھی فرما دیا یعنی ان کو دیکھ کر خوش ہونا اس کی اجازت ہے مگر خوش ہونے کے بھی حدود ہیں ایک ان کی ذات پر اترانا تو ان کے متعلق فرماتے ہیں لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین۔ دیکھو قارون بالذات مال سے خوش ہوتا تھا کیا درگت بنی۔ دوسرا خدا کے فضل اور رحمت ہونے کی حیثیت سے اس پر خوش ہونا اس کے متعلق ارشاد ہے قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذٰلک فلیفرحوا۔ بس ایک فرح شکر ہے ایک فرح بطر ہے تو فرح شکر محمود اور فرح بطر منہی عنہ۔ پس نعمتوں پر شکر کے طور پر خوش ہونا یہ حق ہے منعم کا اور خود ذات نعمت پر ناز کرنا یہ ناشکری ہے منعم کی اور اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ قلب میں نعمت کے زوال کے احتمال کا استحضار نہیں رہتا اور اس استحضار زوال کے بعد جو فرح کی کیفیت قلب میں رہ جاوے گی وہ عین شکر ہے پھر استحضار زوال کے متعلق فرمایا کہ ہماری تو کیا ہستی اور کیا وجود ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے ولئن شئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیک کہ اگر ہم چاہیں تو تمام وحی کے علوم کو محو اور زائل کر دیں اور ظاہر ہے کہ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا کیفیت ہوئی ہو گی اس لئے اس کے ساتھ ہی اس شان کا ظہور فرمایا کہ —

درد از یارست و درمان نیز ہم دل فدائے او شد و جان نیز ہم

یعنی آگے فوراً سنبھالا الا رحمۃ من ربک یعنی ایک چیز ہے جو آپ کی محافظ ہے اور اس کے محافظ ہونے کے طرق ہیں ایک طریق یہ بھی ہے کہ وہ رحمت پروردگار کی ہے۔ حق تعالیٰ اس بقاء علوم کے لئے ایک وظیفہ بتلاتے ہیں کہ آپ یہ دعا کیا کیجئے کہ رب زدنی علماً پھر بطور تفریع کے فرمایا جب حضور کو ضرورت اس وظیفہ کی ہے تو آج کل جو علوم حاصلہ کو اپنا کمال سمجھ کر اپنے محسن استاد سے بے فکر ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب تو یہ علم ہمارے پاس رہے ہی گا یہ سمجھنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ کانپور جامع العلوم میں ایک شاگرد نے استاد کی بے ادبی کی تھی اس نے خود اقرار کیا کہ تمام علم سلب ہو گیا پس حدوث و بقاء و آثار و برکات کچھ بھی ہمارے اختیار میں نہیں روز مرہ کا واقعہ دیکھئے جب سوتے ہو تو وہ علم کہاں چلا جاتا ہے اب اس کا نام چاہے اضمحلال رکھ لو یا زوال رکھ لو یا مستوریت خلاصہ یہ ہے کہ رہا تو نہیں پھر جب اٹھے تو سب موجود ہے سو وہ جب چاہیں لے لیں جب چاہیں دے دیں ان ہی کے قبضہ میں ہے ارشاد ہے واللہ یقبض و یبسط۔ یہ ہر وقت کا عدم اور وجود بالکل اس کا مصداق ہے ؎

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

پس جس وقت نعمت پر ناز کا وسوسہ ہو تو اس وقت اس کا مراقبہ کرو کہ اس پر ہماری کیا قدرت ہے تو اس مراقبہ سے فرح بطر جاتا رہے گا فرح شکر باقی رہ جائے گا۔

ملفوظ ۲۴۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ان حضرات پر جو اعتراض ہوتا ہے اس کا سبب ان کی حالت کو اپنی حالت پر قیاس کرنا ہوتا ہے اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

ایک بزرگ کو کسی نے دیکھا کہ مرغ کھا رہے ہیں شبہ ہوا کہ یہ لذات نفس میں مبتلا ہیں۔ بعد نماز جمعہ ان بزرگ نے کئی گھنٹے وعظ کہا اور اس شخص سے پوچھا کہ اب بھی مجھ کو مرغ کھانا جائز ہے یا نہیں یعنی اس مصلحت سے کھایا تھا کہ اس طاعت کی قوت ہو یہ شخص بہت شرمندہ ہوا۔

ملفوظ ۲۴۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ انسان کو چاہئے کہ کام میں لگے اور بے نتیجہ فکروں میں نہ پڑے مثلاً یہ کہ معصیت ہو گئی تھی اس سے توبہ بھی کر لی تھی معلوم نہیں وہ قبول ہوئی یا نہیں آخر اس سے کیا فائدہ اگر کسی وقت زیادہ پریشان ہو تجدید توبہ کرے اور پھر کام میں لگ جاوے۔ مطلب میرا یہ ہے کہ آگے چلنے کی فکر کرے بے نتیجہ خیالات میں وقت صرف نہ کرے اعمال میں وقت صرف کرے اور راز اس کا یہ ہے کہ انسان مکسوب اور اختیاری اعمال کا

مکلف ہے چنانچہ ارشاد ہے للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن واسئلوا اللہ من فضلہ ان اللہ کان بکل شیء علیما ایک بزرگ نے کسی سے پوچھا کہ آج کل کیا کر رہے ہو۔ کہا کہ توکل کی مشق کر رہا ہوں۔ فرمایا کہ میاں ساری عمر پیٹ ہی کے دھندے میں رہو گے یعنی توکل کی مشق کا مقصود یہی ہے کہ پیٹ سے بے فکری ہو جاوے اصل چیز میں کب لگو گے پس توکل اختیار کرو خواہ مشق ہو یا نہ ہو یہ تو مامور بہ نہیں صرف نفس کا مقصود مشق سے یہ ہے کہ مشقت نہ ہو سو مشقت سے بچنے کی کیا ضرورت ہے اسی طرح یہ خیالات مضر ہیں کہ میں کامل ہوا یا نہیں۔ میں کچھ ہوا یا نہیں۔ غرض بے نتیجہ خیالات اس راہ میں راہزن ہیں۔ کام کرنے والوں کی شان ہی جدا ہوتی ہے وہ ایسی چیزوں کو کب دیکھتے ہیں۔

۸ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم دوشنبہ

ملفوظ ۲۴۷: فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے پہلے ان کا خط آیا تھا اس میں آنے کی اجازت چاہی تھی میں نے لکھ دیا تھا کہ اگر یہاں پر آکر نہ بولو اور خاموش رہو تو اجازت ہے آج جو خط آیا ہے اس میں میرے اس مضمون کے جواب پر لکھتے ہیں کہ حضور جیسا حکم دیں گے بندہ تعمیل کریگا اگر حکم بولنے کا دیں گے بولوں گا ورنہ خاموش رہوں گا میری کیا مجال ہے کہ حضور کی عدول حکمی کر سکوں میں نے لکھ دیا کہ نہ بولنے کی شرط کی ہے یا حکم کیا ہے جب تم کو اتنی بھی تمیز نہیں تم کو نہ آنا چاہئے آکر اور ستاؤ گے اب اس کو لوگ سختی سمجھتے ہیں اگر خدا عقل اور فہم دے اور سمجھ دے تو سمجھ سکتے ہیں کہ اس سختی پر ہزاروں نرمیاں قربان ہیں اس لئے کہ آنے سے اور تعلق پیدا کرنے سے مقصود تو اصلاح ہے وہ میں تے بدون آئے شروع کر دی اگر سمجھ ہوئی تو سمجھ جائیں۔ اگر نہیں تو بدفہموں اور کوڑ مغزوں کی یہاں ضرورت نہیں۔ ایسوں کو یہاں ایک منٹ ایک سکنڈ کے لئے بھی جگہ نہیں مل سکتی۔

ملفوظ ۲۴۸: ایک صاحب نے عرض کیا کہ دوسروں کے معتقد ہونے سے تکلیف ہوتی ہے۔ فرمایا کہ اس تکلیف کو برداشت کیجئے۔ عرض کیا کہ کیا اپنے کو برا بھلا کہا جاوے تاکہ کسی کو اعتقاد نہ ہو فرمایا کہ اس سے اور زیادہ اعتقاد ہوگا۔ اور اگر تکلیف بھی ہوتی ہے تو کس کس تکلیف سے بچے گا۔ سر میں درد ہوتا ہے اسکو دفع نہیں کر سکتے۔ بخار ہو جاتا ہے اسکو دفع نہیں کر سکتے۔ اسیطرح اسکو بھی درد سر اور بخار سمجھے

ملفوظ ۲۴۹: ایک صاحب نے ایک پرچہ پیش کیا حضرت والا نے ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ واقعہ تو اس میں لکھا گیا یہ نہیں لکھا کہ اس میں میرے کرنے کا کیا کام ہے۔ عرض کیا کہ تعویذ دیدیجئے۔

فرمایا کہ اس میں تو نہیں لکھا اگر زبانی کہنا تھا تو ساری ہی بات زبانی کہہ دیتے اور اگر پرچہ دینا تھا تو ساری بات اس میں لکھواتے یہ کیا کہ آدھی بات تحریر میں اور آدھی زبانی۔ ذرا عرضی تو دینا کسی حاکم کے یہاں جس میں آدھی بات لکھی ہوئی ہو اور آدھی زبانی۔ دیکھیں کیسے کام ہوجائیگا عرض کیا کہ میں ابھی جانے والا ہوں۔ فرمایا کہ کیا یہ میری بات کا جواب ہوا۔ یہ اور دوسری تکلیف دینے والی بات ہی نہ معلوم تم اس کام کو کب سے سوچ رہے ہو گے اور نہ معلوم کے روز سے ارادہ کرتے کرتے آج آئے ہو۔ اپنے لئے تو اتنی گنجائش اور یہاں پر دو گھنٹے کی بھی مہلت نہیں۔ ملانوں کو تو غلام سمجھ رکھا ہے جس وقت آگئے اُسی وقت حکم کی تعمیل کرو کبھی کسی ضرورت سے عدالت میں حاکم کے یہاں درخواست دیکر بھی کہا ہے کہ میں ابھی جارہا ہوں۔ یہی وجہ ہے میرے اندر تغیر ہونے کی کہ ان لوگوں کے دل میں علم دین اور اہل علم کی وقعت نہیں اس لئے ایسے متکبروں کو میں بھی ٹھیک کرتا ہوں سو اس وقت چلتے بنو۔ جانے سے پہلے مجھ کو مہلت نہیں دی گئی اور تم کو عجلت ہے اپنا حرج مت کرو۔ اب وطن پہونچ کر بذریعہ خط تعویذ منگالینا۔

ملفوظ ۲۵۰: ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت روزگار کے لئے ایک تعویذ دیدیجئے۔ فرمایا کہ روزگار کے لئے تعویذ نہیں ہوتا۔ اگر کچھ پڑھو سو تو اللہ کا نام بتلادوں۔ عرض کیا بتلا دیجئے فرمایا کہ بعد نماز عشاء یا وھّاب چودہ سو تسبیح اور چودہ دانے پڑھ لیا کرو۔ اول آخر گیارہ گیارہ بار درود شریف اُس شخص نے مری ہوئی زبان سے کہا کہ بہت اچھا۔ اس پر فرمایا کہ طبیعت خوش نہیں ہوئی۔ میں تمہاری نبضیں خوب پہچانتا ہوں۔ تم نہیں آکر ٹھیک ہوتے ہو اور جگہ تو تمہاری آؤ بھگت ہوتی ہے اسی وجہ سے تمہارے دماغ خراب ہوگئے۔ یہ اعتقاد کی خرابی ہے سمجھتے ہیں کہ تعویذ سے تو نعوذ باللہ خدا پر قبضہ ہو جاتا ہے جس سے وہ کوئی خلاف نہیں کرسکتے خواہ مشیت ہو یا نہ ہو اور پڑھنے پڑھانے سے یا دعاء کرنے سے کیا ہوتا ہے وہ اُن کی مرضی پر ہوتا ہے قبول کریں یا نہ کریں۔ ایک شخص حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی کے پاس آیا اور عرض کیا کہ حضرت میرا فلاں کام ہے یہ ہوجائے۔ فرمایا اچھا بھائی میں دعاء کرتا ہوں کہا کہ حضرت دعاء تو میں بھی کرسکتا ہوں۔ اس کام کو کردیجئے آپ کا مزاج تیز تھا۔ فرمایا دور ہو مردود مشرک ارے ہے کوئی نکالو اس نالائق کو تو عوام کے عقائد کی یہ حالت ہے۔ اور یہ سب عالموں کے بگاڑے ہوئے ہیں وہ جہلاء اس قسم کی باتیں بگھارتے رہتے ہیں کہ یہ کودیں گے وہ کردیں گے۔

ملفوظ ۲۵۱: ایک ھدیہ قبول کرنے کے سلسلہ میں فرمایا کہ ادنی کپڑے سے جی خوش نہیں ہوتا اس لئے کہ اس میں کیڑا وغیرہ لگ جاتا ہے۔ اور میرے یہاں حفاظت کا اہتمام نہیں ہوسکتا میں کثیر المشاغل ہوں۔ دوسرے ایسے کاموں میں توجہ اور وقت دونوں صرف ہوتے ہیں اور مجھ کو

اس سے گرانی ہوتی ہے ۔ اور یہ چیزیں ایک ہی سال میں صرف کر دینے کی ہیں ۔ میں نے ایک سند ہی پیر کی حکایت سنی ہے کہ ان کے یہاں جس قدر چیزیں آتی ہیں وہ ضرورت کی ہوں یا بے ضرورت کی ان کا ایک گودام ہے ان کی حفاظت کرنا رکھنا سکھلانا یہ سب اہتمام ہوتا ہے خدا معلوم جی نہیں گھبراتا ہوگا مجھ کو سن کر تصور سے وحشت ہوتی ہے ۔ اللہ کا شکر ہے کہ ضرورت کے لئے سب کچھ پہلے سے جمع رکھا ہے ۔ ادنیٰ بھی غیر ادنیٰ بھی ۔ اب جو کپڑا آتا ہے وہ اکثر بلا ضرورت ہوتا ہے اس لئے میں دوستوں سے کہا کرتا ہوں کہ بلا مشورہ کوئی چیز میرے پاس نہ بھیجا کریں اپنی رائے سے بھیجنے میں یہ ہوتا ہے کہ زائد کو فروخت کرنا پڑتا ہے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی زائد چیزیں فروخت کرا دیتے تھے ۔ سہارنپور میں حافظ قمر الدین صاحب حضرت کے بڑے مخلص خادم تھے انکے پاس بھجوا دیتے تھے پھر فروخت کرنے میں کبھی اس چیز کی قیمت نہ معلوم ہونے کی وجہ سے مجھ کو خسارہ ہوتا ہے اور کبھی خریدار کو یہ بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا ۔ ایک صاحب تھے بریلی سے لکھا کہ میں آنا چاہتا ہوں اور تین روپیہ کی مٹھائی لانا چاہتا ہوں ۔ میں نے لکھا کہ میں تین روپیہ کی مٹھائی کیا کروں گا مجھ کو ایک قلم تراش کی ضرورت ہے وہ لیتے آنا لیکن اگر تین سے زائد قیمت ہوگی وہ میں دے دوں گا وہ چاقو لائے جو تین روپیہ چار آنہ کا تھا ۔ میں نے وہ زائد چار آنہ بھی خفیف سمجھ کر نہیں دیئے وہ خوش ہو گئے ۔ ہر چیز اور ہر کام میں رسوم کا اس قدر غلبہ ہو گیا ہے کہ حقائق قریب قریب بالکل ہی مٹ ہی گئے ۔ کتنا سہل نسخہ ہے کہ مجھ سے پوچھ لو ۔ اس میں ایک حکمت یہ ہے کہ میں ضرورت کی چیز بتلاؤں گا تو دینے والے کے جو بنتا ہے کہ اس کو میں ہی استعمال کروں وہ اس صورت میں بالکل محفوظ ہے نہ فروخت کرنے کی ضرورت نہ کچھ ۔ ایک حکمت یہ ہے کہ ہدیہ دینے سے مقصود خوش کرنا ہوتا ہے وہ بھی اس صورت میں زیادہ تر قریب ہے کہ جی چاہی چیز آئی ۔ اور جو مروجہ صورت ہدیہ دینے کی ہے اس میں تو دینے والے کا جی خوش ہوتا ہے جو ہدیہ کے مقصود کے خلاف ہے ۔ مقصود تو جس کو ہدیہ دیا جائے اس کا خوش کرنا ہے مگر خود ہدیہ لینے والے کو دینے والے کی خوشی کی بھی رعایت ضروری ہے ۔ ایسا نہ کرے جیسے ایک بزرگ کی حکایت سنی ہے کہ جس زمانہ میں روم روس کی لڑائی ہو رہی تھی اسی وقت ایک شخص نے ان بزرگ کو پانچ روپیہ بطور ہدیہ دیئے ۔ ان بزرگ نے اس کے سامنے ہی چندہ میں دیدیئے ۔ میں اس کو بھی ناپسند کرتا ہوں اس میں اس کی افسردگی ہے ۔

ملفوظ ۲۵۲: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جس قدر الفت اور محبت بڑھتی ہے اسی قدر تکلف جاتا رہتا ہے اور یہ بے تکلفی اور دل کا ملنا شرط اعظم ہے نفع باطن کے لئے مگر اکثر لوگوں کو ان باتوں کی خبر ہی نہیں ۔

ملفوظ ۲۵۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ لوگ اکثر ہدایا میں بڑھیا چیز دیتے ہیں مگر میری نظر میں

بوجہ آمیزش رسم کے وہ مرجھا ہوتا ہے۔ دینا محبت اور خلوص سے ہونا چاہئے خواہ وہ کسی درجہ کی چیز ہو۔ خواہ وہ فلوس ہی ہو۔ ایک بزرگ ایک بزرگ سے ملاقات کرنے کے لئے گھر سے چلے پاس کچھ نہ تھا راستہ میں خیال آیا کہ کچھ ہدیہ ہونا ضرور چاہئے تو راستہ میں سے کچھ خشک لکڑیاں چن لیں کہ بزرگ کے یہاں ایک وقت کی روٹی ہی پک جائے گی لے کر پہونچے اور لکڑیاں پیش کیں اُن بزرگ نے اس ہدیہ کی خاص قدر کی اور خادم سے فرمایا کہ ان لکڑیوں کو حفاظت سے رکھدو۔ ہمارے انتقال کے بعد ہمارے غسل کا پانی ان لکڑیوں سے گرم کیا جائے تاکہ ہماری نجات کا ذریعہ ہوجائے۔ سبحان اللہ ان حضرات کی باتیں بھی بزرگی ہی ہوتی ہیں دوسرا کیا قدر کرسکتا ہے۔ ایک مقولہ مشہور ہے کہ بزرگوں کی خدمت میں خالی جائے تو خالی آئے فرمایا کہ یہ مقولہ جس معنی کر مشہور ہے غلط ہے کیونکہ اس کا مطلب لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خالی جائے تو فلوس سے اور خالی آئے فیوض سے یہ نہیں بلکہ صحیح مطلب یہ ہے کہ خالی جائے خلوص سے تو خالی آئے فیوض سے۔ یہ دوکاندار پیروں کی اڑائی گپ ہے یہ ایسوں کی اڑائی ہوئی ہے جو کہتے ہیں کہ جس وقت اللہ نے روحوں کو جمع کیا اس وقت یہ حکم دیا تھا کہ دنیا میں جاکر رنگ بونہ کی پابندی لکھنا سو ہم تو اول صف میں تھے ہم نے تو صحیح سنا اور یہ مولوی دور تھے انہوں نے سُنا نماز روزہ کس قدر یہ کفر یہ کلمہ ہے نعوذ باللہ۔

ملفوظ ۲۵۴ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں سب کو تو منع نہیں کرتا مگر ہاں اکثر لوگ قیمتی کپڑا تکلف اور زینت کی وجہ سے پہنتے ہیں ان کو ضرور منع کیا جائے گا اس کا اثر طبیعت پر برا ہوتا ہے ایسی تکلف کی زینت تو عورتوں کے لئے ہے نہ مردوں کے لئے۔

ملفوظ ۲۵۵ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کسی چیز کے لینے یا کھانے سے عذر کردینا کفران نعمت تو جب ہے جبکہ ضرورت ہو اگر ضرورت ہونے پر ایسا کیا تو یہ ابتلاء ہے اور اگر ایسا نہیں جیسا ایک شخص کے پاس ملنے گئے اور اس نے دودھ سویوں کا پیالہ بھر کر رکھدیا اور خواہش ہے نہیں تو کیا کھانے سے عذر کردینا کفران ہوگا۔ کفران ایسا سستا نہیں کہ چلتا پھرے اور سب معاملات میں بڑا معیار تو شریعت ہے۔ اگر فتوے سے عذر کی اجازت ہے تو پھر کفران کہاں کیونکہ کفران کی تو اجازت شریعت میں نہیں سو جو کفران کی فرد ہوگی اس میں شریعت کی ممانعت بھی ہوگی اور یہاں ممانعت ہے نہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ کفران بھی نہیں پس مسلمانوں کے لئے تو بڑا اچھا معیار شریعت ہے مگر فتوی ایسی چیزوں میں اسی کا معتبر ہے جو جامع شریعت و طریقت ہو اس لئے کہ اہل ظاہر بلا ضرورت کہیں جائز کہدیگا اور کہیں ناجائز۔

ملفوظ ۲۵۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ جو آج کل اہل مدارس دنیاداروں سے چندہ مانگتے ہیں اس مانگنے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ رنگون میں ایک بڑے مدرسہ اسلامیہ کی طرف سے رمضان المبارک

میں کچھ لوگ چندہ کے لئے گئے تھے ایک شخص مجھ سے روایت کرتے تھے کہ میں امراء کے ایک مجمع میں موجود تھا وہ سب آپس میں یہ کہہ رہے تھے کہ اب تو یہ لوگ آگئے کچھ کرنا ہی پڑے گا اور میرا نام لے کر کہا کہ اس کی سی صفائی کسی میں بھی نہیں۔ ایک صاحب ہماری برادری کے یہاں تھے وہ ایک مسجد کے چندہ کے لئے سفر کرچکے بعد جب واپس آئے اس وقت خود مجھ سے کہتے تھے کہ میں پہلے خیال کرتا تھا (یعنی میرے متعلق) کہ اگر کسی سے چندہ کے لئے سفارش کردیں تو کار خیر ہے حرج کیا ہے لیکن اس سفر میں واقعات اور مشاہدات سے معلوم ہوا کہ فی الحقیقت آپ کے یہاں جس قدر اصول اور قواعد ہیں نہایت پاکیزہ ہیں اس سے وہ شبہ جاتا رہا۔

ملفوظ: ۲۵۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جس قدر غیر مسلم اقوام ہیں سب نے اسلام کے اصول لے لئے ہیں راحت اٹھا رہے ہیں۔ اور مسلمانوں نے چھوڑ دیئے پریشان ہیں تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ علی گڑھ میں ایک انگریز مسلمان ہوا نماز کے لئے مسجد میں آیا دیکھا کہ نالی میں صفائی نہ تھی اس نے اس پر خادم مسجد سے کہا کہ ذرا صفائی رکھنا چاہئے تو جاہل لوگوں نے کہا کہ بڑا صفائی صفائی گاتا ہے معلوم ہوتا ہے ابھی تو عیسائی ہے گویا مسلمان وہ ہے جس میں صفائی نہ ہو میلا کچیلا رہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ لوگوں کو حس نہیں رہا۔ دیکھئے حدیث میں ہے نظفوا افنیتکم یعنی گھر سے باہر جو اس کے سامنے میدان ہے اس کو صاف رکھو سو ظاہر ہے کہ جب مکان سے باہر کی صفائی کا اس قدر اہتمام ہے تو خود گھر کی صفائی کس قدر مطلوب ہوگی۔ پھر کپڑے کی اس سے زیادہ اور جسم کی اس سے زیادہ اور روح کی تو کس قدر مطلوب ہوگی۔ میرے متعلق ایک شخص نے کہا تھا کہ اس کے مزاج میں تو انگریزوں کا سا انتظام ہے میں نے کہا کہ کیا لغو بات ہے اگر یہ کہا جائے کہ انگریزوں میں مسلمانوں جیسا انتظام ہے تو یہ تو کہنے کی بات بھی ہے کیونکہ انہوں نے یہ سب اسلام سے لیا ہے نہ کہ اس کا عکس۔ میں جب حیدرآباد دکن گیا تھا ایک مولوی صاحب میرے دوست تھے انہوں نے مدعو کیا تھا رخصت کے قریب بعض احباب نے مشہور چیزوں کی سیر کرائی اسی سلسلہ میں دار الضرب بھی دیکھنے گیا وہاں ایک انگریز دکھلانے والا تھا جب سب کچھ دیکھ کر واپسی کے لئے دروازہ پر آئے تو میں نے اس انگریز سے کہا کہ آپ کے اخلاق سے بڑا ہی خوش ہوا آپ کے اخلاق تو ایسے ہیں جیسے مسلمانوں کے ہوتے ہیں۔ اس پر وہ تو خوش ہوا کہ ایک مذہبی شخص نے اس کی تعریف کی۔ میرے ساتھ ایک بڑے افسر مسلمان بھی تھے انہوں نے مجھ سے آگے چل کر کہا کہ آپ نے تو غضب ہی کر دیا عجیب و غریب طرز سے تعریف کی۔ بڑھا بھی دیا اور گھٹا بھی دیا وہ تو اس پر خوش ہوا اور بڑا اثر ہوا کہ ایک مذہبی شخص اپنے مذہبی لوگوں کی ساتھ مجھ تشبیہ دیتا ہے اور گھٹا یوں دیا کہ اخلاق میں مسلمانوں کو کامل اور اس کو ناقص قرار دیا۔ میں نے جواب دیا کہ میں نے حقیقت کو بیان کیا کہ اپنے اخلاق پر ناز نہ کرنا یہ سب تم نے اسلام سے

اور مسلمانوں سے لیا ہے۔ یہ تمہارے گھر کی چیز نہیں بلکہ مسلمانوں کے گھر کی چیز ہے۔ اسی طرح ہر امر میں اسلام کی تعلیم اور اصول عجیب ہیں۔ امام شافعی رح سماع حدیث کے لئے امام مالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مہمان ہوئے۔ کھانے کے وقت خادم نے اطلاع کی کہ کھانا تیار ہے۔ فرمایا لے آؤ وہ ہاتھ دھلانے کے لئے پانی لایا اور پہلے امام شافعی رح کے ہاتھ دھلانے چاہے۔ امام مالک نے فرمایا کہ پہلے ہمارے ہاتھ دھلاؤ۔ اسی طرح کھانا رکھتے وقت فرمایا کہ کھانا پہلے ہمارے سامنے رکھو اس کے بعد خود پہلے کھانا شروع کر دیا۔ یہ ترتیب اس وقت کے رسم و تکلف کے خلاف ہے لیکن اس میں ایک بہت بڑے دقیقہ پر امام کی نظر گئی اس لئے کہ مہمان کو پیش قدمی کرتے ہوئے شرم دامن گیر ہوتی ہے۔ خصوص کھانے میں ابتداء کرتا ہوا مہمان شرماتا ہے۔ یہ تجربہ سے معلوم ہوا اس لئے آپ نے مہمان کو بے تکلف کرنے کے لئے یہ ترتیب اختیار فرمائی۔

ملفوظ ۲۵۸ ایک سلسلہ گفتگو میں اوپر کے ملفوظ کی مناسبت سے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ قصبہ کیرانہ گیا تھا (وہاں پر جو اس وقت تحصیلدار تھے سندیلہ کے رہنے والے تعلقدار تھے وہ اس خیال سے کہ یہ رئیس ہیں) میرے باپ کا ملنے والا ہے محبت کرتے تھے انہوں نے میری دعوت بھی کی مجھ کوئی وجہ عذر کی نہ تھی قبول کر لی ان کے یہاں لکھنؤ کا باورچی تھا بہت نفیس نفیس کھانے تیار کرائے۔ اور رعایت تکلف سے کھانے کے وقت وہ مجھ پر مسلط ہو گئے کہ یہ کھایئے وہ کھایئے پہلے تو میں نے برداشت کیا مگر جب وہ تسلط ختم نہ ہوا تب مجبور ہو کر میں نے گنوارپن سے کام لیا اور اس تسلط کے اٹھانے کے لئے عرض کیا مگر نہیں مانا۔ اودھ میں تکلف ختم ہے اس کا اثر تھا بیچارہ دل پر۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں شکم سیر ہو کر کھانا نہ کھا سکا اودھ کے تکلف پر ایک قصہ یاد آیا کہ دو شخص اودھ کے تھے۔ ریل میں سفر کا ارادہ تھا مگر عین سوار ہونے کے وقت تکلف کی مشق ہو رہی تھی ایک کہتا تھا قبلہ آپ سوار ہوں۔ دوسرا کہتا تھا کعبہ آپ سوار ہوں اسی میں ریل چھوٹ گئی ایسے ہی دو شخص کیچڑ میں گر گئے اب آپس ایک دوسرے کو کہہ رہا ہے کہ قبلہ آپ اٹھئے کعبہ آپ اٹھئے۔ اودھ کا تکلف مشہور ہے لیکن ادب کو تکلف میں داخل کر کے نہ چھوڑا جاوے۔ ادب نہایت ضروری ہے اور ہر امر میں۔ ایک قصہ مہمانی کے ادب کا یاد آیا وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے ایک اعرابی بدوی آپ کے دسترخوان پر کھانا کھا رہا تھا اور بڑے بڑے لقمے کھاتا تھا آپ انتظام و نگرانی فرما رہے تھے۔ آپ نے شفقت سے فرمایا کہ بھائی اتنا بڑا لقمہ مت لو بعض دفعہ تکلیف ہو جاتی ہے۔ وہ بدوی فوراً دسترخوان پر سے اٹھ گیا اور کہا کہ آپ نگرانی کرتے ہیں مہمانوں کے لقموں کی یہ دسترخوان اس قابل نہیں کہ کوئی بھلا آدمی اس پر کھانا کھائے یہ کہہ اور دسترخوان سے اٹھ کر چل دیا ہر چند حضرت معاویہ نے کوشش کی مگر نہیں رکا چلا گیا۔ مجھ کو تو حیرت ہو گئی کہ بدوی بھی اصولی ہیں جن کا یورپ کے بڑے بڑے مہذب مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جہلاء کہتے ہیں

کہ اسلام میں انتظام نہیں۔ اسلام میں تو وہ انتظام ہے کہ دوسروں نے بھی اسی سے لیا ہے۔ اسلام کا انتظام اسلام کے اصول تو وہ ہیں کہ آج دنیا کی تمام اقوام کا اقرار ہے کہ ہم نے اسلام ہی سے لئے ہیں۔

ملفوظ ۲۵۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ انگریزوں میں ظاہری تہذیب بہت ہے۔ ایک مرتبہ یورپ میں شاہ ایران مہمان ہوئے۔ کھانے کے بعد پیالیوں میں نہایت رنگین اور خوشنما اور خوشبودار صابون ہاتھ صاف کرنے کے لئے آیا۔ یہ سمجھے یہ کوئی کھانے کی چیز ہے یا پینے کی اس کو پی گئے اس کھانے پر جس قدر انگریز تھے سب نے اس کو پیا محض اس خیال سے کہ ان کو کوئی شرمندگی نہ ہو ایسی باتوں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ ایک نواب زادہ کی حکایت ہے ایک شخص بیان کرتے تھے کہ یہ نواب زادہ ایک جہاز میں سوار تھے اور ان کے چند دوست احباب بھی ہمراہ تھے۔ ایک انگریز بھی بڑے درجہ کا اس جہاز میں سفر کر رہا تھا اور ان کو رئیس سمجھ کر ان کے پاس ملنے آتا تھا اور انگریزی میں بات چیت کرتا تھا یہ یوں سمجھے کہ اردو نہیں جانتا انہوں نے مذاق میں اس کا نام الو کا بچہ رکھا تھا اور یہی سمجھتے تھے کہ یہ اس کو نہیں سمجھتا اور وہ باوجود سمجھنے کے کبھی چیں بجبیں نہ ہوا۔ جب جہاز سے اتر کر چلنے لگے تو وہ نواب زادہ سے رخصت ہونے کے لئے کہتا ہے کہ الو کا بچہ آداب بجا لاتا ہے۔ اودھ کا سا سلام کیا اس وقت معلوم ہوا کہ یہ اردو اعلیٰ درجہ کی جانتے ہیں مگر غضب یہ کیا سارے راستہ ان کو محسوس نہیں ہونے دیا کہ میں اس کو سمجھتا ہوں۔ برابر اس کہنے پر بولتا رہا اور کوئی ناگواری نہیں ہوئی۔ نواب زادہ کی تو یہ حالت ہوئی کہ مارے شرمندگی کے پسینے پسینے ہو گئے اور بے حد محجوب اور شرمندہ ہوئے اور وہ کہہ کر چلا گیا اس ضبط کو ملاحظہ فرمائیے یہ ایسی قوم ہے مگر دین نہ ہونے کے سبب یہ سب اخلاق کی نقل ہے اصل نہیں۔

۹ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم سہ شنبہ

ملفوظ ۲۶۰: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کفر جڑ ہے تمام اخلاق رذیلہ کی اور اسلام جڑ ہے تمام اخلاق حمیدہ کی اس لئے کفر کے ہوتے ہوئے اتفاق ہونا نہایت عجیب ہے اور اسلام کے ہوتے ہوئے نااتفاقی ہونا عجیب ہے۔ ان دونوں کا سبب کچھ عوارض ہوتے ہیں۔

ملفوظ ۲۶۱: ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ جو کچھ لکھ پڑھ لیتے ہیں ان کے دماغ سب سے زیادہ خراب ہو جاتے ہیں۔ کل دو صاحب آئے تھے اہل علم تھے مگر جو بات کی اینچ پینچ ہی کی کی میرے پوچھنے پر بھی صاف بات نہ کہی۔ جو لوگ محض جاہل ہیں اکثر وہ بھی صاف بات کہہ دیتے ہیں۔ چنانچہ معمولی لوگ ملنے آئے مگر میرے دریافت کرنے پر صاف کہہ دیا کہ ہاں رات میں آئے

تھے تم سے بھی ملنے آگئے مگر معلوم نہیں یہ لکھے پڑھوں میں مکر و فریب کہاں سے آ گئے سیدھی بات تھی جب میں نے پوچھا تھا کہ یہ سفر کس غرض سے ہوا تو صاف کہہ دیتے کہ فلاں صاحب سے ملنے آئے ہیں آپ سے بھی ملنے آ گئے اس میں ایسی کونسی بات تھی جس کو وہ نہ کہہ سکتے تھے خواہ مخواہ جھوٹ بولا ان کے نشست لہجے سے سمجھ گیا تھا کہ دل میں کچھ اور ہے مجھ کو راز معلوم کرنا تھا لوگ اس قسم کی چالاکیاں اور مکر و فریب کرتے ہیں۔ کہاں تک تاویل کروں۔ وجہ ناگواری کی یہ ہوتی ہے کہ جو شخص تعویذ لینے یا مسئلہ پوچھنے یا فتویٰ لینے یا ملنے کے لئے آتا ہے تو یہ سب دوستی کی افراد ہیں سو دوستوں سے صبر نہیں ہو سکتا۔ ہاں دشمن سے صبر ہو سکتا ہے۔ فلاں خانصاحب نے ساری عمر گالیاں دیں مگر مجھ پر ذرہ برابر کبھی اثر نہیں ہوا

ملفوظ ۲۶۲: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہدیہ دینا سنت ہے جب سنت ہے تو اس میں برکت کیسے نہ ہو گی نہ ہونے کے کیا معنی لیکن مثل دیگر طاعت کے وہ بھی مناسب شرائط کے ساتھ مشروط ہے چنانچہ ایک بڑی شرط باہم بے تکلفی ہے۔ بے تکلفی ہی میں ہدیہ کا لطف بھی ہے اور اس مادی ہدیہ سے بھی بڑا ہدیہ یہ ہے کہ محبت سے مل لئے اگر یہ نہیں ہے تو ہدیہ میں کیا رکھا ہے۔

ملفوظ ۲۶۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض آثار طبعیہ فطری ہوتے ہیں وہ زائل نہیں ہوتے گو کمی تو ہو جاتی ہے مگر رہتے ضرور ہیں چنانچہ باوجود اس کے کہ اتنا زمانہ ہدایا قبول کرتے ہوئے ہو گیا مگر اب تک طبیعت میں جھجک ہے اور اجنبی سے تو بالکل ہی طبیعت قبول نہیں کرتی جی شرماتا ہے۔ بے تکلفی کی جگہ بھی جھجک تو ہوتی ہے مگر کم۔ مولوی صدیق صاحب گنگوہی اپنا واقعہ بیان کرتے تھے کہ جب یہ مدرسہ دیوبند میں داخل ہوئے ایک مکان میں کھانا مقرر ہوا۔ جب کھانا لانے کے لئے گئے وہاں پہونچکر اب چپ کھڑے ہیں زبان نہیں اٹھتی۔ اتفاقاً سے صاحب خانہ آ گئے انہوں نے بڑے احترام سے بٹھایا اور کھانا خود لا کر دیا مگر جاتے جاتے اس خجالت کا کم ہونا شروع ہوا۔ ان چیزوں میں عادت کو بھی بڑا دخل ہوتا ہے مگر جو چیز فطری ہوتی ہے وہ کچھ نہ کچھ رہتی ہے اور فطرت کے ساتھ اگر عادت بھی منظم ہو جاوے تو اگر وہ امر محمود ہے تو نور علیٰ نور ہو جاتا ہے اور اگر امر مذموم ہے تو کریلا اور نیم چڑھا ہو جاتا ہے چنانچہ مجھ پر عجیب خدا تعالیٰ کی یہ رحمت ہوئی کہ باپ بھی ایسے ملے کہ انہوں نے شیخ کی طرح تربیت کی اور شیخ تو پھر شیخ ہی تھے دونوں کی برکت فطرت کے ساتھ ملکر اور اخلاق ثلثہ ہو گئے والد صاحب کا معمول تھا کہ دعوت میں ہم کو نہ لے جاتے تھے الا نادراً حالانکہ اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ بچوں کو ہمراہ لے جاتے ہیں۔ والد صاحب فرماتے کہ یہ ٹھیک نہیں اس سے بچوں کو عادت ہو جاوے گی پھر انتظار ہونے لگے گا ایسے عاقل تھے ان کی باتیں ایسی تھیں جیسے شیوخ کی ہوتی ہیں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ باپ بھی ایسے ملے۔ استاد بھی ایسے ہی شیخ بھی ایسے ہی یہ ان کا بڑا فضل اور رحمت ہے۔

ملفوظ ۲۶۴: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہدیہ لینے میں بعض اوقات ایک

تو طبعی انقباض ہوتا ہے اس کا تو کچھ ذکر نہیں اور ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ بعض مرتبہ تجربہ کی بناء پر ہدیہ قبول کرکے پچھتانا پڑتا ہے اس میں انتظام کی ضرورت ہے۔ یہاں ہماری برادری میں ایک صاحب تھے جن کا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خادمی کا تعلق تھا اس بناء پر مجھ سے بھی محبت کرتے تھے اُن کے یہاں کوئی پھل آیا کوئی اچھا کھانا پکا میرے لئے بھیجدیتے تھے اور یہاں سے بھی جاتا رہتا تھا مگر کم وبیش کا تفاوت تھا۔ اتفاق سے ایک فرائض کا مسئلہ انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ میں نے بتلا دیا وہ اُن کے خلاف تھا اور اس میں ان کے فریق مخالف کا نفع تھا اس پر کہا کہ ہم اتنے زمانہ سے خدمت کرتے ہیں مگر جب ہمارے کام کا وقت آیا تو ہماری کچھ رعایت نہ کی۔ دیکھئے کتنی رنج وہ بات ہے۔ اس وجہ سے بعض ہدیہ میں شبہ ہوجاتا ہے کہ کہیں اس کا بھی یہی انجام نہ ہو۔ اور ہدیہ دے کر کسی رعایت کی توقع تو نہایت ہی منکر وقبیح ہے۔ مجھ کو تو یہ بھی پسند نہیں کہ ہدیہ دیکر دعاء کے لئے کہا جاوے اس لئے کہ ہدیہ تو محض طیب قلب سے اور تطییب قلب کے لئے ہوتا ہے۔ اس میں اور اغراض کی یا دوسرے مصالح کی آمیزش کیسی۔ اسی لئے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہ شبہ ہوجائے کہ یہ شخص ہم کو غریب سمجھ کر ہدیہ دے رہا ہے لینے کو جی نہیں چاہتا۔ ہم غریب ہی سہی مگر اس کو کیا حق ہے کہ وہ غریب سمجھ کر دے تو مولانا نے دفع حاجت کی مصلحت کی آمیزش کو پسند نہیں فرمایا اور ایک یہ بھی معمول تھا کہ سفر میں ہدیہ لینا پسند نہ فرماتے تھے بعض اوقات پہلے سے آمادگی نہیں ہوتی منہ دیکھ کر خیال ہوجاتا ہے تو طیب قلب سے نہ ہوا۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ پر غالب حالت مجذوبیت کی تھی مگر کوئی شخص رخصت کے وقت ہدیہ پیش کرتا قبول نہ فرماتے تھے اور جو شخص آتے ہی دیتا لے لیتے تھے جانے کے وقت دینے کے متعلق فرماتے کہ بھٹیارا سمجھا ہے کہ حساب لگا کر دیتا ہے کہ آٹھ آنہ کا کھایا ہوگا لاؤ روپیہ دے دو۔ دیکھو یہاں بھی ہدیہ میں دوسری مصلحت یعنی ادائے عوض کی مل گئی۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ زیادہ مقدار میں ہدیہ نہ لیتے تھے کم مقدار میں لیتے تھے اور لینے کے وقت بہت شرماتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ میری اتنی بڑی حیثیت نہیں اپنے کو ہیچ در ہیچ سمجھتے تھے فرمایا کرتے کہ بھائی زیادہ سے زیادہ ایک روپیہ دے دو۔ اس میں بھی یہ راز ہے کہ بعض اوقات زیادہ مقدار میں طیب قلب نہیں ہوتا قلیل مقدار سے بشرما کہ زیادہ دیتا ہے پھر استطراداً فرمایا کہ مجھ کو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف زیادہ کشش ہے دوسرے بزرگوں کے ساتھ تو ان کے کمالات کی بناء پر عقیدت ہے اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے اضطراری طور پر محبت ہے اُن کی ہر بات میں ایک محبوبانہ شان معلوم ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ میاں تم بہت دنوں سے آتے ہو۔ ہم نے تمہیں کبھی کھانا نہیں کھلایا آج تمہاری دعوت ہے۔ دیکھئے اس سے سادگی کی کیسی عجیب و غریب شان مترشح ہوتی ہے جو محبوبانہ انداز کی بڑی فرد ہے۔

۹ رجمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم سہ شنبہ

ملفوظ ۲۶۵: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اہل اللہ اور خاصان حق کی صحبت میں ان کی دعاء میں ان کی نصیحت میں سب میں نور اور برکت ہوتی ہے۔ دہلی میں جو حکیم نابینا ہیں اُن کی نباضی مشہور ہے۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا تھا کہ حضرت میں نابینا ہوں بجز نبض کے اور علامات کا مشاہدہ نہیں کرتا نبض شناسی کی دعاء کر دیجئے آپ نے نبض کے لئے دعاء فرما دی جس میں اُس کا کمال مشاہد ہے تو یہ اس دعاء کی برکت ہے۔

ملفوظ ۲۶۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں تغیر طبیعت میں معذور ہوں۔ ناگوار بات پر ایکدم تغیر ہونے لگتی ہے۔ اب اس پر اگر ضبط کرتا ہوں تو تغیر بڑھ جاتی ہے اور حالت شباب میں تو اکثر بخار ہو جاتا تھا۔

ملفوظ ۲۶۷: ایک صاحب نے زمانہ تحریکات میں میرا نام لے کر کہا کہ اگر اُن کو انگریزوں کی حالت معلوم ہو جائے تو ہم سے زیادہ ان تحریکات کے حامی ہو جائیں۔ میں نے سن کر کہا کہ ہمیں کسی دوسری قوم کے ساتھ دوستی نہیں کہ حالات معلوم ہونے سے بغض ہو جاوے گا۔ اپنی قوم سے دوستی ہے تحریکات کو اُن کے لئے مضر سمجھ کر علیحدہ ہوں۔

ملفوظ ۲۶۸: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ دیکھئے ایک پہلو پر تو نظر گئی کہ انگریزوں کو نفع نہ پہونچے اُن سے کوئی چیز نہ خریدو اور ہندوؤں کو اگر نفع پہونچے تو اُس کو گوارا کیا جاتا ہے اس لئے کہ تمام تجارتیں اُن کے ہاتھ میں ہیں اس لئے تجارت کا نفع اُن ہی کو زیادہ پہونچتا ہے۔ اور یہ سب چھوڑیئے ہم تو مقلد ہیں کوئی فقہی روایت دکھلائیں کہ کفار سے خریدنا ناجائز ہے۔ البتہ بعض اشیاء کا فروخت کرنا بیشک ممنوع ہے۔ اور اس میں ایک راز ہے وہ یہ ہے کہ اعیان میں تو خود بلاواسطہ نفع پہونچتا ہے اور نقود میں بواسطہ ہوتا ہے۔ مثلاً لوہا ہے خود وہی لوہا کام میں لا سکتے ہیں تو اگر اُس کا مسلمانوں کے مقابلہ میں استعمال کریں گے مسلمانوں کو ضرر پہونچے گا۔ اور روپیہ بعینہ کام میں نہیں آتا بواسطہ کام آتا ہے تو اس سے اگر ضرر ہوگا بواسطہ ہوگا جس میں فاعل مختار کا تخلل ہے۔ فقہاء نے اس راز کو سمجھا ہے دوسروں کو کیا حق ہے اجتہاد کا کہ خواہ مخواہ احکام میں ٹانگ اڑائیں۔

ملفوظ ۲۶۹: ایک صاحب نے بوقت رخصت عرض کیا کہ حضرت معاف فرما دیں جو کچھ مجھ سے حضرت

کو تکلیف پہونچی ہے۔ فرمایا کہ تم نے مجھے کیا تکلیف دی جو معاف کرانے کی ضرورت ہو۔ اور اگر میرے مواخذہ سے شبہ ہو تو اُس کا سبب میری کسی مصلحت کا فوت ہونا نہیں بلکہ ہیں جو کچھ کہتا ہوں اُس سے آپ لوگوں کی تعلیم اور اصلاح مقصود ہوتی ہے کوئی خدانخواستہ انتقام تھوڑا ہی مقصود ہے جو ایذارسانی سے سبب ہوتا ہے بلکہ مجھے خود آپ سے معاف کرانا چاہیئے کہ میں نے تم کو ستایا۔

ملفوظ: ۲۶۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ان باطنی تعلقات سے نفع کا مدار بشاشت پر ہے۔ خصوص اگر بیعت کے وقت انقباض ہو تو یہ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ پھر ساری عمر اس کا اثر رہتا ہے اور اصل یہ ہے کہ اس وقت اکثر مشائخ اور پیروں نے اس طریق کا ناس کر دیا ان کے اغراض پرستی کے سبب لوگوں کے اخلاق خراب اور برباد ہو گئے۔ اس لئے بیچارے لوگوں کا بھی کوئی قصور نہیں۔ ساری جگہوں میں جب صرف ایک ہی جگہ روک ٹوک ہو محاسبہ ہو تو وہاں تو ضرور ہی گھبرائیں گے۔

ملفوظ: ۲۶۸ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ انگریزی دوا باستثناء نادر میں خود تو استعمال نہیں کرتا مگر دوسروں کے لئے بُرا نہیں سمجھتا کیونکہ ضرورت شدیدہ میں جائز ہے۔

۱۰ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم چہارشنبہ

ملفوظ: ۲۶۹ ایک نووارد صاحب حاضر ہوئے چادر سے منہ چھپائے چپکے سے آکر مجلس میں بیٹھ گئے۔ حضرت والا نے دریافت فرمایا کون صاحب ہیں۔ عرض کیا کہ مسافر ہوں۔ فرمایا کہ مسافر کے لئے سرائے ہے۔ یہاں کیسے آئے عرض کیا کہ آپ سے ملاقات کے لئے۔ فرمایا کہ کیا ملاقات کا یہی طریقہ ہے کہ نہ سلام نہ کلام نہ مصافحہ اور اوپر سے یہ عورتوں کا سا گھونگٹ۔ کیا اہل حال کی سی ہیئت بنا کر مجھ پر اثر ڈالنا چاہتے ہو۔ اپنی بزرگی سے مرعوب کرنا چاہتے ہو۔ کیوں دماغ بگڑا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم کسی سے مرید ہو کیا یہ صحیح ہے۔ عرض کیا کہ فلاں درویش ہیں اُن سے بیعت ہوں۔ دریافت فرمایا کہ میرے پاس جو آئے ہو محض ملاقات ہی مقصود تھی یا کوئی اور کام بھی ہے اگر ہے تو کہہ لو تاکہ یہ سلسلہ ختم ہو اور طبیعت یک طرف ہو۔ عرض کیا کہ محض ملاقات مقصود تھی۔ فرمایا کہ منہ کھول کر اچھی طرح جیسے اور بیٹھے ہیں بیٹھو اور یہ ہمیشہ یاد رکھو کہ آدمی کسی کے پاس جاوے تو سلام کلام مصافحہ کچھ تو کرے یہ کیا جانوروں کی طرح آ کر بیٹھ گئے۔ افسوس اصلاح کا تو نام و نشان نہیں۔ اب سب حضرات مشاہدہ کر لیں میں جو کہا کرتا ہوں کہ بزرگی اور ولایت تو آسان ہے مگر انسانیت آدمیت مشکل ہے صحیح ہے یا نہیں یہ صاحب باوجود درویش ہونے کے انسانیت سے معرا ہیں اسی واسطے میرے یہاں انسانیت آدمیت سکھلائی جاتی ہے اور اس کے

دشوار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق مخلوق سے ہے اس میں کمی ہونے سے مخلوق پر اثر پہنچتا ہے اور ان کا معاملہ بوجہ حقوق العباد ہونے کے مشکل ہے اور بزرگی ولایت کا تعلق ایک بڑی رحیم کریم ذات سے ہے وہ اگر اپنے حقوق کو معاف فرما دیں کچھ دشوار نہیں۔

ملفوظ: ۲۷۳ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ خواب یا کشف سے جو زیارت حق تعالیٰ کی ہوتی ہے وہ مثالی ہے۔ سو حق تعالیٰ کی رویت کے درجات مختلف ہیں۔ جن لوگوں کو یہاں پر رویت ہوئی وہ مثالی ہوئی۔ اصلی جنت میں ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کبھی عینی بھی ہو سکتی ہے وہ اس طرح کہ یہاں سے حضور کے جسد مبارک تک حجابات اٹھ جائیں اور اصلی صورت نظر آجاوے باقی حضرت حق کی رویت دنیا میں عینی نہیں ہو سکتی اور ہر حال میں ان چیزوں کو قرب میں دخل نہیں بلکہ خود قرب کو اس میں دخل ہے مگر بلا لزوم بلکہ بعض اوقات یہ حالات خطرناک ہو جاتے ہیں کیونکہ ان میں بڑوں بڑوں سے غلطیاں ہو گئی ہیں یعنی ان کے سمجھنے میں۔

ملفوظ: ۲۷۴ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایک دفعہ فلاں مقام پر تشریف لے گئے تھے اسٹیشن سے دو میل کے فاصلے پر ایک بزرگ مدفون ہیں حضرت نے اسٹیشن ہی پر فرمایا کہ یہاں پر کسی بزرگ کا مرقد ہے کیا یہ بات صحیح ہے فرمایا کہ مجھ کو نہ یہ درجہ حاصل اور نہ یہ میری عادت۔ خلاصہ یہ کہ جو بات طالب علموں میں نہیں ہوتی وہ ہم میں نہیں اگر طالب علمی کا نام درویشی ہے تو ہم درویش ہیں اور اگر کسی اور چیز کا نام درویشی ہے تو ہم درویش نہیں اور نہ ان چیزوں کا درویشی سے کوئی تعلق جیسا عام خیال ہے اور یہ ساری خرابی کہ غلط خیالات میں ابتلاء ہو رہا ہے اس کی ہے کہ لوگ طریق سے بے خبر ہیں جن چیزوں کو طریق سمجھتے ہیں وہ حقیقت سے کوسوں دور ہیں۔ خارجی چیزوں کا بلکہ اکثر تو واہی تباہی باتوں کا نام طریق رکھ چھوڑا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اعمال مامور بہا طریق ہیں اور رضاء حق اس طریق کا مقصود ہے۔ اس سے آگے جو شیخ کامل تجویز کرتا ہے یا سلف کا معمول رہا ہے وہ سب تدابیر کا درجہ ہے فن طب کی طرح اس طریق میں بھی تدابیر ہیں۔

ملفوظ: ۲۷۵ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اعتراض کرنا کون مشکل ہے زبان ہی تو ہلانا پڑتی ہے۔ تحقیق کا درجہ مشکل ہے۔ اس ہی لئے محقق پر سیکڑوں اعتراض ہوتے ہیں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کی نظر تمام جوانب پر ہوتی ہے اور غیر محقق کی نظر صرف ایک بات پر ہوتی ہے۔ سو مختلف جوانب کو جمع کرنا ظاہر ہے کہ کس قدر مشکل ہے۔ ایک بزرگ کی مجلس میں لفظ زندیق کی لغوی و عرفی تحقیق ہو رہی تھی۔ اسی سلسلہ میں ایک عالم نے کہا کہ زندیق ایسے ہی کو کہتے ہوں گے جیسے محی الدین ابن عربی۔ یہ بزرگ کچھ نہیں بولے۔ پھر خاص مجلس میں ایک صاحب نے ان بزرگ سے سوال کیا کہ حضرت آج کل قطب کون ہیں فرمایا محی الدین ابن عربی ہیں۔ عرض کیا گیا کہ حضرت اس مجلس میں ان کو زندیق کہا گیا اور

حضرت کچھ نہیں بولے۔ فرمایا کہ وہ مجلس علماء کی تھی وہاں رد و قدح کرنے سے شرع کا نظام مختل ہوتا۔ اب مجلس خاص ہے اور اہل ظاہر چونکہ جامع نہیں ہوتے اس لئے ان کا یہی ہمیشہ مسلک رہا کہ وہ محقق پر معترض رہے حالانکہ کوتاہی اپنی نظر کی ہوتی ہے۔

ملفوظ ۲۷۶ ایک صاحب نے ایک تسبیح سیپ کی جو خاص قیمتی تھی بطور ہدیہ حضرت والا کی خدمت میں پیش کی۔ اور تھیدی کی دل آزاری کی وجہ سے حضرت والا نے اپنے معمول کے خلاف قبول فرمالی اُس تسبیح کو تقریباً چار یوم تک حضرت والا نے استعمال فرمایا انہی دنوں میں ایک دانہ اُس تسبیح کا ٹوٹ گیا۔ تھیدی صاحب ابھی تک قیام کئے ہوئے تھے مجلس میں موجود تھے اُن کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میں اس تسبیح کی حفاظت نہیں کرسکتا کیونکہ یہ ایک مستقل شغل ہوگا اس لئے میری درخواست ہے کہ آپ نے مجھ کو دی تھی اب میں بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں واپس نہیں کرتا اور مجھے امید ہے کہ جیسے میں نے آپ کی رعایت کرتے ہوئے قبول کرلی تھی آپ میری رعایت کرتے ہوئے قبول کرلیں گے جیسے میں نے آپ کا دل خوش کیا آپ میرا دل قبول کرکے خوش کریں گے۔ اور اگر زیادہ خیال ہے تو اس کے عوض میں میں آپ سے اور کوئی چیز لے لوں گا۔ علاوہ مشغولی کے دوسری بات یہ ہے کہ اگر پھر کوئی دانہ ٹوٹا تو اُس دانہ کو دیکھ کر مجھ نادان کو تکلیف ہوگی اور میں اس کو پڑھ بھی چکا ہوں۔ اُن صاحب نے بخوشی قبول کرلیا۔

ملفوظ ۲۷۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بادشاہ عادل بڑی چیز ہے۔ پہلے سلاطین میں اکثر دین کی پابندی تھی۔ دین کی عظمت اور وقعت تھی اگر کسی کے اندر عمل کی کوئی کوتاہی بھی تھی تب بھی عظمت اور وقعت دین کی ضرور تھی۔ اس سے اُن کے قلوب خالی نہ تھے۔ میرے پیر بھائی محمد خان صاحب خوجہ والے ایک واقعہ امیر عبدالرحمٰن خان والی کابل کا بیان کرتے تھے کہ اُن کی بیوی کی ہاتھ سے ایک قتل ہوگیا۔ ایک ماما کو کسی قصور پر ربو اور سے مار ڈالا۔ امیر عبدالرحمٰن خان سے ماما کے ورثہ نے فریاد کی حکم فرمایا کہ قاضی شرع کی عدالت میں دعویٰ دائر کردیا جائے اور بعد تحقیق شرعی کے جو حکم ہو اُس پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ وہاں دعویٰ دائر ہوا قاضی نے کہلا کر بھیجا کہ مجرم کی حراست کی ضرورت ہے مگر شاہی محل کا معاملہ ہے وہاں تک رسائی کیسے ہوسکتی ہے فوراً فوج کو حکم دیا کہ قاضی صاحب کے ماتحت کام کریں باضابطہ محل سے گرفتاری ہوئی اور بیانات لئے گئے مقدمہ شروع ہوگیا۔ امیر صاحب کے صاحبزادے امیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا کہ والدہ کے متعلق کیا ہوگا فرمایا کہ بیٹا میں اس میں مجبور ہوں جو حکم شرعی ہوگا وہ ہوگا اور یہ بھی فرمایا کہ تمہاری تو ماں ہے اس لئے تمہیں اس کا خیال ہے اور میری بیوی ہے اس لئے مجھ کو بھی خیال ہے مگر حکم شرعی کے سامنے چون و چرا کی کیا گنجائش ہے اور تعجب ہے کہ تم کو اپنی بڑھیا ماں کا تو خیال ہے اور بڈھے باپ کا خیال نہیں کہ رعایت کرنے سے میدانِ محشر میں خدا کے سامنے گھسٹا گھسٹا پھرے گا۔ غرض مقدمہ ہوا اور قاتلہ کے اقرار سے قتل ثابت ہوگیا۔ قاضی شرع نے حکم قصاص کا صادر کردیا۔ صاحبزادوں نے امیر صاحب سے عرض کیا کہ اگر ہم

مقتول کے ورثاء کو کچھ دے کر راضی کر لیں اور وہ اپنا حق معاف کر دیں تو اس میں تو کوئی حرج نہیں۔ فرمایا کوئی حرج نہیں۔ شریعت میں اس کو دیت کہتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ طیب خاطر سے اس پر رضامند ہوں۔ کوئی حکومت کا اثر یا دباؤ اُن پر نہ ڈالا جائے۔ غرضیکہ کوشش کر کے ان کو راضی کیا انہوں نے بخوشی معاف کر دیا۔ تب بیگم صاحب کی جان بچی یہ ہے عدل ایسے شخص کو حکومت کرنا جائز ہے۔ اور اگر بادشاہ ہو کر اس میں عدل نہ ہو بلکہ ظلم ہو بیحد قبیح ہے۔

دوسرا واقعہ امیر عبدالرحمن خان کی فراست کا بیان کیا۔ ولی محمد خان راوی ہیں وہ چند روز امیر صاحب کے مہمان بھی رہے ہیں کہتے تھے کہ میں نے ایک شب میں خلوت میں فلاح ملک کے متعلق کچھ اصلاحی یادداشت بطور نوٹ کے لکھی تھیں اس خیال سے کہ صبح دربار میں امیر صاحب کو مشورہ دوں گا کہ ان چیزوں کی ملک میں ضرورت ہے میں وہ یادداشت جیب میں رکھ کر امیر صاحب کے دربار میں گیا۔ موقع کا منتظر رہا کہ موقع ملے تو وہ اصلاحی نوٹ پیش کر دوں کہ دفعتاً خود بولے کہ بعض احباب ملک کی اصلاحات کے متعلق یہ مشورہ دیتے ہیں کہ فلاں فلاں چیزیں ملک کی ترقی کے لئے مفید ہیں اور اس کے بعد نمبروار ہر نوٹ کے جوابات دینے شروع کئے کہ اس میں اگر یہ مفاد ہے تو یہ مضرت ہے۔ منجملہ اور نوٹوں کے ایک نوٹ یہ بھی تھا کہ ملک سے ہوشیار اور سمجھدار نوعمر لوگ منتخب کر کے جرمن وغیرہ بھیجے جائیں تاکہ صنعت وحرفت سیکھ کر آئیں اور پھر دوسرے لوگوں کو ملک میں آکر سکھائیں اس پر فرمایا کہ مشورہ تو بالکل ٹھیک ہے اور اس کی ضرورت بھی ہے کہ ایسا ہو مگر طریقہ کار غلط ہے اس لئے کہ جو لوگ یہاں سے بھیجے جائیں گے وہ وہاں جا کر آزاد ہو جائیں گے دوسری جگہ کے جذبات اور خیالات کا اُن پر اثر ہو گا۔ پھر جب ملک میں آئیں گے تو اُن کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ اوروں کے اندر بھی وہی جذبات اور خیالات پیدا ہو جائیں اس لئے اس کی دوسری مفید صورت یہ ہے کہ اہل کمال لوگوں کو جو صنعت وحرفت میں ماہر ہیں باہر سے یہاں بلایا جائے اور ان کے ذریعہ سے یہاں کے لوگوں کو سکھلایا جائے تو چونکہ وہ محکوم ہوں گے اور ہر قسم کی ان کی نگرانی ہوگی اس سے وہ اندیشہ نہ ہو گا۔ راوی بیان کرتے تھے کہ مجھ کو حیرت ہو گئی کہ ان کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ نوٹ لکھ کر لایا ہے اور اس ترتیب سے نوٹ ہیں یہ کہتے تھے کر میں نے دربار برخاست ہونے پر امیر صاحب سے دریافت کیا کیا آپ کو کشف ہوتا ہے یہ تو میں لکھ کر لایا تھا اور کسی کو اطلاع بھی نہ تھی۔ فرمایا کہ کشف تو بندگوں کو ہوا کرتا ہے میں ایک گنہگار شخص مجھ کو کیا کشف ہوتا لیکن حق تعالیٰ نے عقل عطاء فرمائی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جہاں تک کشف کی رسائی ہوتی ہے وہیں تک عقل کی رسائی ہو سکتی ہے۔ اور اس پر ایک مثال بیان فرمائی کہ دیکھو دو چیزیں ہیں ایک ٹیلیفون اور ایک ٹیلی گراف سو کشف ٹیلیفون کے مشابہ ہے جس میں صاف صاف گفتگو ہوتی ہے اور عقل ٹیلی گراف ہے اسمیں کچھ اشارات ہوتے ہیں قدرے غوض کی ضرورت ہوتی ہے۔ عجیب تحقیق بیان کی۔ یہی تو ہے مومن کی فراست جو ایک نور ہے اور عطاء خداوندی ہے اور یہ اکثر پیدا ہوتا ہے تقوی کی طہارت سے۔

۱۰ رجمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم چہار شنبہ

ملفوظ ۲۷۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ نیند کی کمی سے بحمد اللہ دماغ پر ایسا تعب نہیں ہوتا کہ مضامین کی آمد میں یا ترتیب و تہذیب میں کوئی فرق آجاوے۔ ہاں نیند سے جو ایک قسم کی آسودگی اور بشاشت ہوتی ہے وہ نہیں ہوتی۔

ملفوظ ۲۷۹: ایک نووارد صاحب حاضر ہوئے بعد سلام مسنون اور مصافحہ کے دور جا بیٹھے۔ حضرت والا نے کچھ انتظار کے بعد دریافت فرمایا کہ آپ تو دور جا بیٹھے یہ نہیں بتلایا کہ میں کون ہوں کہاں سے آیا ہوں۔ آنے کی غرض کیا ہے کیا یہ میرے ذمہ ہے کہ میں پوچھا کروں۔ عرض کیا کہ فلاں جگہ سے آیا ہوں یہ میرا نام ہے۔ حضرت کی زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ دریافت فرمایا کہ سوائے زیارت کے اور تو کوئی کام نہیں اگر ہو کہہ لو۔ عرض کیا کہ مرید بھی ہوں گا۔ فرمایا کہ میں اتنی جلدی مرید نہیں کیا کرتا۔ دوسرے یہ امور بشاشت پر موقوف ہیں اور آپ کی اس حرکت سے انقباض ہو گیا تو اب کوئی نفع نہ ہوگا نہ آجل یعنی ثواب نہ عاجل یعنی اصلاح۔ ثواب تو اس لئے نہ ہوگا کہ آتے ہی ستایا اور اصلاح اس لئے نہ ہوگی کہ انقباض ہو گیا۔ اچھا یہ بتلاؤ کہ مرید ہونے سے کیا مقصود ہے۔ عرض کیا کہ نفع ہو۔ نفع سے کیا مراد ہے۔ عرض کیا کہ اللہ کا راستہ معلوم ہو جائے۔ فرمایا کہ اگر بدون مرید ہوئے ہی یہ مقصود حاصل ہو جائے تو پھر مرید ہونے پر تو مصر نہ ہوگے۔ عرض کیا کہ مرید ہونا تو ضرور ہے۔ فرمایا کہ تمہارا یہی خیال مجھے معلوم کرنا تھا سو معلوم ہو گیا اچھا جاؤ یہاں سے میں مرید نہ کروں گا۔ اس باب میں لوگوں کے عقائد بہت ہی خراب ہیں۔ مرید ہونے کو فرض و واجب سمجھتے ہیں اور جو اصل چیز ہے یعنی تعلیم اس کا نام و نشان بھی نہیں۔ یہ سب دکاندار پیروں کی بدولت خرابیاں پیدا ہوئیں۔ اب وطن واپس جا کر خط و کتابت سے معاملہ طے کرنا۔ یہاں پر رہتے ہوئے خاموش مجلس میں بیٹھے رہنا۔ عرض کیا بہت اچھا۔

ملفوظ ۲۸۰: ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح تم آتے ہو ایسا جانا تو بت پرستوں کا بتوں کے یہاں ہوتا ہے کہ بت کو تو کچھ بھی خبر نہیں ہوتی اور بت پرست اپنا حساب لگا لیتا ہے تو ایسے آنے سے کیا نفع اچھا اگر نفع نہ ہوا تو کیا آپ ٹھہریں گے۔ عرض کیا کہ جی۔ فرمایا کہ جب مقصود حاصل نہ ہوا اور نفع نہ ہوا تو ٹھہرنے سے مطلب۔ تم بہت ہی بدفہم معلوم ہوتے ہو۔ میری مجلس میں مت بیٹھو تمہاری صورت دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے اور یہ بتلاؤ کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں

وہ وجہ سے کہہ رہا ہوں یا بلاوجہ۔ کیا آپ کی حرکت سے تکلیف نہیں ہوئی۔ عرض کیا کہ ہوئی۔ فرمایا تو کیا تکلیف ہی دینے آئے تھے۔ تم لوگوں کو کیا ہو گیا۔ عرض کیا کہ بلا سوچے جواب عرض کیا تھا جو صحیح نہ تھا فرمایا کہ یہ اور بھی اذیت کی بات ہے کہ ایک مسلمان کو ایسا جواب دیا جس میں دھوکا تھا اتنا کہدینا کافی تھا کہ میں فلاں جگہ سے آیا ہوں اور ملنے کو جی چاہ رہا تھا۔ اس میں ایسا کونسا باریک فلسفہ تھا پھر اوپر سے تاویلیں۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ بھی تو فہم نہ ہوئی کہ معافی چاہنے کے الفاظ کہہ دیتے مگر یہ کیسے کہیں اس میں تو شان گھٹتی ہے آن ٹوٹتی ہے تاویلیں جتنی چاہے کرالو مگر کام کی ایک بات نہیں۔

ملفوظ ۲۸۱: ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا پیر مرید کو ولی بنا سکتا ہے۔ فرمایا کہ ولی مقبول کو کہتے ہیں یہ کسی کے قبضہ میں نہیں کہ کوئی کسی کو مقبول بنا سکے ہاں جس کو کیفیت باطنی اور عوام نسبت بھی کہتے ہیں وہ حاصل ہو جاتی ہے اگر وہ نسبت حقیقی کہ بندہ کو خدا کے ساتھ عشق کا تعلق ہو جائے اور حق تعالیٰ کو بندہ کے ساتھ رضا کا تعلق ہو جاوے یہ موقوف ہے دوام طاعت اور کثرت ذکر پر یہ بدوں اس کے نصیب نہیں ہو سکتی اور یہی نسبت مطلوب ہے باقی جو نسبت یعنی کیفیت ہے وہ مطلوب نہیں۔

ملفوظ ۲۸۲: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ معاشرت تو لوگوں کی بالکل ہی خراب اور برباد ہو گئی۔ ایک صاحب نے میرے پاس خط بھیجا ہے ایک پرچہ دوسرے صاحب کے نام اس میں رکھ دیا ہے۔ میں نے اُن صاحب سے پوچھ کر جواب تو لکھ دیا ہے مگر یہ بھی لکھ دیا ہے کہ میرے خط میں دوسرے کے نام کا پرچہ مت رکھا کرو۔ مجھ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے میں کہاں پہونچاتا پھروں یا جواب کا انتظام کیا کروں۔ اگر کفایت کا خیال ہے تو اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ اُن کے نام خط لکھا کرو اور میرے نام کا پرچہ اس میں رکھ دیا کرو وہ مجھ کو دیا کریں ایسی باتوں کا خیال لوگوں کو مطلق نہیں ہوتا کہ ہمارے اس فعل سے دوسرے پر کیا اثر ہو گا جو جی میں آیا کر لیا غور اور فکر سے کوئی کام نہیں کرتے۔ یہ سب اسی بے فکری کی خرابی ہے۔ اس وقت مسلمانوں میں نہ دنیا ہی کی فکر ہے نہ آخرت کی بڑا افسوس ہے۔

ملفوظ ۲۸۳: ایک صاحب نے بعض جسمانی شکایتیں حضرت والا کی ضبط کیں تھیں اس لئے کہ دہلی کے مشہور اطباء سے مشورہ کر کے تدابیر کی جاویں۔ اس پر انہوں نے حضرت والا سے عرض کیا کہ ارادہ تو یہ تھا کہ جمعہ کے روز جاؤں گا مگر جمعہ کے روز جانے میں پھر اگلے جمعہ کو مشورہ کو نوبت آئے گی وشاید اُن طبیب کے یہاں مشورہ کے لئے جمعہ ہی کا دن مقرر ہو معلج کو واقعہ یاد نہیں اس لئے ارادہ یہ ہے کہ کل بروز پنج شنبہ کو دہلی پہونچ جاؤں۔ فرمایا جب جی چاہے جاؤ مجھ کو کچھ ایسی عجلت نہیں میری گاڑی چل رہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ ابھی جلد اٹکنے والی نہیں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہمارے گھر میں ایک بڑی بی ہیں وہ کہنے لگیں کہ ہمارا وقت تو قریب ہے۔ میں نے

کہا ہمارا تمہارا دونوں ہی کا قریب ہے اس پر گھر کی مستورات پر اثر ہوا اور یہ کہا کہ ہمارے سر پر تو کوئی بھی نہیں اس اثر کو محسوس کر کے میں پھر کبھی ایسا لفظ محبین کے سامنے زبان پر نہیں لاتا کہ دوسروں کی تکلیف کا سبب ہوتا ہے۔ باقی الحمد للہ مجھ کو اپنے وقت کا کافی استحضار ہے لیکن زبان پر اس لئے نہیں لاتا کہ دوستوں کو رنج ہوگا۔

۱۱ر جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم پنجشنبہ

ملفوظ ۲۸۴: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی صورت اسی میں ہے کہ ہر جگہ انجمن قائم ہو جائیں تاکہ ایک دوسرے کی خبر گیری کر سکے۔ ایک صورت یہ ہے کہ جیسے دنیا کے کاموں کے لئے پنچایت کرتے ہیں ایسے ہی دین کے لئے اور اپنے بھائیوں کی حفاظت کے لئے بھی پنچایتیں قائم کریں مگر مشکل تو یہ ہے کہ دنیا کی باتوں کو تو ضروری سمجھتے ہیں اور ان مقاصد کو ضروری نہیں سمجھتے حالانکہ بیحد ضروری ہیں۔

ملفوظ ۲۸۵: فرمایا کہ ایک شخص کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ ایک شخص نے اپنی سالی سے بدفعلی کی تو اس کی بیوی نکاح میں رہی یا نہیں۔ میں نے لکھا ہے کہ نکاح کو تو پوچھا اور یہ نہ پوچھا کہ اس نالائق حرکت پر جو گناہ ہوا اس سے نجات کی کیا صورت ہے اگر وہ اس طرح سوال کرے کہ ایک شخص سے یہ حرکت ہوئی اس کے متعلق دو سوال ہیں کہ اس حرکت کا کیا تدارک ہے اور نکاح رہا یا نہیں تو اس طرح کا سوال جواب کے قابل ہوتا۔ باقی اور جگہ سے تو یہی فتوی جاتا کہ نکاح نہیں رہا جس کا اثر یہ ہوتا کہ صاحب واقعہ بالکل بے فکر ہو جاتا۔

ملفوظ ۲۸۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے کہا تھا کہ اللہ نے بچوں کی نبض شناسی مجھ کو عطا فرمائی ہے ایک مولوی صاحب کہنے لگے کہ اس شناخت کا کیا طریقہ ہے۔ میں نے کہا کیا بتلادوں ہر بات کے بیان پر قدرت نہیں ہوتی۔

ملفوظ ۲۸۷: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت فلاں شخص نے حضرت کے پاس ایک سوال بھیجا تھا کہ ایک شخص ہے وہ تمام نیک کام کرتا ہے صرف رسالت کو تسلیم نہیں کرتا اس کے متعلق کیا حکم ہے حضرت نے جواب میں لکھا تھا کہ قرآن پاک میں ہے محمد رسول اللہ تو یہ شخص خدا کو نعوذ باللہ جھوٹا سمجھتا ہے اس لئے کافر ہے اور کوئی عمل اور نیکی مقبول نہیں۔

ملفوظ ۲۸۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صاحب لکھے پڑھے اس خبط میں مبتلا تھے کہ گاندھی موحد

تو ہے ہی باقی رسالت اس کے متعلق سوال کرنے پر اس نے یہ کہا تھا کہ میں جانتا ہوں کہ جناب محمد رسول اللہ۔ اللہ کے رسول ہیں تو کیا گاندھی کو مسلمان کہا جاوے گا۔ میں نے کہا کہ تم کس خبط میں پڑے وہ بہاتو کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں یعنی تصدیق کرتا ہوں۔ سو تصدیق کے دو درجے ہیں۔ ایک اختیاری اور ایک اضطراری سو ایمان مامور بہ ہے اور مامور بہ اختیاری ہوتا ہے۔ اور اضطراری میں اکتساب و اختیار کا دخل نہیں اس لئے وہ ایمان نہیں بلکہ جو تصدیق اختیاری ہو وہ ایمان ہے اور اختیاری یہ ہے کہ اس پر اپنے جی کو جمانا سمجھانا۔ غرض ایمان وہ تصدیق ہے جو اختیاری ہو اور گاندھی کو تصدیق اضطراری حاصل ہے ورنہ نماز پڑھا کرے یہ نہ سہی مگر کم از کم اس کو فرض ہی سمجھے اس کو ایک دوسرے سہل عنوان سے سمجھو کہ ایک ہے جاننا اور ایک ہے ماننا۔ جیسے قیصر ولیم جارج کو بادشاہ جانتا ہے اور جارج قیصر ولیم کو بادشاہ جانتا ہے مگر ایک کو ایک مانتا نہیں دونوں کی فوجیں لڑتی ہیں تو جیسے یہاں فقط جاننے سے اطاعت کا حکم نہیں کیا جاسکتا ایسے ہی گاندھی جانتا ہے مانتا نہیں اس سے ایمان کیسے ہو سکتا ہے۔ اب میں اس سے آگے کہتا ہوں کہ ماننے کے بھی دو طریقے ہیں ایک یہ حکیمانہ طریق پر کسی بات کو مانتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حاکمانہ طریق پر مانتا ہے یعنی جس کی مانتا ہے اس کو اپنے اوپر حاکم مانتا ہے۔ سو بعض لوگ حکیمانہ طریق پر اسلام کی بعض باتوں کو اچھا سمجھتے ہیں مگر وہ بھی ایمان نہیں۔ ایمان کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ حکیمانہ طریق پر مانے۔ ایک صاحب نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ ایک یورپین عورت پانچوں وقت کی نماز پڑھتی ہے اور کہتی ہے کہ ہم کو نماز اچھی اور پیاری معلوم ہوتی ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پر حاکم نہیں سمجھتی تو اس سے ایمان اور اسلام تھوڑا ہی ثابت ہو سکتا ہے یہ تو ایک حکیمانہ طرز پر تسلیم کرنا ہے جو ایمان کے لئے کافی نہیں۔ حاصل یہ کہ ہر ماننا اسلام نہیں۔

ملفوظ ۲۸۹: طاعات میں لذت ہونے نہ ہونے کا ذکر تھا فرمایا کہ ایک لذت ہوتی ہے اور ایک ضرورت ہوتی ہے مثلاً دوا میں لذت نہیں ہوتی ضرورت کے لئے مستعمل ہوتی ہے۔ سو طاعات بعض طبائع کے اعتبار سے دوا ہوتی ہے جس میں لذت نہیں ہوتی اور بعض طبائع کے اعتبار سے غذا ہوتی ہے جس میں لذت بھی ہوتی ہے بعض طالب شکایت کرتے ہیں کہ ذکر میں لذت نہیں آتی جی نہیں لگتا وسوسے آتے ہیں تو وہ سمجھ لیں ذکر لذت کے لئے یا جی لگنے کے لئے موضوع نہیں نہ اس واسطے کہ وسوسے نہ آئیں دوا ہی سمجھ کر کئے جاؤ تب بھی نفع کرے گا۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا تھا کہ ذکر میں مزا نہیں آتا میں نے کہا کہ مزا تو مذی میں آیا کرتا ہے۔ یہاں ذکر میں مزا کہاں ڈھونڈتے پھرتے ہو۔ لوگ حقیقت سے بے خبر ہیں اس لئے ان غلطیوں میں ابتلا ہو رہا ہے۔

ملفوظ ۲۹۰: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت قرآن شریف جو یاد کرنا شروع کرے اور کامیاب نہ ہو تو کیا بروز قیامت اندھا اٹھے گا۔ فرمایا کہ اگر یہ وعید ثابت ہے تو اندھا اٹھے گا جو کوشش

چھوڑ دے یہ شبہات ادھورے علم سے ہوتے ہیں اور جو کوشش میں لگا رہتا ہے وہ اس وعید کا مستحق نہیں وہ ایسا ہی اٹھے گا جیسے یاد والے اٹھیں گے۔

ملفوظ ۲۹۱: ایک صاحب نے عرض کیا کہ بعض لوگ اگر کوئی لغزش ہو جاتی ہے تو طعنے دیتے ہیں فرمایا کہ تم طعنے سے بچنا چاہتے ہو یا گناہ سے۔ طعنے تو نبیوں کو بھی دیتے ہیں۔ اللہ کو دیتے ہیں۔ صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین کو دیتے ہیں۔ تم بیچارے تو کیا ہو۔ اور تم طاعنین کے اقوال نقل کرتے ہو سو دوسروں کے اقوال کیوں نقل کرتے ہو۔ کل کہنا کہ عیسائی تمہیں خدا مانتے ہیں۔ یہودی عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں عرض کیا کہ مولویوں کی حافظوں کی کوئی وقعت نہیں کرتے فرمایا کہ تو اس سے ضرر کیا ہوا۔ عرض کیا کہ حضرت دنیا کی عزت کی بھی تو ضرورت ہے۔ فرمایا کہ اس کا علاج ہمارے پاس نہیں۔ طبیب صحت کی تدبیر کرتا ہے یہ نہیں کہ کشتی گری کا بھی ذمہ دار ہے کہ ایسا علاج کروں گا کہ تو کسی سے مار نہ کھائے گا۔

ملفوظ ۲۹۲: ایک صاحب کے جو مبتلائے وساوس تھے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شیطان کے بہکانے کی تدبیر یہ ہے کہ ہمت سے اس کا مقابلہ کرو اور مقابلہ یہی ہے کہ اس کی طرف التفات مت کرو۔ جیسے کٹ کھنا کتا بھونکتا ہے بھونکنے دو۔ بھاگنے سے اور زیادہ بھونکے گا۔ انہوں نے کہا کہ ایک یہ عرض ہے کہ حضور کے پاس دو چار روز رہوں اور باتیں سنا کروں۔ فرمایا کہ رہو۔ پانی پڑھوا لیا کرو اور حکیم کے پاس بھی بھیجدوں گا۔ اور جو میں نے کہا ہے اس پر عمل کرو۔ دیکھو پھر شیطان کہاں بھاگتا ہے عرض کیا کہ پہلے بیہودہ خیالات میں اور بری صحبت میں پھنس گیا تھا۔ فرمایا کہ اب تو کسی سے عشق نہیں عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا پچھلی باتوں کا خیال چھوڑ دو۔ تم تو سب سے اچھے ہو جاؤ گے بشرطیکہ میرا کہنا مانتے رہے۔ اس پر فرمایا کہ لوگ مجھ کو کہتے ہیں کہ سخت مزاج ہے جیسی ضرورت ہوتی ہے ویسا ہی برتاؤ کرتا ہوں۔ یہاں ضرورت تھی اسی کی کہ تسلی کی جاوے ہمت بڑھائی جاوے اور جو تمرد اور سرکشی کرتا ہے اس کے ساتھ اور برتاؤ کرتا ہوں۔ ایک صاحب کل آئے تھے گڑبڑ کی ویسا ہی میں نے برتاؤ کیا ایک شخص رجسٹری کرانے عدالت میں جاتا ہے اور ایک ڈاکو پکڑا ہوا عدالت میں آتا ہے تو کیا دونوں کو پھانسی دی جائے گی۔ میں بحمد اللہ مصالح پر نظر کر کے اختیار اور قصد کے ساتھ مواخذہ کرتا ہوں اضطرار سے نہیں کرتا۔

ملفوظ ۲۹۳: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تحریک خلافت کا زمانہ بھی بڑا پرفتن اور پر آشوب زمانہ تھا۔ ایک عجیب ہڑبونگ مچا ہوا تھا۔ نہ حدود شرعیہ کی رعایت تھی نہ حق و باطل میں امتیاز تھا نہ اپنے نفع نقصان پر نظر تھی۔ اسی زمانہ میں سہارنپور میں چند علماء کا مجمع حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا اور مولانا سے میری نسبت کہا کہ اب تو اس پر چڑھائی کرنا چاہئے اور ہر ممکن ذریعہ سے اس کو مجبور کرنا چاہئے۔ مولانا بے حد محبت فرماتے تھے

مولانا نے جواب دیا کہ کوئی بات خلاف نہ کرنا چاہیئے مگر اُن لوگوں پر جنون سوار تھا کچھ اثر نہیں ہوا اور یہاں اسی جوش میں بھرے ہوئے پہونچے۔ اس کے بہت قبل مولانا ایک خاص آدمی بوجہ محبت کے میرے پاس بھیج چکے تھے اور یہ مشورہ دیا تھا کہ یہ ایک بہت بڑا فتنہ کا زمانہ ہے جس میں اندیشہ جان کا بھی ہے ایسے وقت کے لئے فقہاء نے مسئلہ اکراہ کو رکھا ہے اگر اس پر عمل کرتے ہوئے بظاہر تھوڑی سی شرکت فرمالی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ نیز یہ کہ اپنی جان کی حفاظت کا بھی انتظام رکھا جائے میں نے جواب میں کہلا کر بھیجا کہ جس مسئلہ کو میں نہیں سمجھا اُس میں شرکت کرنے کو میں منافقت سمجھتا ہوں کہ دل میں کچھ اور ظاہر میں کچھ۔ میں اس کے لئے بالکل تیار نہیں کہ بدوں سمجھے ایک انچ آگے قدم رکھوں میں اس کے خلاف پر قادر نہیں۔ رہا اکراہ کا مسئلہ فقہاء کا یہ اُس کے لئے ہے جس پر کسی قادر کا تسلط ہو۔ اور میں ان لوگوں کو ایسا قادر نہیں سمجھتا۔ باقی جان کی حفاظت سو جنہوں نے اب تک حفاظت فرمائی وہی آئندہ بھی فرمائیں گے اور اگر وقت ہی آگیا تو گھر بیٹھے دولت شہادت کی نصیب ہوگی۔ غرض یہاں پر جلسہ کی تاریخ متعین ہوئی اور حضرت مولانا کو بھی اس میں شرکت کی دعوت دی گئی حضرت نے فرمایا کہ وہ (یعنی میں) وہاں پر موجود ہے میرے جانے سے اُس کو تنگی ہوگی۔ اس لئے میں شرکت سے معذور ہوں۔ جو صاحب بانی جلسہ تھے وہ اسی قصبہ کے باشندہ تھے۔ خانقاہ والوں کو لوگوں نے جتلانا شروع کیا کہ اب تم اب ٹھیک بنائے جاؤ گے۔ میں نے سب کو سمجھا دیا کہ خبردار جو کچھ جواب دیا یا کوئی کارروائی کی۔ ایک مولوی صاحب نے اس جلسہ سے کئی روز قبل آکر خبر دی کہ مکان کے سامنے ایک مجذوب آئے ہیں ممکن ہے کہ انتظام اور حفاظت کے لئے اُن کا تقرر ہوا ہو۔ میں نے کہا میاں ہماری نظر تو جاذب پر ہے ہمیں مجذوب سے کیا لینا۔ غرض تاریخ جلسہ کا دن آگیا۔ علماء کی آمد شروع ہوئی کچھ سہارنپور کی طرف سے آئے اور کچھ دہلی کی طرف سے قبل از نماز مغرب سب میں مشورہ ہوا کہ چلو پہلے اُس سے مل آئیں سب اپنی فرودگاہ پر رہے اور سب نے مل کر ایک مولوی صاحب لدھیانوی کو میرے پاس بھیجا۔ اُس وقت خانقاہ میں سناٹا تھا سوائے میرے کوئی شخص خانقاہ میں نظر نہ آتا تھا۔ آکر کہا کہ ہم لوگ بغرض زیارت حاضر ہونا چاہتے ہیں مگر بلا اجازت آتے ہوئے خوف معلوم ہوتا ہے اگر اجازت ہو تو سب حاضر ہو جائیں۔ میں نے کہا کہ میں تو وہی ہوں جو پہلے تھا ویسا ہی نیازمند ہوں جیسے پہلے تھا۔ آپ حضرات تشریف لے آویں آپ کا گھر ہے وہ واپس ہو گئے اور میں بھی گھر چلا گیا۔ نماز میں کچھ دیر تھی۔ میں جس وقت آیا اذان ہو چکی تھی۔ دیکھا سب مجمع موجود ہے۔ میں اس وقت کسی سے نہیں ملا نماز پڑھائی بعد نماز مسجد میں بیٹھ گیا۔ سب نے آکر مصافحہ کیا اور بیٹھ گئے اور بہت ہی نیازمندانہ برتاؤ کیا۔ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے میری کیا ہستی اور کیا وجود اور اپنے بزرگوں کی دعاء۔ قصبہ والے بھی جمع ہو گئے اور یہ منظر دیکھ کر سخت حیرت زدہ ہوئے اور کہنے لگے کہ لائے تو ہم اور سب آکر

یہاں گھس گئے۔ نماز عشاء تک سب بیٹھے رہے لطف کی گفتگو ہوتی رہی اس کے بعد سب نے اجازت رخصت کی چاہی۔ میں نے کہا کہ جی تو نہیں چاہتا کہ آپ دوسری جگہ قیام فرمائیں مگر چونکہ داعی دوسرے لوگ ہیں وہ کہیں گے کہ بلایا ہم نے اور چھین لیا اس نے اس لئے روکنا مناسب نہیں۔ سب حضرات رخصت ہو گئے۔ شب کو جلسہ ہوا وعظ میں میرے ساتھ اپنا تعلق اعتقاد بیان کیا۔ پھر یہاں سے یہ لوگ کاندھلہ پہونچے وہاں وعظ ہوئے ان میں بھی ایسے ہی مضامین بیان کئے الحمد للہ اب تک تو بھی رہا خدا کے فضل سے سب مغلوب ہی رہے اگر کوئی اور ہوتا تو حکام سے مدد لیتا اپنے لوگوں کو حفاظت کے لئے متعین کر دیتا دور دور خطوط لکھ دیتا اس لئے کہ بڑی ہی شورش کا زمانہ تھا مگر خدا پر نظر تھی کہ جب وہ محافظ ہیں کسی سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہاں پر ایک شخص تھا ہندو راجپوت پرانا آدمی تھا۔ میں صبح کو جنگل سے آرہا تھا وہ مل گیا کہنے لگا کہ کچھ خبر بھی ہے تمہارے لئے کیا کیا تجویزیں ہو رہی ہیں اکیلے مت پھرا کرو۔ میں نے کہا جس چیز کی تم کو خبر ہے مجھ کو اس کی بھی خبر ہے اور ایک اور چیز کی بھی خبر ہے جس کی تم کو خبر نہیں، پوچھا وہ کیا میں نے کہا وہ یہ کہ بدون خدا کے حکم کے کسی سے کچھ نہیں ہو سکتا کہنے لگا پھر تو جہاں چاہو پھرو۔ نہیں کچھ جوکھم (یعنی اندیشہ) نہیں دیکھیے ایک ہندو کا خیال کہ خدا پر بھروسہ رکھنے والے کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

ملفوظ ۲۹۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صاحب نے اپنے مدرسہ کے لئے مجھ سے کسی مالدار سے سفارش چاہی تھی میں نے بجائے ترغیب ان کو یہ لکھ دیا کہ یہ شخص بہت بڑے متدین ہیں۔ اگر کوئی مدرسہ میں کچھ دے گا یہ مدرسہ میں پہونچا دیں گے باقی یہ ترغیب دینا یہ تو آج کل مانگنا ہے مجھ کو اس سے بھی غیرت معلوم ہوتی ہے۔

ملفوظ ۲۹۵: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں یہاں تک معاملہ صاف رکھتا ہوں کہ زمانہ تحریکات میں بعض انگریز کلکٹروں نے یہاں سے کچھ کتابیں تحریک کے متعلق منگائیں۔ میں نے لکھ دیا کہ کتابیں سوداگروں سے طلب کیجئے یہاں تجارت نہیں ہوتی۔ الحمد للہ اصول کے خلاف وہاں بھی نہیں کیا صاف لکھ دیا۔

ملفوظ ۲۹۶: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا میری مجلس میں دو مولوی صاحبوں میں گفتگو ہوئی ایک مولوی صاحب نے ہندوؤں کے متعلق کچھ شکایت کی دوسرے مولوی صاحب نے جو انگریزوں کے زیادہ شاکی تھے۔ جواب میں یہ کہا کہ یہ بھی انگریزوں کے بہکائے ہوئے ہیں ان مولوی صاحب نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو انگریز شیطان کے بہکائے ہوئے ہیں تو انگریز کو بھی کچھ مت کہو شیطان کو کہو جو کہنا ہو۔ وہ مولوی صاحب خاموش ہو گئے۔

ملفوظ ۲۹۷: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نے ایک وقت میں کانگریس کے خلاف۔۔۔

ایک تازہ فتویٰ دیا تھا ۔ اس سے بعض لوگوں کو تکدر زیادہ ہو گیا ۔ خیر ہوا کرے میں کتمان حق نہیں کر سکتا ۔ بعض لوگوں نے مجھ سے کہا بھی کہ اس کو خفا میں رکھا جائے ۔ میں کسی کے خفا ہونے کی وجہ سے خفا نہیں کر سکتا ۔ ایک مولوی صاحب ہیں وہ مرید تو دوسرے صاحب سے ہیں ۔ مگر یہاں بھی بکثرت آتے ہیں ۔ میں ہمیشہ یہ چاہتا ہوں کہ کسی کی طبیعت پر میری وجہ سے کوئی بار یا گرانی نہ ہو اور معاشرت کے متعلق میری تمام تعلیم کا خلاصہ بھی یہی ہے ۔ سو ان مولوی صاحب نے ایک بار یہاں آنے کو لکھا اور صرف محبت کی وجہ سے آنا چاہتے تھے اور اس سے قبل بھی آیا کرتے تھے مگر اس زمانہ میں وہ فتویٰ مذکور لکھا گیا تھا ۔ میں نے بوجہ اس کے کہ وہ فتویٰ ان کے پیر صاحب کی مرضی کے بھی خلاف تھا ان کو لکھ دیا کہ پیر صاحب سے آنے کی اجازت ضرور حاصل کر لیں اس لئے کہ ہمارے ان کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور چونکہ وہ تمہارے پیر ہیں ان کی رعایت ضروری ہے میری رعایت مناسب نہیں ۔ انہوں نے لکھا کہ میں ایسا اختلافات سے متاثر نہیں ۔ میں نے لکھا کہ ممکن ہے کہ آپ پر اثر نہ ہو مگر آپ کے پیر صاحب پر اثر ہو ۔ لکھا کہ وہ بھی ایسے نہیں ۔ میں خوب جانتا ہوں ۔ میں نے لکھا کہ اگر یہ ہے تو پھر اجازت لینے میں حرج کیا ہے ۔ انہوں نے وہاں لکھا اور پھر مجھ کو لکھا کہ جو توقع تھی وہی جواب آیا ۔ میں نے لکھا کہ صرف مبہم عنوان سے اجازت لینا کافی نہیں ۔ جس طرح میں کہوں اس طرح لکھو ۔ یعنی یہ لکھو کہ اشرف علی نے ایسا فتویٰ لکھا ہے بعض کا خیال ہے کہ اس سے انگریزوں کو مدد پہونچی سو ایسی حالت میں اس سے ملنا مضر تو نہیں ۔ چنانچہ انہوں نے اس طرح بھی لکھا مگر کوئی بات خلاف نہیں معلوم ہوئی ۔ میں نے لکھا اب آسکتے ہیں ۔

ملفوظ ۲۹۵ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس زمانہ میں اچھے برے کی تو تمیز ہی نہ تھی اغراض پرستی نفس پرستی ہوا پرستی دنیا پرستی کا بازار گرم تھا ۔ ایک شخص نے ایک حامی تحریک سے کہا تھا کہ شراب پر تو پکیٹنگ اور پہرہ لگاتے ہو مگر رنڈیوں پر بھی پکیٹنگ اور پہرہ لگاؤ یہ بھی تو بُرا کام ہے اور یہ کہا کہ اگر دین کی وجہ سے برے کاموں کو روکتے ہو تو جو بھی برے کام ہیں سب کو بند کرو بلکہ شراب کے پینے سے تو زنا اشد ہے ۔ چنانچہ شراب کے نہ پینے پر اگر ظالم حاکم وغیرہ قتل کی دھمکی دے شراب کا پی لینا ایسے وقت میں جائز ہے اور اگر کوئی زنا پر قتل کی ایسی ہی دھمکی دے تو ایسے وقت میں زنا کرنا جائز نہیں تو زنا جو کہ شراب کے پینے سے بھی زیادہ اشد چیز ہے آپ لوگوں نے زنا کو کیوں نہیں روکا نہ اس پر پکیٹنگ ہوا نہ پہرہ لگایا اس کی کیا وجہ ۔ بس معلوم ہوا اور بعض نے اس کی تصریح بھی کی کہ یہ دین اس کا سبب تھوڑا ہی تھا بلکہ سبب اس کا صرف انگریزوں سے دشمنی تھی اس لئے کہ شراب کی آمدنی انگریزوں کو پہونچتی ہے اور رنڈیوں کی آمدنی انگریزوں کو نہیں پہونچتی بس یہ دین ہے جس میں دوسروں کو شرکت کرنے کے لئے دوسروں پر زور دیا جاتا تھا اور شرکت نہ کرنے والوں پر لعن طعن سب و شتم کیا جاتا تھا قسم قسم کے اتہامات اور بہتان کا نشانہ بنایا جاتا تھا نہ کچھ اصول تھے نہ حدود ۔

ملفوظ ۲۹۹: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ کیا ضرور ہے کہ دشمن کے مقابلہ کی ایک ہی تدبیر ہو مثلاً ایک کتا ہے وہ حملہ کرتا ہے تو ایک علاج تو یہ ہے کہ اس کے لاٹھی مارے اور ایک یہ ہے کہ اس کے سامنے روغنی روٹی ڈالدے بعض کتا لکڑی دکھلانے سے اور زیادہ مشتعل ہوتا ہے اس کا علاج روغنی روٹی ہے مگر نفس بعض اوقات کسی معین تدبیر کو اس لئے ترجیح دیتا ہے کہ اس میں شہرت اور فخر زیادہ ہے۔

ملفوظ ۳۰۰: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ معترضین یہ بھی کہتے ہیں کہ انگریزوں سے ڈرتے ہیں میں کہتا ہوں اور تم تو کسی سے ڈرتے ہی نہیں۔ صاحب ہم تو واقعی بھیڑیئے سے بھی ڈرتے ہیں سانپ بھی ڈرتے ہیں، بچھو سے بھی حتی کہ کھٹمل سے بھی اور موذی سے تو سب ہی ڈرتے ہیں پھر جن کے ہاتھ میں توپ ہیں بندوقیں ہیں مشین گنیں ہیں کیا ان سے نہ ڈریں آخر کیا ہر ڈرنا شریعت میں مذموم ہے۔ اور تم واقعی بالکل نڈر ہو تمہاری حالت بالکل اس کے مصداق ہے کہ جیسے ایک جاہل قوم کے ایک بزرگ جنگل میں رہتے تھے ان کی بزرگی میں دو شخصوں کا اختلاف ہوا امتحان کے لئے ان کے پاس پہونچے۔ منکر بزرگی نے ان کے مشتعل کرنے کو ان سے کہا کہ آپ تنہا جنگل میں رہتے ہیں اور یہاں بھیڑیئے شیر وغیرہ ہیں آپ کو تو بہت ڈر معلوم ہوتا ہوگا تو اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ تم غیر بھیڑیوں سے ڈرنے کو کہتے ہو میں خدا سے تو ڈرتا ہی نہیں یہ حدود شرعیہ سے تجاوز کرنا اس کی بین دلیل ہے کہ تم لوگ واقعی کامل نڈر ہو تم خدا تعالیٰ سے بھی نہیں ڈرتے پھر جب خدا ہی سے نہیں ڈرتے جو خالق اور مالک ہیں اور جن کے قبضہ قدرت میں تمام عالم ہے تو انگریزوں کا تم کو کیا خوف ہوتا اچھا یہ بتلاؤ کہ جب تم ایسے بہادر ہو تو پھر ہندوؤں سے کیسا ملاپ اور کیسا اتحاد اور کیسا دوستانہ یہ آئندہ کس خوف کا پیش خیمہ ہے۔ یہاں تک کہ بعض مواقع پر اگر کوئی مسئلہ بیان کیا جاتا ہے اور حق کا اظہار ہوتا ہے تو کہتے ہو کہ اس سے ہندو ناراض ہو جائیں گے اور اتحاد میں ٹھیس لگ جائے گی یہ بھی تو خوف ہی کی ایک فرد ہے سو یہ متضاد باتیں کیسی جن کی قوت اپنی قوت سے اور ظاہر اسباب کے اعتبار سے بڑھی ہوئی ہے حکومت بھی ان کی ہے ہر قسم کے آلات حرب بھی ان کے پاس ہیں ان سے تو ڈرتے نہیں اور جو برابر کی قوت رکھتے ہیں حکومت بھی ان کی نہیں ان سے ڈریں ان سے ڈر کر کتمان حق کریں۔ احکام شرعیہ کو پامال کریں پھر اگر بقول تمہارے ہر ڈرنا مذموم ہے تو موسیٰ علیہ السلام بھی تو جس وقت عصاء کا اژدہا بنا تھا ڈرے تھے جس کے متعلق قرآن شریف میں ہے لا تخف سو یہ ڈر تو امر طبعی ہے بلکہ جس وقت ضرورت دینیہ ہوتی ہے اس وقت بھی طبعی اثر ہوتا ہے مگر عمل عقلی اقتضا پر ہوگا اس وقت خدا کے فضل سے ڈرنے والے نڈر ہو جاویں گے اور سب سے آگے ہونگے اس لئے کہ ان کا ہر کام خدا کے واسطے ہوتا ہے ان ہی کی محبت اور خوف کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ملفوظ ۳۰۱: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بہت لوگ وہ ہیں جو مجھ سے خفا ہیں اس لئے کہ میں کوئی کام اور رعایت خفا میں نہیں رکھتا بہت کم ایسے ہیں جو خوش ہیں اور جو خفا ہیں وہ میرے اخلاق کو مذموم

کہتے ہیں اور میں اُن کے اخلاق کو مذموم کہتا ہوں۔ زمانہ ہی بدفہمی کا ہے رسم کا غلبہ ہے حقائق مٹ گئے اور یہ سب جاہل دوکاندار پیروں کی بدولت لوگوں کے دماغ اور اخلاق خراب ہوئے مگر جو یہاں آپھنستا ہے الحمد للہ اُس کا تو دماغ درست ہو جاتا ہے۔

۱۱ر جمادی الثانی سنہ ۱۳۵۱ھ
مجلس بعد نماز ظہر یوم پنجشنبہ

ملفوظ ۳۰۲ ایک دیہاتی شخص نے آکر عرض کیا کہ مولوی جی ایک تعویذ دیدو یہ کہہ کر خاموش ہوگیا۔ یہ نہیں کہا کہ کس چیز کا تعویذ۔ حضرت والا نے کچھ سکوت کے بعد فرمایا کہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا اس لئے کہ پوری بات نہیں کہی عرض کیا کہ اجی تمہارے سامنے بولا نہیں جاتا۔ فرمایا کہ یہ گاؤں کے لوگ بڑے اُستاد ہوتے ہیں کیا بات بنائی مگر ان سے کوئی یہ پوچھے کہ یہاں آکر تو ادھوری بات کہتے ہیں مگر اسٹیشن پر جاکر یہ کبھی نہیں کہتے کہ بابو ٹکٹ دے دو بلکہ یہ کہیں گے کہ فلاں جگہ کا ٹکٹ دے دو۔ بازار میں جاکر یہ نہ کہیں گے کہ سودا دے دو بلکہ یہ کہیں گے نمک دے دو، مرچ دے دو۔ یہیں آکر بھولنے کی جگہ ہے مُلّا نے ہی تختۂ مشق بنانے کو رہ گئے ہیں۔ اب کہاں تک تاویل کروں آخر گھر سے جس کام کے لئے چلا تھا کہ فلاں کام کا تعویذ لانا ہے اُس کا نام تو لینا چاہئے تھا بدون بتلائے میں کس چیز کا تعویذ دیتا اپنی غلطی پر جو ندامت ہونی چاہئے وہ بھی نہیں ہوتی سمجھتے ہیں کہ ہم بے قصور ہیں یہی وجہ ہے کہ شرمندگی جس کا نام ہے وہ نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوتا ہے اپنی غلطی کو ثقیل نہیں سمجھتے۔ کیا اچھا عذر ہے کہ آپ کے سامنے بولا نہیں جاتا اور جتنا بولے ہو یہ کس طرح بولے یہ بھی نہ بولے ہوتے کچھ نہیں یہ سب بے فکری کی باتیں ہیں جو جی میں آتا ہے کر گذرتا ہے نہ کوئی اصول ہے نہ کوئی قاعدہ بیلوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں نہ اپنی راحت کا خیال نہ دوسری کی یہ بھی حس نہیں کہ ہماری اس حرکت سے دوسرے کو اذیت ہوگی۔ پھر ایک نہیں دو نہیں جس کو دیکھو ہر ایک کا ایک نیا رنگ نیا ڈھنگ جس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی بھی قاعدہ نہیں سب بے قاعدہ۔ آخر کہاں تک صبر کروں لوگ تو سمجھتے ہیں کہ تحمل نہیں اور میں جس قدر تحمل کرتا ہوں دوسرا نہیں کرسکتا۔ لیکن اگر کسی کو حس ہی نہ ہو وہ میرا مخاطب ہی نہیں۔ بہت لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ جس نے ہاتھ میں تسبیح لے لی وہ بے حس ہو جاتا ہے فنا فی اللہ ہوتا ہے اُسے ان باتوں کی کیا خبر اُس کو کسی چیز سے ناگواری نہیں ہوتی اس لئے اُس کے ساتھ جو چاہو برتاؤ کرو۔ تو گویا وہ بُت ہے چاہے اس کے کوئی جوتے مارے تب خبر نہیں اور اگر کوئی اس کو سجدہ کرے تب خبر نہیں۔

ملفوظ: ۳۰۳ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس سے زیادہ طبیعت پریشان ہوتی ہے کہ اپنی غلطی کو بھی نہیں سمجھتے ہم تو محنت کر کے سمجھا دیں ان کو پروا بھی نہ ہو پھر اعتراض کرتے ہیں کہ ذرا سی بات پر تغیر ہو گیا مگر میں کیا کروں میری فطرت ہی ایسی ہے۔ اسی تازہ واقعہ میں پہلے اچھی خاصی طبیعت تھی ان کی حرکت سے اس وقت سے دماغ پر تغیر ہے اب طبیعت متلی کی طرف مائل ہو رہی ہے محض حرارت کی وجہ سے۔

ملفوظ: ۳۰۴ فرمایا کہ ایک خط آیا ہے اس سے پہلے خط میں لکھا تھا کہ میں قرآن شریف حفظ کرنا چاہتا ہوں دعاء فرما دیجئے۔ میں نے لکھ دیا کہ میں دعاء کرتا ہوں آج جو خط آیا ہے پہلا خط بھی ہمراہ ہے لکھا ہے کہ آپ کے حکم کے موافق قرآن شریف شروع کر دیا ہے اب بتلائے اس کند ذہنی کا کیا علاج ہے دعاء کو حکم سے تعبیر کیا۔ میں نے جواب میں صرف یہ لکھا کہ میرا وہ حکم دکھلاؤ کون حکم ہے۔

ملفوظ: ۳۰۵ فرمایا کہ ایک صاحب کا آج اور ایک خط آیا ہے عربی میں لکھا ہے۔ میں نے لکھا ہے کہ آپ زبان اردو پر اگر قادر ہیں تو پھر عربی میں خط لکھنے کی کیا مصلحت ہے اور اگر قادر نہیں تو یہ عذر لکھنا چاہئے تھا۔ اس پر فرمایا کچھ نہیں محض اظہار قابلیت مقصود ہے۔ لوگوں کو بجز فخر اور بڑائی کے دوسری فکر ہی نہیں رہی اور یہ مرض اس قدر عام ہوا ہے کہ اس میں سب ہی مبتلا ہیں الا ماشاء اللہ ایک صاحب نے اسی طرح عربی میں مجھ کو خط لکھا۔ میں نے پوچھا کہ عربی میں خط کیوں لکھا جبکہ اردو میں لکھ سکتے تھے۔ جواب میں لکھتے ہیں کہ جنتیوں کی زبان عربی ہی ہوگی اس لئے برکت کے لئے عربی میں لکھا میں نے لکھا کہ قسم کھا کر لکھو کہ اگر تم کبھی یہاں پر آئے تو کیا عربی میں گفتگو کرو گے اس لئے کہ جیسے عربی تحریر میں برکت ہے ایسے ہی عربی تقریر میں بھی برکت ہے۔ سمجھتے ہیں کہ ہم نے ایسا جواب دیا کہ اس پر کوئی اعتراض ہی نہیں ہو سکتا۔ تفاخر۔ بڑائی۔ اظہار علم و قابلیت کے سوا اور کچھ نہیں۔ عاجزی۔ انکساری پستی۔ شکستگی رہی ہی نہیں۔

۱۲ / جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز جمعہ

ملفوظ: ۳۰۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ لوگ اعمال کو دیکھتے ہیں مگر دیکھنے کی چیز ہے قلب اس کے دل میں اللہ اور رسول کی محبت اور عظمت کس قدر ہے۔ بدوی ہیں گنوار لوگ ہیں مگر ان کے دل میں اللہ اور رسول کی محبت اور عظمت کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور زیادہ ضرورت اسی کی ہے کہ دل میں

دین کی وقعت نہ عظمت ہو۔

ملفوظ ۳۰۷: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو اس کو پسند کرتا ہوں کہ ہر شخص کام میں لگے چاہے وہ کام دین کا ہو یا دنیا کا۔ جو شخص مشغول ہوتا ہے وہ بہت سی خرافات سے بچا رہتا ہے۔ ایک بزرگ اپنے خدام کے ساتھ جا رہے تھے۔ ایک شخص راستہ کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ بزرگ نے اس کو سلام نہیں کیا پھر واپسی اسی راستے سے ہوئی وہی شخص پھر بیٹھا تھا اور زمین کرید رہا تھا ان بزرگ نے اس کو سلام کیا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ حضرت اس میں کیا راز تھا کہ اس شخص کو پہلے سلام نہیں کیا اور اب کیا۔ فرمایا کہ پہلے یہ بیکار بیٹھا تھا اس لئے اس کے قلب میں شیطان تصرف کر رہا تھا اور اب مشغول ہے گو بیکار ہی شغل میں سہی جو معصیت بھی نہیں اس لئے شیطان اس سے دور ہے۔

ملفوظ ۳۰۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ پہلے تو صرف آدمیوں کے نام رکھے جاتے تھے اب بکثرت مکانوں کے بھی نام رکھے جانے لگے عشرت منزل۔ فلاں منزل۔ فلاں منزل۔ قصبہ کیرانہ میں ایک چھوٹی سی کوٹھری کا نام مدرسہ دار الفیض رکھا گیا تھا۔ مدرسہ دیوبند اس قدر بڑا مدرسہ اور بزرگوں کے وقت میں اس کا کچھ بھی نام نہیں تھا۔ ایک نئی رسم یہ نکلی ہے کہ آدمیوں کے نام جانوروں کے ناموں پر رکھے جانے لگے۔ بلبل ہند۔ طوطی ہند۔ شیر پنجاب۔ پرندے درندے بننے لگے۔ اللہ نے تو آدمی بنایا تھا یہ جانور بننے لگے۔ اب گاؤ ہند۔ خر ہند۔ کرگ ہند۔ خرگوش ہند اور بننا باقی ہیں کیا ٹھکانا ہے۔

ملفوظ ۳۰۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ محسن کشی آج کل مرض عام ہو گیا ہے۔ بڑا ہی نازک زمانہ ہے یہ سب بددینی کی بدولت ہو رہا ہے لوگوں میں دین نہیں رہا۔

ملفوظ ۳۱۰: ایک شخص نے پرچہ پیش کیا حضرت والا نے ملاحظہ فرما کر فرمایا اس قسم کے تعویذ گنڈے مجھے نہیں آتے۔ عرض کیا کہ میں تو دس کوس سے چل کر آیا ہوں۔ فرمایا یہ میری بات کا جواب ہوا یہ میں نے کب پوچھا ہے کہ کے کوس سے چل کر آئے ہو کیا میری بات سنی نہیں۔ عرض کیا سنی تو ہے فرمایا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ چاہے جانتے ہو یا نہ جانتے ہو مگر لکھ دو تو کیا بڑھاپے میں تمہاری ضرورت سے کہیں جا کر سیکھ کر آؤں گا جو میں نے کہا ہے۔ اس کا جواب دو۔ میں چاہتا ہوں کہ صفائی کے ساتھ بات ختم ہو جائے اور تم لوگ اس کو الجھاتے ہو۔ ایک شخص صبح آئے تھے میں اپنا کام چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہوا کہ بھائی کچھ کہنا ہو تو کہہ لو جواب میں کہتا ہے کہ اللہ کا شکر ہے۔ میں بڑی حیرت میں گیا کہ یہ بات کیا ہوئی۔ میں نے کہا کہ اس سے میں کیا سمجھوں اتنا بڑا علم اور قابلیت تو مجھ میں نہیں میں نے بہت ہی کھود کرید کی تب کہا کہ مرید ہونے آیا ہوں۔ میں نے کہا نکل موذی یہاں سے مگر بیٹھا رہا۔ میں کہا کہ نہیں اٹھتا تب بھی بیٹھا رہے میں نے ڈنڈا اٹھایا اور اس کی طرف لے کر چلا جب اس نے دیکھا کہ اب یہ مارے گا تب بھاگا۔ تو ایسے ایسے کوڑ مغز اور بدفہموں سے واسطہ پڑتا ہے یہ لوگ تو کہتے ہوں گے کہ کس قصائی سے پالا پڑا اور میں کہتا ہوں

کہ کن دیلوں سے پالا پڑا اسی طرح یہ شخص ستا رہا ہے بات کو صاف نہیں کرتا۔ جب میری بات سن چکا کہ میں اس قسم کے تعویذ گنڈے نہیں جانتا تو اس کا جواب دیتا ہے کہ میں دس کوس سے چل کر آیا ہوں آیا ہوگا چلا۔ جلا بدفہم بدعقل میں اب تعویذ گنڈے سیکھتا پھروں گا بیہودہ کہیں کا۔

ملفوظ ۱۳۱: ایک شخص نے عرض کیا کہ فلاں شخص نے خواب دیکھا ہے۔ فرمایا کہ مجھ کو خواب کی تعبیر سے مناسبت نہیں۔ یہ سب پیر جیوں کے یہاں کی باتیں ہیں۔ تعویذ گنڈے خواب ان سے ہمیں مناسبت نہیں ہم تو طالب علم ہیں طالب علموں والی باتیں جانتے ہیں وہی آ کر ہم سے پوچھنا چاہئے۔ اور یہ باتیں پیر جیوں کے یہاں جا کر کرنا چاہئے۔ عرض کیا کہ حضور کے پاس تو خزانے ہیں فرمایا اتنا اور بھی کہہ دو کہ ہر چیز کے تو کل کو ایک چارپائی لے آنا کہ اس کو بھی گن دو اس لئے کہ آپ کے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں۔ اور اب میں اصلی بات کہتا ہوں اب تک تو تواضع ہی تھی کہ ہم لوگوں کے خواب خواب ہی نہیں ہوتے جس کی تعبیر ہو۔ خواب ہوتے تھے انبیاء کے صحابہ کے اولیاء کے ہم جیسوں کے بھی کوئی خواب ہیں۔ پریشان خیالات کا نام خواب رکھ لیا ہے پھر ان کی تعبیر ہی کیا ہو۔ عرض کیا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ حضور کے پاس خزانے ہیں۔ فرمایا میں بھی کہہ رہا ہوں کہ کل کو ایک چارپائی لے آنا کہ اس کو بھی گن دو۔ تمہارے پاس سب خزانے ہیں۔ اگر تمہارے پاس معقول جواب نہیں تو کیا بولنے کا جواب دینے کا کچھ شوق ہے خاموش بیٹھے رہو کیوں خواہ مخواہ بک بک لگاتے ہو۔ جو میں کہہ رہا ہوں وہ جھوٹ ہے اور جو لوگ سمجھتے ہیں وہ سچ ہے کیا تم لوگوں کو یہی مشغلہ رہ گیا کہ بیکار باتوں میں وقت کو خراب اور برباد کرتے ہو اور خواب میں رکھا کیا ہے۔ بیدار رہو۔ بیداری کی باتیں کرو۔ میں تو اکثر ایسے خطوط کے جواب لکھ دیتا ہوں اور یہی میرا معمول ہے اور میں جھوٹ بھی نہیں بولتا نہ تصنع کرتا ہوں بلکہ واقعہ بھی یہی ہے کہ مجھ کو خواب کی تعبیر سے مناسبت نہیں۔ اور اگر کچھ ہے بھی تو اکثر لوگوں کے خواب خواب ہی نہیں ہوتے جن کی تعبیر دی جائے۔

ملفوظ ۱۳۲: فرمایا کہ ایک شخص کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں وظائف پڑھتا ہوں ان کے نام بھی لکھے ہیں ہفت ہیکل شش قفل خدا معلوم یہ کیا چیزیں ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ اتنے وظائف پڑھتا ہوں مگر افلاس پھر بھی نہیں گیا کیا میری زبان میں (عشر) اثر نہیں رہا عین سے اثر لکھا ہے۔ پھر لکھا ہے کہ میری قسمت۔ پھر لکھا ہے کہ اگر آپ فرمائیں تو ان وظائف کو چھوڑ دوں۔ میں نے لکھ دیا کہ چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے مگر اللہ تعالیٰ کا نام آخرت کے لئے پڑھا جاتا ہے نہ دنیا کے لئے۔ تم بھی دنیا کے لئے نہ پڑھو۔

ملفوظ ۱۳۳: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بعض لوگ جواب کے لئے لفافہ نہیں بھیجتے صرف ٹکٹ بھیج دیتے ہیں بعضے لفافہ بھیجتے ہیں مگر اس پر پتہ نہیں لکھتے ایسے خطوط کے لئے میں اس کی کوشش کرتا ہوں کہ ان کے ہی خط میں ان کا پتہ کاٹ کر چسپاں کر دیتا ہوں تاکہ اس کے باہر پہنچنے نہ پہنچنے کا وہی

ذمہ دار ہیں۔ میں ذمہ دار نہ بنوں۔ ان کوتاہیوں کا سبب نہ زیادہ تر بے فکری کا ہے بدفہمی نہ یادہ سبب نہیں

(نوٹ) اس کے بعد معمول بدل گیا کہ سادہ لفافہ لکھے ہوئے پتہ کی محاذات سے کاٹ کر خط رکھ دیا جاتا ہے اور حفاظت کے لئے سی دیا جاتا ہے)

ملفوظ ۳۱۴: فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے یہ ایک ہفتہ یہاں پر رہ بھی گئے ہیں لکھا ہے کہ خاموش مجلس میں بیٹھے رہنے سے وہ نفع ہوا کہ بارہ برس گھر پر رہ کر کام کرنے سے بھی وہ نفع نہ ہوتا لکھا ہے کہ اصلاح اور تعلق مع اللہ اس قدر میسر ہوا کہ جس کو بیان نہیں کر سکتا۔ لکھا ہے کہ رخصت کے وقت جی چاہتا تھا کہ قدم چوموں مگر چونکہ حضور کی اجازت مکاتبت مخاطبت کی بھی نہ تھی ڈر کی وجہ سے نہ چوم سکا۔ یہ خاموش بیٹھا رہنا بحمد مفید ثابت ہوا۔

ملفوظ ۳۱۵: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ تقسیم عمل نظام عالم کا ایک جزو ہے کہ جس کا جو کام ہے اس سے وہی کام لینا چاہئے۔ کام سے انکار نہیں مگر جو کام جس کے کرنے کا ہے وہی تو کر سکتا ہے۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص سونا لے کر لوہار کے پاس جاوے کہ اس کے جھومکے اور کرن پھول بنادے یا لوہا لے کر سنار کے پاس جاوے کہ اس کا کھرپا اور اڑہ بنادے تو ایسا شخص نرا کھرپا ہی ہوگا اب آپ ہی فیصلہ کر لیں کہ کیا جھومکے اور کرن پھول بن جائیں گے یا کھرپا اور اڑہ تیار ہوجائیگا ایسے ہی جو کام علماء کا ہے علماء سے لو۔ جو کام لیڈروں کا ہے ان سے لو۔

ملفوظ ۳۱۶: فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے اپنی لڑکی کے رشتہ کے بارہ میں مجھ سے مشورہ کیا لکھا ہے۔ یہ بھی وہی مرض ہے کہ جو جس کا کام ہے اس سے وہ کام تو لیا نہیں جاتا اور دوسرے کاموں کی اس سے امید اور توقع کی جاتی ہے۔ بھلا مجھ کو رشتوں کے معاملات سے کیا تعلق ہاں دعاء وغیرہ کے لئے جو لکھا جائے اس کا مضائقہ نہیں یہ خرابیاں بھی پیرجیوں کی بدولت پیدا ہوئیں۔ پیر جی کیا ہیں مرید کے ہر کام ہر بات کے ٹھیکیدار ہیں۔ ہر چیز میں مرید کے دخیل ہوتے ہیں۔ رشتہ ناتوں تک میں دخل جوڑ توڑ لگاتے رہتے ہیں۔ ایسے بڑے ٹھیکیدار۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ مجھ کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔ خصوص شادی بیاہ کے کام میں تو اپنے عزیزوں کے بھی نہ پڑنا چاہئے۔ بڑا ہی واہیات قصہ ہے۔ بھائی منشی علی اکبر مرحوم کے چند لڑکیاں ہیں ان کے رشتوں وغیرہ میں میں نے کبھی دخل نہیں دیا۔ اکثر لوگوں کے خطوط میرے پاس آتے یہ سمجھ کر کہ یہ خاندان میں بڑا ہے۔ میں جواب میں یہ شعر لکھ دیا کرتا تھا۔

ماہیچ نداریم غم ہیچ نداریم — دستار نداریم غم پیچ نداریم

مسلمان کا تو یہ مذہب ہونا چاہئے کہ باستثناء ضرورت شدیدہ ایک ہی کی طرف مشغول رہے اور یہ حالت رہے ؎

ما قصہ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم — از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام آن سے ملے آن بزرگ نے زیادہ التفات نہیں کیا تو خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ کو آپ نے پہچانا نہیں۔ کہا کہ خدا ہی کے پہچاننے سے مجھ کو فرصت نہیں گو دنیوی یا دینی ضرورت سے کسی سے تعلق یا توجہ کرنا شغل مع اللہ کے منافی نہیں مگر بعض اوقات اس تعلق کا اثر ضرورت پر غالب ہوتا ہے۔

ملفوظ ۳۱۷: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہر ہر گاؤں میں قطب ہوتا ہے چاہے چھوٹی ہی آبادی ہو لیکن اصل یہی ہے کہ ان باتوں ہی میں نہ پڑنا چاہئے کوئی قطب ہو تو کیا اور غوث ہو تو کیا سب زائد باتیں ہیں آخرت کی فکر میں لگنا چاہیئے۔

ملفوظ ۳۱۸: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حدیث شریف میں یہ قصہ آیا ہے کہ دو شخصوں میں مقدمہ ہوا۔ ایک ہار گیا اور ایک جیت گیا۔ تو ہارنے والے نے کہا حسبی اللہ ونعم الوکیل جس کے معنی باعتبار محاورہ کے یہ ہیں کہ اللہ کی یہی مشیت تھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کم ہمتی کو پسند نہیں فرماتے۔ اول کوشش کرو جب بالکل عاجز ہو جاؤ تب کہو حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ اس میں حضور نے تعلیم فرما دیا کہ تدبیر اور رضا بتقدیر میں منافات نہیں۔ اسی طرح قرآن مجید میں مسئلہ تقدیر کی حکمت فرمائی ہے کہ لکیلا تاسوا علیٰ مافاتکم۔ اس میں بھی یہ بتلا دیا کہ تقدیر کا مسئلہ اس لئے تعلیم کیا گیا ہے کہ مسلمان کو ناکامی پر حسرت نہ ہو اور حسرت میں ہمت نہ گھٹے تو مسئلہ ہمت بڑھانے کو سکھایا گیا تھا نہ کہ گھٹانے کو۔ اب لوگ الٹی سمجھ گئے کہ کچھ نہ کرو ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جاؤ یہ سب کم علمی کی بدولت گڑبڑ ہو رہی ہے۔

ملفوظ ۳۱۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ سب میں سہل یہ نام مبارک ہے یعنی اللہ حتیٰ کہ اگر کوئی بہت ہی چھوٹے بچے کو سکھا دے اللہ اللہ تو بسہولت سیکھ سکتا ہے مسمیٰ تو اتنے بڑی شان کے کہ وہاں تک رسائی مشکل اور نام اتنا سہل کہ بچے بھی اس کے لینے پر قادر ہیں۔ کیا برکت والا نام ہے اور کیسا پیارا سبحان اللہ۔

۱۳ / جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ ہجری

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

ملفوظ ۳۲۰: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جو لوگ تکلف کی چیزیں ہدیہ میں لاتے ہیں اُن سے اور خصوص اونی کپڑوں کے لانے سے مجھے بڑی کلفت ہوتی ہے اس لئے کہ اکثر ایسی چیزیں بلا ضرورت

کے آجاتی ہیں اور ادنیٰ کپڑا صرف دل شکنی کی وجہ سے قبول کر لیتا ہوں مگر جی خوش نہیں ہوتا کیونکہ اُن کی حفاظت کا خاص اہتمام کرنا پڑتا ہے جو ایک اچھا خاصہ مستقل مشغلہ ہے۔ پھر کرم لگ جاتے پر اور رنج ہوتا ہے۔ یہ بھی ہدایا کے باب میں ایک رسم پر عمل ہے ورنہ اس کی قریبن مصلحت دو صورتیں ہیں افضل اور بہتر صورت تو یہ ہے کہ نقد دے دے اس لئے کہ جو ضرورت ہو گی اُس میں صرف کر لیا جاوے گا اور اگر چیز ہی دینا ہو تو مہدی الیہ سے معلوم کر لے یہ دوسرا درجہ ہے مگر رسم کے غلبہ سے کسی بات میں بھی اصول اور حدود کی رعایت نہیں رہی۔ ھدیہ کا اصل مقصود دوسرے کا جی خوش کرنا ہے۔ مگر آج کل اپنا جی خوش کرنے کو مقصود سمجھتے ہیں۔ اس لئے میں اس کو بھی ایک رسم مروج سمجھتا ہوں۔

ملفوظ ۳۲۱: فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے۔ یہ کچھ روز یہاں پر قیام بھی کر گئے ہیں۔ انگریزی تعلیم یافتہ ہیں۔ آدمی بگڑے نہیں اچھے ہیں لیکن اس تعلیم کا اثر اُن پر ضرور ہے انہوں نے وطن پہونچکر یہاں کے زمانۂ قیام کے نفع اور اپنی مناسبت کو لکھا تھا اور اظہار عقیدت کیا تھا اور یہ بھی پوچھا تھا کہ غالباً آپ مجھ کو پہچان گئے ہوں گے۔ میں نے یہاں ان کے قیام کے زمانہ میں دیکھا تھا کہ دن بھر میں وہ کئی قسم کا لباس جس کی وضع قطع بھی جدا جدا ہوتی تھی بدلتے رہتے تھے۔ اس پر میں نے دوسرے معاملات کے متعلق مناسب جواب لکھ کر پہچان کے متعلق لکھا تھا کہ میں نے آپ کو خوب پہچان لیا آپ وہ ہیں جو تبدیل لباس میں اس شان کے مظہر تھے ؎

گہے در کسوت لیلیٰ فرو شد — گہے در صورت مجنوں بر آمد

اس پر جواب آیا کہ اور اپنی اس حرکت کی معذرت چاہی اور آئندہ کے لئے اس طرز عمل سے بچنے کا وعدہ کیا اور لکھا کہ میں بیحد شرمندہ اور متعجب ہوں کہ مجھ سے ایسی حرکت کا کیوں صدور ہوا۔ اب برابر خط و کتابت ہے پلتے چھتے رہتے ہیں فکر بھی عجیب چیز ہے۔

ملفوظ ۳۲۲: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل بعض علماء کا خصوص مفتیوں کا یہ طرز نہایت بُرا ہے کہ سائل کے تابع بن جاتے ہیں خواہ ان کا سوال فضول ہو یا اُن کے فہم سے بالاتر ہو جواب ضروری سمجھتے ہیں اس لئے میں مفتیوں کو تعلیم کرتا ہوں کہ ان سب امور کو سوچ سمجھ کر جواب دیا کریں یہ نہیں کہ بالکل سائل کے تابع بن جائیں بلکہ سائل کو بھی اس کی غلطی پر متنبہ کر دیا کریں۔

ملفوظ ۳۲۳: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ لوگ بڑے ہی چالاکی اور ہوشیاری و بیدار مغزی سے سوالات کرتے ہیں۔ بڑی بڑی تمہیدیں اور بندشیں لگاتے ہیں لیکن میرے جوابوں کو بحمد اللہ وہ آلۂ نزاع نہیں بنا سکتے ورنہ آج کل تو شغل ہو گیا ہے کہ مولویوں کو تختۂ مشق بنا رکھا ہے گویا کہ فساد اور جھگڑوں میں یہ ان کے آلۂ کار ہیں۔ میں بحمد اللہ ان کی نیتیں خوب پہچانتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ مجھ سے خوش نہیں میرے جوابات پر جھلاتے ہیں بُرا بھلا کہتے رہیں۔ دوسروں کو اپنا تابع بنا کر اپنے

اعراض اور کام نکالنا چاہتے ہیں۔ یہاں سے کوئی بات ہاتھ نہیں لگی اس لئے خفا ہیں۔

ملفوظ ۳۲۴ فرمایا کہ ایک بی بی کا خط آیا تھا میرے یہاں معمول ہے کہ اگر عورت کا خط آئے تو اس پر شوہر کے یا شوہر نہ ہو تو گھر کے کسی محرم کے دستخط ضرور ہوں اس میں بڑی مصلحتیں ہیں اور سب سے بڑی مصلحت تو دین کی ہے۔ یہ بی بی اپنے باپ کے گھر گئیں ہوئیں تھیں وہاں پر کوئی لکھنے والا نہیں ملا اس لئے کوئی خط نہیں بھیج سکیں۔ جب شوہر کے گھر آئیں تو خط آیا لکھا تھا کہ کوئی ایسا عمل بتلا دو کہ میں کرتی پڑھتی رہوں تاکہ میری حالت درست رہے۔ بہشتی زیور پڑھتی رہتی ہوں میں نے لکھ دیا کہ علم تمہارے سامنے عمل تمہارے ہاتھ میں آج پھر خط آیا ہے کچھ اپنے امراض باطنی کے متعلق لکھا ہے۔ فکر بھی عجیب چیز ہے۔

ملفوظ ۳۲۵ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے جس میں بصورت سوال ایک طویل تحریر ہے۔ سوال یہ ہے کہ اہتمام کے ساتھ جلسہ وجلوس کا منعقد کرنا۔ مثلاً جھنڈے اور جھنڈیوں کا ہونا باندا دل میں آواز ملا کر نعرہ لگانا مسجدوں میں شور برپا کرنا سیاسی قیدیوں کو بازاروں میں گھماتے پھرنا یا حاجی لوگ جب وہ حج کو جائیں ان کے گلوں میں پھول ڈالنا وغیرہ وغیرہ یہ امور زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا زمانہ صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے ثابت ہیں یا از روئے کتب فقہ وحدیث ایسے امورات جائز ہیں یا ناجائز۔

(**جواب**) حاجت مشاطہ نیست روئے دلآرام را۔

ملفوظ ۳۲۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جو عمل خلوص اور محبت سے خالی ہوگا وہ بے مغز کا بادام ہے۔ بے رس کا آم ہے اس کے پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہئے اور جب تک نہ ہو اس وقت تک اس نقال کو بھی بیکار نہیں سمجھنا چاہئے اس لئے کہ صورت بھی کبھی سیرت تک پہنچا دیتی ہے تعمیر نظام والباطن کی ضرورت ہے اگر اجتماعاً نہ ہو تعاقباً ہی سہی۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر عمل ریا سے ہو اس کو بھی نہیں چھوڑنا چاہئے کرتا رہے اس لئے کہ ریا سے عادت ہو جاتی ہے اور عادت سے عبادت۔

ملفوظ ۳۲۷ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ تو خیال ہی خیال ہے کہ جوش نہ ہونے کو نقص سمجھتے ہیں بعض کو محبت ہوتی ہے عمل میں خلوص بھی ہوتا ہے مگر جوش نہ ہونے کی وجہ سے اس کا احساس نہیں ہوتا مگر جوش کوئی مقصود چیز نہیں یہ اختلاف فطری ہے بعض میں ضبط ہوتا ہے اور بعض میں جوش خروش۔

ملفوظ ۳۲۸ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کسی صفت میں اپنے کو دوسرے سے اکمل سمجھنا جائز ہے کیونکہ وہ حسی چیز ہے افضل سمجھنا ناجائز ہے کیونکہ وہ غیبی چیز ہے تفضیلت کی حقیقت ہے کثرت ثواب عند اللہ جس کا حاصل مقبولیت ہے۔ مثلاً ایک شخص کے ایک آنکھ ہے اور دوسرے کے دو ہیں تو دو والے کو یہ سمجھنا کہ میں اکمل ہوں میرے پاس خدا کی دی ہوئی نعمت ہے یہ جائز ہے اور اس سے افضل

سمجھنا یہ نا جائز ہے کیونکہ آنکھ کو قرب عند اللہ میں کوئی دخل نہیں۔ یا ایک شخص عالم ہے اور ایک جاہل تو یہ اکمل تو ہے مگر افضل ہونا خدا ہی کو معلوم ہے کہ افضل جاہل ہے یا عالم کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں کہ عالم کے لئے افضل ہونا بھی لازم ہو ممکن ہے کہ اس جاہل کے قلب میں ایسی کوئی چیز ہو کہ وہ علم سے کہیں زیادہ خدا کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہو تو اپنی اکملیت کی بناء پر اپنے کو اکمل سمجھنا یہ بڑا ہے یہی علوم ہیں جو باخبر کی صحبت میں میسر ہوتے ہیں یہ تو علمی تحقیق ہے باقی بعض امور ذوقی و وجدانی ہوتے ہیں وہ بیان میں بھی نہیں آسکتے۔ ایک شخص پر ایک ایسی باطنی حالت غالب تھی کہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ اگر میں فرعون ہوتا تو اس حالت سے بہتر تھا کیونکہ وہ اس بلا میں مبتلا نہ تھا۔ رہا کفر تو وہ حالت کفر کو ایک منٹ میں درست کر لیتا اور میں اس موجودہ حالت کو درست نہیں کر سکتا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی عقیدہ تھا کہ وہ کافر تھا اور میں مؤمن اور مؤمن کافر سے اچھا ہوتا ہے اور یہ ایسی حالت ہے کہ جس کو دیکھ کر اگر کوئی اعتراض کرے تو اُس کو بجائے سمجھانے کے یہی جواب دیا جاوے گا ؎

اے تراخارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست　　حال شیرانی کہ شمشیر بلا بر سر خورند

ملفوظ نمبر ۳۲۹ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر منکر فعل کو ہوتے ہوئے دیکھے تو ہاتھ سے روکدے۔ اس پر قدرت نہ ہو زبان سے روکدے اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو اس کو دل ہی سے بُرا سمجھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اس پر نکیر کرے گا تو اس کو برا اور اپنے کو اس سے اچھا سمجھے گا اور یہی تکبر ہے۔ فرمایا کہ فعل کو برا فرمایا فاعل کو تو نہیں فرمایا۔ مثلاً نماز کا ترک منکر ہے اور نماز کا پڑھنا معروف تو اس حالت میں اُس فعل کو منکر اور اپنے نماز پڑھنے کو معروف تو سمجھیں گے مگر اس سے یہ تو لازم نہیں آیا کہ اس بے نمازی کی ذات سے نمازی کی ذات کو افضل سمجھیں ہاں اس فعل سے کہ اُس نے نماز نہیں پڑھی اور نمازی کے فعل سے کہ اُس نے نماز پڑھی افضل کہیں گے۔

ملفوظ نمبر ۳۳۰ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کتنا ہی بڑا ذی استعداد ہو بدون صحبت شیخ کامل بصیرت نہیں ہوسکتی ہاں بصیرت کے بعد پھر خواہ شیخ سے بھی بڑھ جاوے یہ ممکن ہے۔

ملفوظ نمبر ۳۳۱ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کسی میں کوئی بات خداداد ایسی ہوتی ہے کہ وہ کسی کے بنانے سے نہیں بن سکتی گو کسی عارض کی وجہ سے اس میں کسی قسم کی بظاہر کمی معلوم ہوتی ہو مگر عارض کے ارتفاع ہی سے اصلی چیز نمایاں ہو جاتی ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص حسین ہے مگر اس نے یا کسی نے اُس کے چہرہ پر سیاہی مل دی اور ایک بدشکل ہے اُس نے پوڈر مل لیا تو کیا اس کے حسن میں یا دوسرے کے قبح میں کوئی فرق آگیا جس وقت وہ سیاہی دھل جائے گی وہ ویسا ہی حسین ہے اور جس وقت دوسرے کا پوڈر دھل جائے گا اس کی قلعی کھل جائے گی۔ دوسری مثال ایک عورت نہایت حسین ایک عورت بدشکل مگر اس بدشکل میں ایک ایسی ادا ہے کہ خاوند کو وہ محبوب ہے تو اُس کی وجہ سے اس عورت کا حسن اُس کی

نظر میں خاک اور گرد ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بعض بندوں میں کوئی ایسی خداداد صفت ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کے سامنے دوسروں کے کمالات گرد ہوتے ہیں اس لئے کسی کی کسی کمی کو دیکھ کر اُس کو ناقص اور اپنے کو کامل سمجھنا غلطی ہے ممکن ہے اُس کا نقص عارضی ہو اسی طرح تمہارا کمال اُس عارض کے ارتفاع کے بعد عکس کا ظہور ہو جاوے گا تو حتمی فیصلہ کیسے کیا جاسکتا ہے۔

ملفوظ ۲۳۳ فرمایا کہ مجالس تعزیت میں یہ بات دیکھی ہوگی کہ بعض لوگ جو جوان مر جاتے ہیں اُس کی تعزیت میں عام طور پر اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہائے جوان مر گیا چھوٹے چھوٹے بچے رہ گئے۔ ابھی عمر ہی کیا تھی۔ ہاں جی اللہ کی ذات بڑی بے پرواہ ہے سو یہ لفظ بے پرواہ کا نہایت ثقیل ہے۔ یہاں غنی کا ترجمہ نہیں کہ یہ صفت تو منصوص ہے بلکہ یہ بے انتقام کے معنی میں ہے۔ یہ جملہ بڑے بڑے ثقہ لوگوں کی زبان پر ہے واللّٰہ الغنی وانتم الفقراء کے معنی تو یہ ہیں کہ اُن کو کسی کی طرف احتیاج نہیں اور ان تکفروا فان اللّٰہ غنی عنکم ولا یرضی لعبادہ الکفر اور من جاھد فانما یجاھد لنفسہ ان اللّٰہ لغنی عن العالمین میں یہ معنی ہیں کہ کسی کی کفر و طاعت سے نہ اُن کا کوئی ضرر ہے نہ نفع مگر ان اہل تعزیت کی یہ مراد ہرگز نہیں ان کلمات سے سخت احتیاط چاہئے ممکن بلکہ امید ہے کہ جہل کے سبب معافی ہو جاوے لیکن اگر مواخذہ ہونے لگے تو استحقاق ہے۔ عارفین پر تو بعید دلالتوں پر مواخذہ ہو گیا ہے۔ ایک بزرگ نے پیاس کے بعد بارش ہونے پر یہ کہہ دیا تھا کہ آج کیا اچھے موقع پر بارش ہوئی فوراً مواخذہ ہوا کہ بے ادب یہ بتلا کہ بے موقع کب ہوئی تھی۔ یہ ایسا ہے کہ کسی ماہر اُستاد سے کہو کہ آج کھانا بہت اچھا پکا ہے کیا یہ مطلب نہیں سمجھا جاوے گا کہ پہلے اچھا نہ پکا تھا اور میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ ان اقوال میں تو کچھ قریب یا بعید سوء ادب بھی ہے بندہ کا حق یہ ہے کہ جو خالص طاعت بھی ہو اُس میں بھی لرزاں ترساں رہے ناز نہ کرے کیونکہ وہ بھی اُن کے شانِ عظیم کے لائق تو نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ اپنے کسی عمل یا اپنی کسی حالت پر ناز نہ کرو۔ نیاز پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ اسی میں خیر ہے اور ایسے ہی ناز کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

ناز را روئے بباید ہمچو ورد   چوں نداری گرد بدخوئی مگرد

اور کیا کوئی ناز کرسکتا ہے ہمارے اعمال کی حقیقت ہی کیا ہے کہ جس پر ناز کرے اور غور کیا جاوے تو ہم ہر وقت ہی خطاوار ہیں مگر اُن کا عفو غالب ہے اس لئے محفوظ ہیں بعض دفعہ تنبیہ بھی فرما دیتے ہیں اور یہ بھی رحمت ہے چنانچہ ایک عارف کی زبان سے کوئی کلمہ نامناسب نکل گیا اُس وقت تو مواخذہ نہ ہوا مگر کچھ دن کے بعد اس مواخذہ کا اس طرح ظہور ہوا کہ کلمہ طیبہ کا ذکر کرنا چاہا مگر زبان سے نہ نکلتا تھا۔ بہت پریشان ہوئے دعاء کی ارشاد ہوا کہ فلاں وقت فلاں کلمہ تمہاری زبان سے نکلا تھا تم نے اب تک توبہ نہیں کی بہت ڈھیل دی آج پکڑے ہے ہمارا ذکر زبان سے نہیں کرسکتے تب توبہ کی تب معافی ظاہر ہوئی۔

ملفوظ ۳۳۳ فرمایا بعض اہل لطائف نے لکھا ہے کہ یہ طریق مستقیم شریعت کا جو ہے یہی پل صراط ہے یہی بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے اس کی توجیہ یہ لکھی ہے کہ طریق مستقیم کی حقیقت ہے ہر چیز میں اعتدال اور اعتدال کی حقیقت یہ ہے وسط حقیقی اور وسط حقیقی متجزی نہیں ہوتا تو بال سے باریک ہوا کیونکہ بال عرض میں متجزی ہو سکتا ہے ۔ نیز حقیقی وسط پر عمل مشکل بھی ہے اس لئے تلوار سے تیز ہوا پس قیامت میں یہی طریق اپنی ان دو صفتوں کے ساتھ بشکل صراط ظاہر ہو جاوے گا پھر اس دشواری کے آسان ہونے کا طریقہ فرمایا کہ کسی کامل کی جوتیاں سیدھی کرنے سے یہ دشوار راہ طے ہو سکتی ہے بدوں رہبر کامل کے اس میں قدم رکھنا خطرہ سے خالی نہیں ۔ جیسا مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

یار باید راہ را تنہا مرو
بے قلاؤز اندریں صحرا مرو

اور جب حقیقت پل صراط کی یہ راہ مستقیم ہے پس جس صورت سے کوئی شخص اس صراط مستقیم پر چلا ہے اسی طرح وہاں صراط پر چلے گا یعنی کوئی برق کی طرح کوئی گھوڑے کی طرح کوئی پیادہ کی طرح وعلی ہذا غرض جس طرح یہاں پر چل سکتا ہے اسی طرح وہاں پر چل سکے گا کیونکہ وہ چلنا بھی اسی چلنے کا ظہور ہو گا مگر یہ توجیہات ظنی ذوقی ہیں قطعی یا استدلالی نہیں ۔

ملفوظ ۳۳۴ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میرے ایک دوست ہیں وہ ایک عرصہ سے آپ سے بیعت کے متمنی ہیں آپ ان کو بیعت کر لیجئے ۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ یہ خط اسی مثل مشہور کا مصداق ہے کہ مدعی سست گواہ چست ۔ اس پر فرمایا کہ اگر ان کو طلب ہے تو وہ خود کیوں نہیں لکھتے دوسروں سے کیوں لکھواتے ہیں ۔ کبھی عدالت میں بھی کسی دوسرے کی طرف سے درخواست دی ہے کہ فلاں شخص پر بڑا ظلم ہوا ہے اس کی مدد کیجئے باقی وکالت اور چیز ہے اس میں خطاب تو موکل ہی کی طرف سے ہوتا ہے وکیل صرف اعانت کرتا ہے پھر فرمایا کہ لوگ یہ بیہودگیاں کرتے ہیں اور مجھ کو بدنام کرتے ہیں کہ بد خلق ہے سخت گیر ہے اپنے اخلاق حسنہ پر نظر نہیں فرماتے کہ ہم کیا حرکتیں کرتے ہیں میں تو انتہائے صبر سے کام لیتا ہوں مگر جب حد صبر سے گذر جائے تو کیا کیا جاوے ۔ ایک اور صاحب ہیں عالم شخص ہیں بہت عرصہ سے بیعت پر اصرار کر رہے ہیں ۔ میں اس طرح سے بیعت پر اصرار کرنے کو بھی پسند نہیں کرتا مگر صبر اس لئے کرتا ہوں کہ یہ بھی رائے کا اختلاف ہے وہ اپنی رائے سے نہیں ہٹتے میں اپنی رائے سے نہیں ہٹتا مگر اس پر کسی کو سب و شتم بھی نہیں کرتا اس لئے کہ رائے کا اختلاف ہے ۔

۱۴ ؍ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

ملفوظ ۳۳۵ ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور مجھ کو بھی اجازت ہو جائے چلنے کی ۔ فرمایا کہ گول بات سمجھنے

کی کچھ عادت نہیں اس پر وہ شخص ہنسا فرمایا کہ یہ بات ہنسنے کی نہیں رونے کی ہے حضرت والا کے بہت زیادہ کھود کرید کرنے پر کہا کہ مرید ہونا چاہتا ہوں اس پر فرمایا کہ کل ایک شخص آیا اُس نے کہا کہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں میں نے کہا کہو کہا کہ اللہ کا شکر ہے۔ اب میں کیا سمجھتا۔ بہت کچھ کھود کرید کے بعد کہا کہ بیعت ہونا چاہتا ہوں تب میں نے اس کو ڈانٹا اور نکالا۔ نیز اُس سے مواخذہ کرنے کے وقت جب سوالات کئے تو یہ عذر کیا کہ میں اناڑی ہوں میں نے کہا کہ میں کباڑی ہوں کہ اناڑیوں پر سوالات کا بہت کباڑ لاد دیتا ہوں۔ ان پیر جیوں نے ناس کر دیا لوگوں کے اخلاق کا اُن کے یہاں رموز میں گفتگو ہوتی ہے اُن ہی سے ان لوگوں نے رموز سیکھے ہیں مگر وہ رموز خود ایسے مہمل ہیں جیسے ایک مولوی صاحب سے ایک انگریز نے ملاقات کی درخواست مولوی صاحب ملے تو ملاقات کے بعد وہ انگریز کہتا ہے کہ گنگ - یہ بھی بڑے ظریف اور ذہین تھے اُنہوں نے کہا کہ سنگ ملاقات ختم ہو گئی۔ جو اس ملاقات کا واسطہ بنے تھے وہ اس انگریز کے پیشکار تھے۔ اُن سے اُس انگریز نے کہا کہ مولوی صاحب بہت بڑا عالم ہے جغرافیہ بھی جانتا ہے۔ ہم نے دریافت کیا تھا کہ گنگ دریا کہاں سے نکلا۔ اُس نے کہا کہ سنگ یعنی پتھروں سے مراد پہاڑ ہیں۔ پیشکار نے مولوی صاحب سے بیان کیا۔ فرمایا کہ میں نے تو صرف قافیہ ملا دیا تھا۔ بس یہی حالت ہے ان رموز کی۔ ایک شخص ایسے ہی اہل رموز میں سے کانپور آیا اور وعظ میں یہ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب نہیں پھر کہا کہ آپ لوگوں کو بڑی وحشت ہوئی ہوگی مگر شرح سنو۔ بتلاؤ خدا سے کونسی چیز چھپی ہوئی ہے جب کوئی چیز اُن سے غائب نہیں تو عالم الغیب کہاں ہوئے لاحول ولاقوۃ الا باللہ واہیات خرافات یہ رموز ہیں اور سنئے ایک لغو ہی ہے۔ بہت رموز ہیں اور عجیب عجیب ہیں ایک صاحب الرموز کہتے ہیں کہ خدا نے تو ازواج کو فرمایا تھا بنگ بوزہ مولویوں نے نماز بندہ سمجھ لیا ایک جاہل درویش نے والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ کا ترجمہ کیا تھا اے نفس تیری بہی سجا رسرا) ایسے ایسے رموز اور حقائق ہیں استغفر اللہ

ملفوظ ۳۳۳ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ لوگوں کو ایسے تو اپنی غلطی کی کچھ خبر نہیں ہوتی جب میں ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہوں تب اپنی حرکت کو محسوس کرتے ہیں اور ندامت ہوتی ہے۔ کثرت سے یہ غلطی کرتے ہیں کہ صاف بات نہیں کہتے اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان لوگوں کو تعلیم نہیں ہوئی اور میں کہتا ہوں کہ یہ تکلفات تعلیم ہی کی وجہ سے ہیں مگر تعلیم فاسد ورنہ فطری امر ہے کہ آدمی صاف بات کہہ دے۔ دیکھئے چھوٹے بچے آتے ہیں صاف کہہ دیتے ہیں کہ بخار کا تعویذ دیدو سو ان کو کونسی تعلیم ہوتی ہے بلکہ جن بچوں کو گھر سے پڑھا کر بھیجا جاتا ہے کہ جا کر ادب سے بیٹھنا یوں سلامت جو پوچھیں اُس کا جواب دینا وہ بھی آکر گڑبڑ کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ آج کل کی تعلیم ہی سے فطرت کو برباد کیا ہے۔ بعض ہوشیار آتے ہیں مواخذہ پر کہتے ہیں کہ ابھی بولا نہیں جاتا۔ میں کہتا ہوں کہ جس قدر بولے ہو یہ کیوں بولے بلکہ اصل مقصد کے اظہار کرنے پر جس قدر بولتے اُس سے زائد بول لیتے ہیں اور کام کی بات کو ادھوری ہی رکھتے ہیں۔ پوری بات کہتے ہوئے سر کٹتا ہے یہ سب شیطانی حرکتیں ہیں شیطانی اور نفسانی تاویلیں ہیں بس یہ رنگ ہو رہا ہے

اب وہ شخص بیعت کی درخواست لے کر آیا تھا جس نے کل میری اس اجازت پر کہ جو کہنا ہو کہہ لو یہ کہا تھا کہ اللہ کا شکر ہے۔ اب بتلایئے میں ایسے مہمل کو کس طرح بیعت کر لیتا۔ یہی صیغہ کافی ہے اس کا اہمال سمجھنے کے لئے طریق میں داخل ہونے کے لئے ادنیٰ درجہ کی شرط یہ ہے کہ طلب ہو۔ کیا یہ طلب ہے کہ اللہ کا شکر ہے ایسی بات ساری عمر نہیں سنی تھی بڑی جہالت پھیل رہی ہے۔ اکثر تو سمجھانے پر بھی وہی حرکت رہتی ہے اس کی کیا تاویل کی جائے۔

ملفوظ ۳۳۵: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں تبسم فرماتے ہوئے فرمایا کہ بس جی میری قسمت میں مرید ہی کم ہیں۔ ایسے سخت گیر کا کون مرید ہو اور ان کی یہ رائے ہے بھی ٹھیک اور اس حالت میں وہ تو کہتے ہیں کہ کس قصائی سے پالا پڑا اور میں کہتا ہوں کہ کن بیلوں سے پالا پڑا دونوں معذور ہیں۔

ملفوظ ۳۳۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعضے مجھ پر توقف بیعت میں اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں طریق کی اشاعت کم ہوتی ہے سو یہ تو ٹھیک ہے کہ شیخ کو اشاعت طریق پر حریص ہونا چاہیئے جیسا بزرگوں نے تصریح کی ہے مگر کیا بیعت کرنے کو اشاعت طریق کہتے ہیں۔ اشاعت کہتے ہیں اعلان طریق کو تو محض بیعت کرنا اشاعت طریق نہیں یہ تو ان ہی غلطیوں میں سے ہے جن میں لوگوں کو ابتلا ہے اور یہ سب حقیقت کی بے خبری کی بدولت ہے اب جو میں حقیقت کو ظاہر کر دیتا ہوں میں ہی برا ہوں بیعت متعارفہ تو بعض برکات کے لئے ہے چنانچہ ایک برکت وہ ہے جس کو ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اس نیت سے بیعت کرتا ہوں کہ پیر و مرید میں سے اگر ایک کی بھی نجات ہو گئی تو مرحوم اپنے ساتھ متعلق کو جنت میں لے جائے گا سبحان اللہ۔ ایسی نیت تو سنی ہی نہیں سو بیعت تو مثلاً اس لئے ہے یہ اشاعت طریق نہیں ورنہ بعضے مسلم بزرگ اس میں دیر نہ کرتے چنانچہ حضرت حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ تھی کہ جب تک طلب صادق نہ ہو مرید نہ کرے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے یہاں دونوں رنگ ہیں کبھی حاجی صاحب کا اور کبھی حافظ صاحب کا۔ ایک شخص حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا۔ بیعت کی درخواست کی حضرت نے انکار فرما دیا بجد اصرار کیا رو یا پیٹا مگر حضرت انکار ہی فرماتے رہے بعد میں معلوم ہوا کہ خفیہ پولیس کا افسر تھا یہ حضرت کی فراست تھی اور فراست صادقہ یہ کشف سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ کشف تو نار سے بھی ہوتا ہے یعنی اشغال و ریاضت سے حرارت اور اس سے لطافت ادراک حاصل ہوتی ہے اور فراست مؤمن کے نور ہی سے ہوتی ہے حضرت کی فراست کا ایک واقعہ یاد آیا۔ دو شخص آدھی رات کے قریب آپ کی خدمت میں آئے کہ یہ روپیہ ہے اس کو مجاہدین سرحد کے پاس پہنچا دیجئے۔ حضرت نے فرمایا کہ نکالو ان بیہودوں کو بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دو افسر انگریز تھے۔ امتحان کرنے آئے تھے کہ ان کا کچھ تعلق ان مجاہدین سے ہے یا نہیں۔ حضرت کی ہر بات میں ایک عجیب نور ہوتا تھا۔

ملفوظ ۳۳۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اسرار باطنی کے اخفاء کی بڑی زبردست تاکید ہے جیسے اپنی دلہن اغیار کو دکھلانے میں غیرت آتی ہے اسی طرح اس میں غیرت آتی ہے یہ اسرار عرائس باطنی ہیں۔

ملفوظ ۳۴۱: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مناجات مقبول میں جو سات منزل ہیں یہ روزانہ کی سہولت کے لئے ہے ایسی تعیین میں بدعت کی کیا بات ہے جس پر کھٹک ہو یہ تو سہولت کے لئے ایسا کیا گیا آخر قرآن شریف کے پارے ہیں احزاب ہیں اور اس کو مدون کیا گیا ہے یہ کونسی حدیث میں آئے ہیں پس بعض تقییدات کو جو منع کیا جاتا ہے وہاں عوام سہولت کی مصلحت کی حد سے متجاوز ہو کر اعتقاد لزوم تک پہونچ گئے تھے اس کے انسداد کے لئے انتظام کیا گیا اور انتظام میں عادۃً سختی ہو ہی جاتی ہے بدون سختی کے بلورا انتظام مشکل ہوتا ہے پھر اس انتظام میں بعض کو ایسا غلو ہو گیا ہے کہ بہت سے مباحات کو اعتقاداً حرام سمجھ گئے۔ غرض جانبین میں افراط و تفریط ہو گیا اس لئے تصوف ایک مختلف فیہ چیز بن گئی۔ ورنہ اگر حدود میں اعتدال رہے تو مسائل تصوف میں کوئی منصف کلام نہیں کر سکتا چنانچہ میرے ایک دوست حج کو گئے تھے انہوں نے ابن سعود شاہ نجد و حجاز سے ملاقات کی اور میرا رسالہ التشرف جو تصوف میں ہے ان کے سامنے پیش کیا اس کو پڑھ کر کہا ھذا ایوافقنا۔ میں نے کہا کہ اب بھی یہ نہ کہا کہ نحن نوافقہ۔

۱۵ / جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم دوشنبہ

ملفوظ ۳۴۲: ایک صاحب نوجوان یہاں پر تشریف لائے تھے عالم آدمی تھے ان کو اس سے انقباض تھا کہ کافروں کو ابدالآباد کے لئے جہنم میں بھیجا جائے گا رحمت اس کو کیسے گوارا کرے گی دیکھئے آج کل ان بے کار چیزوں میں سوچ ہے تکہ ہے اور جو کام کی بات ہے وہ ایک بھی نہیں آخر ان تحقیقات میں پڑتے کیوں ہو جو حکم ہے اس کو کرتے رہو اسرار کے درپے ہونا بھی بے ادبی ہے۔ دیکھئے اگر ہمارا کوئی نوکر ہمارے گھر کے اسرار معلوم کرنا چاہے اور بدون اسرار بتلائے ہماری تجویز دل کو قبول نہ کرے تو نہ تو خود اس پر جوش آتا ہے کہ اس سے اسرار بیان کریں اور اگر وہ اس کی درخواست بھی کرے تو دو چار تھپڑ تو لگا دیئے جائیں گے مگر اسرار نہیں بتلائے جاتے۔ اس طرح سے اپنی رائے کو دخل دینا یہ سب شیطانی اور نفسانی حرکات ہیں اس نے بھی یہی کہا تھا کہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین جس کا حاصل یہ تھا کہ اس حالت میں سجدہ کا حکم کس حکمت سے ہے۔ دیکھو پھر کیا حشر ہوا اگر حق تعالیٰ چاہتے تو حکیمانہ جواب فرما سکتے تھے مگر یہ سمجھ کر کہ مخاطب کو تفتیش حکمت کا کیا منصب ہے حاکمانہ جواب فرمایا اخرج منھا فانک رجیم اور حکمتیں اسرار علل کچھ نہیں بتلائے گئے۔ سو ایسے

فکروں میں انسان کیوں پڑے کہ مثلاً کافر جہنم میں ابد کے لئے کیوں جائیں گے۔ ایسے عبث فکروں میں پڑ کر انسان دوست کی مشغولی سے رہ جاتا ہے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؂

گر ایں مدعی دوست بشناختے ۔۔۔ بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

مسلمان کا تو مذہب یہ ہونا چاہئے کہ جن سے اُن کی صلح ہماری بھی صلح جن سے اُن کی جنگ ہماری بھی جنگ اس صلح و جنگ کے علل کیوں ڈھونڈے جاتے ہیں اسی طرح ان امور میں بلکہ اپنے خود متعلق بھی تجویز اور رائے کیوں لگائی جاوے اسی کو فرماتے ہیں ؂

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست ۔۔۔ کفر ست دریں مذہب خود بینی و خود رائی

ملفوظ: ۳۴۳ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ جو مشہور ہے کہ ایک روپیہ ایک عقل دو روپیہ دو عقل تجربہ کے خلاف اور بالکل غلط ہے۔ تجربہ تو یہ ہے کہ روپیہ ہونے سے عقل کو اور زوال ہو جاتا ہے اور یہ خود اہل اموال کی اقراری ڈگری ہے وہ اس کے مقر ہیں اور عام طور سے زبان زد ہے کہ سو روپیہ میں ایک بوتل کا نشہ ہوتا ہے تو اگر کسی کے پاس ہزار روپیہ ہوں تو دس بوتلوں کا نشہ ہوا اور جب ایک چلو شراب میں آدمی اُلّو بن جاتا ہے تو دس بوتلوں میں عقل کہاں اس لئے یہ مقولہ تجربہ کی بناء پر محض غلط ہے عقل سے پیسہ کا کیا تعلق۔ ہاں بجائے عقل کے اگر یوں کہا جائے پیسہ پاس ہونے سے اکل بڑھتا ہے تو بالکل مناسب ہے آج کل عقل کہاں اکل ہے عاقل کہاں آکل ہیں کہ ہر وقت پیٹ کی فکر ہے اس کا نام رکھا ہے کہ عاقل ہیں۔

۱۵ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم دوشنبہ

ملفوظ: ۳۴۴ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت دم کئے ہوئے پانی کو غسل کے پانی میں ملانا اس سے احترام میں تو کوئی فرق نہ آئے گا۔ فرمایا کہ اس کا احترام اس درجہ ضروری نہیں البتہ جو پانی اپنی ذات میں محترم ہو اس کا احترام ضروری ہے جیسے زمزم شریف اس کا احترام ضروری ہے۔ اس سے استنجاء وغیرہ ممنوع ہے۔

ملفوظ: ۳۴۵ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ فتح و نصرت کا مدار قلت اور کثرت پر نہیں وہ چیز ہی اور ہے۔ مسلمانوں کو صرف اسی ایک چیز کا خیال رکھنا چاہئے یعنی خدا تعالیٰ کی رضا۔ پھر کام میں لگ جانا چاہئے اگر کامیاب ہوں شکر کریں ناکامیاب ہوں صبر کریں اور مومن تو کبھی حقیقتاً ناکامیاب ہوتا ہی نہیں گو صورۃً ناکام ہو جاوے اس لئے کہ اجر آخرت تو ہر وقت حاصل ہے

جو ہر مسلمان کا مقصود ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ساٹھ ہزار کے مقابلہ کے لئے تیئس آدمی تجویز کئے تھے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امت محمدیہ کو ہلاک کرا دوگے تب ساٹھ آدمی تجویز کئے یعنی ایک ہزار کے مقابلہ میں ایک آدمی قلت و کثرت کی طرف ان حضرات کا خیال نہ تھا۔

ملفوظ ۳۲۵: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ذہانت بھی عجیب ہے۔ ایک ریاست میں تنخواہ میں روپیہ کی جگہ ملازموں کے صرف چنے ملتے تھے ایک مولوی صاحب جو بڑے شوخ اور ذہین تھے وہ ریاست کی مسجد میں تنخواہ دار امام تھے ان کو بھی چنے ملے انہوں نے کیا کیا کہ سویرے سے نماز پڑھیں اور بیٹھ جاویں مقتدی آویں اپنی اپنی پڑھ کر چلے جاویں بالآخر لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ یہ معاملہ کیا ہے آپ وقت مقررہ سے پہلے نماز پڑھ لیتے ہیں مقتدیوں کو جماعت نہیں ملتی کہا کہ چنے کھانے کی وجہ سے دیر تک وضو نہیں رہتا۔ مقتدیوں نے مل کر نواب صاحب کو عرضی دی کہ مسجد میں جماعت نہیں ہوتی۔ امام صاحب کو یہ عذر ہے ان کو چنے نہ دیئے جاویں جب سے ان کو تنخواہ میں نقد روپیہ ملنا شروع ہوا عجیب تدبیر کی۔

ملفوظ ۳۲۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ تنعم اور تعیش کا اکثری خاصہ ہے کہ حدود محفوظ نہیں رہتے۔ ہاں اگر تنعم کے ساتھ دین ہو اور کسی کامل کی صحبت میسر آگئی ہو تب تو حدود کا خیال رہتا ہے اس لئے کہ اس سے ہر چیز کو اعتدال کے ساتھ قلب میں رسوخ ہو جاتا ہے۔

ملفوظ ۳۲۷: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دین کے اعتبار سے حکومت جس قسم کی ہوتی ہے اس کا اثر کم و بیش سب پر ہوتا ہے۔ بھوپال میں ایک مسلمان ایک ہندو صراف کے یہاں کوئی زیور خریدنے پہنچے جب معاملہ پر گفتگو ہوئی تو وہ ہندو صراف کہتا ہے کہ میاں یہ صورت بیع کی تو شریعت میں ناجائز ہے جواز کی صورت یہ ہے۔ یوں کرو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا تھا کہ ہمارے بازار میں صرف وہ لوگ خرید فروخت کریں جو فقیہ ہوں اس سے تمام ملک کو درسگاہ بنا دیا تھا اس لئے کہ سب خریداروں کو ان ہی سے سابقہ پڑتا تھا عجیب فراست ہے۔

ملفوظ ۳۲۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ پیر بھائیوں میں آپس میں زیادہ محبت ہونا چاہئے اس لئے کہ محبت کا مدار ہے بے غرضی پر اور بے غرضی اس طریق والوں میں اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے اور یہ سب ہوتا ہے اثر شیخ ہی کا کیونکہ وہ اصل ہے اور اس کے ساتھ وابستگی کی ایسی مثال ہے جیسے جڑ اور شاخوں میں تعلق ہوتا ہے۔

ملفوظ ۳۲۹: ایک طبیب صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر بادام کھاویں تو زیادہ مفید ہوں فرمایا کہ بادام بھی اللہ تعالیٰ نے بے دام دے رکھے ہیں۔

ـــ : ـــ

ملفوظ ۳۵۰: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اصل رعب وہ ہے جو عظمت سے ہو اور محض غصہ سے جو رعب ہوتا ہے وہ رعب نہیں وحشت ہے۔ اس میں یہ خیال ہوتا ہے کہ کہیں یہ نقصان نہ پہونچاوے اور عظمت کے ساتھ جو رعب ہوتا ہے اس میں ایک محبوبانہ شان ہوتی ہے دلکشی ہوتی ہے حتیٰ کہ اس کے غصہ کی بھی یہ کیفیت ہوتی ہے ؎

تم کو آتا ہے پیار پر غصہ ہم کو غصہ پہ پیار آتا ہے

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خداداد ہیبت کی یہ حالت تھی کہ اگر خود کلام میں ابتداء فرماتے تو دوسروں کی ہمت کلام کرنے کی ہو جاتی تھی ورنہ بڑے بڑے ویسے واپس ہو جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمت نہیں ہوئی کلام کرنے کی یہ خداداد بات ہوتی ہے۔ یہ باتیں بنائے نہیں بنتیں۔ سب خدا کی طرف سے ہے اور اصل تو یہ ہے کہ رعب اور ہیبت میں کیا رکھا ہے، بندہ بنکر رہنا چاہئیے خواہ رعب ہو یا نہ ہو۔ فرعون بن کر نہیں رہنا چاہئیے اگرچہ اس سے رعب ہی ہو۔

۱۶ / جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم سہ شنبہ

ملفوظ ۳۵۱: ایک نو وارد صاحب حاضر ہوئے اور اسلام کے بعد مصافحہ کر کے چلدیئے اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ جس کو لوگ اپنے نزدیک بزرگ سمجھتے ہیں اس کو بے حس اور بت سمجھتے ہیں۔ یہ کیا حرکت ہے کہ مصافحہ کر کے چلدیئے جیسے کوئی وحشی دیوانہ پاگل ہوتا ہے۔ نئے آدمی کے متعلق طبعی طور پر انتظار ہوتا ہے کہ کون ہیں کہاں سے آئے۔ کچھ نہیں لوگوں کے اخلاق ہی خراب ہو گئے۔ دوسروں کو تو بد خلق کہتے ہیں اور اپنی حرکات کو نہیں دیکھتے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ ہر بات اور حرکات سے مطلب ان لوگوں کا یہ ہوتا ہے کہ دوسرا ہمارے تابع ہو کر رہے اگر یہ بتلادیں تو سن لے اگر نہ بتلادیں تو اسی پر راضی رہے۔

ملفوظ ۳۵۲: فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے اپنی متعقد ایک جماعت کی شکایتیں لکھی ہیں اور لکھا ہے کہ دعاء کر دیجئے کہ یہ لوگ مجھ سے برگشتہ ہو جائیں۔ میں نے لکھ دیا کہ برگشتگی تمہارے اختیار میں ہے اپنا برگشتگی عمداً ظاہر کر دو وہ خود برگشتہ ہو جائیں گے۔ پھر فرمایا کہ یہ فکر بھی عبث اور لاحاصل ہے۔ نہ اس کی فکر چاہئیے کہ کوئی اپنا بنے اور نہ اس کی کہ کوئی بے تعلق رہے۔ اپنے کام میں مشغول رہے۔

- - -

ملفوظ ۳۵۳: ایک صاحب کی طویل تحریر آئی جس میں اپنے قلبی حالات اور کیفیت لکھی تھی جس سے شبہ قلب دماغ ماؤف ہونے کا ہوتا تھا اس پر حضرت والا نے جواب میں تحریر فرمایا کہ پہلے اپنی نبض اور قارورہ کسی طبیب کو دکھلا دو اگر وہ دیکھ کر کہدے بلکہ لکھدے کہ تمہارا قلب اور دماغ سالم ہے تو پھر اپنے حالات لکھو جب جواب ملے گا۔ اس پر فرمایا کہ وہ ان کیفیات سے سمجھے ہوں گے کہ ولایت مل گئی کبھی دماغ کی یا قلب کی خرابی سے بھی ایسی کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ سب باتیں تجربہ پر موقوف ہیں۔

ملفوظ ۳۵۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ لوگ عبث اور فضول میں زیادہ مبتلا ہیں آج کل خوابوں کی اس قدر بھرمار ہے کہ جس کا حد و حساب نہیں۔ مجھ سے جب کوئی خواب کی تعبیر پوچھتا ہے میں اکثر شعر لکھ دیتا ہوں کہ ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

بیداری کی حالت درست ہونی چاہیئے خواب میں کیا رکھا ہے۔

ملفوظ ۳۵۵: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ چشتیہ حضرات کی شان عشق ہے ایک آگ ہے ان کے اندر جلتے بھنتے رہتے ہیں گو بظاہر ہنستے بولتے ہیں۔ میں تو ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ ان کا ہنسنا ایسا ہے جیسے توا ہنستا ہے مگر ہاتھ لگا کر دیکھو پتہ لگ جائے گا کیسا ہنستا ہے۔ بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ چشتیہ کی کیفیت جیسے شراب کا نشہ اور نقشبندیہ کی کیفیت جیسے افیون کا نشہ۔ شراب حار ہے افیون بارد عجیب مثال ہے۔

ملفوظ ۳۵۶: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جو کام ضروری ہیں ان کو کرنا چاہیئے خواہ جی لگے یا نہ لگے یہ تو حالت ہی بری ہے کہ جی لگنے کا انتظار کیا جاوے۔ کیا اپنے جی کی پرستش کرتے ہو اپنے جی کے بندہ ہو۔

ملفوظ ۳۵۷: ایک صاحب مجلس سے اٹھ کر پچھلے پیروں ہٹ کر چلے اس پر فرمایا کہ میاں آدمی کی طرح چلو یہ ریل کی طرح آگے پیچھے کیوں ہو رہے ہو۔ اس پر فرمایا کہ جو لوگ پچھلے پیروں ہٹتے ہیں مجھ کو اس حرکت سے اس قدر گرانی ہوتی ہے کہ میں بیان نہیں کرسکتا نہ معلوم قبلہ سمجھتے ہیں یا کیا۔ یہ سب پیرزادوں کی بگاڑی ہوئی رسمیں ہیں ایسی حرکات سے بڑا ہی جی الجھتا ہے۔

ملفوظ ۳۵۸: ایک دیہاتی شخص نے تعویذ مانگا یہ نہیں کہا کہ کس چیز کا۔ فرمایا کہ ادھوری بات سمجھ میں نہیں آئی دوبارہ پھر تعویذ کو کہا اور نام نہیں لیا کہ کس چیز کا تعویذ۔ تیسری مرتبہ میں کہا کہ اوپرے اثر کا تعویذ دیدو دریافت فرمایا کہ جب تعویذ کو کہا تھا تو اوپرے اثر کا نام لیا تھا۔ پھر بھی کس چیز کا تعویذ دینا یہ تعلیم کا اثر ہے مطلب تو تعلیم کرنے والے کا یہ تھا کہ فضول بات مت کرو۔ ادھوری بات نہ کہو پوری بات کہو۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ ضروری بات بھی نہ کہو بھی ادب ہے ایک بات ہو تو اصلاح کیجائے۔

ملفوظ ۳۵۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ اصلاح کا باب نہایت ہی نازک ہے ایسا ہی شیخ کا تعلق بھی نازک ہے کیونکہ اس طریق میں نفع کا مدار مناسبت پر ہے بدون مناسبت کے نفع نہیں ہوسکتا یہ اعظم شرائط ہے اور یہی مناسبت پہلی شرط ہے۔ ایک صاحب نے بہت عرصہ تک خط وکتابت کی اور ہر خط میں بیعت کی درخواست کی مگر میرا جی قبول نہ کرتا تھا آخر بہت سعی کوشش کے بعد پھر نکلا ایک خط میں لکھا کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کے مزاج میں سختی ہے کیا اس خیال کے ساتھ نفع ہوسکتا ہے اب بتلائیے میں مرید کر لیتا اور اس کے بعد یہ خط آتا کتنا رنج ہوتا۔ بعض چیزیں ذوقی اور وجدانی ہوتی ہیں پہلے سے انقباض کی دلیل کیا بیان کی جاوے اس کا کوئی کیا انتظام کرسکتا ہے۔ میں نے لکھ دیا کہ کہیں اور جگہ اصلاح کا تعلق پیدا کرلو مجھ سے تم کو نفع نہ ہوگا۔ اعتراض اور نفع دونوں متضاد چیزیں ہیں۔

۱۷ رجمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم چہار شنبہ

ملفوظ ۳۶۰: ایک صاحب نے عرض کیا کہ شاہ لال والی مسجد میں لکڑیوں کی چھت ہے جو بوسیدہ حالت میں ہے اس کے تلو روپیہ جمع ہیں اب ڈاٹ کا ارادہ ہے حضرت کی اجازت کی ضرورت ہے فرمایا کہ اس میں میرا کوئی دخل نہیں متولی نہیں منتظم نہیں میں اجازت کے معنی نہیں سمجھا۔ عرض کیا کہ ضرورت تو ہے۔ فرمایا جو بات دل میں ہے صاف کہو۔ عرض کیا کہ برکت کے لئے اجازت کی ضرورت ہے فرمایا کہ اس کو اجازت کیوں کہتے ہو دعاء کہو مگر بات اب بھی صاف نہیں ہوئی میں دعاء کردوں گا لیکن آپ کا جو دلی مقصود ہے وہ اب بھی صاف ظاہر نہ ہوا۔ صاف بات کہئے ایسی گول مول بات سے دوسرے کو تکلیف ہوتی ہے کیا صبح ہی صبح تکلیف دینے آئے ہو عرض کیا کہ جتنا مادہ یعنی سلیقہ تھا عرض کردیا۔ فرمایا کہ اب تو بتلا دیا کہ دعاء اور چیز ہے اور اجازت اور چیز ہے۔ دعاء کرنے کا وعدہ کرتا ہوں اس کے علاوہ تو کوئی اور بات نہیں۔ عرض کیا گیا اگر ان سو روپیہ میں ڈاٹ نہ لگی یا پوری نہ ہوسکی تو حضرت بھی اس میں امداد فرماویں۔ فرمایا کہ اب بتلایئے کہ اس گول بات کا مطلب کیا تھا کہ اجازت دیدیجئے یہی تھا کہ اگر کمی رہتی تو آکر کہتے کہ آپ ہی نے تو اجازت دی تھی اس میں پچاس روپیہ کی کمی ہے لاؤ ایک گول بات کہہ کر ایک مسلمان کو دھوکا دینا ہے اور اس کو تکلیف میں ڈالنا ہے اگر میں کھود کرید نہ کرتا تو کیا یہ مطلب معلوم ہوسکتا تھا جو اس وقت ظاہر ہوا کہ جب کمی رہتی میرے سر پر جن کی طرح آکھڑے ہوتے کہ لاؤ یہ کمی ہے کیا یہ دھوکا نہیں ہے لوگ مجھ کو وہمی کہتے ہیں اس واقعہ کو

دیکھیں اور فیصلہ کریں بس تب حقیقت معلوم ہو کیا مجھ کو علم غیب ہے ۔ اس حماقت کی کوئی حد ہے دھوکا دے کر اجازت لینا علاوہ کمی خرچ کے کل کو لڑائی اور بات تعمیر کے متعلق ہوجاتی بعض مرتبہ جھگڑے وغیرہ ہوجاتے ہیں ان کے پاس تو کہنے کو یہ بات ہوجاتی کہ آپ نے ہی تو اجازت دی تھی اللہ کا شکر ہے کہ مجھ کو فوراً احتمالات مستحضر ہوجاتے ہیں ورنہ نہ معلوم یہ لوگ کیا گڑ بڑ کریں اگر مادہ اور سلیقہ نہ تھا تو یہ چالاکی کی ترکیب کیوں بنا کر لائے تھے کیا مجھ کو خدانخواستہ دینی خدمت سے انکار ہے اور کون مسلمان ایسا ہے جس کو انکار ہو۔ مگر بات صاف تو ہو۔ ابھی ایک مسجد کے لئے کہا گیا میں نے کہنے والے سے پرچہ لے کر یاد داشت میں رکھ لیا اب فکر ہے کہ اگر گنجائش ہو تو امداد کردوں مگر یہ مرض عام ہوگیا ہے کہ صاف بات رہی ہی نہیں۔ ہر چیز میں مکاری اور چالاکی پیدا ہوگئی ہے۔ دوسرے شخص کو گدھا اور بے وقوف بنانا چاہتے ہیں اللہ کے فضل سے انہیں ہی ٹھیک بنا کر نہ چھوڑوں یہ بھی کیا یاد رکھیں گے ۔ ان کی نبضیں میں بحمد اللہ خوب پہچانتا ہوں۔ مجھ کو اللہ نے ان کی نبض شناسی عطاء فرمائی ہے۔ خصوص انگریزی تعلیم یافتہ طبقے کی تو اچھی طرح سے خدمت کی جاتی ہے یہاں آ کر تمام ڈگریاں کافور ہوجاتی ہیں اور تمام بیمار مغزیاں اور لسانی ختم ہوجاتی ہیں۔ میں سچ عرض کرتا ہوں میرا جی تو یوں چاہتا ہے کہ تمام قصبہ کی مسجدوں کی از سر نو مرمت کرادوں ۔ مگر میرا معمول یہ ہے کہ میں اپنے ذمہ تو کوئی کام رکھتا نہیں نہ دوسرے کو بھروسہ دیتا ہوں مگر فکر ذمہ داروں سے زیادہ ہوجاتی ہے۔

۱۷؍ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم چہار شنبہ

ملفوظ ۳۶۲: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کل ایک نائی گنگوہ سے آیا تھا ایسی بیہودگیاں لوگ کرتے ہیں وہ پشت کی طرف آ کر کھڑا ہوگیا ۔ میں نے کہا کہ کون صاحب ہیں تب سامنے آیا اور ایک پرچہ دیا اس وقت میں نماز سے بھی فارغ نہ ہوا تھا ۔ مغرب کے بعد کا وقت تھا اس وقت لالٹین بھی روشن نہ تھی پھر یہ بھی نہیں بتلایا کہ مجھ کو فلاں شخص نے بھیجا ہے ۔ بہت لوگ آتے ہیں پرچہ لاتے ہیں ان کی اپنی حاجت ہوتی ہے اس لئے اس میں دوسرے وقت آنے کو کہدیتا ہوں مگر میں نے کہا کہ اب تمہارے لئے لالٹین جلاؤں پھر بڑھاؤں کیونکہ اس وقت کا جلانا محض اس کی ہی ضرورت سے ہوتا ۔ پھر یہ سلسلہ لامتناہی بھی تو ہوسکتا ہے کہ پھر کوئی آجائے پھر جلاؤں بس میں اسی کا ہو رہا غرض وہ شخص بے بتلائے چلا گیا اور پھر صبح بھی نہیں ملا ایسے ایسے کوڑ مغز اور بدفہم لوگ دنیا میں آباد ہیں ۔ خدا معلوم عقلیں کیا ہوئیں نہ کوئی اصول نہ قاعدہ سب ایک ہی مرض کے شکار ہو رہے ہیں نہ معلوم وہ مدرسہ ہے کہاں جہاں یہ بے اصولی کی تعلیم پا کر آتے ہیں ۔

ملفوظ ۳۶۲ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ تو بعض لوگوں کا خیال فاسد ہے کہ خواہ مخواہ متعارف شریفوں پر شبہ کرتے ہیں کہ یہ چھوٹی قوموں کے لوگوں کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ یہ تو ظاہری الزام محض کہنے کے لئے ہے باقی اصل بات اور ہے وہ یہ ہے کہ الزام دینے والے خود مرض جاہ میں مبتلا ہیں۔ اسی لئے اپنے اصلی نسب سے اعراض کر کے اونچی قوموں میں شریک ہونا چاہتے ہیں پھر باتیں جس قدر کرتے ہیں سب متضاد ایک طرف تو کہتے ہیں کہ حسب نسب کوئی چیز نہیں سب نسل آدم سے ہیں دوسری طرف عالی خاندان بننے کی کوشش ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر حسب نسب کوئی چیز نہیں تو پھر علو نسب کی کوشش کے لئے یہ شور و غل کیسا۔ بس رہو جو ہو پھر تم اس طرف کیوں آنا چاہتے ہو جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے کہ بعضے صدیقی بن گئے بعضے انصاری بن گئے۔ بعضے زبیری بن گئے۔ بعضے کہتے ہیں کہ ہم حسین بن منصور حلاج کی اولاد سے ہیں۔ کیا خبط سوار ہوا ہے اور اگر شرف نسب کوئی چیز ہے تو پھر سب قوموں کی مساوات کا دعوی کیوں کیا جاتا ہے۔ ایک مولوی صاحب نے انصاریت کے نئے مدعیوں کے جواب میں عجیب بات کہی کہ بخاری کی حدیث میں آیا ہے کہ سب قوموں کا عدد بڑھ جائے گا اور انصار کم ہو جاویں گے یہاں تک کہ ایسے رہ جاویں گے جیسے کھانے میں نمک اور یہ مدعی خود اپنی تعداد سب قوموں سے زیادہ بتلاتے ہیں سو اس حدیث سے خود اس دعوے کی حقیقت منکشف ہو گئی یہ تو نسب کے متعلق ہے باقی اگر اس دعوے سے یہ مقصود ہے کہ بعض خاصیتیں بعض قوم کی مشہور ہو جاتی ہیں ان سے بچنے کے لئے یہ کوشش کی جاتی ہے تو محض عبث ہے اس لئے کہ ایسی خاصیتیں تو قریب قریب سب قوموں کی مشہور ہیں اور وہ وہ قومیں بے تکلف ان خاصیتوں کا خود تذکرہ کرتی ہیں اور اس کو کوئی عیب نہیں سمجھتا چنانچہ میں خود اپنی قوم کو خاص اور عام جلسوں میں کہا کرتا ہوں اور عام طور سے دوسرے شیخزادے بھی کہ شیخ نادوں کی قوم بڑی فطرتی ہوتی ہے اگر یہ ولی بھی ہو جاویں تب بھی ٹھوٹا بہت اثر رہتا ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ اگر ساری دنیا کے شیخزادے مل کر ایک جلسہ منعقد کریں اور اس میں رزولیوشن پاس کریں کہ ہم کو فطرتی نہ کہو تب بھی لقب مٹ نہیں سکتا سو ایسی بات کی فکر ہی عبث اور فضول ہے بلکہ تجربہ یہ ہے کہ ایسے امور میں لوگ جس قدر کوشش کر رہے ہیں ان کے عیب کا زیادہ چرچا ہوتا ہے تو گویا اپنے عیوب کو خود ظاہر کرتے ہیں۔ سمجھنے والے سمجھ جاتے ہیں اور اصل تو یہ ہے کہ جو چیز غیر اختیاری ہے وہ عیب بھی نہیں اس کے مٹانے کی فکر ہی عبث ہے جس کو اللہ نے جیسا پیدا کر دیا ویسا ہو گیا۔

ملفوظ ۳۶۳ (تتمہ سابق) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حجۃ اللہ البالغہ میں کفاءت کے متعلق صاف طور پر لکھا ہے شاید کسی نے اس عنوان سے نہ لکھا ہو گا ایک حدیث اذا خطب احد کم من ترضون دینہ وخلقہ فزوجوہ ان لا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد عریض نقل کر کے لکھتے ہیں ایسی ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو مت دیکھو کہ بہت حسین بھی ہے یا نہیں زیادہ

مال بھی ہے یا نہیں۔ یہ نہیں کہ کفاءت بھی کوئی چیز نہیں یہ تو فطری امر ہے۔ شریعت کبھی ایسی چیز کو مہمل نہیں چھوڑ سکتی اس میں رد و قدح کرنا قتل سے بھی زیادہ اشد ہے اور سب آدمی اپنے اپنے درجات پر ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عورتوں کو منع کر دوں گا کہ وہ غیر کفو میں نکاح نہ کریں اور یہ مضمون تحت عنوان الخطبۃ وما یتعلق بہا مذکور ہے اقول لیس فی ھذا الحدیث سے شروع ہو کر بسبب اصلاح الدین پر ختم ہوا ہے اور عنوان مذکور کے بعد متصل ذکر العورات کے تحت میں کفاءت کے اعتبار نہ کرنے کو نصارٰی شہوت خلاف سنت راشدہ فرمایا ہے اور فقہاء نے بھی دلائل نقلیہ کے بعد اعتبار کفاءت کی حکمت میں اس کی تصریح کی ہے جیسا ہدایہ میں ہے انتظام المصالح بین المتکافئین عادۃ لان الشریفۃ تابی ان تکون مستفرشۃ للخسیس بالخصوص کفاءت فی النسب میں اس کی تصریح ہے لانہ یقع بہ التفاخر۔

ملفوظ ۳۶۲ (تتمہ سابق) ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت شرفاء کے غلو کو بھی غالباً اس میں دخل ہے کہ وہ بعض قوموں کی تحقیر کرتے ہیں اس لئے وہ دوسری معزز قوموں میں داخل ہونا چاہتے ہیں فرمایا کہ پہلے تو ایسا ہوگا مگر اب تو مستحق ادب کا بجائے ادب کرتے ہیں کسی قوم کا کوئی عالم ہو اس کو سرہانا دیتے ہیں اب تو تہذیب کا اثر غالب ہے کوئی بھی بے حرمتی یا تحقیر نہیں کرتا یہ بیٹا ہوا ہے۔ باقی یہ فرق کہ باپ کو بیٹا اپنے لہجے سے سلام کرے کہ سلام کے لہجے سے معلوم ہو جائے کہ سلام کرنے والا بیٹا ہے اس میں کون حرج ہے اور کونسی تحقیر کی بات ہے سو اگر دوسری قوم میں عالی خاندان والوں کے ساتھ اس فرق کی رعایت رکھیں سو یہ تہذیب کی بات ہے مگر اب تو مساوات کا ہیضہ ہو گیا ہے۔ سو اگر مساوات کے یہ معنی ہیں جو آج کل بیان کئے جاتے ہیں تو یہ خود صحیح نہیں اس لئے کہ آخر نوکر اور آقا میں تو فرق ہونا ہی ہے حاکم اور محکوم میں فرق ہے خاوند اور بیوی میں فرق ہے باپ اور بیٹے میں فرق ہے۔ اس کو خود معترض اپنے لئے بھی پسند کرے گا۔ استاد اور شاگرد میں فرق ہے۔ پیر اور مرید میں فرق ہے۔ بادشاہ اور رعیت میں فرق ہے یہ تو فطری اور قدرتی چیزیں ہیں اس میں کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ ہر چیز کے حدود ہیں اگر یہ نہ ہو تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ آخر کہاں تک مساوات کرو گے کل کوئی کہنے لگے کہ مجھ کو نبی نہ بنایا ہم بھی نبی ہیں۔ غیر نبی کیوں رہیں کیا جواب ہوگا۔ یہ مساوات مساوات کا سبق تو یاد کر لیا مگر حدود کی خبر نہیں ہے جیسے ایک پڑھا تا سبق ہے ترقی ترقی نہ اس کے حدود نہ اصول ہر ترقی جیسے محمود نہیں مثلاً جب مرض کے کسی کے جسم کے اوپر ورم آگیا تو اس سے فربہی ہو گئی جو بظاہر ترقی ہے مگر طبیبوں اور ڈاکٹروں سے اس کے ازالہ کی تدابیر کراتے ہیں اور الٹی گھر سے فیس دیتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ہر ترقی محمود نہیں ایسے ہی ہر مساوات بھی محمود نہ ہوگی۔ غرض اگر غریب خاندان کا آدمی کسی عالی خاندان والے کو اس طرح سلام کرے جس سے فرق ظاہر ہوتا ہو تو اس میں حرج کیا ہے اور اس میں ذلت اور تحقیر کی

کونسی بات ہے۔ مساوات جس معنی کر لوگ چاہتے ہیں حقیقت میں وہ قدرت میں مداخلت ہے دیکھئے ایک کمزور ہے ضعیف و ناتواں ہے ایک پہلوان ہے۔ ایک بیمار ہے۔ ایک تندرست ہے۔ ایک مالدار ہے اور ایک غریب ہے۔ ایک بادشاہ ہے ایک رعیت ہے ایک باپ ہے ایک بیٹا ہے۔ ایک استاد ہے ایک شاگرد ہے۔ ایک پیر ہے ایک مرید ہے۔ ایک مرد ہے ایک عورت ہے۔ ایک جوان ہے ایک بوڑھا ہے ایک حسین ہے ایک بدشکل ہے۔ ایک عالم ہے ایک جاہل ہے۔ ایک گورا ہے ایک کالا ہے۔ تو کہ مساوات کہاں تک کرو گے۔ اگر تمام کالے جمع ہو کر ایک کمیٹی قائم کر کے ریزولیوشن پاس کریں کہ گوروں سے مطالبہ کریں کہ ہم کو مساوات ہونا چاہئے ہم کالے کیوں۔ تم گورے کیوں تو کیا جواب ہوگا جو ان کو جواب دو وہی ہماری طرف سے سمجھ لیا جائے۔

ملفوظ ۳۶۵ (متعلق کفاءت فی الدین) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آج کل شادی کرنے میں اس کو کوئی نہیں دیکھتا کہ لڑکے میں دین بھی ہے یا نہیں ایمان بھی ہے یا نہیں اب تو اس کو دیکھتے ہیں کہ مال بھی ہے یا نہیں۔ پھر چاہے بے ایمان ہو بدشکل ہو بداخلاق ہو کچھ نہیں دیکھتے۔ کہتے ہیں کہ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ دو پیسے لڑکی کو کما کر کھلا سکے بس قصہ ختم اب چاہے وہ کما کر رشوت سے لائے سود سے لائے چوری کر کے لائے جھوٹ بول کر لائے غصب کر کے لائے کسی طرح لائے مگر لائے کوئی نہیں پوچھتا۔ غرض دین لوگوں میں بہت ہی کم رہ گیا۔

ملفوظ ۳۶۶ (متعلق کفاءت فی النسب) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود اس کے کہ حضرت مولانا نانوتوی شیخ تھے مگر اپنے ایک سمدھی سے ایک موقع پر صاف فرما دیا تھا کہ شیخ عبدالقدوسؒ کی اولاد ہونے کی وجہ سے تم کو لڑکی دیدی ورنہ تم عجمی ہو نسب میں ہمارے برابر نہیں اور حضرت مولانا کا یہ فرمانا فخر کی راہ سے نہ تھا بلکہ ایک نعمت کا اظہار تھا اگر فخر ہوتا تو یہ شادی کیوں ہوتی۔ یہ حضرات جامع ہیں ہر چیز ان کے یہاں حد پر رہتی ہے حدود سے باہر کبھی کوئی بات نہیں ہوتی یہ ان کی شان ہوتی ہے ؎

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

ملفوظ ۳۶۷ (متعلق کفاءت فی النسب) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ سب باتوں کو چھوڑیئے دیکھنے کی ایک بات ہے وہ یہ کہ جو قومیں اپنے حسب اور نسب کو بدلنا چاہتی ہیں ان قوموں میں لکھے پڑھے لوگ بھی ہیں انہیں عار نہیں آتی کہ غیر آباء کی طرف اپنے کو منسوب کرتے ہیں معصیت ہونے کے علاوہ اس سے زیادہ دنیا میں اور کونسی ذلت کی بات ہوگی۔

ملفوظ ۳۶۸ (متعلق نسب) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ آپ کا خیال ہی خیال ہے کہ متعارف شرفاء متکبر ہیں وہ لوگ تو اب تک بھی کوئی دعویٰ نہیں کرتے بلکہ باوجود نفاخر کے

کہتے ہیں کہ ہمیں خبر نہیں کہ ہم صدیقی ہیں یا فاروقی یا عثمانی یا علوی یا انصاری اور جس شخص کو حقیقت حاصل ہوتی ہے اُس کی یہی شان ہوتی ہے اُن میں تصنع و تکلف نہیں ہوتا بس یہ رنگ ہوتا ہے۔

نہ بربارند درختاں کہ ثمر ہا دارند	اے خوشا سرو کہ از بندغم آزاد آمد
نیاشد اہل باطن درپے آرائش ظاہر	بنقاش احتیاجے نیست دیوار گلستاں را
دل فریباں نباتی ہمہ زیور بستند	دلبر ماست کہ با حسن خدا داد آمد

اور جو خالی دعوی کرتے ہیں اور اپنے کو کوشش کرکے ظاہر کرتے ہیں اُن کی حالت اس کی ضد ہوتی ہے۔

۱۸ رجمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم پنجشنبہ

ملفوظ ۳۶۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل اکثر اس کو کمال سمجھا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ قلم ہاتھ میں اُٹھا کر تمام مضمون کو لکھ جائے دوبارہ صاف کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ قاضی ارحم تھانوی کہتے تھے کہ ایک شخص ریاست بھوپال میں بڑے عہدہ داروں میں تھے وہ ایک ہی مضمون پر کئی کئی مسودہ لکھتے تھے اور اہل کمال میں اُن کا یہ کمال مشہور تھا کہ ذہن ترقی کرتا ہے اس لئے تغیر و تبدل کثرت سے ہوتا ہے ذہن میں جمود نہیں عجیب بات ہے۔

ملفوظ ۳۷۰: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل بڑی دوستی اس کو سمجھا جاتا ہے کہ آپس میں کوئی ناگوار اور بے تعلقی کی بات کبھی پیش نہ آئے اور مولانا حبیب الرحمان صاحب اور حافظ محمد احمد صاحب کی دوستی اور تعلق ضرب المثل تھی۔ اس پر حضرت مولانا گنگوہی رحمہ نے ایک بار ان صاحبوں سے استفسار فرمایا کہ میاں تم دونوں میں کبھی رنجش بھی ہوتی ہے عرض کیا کہ ہوتی ہے فرمایا تو انشاء اللہ تعالیٰ تمہاری دوستی باقی رہے گی۔ دیکھئے یہ حضرات کیسے مبصر ہوتے ہیں جو چیز دوسروں کے یہاں نقص ہے ان کے یہاں کمال جو دوسروں کے یہاں کمال ہے وہ ان حضرات کے یہاں نقص۔ بات یہ ہے کہ یہ حضرات حقیقت شناس ہوتے ہیں عارف ہوتے ہیں کیسی عجیب اور معنی خیز اور پاکیزہ بات فرمائی۔ بظاہر تو معمولی سی بات ہے لیکن حقیقت میں بڑی بات ہے کہ جب تک شکایت رہے دوستی باقی ہے کیونکہ شکایت اُسی وقت ہوتی ہے جب تعلق کا باقی رکھنا مقصود ہوتا ہے اور قطع تعلق کے بعد شکایت کو بیکار سمجھتے ہیں اسی سے کہا گیا ہے دیبقی الود ما بقی العتاب۔ ذوق کا شعر ہے

بے محبت نہیں اے ذوق محبت کے مزے	بے شکایت نہیں اے ذوق شکایت کے مزے

-:-

ملفوظ ۳۷۱: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جن لوگوں پر ڈانٹ ڈپٹ اور روک ٹوک زیادہ کرتا ہوں واقعہ ہے کہ اُن کے متعلق یہ جی چاہتا ہے کہ یہ مجھ سے اچھے ہو جائیں گو عام لوگ اس کو عدم مناسبت اور بے تعلقی کی دلیل سمجھتے ہیں۔ دیکھئے جس لڑکے کو اُستاد ڈانٹتا ڈپٹتا مارتا پیٹتا رہتا ہے سمجھ لو کہ اس طرف خاص توجہ ہے شفقت ہے اس کو کسی قابل بنانا چاہتا ہے یا باپ اپنی اولاد کو مارتا ہے تو کیا بے تعلق ہے کوئی عاقل یہ کہہ سکتا ہے ہرگز نہیں بلکہ ہر عاقل اور سمجھدار شخص یہی کہے گا کہ اس کو بنا رہا ہے سنوار رہا ہے۔ ایک مولوی صاحب یہاں چندے مقیم تھے اور تھے بہت خوش وضع اور بے تکلف کبھی اصلاح کے لئے ان کو روک ٹوک کرتا ڈانٹ ڈپٹ کرتا تو قرائن سے معلوم ہوا کہ ان کو ناگوار ہوتا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھ ہی کو کون غرض ہے میں نے اپنے طرز کو بدل دیا اور اُن پر ظاہر بھی کر دیا وہ بہت خوش ہوئے کہ میری تعظیم و تکریم ہونے لگی حالانکہ یہ رنج کی بات تھی۔ مگر سمجھدار اور فہیم شخص ہی کے لئے یہ سب کچھ ہے بدفہم کوڑ مغز کے لئے کچھ بھی نہیں۔

ملفوظ ۳۷۲: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض سلاطین تو سلطنتیں کیا کرتے منہ چڑاتے رہیں۔ سلطنت اور حکومت تو عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے کہ کسی پر ظلم نہیں کیا عدل اور انصاف کو ہاتھ سے نہیں دیا مظلوم کی ہمیشہ داد رسی کی کسی جگہ کی نسبت معلوم ہوتا کہ فلاں جگہ کسی قابو یافتہ شخص نے بارہا نے کسی پر ظلم کیا خود تنہا غیر شناسا ہیئت میں پہونچتے اور تحقیق کرتے اور اس حاکم کے عین دربار میں سر پر تاج رکھ کر تخت پر پہونچ جاتے اور اس کا تدارک کرتے نہ فوج نہ پلٹن خداداد رعب تھا ہیبت تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سلطنت اور حکومت کرنا تو دینداروں کا کام ہے جو سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتے بے دینوں کا کام نہیں پھر اگر کہیں یہ بددین مسلط ہوں تو اس کی وجہ میں یہ کہا کرتا ہوں کہ ان بددینوں میں کوئی خوبی نہیں جس کی وجہ سے ان کو سلطنت دی گئی بلکہ ہماری بداعمالی اور ہمارے نفس کی وجہ سے سزا کے طور پر ہم پر اُن کو مسلط کیا گیا۔ پھر فرمایا کہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ متبع شریعت متبع سنت تھے اس لئے وہ حدود سے تجاوز نہیں کر سکتے تھے جیسا ان کو بدنام کیا گیا ہے میں ان کے مزار پر گیا ہوں حیدرآباد دکن سے واپسی پر اتفاق ہو گیا۔ مزار پر وجداناً انوار معلوم ہوتے تھے اور یہ اتباع سنت کی برکت ہے

ملفوظ ۳۷۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ذہانت بھی عجیب چیز ہے ایک شخص کے لڑکے کا انتقال ہو گیا تو ایک شخص نے تاریخ نکالی داغ جگر۔ پھر دوسرے سال دوسرے لڑکے کا انتقال ہوا تو کہا کہ داغ دگر۔ جیم اور دال کے عدد میں ایک کا فرق ہے۔ ایک جنازہ جا رہا تھا آندھی بڑے زور سے آئی تو ایک شاعر نے مادہ تاریخ کہا کہ مٹی خراب۔ ایک صاحب دل بھی ساتھ تھے کہنے لگے کہ مسلمان کا جنازہ ہے ایسا نہیں کہنا چاہئے یوں کہو کہ رحمت۔ بخیر اور لطف یہ ہے کہ اس میں بھی وہی تاریخ ہے کیونکہ حروف بالکل

مشترک ہے صرف ترتیب کا فرق ہے۔ ذوق جب مرنے لگے تو کسی نے کہا کہ اپنی تاریخ تو کہدو پھر کس سے نکلواتے پھریں گے۔ یہ جان کندنی کا وقت تھا۔ برجستہ کہا کہ ہماری تاریخ تو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ پہلے ہی فرما گئے ہیں۔ بلغ العلی بکمالہ۔ کمال ہی کیا۔ بہت ہی ذہین شخص تھا۔

ملفوظ ۳۷۴: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب شان تھی حضرت کی نسبت حضرت مولانا مظفر حسین صاحب نے فرمایا تھا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ آج کل کے بزرگوں میں سے نہیں یہ بزرگان سلف میں سے ہیں جیسے شبلی و جنید تھے حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی حج کو تشریف لے گئے مدینہ جانا چاہتے تھے سخت بیمار ہو گئے۔ ڈرے کہ اب مدینہ نہ جا سکوں گا شاید یہاں ہی مر جاؤں اور تمنا تھی مدینہ میں مرنے کی انہوں نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا حضرت نے فرمایا کہ آپ مدینہ پہونچیں گے یہاں نہیں مریں گے اطمینان رکھئے۔ ایسا ہی ہوا یہ روایت قاری محمد علی خاں صاحب جلال آبادی نے مجھ سے بیان کی۔ قاری صاحب حضرت کے مرید نہ تھے جو اس کا احتمال ہو کہ پیر سمجھ کر خوش اعتقادی سے بے تحقیق روایت کر دی ہو۔

ملفوظ ۳۷۵: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا ہمارے بزرگ تو سارے ہی نرالی شان رکھتے تھے ان کی معمولی باتوں میں بھی نور ہوتا تھا ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا وعظ جامع مسجد دیوبند میں ہوا۔ ایک مضمون کے سلسلہ میں حضرت نے ایک مرتبہ کہا اللہ۔ تمام مجمع ایک دم نیم بسمل کی طرح لوٹنے لگا۔ قاضی محمد اسماعیل صاحب منگلوری بھی موجود تھے تو جوش میں آ کر کہتے ہیں کہ ہاں مولوی جی کبھی کبھی یوں کر دیا کرو۔ یہی میری خواہش تھی۔ اشارہ تھا ایک قصہ کی طرف قاضی صاحب نے حضرت مولانا کو ایک بار مشورہ دیا تھا کہ توجہ بھی دیا کیجئے حضرت نے فرمایا میں کیا جانوں۔ عجیب و غریب زمانہ تھا جب یہ سب حضرات جمع تھے۔

ملفوظ ۳۷۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اپنے بزرگوں کو آنکھیں ڈھونڈتی ہیں ۱۲۹۵ھ کے آخیر سے اور ۱۲۹۶ھ تک بہت بزرگ اٹھ گئے مولانا احمد علی صاحب۔ مولوی غوث علی صاحب۔ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا عبدالحئی صاحب اور اب تو بالکل ہی میدان صاف ہے۔

ملفوظ ۳۷۷: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ پہلے لوگ اکثر برکت کے لئے خاص خاص محل پر حروف مقطعات لکھتے تھے اور معنی کے اعتبار سے مناسب بھی تھا اکثر تعمیرات کے دروازوں پر لکھا دیکھا گیا ہے استاد بچوں کو تختی شروع کرانے وقت پہلے یا فتاح پڑھا کرتے اب تو بہت کم دیکھا گیا ہے۔ میری ایک چھوٹی علاتی بہن تھی جو انتقال کر گئی۔ بہت ہی بچپن میں یہ پڑھتی پھرا کرتی تھی معلوم نہیں کس نے سکھلا دیا تھا۔ یا فتاح۔ بندی کا دل کھول دے۔ شیطان کی منڈی (گردن) توڑ دے۔

۔ ۔

۱۸؍ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم پنج شنبہ

ملفوظ ۳۷۸: فرمایا کہ فلاں مولوی صاحب بیعت ہونا چاہتے ہیں اُن کا خط آیا تھا اس میں درخواست بیعت کی کی تھی۔ میں نے لکھا کہ لکھو کہ حقوق العباد تمہارے ذمہ کس قدر ہیں آج اُس کا جواب آیا ہے فہرست لکھی ہے۔ اس پر فرمایا کہ دوسری جگہ وظیفہ بتلا کر قطب غوث بنا کر الگ کرتے۔ یہاں بال کی کھال نکالی جا رہی ہے عام طور سے لوگوں کو ان چیزوں کی فکر ہی نہیں الا ماشاء اللہ مشائخ تک خود بیچارے ان امراض میں مبتلا ہیں وہ دوسروں کی کیا اصلاح کریں گے جس کو خود راہ نہ معلوم ہو دوسرے کو کیا بتلائیگا۔

ملفوظ ۳۷۹: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ایک مولوی صاحب کہتے تھے کہ مسلمان خوف سے تو مغلوب نہیں ہوتے مگر طمع سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور میرا یقین ہے کہ اگر کسی کامل کی صحبت میں کچھ روز رہے تو یہ طمع کا مادہ مغلوب ہو جائیگا پھر اُس سے بھی مغلوب نہ ہوگا۔

ملفوظ ۳۸۰: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اکثر علماء و مشائخ نے خود ایسا طرز اختیار کر رکھا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو ان کو نظر تحقیر سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ہمارے بزرگوں نے ہمیشہ ایسے طرز سے بحمد اللہ اجتناب رکھا ایک ثقہ شخص روایت کرتے تھے کہ حیدر آباد دکن میں ایک رئیس کے پاس میں بیٹھا تھا اس رئیس کے پیر صاحب آئے۔ نوکر نے اطلاع دی کہ حضور پیر صاحب تشریف لائے ہیں اُس رئیس نے یہ سنکر کہا کہ آیا خبیث ڈاکو دنیا کو لوٹتا پھرتا ہے اور پھر دروازہ پر جا کر استقبال کیا اور بڑے احترام سے لا کر مسند پر لا کے بٹھلایا اور خود ایک طرف دو زانو ہو کر بیٹھا اور معقول نذر دی جب وہ پیر صاحب چلے گئے پھر رئیس نے وہی الفاظ دہرائے کہ لوٹنے آیا تھا لوٹ لے گیا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا آپ کے دل میں اعتقاد نہیں تو اکرام میں کیا مجبوری تھی کہنے لگا کہ وضعداری۔ بس یہ وقعت ہے ایسے بے حیاؤں کی۔ یہ ان کی سزا ہے خود ذلیل ہوئے اور طریق کو ذلیل کیا شرم نہیں غیرت نہیں اب ان پر قیاس کر کے یہ امراء سب ہی علماء و مشائخ کی تحقیر کرنے لگے اس تحقیر سے ان سے بدتمیزی کی حرکات صادر ہوتی ہیں اور مجھ کو اُن حرکات پر تغیر ہوتا ہے گو خود وہ حرکات معمولی ہی ہوتی ہیں سو مجھ کو جو ان لوگوں کی بعض چھوٹی حرکات پر اس قدر اور جلد تغیر ہو جاتا ہے وہ اُس حرکت کی منشاء پر ہوتا ہے کہ یہ ملاؤں کو حقیر اور ذلیل سمجھتے ہیں باقی ایسے امراء سے تعلق رکھنے کو میں منع نہیں کرتا جو دین اور اہل دین کا ادب کرتے ہیں مگر تملق کو اُن کے بھی منع کرتا ہوں۔ یہ تو ہرگز ہی نہیں چاہیئے خصوص علماء کو ان کے دروازوں پر جانا اور وہ بھی چندوں کے سلسلوں میں۔ مجھ کو تو اس سے بہت ہی غیرت آتی ہے اور یہی طرز اپنے

بزرگوں کا دیکھا ہی پسند ہے گو بعضے اس کو تکبر سمجھتے ہیں مگر تملق کی بدنامی سے تکبر کی بدنامی میں مجھ کو لذت آتی ہے ان کو یہ تو معلوم ہو کہ ان کو ہماری ضرورت نہیں۔ یہ ہم سے مستغنی ہیں۔

ملفوظ ۳۸۱ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ تھانہ بھون میں بزرگوں نے جمعہ کے دن کی پینٹھ اسی مصلحت سے رکھی ہے کہ اسی بہانہ سے دیہات کے لوگ جمعہ پڑھ لیں جب سودا وغیرہ لینے آئیں گے جمعہ بھی پڑھ لیں گے مگر مجھ کو ذوقاً یہ پسند نہیں آیا کیونکہ اس صورت میں جمعہ مقصود بالذات نہیں رہتا مقصود بالذات تو ہوا سودا اور جمعہ اس کے تابع۔ باقی اپنا اپنا مذاق ہے اسی واسطے میں جمعہ کے روز تعویذ نہیں دیتا کہ آئے تو جمعہ کو لاؤ تعویذ بھی لیتے چلیں جیسے آئے تو سودے کے لاؤ جمعہ بھی پڑھ لیں۔ اس وجہ سے میں جمعہ کے روز تعویذ نہیں دیتا مگر اشد ضرورت اس سے مستثنیٰ ہے مثلاً درد زہ وغیرہ۔

ملفوظ ۳۸۲ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میری تو ہر چیز میں سہولت پر نظر ہے کسی بات میں کسی کو گرانی نہ ہو اسی لئے میں نے خطبے چھوٹے چھوٹے لکھ دیئے ہیں۔ حضرت مولانا گنگوہی بہت ہی چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھتے تھے والسماء ذات البروج والتین۔ حضرت قرآن شریف بہت اچھا پڑھتے تھے اور بالکل سادہ پڑھتے تھے باوجود اس کے کہ حضرت کے دانت نہ رہے تھے مگر حروف اصلی صفات کے ساتھ صحیح مخارج سے ادا ہوتے تھے اور نہایت خوش الحانی کی ساتھ پڑھتے تھے۔ یہ نہیں کہ باریک آواز ہو بلکہ دلکش اور متین آواز سے اور اس کے ساتھ وہ خوش آوازی بھی ہوتی تھی جس کی تعریف سلف سے منقول ہے کہ جب تم اس کو پڑھتے ہوئے سنو تو یہ معلوم ہو کہ یہ خدا سے ڈر رہا ہے۔

ملفوظ ۳۸۳ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ یہاں کے لوگ ہر وقت اللہ فساد اور بر سر پرخاش رہتے ہیں محض اس خیال سے کہ یہ خیالات میں ہم سے مختلف ہے۔ اس پر فرمایا کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ محض اس بناء پر تو فساد کرتے ہوں کوئی اور بات ہوگی اپنے طرز کو بدلنا چاہیئے طبعی بات ہے کہ حکومت کی تو لوگ ہر طرح برداشت کر لیتے ہیں مگر بدون حکومت کے کوئی کسی کا دباؤ نہیں سہہ سکتا نہ اٹھا سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے خیالات کی جو تبلیغ کرتے ہوں گے اس میں تشدد کا لہجہ ہوگا۔ تبلیغ بھی ہر شخص کا کام نہیں لیکن اگر پھر بھی قصداً ایسا کرتے ہو تو پھر تیار ہو جاؤ جو کچھ بھی سر پر پڑے اس کو برداشت کرو اور اگر ہمت اور قوت برداشت کی نہیں تو کہنا سننا چھوڑ دو کیونکہ جس شخص کو احکام پہنچ چکے ہوں اس کو تبلیغ کرنا کوئی فرض نہیں واجب نہیں محض ایک مستحب فعل کی وجہ سے اپنے کو خطرہ میں ڈالنا ہے جس کی ضرورت نہیں اور اگر ہمت اور قوت ہے تو تبلیغ کرو اور ایسے بن جاؤ جیسے ایک قنوج کے گندھی تھے ایک مرتبہ وہ کالپی گئے جمعہ کی نماز کے لئے مسجد گئے ایک کوتوال بھی نماز کے لئے آئے جو نمازی تو تھے مگر ولایتی نماز پڑھتے تھے نماز کے بعد اس گندھی نے کہا کہ

حضور آپ کی نماز نہیں ہوئی اسے پھر سے پڑھ لیجئے۔ ارکان نماز صحیح ادا کیجئے۔ اس پر کوتوال صاحب نے اُس کو گالیاں دیں اُس نے پھر دہی نصیحت کی تو اُس کو مارا کہ بدمعاش ہم پر حکومت کرتا ہے جانتا ہے کہ ہم کون ہیں اُس نے کہا کہ اور مار لو مگر نماز پھر سے پڑھ لو اور میں بلا صحیح نماز پڑھے نہ جانے دوں گا اس کہنے پر کوتوال پر اثر ہوا اور پھر دوبارہ نماز کا اعادہ کیا اور اس گندھی سے معافی چاہی ساری کالپی میں شہرت ہوگئی کہ فلاں گندھی نے کوتوال کو صحیح نماز پڑھا کر چھوڑی۔ لوگ عزت کرنے لگے اپنے مکان دکان پر بلانے لگے۔ ضرورت بلا ضرورت عطر اور تیل خریدنے لگے خوب سوداگری چمکی تبلیغ کی بدولت دنیا اور دین دونوں حاصل ہوگئے سو اگر ہمت ہو تو پھر ایسے ہی ہوجاؤ اور دیکھئے حضرت نوح علیہ السلام کی عمر چودہ سو برس کی ہوئی اور ساڑھے نوسو برس وعظ کہا ہر قسم کی اذیتیں تکلیفیں برداشت کیں مگر قوم کی طرف سے انکار ہی ہوتا رہا اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نوح نہ صد سالہ دعوت می نمود دمبدم انکار قومش می فزود
ہیچ از قومش عنان واپس کشید ہیچ اندر غار خاموشی خزید

اور دیکھئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کیسی کیسی تکلیفیں اٹھائیں جب طائف تشریف لے گئے لہو لہان ہوگئے فرشتہ حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں فرشتہ ہوں اگر اجازت ہو تو پہاڑوں کو آپس میں ٹکرا کر ان کو پیس دوں آپ نے منظور نہیں فرمایا۔ تو پیغمبروں کی خصوص حضور کی اس تبلیغ کی بدولت یہ حالت ہوئی غرضکہ پیغمبروں کی تو یہ حالت ہوئی کہ طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائیں اگر اس کا تحمل نہیں پھر نرمی اختیار کرنا بجائے سختی کے تبلیغ میں ہمارے مناسب طرز ہے آدمی کا اپنا برتاؤ عمر بھر ساتھ دے سکتا ہے اپنے برتاؤ سے عافیت اور امن حاصل ہوسکتا ہے دوسرے کی امداد سے کام نہیں چلتا۔ اگر سختی کرنے پر کسی نے ناقابل برداشت تکلیف پہونچادی اور اس میں کسی نے امداد بھی کردی تو کہاں تک اس کا نباہ ہوسکتا ہے۔ پس آج کل ترغیب سے کام کرنا مصلحت ہے یہ وہ زمانہ ہے کہ بیٹے پر تو حکومت ہے ہی نہیں زور سے کام نہیں چلتا۔ ہمارے پیغمبر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیسے کیسے برتاؤ کئے گئے مگر حضور نے تحمل فرمایا مکہ میں تو اُس وقت تک حکومت نہ تھی مگر مدینہ کی سنئے کچھ بدوی آئے حضور کے پاس کہ کچھ دلواؤ۔ حضور نے فرمایا اللہ جب دے گا تو دیں گے اس پر کہا کہ ہمیشہ وعدے ہی ہوتے ہیں اور حضور کی چادر مبارک پکڑ کر کھینچ لی۔ حضور نے کچھ انتقام نہیں لیا۔ پھر دیکھ لیجئے اس نرمی سے اسلام کس قدر پھیلا۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے ایک شخص کو وعظ میں ٹخنوں سے نیچا پاجامہ پہنے دیکھا جب سب لوگ وعظ سے اُٹھ کر چلے گئے اس شخص کو روک لیا اور فرمایا کہ میاں میں کھڑا ہوتا ہوں ذرا یہ دیکھنا کہ جو میں پاجامہ پہن رہا ہوں یہ خلاف شریعت ٹخنوں سے نیچا تو نہیں وہ شخص سمجھ گیا کہ حضرت مجھ ہی کو فرما رہے ہیں اُسی وقت زائد پائچہ پھاڑ ڈالا اور توبہ کی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ سنئے۔ ایک خان صاحب آپکے معتقد تھے

اور بچپن کے دوست بھی تھے حتیٰ کہ جمعہ کو ایک ہی جگہ غسل کر کے کپڑے بدلتے تھے مگر بظاہر وضع خلاف شریعت تھی ایک روز حضرت مولانا نے خان صاحب سے کہا کہ خان صاحب آپ کو معلوم ہے کہ ہماری تمہاری پرانی دوستی ہے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تم اس وضع میں رہو اور میں اس وضع میں اس لئے آج جب نہانے آؤ تو اپنے دو جوڑے لے کر آنا ایک اپنے لئے ایک ہمارے لئے۔ میں بھی آج تمہاری جیسی وضع اختیار کروں گا خان صاحب مارے شرمندگی کے پانی پانی ہو گئے اور اسی روز سے شرعی لباس پہن لیا۔ ناصح اگر عالم نہ ہوگا اور نصیحت کرے گا تو اس میں بھی تکبر ہوگا کیونکہ وہ اس خیال سے نصیحت کرے گا کہ میں اس سے اچھا ہوں تو اس کا اثر برا ہوگا۔ مناسب طریق سے نصیحت کرنا یہ عالم ہی کا کام ہے۔ دوسرے فطری طور پر مخاطب کے قلب میں اس کی عظمت و محبت ہوتی ہے اس لئے اس کی سختی بھی گوارا کر لی جاتی ہے اور اس فطری عظمت پر مجھ کو ہمیشہ اس کا خیال رہتا ہے کہ اہل علم کی بے وقعتی نہ ہو۔ کانپور کے مدرسہ میں طلبہ رات کو ایک ایک بجے تک پڑھتے اور صبح کو سوتے رہتے۔ بعضے بے علم لوگ آتے اور ان کو بہت سویرے پریشان کرتے اور ثقیل کلمات کہتے کہ طالب علم ہو کر ان کو شرم نہیں آتی کہ نماز کے وقت پڑے سوتے رہتے ہیں مجھ کو معلوم ہوا تو میں نے سب سے کہدیا کہ خبردار اگر کسی نے طلباء کو ہاتھ لگایا بعض نے کہا کہ مصلے پر سوتے ہیں میں نے کہا کہ تم کو مصلے سے کیا غرض تم مصلے سے الگ نماز پڑھ لو کہا کہ جماعت کا وقت ہوتا ہے میں نے کہا کہ جماعت دوسری جگہ کر لو۔ چنانچہ سب رک گئے اس کے بعد میں نے خود التزام کیا کہ بہت سویرے آتا اور خود سب کو محبت سے اٹھا دیتا غرض جاہلوں کی حکومت مجھ کو اچھی نہیں معلوم ہوتی اسی طرح ایک روز اس مسجد میں جس میں مدرسہ تھا عشاء کے بعد بعض عورتیں کچھ مٹھائی لائیں اور طالب علموں سے کہا کہ اس پر بڑے پیر صاحب کی نیاز دیدو طلباء کو سب جانتے ہی ہیں کہ شوخ ہوتے ہیں اُن سے مٹھائی لے کر کھا گئے وہ اپنے مردوں کو بلا لائیں اور مسجد میں شور و غل ہونے لگا۔ مجھ کو اطلاع ملی میں فوراً پہونچا اور ایک دو طالب علم کے میں نے چپت لگایا کہ تم نے ان کی مٹھائی کیوں کھائی اُن کا غصہ تو اسی سے جاتا رہا پھر اُن سے پوچھا کہ تمہاری مٹھائی کتنے کی تھی۔ معلوم ہوا تین آنہ کی۔ میں نے کھانے والے طالب علموں سے ایک ایک پیسہ وصول کر کے تین آنہ ان لوگوں کو دیئے اور اُن سے کہا یہ سب وہابی ہیں یہ نیاز وغیرہ کیا جانیں تم اس کام کے لیئے اس مسجد میں مت آیا کرو تب وہ قصہ ختم ہوا۔ یہ سب ترکیب اسی لئے کی کہ جاہل طالب علموں کے ساتھ کوئی بے ہودگی نہ کریں۔ غرض اہل علم کی عظمت ایک امر فطری ہیں عوام پر بھی اُس کا اثر ہوتا ہے اس لئے عالم کی کسی قدر سختی کو بھی جھیل لیتے ہیں۔ مگر بے علم کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ تبلیغ میں تشدد کرے۔

ملفوظ ۳۸۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہا کہ میری تو ندبڑھی ہوئی ہے ناپاکی کے بال کس طرح لوں۔ اور کہا کہ فلاں عالم نے میرے سوال پر یہ بتلایا کہ بیوی سے

اُتروایا کرو۔ جنہوں نے یہ بتلایا تھا بہت بڑے عالم ہیں۔ اس وجہ سے وہ شخص پریشان تھا۔ میں نے کہا کہ یہاں ایک لطیفہ ہے گو کثیف ہے۔ وہ یہ کہ اگر بیوی خفا ہو جائے اور استرہ سے صفائی کردے تو بڑا مزہ ہو۔ پھر میں نے ہڑتال اور چونہ کی ترکیب بتلائی وہ بہت خوش ہوا۔ اس لئے علم کے ساتھ عقل کی بھی سخت ضرورت ہے اور عقل کی افزونی عادۃً موقوف ہے تجربہ پر اور اکثر بوڑھوں کو زیادہ ہوتا ہے اس لئے میں آج کل کے اہل علم نوجوانوں سے کہا کرتا ہوں کہ تم عالم تو ہو مگر بڈھے نہیں ہو اس لئے بڈھوں سے پوچھ پاچھ رکھا کرو بدون بڈھوں کے کام نہیں چلتا اس بوڑھوں کے تجربہ پر ایک حکایت یاد آئی کہ ایک شادی میں لڑکی والے نے نکاح دینے کی یہ شرط کی تھی کہ برات میں کسی بوڑھے کو ساتھ مت لانا۔ ایک بوڑھے کو معلوم ہوا اُس نے کہا مجھ کو ضرور لے جاؤ۔ لوگوں نے کہا کہ جب دیکھیں گے تو مواخذہ کریں گے کہنے لگے صندوق میں بند کر کے لے چلو۔ غرض بڑے میاں کو صندوق میں بند کر کے لے گئے وہاں پہونچ کر لڑکی والے نے کہا کہ فی آدمی ایک بکرا کھائے تب نکاح دیں گے۔ اب یہ گھبرائے ہوئے گئے صندوق کے پاس اور بڑے میاں کو صندوق میں سے نکالا اور بیان کیا اس نے کہا کہ ایک ایک بکرا منگاتے رہو اور سب مل کر اس کو کھالو اس طرح سب کو کھا جاؤ گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ان کا مطالبہ باقی رہا کہ پیٹ نہیں بھرا۔ ایک بوڑھے میاں کی اور حکایت ہے کہ ایک بارات میں گئے وہاں لڑکی والے نے سب براتیوں کے ہاتھوں کو سیدھا کر کے اُن پر کھپچیاں بندھوا دیں اور کہا کہ اسی طرح کھانا پڑے گا اب سب گھبرائے کہ کیسے کھا سکتے ہیں منہ تک تو ہاتھ جا نہیں سکتا بڑے میاں نے کہا کیا دیکھتے ہو آمنے سامنے بیٹھ جاؤ اور ہر شخص اپنے سامنے کے منہ میں لقمہ دیتا رہے یہ تو بڑھاپے کی دنیا میں برکت ہے اور آخرت میں یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بوڑھوں کا لحاظ کرتے ہیں۔ یحییٰ ابن اکثم کا جو کہ بخاری کے اُستاد ہیں جب وفات ہو گئی اور خدا تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوئی تو حق تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ اے بوڑھے کیا لے کر آیا اب یہ خاموش ہیں۔ پھر دوبارہ سوال ہوا پھر خاموش۔ تیسری بار فرمایا کہ اے بوڑھے تجھ سے ہی سوال ہے جواب کیوں نہیں دیتا۔ عرض کیا کہ اللہ میاں کیا جواب دوں ایک بات پر غور کر رہا ہوں دریافت فرمایا وہ کیا بات ہے عرض کیا کہ اے اللہ میں نے سند کی ساتھ حدیث سنی ہے اور سند بھی ذکر کر دی وہ حدیث یہ ہے کہ ان اللہ یستحیی من ذی الشیبۃ المعظم۔ یعنی اللہ تعالیٰ بوڑھے مسلمان کا لحاظ کرتے ہیں مگر آج معاملہ دوسرا ہو رہا ہے اس کو سوچ رہا ہوں۔ فرمایا کہ تم نے حدیث صحیح سنی بے شک ہم بوڑھوں کا لحاظ کرتے ہیں جاؤ آج صرف بوڑھے ہونے کی وجہ سے نجات ہے تو جناب

تمام علوم و اعمال دھرے رہ گئے۔ نجات صرف سفید داڑھی کی بدولت ہوئی۔ مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ عمل بے کار ہے۔ یہ برکت بھی اس ہی عمل کی تھی کہ اس کا بڑھاپا بابرکت ہو گیا۔ ایک اور شخص نے موت کے قریب اپنے ایک دوست کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں غسل و کفن ہونے کے بعد قبر میں لیجایا جاؤں تو تم مجھ کو قبر میں اتارنا اور ایک پڑیہ آٹے کی اپنے ساتھ رکھ لینا جب قبر میں کفن کھولو تو وہ پڑیہ آٹے کی میری داڑھی پر چھڑک دینا اور تو کوئی اس کام کو نہ کرے گا تم دوست ہو اس لئے تم سے امید ہے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب اس شخص کی پیشی ہوئی خدا کے سامنے تو دریافت کیا گیا کہ یہ آٹے کو داڑھی پر ملوانے کی کیا وجہ تھی۔ عرض کیا اے اللہ علماء سے ایک حدیث سنی تھی کہ اللہ تعالیٰ بوڑھوں کا لحاظ کرتے ہیں تو میں جوان آدمی تھا داڑھی کے بال سیاہ تھے۔ بوڑھا ہونا تو مشکل اور غیر اختیاری تھا مگر نقل تو اختیاری تھی اس لئے آٹا ملوایا کہ سفید بال دیکھ کر حق تعالیٰ فضل فرمادیں گے حکم ہوا کہ جاؤ نجات ہے۔

ملفوظ: ۳۸۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جس کے پاس خود سرمایہ ہو اس کو تبلیغ کا انتظام کرنا چاہئے۔ مطلب یہ کہ علماء اس کے لئے چندہ نہ مانگیں کیونکہ اس سے علماء کی وقعت نہیں رہتی۔ وعظ کہہ کر جہاں چندہ مانگا سب اثر گڈ مڈ ہو گیا۔ بڑے زور شور کی تقریر۔ بہ گھنٹے دو گھنٹے کی محنت ایک لفظ چندہ کے کہتے ہی سب ختم۔ اس لئے چندہ بھی وہی کرے جس کے پاس سرمایہ ہو اور علماء صرف تبلیغ کریں اس وقت تبلیغ موثر ہو سکتی ہے۔

ملفوظ: ۳۸۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ خلوص بڑی چیز ہے اور یہ اکثر غرباء میں ہوتا ہے اور امراء میں فلوس تو ہوتا ہے مگر خلوص نہیں ہوتا الا ماشاء اللہ۔ ایک غریب شخص نے مجھ کو ایک اکنی دے کر کہا کہ ایک پیسہ دینا چاہتا ہوں تین پیسے واپس کر دو۔ میں نے ایسا ہی کیا بھلا اس میں کیا ریاء ہو سکتی ہے۔ سو غرباء سے ہمیشہ میرا یہ معاملہ رہا ہے محض ان کے خلوص کی وجہ سے اور امراء کے ساتھ دوسرا معاملہ ہوتا ہے چنانچہ نواب ڈھاکہ سلیم اللہ خاں صاحب مرحوم نے مجھ کو مدعو کیا۔ میں نے چند شرائط پیش کیں۔ منجملہ اور شرائط کے ایک شرط یہ بھی تھی کہ مجھ کو کچھ دیا نہ جاوے سب شرائط طے ہو گئیں۔ میں ڈھاکہ پہنچا نواب صاحب نے ایک روز درخواست کی کہ میری دو لڑکیاں ہیں ان کو بسم اللہ کرا دیجئے اور یہ بھی کہا کہ ہمارے خاندانی دستور یہ ہے کہ بسم اللہ شروع کرانے کے وقت کچھ دیا جاتا ہے اگر نہ دیا جاوے یا قبول نہ کیا جائے تو ہماری سبکی ہوتی ہے یہ ترکیب تھی کہ اس بہانہ سے مجھ کو نقد دیں۔ میں نے کہا کہ میں آپ کی سبکی گوارا نہیں کر سکتا لیکن اپنی وضع کو بھی چھوڑنا

نہیں چاہتا تو اس کی صورت یہ ہے کہ میں جلوت میں تو آپ کا عطیہ لے لوں گا اور خلوت میں واپس کر دوں گا اور عمر بھر واپسی کا کسی سے تذکرہ نہ کروں گا مگر اپنے دل میں تو خوش رہوں گا کہ میں نے اپنے مسلک اور مشرب کے خلاف نہیں کیا۔ بس چپ رہ گئے اور رقعہ لکھا کہ میری غلطی تھی اب میں آپ کی وضع پر اپنی تجویز کو نثار کرتا ہوں۔ اور اس سے یہاں تک اُن کا اعتقاد بڑھا کہ لوگوں سے یہ کہا کرتے تھے کہ جس نے صحابہ کو نہ دیکھا ہو وہ تھانہ بھون جا کر دیکھ لے اور یہ سب ذرا سے نسخہ کی بدولت۔ اور نواب صاحب مجھ سے بعضے پیروں کی شکایت کرتے تھے کہتے تھے کہ ہمارا روپیہ بھی لیا اس کا تو ذکر کیا اور مجھ سے اپنے سامنے سجدے تک کرائے۔ اور میرے محض چند روز کے قیام میں میرے پاس بیٹھنے سے ان کی کایا پلٹ ہو گئی حالانکہ میں نے نہ کچھ کہا نہ کسی بات سے روکا۔ پھر واپسی کے بعد وطن پہنچکر کچھ روپیہ سفر خرچ میں سے بچ گیا میرا ہمیشہ کا معمول رہا ہے کہ بچی ہوئی رقم واپس کر دیتا تھا مگر یہ واپس کرنا نواب صاحب کے شان کے خلاف تھا اور کہنا اپنی وضع کے خلاف تھا میں نے یہ کیا مسجد میں لگا دیا اور اُن کو اطلاع کر دی۔ اور بریلی میں یہ مشہور ہوا کہ چھ ہزار روپیہ لایا ہے میں نے سن کر کہا کہ تم بھی لے آؤ۔ ایک ذرا سا نسخہ تھا استغناء کا جس سے دین کی عزت ہوئی اور نواب صاحب کو دینی نفع حاصل ہو گیا۔ ایک واقعہ اور یاد آیا۔ نواب جمشید علی خاں صاحب نے باغپت بلایا تھا اس وقت تک اُن سے ملاقات نہ ہوئی تھی۔ میں نے شرط کر لی تھی کہ کچھ لونگا نہیں مگر گھر میں ان کی والدہ صاحبہ نے بلایا۔ یہ بی بی حضرت حاجی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں۔ سو روپیہ دینا چاہا۔ میں نے عذر کر دیا کہ خلاف شرط ہے۔ امراء کے ساتھ ضابطہ کا برتاؤ مناسب ہے جب تک بے تکلفی اور خلوص کا اطمینان نہ ہو جاوے چنانچہ اس کے بعد موصوف کے تمام خاندان سے ایسا ہی تعلق ہو گیا اب برتاؤ بھی بدل دیا۔ ایک واعظ مولوی صاحب کی حکایت قصبہ بڈھانہ میں جا کر سنی کہ ان کا وعظ آٹھ آنہ سے پانچ روپیہ تک کا ہوتا تھا ہر قسم کے طبائع کے لوگ موجود ہیں۔ ایک مولوی صاحب یہاں پر آئے پانچ سو روپیہ اُن کے ذمہ قرض تھا مجھ سے کہا کہ کسی کو لکھدو مجھ کو اس معاملہ میں بڑی احتیاط ہے میں نے کہا مجھ کو کیا خبر کہ کون شخص اس کام کا ہے تم ایسوں کے نام بتلاؤ۔ انہوں نے تین نام بتلائے۔ میں نے ایک خاص مسودہ لکھا اور ان سے کہدیا کہ یہ مسودہ بھیج سکتا ہوں اُس کا یہ مضمون تھا کہ ایک صاحب ہیں وہ مجھ سے آپ کے نام سفارش چاہتے ہیں۔ پانچ سو روپیہ کے قرضدار ہیں اگر میں ان کی سفارش آپ کو لکھدوں تو کیا آپ اس کی اجازت دیتے ہیں اس کے جواب میں خود رقم آ گئی۔ ایک جگہ سے پچاس روپیہ ایک جگہ سے دو سو روپیہ ایک جگہ سے اڑھائی سو روپیہ کی نکلتی ہوں کتنا بڑا

بیچاروں کا بھلا ہو گیا۔ اور میں بھی سفارش کی گرانی سے بچ گیا ایک صاحب ہیں اُن کا مجھ سے تعلق ہے میرے پاس آئے اور کہا کہ میں ڈھائی ہزار یا دو ہزار کا قرضدار ہوں۔ میں نے کہا کہ خطاب خاص سے تو میں کسی کو کچھ لکھوں گا نہیں ہاں خطاب عام میں لکھوں گا وہ بیچارے اس پر ہی راضی ہو گئے۔ میں نے ایک عام مضمون لکھ دیا کہ سب مسلمانوں سے التماس ہے کہ یہ حاجتمند ہیں ان کی اعانت موجب ثواب ہے۔ یہاں سے میرٹھ پہونچے اور اپنی جماعت کے بزرگوں سے تعلق رکھنے والے ایک متمول صاحب سے ملے اور میرا تصدیق کردہ پرچہ دکھلایا اُنہوں نے اُس کو دیکھ کر کہا کہ میاں اتنی بڑی رقم بھلا کہیں یوں ادا ہو سکتی ہے اور کچھ کہا ہوگا ان کو جوش آگیا اور خدا کی قسم کھا کہ کہا کہ اب اگر کوئی شخص ڈھائی ہزار روپیہ یکمشت دے گا تو لوں گا ورنہ ایک پیسہ کم ڈھائی ہزار بھی نہ لوں گا یہ کہہ کر اور اُٹھ کر چل دیئے وہ صاحب ایک کافی رقم کا ایک نوٹ دیتے رہے انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر ڈھائی ہزار دو تو لوں گا۔ وہاں سے دہلی پہونچے وہاں پر اپنے جماعت کے ایک حکیم صاحب ہیں وہاں کے پنجابی سوداگروں میں ان کا زیادہ رسوخ ہے ان کو وہ پرچہ دکھلایا اور یہ شرط بیان کی۔ حکیم صاحب نے شرط کو سن کر کہا کہ یہ تو بڑی ٹیڑھی شرط ہے۔ یوں تو ایسے ذی وسعت لوگ بھی بہت ہیں کہ ڈھائی ہزار کیا دس ہزار ایک شخص دے سکتا ہے مگر بظاہر ایسا کوئی معلوم نہیں ہوتا ہاں تھوڑا تھوڑا ایک ایک شخص دے سکتا ہے انہوں نے کہا کہ میں ایک پیسہ کم ڈھائی ہزار بھی نہیں لے سکتا۔ میں خدا کی قسم کھا چکا ہوں حکیم صاحب نے کہا کہ میں ایک پرچہ اپنے ایک دوست کو لکھ کر تم کو دیتا ہوں ان کے پاس تم لے جاؤ۔ حق تعالیٰ کفیل ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ آپ لکھئے میں جاؤں گا حکیم صاحب نے پرچہ معمولی مضمون کا لکھ دیا۔ یہ پرچہ اور میرا تصدیقی پرچہ لے جا کر اُنہوں نے اُن سوداگر کو دیا وہ ان سے اس کے متعلق سوالات کرنے لگے اتفاق سے بمبئی کے ایک سیٹھ اُن سوداگر کے یہاں مہمان تھے وہ اپنی تجارتی کاروبار کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔ عقائد بھی ہمارے بزرگوں کے مسلک کے بالکل خلاف تھے وہ بھی ان کی باتوں کو سن رہا تھا اس نے دہلی کے سوداگر سے سوال کیا کہ کیا معاملہ ہے۔ اُن سوداگر نے کہا کہ یہ بیچارے قرضدار ہیں اور میرا نام لیا اس کی تصدیق ہے اور شرط یہ ہے کہ ایک شخص اگر ڈھائی ہزار روپیہ دے تو لے سکتا ہوں ورنہ نہیں اُس سیٹھ نے یہ سن کر جیب میں ہاتھ ڈال کر اور ڈھائی ہزار کی ایک گڈی نوٹوں کی ان کے حوالہ کی اور یہ کہا کہ میں جس وقت گھر سے چلا تھا یہ ڈھائی ہزار روپیہ اس نیت سے لے کر چلا تھا کہ کسی مصرف خیر میں صرف کروں گا تو اس سے بہتر مصرف خیر کیا ہوگا کہ ایک مسلمان قرضدار پریشان ہے اور معتبر شخص کی تصدیق بھی موجود ہے جناب رقم لے کر سیدھے گھر پہونچے

اور جن کا قرض تھا اُن کا ادا کیا اور دوسرے یا تیسرے روز میرے پاس آئے۔ میں نے جب آتے دیکھا تو میں سمجھا کہ بیچارے ناکامیاب آتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ڈھائی ہزار روپیہ کون اتنی جلدی دے سکتا ہے وہ آکر جب میرے پاس بیٹھے تو چہرہ پر بشاشت کے آثار پاتا تھا اس سے معلوم ہوتا تھا کہ کامیاب آئے بالآخر میں نے سوال کیا کہ کیا ہوا آپ کے معاملہ میں کہا کہ اللہ کا شکر ہے اور آپ کی دعاء سے میں کامیاب ہوگیا اور قرضداروں کا دیکر فراغ حاصل کر کے حاضر ہوا ہوں پھر یہ سارا قصہ بیان کیا۔ میں اس وقت حق تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کر رہا تھا کہ بڑے ہی کارساز ہیں اس لئے کہ یہ وہ زمانہ ہے کہ پچاس روپیہ بھی ملنا مشکل ہے مگر ہمارے ہی نزدیک تو مشکل ہے اُن کے نزدیک کیا مشکل ہے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست
با کریماں کارہا دشوار نیست

واقعی اُن کی ذات پر بھروسہ کرنا ایسی ہی چیز ہے آج کل اسی سے لوگوں کو غفلت ہے میں کانپور میں تھا مخالفین نے بڑے بڑے نذرانے دیئے میں نے قبول کئے مخالف سے ہدیہ قبول کرنے میں میرا معمول ہے کہ چونکہ اس میں کسی دھوکے کا شبہ نہیں ہوتا اس لئے اُن سے شرائط کی ضرورت نہیں سمجھتا البتہ دوستوں سے شرائط ہوتے ہیں کیونکہ ان میں احتمال دھوکے کا ہے کہ شاید بزرگ سمجھ کر دیتے ہوں اس لئے دوستوں سے ہدیہ لیتے میں بہت کچھ جرح کرتا ہوں اور ایسی جگہ بھی احتیاط لیتے میں کرتا ہوں جہاں ذلت کا شبہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اجنبی شخص سے ہدیہ نہیں قبول کرتا غیرت آتی ہے اور نہ اجنبی شخص سے خدمت لیتا ہوں۔ یہ خیال ہوتا ہے کہ میں نے تو اس کی کوئی خدمت ابھی تک کی نہیں اس سے کیا خدمت کی جائے یہ سب معمولات ہیں جو مصالح کی بناء پر تجویز کئے گئے ہیں۔

ملفوظ ۳۸۷ : ایک صاحب نووارد مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے بلا اجازت حاصل کئے ہوئے پنکھا کھینچنا شروع کر دیا اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ بیٹھے بیٹھے یہ کیا جوش اٹھا ہر جگہ کے قواعد اور اصول جدا ہوتے ہیں کم از کم تم کو پوچھنا چاہیئے تھا کچھ نہیں رسموں نے حقائق کو مٹا دیا اگر کوئی اجنبی شخص آکر جس سے آپ کا کوئی تعلق نہ ہو آپ کو پنکھا جھلنے لگے تو گرانی ہوگی یا نہیں۔ عرض کیا کہ غلطی ہوئی معافی کا خواستگار ہوں۔ فرمایا کہ معاف ہے مگر کیا اس کہنے سے جو اس وقت اذیت پہونچی وہ بھی جاتی رہے گی حضرت والا نے پنکھے کی رسی کو ہاتھ میں سے رکھ دینے کو فرمایا کہ اب تو اس کا پیچھا چھوڑ دو۔ ان باتوں میں نہ پڑو جس کام کو آئے ہو اس کی فکر میں لگو۔ میری پرستش کرنے آئے ہو یا خدا کی پرستش کا طریقہ معلوم کرنے خدا کا بندہ بننے آئے ہو یا مجھ کو فرعون بنانے یوں ہی تو مخدوموں کے دماغ خراب ہو جاتے ہیں

کہ جب لوگ ہماری خدمتیں کرتے ہیں تعظیم وتکریم کرتے ہیں تو ہم ضرور کچھ ہوں گے دہمی اورخیالی منصوبے گھڑ لیتے ہیں اور تعجب ہے کہ اپنی ناکارہ حالت کی خود اپنے کو خبر نہ ہو اور دوسروں کے کہنے پر یا سمجھنے پر اپنے معتقد بنے ہوئے ہیں۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ اکثر مشائخ بیچارے خود مریض ہیں خود کثرت سے امراض کا شکار بنے ہوئے ہیں دوسروں کی کیا خاک اصلاح کریں گے۔

ملفوظ ۳۸۸: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں کسی کو خدمت کرنے سے منع نہیں کرتا نہ خدمت لینے سے انکار ہے مگر شرط یہ ہے کہ اگر خدمت کرنے کا ایسا ہی شوق ہے تو اول بے تکلفی پیدا کرو اور یہ اپنی اختیاری چیز ہے اور جن سے بے تکلفی ہے ان سے خدمت لینے میں کوئی تکلف نہیں کرتا۔

ملفوظ ۳۸۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اپنی تجویزوں کو خاک میں ملا کر آنا چاہیئے اور جس کے پاس آئے ہو اس کا اتباع کرنا چاہیئے اور ظاہر ہے کہ پچاس آدمی تو ایک کا اتباع کر سکتے ہیں مگر ایک آدمی پچاس کا اتباع نہیں کر سکتا مگر میں تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ تم میرا اتباع کرو۔ نہ تم میرا اتباع کرو۔ نہ میں تمہارا اتباع کروں۔ اصول صحیحہ کے تم بھی تابع رہو اور میں بھی جو خدمت میرے متعلق ہے میں اس کو انجام دوں اور جو تمہارا صحیح مطلوب ہے تم اس کی فکر میں لگو۔ تم اپنے فرائض منصبی کے ادا کرنے میں مشغول رہو اور میں اپنے فرائض میں۔ بس چھٹی ہوئی۔ نہ میں تمہاری چاپلوسی کروں اور نہ تم میری دست بوسی کرو۔ ان باتوں میں پڑنے سے آدمی اصل مقصود سے محروم رہ جاتا ہے اکثر پیروں کے یہاں یہی تو خرافات ہو رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اصل حقیقت اور مقصود ہاتھ نہیں آتا۔ پیرجی مریدوں کے پرستش میں مصروف ہیں اور مرید پیر جی صاحب کی پرستش میں نہ پیر خدا پرست نہ مرید خدا پرست دونوں مخلوق پرست۔ مجھ کو ان چیزوں سے بحمداللہ طبعی نفرت ہے۔

ملفوظ ۳۹۰: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ باتیں دوسری جگہ اگر محاسن میں سے ہوں تو ہوں میں تو ان کو منکر اور مذموم سمجھتا ہوں اور ساری دنیا کے خیالات کا اتباع مجھ پر کوئی فرض ہے۔ میں ایسی خدمات کو رشوت سمجھتا ہوں جو ذریعہ ہو کام لینے کا اپنی طرف متوجہ کرنے کا جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی پرستش کرا کہ اس کی طرف متوجہ ہو اب ان صاحب کا واقعہ ہے کہ پنکھا جھلنے بیٹھ گئے اگر میں ان کو اسی طرح جھلتے بیٹھ جاتا تو کیا یہ گوارا کر لیتے تو میں ہی کیوں گوارا کروں اگر اس ناگواری کا ان کو اندازہ نہ ہو تو لاؤ اب بیٹھتا ہوں دیکھوں گوارا کر لیں گے یہ منکرات اور پیروں کے یہاں ہیں یہاں پر پیروں کا دربار ہی نہیں۔ پیر تو وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے سر آتے ہیں چمٹتے پھرتے ہیں بقول عوام کے کہ فلاں پیر سر آرہے ہیں تو جیسے مُردہ پیر چمٹتے

پھرتے ہیں یہ زندہ بھی اُن سے اس معاملہ میں کم نہیں بلکہ غور کیا جاوے تو یہ بھی حقیقت کے اعتبار سے باطن کے اعتبار سے روحانیت کے اعتبار سے مُردہ ہی ہیں۔ یہاں تو طالب علموں کا حجرہ ہے اگر کسی کو یہ طرز پسند ہو آئے ورنہ ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ مت آؤ۔ یہاں بلانے کون جاتا ہے اور ہم نے دعویٰ کب کیا ہے فناء نفس کا۔ درویشی کا پیری کا۔ ہم تو کہتے ہیں ہمارا نفس موٹا ہے پلا ہوا ہے۔ ہم نہ درویش نہ پیر۔ ہم تو طالب علم ہیں اگر طالب علمی کا نام درویشی ہے تو ہم درویش ہیں۔ اور اگر اس کے علاوہ کسی اور چیز کا نام درویشی ہے تو ہم درویش نہیں۔ اور سنئے نہ یہاں بزرگی تقسیم ہوتی ہے نہ ولایت نہ قطبیت نہ غوثیت نہ ابدالیت نہ یہاں کشف ہے نہ کرامت نہ کیفیات نہ خطوظ۔ نہ لذائذ۔ یہاں تو صرف انسانیت اور آدمیت تقسیم ہوتی ہے اگر انسان بننا ہو آدمی بننا ہو آؤ ورنہ جہاں وہ چیزیں تقسیم ہوتی ہوں وہاں جاؤ۔ بہت لوگ دکانیں جمائے انتظار میں بیٹھے ہیں یہ زمانہ نہ ہر قسم کے لوگوں سے خالی نہیں پڑا ہے۔ ایک پیر کی حکایت سُنی ہے کہ جو ان کے پاس جاتا ہے اس کو پنکھا جھلتے ہیں۔ میں اُن کی بزرگی کا تو قائل ہو گیا مگر حکمت کا غیر معتقد بالکل عقل کے خلاف بات ہے یہ فناء کیسی کہ دوسروں کو تکلیف دے کر بزرگی پر رجسٹری کرائی جاوے یہ بھی سُنا ہے کہ اگر کوئی انکار کرتا ہے تو اس پر خفا ہوتے ہیں نہ معلوم اس میں کیا مصلحت ہے آدمی کو اعتدال اور حدود پر رہنا چاہیئے۔

ملفوظ ۳۹۲: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نے تو ہمیشہ اس کا خیال رکھا کہ حدود سے تجاوز نہ ہو اسی لئے میں نے اپنے بزرگوں کی جوتیاں اُٹھانے کی خدمت نہیں کی محض اس خیال سے کہ وہ پسند نہ کرتے تھے کہیں ان کو تکلیف نہ ہو اور تکلیف دینا حدود سے تجاوز ہے اور یہ اللہ کی طرف سے بات تھی کہ باوجود میرے ناکارہ ہونے کے سب اکابر لحاظ فرماتے تھے اس لئے میں خدمت کرنے کے متعلق یہ سمجھتا تھا کہ راحت پہونچانا تو فرض ہے اور خدمت کرنا فرض نہیں اگر ترک خدمت میں راحت ہے ترک خدمت کرو اور اگر خدمت سے راحت ہے خدمت کرو۔ خلاصہ یہ ہے کہ تکلیف مت پہونچاؤ راحت پہونچاؤ۔ یہی حقیقت ہے ادب کی۔ تعظیم و تکریم دست بوسی پچھلے پیروں ہٹنے کو ادب نہیں کہتے ادب کہتے ہیں راحت رسانی کو مگر حقیقت پر آج کل پردہ پڑا ہے ان رسوم کی بدولت حقائق مستور ہو گئیں ہیں ان کو ظاہر کرتا ہوں اس پر مجھ سے خفا ہیں مگر ان کی خفگی اور ناراضگی کی وجہ سے میں حقائق کو کیسے ظاہر نہ کروں اور کسی کی ناراضی اور خوشی سے لینا ہی کیا اللہ کے راضی رکھنے کی ضرورت ہے وہ اگر راضی ہیں تو سارا عالم ناراض ہو کچھ پرواہ نہیں اور اگر وہ ناراض ہیں اور سارا عالم خوش ہو ہیچ در ہیچ۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ خدا کے راضی رکھنے کی فکر میں لگے اور سب کو چھوڑے۔

ملفوظ ۳۹۳: ایک نو وارد شخص حاضر ہوئے حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ یہ سفر کس غرض سے ہوا عرض کیا کہ تعویذ کے لئے۔ فرمایا کہ یہ کام تو خط سے بھی ہو سکتا تھا محض تعویذ کے لئے اتنا بڑا سفر کرنا اس سے بھی تو دوسرے کو تکلیف ہوتی ہے بار ہوتا ہے۔ پھر آئے بھی تو دنیا کے کام کے واسطے وہ بھی دین کا کام نہیں ہر طرح سے خسارہ ہی خسارہ۔ عرض کیا کہ میں نے یہ بھی خیال کیا تھا کہ بیعت بھی ہوتا آؤں گا فرمایا کہ یہ بیعت کی قدر کی۔ اب آپ نہ بیعت کی درخواست کریں اور نہ تعویذ کی وطن واپس جا کر دونوں کی درخواست کریں جیسے مناسب ہو گا جواب دیا جاویگا اور بیعت بھی خط کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے پہلے بذریعہ خط مجھ سے معلوم کرنا چاہیئے تھا سب ہی باتیں بے قاعدہ اور بے اصول ہیں۔ پیسہ تو خرچ ہوتا ہے دوسروں کا اور جی دکھتا ہے میرا کیونکہ مسلمانوں کے پاس پیسہ ہے کہاں ہر شخص کو پیسے کو عزیز رکھنا چاہیئے جہاں چاہتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں صرف کر ڈالتے ہیں میرا تو کوئی نقصان نہیں انہیں لوگوں کو نقصان سے بچانا چاہتا ہوں۔ ایک شخص گیا سے آئے تھے محض تعویذ کے لئے۔ میں نے تعویذ نہیں دیا۔ میں نے کہا کہ گیا جا کر تعویذ بذریعہ خط منگاؤ بعض احباب نے پوچھا کہ اس میں کیا مصلحت ہے میں نے کہا کہ سب سے جا کر یہ قصہ کہیں گے دوسرے مسلمان نقصان سے بچیں گے اور اگر تعویذ کر دیا تو وہاں جا کر یہ کہیں گے کہ گو خفا تو ہوئے مگر کام تو ہو گیا بس پھر یہی سبق سیکھ لیں گے۔ لوگوں کا عجیب حال ہے کہ قاعدہ سے دم نکلتا ہے اور گیپڑ سیپڑ میں چاہے کتنی ہی تکلیفیں ہوں خوش ہیں۔ اگر قاعدہ کی بات نہ کہوں اور کام کو ٹالتا رہوں اور اس میں ایک مہینہ گذار دوں تو خوش اخلاق رہوں لیکن اگر صاف کہدوں کہ کسی کو دھوکا نہ ہو تو بس پھر لڑائی ہے۔ بدنامی ہے دوسری جگہ اکثر یہی ہوتا ہے کہ مہینوں ہفتوں الجھائے رکھتے ہیں مگر خوش رہتے ہیں۔ نہ کوئی ان کو بدنام کرتا ہے نہ بد اخلاق بتلاتا ہے ایسی کچھ رسمیں خراب ہوئی ہیں اور لوگوں کا مذاق برباد ہوا ہے۔

ملفوظ ۳۹۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میرے پاس نہ علم ہے نہ عمل اگر ہے تو صرف ایک چیز ہے یعنی اپنے بزرگوں کی دعا توجہ محبت شفقت۔ میں ایک مرتبہ گنگوہ حاضر ہوا حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی ہم نے تمہاری کبھی دعوت نہیں کی حضرت کے مزاج میں بے حد سادگی تھی خود انتظام نہیں فرمایا۔ صاحبزادے مولوی مسعود احمد صاحب سے فرمادیا کہ تم کھانے کا انتظام کر دو۔ اُن میں ریا نہ شان تھی۔ مطلب حضرت کا یہی تھا کہ ذرا اچھا کھانا ہو اس کی یہ صورت اختیار کی کہ صاحبزادے سے فرما دیا انہوں نے کئی قسم کا کھانا پکوایا کئی قسم کے عمدہ آم منگائے حضرت۔ بہت ہی شفقت فرماتے تھے۔ ایک صاحب نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت وہ تو (میں مراد ہوں) آپ کو بجائے شیخ کے سمجھتا ہے اور آپ اس کے ساتھ ایسا احترام

کا برتاؤ کرتے ہیں۔ حضرتؒ نے خفا ہو کر فرمایا کہ تم تو اندھے ہو ہیں تو اندھا نہیں۔ یہ فرمانا کس قدر شفقت کی دلیل ہے۔

ملفوظ: ۳۹۴ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا انتظام کیلئے منتظم کا اعتدال کی ساتھ کسی قدر سخت ہونا ضروری ہے بدون اسکے انتظام ہونا دشوار ہے۔ فلاں مدرسہ کے اندر جو فساد ہوا اس کا اصل سبب کام کرنیوالوں کا ڈھیلا پن ہے جو مشورہ میں نے دیا تھا اس کو منتظمان مدرسہ پورا نہ کر سکے ورنہ ایک دم تمام فساد خدا کے فضل سے ھباءً منثوراً ہو جاتا۔ کام قوت قلبی سے ہوتا ہے محض ظاہری سامان سے کام نہیں ہو سکتا۔ میں نے ایک ایسے ہی موقع پر خود حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کو لکھا تھا اس زمانہ میں اہل قصبہ کی طرف سے مدرسہ میں فساد ہوا تھا اہل قصبہ یہ چاہتے تھے کہ ایک آدمی ہمارا بھی ممبر ہو اور حضرتؒ منظور نہ فرماتے تھے۔ میں نے لکھا کہ اس کو منظور فرما لیا جاوے کثرت تو پھر بھی حضرتؒ ہی کے خدام کی رہے گی ورنہ مدرسہ ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ حضرتؒ نے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ نااہل کو ممبر بنانے میں ہم پر مواخذہ ہوگا اور اب اس فساد کے وہ خود ذمہ دار ہیں اگر مدرسہ ٹوٹ جائے ٹوٹ جائے ہم کو خدا تعالیٰ کی رضا مقصود ہے مدرسہ مقصود نہیں۔ ہم نااہل کو ممبر نہیں بنا سکتے۔

ملفوظ: ۳۹۵ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ سواد اعظم کا مشہور مفہوم یہ ہے کہ ہر زمانہ میں جس طرف کثرت ہو۔ میں کہتا ہوں یہ مراد نہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ خیر القرون میں جس عقیدہ کی طرف کثرت تھی کیونکہ اس وقت اہل باطل کم تھے اہل خیر زیادہ تھے اس وقت کسی طرف کثرت ہونا علامت تھی اس کے حق ہونے کی۔ اور اس وقت کا سواد اعظم مراد نہیں اور وہ بھی عقائد میں کثرت مراد ہے آراء میں کثرت مراد نہیں جیسا اس وقت جمہوریت کو قبلہ و کعبہ بنا رکھا ہے اور شاورھم فی الامر سے استدلال کیا جاتا ہے اور اس کے فیصلہ کے لئے بڑی بات یہ ہے کہ صحابہ کا یہی عمل تھا ان سے زیادہ قرآن کو کون سمجھ سکتا ہے۔ دیکھئے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مشورہ کیا مانعین زکوٰۃ سے قتال کرنے میں تمام صحابہ ایک طرف تھے اور تنہا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک طرف تھے۔ پھر دیکھو کیا عمل ہوا اور جو لوگ جمہوریت کے مدعی ہیں اخیر میں وہ بھی شخصیت ہی سے کام لیتے ہیں چنانچہ یہ معلوم ہوا ہے کہ اختلاف کے وقت ویسرائے کو اختیار ہوتا ہے کہ جس شق پر چاہے عمل کرے۔ اسی طرح بادشاہ کو اختیار ہے کہ جب چاہے پارلیمنٹ کو توڑ دے۔ غرض سب کو اسی طرف آنا پڑا آخر میں شخصیت ہی رہ جاتی ہے خود ہی جمہوریت والے کثرت والے چاہتے ہیں کہ ہماری شخصیت رہے یہ قدرتی بات ہے۔ قانون قدرت کو کون مٹا سکتا ہے پھر اگر کثرت بھی معتبر ہوتی تو مطلق کثرت تو نہیں اہل کی کثرت ہوتی اور وہ بھی جب غلو ذہن کی حالت میں ہو یہاں دونوں باتیں نہیں۔ اب یہ میری کا تعمہ ہے دوسروں کو گھر سے بھگا کر لاتے ہیں کر میں

یہ کہوں گا تم تائید کرنا یہ تو غلو ذہن کی حالت ہے اور اہلیت کی یہ کیفیت ہے کہ ایک شخص کا پورہ ہیں تھے۔ وہ ایک مالدار شخص کو بنا کر لائے کہ جو میں کہوں گا اس کی تائید کرنا یہ کہنا کہ میں تائید کرتا ہوں جب وقت آیا تو کہتا ہے کہ میں تردید کرتا ہوں پھر انہوں نے اشارہ کیا تو کہتا ہے کہ میں تا حید کرتا ہوں۔ پھر اشارہ کیا تو کہا میں تاکید کرتا ہوں خیر غنیمت ہے کچھ تو قریب آ گئے یہ لیاقت کی حالت ہے۔

ملفوظ: ۳۹۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اصول صحیحہ پر اگر عمل ہو مخلوق کو بڑی راحت میسر ہو اور وہ اصول اور قواعد ہی کیا ہیں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ کام سب کے ہو جائیں اور تکلیف کسی کو نہ ہو۔ خدمت سے انکار نہیں مگر غلام نہیں بنا چاہتا ہر کام طریقہ سے ہوتا ہے لوگ چاہتے ہیں کہ جس طرح اور جس وقت ہم چاہیں کام ہو جائے سو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

ملفوظ: ۳۹۷ ایک صاحب کی غلطی پر حضرت والا تے مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ جب ایک بات بتلا دی گئی سمجھا دی گئی پھر اس کے خلاف کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ عرض کیا کہ حضرت نافہمی کی وجہ سے آپ کا کلام سمجھا نہیں تھا اس لئے حضرت کو تکلیف ہوئی۔ فرمایا بدفہمی اس کا اصلی سبب ہے یا بے فکری عرض کیا بدفہمی۔ فرمایا چلو بس معاملہ ہی ختم ہوا۔ بدفہمی تو غیر اختیاری چیز ہے اس کا کوئی علاج ہی نہیں ہو سکتا اگر بے فکری سبب ہوتی جو اختیاری ہے تو علاج بھی ہو سکتا تھا اور اصلاح کی امید بھی تھی اب کوئی امید نہیں۔ کہیں اور جا کر تعلق پیدا کرو۔ عرض کیا کہ میری بے وقوفی سے زبان سے نکل گیا کہ اس کا سبب بدفہمی ہے بلکہ بے فکری ہی ہے اور اب آئندہ فکر سے کام لونگا۔ فرمایا کہ یہ دو مختلف باتیں ہوئیں۔ پہلے تو بدفہمی کو سبب قرار دیا اب بے فکری سبب بتلایا ان میں سے کون سچ اور کون جھوٹ تم کو تو ایک طرف قرار ہی نہیں بدحواس کیوں بن رہے جو بات ہے دل میں ایک طرف ہو کر کہو۔ عرض کیا کہ بے فکری ہی سبب ہے۔ فرمایا کہ اب یہ بتلاؤ کہ جب تم کو بتلا دیا گیا تھا سمجھا دیا گیا تھا پھر خلاف کیوں کیا جس سے عقیدت اور محبت کا دعویٰ اس کی بات کو مغلوب کرنا پٹکنا گرانا یہ کونسی آدمیت اور انسانیت ہے۔ عرض کیا کہ دل میں تو یہ بات نہ تھی۔ فرمایا کہ کیا مجھے معلوم ہے کہ دل میں کیا تھا اور اگر بقول تمہارے دل میں نہیں تھا تو یہ نفاق ہے کہ ظاہر کچھ اور باطن کچھ۔ دل میں کچھ زبان پر کچھ۔ عرض کیا کہ غلطی ہوئی۔ فرمایا کہ اس کو غلطی نہیں کہتے اس کو نفس کی شرارت کہتے ہیں۔ نفس یہ چاہتا ہے کہ اپنی بات بڑی رہے۔ عرض کیا کہ گستاخی ہوئی۔ فرمایا کہ اب ٹھیک بات کہی ہوئی واقعی گستاخی تو تم سے ہوئی ہے اب اس گستاخی کا تدارک بتلاؤ کس طرح ہو۔ عرض کیا کہ معاف فرما دیں۔ فرمایا معاف ہے مگر معاملہ پھر باقی ہے۔ عرض کیا کہ جو حضرت تجویز فرمائیں فرمایا کہ تجویز تو میں نہیں کرتا ہاں خیر خواہی کی بناء پر مشورہ دیتا ہوں کہ تم کو مجھ سے مناسبت نہیں

اس لئے اگر تم کسی دوسرے مصلح سے تعلق پیدا کرلو یہ اچھا ہے مجھ سے تم کو نفع نہ ہوگا اگر مصلح کا پتہ پوچھو بتلا دوں گا۔ عرض کیا کہ بتلا دیجئے۔ حضرت والا نے ایک پرچہ پر مصلح کا پتہ لکھ کر ان صاحب کو دے دیا اور فرمایا کہ اگر جی چاہے تو محض کبھی کبھی بذریعہ خط میری خیریت معلوم کر سکتے ہو مگر اس کے علاوہ اور کوئی مضمون اس میں نہ ہو اور جب ملنے کو جی چاہے تو پہلے بذریعہ خط اجازت لے لینا اور یہ پرچہ اس کے ہمراہ رکھ دینا تاکہ معلوم ہو جایا کرے۔

ملفوظ ۳۹۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ لوگوں نے ہر بات کا ایک ڈھونگ بنا لیا ہے۔ سیدھی بات ہے کہ جو دل میں ہو صاف کہہ دیں میں کوئی ایسی مشکل بات نہیں بتلاتا کہ جس کو کوئی کر نہ سکے نہایت سہل بات ہوتی ہے۔ ہاں پابندی بے شک سخت ہے جیسے نماز کہ خود تو سہل مگر پابندی سخت۔

ملفوظ ۳۹۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں اپنے اس طرز پر طبعی طور پر کچھ مسرور نہیں مگر عقلی طور پر مسرور ہوں اور مجھ کو جو بدتمیزی پر اس قدر جلد تغیر ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے دل میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ ان تسخروا منا فانا نسخر منکم کما تسخرون یعنی یہ متکبرین ملاؤں کو حقیر سمجھتے ہیں اس لئے ان کو بھی حقیر کر کے دکھلا دینا چاہئے اور یہ سب اس وقت ہو سکتا ہے کہ ان کی طرف کوئی احتیاج نہ رکھی جاوے نہ سفارش کی نہ چندہ کی۔ ایسا شخص تو ان کی تبرے سکتا ہے ان کا دماغ درست ہو سکتا ہے اور یہ کام دوسرے کے بس کا نہیں۔

۲۰ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم شنبہ

ملفوظ ۴۰۰: ایک صاحب نے ایک پرچہ پیش کیا جس میں ان کتابوں کی فہرست بھی تھی جن کو وہ مطالعہ میں رکھتے تھے حضرت والا نے پرچہ ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ جی ہاں کافی ہیں مگر میرے مواعظ کو بکثرت مطالعہ میں رکھنا چاہیئے اور یہ اوراد و وظائف تو برکت کے واسطے ہیں اصلاح ان سے نہیں ہو سکتی اور ضرورت ہے اصلاح کی ان کو بھی نہ یہ مطالعہ نہ کیجئے مگر مواعظ کے دیکھنے کا زیادہ اہتمام کیجئے۔ میں اکثر دوستوں کو اس کا مشورہ دیا کرتا ہوں۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ مطالعہ مواعظ کا اصلاح کے لئے بیحد مفید ہے۔

ملفوظ ۴۰۱: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مسلمان اگر اسی پر آمادہ ہو جائیں کہ ہم کو آخرت میں سب کچھ مل جائے گا تب بھی ان کی ساری پریشانیاں دور ہو جائیں اور تمام دنیا کے

مقابلہ میں کھڑے ہو سکتے ہیں اور غیر آخرت تو بڑی چیز ہے دنیا ہی کے بہت سے مفاد ایسے ہیں کہ وہ اتفاق پر موقوف ہیں یہ تو دنیاوی کاموں کے لئے بھی اتفاق نہیں کرتے۔ اب تو حالت مسلمانوں کی نا اتفاقی کی یہ ہے کہ یہاں پر ایک مکان ہے اُس میں ہمیشہ سے قربانی ہوتی تھی یہ مکان ہندوؤں کے محلہ میں ہے اُس مکان میں ہندوؤں نے قربانی کو روکا۔ مقدمہ ہوا ایک مسلمان کو توڑ لیا۔ مسلمانوں کے خلاف اُس کی شہادت گذری قربانی اس مکان میں بند ہو گئی اور صلا کیا اُن مسلمان صاحب کو ایک اچکن کا کپڑا۔ یہ مسلمانوں کی ذہنیت رہ گئی کہ طمع سے اس قدر مغلوب ہو جاتے ہیں ایک مولوی صاحب سچ کہتے تھے کہ مسلمان خوف سے تو مغلوب نہیں ہوتا مگر طمع سے مغلوب ہو جاتا ہے۔

۲۰ ر جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

ع ۴۰۳

ملفوظ: ایک شخص نے تعویذ کی درخواست کی اور یہ نہیں بتلایا کہ کس چیز کا تعویذ۔ دریافت فرمایا کہ پوری بات کہہ چکے عرض کیا کہ جی۔ فرمایا ہماری سمجھ میں نہیں آئی اور کیا ادھوری بات کو کوئی سمجھ سکتا ہے۔ عرض کیا کہ بخار کے واسطے ضرورت ہے۔ دریافت فرمایا کہ کیا پہلے یہ کہا تھا عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا کہ پھر میں کاہے کا تعویذ دیتا۔ عرض کیا کہ غلطی ہوئی۔ فرمایا کہ اس غلطی کا نشانہ ہم کو ہی بنایا جاتا ہے۔ تم نے کبھی بازار میں سودا خریدا ہو اسٹیشن پر جا کر ٹکٹ خریدا ہو حکیم کے پاس جا کر نسخہ لکھوایا ہو دوا خریدی ہو وہاں یہ غلطی نہیں ہوتی اس غلطی کے لئے بھی ہم ملّانے ہی تختۂ مشق کو رہ گئے ہیں ان کی نہ وقعت نہ عظمت نہ محبت نہ رحم نہ انصاف۔ پھر اس رنج کی حالت میں اگر تعویذ بھی لکھ دوں تو اصول عاملین کی بناء پر کہتا ہوں کہ اس کا اثر نہیں ہوگا اس میں ضرورت ہے بشاشت کی قوت خیالیہ کو اس میں خاص دخل ہے تکدّر میں اثر نہیں ہوتا۔ بھنگی کے یہاں بھی جا کر پوری بات کہیں گے کہ جلد چل کر کمالے ہم لوگوں کو بھنگی سے بھی بدتر اور ذلیل سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کے کہیں کان نہیں کھولے جاتے اب انشاء اللہ تعالیٰ یہ دوسری جگہ بھی ادھوری بات نہ کہے گا چاہے مجھ سے خفا ہی ہو جائے پھر اس شخص کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ جلد یے۔ تو اپنا کام کرو۔ اپنا غلام سمجھ رکھا ہے کہ جس طرح چاہو اس طرح تمہاری غلامی کی جائے ایک تو خدمت لیں اور اوپر سے ستاویں نہ کوئی قاعدہ نہ کوئی قانون ہے ادھوری بات اور پھر بعض دفعہ

اکھڑ ورڈ بھی ۔ یہاں آکر ان کے دماغ درست ہوتے ہیں ۔ اور جگہ تو بڑی آؤ بھگت ہوتی ہے ۔ اسی وجہ سے دماغ خراب ہوئے ہیں ۔ چلو سب خوش اخلاق ہیں میں ہی ایک بد اخلاق سہی تاکہ اوروں کو نظر نہ لگ جائے میں ہی سب کی طرف سے دافع بلا بنا ہوا ہوں مجھے ہی ان بدفہموں اور بد دماغوں کی بھینٹ چڑھ جانے دو ۔ خوب بدنام کرو میں خدا راضی چاہیئے جو ہر مسلمان کا مقصود ہے آگے سب زوائد ہیں ۔

ملفوظ ۲۰۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ تقلید کے وجوب کا خواہ کوئی درجہ ہو مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس میں مصلحت عظیم ہے ۔

ملفوظ ۲۰۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ آج کل کی سفارش کا باب بھی مجھ کو ناپسند ہے لوگ اس کے حدود کی رعایت کر نہیں سکتے ۔

ملفوظ ۲۰۵: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میرا معمول ہے کہ میں جھگڑوں کے استفتوں پر متعارف طریق پر جواب نہیں لکھا کرتا ۔ صرف ضابطہ کا جواب دیتا ہوں ۔

ملفوظ ۲۰۶: فرمایا کہ آج ایک صاحب کا خط آیا ہے اس میں ایک خواب لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور اس کے بعد مجھ سے بیعت کی درخواست ہے اس میں جوڑ کیا ہوا پھر جنہوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہم سے تو وہ ہی اچھے ہیں ایسے اچھوں کو بروں کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی کیا ضرورت ہے افضل کو مفضول سے بیعت کرنا عجیب ہے ۔

ملفوظ ۲۰۷: فرمایا کہ تحدث بالنعمۃ کے طور پر ایک اپنا خواب بھی یاد آگیا ۔ خواب یہ ہے کہ گویا میں کانپور کی جامع مسجد میں ہوں مگر علم ضروری کی طرح یہ سمجھے ہوئے ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے ہیں ۔ میں بھی شریک ہوں اور بہت لوگ ہیں ۔ پھر یہ خیال ہوا کہ یہ شہر مکہ ہے اور حضور حجۃ الوداع میں تشریف لائے ہیں ۔ اور یہ بھی خیال ہے کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ چلا جاؤں گا اور حضور کے ارشادات سنوں گا ۔ صحبت میں رہوں گا ۔

ملفوظ ۲۰۸: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے تھی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو جس حلیہ میں بھی دیکھے وہ حضور ہی ہیں اور جو کمی دیکھے وہ اس دیکھنے والے کی کمی ہے ۔

ملفوظ ۲۰۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے اپنے بزرگوں کی دعا اور توجہ کی برکت سے میرے یہاں ہر چیز اپنی حد پر ہے میں نے اصلاح انقلاب میں مربوط دلائل سے یہ ترتیب ثابت کی ہے کہ اول ماں باپ کا حق ہے ۔ دوسرے درجہ میں استاد کا ۔ تیسرے درجہ میں پیر کا ۔ ماں باپ کی مثال اینٹ مٹی جمع کرنے والے کی سی ہے ۔ اور استاد

کی مثال مکان بنانیوالہ کی ہے۔ اور پیر کی مثال نقش و نگار کرنے والے کی ہے۔ ایک مولوی صاحب کا مقولہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نقل فرماتے تھے کہ وہ تعجب سے کہتے تھے کہ استاد شاگرد کے ساتھ کس قدر محنت کرتا ہے۔ بعض دفعہ کتابیں بھی دیتا ہے کبھی کھانا بھی دیتا ہے مگر طلباء کو اس سے اتنی گرویدگی نہیں ہوتی اور پیر لوگ چھٹے ہینے کوئی بات بتلادی اور کہدیا جاؤ مگر حالت یہ ہے کہ مریدین ان کے اشاروں پر چلتے ہیں اور اسی طرح استاد کی اتنی خدمت بھی نہیں کرتے جس قدر فقیروں اور پیروں کی کرتے ہیں۔ واقعی ٹھیک بات ہی اسی سے اندازہ کر لیا جاوے اس طریق کے محبوب ہونے کا جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ طریق الی المحبوب کی علت کا جزو اخیر ہے۔

ملفوظ ۲۸۰ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اصل چیز طلب ہے اسی طلب پر اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں جیسے بچے کو ماں کے دودھ کی طلب ہوتی ہے تو دودھ اس کے اثر سے اترتا ہے تو ماں کو ناز نہ چاہیئے کہ میں دودھ دیتی ہوں۔ دودھ خود بچہ کی طلب کا اثر ہے بچہ کو اسی واسطے عطا فرمایا ہے کہ تو بچہ کو دے البتہ بچہ کو ضروری ہے کہ وہ اس کو اپنا محسن سمجھے اسی بناء پر حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ایک بار فرمایا کہ شیخ اپنے پاس سے کچھ نہیں دیتا مرید ہی میں سب ذخیرہ ہے شیخ سے اس کا ظہور ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ لیکن مرید کو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ سبحان اللہ۔ تحقیق اور تربیت دونوں کو کس طرح جمع فرمادیا۔ واقعی اپنے فن کے امام تھے محقق تھے مجتہد تھے مجدد تھے حضرت کے فیض باطنی سے ایک عالم منور اور روشن ہو گیا سبحان اللہ کیسی ذات تھی۔

۳/ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

ملفوظ ۲۸۱ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت فلاں بزرگ کی حالت دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے شیخ نے قطعاً ان کی تربیت کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ فرمایا نری توجہ سے کیا ہوتا ہے جب تک دوسری طرف سے بھی طلب نہ ہو۔ حضرات انبیاء علیہم السلام سے تو زیادہ کسی کی توجہ نہیں ہو سکتی مگر جہاں دوسری طرف سے طلب نہیں ہوئی کچھ بھی نہ ہوا۔ عطاء کا مدار طلب پر ہے بدون طلب کے ہرگز کچھ نہیں ہو سکتا۔ عادت اللہ یہی ہے۔ اسی عدم طلب کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں انلزمکموھا و انتم لہا کارھون ادھر سے طلب اور ارادہ ہو اس طرف سے عطا ہوتی ہے۔

ملفوظ ۴۱۲: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت گنگوہ میں ایک بزرگ کا مزار ہے۔ جو امام صاحب کا مزار کہلاتا ہے۔ لوگ منتیں مانتے ہیں کہ اگر فلاں کام ہمارا ہو گیا تو ہم ان کے نام کی اس قدر مٹھائی تقسیم کریں گے کبھی وہ کام ہو بھی جاتا ہے تو وہ اس منت کا ثمرہ سمجھ کر چند دوست احباب کو ساتھ لے کر اور مٹھائی لے کر مزار پر پہنچتے ہیں۔ مٹھائی کو مزار پر رکھ کر سب مل کر فاتحہ پڑھتے ہیں اس کے بعد وہ مٹھائی وہاں سے لے کر واپس آتے ہیں اور اس مٹھائی کو بطور تبرک تقسیم کر دیا جاتا ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ فرمایا کہ جو صورت بیان کی گئی یہ تو کھلا ہوا شرک ہے وہاں لے جا کر رکھنا علامت ہے اس کی کہ عقیدہ میں فساد ہے اگر مزار پر صرف فاتحہ پڑھتے اور مٹھائی گھر پر بدون مزار پر لے جائے تقسیم کر دیتے تو گنجائش تھی اور اس وقت ان سے صرف سوال یہ کیا جاتا کہ تمہاری نیت کیا ہے۔ باقی مزار پر مٹھائی لے جانا اور اس پر رکھنا پھر واپس لے آنا یہ خاص اہتمام ظاہر ہے کہ فساد عقیدہ کی وجہ سے ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقرب الی غیر اللہ ہی مقصود ہے۔ عرض کیا کہ اجمیر میں حضرت خواجہ صاحب کے مزار پر دیگیں رکھی ہوئی ہیں ان میں جنس بھر دی جاتی ہے اور پک کر تیار ہو جانے پر لٹا دی جاتی ہے اس کے متعلق کیا حکم ہوگا۔ فرمایا کہ وہاں تفصیل کی جاوے گی اس لئے کہ وہاں یہ علامات نہیں اس لئے یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ مزار پر چڑھانا مقصود نہیں محض لٹانا مقصود ہے تو اس میں نیت کی تحقیق کے بعد حکم کیا جاوے گا۔ بخلاف سوال اول کے کہ وہاں تفصیل کی حاجت نہیں اس لئے کہ علامات شرک کی معلوم ہیں۔

ملفوظ ۴۱۳: فرمایا کہ آج ایک رسالہ آیا ہے اس میں سب بدعت کی چیزوں کو جائز لکھا ہے اور ایسے کھلم کھلا واقعات کی تاویلیں کی ہیں کہ العیاذ باللہ۔ ایک صاحب سرحدی بمبئی میں تجارت کا کام کرتے ہیں انہوں نے مجھ کو لکھا ہے کہ اس رسالہ میں تمہارا نام لکھ کر بھی بہت زہر اگلا ہے آپ اس کا جواب لکھیں۔ اور میں نے ان سرحدی صاحب کو جواب میں لکھ دیا ہے کہ جواب لکھنے سے جو آپ کا خیال ہے کہ مخالف اس کو مان لے اس کی تو امید نہیں اور جو موافق ہیں وہ اپنے دل سے پوچھ لیں جواب مل جائے گا پھر جواب کی کس کے لئے حاجت رہی پھر فرمایا کہ خدا معلوم رسالے میرے پاس کیوں بھیجتے ہیں میری پاس ان فضولیات کے لئے اتنا وقت کہاں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر سب آدمی جواب کے لئے رسالے ہی بھیجا کریں تو اتنے رسالوں کا جواب کیسے لکھا جا سکتا ہے۔ لکھنے والے نے تو صرف ایک رسالہ لکھا اور وہ بھی نہ معلوم چھ ماہ یا سال بھر میں اور لکھنے والوں کی تعداد مثلاً پچاس ہوئی تو وہ تو پچاس نے لکھے اور یہاں ایک شخص کو پچاس کا جواب لکھنا پڑا یہ کیسے ہو سکتا ہے اس کا سہل طریقہ تو یہ ہے کہ جس کا جواب خود سمجھ میں نہ آئے اس کو بصورت سوال ہم سے معلوم کر لیں۔ اور وہ بھی اس طرح کہ ایک سوال آوے اس کے جواب کے بعد دوسرا

آوے خواہ عمر بھر بھیجتے رہیں۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت صاحب رسالہ نے جیسے سب چیزوں کو جائز لکھا ہے۔ دلیلیں بھی لکھیں ہوں گی۔ فرمایا کہ اس کو کون دیکھتا ہے دلیل ہے یا نہیں چاہے ذلیل ہو اور چاہے جلیل ہو۔ فتن کا زمانہ ہے ہر شخص مصنف بنا ہوا ہے آزادی اور حریت کا زہریلا اثر قلوب میں اثر کئے ہوئے ہے دین کو کھیل بنا رکھا ہے۔ جو جی میں آیا کر لیا جو زبان پر آیا بک دیا نہ کوئی مواخذہ کرنے والا نہ محاسبہ کرنے والا ایسے لوگوں نے اپنی جاہ اور بڑائی کی وجہ سے اسلام کو بھی بدنام کیا۔ دین کے بارہ میں لوگوں میں دلیری بہت ہی بڑھ گئی ذرہ برابر خوف خدا کا اثر لوگوں کے قلوب پر نہیں رہا ان لوگوں کو بھی مشق کرنے کے لئے دین ہی رہ گیا ہے بڑا افسوس ہوتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ملفوظ: ۱۶۴ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اہل باطل میں فہم و عقل کا تو نام و نشان نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں اتباع دین سے تقوے سے طہارت سے اہل اللہ اور خادمان حق کی صحبت سے بدون اس کے عقل و فہم نہیں پیدا ہوتے۔

ملفوظ: ۱۶۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ اہل باطل بڑے ہی شریر ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ رڑکی میں تشریف فرما تھے۔ ایک شخص نے حضرت کی دعوت کی اور ایک غالی صوفی بستی میں آئے ہوئے تھے اُن کی بھی دعوت کر دی صوفی صاحب کو خبر نہ تھی کہ مجلس میں کوئی شیر بھی ہے آپ نے مثنوی کا یہ شعر پڑھا ؎

بشنو از نے چوں حکایت می کند الخ اور فرمایا دیکھئے مولانا مزامیر سننے کا حکم فرماتے ہیں اور امر کا صیغہ وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ حضرت مولانا دیر تک اُس کی واہی تباہی باتیں سنتے رہے اور گپ شپ کی برداشت کرتے رہے جب دیکھا کہ اب حد سے گذر چلا تب بضرورت مولانا بولے اور فرمایا کہ حضرت پہلے یہ تو ثابت کر دیجئے کہ مولانا کا قول حجت بھی ہے۔ یا نہیں اور قول کے حجت ہونے کے لئے سب سے پہلی شرط اسلام ہے تو پہلے مولانا کا اسلام ہی ثابت کر دیجئے۔ مولانا کو معاذ اللہ انکار کرنا تھوڑا ہی مقصود تھا بلکہ اُن صوفی صاحب کا عجز ثابت کرتا تھا کہ ہم تو اُن کا اسلام مانتے ہیں مگر تم ثابت کر دو۔ ایسے بیہودوں کا یہی جواب ہے بس پھر کہاں تھے غائب۔

ملفوظ: ۱۶۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بزرگی کا جو رعب ہوتا ہے وہ منجانب اللہ ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ونجعل لکما سلطانا اس فرمانے کے بعد ہارون علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام دونوں فرعون کے دربار میں پہنچ گئے اور ذرہ برابر بھی اُس کے دربار کی ہیبت کا ان پر اثر نہیں ہوا بلکہ خود ان کی ہیبت اور رعب کا اثر فرعون اور اس کے درباریوں پر ہوا۔ یہ ہے وہ ہیبت اور رعب جو اہل اللہ کو عطا ہوتا ہے۔ والد صاحب مرحوم نے ایک

حکایت بیان فرمائی تھی کہ ایک بادشاہ کسی درویش سے ملنے گئے خادم نے بادشاہ کو دروازہ پر روک دیا کہ بلا اجازت اندر نہیں جا سکتے۔ یہ مربلہ لوگ پیر کے سامنے کسی کی بھی حقیقت نہیں سمجھتے۔ بادشاہ کو سخت ناگوار ہوا مگر اس وقت کچھ نہیں بولا خادم نے درویش کو اطلاع دی کہ بادشاہ زیارت کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ درویش نے اجازت فرمادی کہ آنے دو۔ بادشاہ نے خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا اور جھلایا ہوا تو تھا ہی درویش سے کہا کہ درِ درویش را دربان نباید۔ بزرگ بیساختہ جواب میں فرماتے ہیں بباید تا سگِ دنیا نیاید۔ بادشاہ دم بخود رہ گیا اور کچھ جواب نہیں بن پڑا۔ ان حضرات کے قلوب میں تعلق مع اللہ کی قوت ہوتی ہے۔

ملفوظ ۴۱۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اہل اللہ کے تعلق کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے بچے کو ماں کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور بچہ سے نادان بچہ مراد ہے سو ماں کے ساتھ جو تعلق ہوتا ہے اس کے ہوتے ہوئے بچہ کو نہ شیر کا ڈر ہوتا ہے نہ بھیڑیئے کا نہ بادشاہ ظالم کا۔ بس ایسا تعلق اہل اللہ کو اللہ تعالیٰ سے ہو جاتا ہے۔ حضرت شاہ شرف الدین بو علی قلندرؒ کے ایک خادم مبارز خاں چلے جا رہے تھے ادھر سے بادشاہ کے مقرر کردہ صوبہ دار گھوڑے پر سوار ہٹو بچو کرتے ہوئے آ رہے تھے اتفاق سے حضرت شاہ صاحب کے یہ خادم نہ بچ سکے تو اس عہدہ دار نے اس خادم کے ایک طمانچہ رسید کیا اس نے جا کر حضرت شاہ صاحب سے فریاد کی حضرت کو جوش آگیا اور اسی وقت قلم دوات منگا کر ایک ردّی سے کاغذ پر بادشاہ دہلی کو پرچہ لکھا۔ مضمون یہ تھا کہ شحنۂ دہلی را اعلام آنکہ رنہ بادشاہ نہ کوئی القاب نہ آداب) پیش بریدہ۔ پس دریدہ ناحق طمانچہ بر روئے درویش کشیدہ کہ آتش از عرش رسیدہ یا بجائے او دیگر فرست یا بجائے تو دیگر رسیدہ یہ پرچہ لے کر ایک خادم دہلی پہونچا۔ بادشاہ کو اطلاع ہوئی فوراً دربار میں بلا لیا گیا اس نے بادشاہ کے سامنے حضرتؒ کا والا نامہ پیش کر دیا۔ بادشاہ پڑھ کر کانپنے لگا اور فوراً ایک شخص کو حکم دیا کہ اس سے جا کر فوراً کام لے لو اور اس کو یہ حکم دیا کہ بلا مشورہ حضرت کے کوئی کام نہ کرنا اس وقت کے سلاطین کی بھی یہ حالت تھی۔ ان کے قلب میں صلحاء و علماء کی یہ عظمت اور وقعت تھی۔

ملفوظ ۴۱۸ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ پہلے لوگ خواہ کیسے ہی تھے مگر دل صاف تھے اور آج کل تہذیب بھی ہے علم بھی ہے وظیفے بھی ہیں مگر دل صاف نہیں عجیب نہ بر بلا اثر پھیلا ہے۔ سب ہی چیزیں بدل گئیں۔ زبان بدل گئی علماء کی تقریریں بدل گئیں۔ صورتیں لباس بدل گئے عجیب فتنہ کا زمانہ ہے۔

ملفوظ ۲۱۹: ایک مولوی صاحب نے ایک مسئلہ پوچھا حضرت والا نے مسئلہ بتلا کر فرمایا کہ کتاب میں بھی دیکھ لیا جائے۔ اب مجھ کو اپنی یاد پر بھروسہ نہیں رہا اب تو جب مجھ کو خود بھی ضرورت ہوتی ہے تو میں دوسرے علماء سے پوچھ کر عمل کرتا ہوں۔ اس پر فرمایا کہ (رح) کہ جو لکھا پڑھا تھا بہانے اسے صاف دل سے بھلا دیا۔

ملفوظ ۲۲۰: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل لوگ بیعت کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں مجھ سے جو اس پر اصرار کرتا ہے میں سمجھ جاتا ہوں کہ کام کرنا مقصود نہیں محض نام کرنا ہے کہ ہمارا تعلق بھی فلاں سے ہے اور یہ ناشی ہے جاہ سے اور اس تعلق میں شرط اعظم مناسبت ہے۔ بدون مناسبت کے فیض نہیں ہو سکتا اور جاہ کے ہوتے ہوئے مناسبت کہاں۔ مجھ کو بیعت کرنے میں جس چیز کا انتظار ہوتا ہے وہ دو چیزیں ہیں ایک اعتماد اور ایک مناسبت۔ فرمایا کہ اس مناسبت کے شرط ہونے پر یاد آیا کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک عالم مرید ہونے آئے اُن کی داڑھی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ حضرت مرزا صاحب کی لطافت طبع مشہور ہے حضرت نے اُن صاحب کی صورت دیکھ کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا اور فرمایا کہو میاں کیا کہتے ہو اور کیا چاہتے ہو جلدی کہو۔ عرض کیا کہ مرید ہونے آیا ہوں۔ فرمایا کہ فیض کے لئے مناسبت شرط ہے آدمی اور ریچھ میں کیا مناسبت۔ یہ صاحب وہاں سے جھلاتے ہوئے چلدیئے کہ یہ کیا بزرگی ہے۔ مگر تھے طالب بہت جگہ پھرے مگر جیسا شیخ چاہتے تھے کہیں نظر نہ آیا تو داڑھی ٹھیک کرا کے پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے دریافت فرمایا کون ہو عرض کیا کہ فلاں شخص ہوں فرمایا ہاں دیکھو اب آدمیوں کی صورت ہوئی اب ہم مرید کر لیں گے۔ پھر فرمایا لوگ مجھ کو بدنام کرتے ہیں مگر یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ ایسا کرنے والا میں ہی اکیلا نہیں ہوں۔ مجھ سے پہلے بھی ایسے گذرے ہیں کہ محض ظاہری صورت پر عدم مناسبت کا حکم لگا دیا اور یہ کہدیا کہ فیض نہ ہوگا۔ میں تو ایسی جلدی فیصلہ بھی نہیں کرتا اپنے اس عدم تفرد پر ایک شعر یاد آیا ؎

نہ تنہا من درین میخانہ مستم | جنید و شبلی و عطار شد مست

ملفوظ ۲۲۱: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بعض وقت ان حضرات پر کسی حال کا غلبہ ہو جاتا ہے اس کی وجہ سے کسی خاص علم سے ذہول ہو جاتا ہے علم سلب نہیں ہوتا ایسے بہت سے بزرگ گذرے ہیں کہ غلبہ کے وقت ذہول ہو گیا اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ وہ حضرات معذور ہیں۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی علامہ سو رہا ہو تو علم اُس کا سلب تھوڑا ہی ہو گیا جس وقت اٹھے گا ویسا ہی علم ہوگا جیسا تھا یا کسی علامہ کو نشہ کی چیز کھلا دے جاوے تو اس نشہ کی حالت میں تو ایک عامی اور علامہ برابر مگر جب نشہ اتر جائے گا پھر اس کے ویسے ہی علوم موجود۔ بس

وہ غلبہ بھی ایسا ہی ہوتا ہے جیسے نیند یا نشہ جو اکثر ہر وقت نہیں رہتا لیکن اگر ہر وقت کسی پر رہے وہ ہر وقت معذور ہے۔ کا بندرہ میں ایک عالم تھے ان پر فالج کا مرض پڑا یہاں تک نوبت ہوئی الحمد شریف تک یاد نہ رہی تھی جب مرض سے کچھ افاقہ ہوا تو انہوں نے الحمد شریف سبقاً سبقاً یاد کی اور یاد ہونے کی خوشی میں ان کے بھائی نے ایک بڑی معقول رقم کی مٹھائی تقسیم کی تھی پھر تھوڑے عرصہ میں جب مرض کا اثر بالکل جاتا رہا پھر ویسے عالم تھے تو ایسا ہو جاتا ہے۔ یہ معذوری ہی کہلائیگی بعض بزرگوں کے اس قسم کے حالات ہوئے ہیں۔ ایک بزرگ کے حال میں لکھا ہے کہ ان کے مکان میں ایک درخت تھا مگر وہ بھول گئے ایک روز گھر والوں سے پوچھا کہ یہ اتنا بڑا درخت کہاں سے آگیا گھر والوں نے عرض کیا کہ یہ تو بہت عرصہ سے ہے فرمایا کہ مجھ کو یاد نہیں ایسے بہت سے واقعات ہیں۔ حضرت شیخ عبد الحق ردولوی رحمتہ اللہ علیہ نے تیس برس تک باجماعت جامع مسجد میں نماز پڑھی مگر راستہ جامع مسجد کا یاد نہیں ہوا۔ بختیار آپ کا خادم آگے آگے حق حق کرتا جاتا تھا اس آواز پر جامع مسجد تشریف لے جاتے اور تشریف لے آتے مگر باوجود اس قدر غلبہ اور استغراق کے جماعت کا اہتمام رہا اور جماعت تو بڑی چیز ہے خلاف سنت بھی کبھی کوئی فعل صادر نہ ہوا۔ سو کاملین سے تو غلبہ حال میں ذہول اور بھول تو ہوئی ہی مگر کوئی کام خلاف شرع نہیں ہوا اور غیر کامل سے ایسا بھی ہوتا ہے مگر معذور ہے۔

ملفوظ ۲۲۲: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بعض بزرگوں سے مجرد سماع کا سننا ثابت ہے اور بعض سے مزامیر منقول ہے اس کی کیا حقیقت ہے فرمایا کہ مزامیر کے ساتھ سننا تو کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں۔ اور اگر فرضاً ہو بھی تو وہ غلطی اجتہاد کی ہے۔ اور ایک عام جواب ہے غلبۂ حال۔ مگر یہ تو محض تالونی جواب ہے جو بعض جگہ چلتا ہے بعض جگہ نہیں چلتا مگر حال میں یہ حضرات ان رسوم متعارف کے پابند نہ تھے۔ ایک مرتبہ حضرت سلطان جی نے فرمایا کہ کچھ سننے کو جی چاہتا ہے کسی کو بلاؤ اتفاق سے اس وقت کوئی قوال نہیں ملا۔ عرض کیا گیا کہ کوئی ملا نہیں فرمایا کہ اچھا مولانا حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ کے مکتوبات لاؤ۔ مکتوبات لائے گئے۔ ان میں سے ایک مکتوب پڑھ کر سنایا گیا یہ مکتوب ایسا نہ تھا جس میں کوئی نظم ہو نہ کوئی خاص شورش کا مضمون تھا اس کے شروع میں اس قسم کی عبارت تھی۔ از خاکپائے درویشان دگرد راہ ایشان۔ بس اس کو سن کر حضرت سلطان جی پر وجد طاری ہو گیا اور تین دن تک وجد رہا مگر اس حالت وجد میں نماز تو کیا ترک ہوتی کوئی فعل خلاف سنت بھی سرزد نہ ہوا ان حضرات کی یہ حالت تھی ؎

کسانیکہ یزداں پرستی کنند　　بر آواز دولاب مستی کنند

ان حضرات کو ستار اور ڈھولک پر کیا وجد ہوتا اور اس میں کیا حظ ہوتا اور نہ ان کو حظ مقصود تھا

میں نے صوفیہ کی ایک مجلس میں بسبیل گفتگو یہ کہا تھا کہ حضرت سلطان جی قدس سرہ نے سماع کے شرائط بیان کئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ چار شرطیں ہیں سامع ۔ مسمع ۔ مسموع ۔ آلہ سماع ۔ سامع از اہل دل باشد از اہل ہوا و شہوت نباشد ۔ مسمع مرد تمام باشد زن و کودک نباشد ۔ مسموع مضمون ہزل و فحش نباشد ۔ آلہ سماع چنگ و رباب در میان نباشد ۔ اب فرمائیے ان قیود اور شرائط کے بعد کیا پھر بھی کوئی شبہ باقی رہتا ہے نہ مشائخؒ پر نہ علماء پر ۔ باقی اگر ان حضرات سے یعنی مشائخؒ سے یا علماء سے کسی کو بغض و عداوت ہی ہو وہ مخاطب نہیں ۔ کیا محض خوش آوازی کو حرام کہا جا سکتا ہے ۔ مثلاً کوئی شخص قرآن شریف اچھی آواز سے پڑھے کون ممانعت کرے گا ۔ ان شرائط کے ساتھ اگر کسی پر کوئی کیفیت ہو جائے اس پر کیا ملامت خشک لوگ کیا جانیں جس کے قلب پر گذرتی ہے وہی جانتا ہے ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ وضو فرما رہے تھے ایک عورت کے رونے کی آواز آئی اس کا بچہ مر گیا تھا حضرت مولانا بے چین ہو گئے اور یہاں تک حالت طاری ہوئی کہ قریب تھا کہ زمین پر گر جاتے ۔ باقی ان حضرات کی قلبی کیفیات پر اعتراض کر دینا بہت آسان ہے مگر ضرورت سمجھنے کی ہے ۔ دوسرا واقعہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا اور ہے ۔ آپ اجمیر تشریف فرماتے ایک روز راستہ سے گذر رہے تھے ۔ ایک دکان سے موسل سے دھان کوٹنے کی آواز آئی اس آواز کو سن کر وجد طاری ہو گیا اور سڑک پر گر گئے یہ کیفیات اور حالات قلبی ہیں جو غیر اختیاری ہیں اس میں یہ حضرات معذور تھے ۔ میں نے ایک رسالہ لکھا ہے اس میں بزرگان طریق خصوص چشتیہ کی نصرت کی ہے اور ان حضرات کا خود ان کے اقوال اور افعال سے متبع سنت اور متبع شریعت ہونا ثابت کیا ہے غلبۂ حال کے وقت ان حضرات کا معذور ہونا بھی ثابت کیا ہے اس رسالہ کا نام ہے السنۃ الجلیۃ فی الچشتیۃ العلیہ ۔ میں نے غالباً اس میں غلبۂ حال کی نظیر میں اپنے اوپر گذرا ہوا ایک واقعہ بھی لکھا ہے وہ یہ کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ دوپہر کی گاڑی سے ایک مہمان آ گئے ان کی وجہ سے میں دوپہر کو آرام نہ کر سکا بعد نماز ظہر جب ڈاک کے جوابات لکھنے بیٹھا تب نیند کا غلبہ ہوا اور وہ ایسی شان کا تھا کہ اگر گفتگو کرتا ہوں تو کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا تھا اور جہاں خطوط لکھنا شروع کئے نوم کا غلبہ لیکن لکھتا برابر رہا مگر لکھنے کے بعد جب نظر ثانی کرتا تب معلوم ہوتا کہ غلط لکھا گیا پھر اس کو کاٹ کر لکھتا اس روز کتنے ہی خطوط میں یہ گڑبڑ ہوئی اور کانٹ چھانٹ کرنی پڑی تو جب ادنیٰ سے نوم کے غلبہ کی یہ حالت ہو گئی تو جن حضرات پر کسی اعلیٰ درجہ کی حالت کا غلبہ ہو ان کی کیا کیفیت ہو گی اسی کی تعبیریں ہیں سکر و غیبت و استغراق و محویت ۔ ان کی حالت اس کا مصداق ہوتی ہے ؎

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند

اسی غلبۂ حال میں ایک درویش نے ریاست رامپور میں خودکشی کر لی تھی۔ ہمارے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بار موجز کے درس میں مشغول تھے اور ہم چند طلبہ حاضر خدمت تھے۔ اثناء درس میں ایک رامپوری طالب علم مظہر الدین نامی نے حضرت سے اس کا قصہ عرض کر کے یہ بھی سوال کیا کہ حضرت اس خودکشی پر اس درویش کو گناہ ہوا یا نہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ جا بندۂ خدا اس نے تو محبت میں جان دیدی اور تو یہی پوچھ رہا ہے کہ گناہ ہوا یا نہیں ایسے شخص پر کیا فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔ پھر اسی معذورؒ کی تائید میں ایک استدلال کیا وہ یہ کہ حدیث شریف میں آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی توبہ سے اس قدر خوش ہوتا ہے کہ ایک شخص اونٹ پر زاد راہ رکھ کر سفر میں چلا کسی منزل پر پہنچ کر اونٹ کو پاس کھڑا کر کے سو گیا وہ اونٹ مع سامان چلدیا اب دفعتہً اس مسافر کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اونٹ غائب اب حالت اس کی معلوم ہے کہ سفر کا تھکا ماندہ چلنا دشوار۔ سرمایہ اور زاد راہ کچھ پاس نہیں کوئی اس پاس امداد کرنے والا نہیں۔ غرضکہ زیست کے تمام اسباب مفقود ہیں اس حالت میں وہ مایوس ہو کر مرنے کے لئے تیار ہو کر پھر سو گیا۔ پھر جو دفعتہً آنکھ کھلی تو دیکھتا ہے کہ اونٹ مع سامان موجود ہے اس شدت فرح میں کہتا ہے اللھم انت عبدی و انا ربک۔ اس کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اخطأ من شدۃ الفرح دیکھئے اس حدیث میں اس کے اس خطا پر نکیر نہیں فرمایا گیا جس سے معلوم ہوا کہ وہ شرعاً معذور ہے اس پر کوئی مواخذہ نہیں گناہ نہیں شدت فرح میں لغزش ہو گئی۔

اسی بناء پر ابن القیم اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ فرح اور غضب کے وقت انسان معذور ہوتا ہے لیجئے یہ چشتی بدنام ہیں کہ بدعت کے موجد ہیں اب حدیث اور شارح حدیث کو کیا کہو گے اسی طرح حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ فرمایا سبحانی ما اعظم شانی۔ مریدوں نے فرمایا کیا کہ حضرت آپ نے یہ کیا فرمایا۔ فرمایا کہ اگر میں ایسا کہتا ہوں تو واقعی کفر ہے اگر اب کے ایسا کہتا تو مجھ کو قتل کر دینا اگر دوکاندار ہوتے تو کیا ایسی بات کی اجازت فرماتے کیا دوکاندار شخص ایسا کر سکتا ہے۔ مرید بھی ایسے ہوتے تھے کہ ذرا کوئی بات شیخ کی خلاف شریعت دیکھی فوراً امر بالمعروف کر دیا آج کل سی حالت نہ تھی کہ ایسے الفاظ سے اور مریدین کا اعتقاد بڑھتا ہے۔ غرضکہ مریدین نے چھریاں تیار کر لیں شیخ پر پھر غلبہ طاری ہوا اور سبحانی ما اعظم شانی زبان سے نکلا مریدین نے چہار طرف سے چھریاں مارنا شروع کیں اب تماشہ یہ ہوا کہ جس مقام پر شیخ کے جسم پر چھری مارتے ہیں لوٹ کر اسی جگہ اپنے جسم پر چھری لگتی ہیں تمام مریدین زخمی ہو گئے شیخ کو افاقہ ہوا تو دیکھا کہ تمام زمین پر پڑے تڑپ رہے ہیں دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہوا عرض کیا گیا کہ واہ حضرت اچھی تدبیر بتلائی ہمکو تو ہلاک ہی کیا ہوتا اور سب قصہ بیان کیا فرمایا کہ

اگر یہ بات ہے تو بس معلوم ہوا کہ میں نہیں کہتا کوئی اور کہتا ہے کہ جس پر کوئی حملہ نہیں کر سکتا پھر اس کی نظیر ایک آیت سے بیان کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جس وقت اپنی بیوی کو لیکر چلے اور کوہ طور کے قریب منزل پر ٹھہرے اور آگ کی ضرورت ہوئی تو ایک درخت پر آگ نظر آئی آپ آگ لینے گئے تو اس درخت میں سے آواز آئی ان یٰموسیٰ انی انا اللّٰہ رب العٰلمین الآیہ تو کیا وہ نداء درخت کی تھی سو جب ایسی آواز درخت میں پیدا ہو سکتی ہے سو اگر منصور اور بایزید میں پیدا ہو جاوے جو درخت سے کہیں زیادہ مظہر ہے تو اس میں استبعاد کیا ہے نیز ایسے فتوے اکثر معاصرین نے دئے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ معاصرین کو اکثر حسد ہوتا ہے۔ مشہور ہے کہ معاصرت اصل منافرت ہے چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ جبتک کوئی زندہ ہے لوگ اسکے درپے رہتے ہیں اور جہاں وہ مرگیا رحمۃ اللہ علیہ ہو گیا اور جب زیادہ زمانہ گذر گیا تو قدس سرہٗ ہو گیا آخر اس کی کیا وجہ کہ زندگی میں ہمیشہ ایک شخص سے غیر معتقد۔ بس یہ غیر معتقد ہونا ہم عصری کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن خود یہ بناء ہی لغو ہے کیا محض معاصرۃ کمال کے منافی ہے ظاہر ہے کہ نبوت ختم ہوئی ہے ولایت ختم نہیں ہوئی اور اگر لوازم بشریہ کا صدور ضعف اعتقاد کا سبب ہے تو سمجھ لو کہ اللہ والے فرشتے تو ہوتے نہیں کہ نہ کھائیں نہ پئیں نہ ہنسیں نہ بولیں افعال بشریہ تو سب میں کچھ نہ کچھ ہوتے ہی رہیں کسی میں کم کسی میں زیادہ۔ سب میں بڑا اولوالعزم اور محترم اور برگزیدہ طبقہ انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ کیا افعال بشریہ افعال فطریہ ان سے صادر نہ ہوتے تھے مثلاً کسی پر غصہ ہے کسی پر نرمی ہے خود حدیث شریف میں یہ دعاء ہے اللھم انی اتخذ عندک عھداً لن تخلفنیہ فانما انا بشر فایما مؤمن اٰذیتہ او شتمتہ او جلدتہ او لعنتہ فاجعلھا لہ صلوۃ وزکوۃ وقربۃ تقربہ بھا الیک۔ اپنی اپنی شان کے موافق افعال بشریہ سب ہی میں ہوتے ہیں۔ پھر اسی سلسلہ میں کہ انا الحق کہنا جن کا واقعہ ہے یہ منصور مشہور ہو گئے ہیں حسین ابن منصور ہیں۔ ایک وزیر ان کا کسی وجہ سے دشمن ہو گیا تھا اس نے علماء سے استفتاء کیا علماء نے سوال کے مطابق فتویٰ دے دیا ان پر بھی کوئی الزام نہیں ایک شخص صورت سوال لکھ کر حکم معلوم کرتا ہے علماء کا تو یہی کام ہے کہ وہ حکم شرعی ظاہر کر دیں اگر شبہ ہو کہ فتویٰ لکھنے والوں کی نسبت مولانا رومی فرماتے ہیں۔

چوں قلم در دست غدارے فتاد   لاجرم منصور بردارے فتاد

جواب خود اسی شعر میں ہے غداراں نہیں فرمایا کہ اہل فتویٰ مراد ہو سکیں غدار فرمایا ہے سو ایک شخص مراد ہو سکتا ہے ممکن ہے کہ وزیر مراد ہو اور چونکہ تنفیذ عقوبت کی اس کے حکم سے ہوئی اس لئے اس کے قلم کی طرف نسبت کی گئی تو فتویٰ میں وہ علماء کو بھی معذور سمجھتے ہیں اور اس ایک مستفتی کی وجہ سے واقعہ کا ہونا بیان فرماتے ہیں۔ غرض اہل طریق سے بدگمانی نہایت خطرناک بات ہے۔ یہی حاصل ہے اس تمام تقریر کا۔

ملفوظ ۴۲۳: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر تاویل کی جائے تو پھر کوئی بھی مواخذہ کے قابل نہیں رہتا تاویل میں تو بڑی وسعت ہے۔ فرمایا کہ تاویل اور توجیہ کا بھی ایک معیار ہے۔ ایک وہ شخص ہے جس کی غالب حالت صلاحیت کی ہے دین کا مطیع ہے۔ عقائد صحیح ہیں ایسے شخص سے اگر کوئی غلطی ہو جائے وہاں تاویل واجب ہے اور جہاں فسق و فجور کا غلبہ ہے وہاں تاویل نہ کی جاوے گی۔ اور مستحقین تاویل کی شان میں اگر تاویل بھی نہ کی جاوے تب بھی کف لسان واجب ہے گو ان کا معتقد ہونا بھی واجب نہیں جیسے شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ہیں یا بایزید رحمۃ اللہ علیہ ہیں ان کا معتقد ہونا واجب نہیں۔ مگر گستاخی بھی محل خطر ہے اور خطر بھی ایسا جس کو امام غزالی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ اہل طریق سے بدگمانی کرنے میں اندیشہ سوء خاتمہ کا ہے اور اگر کچھ نہ کہو تو کچھ اندیشہ نہیں تو بہتر صورت یہی ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ کچھ نہ کہو گو یہ بھی ضروری نہیں کہ معتقد ہو جاؤ بس نہ معتقد ہو اور نہ کچھ بے جا کلمہ کہو اسی میں خیر ہے اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص امیر ہو اس کے امیر ہونے کا کوئی معتقد نہ ہو لیکن اگر یوں کہے کہ وہ غریب ہے مفلس ہے یہ جھوٹ ہوگا اور موجب ایذاء بھی۔ سو معتقد نہ ہونا جرم نہ تھا جھوٹ بولنا جرم ہے اسی طرح اگر کوئی ان حضرات کا معتقد نہ ہو کوئی جرم نہیں لیکن بُرا بھلا کہنا یہ بڑی خطرناک بات ہے ہمارے بزرگوں کا تو مذہب یہ ہے کہ وہ افراط و تفریط کو پسند نہ فرماتے تھے۔ بجز منصوص علیہ حضرات کے کسی خاص بزرگ کا نہ معتقد ہونا فرض ہے اور نہ بُرا بھلا کہنا جائز۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ارشاد اس باب میں یاد آیا فرمایا تھا الغائب حجتہ معہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ پر بعض خشک علماء بڑا ہی سب و شتم کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی کیا ضرورت ہے کہ بُرا بھلا کہا جائے۔ فصوص کو نہ مانیئے فصوص کا ماننا فرض نہیں مگر نصوص کا ماننا فرض ہے اور نصوص کا حکم ہے کہ بدون دلیل شرعی یقینی کے کسی کو بُرا بھلا کہنا جائز نہیں اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ مصلح اور مفتی میں سب چیزیں ہونا چاہئیں۔ قرآن بھی۔ حدیث بھی فقہ بھی تصوف بھی پھر انشاء اللہ تعالیٰ ایسا شخص حدود پر رہ سکتا ہے جامع نہ ہونے کی وجہ سے کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہو ہی جاتی ہے محقق اور جامع موقع اور محل کو دیکھتا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ وہ فقیہ بھی صوفی بھی ہو محدث بھی ہو مفسر بھی ہو۔

ملفوظ ۴۲۴: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ان غالی اور جاہل صوفیوں نے تصوف کو بدنام کیا یہ لوگ اپنی بے اعتدالیوں سے امت میں کفر پھیلاتے ہیں۔ ایک اسلامی ریاست میں مشائخ نے فصوص کو داخل نصاب کر رکھا ہے۔ اس کا جو نتیجہ ہوگا ظاہر ہے

اس لئے کہ پڑھنے والے جاہل ہوں گے پڑھانے والے نذر علی نذر۔ اب جس کو دیکھو ہمہ اوست ہانک رہا ہے بھلا کوئی پوچھے کہ ایسی حالت میں اس کتاب کو سمجھے گا کون۔

ملفوظ ۴۲۵: ایک سلسلہ گفتگو میں جس میں اپنے بزرگوں کی شان رحمت کا تذکرہ تھا فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کچھ لوگ اہل علم جمع تھے اور اہل بدعت فرقوں کے اقوال کو بغرض ان کی تکفیر کے نقل کر رہے تھے اور حضرت تکفیر سے بچانے کے لئے ان کی تاویل فرما رہے تھے سب کو لاجواب کر کے اخیر میں فرمایا کہ میاں کیا کافر کافر لئے پھرتے ہو (اس وقت حضرت پر رحمت کا جوش تھا) بعضے وہ لوگ جن کو تم دنیا میں کافر قطعی سمجھتے ہو قیامت میں دیکھو گے کہ بخشے جائیں گے اور وہ واقع میں کافر نہ ہوں گے مگر ایمان ان کا ایسا خفی ہوگا کہ بجز حق تعالیٰ کے اس کا کسی کو علم نہ ہوگا چنانچہ حدیث میں ہے کہ جب انبیاء اولیاء صلحاء علماء کی شفاعت ختم ہو جائے گی اس وقت حق تعالیٰ ایک گروہ کو یہ ارشاد فرما کر کہ سب شفاعت کر چکے اب ارحم الراحمین باقی ہے دوزخ سے آزاد فرمائیں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے ایمان کا علم نہ انبیاء کو ہوگا نہ اولیاء کو ہوگا نہ صلحاء کو نہ علماء کو اسی وجہ سے ان کی شفاعت نہ کر سکے اس گفتگو کے بعد جو ایک شیخ کی شان انتظام کی ہوتی ہے اس کا ظہور ہوا اور فرمایا کہ اگر ڈرانے دھمکانے کے لئے کبھی کبھی کافر کہدیا کرو تو کوئی حرج بھی نہیں۔

ملفوظ ۴۲۶: ایک نووارد صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ میرا اتباع کیا جاوے اور میں کسی کا اتباع نہ کروں۔ اب غور کیجئے کہ میں سب کا اتباع کیسے کر سکتا ہوں اس لئے کہ ایک کا پچاس آدمی اتباع کر سکتے ہیں مگر پچاس کا اتباع ایک آدمی نہیں کر سکتا اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک غلام اور دس آقا ایک ہی وقت میں اس ایک غلام سے مختلف مقامات کے متعلق سب کہیں کہ دس بج کر دس منٹ پر حاضر ہو جاؤ یا ایک کہے کہ کھڑے ہو جاؤ۔ دوسرا کہے لیٹ جاؤ تیسرا کہے الٹے کھڑے ہو جاؤ چوتھا کہے کہ دوڑ کر بازار پہونچو۔ پانچواں کہے کہ حقہ بھر لاؤ وغیرہ۔ یہ سب پر کیسے عمل کرے۔ اہل شرک کی اسی حالت کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں ضرب اللہ مثلا رجلا فیہ شرکاء متشاکسون ورجلا سلما لرجل ھل یستویان مثلا۔ یعنی مشرک تو بہت سے خداؤں میں پھنسا ہوا ہے اور موحد صرف ایک خدا کا ماننے والا ہے دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ غرض میں پچاس کا اتباع نہیں کر سکتا یہ پچاس جو ہونگے پچاس خیال کے پچاس طبیعتوں کے۔ ہاں پچاس کا کام تو کر سکتا ہوں مگر پچاس کا اتباع مشکل ہے اور وہ پچاس میرا تنہا کا اتباع کر سکتے ہیں۔ مگر میں تو اس پر بھی اپنا اتباع نہیں کراتا۔ صرف اصول صحیحہ کا اتباع خود بھی کرتا ہوں اور دوسروں سے بھی ان ہی اصول صحیحہ کا اتباع چاہتا ہوں

میرے یہاں تو نہایت آزادی ہے خدمت سے انکار نہیں مگر شرط یہ ہے کہ طریقہ سے ہو......
لوگ چاہتے ہیں کہ بے اصول گڑبڑ سڑبڑ جس طرح ہم چاہیں ویسے یہ خدمت کرے سو یہ محال ہے اگر
یہ بات پسند ہے تو کہیں اور جاؤ ایسے بھی بہت ہیں جو تمہاری غلامی کریں گے۔ یہاں پر تو بحمداللہ ہر
کام بات اصول کے تابع ہے اس کو لوگ سختی سمجھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ سختی ہی سہی جہاں نرمی ہوتی ہو
وہاں جاؤ۔ گھر سے چلتے ہیں اپنی غرض لے کر اور پھر متوقع ہوتے ہیں کہ ملانے ہماری غلامی کریں یہ
سب رسمی پیروں کے بگاڑے ہوئے ہیں۔ یہاں پر پیری مریدی کچھ نہیں یہاں تو طالب علمی ہے اگر ہزار
دفعہ خوشی پڑے آؤ اور اتباع کرو اور جوتیاں کھاؤ ورنہ اپنے گھر بیٹھو بلانے کون گیا تھا بلا وجہ بیٹھے
بٹھلائے آکر ستاتے ہیں۔ ان بدفہموں نے پریشان کر دیا خدا معلوم دنیا سے عقل اور فہم رخصت ہی ہوگئے
ساری دنیا کوڑ مغزوں سے بھر گئی سیدھی اور صاف بات کہتے ہوئے موت آتی ہے دم نکلتا ہے زبان کٹتی ہے
سارا آوا کا آوا ہی خراب ہوگیا اب کہاں تک ان حرکات پر صبر کروں آخر کوئی حد بھی ہے۔ جو آتا ہے باون
ہی گز کا آتا ہے ان حرکات کی بدولت اپنا تو کیا کام کرتے مجھ کو بھی میرے کام سے رکھا۔ پھر ان
نووارد صاحب سے فرمایا جاؤ اٹھو سامنے کسی دوسرے وقت آدمی بن کر آنا جانور بن کر کہیں نہ جانا چاہئے
جیسے سانڈ آزاد ہوتا ہے کہ کسی کے سینگ مار دیا کسی کا کھیت کھا لیا نہ کوئی کہنے والا نہ سننے والا مگر
یہاں ایسے سانڈوں کے علاج کے لئے بہت کچھ سامان ہے سر تک نہیں ہلا سکتے۔ لونڈوں کا کھیل
بنا رکھا ہے۔ میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ جہاں کسی نے ہاتھ میں تسبیح لے لی بس اس کو بے حس اور
بت سمجھتے ہیں کہ اس کو کچھ خبر نہیں ہوتی خواہ ہاتھ جوڑ کر سجدہ کر لو اور چاہے جوتے رسید کر دو۔ فانی
فی اللہ ہیں ان کو کیا خبر ان کو کسی چیز کا احساس نہیں رہتا بس یہ اعتقاد ہے پھر فرمایا کہ ان بیچاروں
کا بھی قصور نہیں روک ٹوک کہیں ہے ہی نہیں آج ساری عمر میں پہلی بار یہ باتیں ان کے کانوں میں
پڑی ہوں گی اور یہ مجھ سے تو چاہے خفا رہیں یا خوش مگر انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ دوسری جگہ بھی
ایسی حرکت نہ کریں گے بلا سے مجھ کو تکلیف ہوئی اور مسلمان تو ایسے موذی کی اذیت سے نجات پائیں گے
اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ میں دوسرے مسلمانوں کا وقایہ ہوں مجھ کو تو انشاء اللہ اسی وقایہ ہونے میں
ثواب ملتا ہوگا گو وہ شخص ساری عمر بھی نہ ملے جس کی وجہ سے ثواب ملا۔

ملفوظ ۴۲۷ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایک صاحب کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نامزد حضور
کی تصویر ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے اس کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے۔ فرمایا کہ حضرت
مولانا شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے زمانہ میں بھی ایسی ہی بات پیش
آئی تھی۔ ایک شخص نے آکر حضرت شہید صاحبؒ سے سوال کیا کہ میرے پاس ایک تصویر ہے جو حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ نامزد ہے اس کے ساتھ کیا معاملہ اور کیا برتاؤ کروں فرمایا معاملہ کیا ہوتا حضور کے نامزد

ہونے سے حکم شرعی نہیں بدلتا۔ پھر یہ شخص حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے پاس پہونچا اور یہی عرض کیا حضرت شاہ صاحب نے دریافت فرمایا کہ جاندار ہے یا بے جان۔ عرض کیا کہ بے جان۔ فرمایا کہ جب صاحب تصویر بے جان ہوگئے تھے کیا معاملہ کیا گیا تھا عرض کیا کہ غسل وکفن دے کر دفن کردیا گیا تھا۔ فرمایا تم بھی ایسا ہی کرو کیوڑے اور گلاب سے غسل دو اور بہت قیمتی کپڑے میں لپیٹ کر کسی ایسی جگہ دفن کردو جہاں کسی کا پاؤں نہ آئے بات ایک ہی ہے کہ محو کردی گئی مگر عنوان کا فرق ہے۔ دوسرے طریق کا اختیار کرنا سہل ہوگیا بہ نسبت اول طریقہ گوارا نہ ہوا دے گا یہ حکایت سن کر پھر سائل نے عرض کیا کہ جن کے پاس وہ تصویر ہے وہ صاحب یہ کہتے تھے کہ اس کو لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہونگا اور حضرت کے سپرد کر کے چلا آؤں گا۔ حضرت جو معاملہ چاہیں اس کے ساتھ فرمائیں۔ فرمایا کہ ہیں بڑے ہوشیار۔ اپنے نزدیک وہ بلا لب رہنا چاہتے ہیں۔ خیر کوئی حرج نہیں۔ میں ہی اس میں کیا کروں گا۔ جو شریعت کا حکم ہے وہی کروں گا۔ یہاں ایک طرف تو ہے حب تمثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک طرف ہے حب حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ دیکھو کون مقدم ہے۔ اور ایک اس سے بھی اچھا فیصلہ ہے وہ یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے اگر یہ پیش کی جاتی تو حضور کیا معاملہ فرماتے ظاہر ہے کہ اتنا بھی نہ فرماتے جتنا حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا بلکہ مولانا شہید ہی جیسا فتویٰ اور عمل فرماتے پھر فرمایا کہ حضرت مولانا شہید اور حضرت شاہ صاحب کی تجویزوں میں یہ فرق ہے کہ ایک کا نفع عام ہے اور ایک کا نفع تام۔ حضرت شاہ صاحب العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تجویز کا نفع عام ہے اور حضرت شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نفع تام ہے اور یہ ظاہر ہے کہ نفع عام سے نفع تام افضل ہے گو نفع عام اسہل ہے۔ یہ خلاصہ ہے ان دونوں حضرات کے مسلک کا جو میں سمجھتا ہوں اور یہ واقعہ ہے کہ بزرگ بھی باوجود اتحاد مقصود کے مختلف الاحوال اور مختلف الطبائع ہوتے ہیں اس لئے نفس احکام میں تو نہیں مگر رائے میں اختلاف ہو جاتا ہے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ اتفاقاً سے کہیں باہر تشریف لے گئے اور حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ سے فرما گئے کہ تم وعظ کہہ دیا کرنا حضرت شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وعظ شروع کردیا تھوڑے ہی دنوں میں سب مجمع ختم۔ حضرت شاہ صاحب تشریف لائے لوگوں کو معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب تشریف لے آئے ہیں پھر وہی خلق کا اژدہام ہوگیا اور یہ مزاج کا فرق فطری چیز ہے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مزاج اور تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مزاج اور تھا۔ مولوی محمد علی صاحب مونگیری نے حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب اور لوگوں کی شکایت کہتے ہیں بڑی اچھی بات کہی تھی کہ بزرگی عطاء ہونے سے پہلے مزاج عطاء ہوتا ہے تو بزرگی سے مزاج تھوڑا ہی بدلتا ہے پھر فرمایا کہ اس فطری اختلاف پر ایک حکایت یاد آئی ایک بادشاہ نے سال بھر تک ایک بلی کو تعلیم دی کہ وہ سر پر چراغ رکھوا کر کھڑی

رہتی اور روشنی میں بادشاہ کام کرتا رہتا گویا زندہ چراغ ہو گیا۔ ایک روز بادشاہ نے وزیر سے اس کا ذکر کیا کہ ہماری بلی بڑی تعلیم یافتہ ہے حکم کے موافق کام کرتی ہے۔ وزیر نے عرض کیا کہ حضور امتحان بھی کر لیا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ امتحان ہی کیا تھا روزانہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ وزیر نے عرض کیا کہ آج حضور اس کا امتحان کر لیا جائے وزیر نے ایک چوہا پکڑوایا اور جب شب کو بلی کے سر پر چراغ رکھا گیا اس کے سامنے چوہا چھوڑ دیا اسی وقت بلی چراغ پھینک چوہے کے پیچھے دوڑ پڑی۔ بادشاہ کو بڑی شرمندگی ہوئی۔ اب خود میں ہی اپنی حالت بیان کرتا ہوں کہ اس کی کوشش کرتا ہوں کہ غصہ کے وقت کسی سے گفتگو نہ کروں ایک حد تک۔ بحمد اللہ اس میں کامیابی بھی ہوگئی ہے مگر پوری طرح پر نہیں ہوئی۔ جب کوئی واقعہ اس قسم کا پیش آتا ہے اس عزم کو بھول جاتا ہوں حالانکہ یاد رکھنے کا بھی علاج ہے جو دوسروں کو بتلایا بھی ہے اور بہت لوگوں نے بیان کیا کہ بڑا نفع ہوا وہ یہ ہے کہ اس کی یادداشت مثل تعویذ کے لکھ کر اپنے گلے پر باندھ لے اس صورت سے یاد آنا آسان ہے۔ یہ ہے آسان طریقہ یاد کا مگر خود کبھی اس پر عمل نہیں کیا۔

۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم دوشنبہ

ملفوظ ۴۲۸: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اب تو فلاں مدرسہ میں کیا فساد ہے اس سے بھی زبردست فساد ہو چکا ہے ہاں ایک نوعیت سے اگر اس کو سخت کہا جائے تو ٹھیک ہے کہ وہ فساد بیرونی تھا یہ اندرونی ہے اس وقت اپنے سب لوگ ایک طرف تھے اور اہل قصبہ ایک طرف اب آپس میں اختلاف ہے وہ زمانہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ بناء اس فساد کی صرف یہ تھی کہ اہل قصبہ چاہتے تھے کہ ایک ممبر ہمارے میں سے ہو میرا اس زمانہ میں اتفاق سے وہاں جانا ہوا وہاں کے حالات معلوم ہونے پر میں نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خط لکھا کہ اہل قصبہ صرف اپنا ایک ممبر مدرسہ میں رکھنا چاہتے ہیں سو اگر ایسا ہو جائے تو کیا حرج ہے اس لئے کہ کثرت تو پھر بھی حضرت ہی کے خدام کی رہے گی ایک آدمی کیا کر سکتا ہے اور اگر حضرت نے اجازت نہ فرمائی تو مدرسہ کا ظاہر نہایت خطرہ میں ہے شاید بقا کی بھی کوئی صورت نہ رہے۔ حضرت نے مجھ کو جواب میں لکھا کہ نااہل کو کام سپرد کرنا یہ خیانت ہے ایسا کرنے سے ہم پر مواخذہ ہوگا کہ کام نااہل کے کیوں سپرد کیا گیا اصل مقصود خدا کی رضا ہے مدرسہ مقصود نہیں۔ اور رہا

یہ کہ مدرسہ باقی نہ رہے گا اس سے ہم پر مواخذہ نہ ہوگا بلکہ ان سے مواخذہ ہوگا جن کی حرکات سے مدرسہ کو نقصان پہونچے گا۔ اس پر فرمایا کہ جتنا بھی کام ہو اصول صحیحہ کے تابع ہو حدود شرعیہ کے ماتحت رہ کر ہو مقصود خدا کی رضا ہے مسلمان کے ہر کام کا مقصود خدا کی رضا ہونا چاہئے اور ان کی خوشنودی پیش نظر رہنا چاہیئے مدرسہ رہے یا جائے چاہے مدرسہ ملک میں بدنام ہو یا نیک نام چندہ بند ہو یا جاری رہے طلباء زیادہ ہوں یا کم۔ غرضکہ کچھ بھی ہو اصول صحیحہ کے تابع رہنا چاہیئے اور یہ میری رائے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فرمانے کے مطابق ہے اپنی تنہا رائے نہیں۔ خواہ یہ رائے بھی کسی کو پسند نہ ہو لیکن ہے اصول بات۔ ایسے معاملات میں بعض بزرگوں کی رائے میں وسعت ہوتی ہے اور بعض کی رائے میں تنگی اس شعر میں دونوں مسلکوں کا فیصلہ ہے خوب فرماتے ہیں ؎

رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار
کار ملک ست آنکہ تدبیر و تحمل بایدش

اسی مضمون کو حضرت احمد جام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

احمد تو عاشقی بمشیخت ترا چہ کار
دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

ملفوظ ۴۲۹ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک جاہل مصنوعی درویش دہلوی نے مجھ پر بیعت کی تقلیل پر یہ اعتراض کیا کہ اشاعت طریق پر حریص نہیں حالانکہ شیخ کو اشاعت طریق پر حریص ہونا چاہیئے۔ میں نے سن کر کہا کہ اشاعت طریق کے یہ معنی نہیں کہ ہر شخص کو بیعت کر لیا جاوے بلکہ یہ معنی ہیں کہ جلسۂ عام میں جلسۂ خاص میں حقائق اور معارف طریق کے بیان کئے جاویں وہ شخص اشاعت طریق کا مفہوم ہی نہیں سمجھا۔

ملفوظ ۴۳۰ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ حضرت رائے پوری کے یہاں وسعت ہے اور تیرے یہاں تنگی ہے۔ میں نے کہا کہ اصلاح کے دو طریق ہیں ایک برکت کا۔ اور ایک حرکت کا۔ حضرت رائے پوریؒ کے یہاں برکت ہے اور میرے یہاں حرکت ہے وہ شیخ ہیں میں مبتدی ہوں۔ جب میں با برکت نہیں تو اگر حرکت بھی نہ کروں تو پھر کوئی صورت بھی اصلاح کی نہ رہے اس لئے زبان سے ہاتھ سے حرکت کرتا ہوں جس سے اصلاح ہو جاتی ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی بڑی وسعت تھی۔ ایک شخص نے حضرت سے بیعت کی درخواست کی اور یہ شرائط پیش کیں۔ ایک تو یہ کہ نماز نہ پڑھوں گا۔ دوسرے یہ کہ ناچ دیکھنا نہ چھوڑوں گا۔ حضرت نے دونوں شرائط کے ساتھ بیعت میں قبول فرما لیا۔ مگر حضرت کو خدا تعالیٰ کی ذات پر ایسا بھروسہ تھا کہ کیسا ہی کوئی آیا اس کو لے لیا۔ اب برکت سنئے۔ بیعت ہونے کے بعد جو نماز کا وقت آیا اس شخص کے بدن میں خارش شروع ہوئی اور ایسی ہوئی کہ پریشان ہو گیا۔ اور اتفاق سے جو اعضاء وضو میں دھلتے ہیں ان میں زیادہ خارش تھی۔ اس شخص نے پانی سے وہ اعضاء دھوئے صرف مسح رہ گیا۔ پھر خیال آیا کہ اور اعضاء تو دھل گئے

صرف مسح رہ گیا لاؤ مسح بھی کر لیں وضو ہی ہو جاوے گا۔ چنانچہ مسح بھی کر لیا جس سے نصف خارش جاتی رہی پھر خیال آیا کہ وضو تو ہو گیا لاؤ نماز بھی پڑھ لیں۔ بس نماز کی نیت باندھنا تھا کہ دفعتہً تمام خارش بند ہو گئی۔ اس نماز کے بعد دوسری نماز کا وقت آیا پھر وہی خارش۔ پھر وضو کر کے نماز شروع کی خارش بند۔ اب یہی سلسلہ جاری ہو گیا وہ شخص اب سمجھا اور کہنے لگا واہ حضرت یہ تو مجھ پر اچھا سپاہی مسلط کیا غرض پکا نمازی ہو گیا۔ اب ہندوستان میں آیا خیال اور نیت یہ تھی کہ ناچ دیکھنا نہ چھوڑوں گا۔ رہا نماز کا معاملہ نماز کے وقت ناچ میں سے اٹھ آیا کروں گا۔ اول موقع میں ناچ میں جانے کا ارادہ کیا۔ دل میں خیال آیا کہ بڑی شرم کی بات ہے۔ ناچ دیکھ کر پھر یہی منہ لے کر مسجد میں جاؤں بڑی بے غیرتی کی بات ہے بس ناچ بھی چھوٹ گیا۔ یہ حضرت کی برکت تھی سو ہم میں ایسی برکت کہاں اس لئے ہم کو سیاسی تدابیر کی ضرورت ہوتی ہے جس کو لوگ تنگی سمجھتے ہیں۔

ملفوظ ۴۳۱: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس میں تو کوئی بھی تعجب نہیں اگر کسی بزرگ کی دعاء مستجاب ہو جائے اور اس کا ظہور ہو جاوے۔ دعاء تو وہ چیز ہے اور اس میں ایسی وسعت ہے کہ شیطان نے عین مردودیت کے وقت دعاء کی اور دعاء بھی عجیب شان کی اور قبول ہوئی۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ میں اور بھائی اکبر علی مرحوم ایک مجذوب کی دعاء کی برکت سے جو بصورت پیشین گوئی ظاہر ہوئی تھی پیدا ہوئے اور انہوں نے دعاء ہی کے وقت نام بھی رکھ دیئے تھے کہ ایک کا اشرف علی نام ہو گا اور ایک کا اکبر علی۔ اور یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک ہمارا ہو گا وہ حافظ اور مولوی ہو گا اور دوسرا تمہارا ہو گا اور چونکہ میں ایک مجذوب کی دعاء سے پیدا ہوا ہوں یہ خاص رنگ آزادی طبیعت میں اسی کا اثر ہے اس ہی لئے دوسرے اہل رسم کی رائے میں اور میری رائے میں اکثر توافق نہیں ہو سکتا۔ میں دوسرے کا تابع تو ہو سکتا ہوں مگر رائے میں متفق نہیں ہو سکتا میں آزادی کی رائے دیتا ہوں اہل رسم مصالح کو دیکھتے رہیں۔ دیوبند میں حافظ احمد صاحب مرحوم کا اور رنگ تھا جس میں آزادی غالب تھی اور مولوی حبیب الرحمان صاحب مرحوم کا اور رنگ تھا جس میں مصالح غالب تھے۔

ملفوظ ۴۳۲: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ فلاں مدرسہ میں فساد کی رفتار تیزی پر ہے اور اصلاح کی رفتار سست ہے تو پھر فساد ہی غالب رہے گا اور فساد ہی کو قوت ہو گی۔ ہاں اگر اصلاح کے مقابل فساد نہ ہوتا اور پھر بتدریج اصلاح کی رفتار چلتی جیسا کہ آپ کا خیال ہے تو مجموعہ ہو کر اصلاح کو قوت ہو جاتی۔ عرض کیا کہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس مدرسہ میں وہ کہ غیبت سے بچنا مشکل ہے فرمایا کہ پہلے تو غیبت ہی سے بچنا مشکل تھا جو ایک معصیت ہے اور اب تو نیچریت سے بچنا مشکل ہے جو کفر کی سرحد سے ملی ہوئی ہے۔ یہ حالت ہو گئی ہے کہ قرآن و حدیث میں جو نیچری تحریف کرتے تھے وہ اب وہاں کے لکھے پڑھے طلبہ کرتے ہیں

بے حد شرم آتی ہے۔ جب لوگ کہتے ہیں کہ ندوہ اور علی گڑھ میں اور فلاں مدرسہ میں کیا فرق ہے سو یہاں تک نوبت پہونچ چکی ہے آپ غیبت ہی کو دے لئے پھرتے ہیں۔ خیر صاحب جو ان کا جی چاہے کہیں اُن پر تو اختیار نہیں مگر اپنے پر تو اختیار ہے کہ اُن سے علیحدہ ہو جاؤں۔ سیاق قرآنی سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی رائے تھی کہ میرا ہوں میں رہکر اصلاح کرنا چاہئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رائے تھی کہ ان کو چھوڑ دینا چاہئے۔ دونوں حضرات کے اقوال جو سورۂ طٰہٰ میں منقول ہیں اُن سے بھی مفہوم ہوتا ہے اور رائے موسیٰ کو ترجیح بھی معلوم ہوتی ہے۔ جس وقت سے مدرسہ میں یہ گڑبڑ ہوئی ہے میں اپنے قلب کو دیکھتا ہوں کہ اس میں انشراح نہیں اور اگر انشراح بھی نہ ہو آدمی نفس پر جبر ہی کرلے مگر کوئی کام بھی تو ہو جب یہ بھی نہ ہو تو پھر کیا نتیجہ واقعی بات تو یہ ہے کہ عذر تو بہت ہیں مگر جب انشراح نہیں رہنا کام نہیں ہونا ایسے کام انشراح پر موقوف ہوتے ہیں۔ ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا تھا کہ اصلاح کی کوئی صورت بھی ہے۔ میں نے کہا کہ ہے وہ یہ کہ سال بھر کے لئے مجھ کو پورے اختیارات دے دیئے جاویں اور جس قدر متعلقین۔ مدرسین۔ طلبہ ہیں سب استعفے داخل کر دیں پھر جس کو چاہوں رکھوں اور جس کو نہ چاہوں نہ رکھوں یہ صورت اصلاح کی ہے اور اس کے خلاف میں عادۃً اصلاح ناممکن ہے اس لئے کہ جو پرانے ہیں وہ فن پالیسی اور چالاکی میں مہارت کا درجہ حاصل کر چکے ہیں جب تک ان کا اخراج مدرسہ سے نہ ہوگا معاملات کا درست ہونا امر محال ہے۔ پارٹی بندیاں ہو رہی ہیں ادھر سے اُدھر بے تار کی خبریں چلتی ہیں اس سے توڑ اس سے جوڑ شب و روز یہی مشغلہ ہے پھر اصلاح کہاں۔

ملفوظ ۳۴۳ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اب فلاں مدرسہ میں اصلاح محض تدابیر سے محال ہے اب تو ضرورت قوت کی ہے اس لئے کہ اصلاح تو غلطی کی ہوتی ہے جو بلا قصد کے ہوتی ہے اور جو قصد سے ہو اور نفس کی شرارت کا اس میں دخل ہو۔ اور پھر اس میں اغراض بھی وابستہ ہوں وہاں کیسے اصلاح ہو سکتی ہے۔ اب رہا یہ کہ قوت سے تو اصلاح ہو سکتی ہے سو اس سے کام لیا جاوے سو میں یہ مذاق کسی کا دیکھتا نہیں۔ سب مصالح پرست ہیں۔ کام تو کام کے طریقہ سے ہو سکتا ہے اور جس درجہ کا کام ہو اسی درجہ کی قوت کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کو وہاں قریب قریب مفقود پاتا ہوں۔

۲۳ / جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم سہ شنبہ

ملفوظ ۴۳۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ غالباً حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے بیٹھنے سے نگاہ بڑھتی ہے اور پشت کر کے بیٹھنے سے گھٹتی ہے اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ چار چیزوں سے عقل بڑھتی ہے کم بولنے سے مسواک کرنے سے بوڑھوں کے پاس بیٹھنے سے علماء کے پاس بیٹھنے سے ۔

ملفوظ ۴۳۵: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جن لوگوں کو اہل اللہ کی صحبت نصیب نہیں ہوئی بالکل بیکار ہیں اگرچہ اہل علم ہی کیوں نہ ہوں محض پڑھنے پڑھانے سے کیا ہوتا ہے یعنی کفایت نہیں ہوتی یہ نہیں کہ نفع نہیں ہوتا ۔

ملفوظ ۴۳۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جی چاہتا ہے کہ علماء میں دو چیزیں بالکل نہ ہوں ، ایک کبر اور ایک طمع ۔ اس کی وجہ سے یہ بڑی دولت سے محروم رہتے ہیں ۔ علماء کو امراء سے استغناء چاہیئے یہ لوگ ملاؤں کو حقیر سمجھتے ہیں اور اس حقیر سمجھنے کا زیادہ سبب یہ ہے کہ یہ طامع ہوتے ہیں اس سے علم اور اہل علم کی تحقیر اور حقارت ان کے دلوں میں مرکوز ہو جاتی ہے علماء کو ہر وقت اس آیت کا مراقبہ رکھنا چاہیئے ۔ وللہ خزائن السموات والارض ۔ دین میں ضرور محبوبیت کی شان ہے ضرور مطلوبیت کی شان ہے اگر علماء اپنی وضع پر رہیں ضرور محبوب رہیں میں استغناء تو کیا ذرا استغناء کی نقل کرتا ہوں مگر کم فہم لوگ اس پر مجھ کو ملامت کرتے ہیں کہ سخت ہے میں سچ عرض کرتا ہوں کہ میں سخت نہیں ہوں ہاں قلب میں غیرت ضرور ہے اگر اس کو کوئی سختی سمجھے اس کا میرے پاس کوئی علاج نہیں ۔ جب یہ لوگ ملاؤں کو حقیر سمجھتے ہیں تو ان متکبروں کے ساتھ یہی برتاؤ کرنا مناسب ہے آخر غیرت اور حیا بھی کوئی چیز ہے ۔ لیکن اگر کسی کو حس ہی نہ ہو تو اس کا کیا علاج ۔

ملفوظ ۴۳۷: ایک نو وارد صاحب حاضر ہوئے بعد سلام اور مصافحہ کے خاموش مجلس میں بیٹھ گئے ۔ حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے اپنا ضروری تعارف کرائیے اور جو کہنا ہو وہ کہہ لیجئے ۔ عرض کیا کہ میں فلاں جگہ سے آیا ہوں کہنا کچھ نہیں ۔ دریافت فرمایا کہ اگر کچھ کہنا نہیں تو پھر آئے کیوں ۔ عرض کیا کہ صحبت میں بیٹھنے کے لئے اور میں بیعت بھی ہوں ۔

دریافت فرمایا کہ بیعت کب ہوئے تھے۔ عرض کیا کہ بیعت تو نہیں ہوا بیعت کا تعلق لگا ہوا ہے۔ فرمایا کہ یہ انگریزی ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ بیعت کا تعلق لگا ہوا ہے اس کا کیا مطلب ہے صاف کہو۔ عرض کیا کہ فلاں صاحب جو حضرت کے اجازت یافتہ ہیں اُن سے اصلاح کا تعلق ہے اصلاح کرا رہا ہوں۔ فرمایا کہ بندۂ خدا بیعت اور چیز ہے اصلاح اور چیز ہے یہ مہمل جواب کہ بیعت کا تعلق لگا ہوا ہے بھلا اس سے دوسرا کیا سمجھ سکتا ہے کہ کیا مطلب ہے لوگ بھی نئے نئے لغات نکالتے ہیں یہ آج تک کبھی نہ سُنا تھا کہ بیعت کا تعلق لگا ہوا ہے۔ یہ بالکل ایسی مثال ہوگئی جیسے کسی ساس نے بہو سے جو گھر کے کاموں میں سستی کرتی تھی خفا ہو کر کہا کہ گھر کو لگا کرتے ہیں۔ بہو نے اُرد کا آٹا پیس اور پانی میں گھول کر سے ل اور دیوار سے لگ کر کھڑی ہوگئی۔ ساس نے کہا کہ ہو یہ کیا کیا کہا کہ تم نے ہی تو کہا تھا کہ گھر کو لگا کرتے ہیں ایسا ہی ان کا بیعت کا تعلق لگا ہوا ہے۔ خدا معلوم ابہام میں لوگوں کو کیا مزا آتا ہے صاف بات کہتے ہوئے موت آتی ہے سر کٹتا ہے۔ ادھورا حال ادھوری بات کہہ کر دوسروں کو تسلی کیسے ہوتی ہے وجہ وہی ہے جو میں کہا کرتا ہوں کہ لوگ پیروں کو بُت سمجھتے ہیں اگر کوئی بات کہہ دو جب کچھ اثر نہیں نہ کہہ دو جب کچھ اثر نہیں ہے جس کا نام بزرگی رکھا ہے اور پیروں کے یہاں جاتے ہیں وہ پوچھتے تک نہیں کئی کئی دن انتظار میں پڑے رہتے ہیں بات تک کی نوبت نہیں آتی وہاں خوش رہتے ہیں۔ میں سب کاموں کو بند کر کے پوچھتا ہوں تو سیدھا جواب نہیں ملتا جب اس پر مواخذہ کرتا ہوں وہ سبب میری بدنامی کا ہوتا ہے اگر میں بھی نہ پوچھتا تو میں بھی خوش خلق مشہور رہتا اور پوچھتا ہوں اس لئے کہ ایک شخص اپنا گھر بار بال بچوں کو چھوڑ کر وقت اور روپیہ صرف کر کے سفر کی صعوبتیں اور تکالیف اٹھا کر آیا ہے تو اس کا حال تو معلوم کروں کیا ضرورت اور کیا حاجت ہے اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سیدھا جواب نہیں۔ پھر اُن صاحب کی طرف مخاطب ہو کر دریافت فرمایا کہ یہ بتلاؤ کے روز قیام ہوگا۔ عرض کیا کہ تین دن۔ فرمایا کہ اس زمانہ میں قیام میں مکاتبت اور مخاطبت کی اجازت نہیں ہوگی اور جب وطن واپس پہونچ جاؤ تو اپنے مصلح کو یہ سب واقعہ لکھنا کہ میں وہاں گیا تھا اور مجھ سے یہ حرکت ہوئی تھی۔ سب واقعہ بالتفصیل لکھنا کبھی کتر بیونت لگاؤ اور اُن سے اس کی اصلاح کی درخواست کرنا۔

۲۳ر جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم سہ شنبہ

ملفوظ ۴۳۸: ایک دیہاتی شخص نے عرض کیا کہ حضرت فلاں بنئے نے مجھ پر جھوٹی نالش کردی ہے

دعا فرمائیے کہ میں اس سے نجات پاؤں۔ فرمایا کہ اچھا بھائی دعا کرینگے اللہ تعالیٰ تم کو اس بلا سے نجات دے۔ اور بھائی تم نے قرض لیا کیوں تھا۔ عرض کیا کہ قرض نہیں لیا تھا اس نے دھوکا دیکر ایک کاغذ پر دستخط کرالئے۔ فرمایا کہ تم بچے تھے جو دستخط کر دیئے عرض کیا کہ میں بے لکھا پڑھا ہوں جن ملنے والوں پر مجھ کو بھروسہ تھا ان کی وجہ سے ایسا ہوا۔ فرمایا کہ اس زمانہ میں کیا کسی کا اعتبار کیا جاوے عرض کیا کہ اور لوگ بھی میری طرف کی نہیں کہتے سب بنئے ہی کی کہتے ہیں اور اسی کی طرف ہیں۔ فرمایا کہ بھائی آج کل مظلوم ہونا جرم ہے۔ رات دن دیکھتا ہوں سنتا ہوں اور اس قسم کے بہت سے خطوط آتے ہیں۔ مظلوم کا ساتھ دینے والا کوئی نہیں رہا۔ قوی بھی کمزور پر ظلم کرتا ہے اور سب اس قوی ہی کے ساتھ ہو جاتے ہیں کمزور بے چارے کا کوئی پرسان حال نہیں۔ ایک صاحب کے جواب میں فرمایا کہ عدالتوں ہی میں کیا داد رسی ہو سکتی ہے اس لئے کہ وہاں تو شہادتوں پر مدار ہے اور ظالم ہی کی وہاں بھی کہنے والے ہوتے ہیں۔ پہلے زمانہ کی طرح چھان بین ہوتی نہیں حکام عیش طلب آرام طلب ہیں تحقیق کی کون محنت اٹھائے دوسرے یہ کہ وہ فہم رہا نہ عقل نہ علم جو حقیقت کا انکشاف ہو۔ اب تو یہ بات طے شدہ ہے کہ آدمی بھوکا مر جائے مگر ان ساہوکاروں سے قرض نہ لے شیطان کا شیرہ ہو جاتا ہے ایک دفعہ آدمی پھنس جائے پھر ساری عمر کے لئے اس کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے دیتا دیتا مر جائے مگر ان ظالموں کی ادائیگی نہیں ہوتی۔ سود کا ایسا گورکھ دھندہ پھیلاتے ہیں کہ اس کے پھندے سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے مگر مسلمان ہیں کہ ان کو قرض لینے سے ذرا بھی کھٹک نہیں ہوتی کہ یہ ہمارے ساتھ چالاکی کرے گا اس باب میں دل پر بالکل خوف ہی نہیں اس میں بہت ہی دلیر ہیں۔

ملفوظ ۲۹۳: فرمایا کہ آج ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ کی عظمت اور ادب کا اس قدر غلبہ ہے کہ ذرا کوئی حرکت ہو جاتی ہے تو مارے شرم کے پسینے پسینے ہو جاتا ہوں پیر پھیلا کر سونا پاخانہ جا کر ستر کھولنا پہاڑ معلوم ہوتا ہے۔ غرض کہاں تک عرض کروں ہر وقت عظمت اور ادب کا دھیان بندھا رہتا ہے۔ یہ مجھے کیا ہوا میں نے لکھ دیا ہے کہ کیا ہوتا فضل ہوا۔

ملفوظ ۲۹۴: ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ کونسی انسانیت ہے کہ ضروری سوال پر بھی آپ جواب نہیں دیتے اس متانت اور بزرگی سے یہاں کام نہ چلے گا یہ سکہ اور بازاروں میں چلتا ہے جہاں بڑی بڑی دکانیں جمائے بیٹھے ہیں اور بضرورت بولنا تو مصنوعی بزرگی کے بھی منافی نہیں البتہ زیادہ بولنا منافی بزرگی ہو سکتا ہے اور واقع میں اس میں بھی ایک تفصیل ہے۔ اس پر ایک مفید واقعہ یاد آیا ایک بے تکلف مزاج مولوی صاحب نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت بزرگوں نے لکھا ہے کہ زیادہ بولنا اچھا نہیں اور آپ زیادہ بولتے ہیں (مولانا کی عادت تھی کہ افادات علمیہ کا خاص شغف تھا اور یہ مولوی صاحب حضرت کے

شاگرد بھی تھے اور حضرت سے ذرا بے تکلف بھی تھے) حضرت نے فرمایا کہ زیادہ بولنے کی فی نفسہ ممانعت نہیں اصل میں فضول بولنے کی ممانعت ہے مگر مبتدی اس اعتدال پر عادۃً قادر نہیں اس لئے معالجہ کے طور پر اس کو زیادہ تقلیل کی تعلیم کی جاتی ہے تاکہ اعتدال پر آجاوے اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک کاغذ جو مدت تک ایک رُخ پر مڑا رہا ہو تو اس کو سیدھا کرنے کے لئے اس کی جانب مخالف کی طرف موڑنے میں مبالغہ کرتے ہیں یعنی اس کو دوسری جانب خوب زور سے موڑتے ہیں پھر جب کھولتے ہیں تو وہ سیدھا ہوجاتا ہے اور یہی مقصود تھا۔ عجیب مثال ہے ایسی باریک بات کو اس قدر بدیہی کردیا۔ یہ ہیں حقیق علوم۔ علوم اس کو کہتے ہیں جس میں نہ ہیرا نہ اہد کی اصلاحیں ہیں نہ تدقیقات ہیں۔

ملفوظ ۲۴۲: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ریا ایسی سستی نہیں کہ یوں ہی چمٹتی پھرے جب بلا قصد کوئی خیال پیدا ہوگیا پھر ریا کہاں وہ تو عمل اختیاری ہے البتہ ریا کا وسوسہ ہے جو ریاء نہیں۔ اس پر دو درویشوں کا ایک لطیف مکالمہ یاد آیا۔ ایک نقشبندی نے ایک چشتی پر ذکر جہر کے متعلق اعتراض کیا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم ذکر بالجہر کرتے ہو۔ مقصود لطافت سے اعتراض کرنا تھا کہ اس میں ایسا اظہار ہے کہ ہم تک خبر پہونچ گئی تو ایک قسم کی صورت ریا ہوگئی چشتی نے جواب دیا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم ذکر خفی کرتے ہو۔ مطلب یہ تھا کہ اگر محض ظاہر ہوجانا ریا ہے تو جس طرح ہمارا ذکر بالجہر ظاہر ہوگیا جس کو تم نے سن لیا اسی طرح تمہارے ذکر خفی کو ہم نے سن لیا دونوں کا ظہور ایک ہی مرتبہ کا ہوگیا عجیب جواب دیا اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو ذکر جہر تعلیم فرمایا اس نے کہا حضرت اس میں ریا ہوجاوے گی اگر اجازت ہو خفی کرلیا کروں حضرت نے عجیب جواب دیا کہ میاں ذکر جہر میں تو یہی معلوم ہوگا کہ اللہ اللہ لا الٰہ الا اللہ کررہا ہے اور خفی میں جب گردن جھکا کر بیٹھو گے تو دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہوگا کہ نہ معلوم یہ عرش کرسی کی سیر کررہا ہے یا لوح قلم کی۔ کیا اس میں ریا نہیں اس میں تو ذکر جہر سے بھی زیادہ ریا کا شبہ ہوسکتا ہے۔ واقعی بات یہ ہے کہ یہ حضرات حکیم ہیں خوب نفس کو پہچانتے ہیں۔

ملفوظ ۲۴۳: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہندوستان میں اکثر علماء نادار ہیں اس لئے دین کی خدمت ہندوستان میں زیادہ ہورہی ہے۔ دوسری جگہ کے علماء اکثر مالدار ہیں اس لئے دین کی خدمت نہیں کرسکتے۔ عیش میں پڑے ہوئے ہیں۔ ایک ترکی بزرگ تھے مکہ معظمہ میں خلیل پاشا۔ بس ان سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرمانے سے ملا ہوں وہ کہتے تھے کہ جیسے علماء میں نے ہندوستان میں دیکھے ویسے علماء اسلامی ممالک میں بھی نہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے ان میں کیا بات دیکھی کہنے لگے کہ ہندوستان کے علماء میں حُبّ دنیا نہیں اور جگہ کے علماء میں حُبّ دنیا ہے۔ اس پر فرمایا کہ عجیب بات ہے اور جگہ اسلامی سلطنتیں ہیں مگر وہاں علماء کی یہ حالت اور یہاں اسلامی سلطنت بھی نہیں

کہ جو کسی قسم کی بھی علماء کی کوئی خبر گیری کر سکتی مگر اُن کی یہ حالت اور بجز زمانہ اسلامی سلطنت کا یہاں ہوا ہے اسی وقت علماء کو کونسی امداد ملی ہے ان کو تو اس وقت بھی اللہ ہی کی ذات پر بھروسہ تھا۔

۲۴ر جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم چہار شنبہ

ملفوظ ۴۴۳: ایک بی بی کے خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ اب تو مرد ہوں یا عورتیں سب کے اندر قریب قریب نیچریت انگریزیت کا زہریلا اثر پیدا ہو گیا ہے اور مردوں سے تو اتنا عجیب نہیں کیونکہ اُن کو اختلاط کا اتفاق ہوتا ہے جتنا عورتوں سے عجیب ہے۔ ایک دیندار نواب صاحب کی بیگم کا خط آیا تھا اس میں اپنے نام کے ساتھ لکھا تھا کہ لیڈی فلاں صاحب۔ میں نے ان کو لکھا کہ تمہارا گھرانہ دینداروں کا ہے اس لئے تمہاری شان سے ایسے الفاظ نہایت بعید ہیں تم کو اہل خانہ فلاں صاحب لکھنا مناسب تھا پھر دوبارہ جو خط آیا اس میں یہی لکھا کہ اہل خانہ فلاں صاحب۔ میں نے پڑھ کر کہا کہ غنیمت ہے کہ قبول تو کر لیا پھر مزاحاً فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ جدید تعلیم یافتہ انگریزی خیال عورتوں کی قدر کرتے ہیں خاک عزت کرتے ہیں لیڈی تو پہلے ہی بنا دیا ہم اہلخانہ کہتے ہیں وہ لیڈی تو عزت اس میں ہے یا اس میں۔

ملفوظ ۴۴۴: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جن لوگوں نے پردہ اٹھا دیا اور بے پردگی کے حامی ہیں یہ بے غیرت ہیں علاوہ احکام شرعیہ کے طبعی غیرت بھی تو اس سے مانع ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بے غیرت بے حیاء پہلے ہی سے تھے اگلے سے انہوں نے دین کو دنیا کی خواہشات اور نفسانیت کا تابع بنا دیا کیا یہ اسلام ہے۔

ملفوظ ۴۴۵: ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جو غالی شیعہ ہیں اور صحابہؓ کرام پر تبرّا کرتے ہیں کیا یہ کافر ہیں۔ فرمایا کہ محض تبرّے پر تو کفر کا فتویٰ مختلف فیہ ہے البتہ تحریف قرآن کا اعتقاد یہ صریح کفر ہے۔

قرآن وسنت کی روشنی میں زندگی کے سیکڑوں مسائل کا حکیمانہ حل

ملفوظاتِ حکیم الامت

جلد چہارم

قسطِ سوم

الافاضات الیومیہ

من

الافادات القومیہ

۱۸

مسلسل ترتیب کی قسط

مجدد ملت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

باھتمام نسیم احمد

ناشر

ادارہ فکر اسلامی دیوبند یوپی

نام کتاب ________	ملفوظات حکیم الامت جلد
باہتمام ________	نسیم احمد بن شمس الحسن صاحب مرحوم
سن طباعت ________	۱۹۸۹ء ۔ ۱۴۰۹ ہجری
طباعت ________	محبوب پریس دیوبند
کتابت ________	فرمود عالم قاسمی
قیمت ________	فی قسط / ۱۴ روپے

ملفوظات حکیم الامتؒ کی جلد چہارم قسط سوم مسلسل ترتیب کی قسط ۱۸ ناظرین کے سامنے پیش ہے۔ کوئی ابھی شخص ایک خط لکھ کر ممبر بن سکتا ہے۔ فیس ممبری کچھ نہیں۔ ممبر بننے کے بعد ہر دو ماہ میں ایک ایک قسط / ۱۴ روپے کی وی پی سے اور دو قسط ایک ساتھ / ۲۸ روپے کی وی پی سے ارسال ہو گی، جس کا وصول کرنا آنجناب کا اخلاقی فریضہ ہو گا۔

منیجر ادارہ

فہرست مضامین ملفوظات حکیم الامت جلد ۴ قسط ۳

ضروری اطلاع

تفسیر مدارک اردو کے پانچ جزء شائع کرنے کے بعد کچھ مصلحتوں کی بناء پر آگے ان کی اشاعت بند کر دی تھی۔

اب سے الحمد للہ اس پروگرام کو دوبارہ شروع کر دیا گیا ہے۔ اور جزء ٦ شائع ہو گیا ہے۔

تفسیر مدارک اردو جن حضرات نے جزء ٥ تک حاصل کر لی ہے وہ اب جزء ٦ سے حاصل کرنا شروع کر دیں۔ اور اس کے لئے ادارہ کو ایک خط مزید لکھ دیں۔ تاکہ پھر دوبارہ باقاعدہ سے اجزاء ارسال کئے جائیں۔

منیجر ادارہ

ادارہ فکر اسلامی دیوبند

۲۵ / جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

بوقت ۸ / بجے صبح ۔ یوم پنج شنبہ

ملفوظ ۴۴۸: ایک نو وارد صاحب حاضر ہوئے بعد مصافحہ حضرت والا نے دریافت فرمایا آپ کہاں سے تشریف لائے جواب میں بجائے زبانی تعارف کرانے کے ایک کارڈ نکال کر پیش کر دیا۔ حضرت والا نے ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ اس خط کے دکھلانے میں کیا حکمت تھی ۔ عرض کیا کہ تعارف کے لئے۔ فرمایا تعارف تو آپ زبانی کرا سکتے تھے ۔ اس کارڈ سے تو صرف یہ معلوم ہوا کہ فلاں صاحب سے آپ کا تعلق ہے اور اُن کا مجھ سے ۔ اس سے وہ تعارف تو معلوم نہیں ہوا جو مقصود ہے بلکہ اس کا حاصل تو یہ ہے کہ مقصود مجھ پر اثر ڈالنا ہے کہ دیکھو میرا فلاں سے تعلق ہے مجھ سے خصوصیت کا معاملہ برتا جائے ۔ میں آپ کو بتلائے دیتا ہوں کہ ان باتوں کا مجھ پر اثر نہیں ہوتا ۔ میں ایک دیہاتی آدمی ہوں اور جو مقصود آپ نے بیان کیا وہ اس خط کے دکھلانے سے حاصل نہیں ہوا اور جس تعلق کو اس کارڈ میں ظاہر کر کے آپ نے مجھ پر اثر ڈالنا چاہا اس کا مجھ پر اثر نہیں ہو سکتا ۔ آپ کی اس حرکت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اللہ کی صحبت کا تم پر ذرہ برابر اثر نہیں ہوا ۔ طالب میں نیاز مندی ہونا چاہئے ۔ پستی ہونا چاہئے ۔ فنا کی شان ہونا چاہئے یہ ہیں صحبتِ اہل اللہ کے آثار ۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اہل اللہ کی صحبت میں رہ کر اگر کسی شخص میں کم از کم تواضع بھی پیدا نہ ہوئی تو وہ بالکل محروم ہے چہ جائیکہ اس کا عکس یعنی بڑائی ۔ آپ کی اس حرکت کا یہ اثر ہوا کہ مجھ کو جو توجہ ہوتی بھی وہ بھی جاتی رہی اور مزید برآں اوپر سے تکدر ہو گیا ۔ یہ سب بے فکری کے نتائج ہیں ۔ سوچتے نہیں غور نہیں کرتے کہ ہماری حرکت کا نتیجہ ہوگا کیا ۔

۲۵ / جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر ۔ یوم پنج شنبہ

ملفوظ ۴۴۹: فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے مجھ کو کتابوں کی فرمائش لکھی ہے ان احمقوں سے کوئی پوچھے کہ کیا میرے نام سے کوئی اشتہار دیکھا ہے کہ میں کتابیں فروخت

کرتا ہوں۔ پہلے میں ایسا کرتا تھا کہ اگر اتفاقاً کوئی فرمائش کسی نے بھیجدی میں یہ سمجھ کر کہ بیچارے کو معلوم نہیں ایک مدت تک مولوی عبداللہ مرحوم اس کے بعد مولوی شبیر علی کو دیدیتا تھا اس میں یہ خرابی ہوئی کہ کسی فرمائش کی تعمیل میں اُن کی مرضی کے خلاف کوئی بات ہوگئی تو عقلمند مجھ سے مواخذہ کرتے تھے تب سے میں نے یہ معمول کرلیا ہے کہ واپس کردیتا ہوں تاکہ کارخانہ والوں سے براہِ راست خود معاملہ کریں۔ یہاں پر جس قدر قواعد مرتب ہوئے ہیں وہ سب تجربوں کے بعد مرتب ہوئے ہیں چنانچہ فرمائشوں کی واپسی کا واقعہ آپ نے سن لیا۔

ملفوظ ۴۵۰: ایک خط کو ملاحظہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ عبارت بھی ہر شخص کو لکھنا نہیں آتی اس کے لئے بھی علم دین پڑھنے کی ضرورت ہے یعنی منقولات ورنہ محض معقولات کا وہ حشر ہوگا جیسے ایک معقولی مولوی صاحب سے وعظ کے لئے کہا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ آپ کو وعظ کہنا نہیں آتا کہنے لگے کون کہتا ہے کہ مجھ کو وعظ کہنا نہیں آتا میں ابھی کہتا ہوں یہ کہہ کر ممبر پر جا بیٹھے اور وعظ شروع کیا کہ خداتعالیٰ کی وہ شان ہے اور وہ قدرت ہے کہ وہ عالم کو لیس سے ایس میں لائے اور پھر ایس سے لیس میں لے جائیں گے۔ غرض چار پانچ منٹ تک وعظ میں یہی ایس لیس کرتے رہے اس کے بعد وعظ ختم کردیا ایک اور مولوی صاحب نے وعظ بیان کیا کہ نماز فرض ہے اور اس کا تارک کافر ہے چنانچہ قرآن میں نص قطعی موجود ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر۔ ایک طالب علم نے کہا کہ حضرت یہ آیت نہیں یہ تو حدیث ہے کہنے لگے کہ یہ حدیث ہے میں تو قرآن ہی سمجھا تھا اس لئے تمام مقاصد میں اس کی ضرورت ہے کہ منقولات پڑھی جاویں۔

ملفوظ ۴۵۱: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں نے حساب باقاعدہ نہیں سیکھا اور یہ فرائض وغیرہ نکال لینا اور چیز ہے۔ فن میں مہارت ہونا اور چیز ہے مجھ کو فن میں مہارت نہیں۔

ملفوظ ۴۵۲: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بریلوی خان صاحب کے ایک مرید تھے اب انہوں نے اُن عقائد سے توبہ کرکے اس طرف رجوع کیا ہے۔ بہت دنوں سے خط وکتابت کررہے ہیں انہوں نے درمیان میں خان صاحب کے بیٹے کو مخاطب کرکے ایک اشتہار دیا تھا جس میں ان سے چند سوالات کئے تھے وہ اشتہار میرے پاس بھی دیکھنے کو بھیجا تھا میں نے لکھ دیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا قلب ابھی اُس طرف سے فارغ نہیں جب اُس طرف سے قلب کو فارغ کرلو تب مجھ سے خط وکتابت کرنا اس کے بعد ان کا خط آیا اور لکھا کہ میں اس طرف سے قلب کو فارغ کرچکا اور توبہ کرچکا اب کچھ نہ بولوں گا۔

میں نے لکھا کہ ماشاء اللہ صدق طلب کے یہی معنیٰ ہیں۔ اب میں بسر و چشم خدمت کو حاضر ہوں آج خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں بیمار ہو گیا تھا اب بحمد اللہ اچھا ہوں صرف کمزوری کی شکایت ہے ذرا قوت آ جائے اس کے بعد حاضر خدمت ہوں گا۔ میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ اگر یہاں پر آنا ہو تو شرط یہ ہے کہ خاموش مجلس میں بیٹھا رہنا ہوگا۔ اس کے متعلق لکھا ہے کہ خاموش بیٹھا رہوں گا۔ فرمایا کہ ان لوگوں کو جو دوسرے کو چھوڑ کر آئیں خوب جھڑ جھڑانا چاہیئے تاکہ معلوم ہو کہ دوسری جگہ معتقدین کی کیسی آؤ بھگت اور تواضع ہوتی تھی اور یہاں کیسی گت بنتی ہے۔ یہاں کی حالت بحمد اللہ بلا تشبیہ ایسی ہے جیسے جنت میں جانا تو مشکل ہے مگر پہونچنے کے بعد پھر آرام ہی آرام ہے اگر یہ ہوتا کہ جانا تو آسان ہوتا اور وہاں پہونچ کر مشکلات کا سامنا ہوتا تو خاک بھی لطف نہ ہوتا اب تو یہ ہے کہ جوں توں کر کے مصیبتیں جھیلکر جس طرح بھی ہو سکے پہونچ جاوے پھر پڑے ہوئے آرام کیا کرو۔ بعض مشائخؒ تو گرفتاروں کی تالیف قلب کا خاص اہتمام کرتے ہیں مگر حق کے وضوح اور قوت کے بعد تالیف قلب کی ضرورت ہی نہیں تالیف قلب ضعف کی حالت میں ہوتا ہے اور قوت میں استغناء ہونا چاہیئے۔

ملفوظ ۴۳۵: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل لکھے پڑھے ہوں یا بے لکھے پڑھے سب کو قریب قریب فضول اور عبث میں ابتلا ہو رہا ہے۔ ایک مولوی صاحب نے جو دوسری جگہ مقیم ہیں محض محبت کی وجہ سے ایک دوسرے صاحب کی معرفت جن کا یہاں پر رمضان المبارک میں قیام تھا میرے معمولات معلوم کئے تھے انہوں نے مجھ کو اطلاع کی۔ میں نے اُن سے کہا کہ لکھ دو یہی معمولات ہیں کہ کوئی معمولات نہیں۔ ان باتوں میں رکھا کیا ہے آدمی کو کام کی بات میں لگنا چاہیئے۔ مطلب معمولات کا یہ تھا کہ مراقبات، مجاہدات، ریاضات، کتنے ہوتے ہیں۔ تلاوت قرآن پاک اور نفلیں اشراق چاشت صلوٰۃ الاوابین تہجد کتنی پڑھی جاتی ہیں۔ میں نے کہا کہ معمولات کیوں پوچھتے ہیں آیا میرے فضائل معلوم کرنا مقصود ہیں اور لوگوں میں اُن کی اشاعت کی جاوے گی تو یہ اچھی خاصی استخوان فروشی ہے جس کو ہمارے بزرگوں نے کبھی پسند نہیں کیا اور اگر عمل کے لئے پوچھتے ہیں تو دوسرے کے اعمال و افعال کی تحقیق اکثر سبب مضرت کا ہو جاتی ہے اس طرح سے کہ اگر اُن میں اپنے اعمال سے زیادتی دیکھی تو اپنے اعمال میں ضعف اور کم ہمتی پیدا ہوگی کہ جب ہم اتنا نہیں کر سکتے جیسے یہ معمولات ہیں تو ہم جو کچھ کرتے ہیں اس سے کیا ہوگا بیکار ہے اور اگر کمی دیکھی تو یہ خرابی ہوگی کہ جب یہ بڑے ہو کر زیادہ نہیں کرتے تو ہم کو ہی کیا ضرورت ہے تو اعمال میں تقلیل ہو جاوے گی غرض ہر طرح مضرت کا اچھا خاصہ پیش خیمہ ہو جاوے گا اور وقت جس قدر ان تحقیقات میں فضول صرف ہوگا وہ خسران الگ رہا کہ ایک

عبث اور فضول چیز کے در پے ہو کر وقت عزیز برباد کیا۔

ملفوظ ۴۵۴: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آج کل جو سوانح لکھی جاتی ہیں ان میں سے اکثر کی خرابیاں سنئے۔ سلف کے بعد میں کاملین میں بشری کمزوریاں سب میں کچھ نہ کچھ ہوتی ہی ہیں تو صدق کے معنی یہ ہیں کہ وہ بھی سب لکھا دو مگر ایسا نہیں کرتے بلکہ ان کمزوریوں کی بھی تاویل کر کے محاسن میں داخل کر کے لکھتے ہیں اور اس میں ایک راز ہے باریک وہ یہ کہ اگر ان کمزوریوں کو ظاہر کرتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ لوگ کہیں گے کہ ایسے ناکارہ پیر سے کیا تعلق رکھیں اس لئے ایسی چیزوں پر پردہ ڈالتے ہیں اور سوانح میں اس طرح سے سب باتوں کا اظہار نہ کرنا تاریخی حیثیت سے تو موضوع سوانح کے خلاف ہی ہے مگر دینی حیثیت سے بھی جھوٹ ہے اور اچھا خاصہ دھوکا ہے اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک کپڑا ہے جو نہایت بوسیدہ ہے مگر اس کو دھو کر کلپ لگا کر استری کر کے دوسروں کے سامنے پیش کرتے ہیں خواہ ہاتھ لگاتے ہی پاش پاش ہو جائے البتہ دور سے نہارا کرلو ہاتھ لگانا جرم ہے سو اس کی ضرورت ہی کیا ہے کہ ایسے امور کو چھپایا جاوے اگر ان کو ظاہر کر کے ان کا قابل اقتداء نہ ہونا بھی لکھدیا جاوے تو حرج کیا ہے اس لئے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے افعال کا تو اتباع ہوتا ہے امتی کا فعل حجت نہیں ہوتا صرف فتویٰ حجت ہو سکتا ہے اور یہ بات مسلمات سے ہے اس لئے میں ایسے کتمان کو ناپسند کرتا ہوں۔

ملفوظ ۴۵۵: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ یہ میرے مذاق کے خلاف ہے کہ کسی سے اتنی محبت کی جائے کہ جس کی وجہ سے حقائق پر پردہ پڑ جائے۔ ہر چیز کو اپنی حد پر رکھنا واجب ہے اگر غلبۂ حال سے کوئی بات ہو جاوے وہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے مگر آج کل حدود کی ذرہ برابر پروا نہیں کی جاتی سو یہ بہت ہی بڑی کوتاہی ہے۔

ملفوظ ۴۵۶: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل بزرگی بھی چھوئی موئی کا درخت ہو گئی اس کی حفاظت کے لئے لوگ ہزاروں تدابیر کرتے ہیں جس میں کلفت بھی برداشت کرنا پڑتی ہے جس سے وہ بزرگی اچھی خاصی زندگی کو بے لطف بنانے والی چیز ہو جاتی ہے چنانچہ آج کل کے رسمی پیروں کو دیکھا جاتا ہے کہ بیچارے معتقدین کے سامنے ایسے اہتمام سے رہتے ہیں کہ جس کا حدود حساب نہیں ہر وقت اسی فکر میں رہتے ہیں کہ کہیں اس بات سے معتقدین کا اعتقاد خراب نہ ہو جائے اس بات سے اعتقاد خراب نہ ہو جائے کیا یہ خدا پرستی ہے یہ تو کھلی مخلوق پرستی ہے اور علاوہ مخلوق پرستی کے اچھا خاصہ عذاب بھی ہے اور ہونا بھی چاہیئے اس لئے کہ راحت تو خدا پرستی ہی میں منحصر ہے اور مخلوق پرستی تو عذاب ہی ہے اور یہ بزرگی آبنی کمزوری میں ایسی ہے۔ جیسے جہلاء میں وضو کے متعلق مشہور ہے کہ کسی کا ستر دیکھنے سے حقہ پینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے سو محض عوام کے

معتقد رکھنے کو اتنا اہتمام کیا واہیات ہے کوئی معتقد رہے یا نہ رہے۔ اپنی ایسی تیسی میں پڑے اصل چیز اہتمام کی یہ ہے کہ اقوال و افعال احکام شرعیہ کے خلاف نہ ہوں بس یہ ہے اصل بزرگی اس بزرگی کو کوئی چیز نہیں توڑ سکتی۔ وضو تو وہ ہے جو وہمی نواقض سے نہ ٹوٹے روشنی تو وہ چیز ہے کہ اگر لاکھ تاریکیاں جمع ہو جائیں تو ایک دیا سلائی کے روشن ہونے پر سب فنا ہو جائیں۔ اسی طرح حقیقت سے سب اوہام خود مضمحل ہو جاتے ہیں۔

ملفوظ ۴۵۷: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وساوس کا ایک عجیب علاج فرمایا ہے۔ واقعی حضرت اس فن کے مجتہد تھے دوسرے مشائخ تو لمبے چوڑے وظائف بتلاتے رہیں۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ جب وساوس کثرت سے آنے لگیں تو مستقلاً ان کے نکالنے کے درپے نہ ہو بلکہ اس وقت یہ خیال کر لو کہ خدا تعالیٰ کی بھی کیا عجیب صنعت ہے۔ قلب کو ایک دریا بنایا ہے جس میں کیسی کیسی موجیں اٹھتی رہی ہیں کہ ان کے روکنے کی کوشش کرتا ہوں مگر موجیں ہیں کہ نہیں رکتیں بس اس صنع الٰہی کے مراقبہ سے وہ وساوس آئینہ ہو جائیں گے مشاہدۂ صنع الٰہی کے جس طرح ایک صاحب نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر درس سن کر عرض کیا تھا کہ حضرت کے یہاں تو حدیث بھی آکر حنفی ہو جاتی ہے اسی طرح حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وساوس بھی آکر عبادت ہو جاتے ہیں۔

ملفوظ ۴۵۸: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل بعض طالبین مصلح کے اعمال کی کمی زیادتی کو دیکھتے ہیں جو سخت غلطی ہے اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کوئی مریض طبیب کے معمولات کو دیکھے کہ یہ تو خود ہی ایک روٹی کھاتا ہے اور ہم کو کہتا ہے کہ چار پانچ کھایا کرو یا کوئی اس کو دیکھنے لگے کہ طبیب پہلوان بھی ہے یا نہیں اگر نہیں تو بد اعتقاد ہو جائے۔ بھائی تم کو اس سے کیا۔ بحث کہ وہ تندرست ہے یا بیمار وہ پہلوان ہے یا کمزور تم کو تو یہ دیکھنا چاہیے کہ جو مرض تمہارے اندر ہے وہ اس کا بھی علاج کر سکتا ہے یا نہیں اگر کر سکتا ہے تو علاج کراؤ ورنہ چلتے۔ تو جو تمہارا علاج کر سکے وہاں جاؤ۔ بلانے کون گیا تھا۔

ملفوظ ۴۵۹: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بعضے خاص لوگوں کو بھی شیخ اور ولی کا فرق معلوم نہیں ولی کہتے ہیں مقبول کو اگرچہ لٹھ اور جاہل ہو اور شیخ کہتے ہیں فن دان کو اگرچہ وہ فاسق فاجر ہو۔ ہاں اتنا فرق ضرور ہوگا کہ اگر شیخ متقی ہوگا تو اس کی تعلیم میں برکت ہوگی۔ اگر متقی نہ ہوگا برکت نہ ہوگی لیکن چونکہ اکثر لوگوں کو اس کے معنی معلوم نہیں اس لئے شیخ کا ولی ہونا لوازم سے سمجھتے ہیں سو یہ غلطی ہے۔

ملفوظ ۴۶۰: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ کو ایسی عبارت سے نفرت ہے جس میں اشارات ہوں بات صاف ہونا چاہیئے زبانی ہو یا کتابی الحمد للہ میری تصنیف میں عبارت نہایت واضح کافی ہوتی ہے گو بعض مقام پر علمی مضمون ہونے کی وجہ سے دقیق ہوتی ہے باقی تصنیف وعلوم کے علاوہ تقریر تحریر دقیق بھی نہیں ہوتی سمجھنے والوں کو ذرہ برابر گنجلک نہیں ہوتی۔ میں اشارات مبہمہ سے کبھی کام نہیں لیتا اور اسی کا دوسرے سے بھی متوقع رہتا ہوں۔

ملفوظ ۴۶۱: فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ دو سال سے خط وکتابت کر رہا ہوں جس میں تعلیم اور بیعت کی درخواست ہوتی ہے مگر حضور فرماتے ہیں کہ بیعت اور تعلیم دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں (بہت سے مصالح سے یہی معمول ہے) اس پر فرمایا کہ انہوں نے جو بیچ میں بیعت کی لم لگا رکھی ہے یہی وجہ ہے کہ اب تک اصل مقصود میں کامیاب نہیں ہوئے۔ بیعت کو بڑا ہی اہم سمجھتے ہیں۔ میں لوگوں کو اسی جہل سے نکالنا چاہتا ہوں۔ میں نے جواب میں لکھدیا ہے کہ بیعت کے لیئے مناسبت کا انتظار ہوتا ہے اور مناسبت کے پیدا ہونے کی کوئی حد نہیں ممکن ہے بہت ہی دیر لگ جاوے سو اس کے پیچھے پڑ کر اصل مقصود سے محروم رہنا بجز بے عقلی کے کیا ہے۔

ملفوظ ۴۶۲: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کوئی کام ہو کام کرنے والوں میں نہ اس کے اصول ہیں نہ حدود نہ اہل کو دیکھا جاتا ہے نہ نا اہل کو بڑی ہی گڑبڑ ہو رہی ہے حالانکہ کام کرنے سے قبل ہمیشہ اس کے نتائج پر غور کرنا اور اصول صحیحہ کے تابع ہو کر کام کرنا ضروری ہے۔ ایک مدرسہ سے ایک طالب علم کا خط آیا تھا لکھا تھا ایک جماعت کی طرف سے میرے سپرد شعبہ تبلیغ کی امارت ہے۔ جمعرات کے روز مبلغین کو جمع کر کے تبلیغ کے لیئے بھیجنا میرے ذمہ ہے اور بعض مرتبہ بعض مقام پر میں خود بھی تبلیغ کے لیئے جاتا ہوں اس مرتبہ ایک طالب علم سے کچھ غلطی ہو گئی میں نے اس کی غلطی پر تنبیہ کی اس نے کہا کہ مجھ کو سزا دیجئے۔ میں نے اس کے کان پکڑوا دیئے اس کے بعد مجھ کو بیحد ندامت ہوئی اور اس طالب علم سے معافی چاہی۔ مجھ کو ایسا کرنا چاہیئے تھا یا نہیں اور یہ اچھا ہوا یا برا۔ میں نے لکھ دیا کہ برا ہوا بلا ضرورت اس کی اہانت کی تم امارت سے استعفیٰ دیدو تم اس کے اہل نہیں ہو۔ آج پھر خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں اسی وقت سے امارت سے مستعفی ہو گیا ہوں اور اپنی اس حرکت اور بیوقوفی پر نادم ہوں۔ میں نے لکھا ہے کہ امارت ہی کو چھوڑا ہے یا تبلیغ کے کام کو بھی چھوڑ دیا۔ کہیں یہ سمجھے ہوں کہ امیر کے ذمہ تو دین کا کام ہے اور غریب کے ذمہ دین کا کام نہیں جب امارت ہی نہ رہی تو دین کا کام بھی میرے ذمہ نہیں۔

پھر فرمایا کہ طلبہ کو ایسے عہدے دینا نہایت بُرا قاعدہ ہے اس میں چند مفاسد ہیں۔ ایک تو یہ کہ مثلاً انہوں نے سزا دی یہ بھی طالب علم وہ بھی طالب علم آپس میں اندیشہ ہے عداوت کے پیدا ہو جانے کا۔ دوسرے یہ کہ جس کو امیر بنایا وہ خراب ہو گا اس میں کبر پیدا ہو گا تیسرے یہ کہ اگر کسی وجہ سے اُس کو عہدے سے معزول کیا گیا اُس کو اساتذہ پر بدگمانی ہو گی یا یہ کہ اساتذہ کو اپنے سے بدگمان سمجھے گا۔ غرضکہ شیطان کا شبرہ ہے جس سے بہت سی خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں اور بھی اس میں بہت سی جزئیات ہیں جن کا احاطہ مشکل ہے ان وجوہ سے ہرگز ہرگز طلبہ کو اس قسم کے عہدے یا اعزازی و امتیازی کام نہ سپرد کرنے چاہئیں ایسے کام اساتذہ کے ہاتھ میں ہونے چاہئیں اگر اساتذہ کسی کی غلطی یا کوتاہی پر کوئی سزا وغیرہ بھی دیں تو چونکہ تلامذہ کے قلوب میں اساتذہ کی پہلے سے وقعت اور عظمت ہوتی ہے اس لئے زیادہ اندیشہ ناگواری کا نہیں ہوتا۔

ملفوظ ۲۶۳: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ آج کل جو نمائش وغیرہ ہوتی ہیں ان میں جا کر اشیاء خریدنے کا کیا حکم ہے۔ فرمایا اس نمائش کی مثال بازار کی سی ہے جو بازار کے آداب ہیں وہی اس کے آداب ہیں۔ سو بلا ضرورت نہ بازار میں جانا مناسب ہے نہ ان میں۔ عرض کیا کہ ان میں تماشہ وغیرہ کا اضافہ ہوتا ہے۔ فرمایا کہ یہ تو بڑے شہروں کے بازاروں میں بھی ہوتا ہے حتیٰ کہ فاحشہ عورتیں بازار میں بیٹھی ہوتی ہیں تو کیا ضرورت کے لئے جانا جائز نہ ہو گا حاصل یہ ہے کہ ضرورت کے لئے جانا جائز بلا ضرورت بُرا پس جو بازار کا حکم ہے وہی ان کا۔ پھر فرمایا کہ میں ایک مرتبہ طالب علمی کے زمانہ میں میرٹھ میں نوچندی دیکھنے گیا۔ شیخ الٰہی بخش صاحب کے یہاں والد صاحب ملازم تھے میاں الٰہی بخش صاحب کے برادر زادہ شیخ غلام محی الدین نے مجھ سے دریافت کیا کہ مولوی صاحب نوچندی میں جانا کیسا ہے میں نے کہا کہ جو مفتی بننے والا ہو اس کو جانا جائز ہے اس لئے کہ اگر وہ کسی کو منع کرے گا اور اُس وقت اس پر یہ سوال کیا جاوے کہ اُس میں کیا خرابی ہے تو اپنے آنکھ سے دیکھی ہوئی خرابیوں کو بے دھڑک بیان تو کر سکے گا یہ سن کر وہ بہت ہنسے کہ بھائی مولوی لوگ اگر گناہ بھی کریں تو اُس کو دین بنا لیتے ہیں۔ فرمایا کہ لڑکپن میں ذہن بہت چلتا تھا گو کبھی ٹیڑھا بھی چلتا تھا جیسا اس واقعہ میں نفس کی شوخی تھی اب ایسی باتوں سے نفرت معلوم ہوتی ہے۔

ملفوظ ۲۶۴: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ شیخ الٰہی بخش صاحب رئیس چھاونی میرٹھ کے خاندان کے ایک حصہ کے ایک پیر جن کا نام حافظ عبدالرحمان صاحب تھا میرٹھ آئے میں بھی اس زمانہ میں میرٹھ تھا۔ مجھ کو معلوم ہوا کہ میں اکثر بزرگوں اور درویشوں سے ملا کرتا تھا

عمر بھی زیادہ نہ تھی گو بالغ تھا میں بھی ان کے خدمت میں پہونچا اور مجمع بیٹھا تھا انہوں نے تعارف کرایا کہ یہ طالب علمی کر رہے ہیں مولوی ہیں یہ سن کر پیر صاحب نے وحدۃ الوجود پر استدلال کے لئے حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار پڑھے جو مثنوی کے افتتاحی اشعار کی شرح میں اور ایسے درد سے پڑھے کہ سن کر مجھ پر بھی ایک قسم کی محویت طاری ہو گئی اور پڑھ کر فرمایا کہ دیکھئے مولوی جامی فرماتے ہیں

حکم غیریت بکلی محو بود متحد بودیم بادشاہ وجود

دیکھئے اس میں اتحاد کا صاف حکم ہے۔ میں نے فوراً کہا کہ اس میں متحد ہستیم نہیں۔ متحد بودیم ہے جس میں فی الحال اتحاد کی نفی کا صاف حکم ہے۔ پیر صاحب بیچارہ ول سے اس کا کچھ جواب نہیں بن پڑا۔ پھر مجھ کو خیال ہوا کہ بہت سے لوگوں کے پیر ہیں معلوم نہیں مرید لوگ کیا اثر لیں مگر اس ہی خاندان کے ایک معزز فرد نے مجھ کو بلا بھیجا۔ میں سمجھا کہ شاید آئندہ کے لئے ایسی جرأت سے روکیں۔ میں پہونچا خوش ہو کر ملے اور پوچھا کہ مولانا یہ کیا معاملہ تھا۔ میں نے سب سنا دیا خوش ہوئے اور یہ کہا کہ بہت ہی اچھا جواب دیا غرض کسی پر ذرہ برابر گرانی نہیں ہوئی کہ یہ خاندان ہمیشہ سے مہذب اور بزرگوں کے سامنے مؤدب رہا ہے۔ اب بھی ان میں بیحد تہذیب ہے۔ تہذیب کا ایک نمونہ یاد آیا۔ ایک مرتبہ شیخ الٰہی بخش صاحب مرحوم کے دسترخوان پر مولوی عبدالسمیع صاحب صاحب مولد تھے شیخ صاحب ان کے معتقد بھی نہ تھے شیخ صاحب کو پانی کی ضرورت ہوئی نوکر نے پانی پیش کیا چونکہ داہنے ہاتھ سے کھا رہے تھے انگلیاں بھری ہوئی تھیں اس لئے بائیں ہاتھ میں پانی لے کر پی لیا۔ مولوی عبدالسمیع صاحب نے کہا کہ بعض لوگوں نے ہر کام میں نصرانیت اختیار کر لی ہے حتیٰ کہ پانی بھی بائیں ہاتھ سے پینے لگے جو خلاف سنت ہے۔ ان کی تو باوجود زیادہ متبع سنت نہ ہونے کے اظہار حق کی شان دیکھئے ایسے علماء اگر امراء سے ملیں تو چنداں مضر نہیں گو جانا ان کے دروازوں پر احتیاج کی صورت ضرور رکھتا ہے جو مناسب نہیں۔ اور دوسری طرف شیخ صاحب کی بے نفسی اور تہذیب ملاحظہ ہو کہ باوجود ان سے معتقد نہ ہونے کے حق بات پر ناگواری نہیں ہوئی اور باوجود پیاس نہ ہونے کے قبول حق کو عملاً اس طرح ظاہر کیا کہ بلاضرورت پھر نوکر سے پانی منگایا اور اس کو داہنے ہاتھ میں لے کر پیا اور زبان سے کچھ نہیں کہا۔ توبہ بھی ہو گئی اور سنت پر بھی عمل ہو گیا۔

ملفوظ ۴۶۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مولوی عبدالسمیع صاحب جہلات کے تو غیر غالی بدعتی تھے مگر تھے نیک نیت۔ میں زمانہ طالب علمی میں دیوبند سے میرٹھ والد صاحب کے پاس آیا ہوا تھا۔ زیادہ قیام کی ضرورت تھی والد صاحب نے میرے اسباق کے ناغہ کے خیال سے مجھ کو درس کے لئے ان کے سپرد کرنا چاہا مگر انہوں نے فرمایا کہ کثرت اساتذہ مناسب

نہیں اور وہ بھی محض دو چار روز کے لئے کیونکہ کثرت ہیں سب کے حقوق ادا نہیں ہو سکتے کیسے کام کی بات فرمائی۔ اب جو میں اُن کی نسبت نرم الفاظ کہتا ہوں سامعین کے نزدیک یہ رعایت ہے اور اگر اُن سے کچھ پڑھ لیتا تو اس وقت اس قسم کی نرم الفاظ نصرت سمجھے جاتے اور نافع نہ ہوتے۔ نیز کچھ مداہنت بھی ہو سکتی تھی اللہ تعالیٰ نے بچا لیا اُن کی شاگردی سے اور اس کے آثار سے پھر اُن کے نیک ہونے کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک شخص اُن کے پاس آیا اور سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ انہوں نے اس سائل سے دریافت کیا کہ تم سے موت کے وقت یا قبر میں یا حشر میں یا میزان پر یا پل صراط پر یہ سوال ہو گا۔ عرض کیا کہ نہیں پھر کہا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ قیامت میں نماز کی اول پوچھ ہو گی عرض کیا کہ جی معلوم ہے۔ کہا کہ اچھا بتلاؤ نماز میں فرض، واجبات، سنن، مستحبات کیا کیا ہیں۔ بیچارہ گم ہو گیا۔ فرمایا کہ جاؤ کام کی باتوں میں وقت صرف کیا کرتے ہیں غیر ضروری سوال نہ کرنا چاہئے۔ اکثر بدعتی بڑے زور سے ایمان ثابت کرتے ہیں مگر انہوں نے سائل کی دینی مصلحت کو دیکھ کر اس کے موافق جواب دیا۔ کم از کم علماء کو ایسا تو ہونا چاہئیے کہ سائل کے تابع تو نہ بنیں۔

ملفوظ: ۴۶۶ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میرا دل ذرہ برابر گوارا نہیں کرتا کہ کسی کو میری وجہ سے تکلیف پہونچے البتہ جب مجھ کو تکلیف پہونچاتے ہیں اُس سے بچنے کی تدبیر کرتا ہوں اس میں چاہے بلا میرے قصد کے اُن کو تکلیف پہونچ جائے اس صورت میں ان کو جو تکلیف پہونچتی ہے خود اپنے ہی سے پہونچتی ہے نہ ایسی حرکت کریں نہ دوسروں کو تکلیف ہو اور نہ خود تکلیف اٹھائیں اور یہ سب ان رسوم و تکلفات کی بدولت مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی تباہی ہو رہی ہے۔

ملفوظ: ۴۶۷ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مسلمان اس زمانہ میں فضول اخراجات کی بدولت تباہ و برباد ہیں مگر اب تک یہ حالت ہے کہ فضول اخراجات سے نہیں رکتے۔ فرمایا کہ یہی ہو رہا ہے پھر جب پیسہ پاس نہیں رہتا تو جھوٹ فریب کا (اس میں پیسہ اور پیشہ کی تجنیس کا لطیفہ ہے) پیشہ اختیار کر لیتے ہیں۔

۲۶ جمادی الثانی سنہ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نمازِ جمعہ

ملفوظ ۴۶۸: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایک شخص مسجد میں پہونچا اس کو یہ خیال ہوا کہ اذان اور جماعت ہو چکی اس خیال سے اُس نے اپنی نماز پڑھ لی بعد میں معلوم ہوا کہ نہ اذان ہوئی نہ جماعت تو پھر دوبارہ جو نماز میں شرکت کرے گا تو کیا فرضوں ہی کی نیت کرے گا۔ فرمایا کہ ایک سوال اس میں اور اضافہ کر لیا جائے کہ کن کن اوقات میں شرکت کرے اور کن کن میں نہیں تاکہ سوال وجواب دونوں مکمل ہو جائیں پھر فرمایا کہ عصر و مغرب و فجر میں تو شرکت نہیں کر سکتا اور عشاء اور ظہر میں شرکت کر سکتا ہے۔ اب تمہارے سوال کا جواب دیتا ہوں کہ اس میں نیت نفلوں کی ہوگی اور فرض ادا ہو چکے دوبارہ فرض نہ ہوں گے اور یہ شخص فرض کی امامت بھی نہیں کر سکتا۔ عرض کیا کہ ایک شخص یہ کہتا تھا کہ پہلے جو فرض پڑھے ہیں وہ نفلیں ہو گئیں اب دوبارہ جو پڑھے گا وہ فرض ہوں گے۔ فرمایا کہ یہ اُس نے غلط بیان کیا اُس کی بالکل ایسی مثال ہوگی کہ ایک شخص نے سرکاری خزانہ میں مالگذاری کا روپیہ داخل کیا اور اُس کے بعد حاکم خزانہ کے پاس ڈالی لے کر گیا اب کہتا ہے کہ جو رقم میں نے پہلے داخل کی ہے اس کو تو ڈالی سمجھو اور اس کو مال گذاری سو یہ کہنا محض لغو ہوگا۔ ایسی ہی اس کی مثال ہے کہ فرض جو پڑھ چکا اُن کو نفل بتلانا اور نفل کو فرض بتلانا (یہ مثال مسائل کی رعایت سے دے گئی ورنہ اس کی حاجت نہیں)

ملفوظ ۴۶۹: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ہر شخص کا کام نصیحت کرنے کا نہیں اس کے بھی شرائط ہیں بدون اُن شرائط کے نصیحت کرنا ایسا ہے جیسے بدون وضو کے نماز پڑھنا۔ ایک شخص یہاں پر مقیم تھے انھوں نے دوسرے شخص کو ایک نصیحت کی اور یہاں کے قواعد میں مصالح تربیت کی بناء پر یہ بھی داخل ہے کہ ایک دوسرے کو کچھ نہ کہے۔ میں خود ہی ہر بات کا انتظام رکھتا ہوں کیونکہ ایک طالب کے دوسرے طالب کو کچھ کہنے میں عوارض کی وجہ سے بڑی خرابیاں اور بڑے مفسدے ہیں میں نے اُن سے مواخذہ کیا کہ تم نے ان کو نصیحت کیوں کی۔ شاید یہ جواب دیا کہ دین سمجھ کر۔ میں نے کہا کہ نماز دین ہے مگر اُس کی بھی شرطیں ہیں ایسے ہی تبلیغ اور نصیحت کی بھی شرطیں ہیں کیا وہ تم کو

معلوم ہیں کہنے لگے کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ جب شرطیں معلوم نہیں تو تم نے جو نصیحت کی یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ دین ہے۔ اس پر کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا کہ لو میں وہ شرطیں بتلاتا ہوں نصیحت کی پہلی اور ادنیٰ شرط یہ ہے کہ جس کو نصیحت کرے عین نصیحت کے وقت یہ سمجھے کہ میں اس سے کم درجہ کا ہوں اور وہ مجھ سے افضل ہے تو جس وقت تم نے نصیحت کی تھی قسم کھا کر بتلاؤ کہ کیا یہ خیال تمہارے دل میں تھا کہ میں ارذل ہوں اور یہ افضل یا اس کا عکس تھا کہنے لگے کہ عکس ہی تھا۔ میں نے کہا تو یہ تکبّر ہوا جو معصیت ہے اور تم کہتے ہو کہ دین سمجھ کر کیا۔ کیا جو چیز تکبر سے ناشی ہو وہ دین ہو سکتا ہے اب یہ دیکھو کہ یہ تکبر تم میں کاہے سے ہوا۔ یہ ذکر و شغل سے پیدا ہوا اس کے سبب اپنے کو بزرگ سمجھنے لگے اس لئے آج سے ذکر و شغل چھوڑ دو لیکن مطلب اس کا یہ ہے کہ ہیئت معتادہ ایک جگہ بیٹھ کر مت پڑھو چلتے پھرتے پڑھا کرو جس کی کسی کو خبر بھی نہ ہو دوسرے ۔۔۔ خانقاہ والوں کی جوتیاں سیدھی کر کے رکھا کرو اور ان کے وضو کے لئے لوٹے بھرا کرو۔ دس روز تک انہوں نے ایسا ہی کیا تب اُن کا نفس ڈھیلا ہوا۔ اور نفس اسی طرح ڈھیلا ہوتا ہے۔ لوگوں سے کہتے تھے کہ مجھ کو دس برس میں بھی وہ نفع نہ ہوتا جو ان دس دن میں نفع ہوا۔ ایک شخص ہر حال میں دوسرے کو اپنے سے اچھا سمجھنے پر کہتے تھے کہ مثلاً میں نے تو نماز پڑھی اور دوسرے نے نہیں پڑھی تو اُس سے اپنے کو کمتر کیسے سمجھوں۔ میں نے ایک مثال سے سمجھایا کہ کسی جرم کی بناء پر بادشاہ نے شہزادے کے بید لگانے کا بھنگی کو حکم دیا۔ اب بتلاؤ کہ عین بید لگانے کے وقت کیا بھنگی اپنے کو شہزادے سے افضل سمجھے گا ہرگز نہیں بلکہ یہی خیال کرے گا کہ شاہی حکم کی بناء پر بید لگا رہا ہوں باقی شہزادہ شہزادہ ہی ہے اور میں بیچارہ ایک بھنگی تو دونوں باتیں یعنی اُس کو مجرم سمجھنا اور اپنے سے افضل سمجھنا ایک وقت میں جمع ہو سکتی ہیں۔

ملفوظ ۷۶۳: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ متکبرین کی سی وضع اختیار کرنا اُن کا سا لباس پہننا اس میں خاصیت ہے کبر کی جس سے ایک ظلمت پیدا ہوتی ہے اور قلب بگڑتا ہے اسی طرح اپنی حیثیت سے زیادہ قیمتی کپڑا پہننا اپنی وسعت سے زیادہ سامان جمع کرنا یہ سب کبر کی فرع ہیں خصوص جب تجار یا کفار کے ساتھ تشبّہ بھی ہو تو ظلمات بعضها فوق بعض کا مصداق ہو گا۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ آج کل جدید تعلیم یافتہ کہتے ہیں کہ تشبّہ میں کیا رکھا ہے آج ہی ایک خط آیا ہے انگریزی داں ہیں انہی کو ایسی ایسی سوجھتی ہیں لکھا ہے کہ میں بہت عرصہ سے پریشان ہوں مگر آج تک من تشبه بقوم فهو منهم میری سمجھ میں نہیں آیا۔ فرمایا کہ اب جواب لکھوں گا اور سمجھاؤں گا (یہ خط مکتوبات محسن العزیز ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ یوم جمعہ

میں مع سوال و جواب حضرت والا نقل ہو چکا ہے جس میں ایک عجیب عنوان اور مثال سے حدیث کی شرح فرمائی گئی ہے اور یہ خط النور ۵،۶ بابت شعبان و رمضان و شوال ۱۳۵۴ھ کے صفحہ ۹ و النور ۹ بابت محرم ۱۳۵۵ھ کے صفحہ ۲ پر طبع ہو چکا ہے۔ ۱۲ جامع)

ملفوظ ۱۷۱: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ یہ جدید تعلیم یافتہ لوگ تو مولویوں کو بیوقوف سمجھتے ہیں اور زبان سے بھی کہتے ہیں کہ مولوی بیوقوف ہوتے ہیں مگر ان کو جو مولوی ملا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کتابیں سمجھ کر نہیں پڑھیں ورنہ ان کو پتہ چل جائے کہ مولوی بیوقوف ہوتے ہیں یا خود یہ جناب اور یہ واقعہ ہے کہ اگر طالب علم دینی کتابیں سمجھ کر پڑھ لے پھر اُن کی قابلیت کے مقابلہ میں کوئی کتنی ہی ڈگریاں حاصل کیا ہوا ہو ہرگز ہرگز قابلیت نہیں ظاہر کر سکتا۔

ملفوظ ۱۷۲: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اس تشبّہ کے مسئلہ پر مولوی طیّب صاحب نے ایک رسالہ لکھا ہے عجیب بحث کی ہے اور بہت سی حضرت کی فرمائی ہوئی باتیں اور مثالیں اُس میں لکھی ہیں۔ فرمایا کہ جی ہاں میرا خیال ہوا تھا کہ اُن صاحب کو جنھوں نے من تشبہ بقوم فھو منھم کا مطلب سمجھنے سے اپنے کو قاصر لکھا ہے (جن کا مقولہ اوپر کے ملفوظ میں بیان کیا گیا ہے) اُس رسالہ کا پتہ لکھ دوں مگر پھر یہ خیال ہوا کہ ابھی نہیں ذرا یہ دیکھ لوں کہ استعداد فہم بھی سمجھنے کی ہے یا نہیں۔ اس کے بعد پتہ بتلا دوں گا۔ میں نے تو اس مبحث میں حیوٰۃ المسلمین رسالہ کے دو ورق میں جو کچھ لکھا وہ کافی وافی ہے مگر اس مضمون کا نام میں نے تشبّہ نہیں رکھا قصداً امتیاز قومی رکھا ہے انہیں کے مذاق پر کیونکہ ایسے عنوانات کی اہمیت اُن کے یہاں بہت ہے۔

ملفوظ ۱۷۳: فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ بلا جماعت اور خلوت صحیحہ کے ایک شخص نے اپنی عورت کو تین طلاق دیدیا اس صورت میں عدت ہے یا نہیں۔ یہ سوال اگر کہیں اور جگہ جاتا تو جواب میں یہی لکھدیتے کہ عدت نہیں۔ مگر مجھ کو وہم ہوا کہ معلوم نہیں یہ شخص خلوت صحیحہ کو بھی سمجھتا ہے یا نہیں۔ جواب سے پہلے اس کے معلوم کرنے کی ضرورت ہے اس لئے میں نے لکھا ہے کہ خلوت صحیحہ تم کسے سمجھتے ہو تمہارے ذہن میں خلوت صحیحہ کا مفہوم ہے کیا۔ ممکن ہے کہ خلوت صحیحہ کو سمجھتے ہی نہ ہوں تو جواب کو غلط سمجھتے۔ ایکدفعہ ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ تصوّر شیخ کے متعلق کیا حکم ہے اس وقت زیادہ تجربہ نہ تھا عمر بھی تھوڑی تھی میں کہدیتا کہ کوئی حرج نہیں مگر خدا نے سنبھالا۔ میں نے کہا کہ آپ تصور شیخ کا مطلب کیا سمجھتے ہیں۔ کہنے لگے کہ خدا کو پیر کی شکل میں سمجھنا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اللہ ہی نے خبر کی ورنہ یہ شخص ہمیشہ کے لئے گمراہی میں مبتلا ہو جاتا۔ تب میں نے اُس

کا نفی میں جواب دیا یہ سب تجربہ کی باتیں ہیں لوگ اس پر مجھ کو وہمی کہتے ہیں۔ کیا یہ وہم ہے احتیاط کا نام وہم رکھا ہے عدل کا نام سختی رکھا ہے۔ ناجائز نرمی اور مداہنت کا نام اخلاق رکھا ہے۔ بس چھٹی ہوئی۔

ملفوظ ۴۷۴: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ سب سے بڑی مانع چیز خدا کے دربار میں رسائی سے اور مقبول ہونے سے کبر ہے اور اس وقت اس میں اِلّا ماشاء اللہ عام ابتلاء ہو رہا ہے حتیٰ کہ اہل علم بھی اس مرض میں مبتلا ہیں اور عوام سے زیادہ مخصر اہل کلام کا ابتلاء ہے اس لئے کہ جب پیشوا ہی گم کردہ راہ ہوں تو ہدایت کی بظاہر کوئی صورت ہی نہیں۔

ملفوظ ۴۷۵: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آج کل قادیانیوں کی وجہ سے بڑا فتنہ ہو رہا ہے۔ ہر جگہ ان کا مشن کام کر رہا ہے۔ ایک قادیانی چند مرتبہ تو میرے پاس اپنے مذہب کی کتابیں دکھلانے کو لا چکا اور مجھ سے زبانی مذہبی گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ میں نے کہدیا کہ میں عالم نہیں ہوں اپنے مذہب سے پورا واقف نہیں۔ یہ باتیں تم ہمارے علماء سے پوچھو اور انہیں سے گفتگو کرو۔ فرمایا یہی جواب مناسب ہے۔ جتنے اہل باطل فرقے ہیں سب درونہ اسی فکر میں رہتے ہیں اور اہل حق کے پیچھے پڑے رہتے ہیں پھر ان کے پاس اتفاق سے اشاعت اور تبلیغ کا سامان موجود ہے۔ کافی سرمایہ ہے۔ دوسرے ممالک تک میں تبلیغ کے لئے پہونچ گئے آج کل حق و باطل تو کوئی دیکھتا نہیں صرف ان باتوں کو دیکھتے ہیں کہ تبلیغ کا کام کرتے ہیں۔ آریوں سے مناظرہ کرتے ہیں اسلام کے ہمدرد ہیں۔ اگر تبلیغ اور اشاعت کی کثرت حق کا معیار ہے تو اس وقت عیسائیوں سے زیادہ کوئی بھی تبلیغ نہیں کر رہا تمام ممالک میں ان کے مشن کھلے ہوئے ہیں اسی طرح مناظرہ کرنا بھی حق کا معیار نہیں ہو سکتا۔ عقل اور فہم لوگوں سے جاتا رہا جو ایک بہت بڑا قہر خداوندی ہے۔ اب تو یہاں تک نوبت آگئی ہے کہ لوگوں کو اس پر شبہ ہوتا ہے کہ قادیانی تو اپنے کو مسلمان کہتا ہے پھر علماء اس کو کافر کیوں کہتے ہیں خوب سمجھ لو کہ اس کا اپنے کو مسلمان کہنا ایسا ہے جیسے مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے کو مسلمان کہتا تھا نماز پڑھتا تھا حضور کی رسالت کی تکذیب نہ کرتا تھا بلکہ صرف اپنی رسالت کا دعویٰ بھی کرتا تھا کہ جیسے یہ رسول ہیں ایسا ہی میں بھی رسول ہوں۔

ملفوظ ۴۷۶: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر صحیح اصول کا اتباع کیا جاوے تو کوئی بھی پریشانی نہیں خصوص اس طریق میں تو پریشانی ہے ہی نہیں۔ دین اور پریشانی عجیب بات ہے۔ دین میں پریشانی تو ہے ہی نہیں خواہ وہ احکام ظاہرہ ہوں یا باطنہ۔ لوگوں نے بوجہ لاعلمی کے اور فن سے ناواقف ہونے کے خود اپنے اوپر پریشانیاں لے

رکھی ہیں اور سختیوں میں پڑے ہوئے ہیں اور اگر کوئی بات نفس کے خلاف بھی ہو تو جب اس میں عبد کا سراسر نفع ہے تو پھر اعتراض اور شبہ پریشانی کیسا تعجب ہے کہ دین ہی اس قسم کی نکتہ چینیوں اور اعتراضوں کے لیئے رہ گیا ہے۔ طبیب مسہل دیتا ہے کسی روز منضج ہے کسی روز بتر ید۔ غرضکہ اس قدر جھگڑا کہ نمٹایا نہیں نمٹتا۔ وہاں کبھی یہ اعتراض نہ پیدا ہوا کہ اس میں تو بڑی پریشانی ہے۔ حاصل یہ کہ اول تو دین کے اتباع میں کوئی پریشانی نہیں اور اگر بالفرض ہو بھی تو ایمان والوں کی تو یہ شان ہونا چاہئے اور واقع ہیں جو دین کی حقیقت سے باخبر ہو چکے ہیں ان کی حالت اور شان ہے بھی یہی کہ بزبان حال کہتے ہیں ؎

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت — سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اور وہ ہر کشمکش اور انقلاب کو دیکھ کر تسلیم و رضا کے ساتھ یہ کہتے ہیں ؎

بگوش گل چہ سخن گفتۂ کہ خنداں است — بعندلیب چہ فرمودۂ کہ نالاں است

ملفوظ ۴۷۷: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہر حالت میں اعتدال ہی اسلم ہے مثلاً اگر کسی پر مشاہدہ یا خوف یا محبت کا اتنا غلبہ ہو جاوے جس سے کسی وقت سکون اور افاقہ ہی نہ ہو تو یہ شخص نماز روزہ سے بھی جاتا ہے علاوہ معذوری باطنی کے ایک حسی معذوری یہ ہو جاوے گی مثلاً نماز بدون طاقت کے نہیں ہو سکتی۔ اور طاقت بدون طعام کے نہیں ہو سکتی اور طعام بدون رغبت کے نہیں ہو سکتا اور اس حالت میں رغبت کا ہونا مشکل تو پھر قوت بھی نہ ہو گی اور کوئی کام نہ ہو گا۔ نیز ان چیزوں کے دوام نہ ہونے میں ایک اور بھی حکمت ہے وہ یہ کہ حضوری میں جو لطف ہوتا ہے یہ دوری ہی کی بدولت ہوتا ہے تکلف اسی میں ہے کہ کبھی حضوری ہے اور کبھی دوری کبھی سوتا ہے کبھی جاگتا کبھی ہنستا ہے کبھی روتا کبھی بولتا ہے کبھی چپ رہتا کبھی قبض ہے کبھی بسط ایک حالت پر فطرۃ انسان رہ نہیں سکتا۔ غرض ہر چیز میں خدا کی حکمتیں اور اسرار ہیں جن کو بندہ سمجھ نہیں سکتا اس لئے خود تمناؤں کو فنا کر کے تفویض اختیار کرے۔

ملفوظ ۴۷۸: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ طلب صادق بھی عجیب چیز ہے۔ یہی ایک ایسی چیز ہے کہ بڑے بڑے سخت کام کو سہل بنا دیتا ہے۔ دیوبند میں ایک شخص تھے دیوان اللہ دیا انہوں نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ میں کیا چیز ہوں اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا نام بتلا کر وہاں جا کر مرید ہو جاؤ۔ انہوں نے کچھ چوں و چرا نہیں کی سیدھے گنگوہ حضرت کی خدمت میں پہنچے اور جا کر مرید ہو گئے پھر دیوبند واپس آئے اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پھر عرض کیا کہ حضرت بیعت کر لیجئے۔ فرمایا کہ گنگوہ حضرت سے تو بیعت ہو آئے

پھر یہ درخواست کیسی۔ عرض کیا کہ وہاں تو آپ کے فرمانے سے بیعت ہو آیا اور بھی جس سے آپ فرما دیں بیعت ہو جاؤں۔ باقی اصل بیعت تو آپ ہی سے ہوں گا۔ کیا ٹھکانہ ہے اس محبت اور اطاعت کا کیسے سمجھدار آدمی تھے مخالفت بھی نہیں کی شیخ کی اور درخواست بھی نہ چھوڑی آخر مولانا کو بیعت کرنا پڑا اور واقعی بیعت تو وہی ہے جو ایسی طلب کے بعد ہو باقی اب تو بیعت اکثر محض رسم ہی رسم رہ گئی ہے لوگ ہیں کہ بیعت پر مرے جاتے ہیں اس سے اُن کے فہم و فساد اعتقاد کا کہ غیر ضروری کو ضروری سمجھنا ہے یا غرض کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اور اس غرض کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے ایک عورت ہے اس کو شہوت تو ہے نہیں مگر نان نفقہ کی ضرورت ہے وہ ایک شخص سے نکاح چاہتی ہے اُس نے کہا کہ بیوی نکاح تو میں کرتا نہیں ہاں پچاس روپیہ ماہوار تجھ کو دیا کروں گا تو اس عورت کا اس میں کیا حرج ہے لیکن اگر نکاح ہی پر اصرار ہے تو معلوم ہوا کہ اس میں شہوت ہے ایسے ہی یہاں سمجھ لیا جائے کہ جب بدون بیعت ہوئے ہی وہ کام ہو جائے جو بیعت ہونے سے ہوتا پھر بیعت پر کیوں اصرار ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دال میں کالا ہے کوئی نفسانی غرض قلب میں بیٹھی ہوئی ہے جو مثل شہوت کے ہے اور میں اس کو بتلائے دیتا ہوں کہ کام کرنا مقصود نہیں نام کرنا مقصود ہے کہ ہم بھی فلاں سے تعلق رکھنے والے ہیں جس کا منشا جاہ ہے اور یہ ناشی ہے کبر سے گو بظاہر دین کی بات ہے مگر اسی میں یہ شخص ایسے امراض کا شکار بنا ہوا ہے جو ام الامراض ہے۔ یہ حقیقت ہے آج کل کے اصرار بیعت کی جو میں سمجھتا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ مجھ کو نبض شناسی عطاء فرمائی۔

ملفوظ ۴۷۹: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ والد صاحب مرحوم نے چار نکاح کیے تھے اُس وقت عام دستور تھا معافی مہر کا اسی لیے اس طرف کبھی التفات نہیں ہوا مگر ایک بار دفعتہً تنبہ ہوا اور اس عام عادت پر قناعت نہ ہوئی۔ اس بناء پر میرے حصہ پر شرعی مسئلہ کی رو سے جو رقم بیٹھی تھی اس کو تقسیم کرنے کا انتظام کیا اس لیے کہ وہ جائیداد تو والد صاحب کی ہم ہی لوگوں کو پہنچی اُسی کے ذمہ یہ دین مہر بھی ہونا چاہیے اس لیے فرائض نکلوائی صرف مناسخہ کی اُجرت میں مجھ کو چودہ ۱۴ روپیہ دینے پڑے اور تقریباً سال بھر کے عرصہ میں ورثہ کی تحقیق ہوئی۔ کوئی مکہ معظمہ ہے کوئی مدینہ منورہ میں کوئی بمبئی میں کوئی کلکتہ میں کوئی لاہور میں غرض الحمد للہ بعد تحقیق سب کو رقمیں پہنچا دی گئیں غالباً آٹھ سو روپیہ سے کچھ کم یا زائد میرے حصہ پر رقم بیٹھی جس میں سے صرف دو جگہ باقی ہیں جہاں ابھی رقمیں نہیں پہنچیں۔ بمبئی اور مکہ معظمہ (جو لکھ رہا ہوں وہاں بھی پہنچ گئیں ۱۲ جامع) ورثہ کے حصص میں بعض بیچاروں کے حصہ پر ایک ہی پیسہ آیا بعض کے حصہ پر دو ہی پیسے آئے۔ کاندھلے میں بڑے بڑے معزز و متمول لوگ

ہیں بعض کے حصہ پر قلیل پیسے آئے مگر میری درخواست پر کسی نے قبول کرنے سے انکار نہیں کیا مجھ کو بڑی ہوئی مسرت ہوئی کہ انہوں نے قبول فرمالیا اور اس خیال سے نہ تو معاف کیا کہ معاف کرنے کی کوئی چیز نہیں کوئی کاہانت بھی ہو اور نہ لینے سے انکار کیا کہ میری دل آزاری اور دل شکنی ہوگی۔ ماشاء اللہ کیا ٹھکانا ہے ان کی اس سمجھ اور فہم کا اور شرافت کا۔ اب ایک واقعہ اس کے مقابل سنئے ان ہی ورثہ میں سے ایک شہر میں ایک صاحب ہیں جو طبیب بھی ہیں اور ایک کالج کے پروفیسر بھی ہیں اُن کے حصہ پر تریسٹھ روپیہ بیٹھے۔ میں نے بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دیئے۔ روپیہ تو وصول کر لیا اور مجھ کو لکھتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ آپ نے کس قاعدہ سے ترکہ تقسیم کیا کہیں حیلہ شرعی کر کے تھوڑی سی رقم سے تو کام نہیں چلا لیا۔ یہ صلہ ملا۔ بھلا ان عقلمند سے کوئی پوچھے کہ تم نے یہ خیال کیا کہ جس شخص کا نہ مجھ سے اپنے حق کا مطالبہ تھا نہ اُس کو اس کا علم تھا پھر میں نے اُس کو تریسٹھ روپیہ دیئے اس سے ہی سمجھ جاتے کہ جس نے اس قدر اہتمام کیا اُس کا سبب سوائے خدا کے خوف کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور کیا ایسا شخص تاویل کرے گا یا تاویل سے کام لے گا۔ فلاں مولوی صاحب نے جواب لکھنا چاہا مگر میں نے منع کر دیا کہ چھوڑو بھی کس کو منہ لگاتے ہو اگر فہم ہوتا اور سمجھ ہوتی تو عقلمند ایسی بات کہتے ہی کیوں۔ ابھی منی آرڈر وصول کر لیا حق پہونچ گیا ہم کو پروا نہیں کہ وہ خفا ہوں یا خوش ہوں۔ یہ حالت لوگوں کے فہم کی ہے خاک پروفیسری کرتے ہوں گے (ضمیمہ ملفوظ) ایک عزیز نے سوال کیا کہ جس طرح والد صاحب کے ذمہ کے مہروں کا حصہ مستحقین کو پہونچایا گیا اسی طرح دادا صاحب یا پردادا صاحب کے ذمہ جو ان کی منکوحات کا مہر تھا کیا وہ مستحقین کو پہونچایا جاوے گا۔

جواب یہ ہے کہ والدہ صاحبہ کا جو مہر والد صاحب کے ذمہ دین تھا وہ والد صاحب کے بعد اُن کے ترکہ سے متعلق ہوا اور اُس ترکہ پر صرف ان کی اولاد قابض ہوئی اور والدہ صاحبہ کی وفات کے وقت اُن کی والدہ بھی زندہ تھیں جو ان کے حصہ کے زندہ والد صاحب کے ترکہ میں حقدار تھیں اس لئے قابضان ترکہ ان کے مدیون رہے۔ بخلاف دادی صاحبہ و من فوقہا کے کہ پردادا صاحب و من فوقہ کے ترکہ ہی کا علم نہیں جس کو مہر بدین المہر کہا جاوے اور دادا صاحب کے ترکہ میں جائداد کا ہونا اجمالاً معلوم ہے جو مشغول بالدین ہو سکتا ہے مگر خود دادی صاحبہ کا کوئی وارث بجز اُن کی اولاد کے معلوم نہیں تو وہی مستحق دین مہر کے بھی تھے اور ان ہی کو جائداد بھی مل گئی اس لئے اور کسی کا استحقاق ثابت نہیں ہوا جن کا حق پہونچایا جاتا +

ملفوظ ۲۸۰: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ سے لوگوں کی یہ شکایت تھی کہ یہ تحریکات میں شریک نہیں رہتا میں کہتا ہوں جواز و عدم جواز کا مسئلہ تو الگ رہا۔ ایک موٹا پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ

کس کے بھروسہ کھڑا ہوتا۔ کیا آج کل کے مسلمان اس قابل ہیں کہ ان کے بھروسہ پر کوئی کام کیا جائے اگر کوئی کھڑا بھی ہو تو نتیجہ وہی ہوگا جو میں نے بسبیل گفتگو ایک صاحب سے جو میرے لئے امیر المومنین ہونا تجویز کرتے تھے عرض کیا تھا کہ اگر کاغذی امیر المومنین بنانا چاہتے ہو تو نتیجہ یہ ہوگا کہ آج امیر المومنین ہوں گا اور کل کو امیر الکافرین۔

ملفوظ ۴۸۱: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض خواب کا سمجھنا مشکل ہے ایک شخص نے مصر میں حضور کو خواب میں دیکھا اور حضور کا فرمانا کہ اشرب الخمر بیان کیا عموماً علماء نے سن کر فرمایا کہ اس کو غلط یاد رہا حضور نے یہ فرمایا ہوگا لاتشرب الخمر۔ میں نے سن کر کہا کہ اگر میں اس مجلس میں ہوتا تو میں کہتا کہ اگر اشرب الخمر بھی فرمایا ہو تو اس سے مراد شراب محبت ہے اس کو تشبیہ دی شراب سے سکر کی وجہ سے

ملفوظ ۴۸۲: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ وہ اپنے فضل سے اور اپنے بزرگوں کی برکت سے عین وقت پر ضرورت کی چیز قلب میں القاء فرما دیتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب جو اپنے ہی عقائد کے تھے مجھ سے کہنے لگے کہ اگر تم خفا نہ ہو تو ایک بات کہوں۔ میں نے کہا کہ خفا ہونے کی کیا بات ہے کہو کیا بات ہے کہا کہ دشمن کو آگ میں جلتا ہوا دیکھ کر ہم کو بھی رحم آجاتا ہے تو کیا حق تعالیٰ کو رحم نہ آئے گا جب کفار دوزخ میں جلیں گے۔ میں نے کہا کہ یہ آپ کا قیاس مع الفارق ہے آپ میں تو انفعال ہے اور اللہ تعالیٰ انفعال سے منزہ ہے وہاں تو جو بھی ہوتا ہے ارادہ سے ہوتا ہے۔ پھر وہ ارادہ حکمت سے ہوتا ہے۔ مولوی صاحب نے توبہ کی۔

۲۷ ؍ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم شنبہ

ملفوظ ۴۸۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شاہان سلف میں جس قدر بادشاہ گذرے ہیں ان کو رعایا کی ساتھ شفقت تھی ان کی پرورش کا خیال رکھتے تھے اب اکثر حکومتوں کو اس کا خیال نہیں اور جب تک شفقت نہ ہو پرورش کا خیال نہ ہو کوئی طریقہ اور کوئی تدبیر رعایا کو مطیع بنانے کی نہیں۔ ملکہ میں یہ بات پھر غنیمت تھی کہ رعایا کے ساتھ شفقت تھی۔ سنا ہے کہ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے ہماری ملکہ اور اس کا اچھیں نام رکھا

تھا۔ صاحب تعجب ہونا تو اس لحاظ سے تھا اس لئے کہ اس کے زمانہ میں ایسا طاعون ہوا نہ کوئی جنگ ایسی ہوئی نہ قحط سالی ہوئی نہ ملک میں بدامنی ہوئی ایک صاحب سے جو چند روز ملکہ کی کسی خدمت پر نوکر رہے ملکہ کے عجیب و غریب قصے ترحم و رعایت کے سننے میں آئے اور ایک واقعہ تو اکثر جگہ عجیب پیش آیا وہ یہ کہ جب ملکہ مر گئی تو اکثر کھانے پکوا کر تقسیم کئے جا رہے تھے جب کوئی پوچھتا کہ یہ کیا ہو رہا ہے تو اکثر یہ جواب ملتا کہ ملکہ کو ایصال ثواب کیا جا رہا ہے بعض کا بیان ہے کہ خفیہ مسلمان تھی واللہ اعلم۔

۴۸۴ ملفوظ: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ سر سید کی نیت تو بری نہ تھی مسلمانوں کا ہمدرد تھا مگر عقل و دین کی کمی کی وجہ سے جو راہ مسلمانوں کی فلاح اور بہبود کے لئے نکالی وہ مضر ثابت ہوئی وجہ یہ کہ اصل مقصود دنیا کو سمجھا پھر دین کیسے محفوظ رہتا چنانچہ ایک مرتبہ سر سید میرٹھ آئے تھے اُن سے ایک رئیس نے پوچھا تھا کہ تم چاہتے کیا ہو دنیا یا دین۔ جواب تو واقعی اچھا دیا کہ میں نہ دنیا چاہتا ہوں نہ دین صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرے بھائی ننگے بھوکے نہ رہیں۔ بس یہ میری مراد ہے مگر بندہ خدا نے یہ نہ دیکھا کہ ننگے بھوکے تو دین پر عمل کرنے ہوئے بھی نہ رہتے وہی عقل کی کمی سبب ہے ایسے جواب کا۔

۴۸۵ ملفوظ: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ذہانت بھی عجیب چیز ہے بشرطیکہ اس کا استعمال محل پر ہو۔ سلطان عبد الحمید سے کسی یورپین بادشاہ نے کہا تھا کہ آپ یورپ کے درمیان میں ایسے ہیں جیسے بتیس۳۲ دانتوں کے درمیان زبان اس میں تعریض تھی عجز و ضعف کی طرف جس کو سلطان سمجھ گئے اور فرمایا کہ یہ بالکل ٹھیک ہے مگر قدرتی سنت یہ ہے کہ دانت پہلے فنا ہو جاتے ہیں اور زبان باقی رہتی ہے۔ عجیب جواب ہے آخر شاہی دماغ تھا۔

۴۸۶ ملفوظ: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہمیشہ سے جس قدر مسلمان کے مذہب کے مٹانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور مخالفت ہو رہی ہے اگر اس سے ہزارواں حصہ کوشش بھی کسی دوسرے مذہب کے مٹانے کی کی جاتی تو اب تک کبھی کا فنا ہو چکتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کوئی حامی ہے اس لئے انشاء اللہ تعالیٰ یہ مٹ نہیں سکتا اور یہ بھی ایک وجہ ہے مسلمانوں کی بے فکری کی سمجھتے ہیں کہ اگر اس کا کوئی بھی حامی نہ ہو تب بھی خدا تعالیٰ تو حامی ہے وہ خود اپنے دین کے محافظ ہیں اور اسی پر کیا حصر ہے استغناء مطلقاً مسلمانوں کا خاصہ ہے اور یہ شجاعت کے لوازم سے ہے۔ اسی طرح حسن ظن ترحم اعتماد یہ سب شجاعت کے لوازم سے ہے اور دوسری قوموں میں نہیں۔

۲۷ رجمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

ملفوظ ۴۸۷: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ غلام احمد قادیانی کو اول فساد متخیلہ ہوا پھر اس حالت کے خیالات کی تبع ہو گئے اور اس کا نباہ ہو گیا باقی یہ بات کہ یہ فساد متخیلہ ہوا کس وجہ سے سو وجہ یہ ہوئی کہ اس نے کچھ محنت ریاضت کی جس سے اس کے دماغ پر اثر ہوا۔ ایک سمجھدار شخص اس سے ملے تھے وہ بیان کرتے تھے کہ میری اس سے گفتگو بھی ہوئی۔ بیان کے وقت خصوص مسیح ہونے کے دعوے کے وقت اس میں ایک جوش ہوتا ہے مسیلمہ کذاب کی بھی ایسی ہی کیفیت ہو جاتی تھی اس پر فرمایا کہ اس حالت میں شیخ کامل کی ضرورت ہوتی ہے وہ سنبھال لیتا ہے ورنہ سالک خراب اور برباد ہو جاتا ہے۔ قادیانی کو ایسا شیخ نہیں ملا۔

ملفوظ ۴۸۸: ایک شخص نے مجلس میں کھڑے ہو کر حضرت والا سے کچھ عرض کرنا چاہا۔ فرمایا کہ بیٹھ کر کہو جو کچھ کہنا ہو کھڑے ہو کر کہنے سے مخاطب کے قلب پر بار ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دیکھو ہم کھڑے ہیں اپنا کام چھوڑ کر پہلے ہمارا کام کرو۔ یہ امراء کے دربار کے آداب ہیں وہاں پر تو بلا اجازت بیٹھنا بھی جرم ہے۔ یہ متکبرین کے آداب ہیں اور ہم تو غریب ملّانے ہیں، ہمیں یہ باتیں پسند نہیں۔

ملفوظ ۴۸۹: ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا تھا اس میں لکھا تھا کہ میں مرض غیبت میں مبتلا ہوں اس کا کوئی طریقہ علاج بتلائیے۔ میں نے لکھ دیا کہ یہ فعل اختیاری ہے یا غیر اختیاری آج پھر خط آیا ہے لکھتے ہیں کہ ہے تو اختیاری مگر بغیر علاج کے اصلاح غیر ممکن ہے میں نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ زنا تو اختیاری ہے مگر بدون علاج کے اصلاح غیر ممکن ہے تو کیا بجز ترک زنا کے اس کی اصلاح کا اور بھی کوئی طریقہ آپ کے نزدیک ہے۔

ملفوظ ۴۹۰: ایک اہل علم کے خلاف احکام شرعیہ افعال کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ علم پڑھ کر بھی جس میں خشیت نہ پیدا ہو اس سے وہ جاہل اچھا جس میں خشیت ہو علم کی مثال ناصح و مضر ہونے میں تلوار کی دھار کی سی ہے اس سے دوست بھی کٹتا ہے اور دشمن بھی کٹتا ہے اگر

چلانے والا ماہر فن نہ ہو تو کبھی اس سے اپنے ہی کو نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اس طرح کہ ہمارا ہاتھ دشمن کے اوپر وہ خالی گیا اور لوٹ کر اپنے ہی گر پڑ گیا۔ اسی طرح علم بڑی ہی نازک چیز ہے اس میں امن بھی ہے اور خوف بھی گو غالب امن ہی ہے مگر حسن استعمال کی ضرورت ہے اسی کو دیکھ لیجئے کہ جتنے گمراہ فرقے بنے ہیں یہ لکھے پڑھے اور تعلیم یافتہ ہی لوگوں کی بدولت بنے ہیں کسی جاہل نے بھی کوئی فرقہ بنایا ہے اور جاہل کا معتقد ہی کون ہونے لگا۔ اب اسی غلام احمد قادیانی کو دیکھ لیجئے جس نے پہلے مجدد ہونے کا دعوی کیا پھر محدث ہونے کا پھر مہدی ہونے کا دعوی کیا پھر کرشن ہونے کا دعوی کیا پھر نبی ہونے کا دعوی کیا پھر بھیر بھاڑ کے لفظوں میں خدا کا بیٹا ہونے کا دعوی کیا پھر خود خدا ہونے کا دعوی کیا۔ کبھی عورت بنا پھر اس کو حمل قرار پایا کیا اس کو ہذیان نہ کہیں گے مگر لوگ ہیں کہ معتقد ہیں۔ خصوص انگریزی خوان۔ ان لوگوں کے یہاں کسی چیز کا معیار مقبولیت صرف یہ ہے کہ وہ چیز نئی ہو چاہے کتنی ہی بعید از عقل ہو مگر ہو نئی اس کو قبول کر لیتے ہیں اور کوئی بات کتنی ہی قریب از عقل ہو مگر ہو پرانی اس کو قبول نہیں کریں گے۔

ملفوظ ۴۹۱: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ آج کل کا مناظرہ بھی بہت ہی خطرناک چیز ہے اس لئے ہر شخص کو مناظرہ کرنا مناسب نہیں اس کے لئے بڑی ہی فہم اور عقل اور علم کی ضرورت ہے بیمانے خود بہت لوگوں کو دیکھا ہے کہ مناظرہ کرتے کرتے خود بگڑ گئے اور بد دین ہو گئے۔ بس سلامتی اسی میں ہے کہ سیدھا سیدھا اپنے نماز روزہ میں لگا رہے اور ان جھگڑوں میں نہ پڑے۔

ملفوظ ۴۹۲: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جتنے عقل پرست ہیں ان کو جو سوجھتی ہے سب بے عقلی ہی کی باتیں سوجھتی ہیں باقی دین کو تو ان لوگوں نے تختہ مشق بنا رکھا ہے۔ خاندان ریاست میں سے ایک صاحب نے مجھ سے ریاست رامپور میں معراج کے متعلق سوال کیا کہ آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے۔ میں نے کہا کہ میری رائے کیا چیز ہے۔ میں تو ایک مذہبی شخص ہوں مجھ سے میرا مذہب پوچھئے میرا عقیدہ پوچھئے یہ بھی آج کل کے تو تعلیم یافتوں میں مرض ہے کہ ہر چیز میں رائے کو دخل ہے۔ کہنے لگے کہ کیا عقیدہ ہے آپ کا۔ میں نے کہا کہ یہ عقیدہ ہے کہ معراج ہوئی کہا کہ جسم کے ساتھ میں نے کہا کہ جی ہاں جسم کے ساتھ کہنے لگے اس کی دلیل میں نے کہا کہ واقعہ عقلاً ممکن اور نقلاً ثابت اور جس ممکن کے وقوع پر نقل صحیح دال ہو وہ ثابت پس اس کا وقوع ثابت۔ کہا کہ اس سے پہلے اس کی کوئی نظیر بھی ہے میں نے کہا کہ آپ جو نظیر مانگتے ہیں تو اس نظیر کے لئے بھی نظیر کی ضرورت ہوگی پھر اسی طرح اس نظیر کو بھی نظیر کی ضرورت ہوگی آخر کہیں جا کر آپ کو کوئی واقعہ بلا نظیر کے ماننا پڑے گا تو معلوم

ہوا کہ ہر واقعہ ماننے کے لئے نظیر کی ضرورت نہیں لہٰذا اس کو ہی بلا نظیر کے مان لیجئے جو کام آخر میں جا کر کرنا پڑے گا وہ شروع ہی میں کر لیجئے مگر ان کی سمجھ میں نہیں آیا یہی کہتے رہے کہ نظیر کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا کہ آپ سمجھتے ہی نہیں میرے پاس اس کا کیا علاج ہے اگر اس قاعدہ کو سمجھ لیتے اور کچھ عقل اور فہم ہوتا تو عمر بھر کے لئے نظیر کا سبق بھول جاتے۔ ایسے اعتراضات بدفہمی اور بدعقلی ہی سے تو پیدا ہوتے ہیں سمجھ میں کیسے آوے۔

ملفوظ ۴۹۳: فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ انگریزی پڑھنے کے لئے وقف کرنے پر ثواب ہوگا یا نہیں۔ میں نے جواب میں لکھ دیا ہے کہ انگریزی پڑھنے سے نیت کیا ہے اور انگریزی پڑھنے کے قواعد کیا ہیں اور کورس کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ بادشاہ وقت کے حامی ہوتے ہوئے اس کی ضرورت کیا ہے اب جیسا جواب دیں گے حکم اس پر مرتب ہوگا۔

ملفوظ ۴۹۴: فرمایا کہ ایک طالب علم کا خط آیا ہے یہ فلاں مدرسہ میں پڑھتے ہیں لکھا ہے کہ میں چھٹیوں کے زمانہ میں فیض حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہونا چاہتا ہوں میں نے لکھ دیا کہ اگر فیض حاصل نہ ہو اور انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ذہن اور حافظہ کی قوت کے لئے کوئی طریقہ بتلا دیا جاوے۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ ذہن کے بڑھنے کا کوئی طریقہ نہیں اور حافظہ کے لئے تقویت دماغ کی ضرورت ہے یہ چیزیں آج کل بالکل ابہام میں تھیں میں نے سب کو صاف کر دیا۔

ملفوظ ۴۹۵: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بلا واسطہ قوت ذہن کے بھی علوم صحیحہ ذہن میں آسکتے ہیں اور یہ تقوے کی برکت ہے مگر خود ذہن تقوے سے نہیں بڑھتا۔ جیسے کسی شخص کی بینائی کمزور ہو تو وہ تقوے سے بھی نہیں بڑھ سکتی ہاں تقوے کی برکت سے ذہن میں آجاتی ہیں۔

۲۸ / جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم یک شنبہ

ملفوظ ۴۹۶: ایک نو وارد صاحب حاضر ہوئے۔ حضرت والا سے مصافحہ کر کے جلد بیٹھ فرمایا کہ یہ بھی کوئی انسانیت ہے کہ اپنا جی تو خوش کر لیا اور دوسرے کے قلب کو

مشغول کر دیا۔ آخر جب کوئی نیا آدمی آتا ہے تو فطری طور پر یہ خیال ہونا ہی ہے کہ کون ہے کہاں سے آیا ہے کیا غرض ہے کیا تم نے مجھ کو بت سمجھا تھا کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر چل دیئے گویا میں بے حس ہوں۔ عرض کیا کہ میں ناواقف ہوں۔ فرمایا کہ یہ امور تو فطری ہیں ان میں ناواقفیت کا عذر کیسا۔ اگر کوئی شخص پاخانہ پھر کر لگی ہوئی نجاست کو صاف نہ کرے اور یہ کہے کہ میں ناواقف ہوں کیا یہ عذر قابل قبول ہوگا۔ عرض کیا کہ نہیں فرمایا پھر مصافحہ کر کے چل دیئے تھے کیا بت سمجھا تھا۔ عرض کیا کہ حرج ہوتا۔ فرمایا کہ پھر مصافحہ ہی کیوں کیا اس میں بھی تو حرج ہوا کیونکہ مصافحہ میں بھی تو کچھ وقت صرف ہوتا ہے۔ دوسرے اگر کوئی باریک حساب ذہن میں کر رہا ہو تو کیا مصافحہ میں بھول نہ جائے گا۔ پھر فرمایا جاؤ اٹھو کیا یہاں اس ہی لئے آئے تھے کہ تکلیف پہونچاؤ گے۔ عرض کیا کہ ظہر کے وقت حاضر ہوں گا۔ فرمایا جب تک دوسرے آدمی کے واسطے سے اس معاملہ کو صاف نہ کر لو اس وقت تک ظہر کے بعد بھی مجلس میں بیٹھنے کی اجازت نہیں۔ یہ صاحب اٹھ کر چلے تو پچھلے پیروں ہٹے۔ فرمایا کہ یہ کیا واہیات ہے یہ کس نے سکھلایا ہے پچھلے پیروں ہٹتے ہو۔ بدعت میں مبتلا ہو کر آتے ہیں بس ان لوگوں کو یہی آتا ہے کہ پچھلے پیروں ہٹ لئے ہاتھ چوم لئے پیر چوم لئے یہ نہ سیکھا کہ کسی کو تکلیف نہیں پہونچایا کرتے۔

ملفوظ ۴۹۷ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ مشہور ہے کہ چودہویں صدی کے بعد کا کوئی بیان نہیں آیا کیا اس کی کوئی اصل ہے فرمایا کہ یہ تو یوں ہی مشہور ہو گیا روایات میں نہ تیرھویں کی تخصیص ہے نہ چودہویں کی نہ پندرہویں کی۔

ملفوظ ۴۹۸ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ایک مولوی صاحب کسی بزرگ کا قول نقل فرماتے تھے کہ تصنیف بھی اس امت کے خصائص میں سے ہے۔ فرمایا واقعی اور امتوں میں اس شان کی تصنیف نہیں ہوئی۔ ایک ایک حدیث کو حضور تک پہونچا سکتے ہیں اور وسائط کے نام بتلا سکتے ہیں کہ فلاں سے فلاں نے روایت کی۔ اور ان کے حالات بیان کر سکتے ہیں کہ کون کس درجہ کا تھا یہ اسی مذہب کی خصوصیات میں سے ہے ورنہ کوئی مذہب بھی کسی اپنی مذہبی بات کو اپنے پیشوا تک اس سلسلہ کے ساتھ نہیں پہونچا سکتا یہ بات کسی کو بھی نصیب نہ ہوئی سوائے اسلام کے۔ اللہ اکبر علماء نے دین کی اس قدر خدمت کی ہے کہ حیرت ہوتی ہے کہ ساری ساری عمریں خدمت دین ہی میں گذار دیں اور یہ اس لئے زیادہ عجیب ہے کہ خلفاء اور سلاطین اکثر ان حضرات کے مخالف بھی رہے جس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان سے امداد تو کیا ملتی اور الٹا مخالفت کا معاملہ رہتا تھا باوجود کسی مادی امداد نہ ہونے کے ایسی عظیم الشان خدمت

نہایت عجیب ہے اور سلاطین کی مخالفت ان حضرات کے اثر کی وجہ سے تھی۔ اثر کی یہ حالت تھی کہ میں خلیفہ وقت کا نام بھول گیا جس کے زمانہ میں عبداللہ ابن مبارک تھے ایک روز کا واقعہ ہے کہ شہر میں دفعتہً ایک شور برپا ہو گیا۔ خلیفہ وقت تخت پر بیٹھا ہوا تھا کانپ اٹھا کہ یہ کیسا شور ہے کیا کوئی غنیم چڑھ آیا یا کوئی بلوہ ہو گیا یا قوم نے بغاوت کی تحقیق کے لئے فوراً سوار بھیجا معلوم ہوا کہ عبداللہ ابن مبارک نے چھینک لی تھی اس پر الحمدللہ کہا۔ سننے والوں نے یرحمک اللہ کہا ایک سے سن کر دوسرے نے اس سے سن کر تیسرے نے غرض اسی سلسلہ سے تمام شہر نے یرحمک اللہ کہا یہ اس کا شور تھا خلیفہ وقت نے کہا کہ اگر کبھی یہ شخص مخالفت میں کھڑا ہو جاوے تو ہماری تو اس کے سامنے کچھ بھی ہستی نہیں۔ جب علماء کے متعلق بادشاہوں کے یہ خیالات رہے تو بھلا وہ کیا امداد کرتے اور ان ہی خیالات کی بناء پر سلاطین علماء کو ہمیشہ دبانے رہے مگر ان حضرات نے جیلوں میں رہ کر اور ہر قسم کی تکلیفیں اٹھا کر خدمتیں کیں۔ ایک ہم ہیں کہ عالیشان محلوں میں رہ کر اور نرم فرشوں میں بیٹھکر تنعم کر رہے ہیں مگر افسوس آج ان کی خدمات کو دقیانوسی خیالات بتلایا جاتا ہے مگر وہ دقیانوسی ایسے دماغ کے تھے کہ اگر اس زمانہ میں ہوتے تو ان احمقوں کو منہ بھی نہ لگاتے ہم تو پھر بھی ان کی بہت رعایتیں کرتے ہیں وہ تو ان کو پاگل سمجھ کر پاس بھی پھٹکنے نہ دیتے۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کوئی گنوار جاہل کسی وکیل کے معاملہ میں یا مقدمہ میں دخل دینے لگے وہ اس کو بیہودہ سمجھ کر منہ بھی نہ لگائے گا۔ ایک بادشاہ کے دربار میں تعظیمی سجدہ جائز سمجھا جاتا تھا اس نے سنا کہ مجدد صاحب اس کو منع کرتے ہیں ان کو بلایا اور ترکیب یہ کی کہ تخت کے سامنے ایک چھوٹی سی کھڑکی عارضی دربار میں قائم کرادی تاکہ داخل ہونے کے وقت اس میں جھک کر نکلیں اسی کو بجائے سجدہ کے سمجھا جائے گا۔ مجدد صاحب تشریف لے گئے اور یہ منظر دیکھ کر آپ نے اس میں پہلے پاؤں داخل فرمائے بادشاہ برہم ہو گیا اور مشہور ہے کہ مجدد صاحب کے قتل کا حکم دیا مگر اس وقت ایک عالم دربار میں تھے ان کی سفارش پر قتل تو موقوف کیا گیا اور قید کا حکم کیا گیا۔ علماء اہل حق کے ساتھ ہمیشہ بادشاہوں نے ایسے معاملات کئے مگر ان حضرات نے اظہار حق اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تلواروں کے نیچے گردنیں دیکر کیا۔ کسی کا منہ ہے ان کو کچھ کہنے کا۔ بات یہ ہے کہ بدفہمی بدعقلی نفس پرستی اغراض پرستی دنیا پرستی کا زمانہ ہو رہا ہے۔ خدا پرستی ہوتی تو ان حضرات کی قدر ہوتی۔

ملفوظ ۱۹۹: ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ بدفہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جہاں کسی نے ہاتھ میں تسبیح لے لی اس کو بے حس سمجھتے ہیں کہ یہ فنا فی اللہ ہے اسے کسی چیز کی خبر نہیں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہے اس میں نہ شہوت رہی نہ غصہ رہا

اس لیۓ نہ عورتیں اُن سے پرہیز کرتی ہیں اور نہ اُن کے ساتھ بدتمیزی کرتے ہوۓ یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کو کوئی بات ناگوار ہوگی اور اگر کوئی ناگواری ظاہر کرتا ہے تو تعجب ہوتا ہے کہ یہ کیسے درویش ہیں کہ ایسی باتوں سے متغیر ہوتے ہیں اور شہوت کے محل ہیں: بعضی کا اظہار اس قسم کی تو ابھی ہندو جوگی کرتے ہیں۔ اس قسم کی بے حسی ظاہر کرتے ہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کو کچھ خبر نہیں۔ بھائی اگر ان کو کچھ خبر نہیں تو تم اُن کے پاس کیوں جاتے ہو تمہاری ہی کیا خبر ہوگی اس لئے مت جایا کرو اور اس ہی خیال کی بناء پر بے قید عورتیں ایسے مکاروں بددینوں کے پاس جاتی ہیں اُن کو بدمعاشی کا موقع ملتا ہے ایسے صدہا واقعات ہیں سو اصل یہ ہیں تو ایسی بے حسی کافروں سے چلی تھی پھر مسلمانوں میں جاہل فقیروں نے اس کی نقل اُتاری حتیٰ کہ اب یہ بے حسی لوازم بزرگی سے سمجھی جانے لگی اور اس کو داخل طریق سمجھا جانے لگا۔ اور اگر اس قسم کی بے خبری اور بے حسی اسلام میں مطلوب ہوتی یا اس کی کوئی اصل ہوتی یا ایسے شغل ہوتے کہ جس سے دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہے تو احکام مقصودہ پر کیسے عمل ہو سکتا۔ نہ نماز پڑھ سکتا نہ روزہ رکھ سکتا و قس علیٰ ھذا۔ باقی کبھی غلبۂ حال کے سبب اگر ایسا ہو جاۓ وہ دوسری بات ہے مگر یہ حالت نہ مطلوب ہے نہ مقصود۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ نماز میں قرآن کو طویل کر دوں مگر کسی بچہ کی رونے کی آواز سن کر طویل نہیں کرتا کہ اس کی ماں شاید نماز میں شریک ہو اور پریشان ہو۔ لیجئے تمام ترکی ہی ختم ہوئی خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں بھی استغراق نہ تھا۔ اب استغراق کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں یہ حقیقت ہے استغراق کی۔ ایک اور بے اصل قصہ مشہور کر رکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تیر لگا اُس کے نکالنے میں سخت تکلیف ہوتی تھی آپ نے نماز کی نیت باندھ لی تیر نکال لیا گیا آپ کو خبر تک بھی نہ ہوئی اس قصہ کی بھی کوئی اصل نہیں خدا معلوم کہاں سے گھڑ لیتے ہیں۔ تحریف دین میں بھی آج کل بعضے لوگوں کو ایک خاص ملکہ ہو گیا ہے جاہل تو بھلا کسی شمار میں نہیں لکھے پڑھے تعلیم یافتہ حتیٰ کہ بعضے جو مولوی کہلاتے ہیں وہ قرآن و حدیث میں ایسی تحریف کرتے ہیں جس کا نہ سر نہ پاؤں اور کچھ ہی ہو ہم تو پیر ہی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے جو ہم سے ایسی چیزوں کی توقع رکھی جاوے۔ ہم تو طالب علم ہیں طالب علموں ہی کو پسند کرتے ہیں۔ طالب علموں ہی میں رہتے ہیں طالب علموں ہی کی باتیں اچھی معلوم ہوتی ہیں جن کو ایسی بزرگی پسند ہو جس میں بالکل حس ہی نہ رہے وہ ایسوں ہی کے پاس جاۓ اگر بزرگی یا پیری بے حسی کا نام ہے تو ایسی بزرگی اور پیری کو ہمارا اسلام ہے ہم تو ایسے اصلاحی درویش ہی نہیں اس لیۓ ایسے لوگوں کو جن کے ایسے خیالات ہوں۔ یہاں پر آنا ہی نہیں چاہیۓ خواہ مخواہ دھوکہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اس ہی لیۓ میں اپنی حالت صاف صاف ظاہر کر دیتا ہوں کہ کسی کو دھوکہ نہ ہو دیکھ لو دکھا لو۔ پرکھ لو پرکھا لو اُس کے بعد اگر میں پسند آؤں

تعلق پیدا کرو یا رکھو ورنہ اپنے گھر کا راستہ لو۔ مجھ کو کوئی غرض تھوڑا ہی جمع کرنا ہے ایسوں سے تعلق نہ ہونے سے میں تو بلکہ خوش ہوں گا کہ بار ہموں سے نجات ملی اور تم یوں خوش ہونا کہ ایک بدخلق اور بدمزاج سے نجات ملی۔ کیوں خود پریشان ہوتے ہو اور کیوں دوسرے کو پریشان کرتے ہو جس کو ایک ذرا سی بات کی بھی برداشت نہ ہو تو گھر سے چلے تھے کس بوتے پر۔ یہ تو عشق کا کوچہ ہے اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے ایسا بن جانے کی ضرورت ہے جس کو فرماتے ہیں ؎

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجان — شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

اور جب ایک ذرہ کہ بھی برداشت نہیں اور ایک ہی ڈانٹ پر دل میں کدورت پیدا ہو جاتی ہے تو کہا تھا کس نے کہ تم اس راہ میں قدم رکھو اور آیا ہی کیوں تھا اور طلب کا دعویٰ ہی کیوں کیا تھا اور اس راہ پر چلنے کا ارادہ ہی کیوں کیا تھا۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

بہر زخمے تو پر کینہ شوی — پس کجا بے صیقل آئینہ شوی

تو بیک زخمے گریزانی ز عشق — تو بجز نامے چہ میدانی ز عشق

۲۸ / جمادی الثانی ۱۳۵۱ ھ

مجلس بعد نماز ظہر۔ یوم یک شنبہ

ملفوظ ۵۰: ایک نووارد شخص نے ایک پرچہ پیش کیا جس کو اپنی ہی طرف منسوب بتلایا۔ حضرت والا نے لفافہ لکھا ہوا ملاحظہ کرکے فرمایا کہ یہ تو فلاں صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے عرض کیا کہ جی ہاں۔ فرمایا کہ انہوں نے دوسرے کے نام سے مسئلہ کیوں پوچھا کیا دھوکا دینا چاہتے ہیں کہ اپنے معاملہ کو دوسری کی طرف منسوب کرنا چاہتے ہیں۔ جب دھوکا دینا چاہتے ہیں تو ہمارے یہاں سے جواب نہ ملے گا۔ یہ عالم ہیں اور یہ چالیں میں تو خط دیکھ کر سمجھ گیا کہ یہ لکھا ہوا اُن کا ہے اور دوسرے کے نام سے مسئلہ پوچھا ہے اگر وہ خود اپنا نام لکھ کر مسئلہ پوچھتے تو کیا میں اور جواب دیتا اور دوسرے کے نام سے پوچھنے پر اور کچھ جواب دوں گا۔ کیا مجھ کو خائن سمجھا۔ وہ عقلمند یہ نہ سمجھے کہ جو شخص خائن بھی ہوتا ہے وہ چالاک بھی ہوتا ہے۔ دیکھئے میں چالاک بھی نکلا کہ ان کا خط پہچان گیا۔ پھر چالاک سے اپنی چالاکی پوشیدہ رہنے کی کیسے توقع کی۔ بہرحال لکھے پڑھوں کا ہے اس ہی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ محض لکھنے پڑھنے سے کیا ہوتا ہے جب تک کسی کی جوتیاں سیدھی نہ کرے یہ سادی کمی اس بات کی ہے کہ اہل اللہ کی جوتیاں

سیدھی نہیں کہیں اس لئے نہ کہیں سوجھتی ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ آدمی جاہل رہے مگر اس میں تدین ہو وہ جاہل اس بد دین عالم سے اچھا ہے جس میں تدین نہ ہو اور ایسے ان پڑھ ہونے پر اور حساب کتاب جاننے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فخر کیا ہے نحن امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب بعض صحابی تو ایسے ہوئے ہیں کہ حساب بھی بالکل نہ جانتے تھے ان کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ سو کتنے ہوتے ہیں مگر ان میں پھر کیا بات تھی جس سے ان کو یہ فضیلت حاصل تھی وہ بات صرف یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی تھی اور اس صحبت سے ان کا دین ایمان خالص اور کامل ہو گیا تھا پس اصل چیز یہ ہے۔ ایک صحابی کے حساب نہ جاننے کی حکایت میں نے تاریخ کی ایک کتاب میں غالباً فتوحات اسلامیہ میں دیکھی ہے وہ یہ کہ ایک سفر میں ان کی نظر اچانک ایک لڑکی پر پڑ گئی اس پر دل آ گیا۔ یہ لڑکی دار الحرب کے کسی مقام کی تھی۔ حضور اقدس میں آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری نظر ایک لڑکی پر پڑ گئی ہے اور یہ ممکن ہے کہ اس علاقہ تک اسلامی فتوحات پہنچ جائیں اگر ایسا ہو تو وہ لڑکی مجھے مل جائے۔ حضور نے منظور فرما لیا۔ عرض کیا کہ حضور لکھدیں تاکہ امیر لشکر کو اس موقع پر دکھلا سکوں حضور نے تحریر بھی فرما دیا اتفاق سے اسلامی فتوحات اس علاقہ تک پہونچ گئے بعد فتح ان صحابی نے وہ حضور کی تحریر امیر لشکر کو دکھلائی۔ امیر نے وہ لڑکی ان کے سپرد کر دی وہ لڑکی ایک شاہی گھرانے کی تھی اس کے بھائی نے ان صحابی سے عرض کیا کہ یہ میری بہن ہے آپ اس کے بدلے مجھ سے روپیہ لے لیں روپیہ کی بھی ضرورت تھی اور نفس پرست تھے نہیں روپیہ لینے پر راضی ہو گئے پوچھا کہ کتنا روپیہ دو گے کہا کہ جتنا آپ فرمائیں فرمایا کہ سو درہم یا دینار لوں گا اس کے سامنے سو درہم یا دینار کیا چیز تھے نکال کر گن دیئے دیکھ کر جب معلوم ہوا کہ یہ تو بہت ہی کم ہیں میں نہیں لیتا۔ وہ پہلے سے سو دینار یا درہم کو معلوم نہیں کیا سمجھ رہے تھے کہ اس سے سارا گھر بھر جائے گا۔ یہ شخص امیر لشکر کے پاس پہونچا۔ امیر نے فرمایا کہ جو بات طے ہو چکی اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ بس اسی پر معاملہ طے ہو گیا۔ یہ حالت تھی صحابہ کی مگر درجات کی یہ حالت ہے کہ نہ اویس قرنی ان کی برابر نہ عمر ابن عبد العزیز نہ بایزید نہ جنید۔ اور اگر آدمی بڑھا ہوا ہو مگر اس دولت سے محروم ہو یعنی کسی اہل اللہ کی جوتیاں سیدھی نہ کی ہوں تو ایسا شخص عظیم خسارہ میں ہے۔ یہی صاحب جن کے ہاتھ کے لکھے ہوئے خط پر یہ گفتگو چلی تھی یہاں پر آئے بھی ہیں پڑھے لکھے آدمی ہیں مگر افسوس ہے کہ میرے مزاج کو نہیں پہچانا۔ اس خط میں کسی فیصلہ کی درخواست تھی اس پر فرمایا کہ میں کسی کے فیصلے وغیرہ میں پڑتا نہیں کرتا اور ایکطرفہ بات سن کر تو کیا فیصلہ دیتا جیسا اس میں خواہش کی گئی ہے اگر دونوں فریق بھی جمع ہو کر آتے ہیں تب بھی فیصلے سے انکار کر دیتا ابھی تھوڑے دنوں کی بات ہے ایک بستی میں چند لوگوں کے درمیان

آپس میں کسی معاملہ کی بناء پر اختلاف ہو گیا اور پھر اس سے نزاع تک کا درجہ پیدا ہو گیا ان لوگوں نے مجھ سے فیصلہ کرانے کے لئے بے حد کوشش کی۔ میں نے صاف انکار کر دیا حتی کہ اس معاملہ کی مثل عدالت سے بھی میرے پاس آئی۔ میں نے اس کو بھی واپس کر دیا۔ بات یہ ہے کہ میرا تعلق لوگوں سے تعلیم و تربیت کا ہے میں اگر ایسے قصوں میں پڑوں گا تو میرے متعلق فریق بندی کا شبہ پیدا ہو جائے گا اور اس سے لوگوں کو دین کا نقصان پہونچے گا پھر بوجہ عدم اعتماد کے کوئی خدمت دین کی نہ لے سکیں گے اور اب تو میرے نزدیک سب برابر ہیں اور لوگ بھی یہی سمجھتے ہیں۔ دوسرے اگر فیصلہ بھی کر دوں ظاہر ہے کہ وہ ایک فریق کے موافق ہوگا اور دوسرے کے مخالف سو جس کے مخالف ہو اگر وہ تسلیم نہ کرے تو میرے پاس اس کے نفاذ کا کیا ذریعہ ہے۔

میری کوئی حکومت تو ہے نہیں۔ محنت بھی کی وقت اور دماغ بھی صرف کیا اور نتیجہ کچھ نہ ہوا اس سے کیا فائدہ۔ یہ کام حکومت کے ہیں کہ اگر فیصلہ کو تسلیم نہ کرے حاکم کے پاس پولیس ہے فوج ہے جیل خانہ ہے ڈنڈے کے زور سے نفاذ ہو سکتا ہے۔ ہم غریب ملاؤں کی کون سننے لگا اور اگر کسی مقام پر عدالت سے مدد بھی مل سکتی تب تو دوسرے کے محتاج ہم کیوں بنیں اور اب تو وہ زمانہ ہے کہ حکومت ہی کو طرح طرح کی دشواریاں پیش آ رہی ہیں سو واقعہ تو یہ ہے مگر یہ لوگ بلا وجہ مجھ پر بدگمانی کر بیٹھے کہ دوسرے فریق کو حق پر نہ سمجھنے لگے اس لئے اپنے کو حق پر ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں حالانکہ میں خود ہی ایسی باتوں سے بچتا ہوں۔

ملفوظ ۵ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ تصنیف کا کام بھی بہت ہی مشکل ہے جو کام کرتا ہے وہی جانتا ہے کہ کیا کیا مشکلات پڑتی ہیں۔ آج کل کی جو اکثر تصنیفات ہیں کہ مصنفین برساتی مینڈک کی طرح امنڈ پڑے ہیں اس وقت ان کا ذکر نہیں ان کا تو یہ قصہ ہے کہ ایک پہلو لے لیا اور رسالہ لکھ مارا جا رہے آگے پھر کچھ ہو اگر ہے ذکر ان مصنفین کا ہے کہ جو محقق ہیں کہ جن کے سامنے ہر پہلو ہے ہر جزئی اور کلی پر نظر ہے اور اس حالت میں پھر تصنیف کرتے ہیں ان کی حالت تصنیف کے وقت ایسی ہوتی ہے جیسے جان کنی کے وقت ہوتی ہے۔ ابھی ایک کتاب میں لکھ رہا تھا اب تو وہ چھپ کر تیار ہو گئی مگر تصنیف کے زمانہ میں مجھ یاد ہے کہ اس کے ایک مقام پر الجھن پیدا ہوگئی بہت غور اور فکر کی مگر کچھ نہ لکھ سکا بالآخر چھوڑ دیا۔ صبح کو قرآن شریف پڑھتا ہوا جنگل گیا اسٹیشن کے قریب وہ پہونچ کر وہ مقام حل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے بیساختہ دل میں ڈالدیا وہاں سے محض اس خیال پر لوٹ آیا کہ کہیں ذہن سے نکل نہ جائے اور ذہول نہ ہو جائے۔ یہاں آکر اور وہ مضمون لکھ کر پھر جنگل گیا اور وہ مضمون صرف دو سطر بن گئیں اب کسی کو کیا خبر کہ کام کرنے والے پر کیا گذرتی ہے اور دیکھنے والوں کو اس کی کیا خبر ہوگی کہ یہ دو سطر کیا چیز ہیں۔

ملفوظ ۵۰۲: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اس زمانہ میں رسوم کا اس قدر غلبہ ہے کہ حقائق بالکل ہی فنا ہو گئے اب اگر آنے والوں سے کسی ضروری بات کے متعلق نہ پوچھوں تب تو یہ شکایت کہ بات تک بھی نہ پوچھی اور پوچھتا ہوں تو سیدھا اور صاف جواب نہیں ملتا اگر ایسی غلطیوں پر مطلع کرتا ہوں تو بدخلق مشہور کرتے ہیں اگر مطلع نہ کروں تو پھر آخر ان کو اپنے جہل پر کس طرح اطلاع ہو غرض ہر طرح مشکل ہے اب بتلایئے ایک شخص آج ہی آئے تھے وہ مقام لاہور سے بھی کہیں آگے ہے مگر صرف ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے اگر یورپ سے آتے تو یہی خیال ہوتا کہ اس طرف ابھی سردی نہ ہو گی مگر اس طرف تو اچھی خاصی سردی شروع ہو گئی اور پنجاب میں یہاں سے بھی زیادہ ہوتی ہے مگر سردی کا کوئی سامان نہیں لائے۔ یہ سب باتیں بے فکری کی ہیں قرائن سے یہ بھی احتمال نہ ہوتا تھا کہ نادار مفلس ہیں اور اس بے فکری کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ پیرزادوں کے یہاں کھانے کے لنگر جاری ہیں اوڑھنے کو گدے لحاف ملتے ہیں اور پنجاب میں پیر پرستی کا خاص اہتمام ہے نیز پیروں کو آمدنیاں بھی ایسی ہی ملتی ہیں اس لئے خوب لوٹتے ہیں بانٹتے ہیں اس لئے دارو دین کو یہی عادت ہو گئی لیکن عدالت میں کوئی مقدمہ لے کر جاوے اور کوئی شخص اس سے پوچھے کہ کیوں بھائی تحصیلدار یا کلکٹر نے تم کو لحاف بچھونا دیا تھا یا نہیں یا تیری گھوڑی کو گھاس دانہ دیا تھا یا نہیں اور تجھ کو روٹی بھی کھانے کو دی تھی یا نہیں تو یہی شخص اس کو پاگل بنائے گا اور کہے گا کہ پاگل ہوئے ہو میں اپنے کام سے گیا تھا اس لئے حکام کو ان چیزوں سے کیا تعلق تو یہ علت تو مشائخؒ کے درباروں میں بھی مشترک ہے پھر پیر ہی کو اپنا مطیع اور خادم کیوں سمجھتے ہو کیا اُن کے پاس ان کے کسی کام کو آئے ہو جب یہ نہیں تو ان سے کیوں ایسی توقعات رکھتے ہو۔

ملفوظ ۵۰۳: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ خود یہی بڑی غلطی ہے کہ ایک دم اتنا بڑا کام شروع کر دیتے ہیں جس کام کو آدمی سنبھال نہ سکے نباہ نہ سکے اس کام کو کرے ہی کیوں اور اگر کرے بھی تو چھوٹے پیمانے پر شروع کرے پھر اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کوئی آمدنی کی سبیل فرما دیں تو جس قدر آمدنی بڑھتی رہے کام کو بڑھاتے رہیں جیسے بتدریج بچہ پرورش پاتا ہے اور ایسا ہی کام دیرپا اور مستقل بھی ہوتا ہے اور اسی کو قوت ہوتی ہے جو رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہے مگر اس وقت اکثر مسلمانوں کے ہر کام میں صرف جوش ہوتا ہے اس وقت ہوش باقی نہیں رہتا اس وقت تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کام کو شاید منتہا سے بھی آگے پہنچا دیں گے مگر پھر کچھ ہی وقت گذرنے کے بعد خبر بھی نہ رہی سوڈے کی بوتل کا سا جوش ہوتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ پھر چھوٹا سا کام بھی نہیں رہتا وہی مثل صادق آتی ہے کھاؤں تو گھی سے نہیں جاؤں جی سے اور یہ بات بالکل ہی بے قاعدہ اور بے اصول ہے۔

ملفوظ ۱۸ ایک دیہاتی شخص حضرت والا سے بالکل ملکر آبیٹھا پھر اس پر بھی اور جھک کر کچھ کہنا چاہتا تھا۔ فرمایا کہ میاں میری چھاتی پر کیوں چڑھا آتا ہے کیا مجھ کو بہرا سمجھا ہے اگر ذرا فاصلہ ہی سے بیٹھا ہوا کہتا تو کیا میں نہ سنتا جاؤ وہاں بیٹھو اور جو کہنا ہے کہو یہ بھی کوئی انسان ہے کہ ایک شخص پر جن کی طرح مسلط ہو گیا وہ شخص اٹھ کر دوسری جگہ جا بیٹھا۔ فرمایا کہ اب کہو کیا کہنا ہے۔ عرض کیا کہ ہم چار پانچ آدمی ہیں ایک قتل کے الزام میں مبتلا ہیں۔ ایک تعویذ دیدو۔ فرمایا کہ اس کا تو بعد میں جواب دوں گا پہلے یہ بتلاؤ کہ اس قدر قریب اور پھر اس پر جھک کر منہ سے منہ ملا کر کہنا چاہتے تھے یہ کونسی راز کی بات تھی عرض کیا کہ خطا ہوئی معاف کر دو۔ فرمایا کہ معافی سے کیا عذر ہے خدانخواستہ انتقام تھوڑا ہی لے رہا ہوں جس سے معافی چاہتے ہو۔ صرف آئندہ کے لئے کان کھولتا ہوں جہاں جایا کرتے ہیں ایسی حرکت نہیں کیا کرتے جس سے دوسرے کو تکلیف ہو۔ پھر فرمایا کہ اس کے بعد اب تعویذ کے متعلق کہتا ہوں کہ چار پانچ آدمی مبتلا ہو اور تعویذ ایک مانگتے ہو ایک تعویذ سب کے کیسے کام آوے گا۔ عرض کیا کہ جیسے حضور کی رائے ہو دریافت فرمایا کہ کیا یہ میری بات کا جواب ہوا یہ تو ایسا ہی جواب ہے۔ جیسے ایک بڈھے آدمی مدرسہ دیوبند میں پڑھتے تھے اور یہ معلوم ہوا تھا کہ مولوی فضل حق صاحب یا مولوی عبدالحق صاحب خیرآبادی کے شاگرد تھے۔ ساری عمر طالب علمی میں گذار دی اُن کے بیٹے بھی مدرسہ ہی میں پڑھتے تھے باوا بیٹے دونوں ایک ہی جماعت اور ایک ہی سبق میں شریک تھے۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے یہاں بھی اُن کا ایک سبق ہوتا تھا یہ کسی مقام پر کوئی اعتراض کرتے اور اعتراض ایک قسم کا دعوی ہوتا ہے اس لئے حضرت مولانا فرماتے کہ اس کی دلیل تو یہ جواب دیتے کہ واہ دعویٰ بھی ہم ہی کریں اور دلیل بھی ہمارے ہی ذمہ۔ دونوں کام ہم ہی کریں یہی قصہ تم نے کیا کہ دونوں کام میرے ہی ذمہ رکھتے ہو رائے بھی میں ہی قائم کروں اور کام بھی میں ہی کروں۔ تم لوگ دل پہلے ہی بُرا کر دیتے ہو اور کام بعد میں لیتے ہو۔ دل بُرا ہونے پر پھر تعویذ کا بھی خاک اثر نہیں ہوتا۔ مجھ کو ان تکلفات سے بڑی ہی نفرت ہے۔ بہت بُرا معلوم ہوتا ہے آدمی سیدھا سیدھا رہے جو بات دل میں ہو وہی زبان سے صاف صاف کہدے اور یہ کونسی مشکل بات ہے مگر آج کل یہ بات رہی ہی نہیں۔ ہاں یہ باتیں خوب جانتے ہیں کہ کان سے منہ لگا دیا ہر شخص مقرب بننا چاہتا ہے یہ سب پیرجیوں کے یہاں کے کارخانہ ہیں وہی یہاں پر چلانا چاہتے ہیں مگر میں اُن کو چلنے نہیں دیتا بس یہی لوگوں سے میری لڑائی ہے کوئی دن ایسا خالی جاتا ہوگا جس میں کوئی مقدمہ نہ ہوتا ہو یا کسی سے لڑائی نہ ہوتی ہو۔ انا للہ۔

-:-

۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم دوشنبہ

ملفوظ ۵۰۵: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جس کا نام آج کل لوگوں نے خوش اخلاقی رکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنے والوں کو جہل میں مبتلا رکھا جائے سو مجھ سے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص میرے پاس اصلاح کے لئے آئے اور میں اس کو جہل میں مبتلا رکھوں۔ کیوں اس کو جہل میں رکھا جائے اور کیوں اس کے جہل پر اس کو نہ مطلع کیا جائے اپنے ذمہ کیوں مواخذہ رکھا جائے ؎

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است　　اگر خاموش بنشینم گناہ است

بلکہ جہل تو کنوئیں سے بھی بدتر اور مہلک چیز ہے اگر ایک شخص کنوئیں میں گرا چاہتا تھا اور دوسرے شخص نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کوئی کہتا ہے کہ چھوڑ دو اس لئے کہ تمہارے ہاتھ میں جھٹکا آ جائیگا یہ خیر خواہی ہوئی یا دشمن۔ وہ ہاتھ پکڑنے والا بھی کہے گا کہ صاحب ہاتھ میں جھٹکا آئے یا کچھ ہو میں تو اس کے بچانے ہی کی کوشش کروں گا۔

ملفوظ ۵۰۶: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل حبِّ جاہ کے مرض میں لوگوں کو عام ابتلا ہو رہا ہے خواہ کسی طبقہ کے لوگ ہوں۔ یہ مرض قریب قریب سب ہی میں پایا جاتا ہے اور دوسروں کو بھی اپنے پر قیاس کیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ میرے چیئرمین بنانے پر سب اہل قصبہ ہندو مسلمانوں کا اتفاق ہو گیا۔ کلکٹر عقلمند نے اس کے منظوری کے لئے مجھ کو لکھا۔ میں نے جواب میں لکھدیا کہ میری زندگی مذہبی زندگی ہے میری ساری عمر مذہبی کاموں میں گذر گئی مجھ کو ایسے کاموں سے مناسبت نہیں جب وہ بلا سر سے ٹلی۔ تو ان لوگوں نے یہ سمجھا تھا کہ یہ بہت خوش ہوگا کہ بڑی عزت ملی۔

ملفوظ ۵۰۷: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ان متکبرین کے قلوب میں اہل علم کی ذرہ برابر وقعت نہیں ان کو حقیر اور ذلیل سمجھتے ہیں اس لئے جی چاہتا ہے کہ ان کو بھی ایسا ہی ذلیل کیا جائے جب ہی ان کا دماغ درست ہوتا ہے۔ بحمد اللہ یہاں تو متکبرین کی خوب اچھی طرح خدمت کی جاتی ہے۔ خصوص یہ نو تعلیم یافتہ تو اپنے کو بالکل یہی سمجھتے ہیں کہ ہم بہت بڑے خر دماغ ہیں سو ان کو یہ بتلا دیا جاتا ہے کہ ملانوں میں بھی اسپ دماغ ہیں۔

--:--

ملفوظ ۵۰۸: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ طریق سے لوگوں کی عدم مناسبت کا سبب اس کی حقیقت سے بے خبری ہے۔ رسوم کا نام ان جاہلوں نے تصوف رکھ لیا ہے ایسی ایسی بے اصل باتیں طریق کے سر منڈھ رکھی ہیں کہ جن کے نہ سر نہ پاؤں نہ کوئی اصل۔ اکثر چیزوں کو ان جاہلوں نے ہندو جوگیوں سے لے کر جزو طریق بنا رکھا ہے۔ اب بحمد اللہ تعالیٰ مدتوں کے بعد مردہ طریق زندہ ہوا ہے قرآن و حدیث سے بخوبی ثابت کر دیا گیا ہے کہ طریق کی حقیقت اعمال ہیں اور مقصود طریق رضاء حق ہے اس سے آگے یا تو بے تعلق چیزیں ہیں یا ان کا درجہ مثل تدابیر طبیہ کے تدابیر کا درجہ ہے یا اگر وہ غیر اختیاری کیفیات ہیں تو یہ مقصود نہیں گو محمود ہیں اور مقصود میں معین بھی ہیں ان تدابیر کو بدعت کہنا اصول سے ناواقفی ہے۔ ان کو بدعت اس وقت کہا جا سکتا ہے جبکہ طبیب جسمانی کی تدابیر کو بدعت کہا جائے اور یہ تفصیل و تحقیق سب خدا کا فضل ہے اور اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت ہے کہ میرے ہاتھوں اس طریق کی حقیقت کو سہل عنوان سے ظاہر کرا دیا۔ اور یہ میں تحذ کی بناء پر عرض نہیں کر رہا بلکہ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر ظاہر کر رہا ہوں اب اس کو کوئی چاہے فخر ہی سے تعبیر کرے اس کو اختیار ہے۔

ملفوظ ۵۰۹: ایک خط کو ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ بعض کو لکھنا تو آتا نہیں خواہ مخواہ گڑبڑ کرتے ہیں ایسا برا اور بھدا خط ہے کہ دیکھ کر بھی الجھن ہوتی ہے ایسا ہی ایک اور صاحب کا خط آیا تھا نہایت ہی بدخط تھا اس کو تو شاید ڈاکخانہ والے بھی پڑھ کر پریشان ہوئے ہوئے ہوں اور پتہ سمجھنے میں تنگی ہوئی ہو۔ اس میں لکھا تھا کہ میں اپنے نفس کی اصلاح چاہتا ہوں۔ میں نے جواب میں لکھ دیا تھا کہ نفس کی اصلاح سے پہلے ضرورت ہے اصلاح خط کی کہ اس کا تعلق دوسرے کی راحت کلفت سے ہے اگر اس میں شبہ ہو تو لفافہ پر جو پتہ لکھا ہے اسی کو دیکھ لو۔ غالب یہی ہے کہ ڈاکخانہ والے بھی پریشان ہوئے ہونگے۔

ملفوظ ۵۱۰: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بدون کام میں لگے کسی چیز کی حقیقت نہیں معلوم ہوا کرتی اس کی ایسی مثال ہے جیسے بدون چکھے ہوئے کسی چیز کا کوئی ذائقہ معلوم کرنا چاہے جس کے لئے کوئی بیان کافی نہیں۔ بہت سی چیزیں وجدانی اور ذوقی ہوتی ہیں ان کو کیسے کوئی بیان کر سکتا ہے اور اس طریق میں کام میں لگنے سے مراد مجاہدہ ہے اور سب سے بڑا مجاہدہ یہی ہے کہ کسی کامل کے سامنے اپنے کو پامال کر دے مٹا دے فنا کر دے اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؎

قال را بگذار مرد حال شو ‏ پیش مردے کاملے پامال شو

بدون صحبت کامل کام بننا مشکل ہے اس کی جوتیاں سیدھی کرو۔ سیدھی کیا بلکہ جوتیاں کھائیے

ارادہ سے جاؤ خواہ وہ مارے نہیں مگر تم کو تو اسی نیت اور ارادہ کے ساتھ اُس کے پاس جانا چاہئے تب کچھ حاصل کر سکتے ہو اور اگر یہ نہیں تو اس میں قدم رکھنے ہی کا نام نہ لینا چاہئے اس میں قدم رکھنے کی جو پہلی شرط ہے وہ یہ ہے ؎

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں   شرط اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

ملفوظ ۱۱۹ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ زمانہ بہت ہی پُر فتن ہے تمام عالم میں الحاد، زندقہ، نیچریت، دہریت کا زہریلا اثر پھیلا ہوا ہے۔ ایک مولوی صاحب بیان کرتے تھے کہ بالشویک نے ایک انجمن قائم کی ہے اس کا نام رکھا ہے علی دا للہ۔ اس میں پچیس ہزار کے قریب مختلف اطراف کے لوگ شریک ہیں جو اس کے مقاصد کو ملک میں پھیلانے کی کوشش دہی میں مصروف ہیں منجملہ اور باتوں کے یہ بھی اُس انجمن کے مقاصد میں سے ہے کہ عورتوں کو پردہ نہ کرنے دینا چاہئے اور لڑکیوں کو مثل لڑکوں کے بنایا جا رہا ہے کہ گفتار رفتار لباس طرز انداز سب لڑکوں جیسے ہوں اور ان کو فوج میں بھرتی کیا جا رہا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں سے پوچھتے ہیں کہ تم کو کھانے کو کون دیتا ہے اگر وہ جواب میں کہتے ہیں کہ خدا دیتا ہے اس پر کہتے ہیں کہ یوں کہو کہ حکومت دیتی ہے کیا ٹھکانا ہے اس دہریت کا۔ فرعون سے بھی بدتر ہو گئے۔ حضرت یہاں لوگ سوراج گاتے پھرتے ہیں اور عقائد ان کے بھی یہی ہیں معلوم ہندوستان کو سوراج مل گیا تو یہاں بھی یہی انجام ہو گا خدا نہ کرے وہ دن آئے۔ مجھ کو تو افسوس علماء کی حالت پر ہے کہ ایسوں سے اتحاد کر کے یہ خود پھسل گئے اور عوام کو ان ہی کی وجہ سے اس طرف خیال ہو گیا ورنہ لیڈروں کی ہیچ مچ پکار سے عوام مسلمان ان قصوں میں نہ پھنستے۔ خدا معلوم ایسے لوگوں کی عقلیں ہو کیا گیا اور یہ چاہتے کیا ہیں ان باتوں میں نہ دین ہی ہے نہ دنیا ہی ہے ہاں ایک چیز تو کھلی آنکھوں نظر آتی ہے وہ یہ کہ ایمان اور آخرت تو بیشک برباد ہو رہے ہیں حق تعالیٰ ہدایت فرمائیں۔

ملفوظ ۱۲۰ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ان چیزوں کے روکنے کی اور کوئی صورت نہیں صرف ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ سیف ہاتھ میں ہو قوت ہو مقابلہ ہو اور اس کے علاوہ دوسری صورت نہیں اور یہ بظاہر متوقع نہیں۔ بس اب تو یہی ہو سکتا ہے کہ خدا سے دعاء کی جائے چہار طرف گمراہی کے پھاٹک کھلے ہوئے ہیں جو اسلامی ممالک ہیں اور اسلامی حکومتیں ہیں وہ خود ہی ان چیزوں کا شکار بنی ہوئی ہیں خدا کے دین کے دشمن دنیا میں بھرے ہوئے ہیں۔ حامی اور ناصر کوئی نظر نہیں آتا۔ خود مسلمان ہی دین کو پامال کر رہے ہیں۔ دوسروں کی کیا شکایت کی جائے ایک دم سے بہت زبردست انقلاب ہو گیا۔ مسلمانوں کی حالت سُن کر بیحد افسوس اور قلق ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ اپنا رحم فرمائیں۔

ملفوظ ۱۳۸۱ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایک مقولہ مشہور ہے کہ جائے بزرگاں بجائے بزرگاں۔ اس کی کیا حقیقت ہے۔ فرمایا کہ اس سے برکت مراد ہے اور یہ واقعہ ہے کہ اس میں برکت ضرور ہے۔

مولانا شیخ محمد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ پر بیٹھکر جب ذکر کرتا ہوں تو زیادہ انوار اور برکات محسوس ہوتی ہیں۔

ملفوظ ۱۴۸۱ ایک نووارد صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آپ میں بولنے کا مرض زیادہ معلوم ہوتا ہے کیا آپ یہاں فقہی مسائل کی تحقیق کے لیے تشریف لائے ہیں اور وہ بھی غیر ضروری۔ جب آپ کو اتنی بھی تمیز نہیں کہ کون شخص کس کام کا ہے اور کس سے کیا کام لینا چاہیئے تو آگے آپ سے کیا امید ہو سکتی ہے۔ اور ہاں یہ تو بتلائیے کہ جب آپ آئے تھے کیا آپ سے یہ نہیں کہدیا گیا تھا کہ خاموش مجلس میں بیٹھا رہنا ہوگا مکاتبت مخاطبت کی اجازت نہیں ہوگی۔ عرض کیا کہ حضرت نے یہ فرمایا تھا۔ دریافت فرمایا کہ پھر کیوں ایک صریح بات کی مخالفت کی گئی۔ عرض کیا کہ اور لوگ سوالات کر رہے تھے۔ فرمایا کہ اوروں کے تم ٹھیکیدار ہو تم کو جو کہا گیا تھا اُس کے خلاف کیوں کیا۔۔ اس کا جواب دو کیا یہ میرا کہنا مشروط تھا کہ اگر اور کوئی صاحب بولیں یا سوالات کریں تو تم بھی بولنا اچھا اگر یہی بات ہے تو کل بھی تو تم خاموش بیٹھے رہے حالانکہ کل بھی لوگ سوالات کر رہے تھے تم نے کیوں نہیں کیا تھا۔ عرض کیا کہ غلطی ہوئی معاف فرما دیجئے۔ فرمایا معاف ہے مگر اس غلطی کا سبب کیا ہے جب تک اس کو ظاہر نہ کروگے پیچھا نہ چھوٹیگا کوئی بچوں کا کھیل ہے اس کے دو ہی سبب ہو سکتے ہیں بے فکری یا بدفہمی ان میں سے کون چیز سبب ہے آپ کی اس غلطی کا۔ عرض کیا کہ بدفہمی۔ فرمایا کہ چلو چھٹی ہوئی ایک بدفہم سے نجات ملی اس لیئے کہ بدفہمی کا کوئی علاج نہیں کیونکہ غیر اختیاری ہے اگر بے فکری سبب ہوتی تو چونکہ بے فکری۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اختیاری چیز ہے اس لیئے اس کا علاج ہو سکتا تھا مگر غیر اختیاری چیز کا کون علاج کر سکتا ہے۔ اچھا یہاں سے چلو۔ یہاں بدفہموں کی ضرورت نہیں نہ ہم ایسوں کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ عرض کیا کہ زبان سے نکل گیا اس غلطی کا سبب بے فکری تھا بدفہمی نہیں ہے دریافت کیا کہ اب اس کا جواب دو کہ یہ زبان سے کیوں نکل گیا۔ عرض کیا کہ بے فکری کا میرے اندر مرض ہے اس وجہ سے نکل گیا۔

دریافت فرمایا کہ جب تمہاری بے فکری کی یہ حالت ہے تو ہم کو کیسے اطمینان ہو کہ تم فکر سے کام لوگے۔ عرض کیا کہ حضرت آپ آیندہ دیکھیں گے کہ کوئی کام بلا سوچے اور غور کیے نہ کیا کروں گا

فرمایا یہ عمل کب سے شروع ہوگا۔ عرض کیا کہ اسی وقت سے۔ فرمایا کہ تم لوگ کیوں اپنا مافی (الضمیر) کو چھپاتے ہو۔ اس طرح کیا خاک اصلاح ہوگی۔ اچھا اب تو فکر سے کام لینے کا وعدہ کر چکے ہو یہ بتلاؤ کہ تمہارے اس بولنے کا اصل منشا کیا تھا اس وقت دل میں جو خیال پیدا ہوا تھا اس کو صاف صاف ظاہر کرو۔ میرا اس میں کوئی نفع نہیں تمہاری ہی اصلاح مقصود ہے۔ عرض کیا حضرت سچی بات تو یہ ہے کہ اور لوگ بول رہے تھے میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اور لوگ یہ سمجھیں گے کہ اسے کچھ آتا جاتا نہیں اس خیال کی وجہ سے میں نے یہ سوال کیا فرمایا کہ اب سچ کہا میں یہی کہلوانا چاہتا تھا۔ دیکھئے صاحب مجھ کو لوگ وہمی بتلاتے ہیں اگر اس طرح کھود کرید نہ کروں یہ کہاں قبضہ میں آسکتے تھے ان لوگوں کی نبضیں میں ہی خوب پہچانتا ہوں اپنے بچھڑے کے دانت تو حق تعالیٰ کو خوب معلوم ہوتے ہیں۔

ملفوظ ۵۱۵ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ فلاں مدرسہ کے منتظمین نے میرے مشورہ پر عمل نہیں کیا ورنہ تمام فساد ایک دم کافور ہو جاتا البتہ اس مشورہ پر عمل کرنے کے لئے قوتِ قلب کی ضرورت تھی۔ کمزوری اور ڈھیلے پن سے انتظام نہیں ہو سکتا۔ انتظام کے لئے سخت ہونے کی ضرورت ہے۔ پھر سوال کرنے پر فرمایا کہ وہ مشورہ یہ تھا کہ مدرسہ کو ایک دم مقفل کر دیا جائے اور ملک میں اعلان کر دیا جائے کہ ان وجوہ سے مدرسہ کو بند کر دیئے ہیں۔ فضا خوشگوار ہونے پر کھول دیں گے اور سب مفسدوں کو نکال باہر کر دیا جاتا اور پھر جو داخل ہوتا وہ ایک تحریری معاہدہ کے ساتھ داخل کیا جاتا کہ اگر ان شرائط کے خلاف کیا تو مدرسہ سے خارج کر دیئے جاؤ گے اور یہی شرائط مدرسین کے ساتھ ہوتیں۔ باقی اب تو مدرسہ کو اکھاڑا بنا رکھا ہے۔ یہاں پر مہتمم صاحب آئے تھے۔ میں نے اُن سے صاف کہدیا تھا کہ اب مدرسہ کی حالت یہ ہے کہ جیسے بے روح کے جسم ہوتا ہے اب اگر اس صورت میں مدرسہ کو ترقی بھی ہوئی تو یہ ترقی ایسی ہوگی جیسے مر جانے کے بعد لاش پھول جاتی ہے اور اندیشہ ہوتا ہے اس صورت میں کہ پھول کر جب پھٹے گی تو محلہ کو تو کیا بستی کو بھی مارے بدبو کے سڑا دے گی اس پر مہتمم صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اب سنا جاتا ہے کہ طلبہ کا تو بالکل ہی طرز بدل گیا۔ یہی پتہ نہیں چلتا دیکھنے سے کہ یہ علیگڈھ کالج ہے یا دینی مدرسہ۔ جب اپنے بزرگوں کے طرز کو چھوڑ دیا پھر نور کہاں۔ برکت کہاں یہ سب اس ہی کمبخت نیچریت کی نحوست ہے طلبہ کے لباس میں طرز معاشرت میں نیچریت کی جھلک پیدا ہوگئی۔ منتظمین، اساتذہ سب کے سب طلبہ سے مغلوب ہیں محض اس وجہ سے کہ اگر یہ نہ رہے تو ہماری مدرسی بھی جاتی رہے گی غرض کیا ان صاحبوں کی نظر میں خود مدرسہ مقصود بالذات ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے

کہ مدرسہ مقصود بالذات نہیں اصل مقصود خدا کی رضا ہے خواہ مدرسہ رہے یا نہ رہے۔ یہاں بفضلہ تعالیٰ ان قواعد اور اصول کی رعایت کی جاتی ہے ان ہی پر لوگ معترض ہیں اور اگر یہاں یہ اصول نہ ہوتے تو کیا دق کرنے کے لئے بدفہم لوگ۔ یہاں بھی کچھ کم آتے ہیں مگر بحمداللہ اپنے بزرگوں کی دعاء کی برکت سے اور اصول صحیحہ کی وجہ سے۔ یہاں کسی کی نہیں چلتی اور الحمدللہ نہ بجز رضاء حق کے یہاں کوئی چیز مقصود ہے۔ مگر لوگوں نے اصول صحیحہ کو چھوڑ دیا ہے جس سے ایک عالم کا عالم پریشانی میں مبتلا ہے حتیٰ کہ حکومت اپنی رعایا سے۔ باپ اپنے بیٹے سے۔ استاد اپنے شاگرد سے پیر اپنے مرید سے خاوند اپنی بیوی سے۔ آقا اپنے نوکر سے اور اگر اصول صحیحہ کا اتباع کیا جائے اور ہر چیز کو اپنی حد پر رکھا جائے تو کوئی پریشانی یا تکلیف نہیں ہوسکتی۔

یکم رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم سہ شنبہ

ملفوظ ۵۱۶ ایک استفتے کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ جیسا یہ استفتاء آیا ہے اسی قسم کا ایک معاملہ نکاح و طلاق کا کانپور میں کئی سال سے عدالت میں چل رہا تھا کسی حاکم سے وہ طے نہیں ہوا وہ معاملہ ایک جنٹ انگریز کے یہاں آگیا اس نے کہا کہ اتنے عرصہ سے یہ معاملہ عدالت میں ہے اور آج تک فیصل نہیں ہوا مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے علماء سے اس مسئلہ کا شرعی فیصلہ کرالو اور اس کی صورت یہ ہے کہ فتویٰ حاصل کرلو۔ اس کے مطابق حکم نافذ کردیا جائے گا۔ اس پر دونوں فریق رضامند ہوگئے چنانچہ علماء شہر کے دستخطوں سے فتویٰ لکھا گیا اب عدالت میں فریقین کو علماء کے نام بتلائے کہ ان کی رضامندی کسی خاص عالم پر پوچھی گئی۔ اب کسی پر ایک فریق رضامند ہوا تو دوسرا نہیں ہوا کسی پر دوسرا رضامند ہوا پہلا نہیں ہوا میں بھی اس وقت بسلسلۂ ملازمت مدرسہ جامع العلوم کانپور میں قیام کئے ہوئے تھا میرے بھی دستخط اس فتویٰ پر تھے۔ عمر میری اس وقت غالباً تقریباً اکیس یا بائیس سال کی ہوگی۔ طلبہ بھی اس بوجہ میری کم عمری کے مجھ سے سبق پڑھتے ہوئے جھجکتے تھے ان ناموں کے ساتھ میرا بھی نام لیا گیا۔ میرے نام پر دونوں فریق رضامند اور متفق ہوگئے۔ حاکم نے ضابطہ کے اندر میرے نام سمن جاری کردیا۔ میں نے بہت چاہا کہ کسی طرح یہ بلا میرے سے ٹلے مگر سر آہی پڑی۔ تاریخ مقرر پر عدالت میں گیا۔ میں کسی واقعہ کا گواہ نہ تھا مسائل کی تحقیق مطلوب تھی۔ مجھ کو عدالت کے احاطہ

میں دیکھو کہ تمام وکلاء اور بیرسٹر جمع ہو گئے اور دریافت کیا کہ آپ کہاں۔ مقدمہ کے وکیل صاحب بھی اس وقت وہاں موجود تھے میں نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان حضرت کی عنایت کا نتیجہ ہے۔ واقعہ معلوم ہونے پر سب نے اس کی سعی اور کوشش کی کہ میری شہادت نہ ہو۔ وکیل کو مجبور کیا کہ ایک درخواست دو کہ ہم ان کی شہادت نہیں چاہتے چنانچہ طوعاً و کرہاً وکیل نے یہ درخواست دی اور حاکم سے زبانی یہ بھی کہدیا کہ وہ ابھی آ گئے ہیں۔ حاکم نے کہا کہ ضابطہ سے تو ہم کچھ کہہ نہیں سکتے اس لئے کہ درخواست گذر چکی ہے اب مستغنی کرنا ملازم ہے ہم کو کوئی حق ان کی شہادت لینے کا نہیں رہا۔ اور اگر وہ سمن پر بھی نہ آتے تو میں اس وقت بھی کوئی ضابطہ کی کارروائی نہ کرتا مگر مشورۃً کہتا ہوں کہ اگر وہ اپنا بیان دیدیں تو مسلمانوں کا جھگڑا ہے شریعت کا مسئلہ ہے یہ معاملہ طے ہو جائے گا بشرطیکہ وہ بخوشی اس کو منظور فرمالیں۔ میں اسی بیان کے مطابق حکم نافذ کردوں گا۔ مجھ سے کہا گیا کہ حاکم کا یہ خیال ہے مجھ کو بھی خیال ہو کہ انگریز ہو کر اس کا یہ خیال ہے کہ مسلمانوں کا معاملہ ہے اور وہ پریشان ہیں تو میں تو بحمداللہ مسلمان ہوں میرا تو فرض ہے کہ یہ معاملہ طے ہو جائے۔ میں نے بیان دینے کو منظور کر لیا۔ اب حاکم کی تہذیب ملاحظہ ہو حکم دیا کہ گواہوں کی طرح پکارا نہ جائے اور پیادہ اجلاس تک نہ آئیں سواری میں آئیں جہاں تک ہماری سواری آتی ہے وہاں تک سواری آئے کرسی منگائی جائے۔ غرض میں اجلاس پر پہنچا تو کمرہ کے اندر بلا لیا گیا کرسی آنے میں دیر ہوئی۔ میں دونوں ہاتھ میز پر ٹیک کر کھڑا ہو گیا۔ بیان شروع ہوا۔ بیان کے وقت مجھ کو یہ معلوم ہو رہا تھا کہ یہ مدرسہ ہے اجلاس نہیں۔ ایک طالب علم سوال کر رہا ہے میں جواب دے رہا ہوں۔ تمام اجلاس کا کمرہ وکلاء اور بیرسٹروں سے پر ہو گیا اس لئے کہ اس کی شہرت ہو گئی تھی کہ اس کا بیان ہے یہ لوگ یہ دیکھنے آئے تھے کہ دیکھیں اجلاس میں کیا بیان ہوتا ہے۔ غرض پہلا سوال یہ ہوا کہ تمہارا نام کیا ہے باپ کا کیا نام ہے اس کے بعد حاکم نے سوال کیا کہ آپ عالم ہیں۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ واہ اچھا سوال ہوا اب اگر کہتا ہوں کہ نہیں تو یہ ایسا مذاق کو کیا جانے کہے گا کہ سمن کی تعمیل غلط ہوئی اس پر عالم لکھا ہے اور اس کی نظر میں اپنی ایک قسم کی تحقیر اور اہانت بھی ہو گی کہے گا کہ پھر آنے کی تکلیف ہی کیوں گوارا فرمائی جبکہ آپ عالم نہیں اور یہ مسئلہ متعلق ہے اہل علم سے اور اگر کہتا ہوں کہ عالم ہوں تو یہ اپنے مسلک اور مذاق کے خلاف خودستائی ہے۔ میں نے کہا کہ مسلمان ایسا ہی سمجھتے ہیں یہ لکھ لیا گیا۔ دوسرا سوال اس سے بڑھ کر ہوا کہ کیا سب مسلمان آپ کو مانتے ہیں میں نے سوچا کہ اگر کہتا ہوں کہ نہیں تو ایک غیر مسلم کے سامنے اپنی سبکی اور اہانت اس کو بھی گوارا نہ کرتا تھا مزاحاً فرمایا گو سبکی نہ تھی۔ دوسرے مقدمہ پر بھی اثر پڑے گا کیونکہ میرا بیان کسی نہ کسی فریق کے تو ضرور مخالف ہو گا اس کو اس کہنے کی گنجائش ہو گی کہ

وہ تو خود ہی کہہ گئے کہ سب مسلمان نہیں مانتے سو ہم بھی نہیں مانتے۔ اور اگر کہتا ہوں کہ سب مسلمان مانتے ہیں تو کانپور میں آئے دن ہندو مسلمان میں فساد ہوتے رہتے ہیں میرے اس اقرار کی بناء پر مجھ کو حکم کیا جا سکتا ہے کہ تم کو سب مانتے ہیں تم اس کا انتظام کرو۔ میں اس کا ذمہ دار قرار دیا جاؤں گا۔ میں نے جواب میں کہا کہ ماننے کے دو معنی ہیں۔ ایک تصدیق کرنا اور ایک تسلیم کرنا۔ تو تصدیق کے درجہ میں تو سب مسلمان مانتے ہیں یعنی کوئی مسلمان ہمارے بتلائے ہوئے مسئلہ کو جھوٹا نہیں کہہ سکتا اس سے مقدمہ پر بھی اچھا اثر ہوا اور تسلیم کے درجہ میں ہماری حکومت تو ہے نہیں صرف اعتقاد ہے اور اعتقاد کسی کو ہے اور کسی کو نہیں جو ہم کو معلوم نہیں۔ پھر نفس مسئلہ پر بیان ہوا جب میں بیان دیکر اجلاس سے باہر آیا تو بیرسٹر اور وکلاء جمع ہو گئے اور کہنے لگے کہ عجیب غریب جواب ہوئے اور دوسرے سوال کے جواب تو ہم بھی چکہ میں تھے واقعی یہ سوال خطرہ سے خالی نہ تھا مگر جواب بھی ایسا ہوا کہ ہماری سمجھ میں بھی نہ آیا تھا۔ میں نے کہا کہ یہ سب عربی مدارس کی برکت ہے وہاں اس قسم کے احتمالات نکالا کرتے رہتا۔ یہ بات انگریزی تعلیم میں تھوڑا ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ یہ عربی ہی تعلیم کے اندر برکت ہے۔ اور اس قسم کے احتمالات کا نکالنا عربی ہی طلبہ کا کام ہے۔ انگریزی طلبہ قیامت تک بھی ایسے احتمالات نہیں نکال سکتے۔ اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ آدمی عربی درسی کتابیں سمجھ کر پڑھ لے پھر ان کے بعد آگے کسی چیز کی ضرورت نہیں مگر آج کل عربی طلبہ بھی کتابیں سمجھ کر نہیں پڑھتے طوطے کی طرح رٹتے ہیں اس وجہ سے ان میں بھی سمجھ نہیں پیدا ہوتی۔ بزرگوں نے جو درسی کتابیں انتخاب کی ہیں ان میں سب کچھ ہے مگر سمجھ کر پڑھ لینا شرط ہے۔

ملفوظ ۵۱: ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ سنا ہے اوقاف کے متعلق حضرت والا کی خدمت میں تحقیق مسائل کے لئے ایک وفد آیا تھا۔ فرمایا کہ جی ہاں آیا تھا جو نو شخصوں پر مشتمل تھا۔ سب انگریزی خوان اور بڑے بڑے بیرسٹر اور وکلاء تھے ان سے گفتگو ہوئی اس وقت سب گفتگو تو محفوظ نہیں مگر اس کا خلاصہ بیان کرتا ہوں میں نے پہلے تو بطور اصول موضوعہ کے شرائط گفتگو طے کر لئے تھے۔ مثلاً ایک یہ کہ جو بات گفتگو کے وقت یاد ہوگی عرض کر دوں گا نہ یاد ہوگی تو عذر کر دوں گا اگر پھر بھی اس کا جواب مطلوب ہو تو آپ ایک تحریری یادداشت لکھ کر دے جائیے گا بعد میں جواب بھیج دیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ آپ کو صرف مسائل پوچھنے کا حق ہوگا۔ دلائل پوچھنے کا حق نہ ہوگا۔ اسی طرح حکمتیں اور علل اور اسرار کے دریافت کرنے کا حق نہ ہوگا۔ نیز ہم جو مسئلہ بیان کریں گے وہ درمختار، شامی، کنز الدقائق سے بیان کریں گے وہ قابل تسلیم ہوگا۔ صرف تصحیح نقل ہمارے ذمہ ہوگی اس لئے کہ ہم قانون ساز نہیں قانون داں ہیں تیسرے یہ کہ عقلیات

میں گفتگو کرنے کا آپ کو حق نہ ہو گا صرف منقولات سے ہر بات کا جواب دیا جائے گا۔ میں نے ایک پرچہ لکھ کر ان کو دیدیا تھا جس میں اس قسم کے اصول موضوعہ کی یادداشت تھی وہ ان اصول موضوعہ کو سنکر پھیکے سے پڑ گئے تھے۔ ایک کام میں نے یہ کیا کہ اُن کو آنے کے وقت اسٹیشن پر لینے کو نہیں گیا۔ دوسرے یہ کہ ان کو خانقاہ میں نہیں بلایا اور نہ ٹھہرایا یہ اس لئے کہ وہ یہاں پر آئیں گے تو مجھ کو ان کی تعظیم کے لئے اٹھنا پڑے گا اور میں ان کے پاس جاؤں گا تو وہ اٹھیں گے۔ نیز وہ یہاں پر آئیں گے تو میں محبوس ہوں گا اور میں وہاں پر جاؤں گا وہ محبوس ہوں گے اس لئے مولوی شبیر علی کے مکان پر ٹھہرا دیا تھا ایک یہ بھی مصلحت تھی کہ میرے اُن کے پاس جانے پر اُن کو قدر ہو گی کہ ہمارا اتنا اکرام کیا کہ ہمارے پاس قصد کر کے آیا ان وجوہ سے یہ سب انتظام کیا گیا تھا۔ جس غرض سے وہ لوگ آئے تھے وہ مسئلہ اوقاف کا تھا۔ اس گفتگو میں ایک سوال بڑا ٹیڑھا تھا جس کے پیش کرنے کا مجھ کو پہلے سے احتمال تھا اور اس احتمال کی وجہ اس کے متعلق میں نے یہاں پر پہلے ہی اپنے بعض احباب سے مشورہ کیا تھا کہ اگر یہ سوال ہوا تو کیا جواب ہو گا کسی کی سمجھ میں نہ آیا سب چکر میں تھے خود میری ہی سمجھ میں نہ آیا تھا۔ میں نے دعاء بھی کی تھی کہ خدا کرے یہ سوال ہی نہ ہو۔ حاصل مطلب اُن کا یہ تھا کہ متولیوں کی بدعنوانیوں کے سبب ہم ایسا قانون بنوانا چاہتے ہیں کہ اوقاف کا حساب کتاب گورنمنٹ لیا کرے یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں میں نے اس کی بالکل مخالفت کی کہ گورنمنٹ کو اس میں مداخلت کرنا ہرگز جائز نہیں کیونکہ یہ دیانات محضہ میں سے ہے۔ جیسے نماز روزہ۔ پس جس طرح اُس میں دخیل ہونا گورنمنٹ کو جائز نہیں اسی طرح اس میں بھی جائز نہیں اُن کی طرف سے ایک بہت بڑے بیرسٹر ہائی کورٹ کے جو جرح میں مشہور و ممتاز شخص ہیں گفتگو کے لئے منتخب ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ مسئلہ مالیات کے متعلق ہے۔ نماز روزہ مالیات سے نہیں۔ میں نے کہا کہ اچھا زکوٰۃ اور حج تو مالیات سے ہیں کیا اس میں ایسا دخل گوارا ہے۔ اس پر انہوں نے کافی سکوت کے بعد کہا کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور پھر منکر ہو گیا اور بیوی نے عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا اور گواہ پیش کر کے طلاق کو ثابت کر دیا تو کیا یہ دخل جائز نہیں حالانکہ یہ بھی طلاق میں جو کہ دیانات سے ہے گورنمنٹ کا دخل ہے۔ یہی تھا وہ سوال جس کا جواب ذہن میں نہ تھا مگر عین وقت پر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی۔ سوال کے ساتھ ہی جواب ذہن میں القاء فرما دیا۔ میں نے کہا کہ آپ نے غور نہیں فرمایا۔ یہاں دو چیزیں ہیں۔ ایک نفس طلاق کہ دیانات محضہ سے ہے اور دوسری چیز اُس کا اثر یعنی عورت کو طلاق کے بعد جو آزادی حاصل ہو چکی تھی اب اُس کو آزادی نہ ملنے پر اُس کا ضرر ہے۔ گورنمنٹ سے اس ضرر کے دفع میں مدد لے گئی اور وہ معاملہ ہے تو گورنمنٹ سے یہ مدد لینا دیانات میں نہیں بلکہ معاملہ یعنی دفع ضرر میں ہے اس پر انہوں نے کہا کہ اسی طرح نفس وقف بھی دیانات محضہ ہے مگر متولی کے بد دیانتی اور بد انتظامی کی وجہ سے جو غرباء اور مساکین کا ضرر ہے گورنمنٹ سے

اس ضرر کے دفع کے لئے مدد لی جاتی ہے۔ میں نے کہا کہ آپ نے غور نہیں کیا اس میں مساکین کا ضرر نہیں اس لئے کہ اُن کا حق پہلے سے ثابت نہیں محض استحقاق نفع کا ہے تو بددیانتی سے اس نفع کا عدم ہوا کسی ضرر کا ثبوت نہیں ہوا اور وہاں اُس عورت کا حق ثابت ہو چکا تو اس صورت میں عورت کا ضرر ہے اور مساکین کا ضرر نہیں عدم النفع ہے اور ضرر اور عدم النفع جُدا جُدا چیزیں ہیں۔ اور اُس کی ایسی مثال ہے کہ میں آپ کو سو روپیہ کا نوٹ دینا چاہتا تھا۔ کسی نے منع کر دیا تو اس صورت میں آپ کا ضرر نہیں عدم النفع ہوا۔۔۔۔ اور اگر کوئی شخص آپ کی جیب سے سو روپیہ کا نوٹ نکال لے اس کو بیشک ضرر کہیں گے چہار طرف سے سب کی زبان سے حتیٰ کہ وفد کے منہ سے بھی نکلا سبحان اللہ سبحان اللہ اور یہ کہا کہ عدم النفع اور ضرر کا فرق ساری عمر میں بھی نہ سنا تھا۔ یہ بھی کہا کہ تمام جگہوں میں علماء سے مسائل میں گفتگو کرتے آرہے ہیں مگر کہیں یہ لطف نہیں آیا اور نہ یہ تحقیقات سنیں ہم کو آج تک خبر نہ تھی کہ علماء میں بھی اس دماغ کے لوگ موجود ہیں یہ بھی کہا کہ عجیب بات ہے کہ نہ تو گفتگو کے وقت کسی کی وجاہت کا طبیعت پر اثر تھا اور نہ کہیں تقریر میں بے ربطی تھی اور ہر دعوے کے ساتھ دلیل اور اُس وفد میں بعض شیعہ حضرات بھی تھے جو شاعر بھی تھے اُنہوں نے کہا کہ اتنی دیر گفتگو رہی مگر ایک لفظ بھی تہذیب سے گرا ہوا تقریر میں نہیں نکلا۔ مجھ سے یہ سب ایک صاحب نے بیان کیا جو ان سے ملے ہوئے بیٹھے تھے۔ میں نے سن کر کہا کہ انہوں نے ابھی علماء دیکھے کہاں ہیں میں تو علماء کی جوتیوں کی گرد بھی نہیں۔ علماء کی شان انہوں نے ابھی دیکھی کیا ہے۔ خیر جو کچھ بھی ہوا میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ طالب علموں کی آبرو رکھ لی۔ میں ان کو لینے کے لئے تو ریل پر گیا نہیں تھا مگر رخصت کے وقت جب وہ لوگ اسٹیشن پر پہونچ چکے تب میں بھی پہونچ گیا دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ کیوں تکلیف گوارا فرمائی۔ میں نے کہا کہ اگر آنے کے وقت ریل پر آتا تو یہ آپ کی جاہ کا اثر سمجھا جاتا اب رخصت کے وقت کا آنا چاہ کا اثر ہے اس پر سبحان اللہ سبحان اللہ کی آوازیں بلند ہو گئیں اور کہا کیا لطیفہ ہے۔ اُن میں سے جو شیعہ تھے وہ شاعر بھی تھے وہ بہت ہی محظوظ اور خوش تھے یہ سب اللہ کی طرف سے ہے ورنہ کسی کی کیا ہستی اور کیا وجود۔ سب حق تعالیٰ کا فضل اور اپنے بزرگوں کی دعاؤں کی برکت ہے ورنہ مجھ میں تو کوئی بھی ایسی بات نہیں نہ علم نہ عمل نہ کتابیں خود سے پڑھیں سبق پڑھا اور کتاب بند کر دی محض فضل ہی فضل ہے۔

ملفوظ ۵۱۸: ایک نووارد صاحب حاضر ہوئے انہوں نے اس کے قبل بذریعہ خط حضرت والا سے کسی اپنی پریشانی کے متعلق عمل دریافت کیا تھا اس مضمون کا خلاصہ یہ تھا کہ میں فلاں پریشانی میں مبتلا ہوں حضرت والا کوئی عمل مجرب تحریر فرمادیں بعد کامیابی کے میں آپ کی خدمت بھی کروں گا۔ آج بوقت ملاقات بعد مصافحہ حضرت والا کے دریافت فرمانے پر معلوم ہوا کہ یہ فلاں صاحب ہیں جنہوں نے اس قسم کا مضمون لکھا تھا اس پر حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ عمل کے دریافت

کرنے کا تو مضائقہ نہ تھا مگر یہ جو لکھا تھا کہ میں خدمت بھی کروں گا تو کیا میں کوئی تجارت کرتا ہوں جس کی بناء پر مجھ کو لالچ دیا گیا یہ کونسی انسانیت اور تہذیب کی بات ہے عرض کیا کہ بعض بزرگ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ وہ بغیر نذرانہ لیئے ہوئے کوئی کام نہیں کرتے۔ حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ کیا آپ کو ایک ہی پہلو معلوم ہے دوسرا پہلو معلوم نہیں۔ عرض کیا معلوم ہے فرمایا کیا معلوم ہے عرض کیا کہ بعض ایسی خدمت کو قبول نہیں کرتے فرمایا کہ میرے متعلق یہ تم نے کیسے سمجھا کہ یہ کونسی قسم میں داخل ہے بدون مجھ سے دریافت کئے ہوئے میرے متعلق خود کیسے فیصلہ کر لیا کہ یہ لینے والوں کی قسم میں سے ہے جبکہ تم خود کہہ رہے ہو کہ یہ لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو بدون نذرانہ کام نہیں کرتے اور ایک وہ جو دینے پر بھی نہیں لیتے پھر تم نے جو لکھا کہ تمہاری بھی خدمت کروں گا اور تم کو بھی کچھ دوں گا پہلے مجھ سے پوچھنا چاہیئے تھا اگر میں لکھتا کہ میں لینے والوں کی قسم سے ہوں تب ایسا لکھنا چاہیئے تھا۔ عرض کیا کہ غلطی ہوئی معاف فرمائیے فرمایا کہ معاف ہے مگر تمہاری اس حرکت سے تکلیف جو پہنچی تو کیا اس کا اظہار بھی تم پر نہ کروں اور یہ تواضع پر مبنی نہیں بلکہ واقعہ ہے کہ میں عملیات نہیں جانتا یہ تو عاملوں کے کام ہیں۔ میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ میں صرف اللہ کا نام جانتا ہوں۔ الحمدللہ ان تک کے پہنچنے کا سیدھا راستہ معلوم ہے وہ معلوم کر لو اس سے آگے مجھے کچھ نہیں آتا میرا تو یہ مذہب اور مشرب ہے کہ

ماقصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

اس لیئے میرے پاس دنیاوی غرض سے کر آنا محض دنیاوی اغراض کے لیئے سفر کرنا روپیہ اور وقت صرف کرنا مجھ کو اس سے تنگی ہوتی ہے مجھ پر اس کا بُرا اثر ہوتا ہے اس سے میرے قلب پر بار ہوتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں دنیاوی غرض کو کسی کے سامنے پیش کرنے کو بُرا سمجھتا ہوں یہ مطلب ہرگز نہیں اور نہ میرا یہ مشرب ہے ہاں ان اغراض کے لیئے اہتمام کر کے سفر کرنا اور خرچ کرنا اس سے قلب پر بار ضرور ہوتا ہے کیونکہ یہ کام تو خط و کتابت سے بھی ہو سکتا ہے اور ایسے کاموں کے لیئے غیبت زیادہ نافع ہے حضور سے۔ اس لیئے کہ ناجنسوں اور نااہلوں کے حضور سے کلفت ہوتی ہے۔ یہی شخص اگر میری اس تحریر کا جواب بذریعہ خط ہی دیدیتا کہ میں نے اس خیال سے ایسا لکھ دیا تھا تو تغیر تو طبیعت میں اس وقت بھی ہوتا مگر اتنا نہ ہوتا جتنا اب سامنے ہونے سے ہوا۔ ان صاحب نے عرض کیا کہ اب کچھ آپ بتلائیں گے یا نہیں۔ فرمایا کہ میں کچھ نہ بتلاؤں گا۔ جہاں بزرگ ہوں وہاں جاؤ میں تو بزرگ نہیں خواہ مخواہ تم کو کسی نے بہکا دیا وہ صاحب اٹھ کر چلدیئے۔ حاضرین سے فرمایا کہ معاملہ صاف ہو بات صاف ہو یہی اچھا ہے۔ میں دکانداری کو اچھا نہیں سمجھتا آج کل علماء اور مشائخ ایسے لوگوں کی اس لیئے لو پوتو کرتے ہیں کہ کہیں غیر معتقد نہ ہو جائیں مگر ایسے نااہلوں کا غیر معتقد ہونا ہی نافع ہے اب یہ جا کر اور دس قصے کہے گا میری بد اخلاقی کی منادی کرے گا نفع یہ ہو گا

کہ اس جیسے بدفہموں سے نجات ملے گی وہ بھی سن کر نہ آئیں گے اور فرمایا کہ انداز گفتگو سے نیز بعض قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیچارے کے دماغ میں خلل ہے صورت سے وحشت معلوم ہوتی ہے خط میں لکھا تھا کہ مجھ میں زیادہ بولنے کا بھی مرض ہے اس کا بھی کوئی علاج تحریر فرمایا جاوے۔ اسی وجہ سے مجھ کو اس شخص کی باتوں پر زیادہ غصہ نہیں آیا میں معذور سمجھتا تھا ہاں انقباض ضرور ہوا اور بیہودہ باتوں پر انقباض امر فطری ہے۔ یہ ہیں وہ باتیں جن کی بناء پر مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے۔ اب میں کہاں تک ہر شخص کا اتباع کر سکتا ہوں یہاں آنے والے سب کے سب میرا اتباع کر سکتے ہیں کیونکہ میں ایک ہوں اور وہ بہت اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ نہ میں تمہارا اتباع کروں نہ تم میرا بلکہ تم بھی اصول صحیحہ کا اتباع کرو اور میں بھی چلو چھٹی ہوئی مگر اصول سے لوگ گھبراتے ہیں خیر گھبرایا کریں میں ان کی وجہ سے اصول صحیحہ کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔

ملفوظ ۵۱۹ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں آج کل کے رسمی پیروں کی بدولت زیادہ گمراہی پھیلی ہے طریق کی حقیقت سے لوگ دور جا پڑے ان سے اس قدر بعد ہو گیا کہ علماء تک اس طریق کی حقیقت سے ناآشنا ہو گئے مگر اب بحمد اللہ طریق کی حقیقت واضح ہو گئی اور ان رسم پرستوں کا پول کھل گیا۔ اللہ کا شکر ہے اپنے بزرگوں کی دعاء کی برکت سے طریق میں کوئی اہمال نہیں رہا۔

ملفوظ ۵۲۰ ایک دیہاتی شخص نے عرض کیا کہ ہمارے گاؤں کی مسجد کی دکان پر ایک ہندو نے قبضہ کر لیا ہے۔ اب وہ کرایہ بھی اس دکان کا نہیں دیتا۔ مسلمانوں نے اس ہندو کی دکان پر قبضہ کر لیا۔ مگر مسجد کی جس دکان پر ہندو نے قبضہ کیا ہے اس کی آمدنی کم ہے اور ہندو کی جس دکان پر مسلمانوں نے قبضہ کیا ہے اس کی آمدنی زائد ہے۔ حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ جس ہندو کی دکان پر مسلمانوں نے قبضہ کیا ہے یہ دکان اسی ہندو کی ہے یا کسی اور کی۔ عرض کیا یہ تو معلوم نہیں فرمایا کہ معلوم کر کے آؤ۔ دیکھو یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مسئلہ جب پوچھنے جاوے پوری اور پکی بات معلوم کر کے آنا چاہئے ادھوری بات پر مسئلہ کیسے بتلا دیا جاوے۔ عرض کیا کہ اگر وہ دکان اسی ہندو کی ہو تو کیا حکم ہے۔ فرمایا کہ کیا رسالہ بنانا ہے اگر یوں ہے تو یوں ہے اور اگر یوں ہے تو یوں ہے پھر فرمایا کہ علماء محققین نے اس کی سخت ممانعت کی ہے کہ تشقیق کے ساتھ جواب دیا جاوے۔ اس میں بعض اوقات سائل مقید شق کا دعویٰ کرنے لگتا ہے۔

ملفوظ ۵۲۱ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل حدود کی قطعاً پرواہ نہیں کی جاتی گڑ بڑ معاملہ ہو رہا ہے ہر کام کے خاص اصول ہیں حتیٰ کہ علماء نے خود تبلیغ و افتاء کے بھی چند شرائط بیان کئے ہیں چنانچہ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ جس کے متعلق افتاء و تبلیغ و تعلیم و تربیت کا کام

سپرد ہو وہ کسی کی گواہی نہ دے اور ایک میں نے اضافہ کیا ہے تجربہ کی بنا پر کہ جس کے متعلق یہ کام ہوں وہ کسی کے معاملہ میں حکم یعنی فیصل کنندہ بھی نہ بنے کیونکہ ایسا کرنے سے وہ ایک جماعت میں شمار کر لیا جاوے گا اور دوسری جماعتوں کے مسلمان اس کے فیوض اور برکات سے محروم ہو جائیں گے۔ ضلع سہارنپور کی ایک بستی میں دو شخصوں میں ایک زمین پر جھگڑا تھا منصف کے یہاں مقدمہ تھا اُن لوگوں نے ہر چند چاہا اور کوشش کی مجھ سے کہ تم فیصلہ کر دو تو ہمارا بہت بڑا نفع ہے۔ عدالت میں جانے سے ہزاروں کا نقصان ہو گا حتیٰ کہ منصف کے یہاں سے اس مقدمہ کی مسل میرے یہاں بھجوائی میں نے مسل کو واپس کر دیا۔ غرض ایسے خادمان دین کو ہرگز ایسے معاملات میں نہیں پڑنا چاہئے۔ اس میں بڑی مضرت کا اندیشہ ہے خصوص دین کا ضرر اس لئے کہ اس زمانہ میں ہر شخص آزاد ہے نہ کسی کا کسی پر اثر نہ کسی کے اعتقاد اور محبت کا اعتبار صرف مطلب اور اغراض تک سب کچھ ہے اگر اُن کے خلاف کوئی بات پیش آ جائے اُسی وقت اثر اور اعتقاد و محبت سب ختم ہو جاوے یہ تجربہ کی باتیں ہیں۔ آج کل علماء اور مشائخ فخر کی راہ سے ایسے معاملات میں دخل دیتے ہیں مگر اس سے سخت اجتناب کی ضرورت ہے۔

ملفوظ ۲۲۲: ایک صاحب نے ایک پرچہ حضرت والا کی خدمت بابرکت میں پیش کیا۔ ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ بڑا اچھا خواب ہے کس کی قسمت کہ ایسے بزرگوں کی زیارت نصیب ہو گو خواب ہی میں سہی اور اہل مجلس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ انہوں نے خواب میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے اور چند بار دیکھا۔ حضرت مولانا نے ان کو یہاں آنے کی ہر بار میں تاکید فرمائی کہ اُس کے پاس جا کر بیٹھا کرو۔ یہ صاحب حضرت سے بیعت ہیں۔ اس پر فرمایا کہ حضرت مولانا کو مجھ سے بہت ہی تعلق تھا۔ نابینا ہونے کے بعد فرمایا تھا کہ کیا بتلاؤں بینائی نہیں رہی ورنہ تھانہ بھون جا کر وہاں کا مجمع دیکھ کر آتا۔ فرمایا کہ لوگ حضرت کو خشک سمجھتے تھے لیکن حضرت میں اس قدر مادہ محبت کا تھا کہ دوسروں میں اُس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

ملفوظ ۲۲۳: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ لوگوں کی آج کل عجیب حالت ہے اہل وصول سے سب خوش یعنی جو لوگوں سے روپے وصول کرے اور اہل اصول سے سب ناراض اس لئے مجھ سے کوئی زیادہ خوش نہیں کہ میں اہل اصول سے ہوں اگر اہل وصول میں سے ہوتا اور بیٹھا ہوا اینٹھا کرتا اور یوں ہی واہی تباہی اڑنگ بڑنگ ہانکا کرتا سب خوش رہتے اب اصول صحیحہ کا خود بھی پابند ہوں اور دوسروں سے بھی اُس کی پابندی چاہتا ہوں۔ بس یہی لڑائی ہے اب یہی شخص جس نے دکان کا مسئلہ پوچھا تھا خوش تھوڑا ہی گیا ہے وجہ یہی ہے کہ میں نے مسئلہ بتلانے میں اصول سے کام لیا جس میں اُس کو گنجائش نہ نکلی۔ اگر جواب اُس کی مرضی کے موافق ہوتا خوش جاتا۔ اب اگر اں بے اصول

کی رعایت کروں تو اصول ہاتھ سے جاتے رہیں نہ رعایت کروں تو خفا ہوتے ہیں خیر خفا ہوا کریں ایسے نا اہلوں کا ناخوش رہنا ہی خوش رہنے سے اچھا ہے پیچھا تو چھوٹا ورنہ اور کلفت کے سامان میں اضافہ ہوتا اسلئے کہ آجکل تو ویسے ہی بد فہمی کا بازار گرم ہے اور میں تو اس قدر برداشت کرتا ہوں کہ دوسرا کر نہیں سکتا اور رعایت بھی از حد درجہ میرے مزاج میں ہے مگر غلامی نہیں کرتا بس ناراض ہی خدمت سے انکار نہیں آدھی رات موجود ہوں لیکن طریقہ سے مگر لوگ یوں ہی گڑبڑ کرنا چاہتے ہیں میں اس میں ساتھ نہیں دیتا۔

۵۲۴

ملفوظ: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بہت لوگ خواب لکھتے ہیں۔ یہاں سے ان کو جواب جاتا ہے کہ مجھ کو تعبیر سے مناسبت نہیں۔ کوئی عملیات پوچھتا ہے اس کا جواب جاتا ہے کہ میں عامل نہیں۔ جھگڑے کے استفتے آتے ہیں اُن کا جواب جاتا ہے کہ دونوں فریق جمع ہو کر آؤ اور دونوں زبانی واقعہ بیان کرو سننے کے بعد حکم شرعی ظاہر کر دیا جاوے گا اب بتلائیے ایسی باتوں سے کون خوش رہ سکتا ہے نہ خواب والے خوش نہ بیداری والے سب خفا ہیں محض اصول کی وجہ سے اگر وصول سے کام لیتا اور اصول کو چھوڑ دیتا سب خوش رہتے۔ مدتوں کے بعد اصول صحیحہ لوگوں کے کانوں میں پڑے ہیں پھر ان کو گڈمڈ کرنا چاہتے ہیں۔ میں وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ میرے یہاں جو اصول اور قواعد منضبط ہوئے ہیں نہایت تجربوں کے بعد ہوئے اور ان سے میرا مقصود حکومت نہیں بلکہ طرفین کی راحت ہے بعضوں کے یہاں اصول اپنی شوکت اپنی ہیبت اپنی حکومت کیلئے ہیں میرے یہاں اصول راحت کیلئے ہیں جب وہ اصول ایسے ہیں تو میں کسی کی خاطر اپنے اصول اور قواعد کو کبھی نہ چھوڑوں گا۔

۵۲۵

ملفوظ: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آپ کے خطوط میں اکثر خواب لکھے ہوئے آتے ہیں میں آپ کو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ خواب کی باتوں میں کیا رکھا ہے بیداری کی باتوں کا خیال ہونا چاہئے آجکل یہ مرض بھی لوگوں میں عام ہو گیا ہے کہ خوابوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں پھر اکثر وہ خواب بھی نہیں ہوتے۔ خیالات کا نام خواب رکھ لیا ہے اور تعبیر خواب کی ہوتی ہے۔ خیالات کی کیا تعبیر ہوگی میرا جو خواب سننے پر اکثر یہ جواب ہوتا ہے کہ مجھ کو تعبیر سے مناسبت نہیں اس کا منشا اکثر یہی ہوتا ہے کہ وہ خواب ہی نہیں جس کی تعبیر ہو ورنہ مجھ کو تعبیر سے ایسی اجنبیت بھی نہیں جس کو حقیقت میں عدم مناسبت کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص نے اپنا خواب لکھا تھا کہ نعوذ باللہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ساتھ ایک نازیبا حرکت کی ہے مجھ سے خواب بیان کیا گیا سنتے ہی فوراً ذہن میں آیا کہ یہ شخص کسی شیعی مسئلہ کا معتقد ہے جو اس عضو کے ساتھ مخصوص ہے۔ میں نے بھی جواب

میں لکھ دیا ان کو تعبیر پڑھکر حیرت ہوگئی کہ یہ کیسے سمجھ میں آیا، ایک میرے دوست بیان کرتے تھے جن سے صاحب واقعہ نے بیان کیا تھا کہ میں ڈھیلے سے استنجا سکھلانیکا نہ معتقد تھا اور نہ میں اس پر عامل تھا اس لئے اپنے لئے تعبیر عدم مناسبت بھی نہیں کہہ سکتا پس غالب یہی ہے کہ جس خواب کو دیکھتے ہی ذہن میں تعبیر آتی ہے اس کو تو میں خواب سمجھتا ہوں اور اس کے خلاف کو خیال

ملفوظ ۵۲۶ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس کا اکثر تجربہ ہوچکا ہے کہ جس خواب کی تعبیر مطلوب ہوتی ہے خواہ میں نے وہ دیکھا ہو یا اور کسی نے اگر تعبیر فوراً سمجھ میں آجائے یا میں نے اگر دیکھا ہو اور سو کر اٹھنے کے ساتھ ہی ذہن میں تعبیر آجاوے وہ خواب اکثر صحیح ہوتا ہے میں ایک دفعہ قصبہ بجھراؤں مدعو کیا گیا تھا اس وقت تحریک خلافت کا دور تھا ترکوں سے جنگ ہو رہی تھی شب کو میں نے صبح کو قریب ایک خواب دیکھا جس کو میں نے اسی روز اپنے بعض دوستوں کے ہمراہ سفر تھے بیان بھی کر دیا تھا وہ خواب یہ تھا کہ گویا میں اپنے ہی مکان کے صحن میں ہوں کہ ایک لڑکی سیاہ فام شتر سوار جس کی عمر تقریباً بارہ ۱۲ سال کی ہوگی جانب مغرب سے میرے پاس آئی اس شتر کے پاؤں چاندی کا زیور بہت زیادہ ہے مجھ کو اس لڑکی سے بوجہ خلوت کے کلام کرتے ہوئے حجاب معلوم ہوا مگر چونکہ اور کوئی ذریعہ گفتگو کا نہ تھا اس لئے طوعاً و کرہاً میں نے اس لڑکی سے سوال کیا کہ تو کہاں سے آئی ہے اس نے زبان سے کوئی جواب نہیں دیا اور شہادت کی انگلی سے جانب مغرب اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ اس طرف سے آئی ہوں میں نے سوال کیا کہ کس نے بھیجا ہے کہا کہ ظہور نے بھیجا ہے میں نے خواب ہی میں سمجھا کہ ظہور سے مراد امام مہدی علیہ السلام ہیں میں نے سوال کیا کہ ظہور تمہارے کچھ رشتہ دار ہیں کہا کہ رشتہ دار تو نہ تھے مگر اب رشتہ دار ہو گئے اور وہ یہ کہ انہوں نے میری ماں سے نکاح کر لیا ہے اور یہ کہہ کر اس لڑکی نے مجھ کو لفافہ دیا اور یہ کہا کہ یہ آپ کے پاس ظہور نے بھیجا ہے میں نے اس لفافہ کو اس کے ہاتھ سے لیکر اور کھول کر دیکھا تو بجائے کسی پرچہ کے یا مضمون کے اس میں کئی قسم کے لیموں کے اچار کا نمونہ ہے اس وقت چونکہ مجھ پر حجاب کا غلبہ تھا مزید واقعات دریافت کرنیکی ہمت نہ ہوئی اس صحن سے زنانہ مکان کی طرف ایک کھڑکی بنی تھی میں نے اس لڑکی سے کہا کہ تم اس کھڑکی سے زنانہ مکان کی طرف چلو کہ وہاں ٹھہرنا چنانچہ اس کھڑکی سے زنانہ میں داخل ہوئی اور میں بھی اس خیال سے زنانہ مکان کی طرف چلا کہ گھر والوں سے کہوں گا کہ میں نے تو بوجہ حجاب خلوت کے اس لڑکی سے مزید حالات و واقعات معلوم نہیں کر سکا تم معلوم کر لو اس خیال کو دل میں لئے ہوئے کھڑکی کے دروازے تک پہونچا تھا کہ آنکھ کھل گئی آنکھ کھلنے کے ساتھ ہی اس خواب کی تعبیر ذہن میں یہ موجود تھی کہ شتر سے مراد عرب کی سلطنت ہے اس کے پاؤں میں چاندی کا زیور ہونا اشارہ تمول کیطرف ہے لڑکی کی عمر کا بارہ سال ہونا چونکہ از روئے شرع بلوغ کا حکم اکثر اس

وقت پندرہ سال میں ہوتا ہے اشارہ ہے تین سال انتظار کیطرف اس لئے عرب میں سلطنت قائم ہوگی جو مالدار ہوگی اور تین سال سلطنت کے قائم ہونے میں، اور باقی میں ظہور سے مراد چونکہ امام مہدی کا ظہور ہے اس لئے نکاح کر لینا بنا کا قائم ہونا ہے لفافہ میں لیموں کے اچار کا کچھ قسم کا نمونہ کا ہونا یہ ذرا تیز بھی کھٹی تھی لیکن اس کے متعلق یہ تعبیر ذہن میں تھی کہ رومی بنی اصفر ہیں اور لیموں قاطع صفرا ہے تو سلطنت عرب کا تسلط ترکوں پر ہوگا اشرف علی کے یہاں آنا اس سے مراد یہ ہے کہ اشرف سید کو کہتے ہیں اور علی سے مراد حضرت کی اولاد اور امام مہدی علیہ السلام حضرت علی کی اولاد سے ہوں گے حساب جو لگایا تو پورے تین سال کے بعد نجدیوں کی سلطنت عرب میں قائم ہوئی جس کو مہدی علیہ السلام کی حکومت کی تمہید کہہ سکتے ہیں ایسے واقعات سے یہی اثر ہوا کہ اگر ساتھ ساتھ تعبیر ذہن میں آگئی اس کو خواب سمجھتا ہوں ورنہ خیال میں گھڑ گھڑ کر کھینچ تان کر کبھی تعبیر کو چسپاں نہیں کرتا تو اس لئے کہ وہ تعبیر ہی نہیں ہوتی تکلف ہوتا ہے۔

ملفوظ ۲۲ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ عارفین نے لکھا ہے کہ محقق وہ ہے جو جامع بین الاضداد ہو۔ ایک صاحب نے جو لکھے پڑھے بھی تھے مجھ سے پوچھا کہ کسی سے بغض فی اللہ بھی ہو پھر اس کی دل میں تحقیر بھی نہ ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے میں نے ایک مثال دیکر سمجھایا کہ ایک بادشاہ نے اپنے شہزادہ کو کسی جرم کی سزا پر بید لگانے کا حکم دیا اور بید لگانے والا بھنگی ہے تو کیا عین بید لگانے کے وقت بھنگی کو یہ خیال ہوگا کہ میں شہزادے سے افضل ہوں ہرگز نہیں۔ یہی سمجھے گا کہ میں بیچارہ بھنگی ہوں اور یہ شہزادہ میں اس کے سامنے کیا چیز ہوں تو شہزادے کو اپنے سے لاکھوں درجہ افضل اور اپنے کو اس سے کمتر اور اس فعل موجب سزا کو قبیح و مبغوض سمجھنا یہ سب باتیں ایک وقت میں جمع ہو سکتی ہیں اس مثال کو سن کر بہت خوش ہوئے اور یہ کہا کہ بہت عرصہ کا شبہ آج حل ہو گیا۔ پھر فرمایا کہ ایسے علوم کا تعبیر کر دینا تو آسان ہے مگر عمل کے وقت ان کا استحضار بڑا مشکل ہے وہ یا مجاہدہ کے ساتھ ہو سکتا ہے اور یا صحبت کے لئے ان چیزوں کی ضرورت ہے کہ یا تو اس نے مجاہدہ عظیم کیا ہو یا کسی کامل کی صحبت ملی ہو اور ہر حال میں طبیعت میں سلامتی ہو۔ بلکہ اس میں زیادہ دخل صحبت کو ہے حتی کہ اگر زیادہ مجاہدہ بھی نہ کیا ہو تب بھی استحضار کامل ہو سکتا ہے بشرطیکہ صحبت کامل کی مل چکی ہو اور طبیعت میں سلامتی ہو۔ چنانچہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی کی حکایت ہے ایک مولوی صاحب نے اپنے مشاہدہ سے بیان کی۔ راوی مولوی صاحب کہتے تھے کہ میں ایک مرتبہ قصبہ رامپور سے دیوبند پہنچا میرا ایک مقدمہ تھا میرے ساتھ ایک ہندو بھی تھا اس کا مقدمہ سے تعلق تھا اس ہندو نے دیوبند پہنچکر مجھ سے کہ کہاں ٹھہرو گے میں نے کہا کہ میں حضرت

مولانا کے یہاں ٹھہروں گا اس نے کہا کہ میں کھانا تو بازار سے کھالوں گا باقی قیام کے لئے ایک تھوڑی سی جگہ اور ایک چھوٹی سی چارپائی مولانا کے یہاں مجھ کو بھی مل جائے تو بڑی آسانی ہو اور عدالت میں جمع ہو کر چلنے میں کوئی تکلف نہ ہو۔ مولوی صاحب کہتے تھے کہ میں نے حضرت مولانا ہی کی بیٹھک میں انتظام کر دیا ایک روز میں اور وہ ہندو اپنی اپنی چارپائیوں پر لیٹے ہوئے تھے دوپہر کا وقت تھا حضرت زنانہ مکان سے دبے دبے پیروں بیٹھک میں تشریف لائے اور اس ہندو کی چارپائی پر بیٹھکر اس کے پیر دبانا شروع کر دیئے وہ اس قدر بیہوش سو رہا تھا کہ خراٹوں کی آواز آرہی تھی میں چونکہ جاگ رہا تھا اس لئے برداشت نہ کر سکا فوراً اٹھکر پہونچا اور عرض کیا کہ میں دبا دوں گا فرمایا کہ میرا مہمان ہے مجھ پر حق ہے۔ میں نے پھر اصرار کیا فرمایا جاؤ تم دخل دینے والے کون ہوتے ہو آرام کرو زیادہ بات کرنے سے بیچارے کی آنکھ کھل جائے گی اور تکلیف ہوگی کیا ٹھکانا ہے اس بے نفسی کا مجھ کو تو یہ حکایت سن کر حیرت ہوگئی کہ اے اللہ اپنے کو بالکل مٹا ہی دیا تھا یہ حضرات عادل ہوتے ہیں اس وقت مہمان ہونے کے حقوق ادا کئے اور اگر دوسری حیثیت کے ظہور کا وقت ہوتا یعنی کفر کی حیثیت کا تو پھر دیکھو کہ اسی کی گردن پر تلوار ہوتی بس اس طرح سے جمع بین الاضداد ہو جاتا ہے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ حضرت مولانا کی تو کچھ عجیب ہی شان تھی اپنے خادموں سے بیحد محبت فرماتے تھے اور یہ سب برکت اپنے بزرگوں کی محبت اور دعاؤں کی ہے ورنہ مجھ کو اپنی حالت اچھی طرح معلوم ہے کہ نہ علم ہے نہ عمل نہ فضل نہ کمال بس جو کچھ ہے اپنے بزرگوں ہی کی نظر عنایت کے ثمرات ہیں۔

ملفوظ ۵۲۸: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ایک مولوی صاحب کی ایک بات مجھ کو بہت ہی پسند آئی وہ مولوی صاحب ایک مدرس کو جن کے اخلاق کا اثر بھی طلبہ پر بڑے ندوہ لے جانا چاہتے تھے ان کی تواضع و انکسار ان کو پسند آیا یا شاید کسی نے اس کی روایت کی۔ ایک دوسرے شخص نے ایک دوسرے فاضل کا نام لیا جو علم و فضل میں ان پہلے صاحب سے بڑھے ہوئے تھے جن کو وہ تجویز کرتے تھے لے جانے والے مولوی صاحب نے جواب میں کہا کہ وہاں متکبر بن گئی پہلے ہی سے کمی نہیں مطلب یہ تھا کہ جن کا تم نے نام لیا وہ متکبر ہیں مجھ یہ بات بہت ہی پسند آئی۔

ملفوظ ۵۲۹: ایک صاحب کی غلطی پر کہ انہوں نے بے تحقیق ایک بات کہدی مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ بدون تحقیق کے آپ نے یہ بات کیسے کہی کیا زیادہ بولنے کا بھی آپ میں مرض ہے کہ واقعہ کی تحقیق نہ کی اور بکنا شروع کر دیا جب ایسے مہذب لوگوں کی یہ حالت ہے تو اوروں کی کیا شکایت کی جاوے۔ یہ حالت بالکل اس کے مصداق ہے۔ چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔

کہاں تک ان لوگوں کی اصلاح کی جائے جب خود ہی اپنی اصلاح کی فکر نہیں تو پھر کیا خاک اصلاح ہو سکتی ہے ان ہی باتوں پر مجھ کو بدخلق اور سخت گیر کہا جاتا ہے اپنے اخلاقِ حسنہ اور نرم گیری کو نہیں دیکھتے کہ بے اصول باتوں سے دوسروں کو ایذاء پہونچاتے ہیں جب ان صاحب نے اس کا کچھ جواب نہ دیا تو فرمایا کہ جواب کیوں نہیں دیا جاتا کیا زبان سل گئی پہلے تو بڑی چبڑ چبڑ لگا رکھی تھی اب کیوں نہیں زبان چلتی۔ عرض کیا کہ فی الحقیقت مجھ سے غلطی ہوئی۔ حضرت والا معاف فرمائیں آئندہ کبھی بلا سوچے اور تحقیق کئے ہوئے کوئی بات نہ کروں گا فرمایا کہ ضرور احتیاط رکھنا چاہئے باقی معاف کو معاف ہی ہے مگر کیا غلطی پر آگاہ بھی نہ کروں اور خاموش رہوں اگر ایسا کروں تو غلطیوں کی اطلاع کیسے ہو اور پھر اصلاح کا ذریعہ کیا ہو۔ انسانیت سیکھو بہیمیت کو چھوڑو۔ حقیقت یہ ہے کہ بزرگی۔ آسان ولایت آسان قطبیت غوثیت آسان مگر آدمیت اور انسانیت مشکل ہیں اسی کو دوسروں کے دل میں اتارنا چاہتا ہوں جس پر منہ بناتے ہیں۔

ملفوظ ۵۴: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اگر حق تعالیٰ کسی کو فہمِ سلیم عطاء فرمائیں یہ ان کی بڑی رحمت ہے ورنہ آج کل اکثر دیکھا جاتا ہے کہ کم فہم لوگ زیادہ ہیں اور اس بدفہمی کا سبب اکثر بے فکری ہے اگر لوگ فکر سے کام لیں تو اس قدر غلطیاں نہ ہوں مگر زیادہ تر اسی کی کمی ہے۔

ملفوظ ۵۵: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اکثر مشکل باتیں پیش آئیں مگر حق تعالیٰ نے ہمیشہ مدد فرمائی۔ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ نیکوں کو تو حکم ہے کہ بدوں کی صحبت سے بچو اور بدوں کو حکم ہے کہ نیکوں کی صحبت اختیار کرو تو اس صورت میں نیک اپنی صحبت میں بدوں کو آنے کیوں دیں گے جبکہ ان کو حکم ہے کہ بدوں کی صحبت سے بچو پھر بدوں کو نیکوں کی صحبت کیونکر میسر ہوگی۔ فرمایا کہ جواب سننے کے بعد تو کچھ بھی اشکال نہیں رہتا مگر اول وہلہ میں تو بڑا ہی سخت اشکال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت مدد فرمائی اور قلب میں جواب القاء فرمایا یہ سب اُن کی ہی رحمت ہے۔

میں نے کہا کہ عادت الٰہیہ یہ ہے کہ تابع کا اثر متبوع پر نہیں ہوتا۔ متبوع کا اثر تابع پر ہوتا ہے اس لئے نیکوں کو جو حکم ہے کہ بدوں کی صحبت سے بچو مطلب یہ ہے کہ اُن کے تابع بن کر اُن کی صحبت مت اختیار کرو لیکن اگر وہ تمہارے پاس آئیں گے تو تابع ہو کر آئیں گے اُن کو اپنے پاس آنے دو۔ اسی طرح بدوں کو جو حکم ہے کہ نیکوں کی صحبت اختیار کرو مطلب یہ ہے کہ تم اُن کے تابع بن کر جاؤ۔ یہ جواب سن کر وہ بہت خوش ہوئے اگر حق تعالیٰ عقلِ سلیم اور فہمِ کامل کسی کو عطاء فرمائیں بڑی ہی ان کی رحمت اور نعمت ہے اور بڑا ہی فضل اس بندے پر ہے جس کو ان نعمتوں سے نوازا جائے۔

ملفوظ ۵۳۲: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض لوگ اسلام کے بڑے ہمدرد اور خیر خواہ بنتے ہیں اور کہتے رہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا اور کہتے ہیں کہ جہاد کا جو حکم ہے سو جہاد تلوار میں ارکر لڑنے کو نہیں کہتے اسلام نے اس کی تعلیم نہیں دی کیونکہ یہ ایک وحشیانہ حرکت ہے یہ ہم بھی مانتے ہیں کہ جہاد اسلام پھیلانے کے واسطے نہیں ہے ورنہ جزیہ مشروع نہ ہوتا مگر کیا دفع مضرت کے لئے بھی اس کا اختیار کرنا وحشیانہ حرکت ہے اگر یہ ہے تو ساری عالم کی قومیں اس پر کیوں متفق ہیں اور تمام عالم کا اس پر عمل کیوں چلا آرہا ہے دفع مضرت کے لئے سب تلوار اٹھاتے ہیں تو پھر اسلام ہی پر کیا اعتراض ہے بلکہ اس کو تو امر فطری کہہ سکتے ہیں سو یہ عجیب بات ہے کہ اگر اسلام ایک بات کہے تو اس کو وحشیانہ حرکت سمجھا جائے اور خود وہی بات کریں تو حرکت انسانیہ سمجھا جائے باوجود اس کے پھر بھی ایسے عقلمند لوگ آج کل بہت موجود ہیں جو اسلام کی دوستی کے پردے میں دشمنی کرتے ہیں دوست نما دشمن ایسوں ہی پر صادق آتا ہے ۔ ایسوں سے کہنا چاہیئے کہ ارے تم جہاد کی کیا تحقیقات کرو گے تم آج تک اپنی ہی تحقیق نہ کر سکے ایسوں ہی پر یہ شعر صادق آتا ہے ؎

گر بہ میر وسگ وزیر و موش را دیواں کنند　　　این چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند ۔

اور مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہی بے باکوں کی نسبت فرماتے ہیں ؎

ظالم آں قومیکہ چشماں دوختند　　　از سخنہا عالمے را سوختند

اور ایسی باتیں اکثر ان نیچریوں اور ملحدوں بددینوں کی ہوتی ہیں ان کو نہ علم سے تعلق نہ دین کی خبر اور غیر ضروری تحقیقات کا مرض یہ حاصل ہے ان تحقیقات کا ۔

ملفوظ ۵۳۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے حضرات کا ہمیشہ یہ مسلک اور مشرب رہا ہے کہ غرباء اور دینداروں سے محبت رکھتے تھے اور اہل دنیا خصوص اہل مال سے جو امراء کہلاتے ہیں خصوصیت کا تعلق نہ رکھتے تھے اور امراء سے مراد وہ لوگ ہیں جو متمول ہونے کے ساتھ دنیادار بھی ہیں لیکن اگر ان میں سے بھی کوئی دیندار ہوتا تو اس سے بھی خصوصیت کا تعلق رکھتے تھے ورنہ نہیں ۔ یہ بات ہماری اس ہی جماعت کی ساتھ خاص تھی ورنہ دوسرے اکثر علماء کو دیکھا کہ وہ امراء کو لپٹتے ہیں ان کی چاپلوسیاں کرتے ہیں اور یہ سب کچھ کرنے کا سبب محض اپنی دنیاوی اغراض ہیں ۔ ہمارے حضرات میں ایک استغناء کی شان تھی توکل اعلیٰ درجہ کا تھا کبھی دنیاوی اغراض کی بناء پر کسی سے تعلق نہ پیدا فرماتے تھے ۔

ملفوظ ۵۳۴: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ خدا کے ساتھ عقلی اور اعتقادی محبت تو سب اہل اللہ کو ہوتی ہے مگر طبعی محبت بعض میں کم ہوتی ہے مگر اس پر کوئی مواخذہ بھی نہیں اس لئے کہ یہ غیر اختیاری ہے اسی طرح ترک اسباب اور توکل میں اہل اللہ کا مختلف مذاق ہے

اس کی وجہ وہی بعض امور کا طبعی ہونا ہے اور ایسے امور طبعیہ بدلا بھی نہیں کرتے اور یہ ناواقف صوفیوں کی گڑبڑ ہے وہ کہتے ہیں کہ امور طبعیہ بھی بدل جاتے ہیں جو محض غلط ہے البتہ اُن میں مجاہدہ سے اعتدال آجاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کے ایمان قبول کر لینے کے متعلق کس درجہ کوشش فرمائی نتیجہ اظہر من الشمس ہے۔ غرضکہ امور طبعیہ نہیں بدلا کرتے یہ ناواقف صوفیہ کی گڑبڑ ہے کہ وہ ایسا کہتے ہیں۔

ملفوظ ۵۳۵: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آپ کا یہ سوال کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے متعلق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کے متعلق ایمان لانے کی سعی اور کوشش فرمائی مگر انہوں نے ایمان قبول نہیں کیا اگر ایمان قبول کر لیتے تو اس سعی اور کوشش کا نتیجہ برآمد ہو جاتا تو گویا وہ سعی بیکار گئی سو یہ سوال خاص فرعون اور ابو طالب ہی کے متعلق کیوں ہے بلکہ سارے عالم کے کفار کے ساتھ بھی شبہ متعلق ہو سکتا ہے بلکہ عصاۃ کے عصیان کے متعلق بھی۔ مگر یہ تشریعاً تو صحیح ہے کہ ایمان لانا اور اطاعت کرنا سب کا مطلوب ہے لیکن ایسا ہونا تکویناً خلاف حکمت تھا اس لئے کہ حق تعالیٰ کی جہاں اور صفات ہیں وہاں حکیم ہونا بھی۔ اسی طرح ایک صفت منتقم ہونا بھی ہے ایک صفت غفور ہونا ہے ان کے ظہور کا اقتضاء یہ ہے کہ معصیت اور کفر کا وجود بھی عالم میں ہو تاکہ ان صفات کا ظہور ہو اسی کو فرماتے ہیں ؎

در کارخانہ عشق از کفر ناگزیر ست   آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

رہا یہ کہ صفات کے ظہور ہی کی کیا ضرورت ہے تو یہ مسئلہ قدر کا ہے اور فوق العقول اور اسی واسطے اس میں خوض ناجائز ہے۔

ملفوظ ۵۳۶: ایک مولوی صاحب کے سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ یہ زمانہ نہایت ہی پُرفتن ہے دین میں تحریف کرنے والے اس زمانہ میں بکثرت پیدا ہو گئے ملحد اور دہری بھرے پڑے ہیں اور کوئی کام تو رہا نہیں شب و روز بیٹھے ہوئے احکام اسلام میں کتربیونت کرتے رہتے ہیں۔ احکام طب میں یا احکام تعزیرات کے ہند میں انہوں نے کبھی کتربیونت نہیں کی اور اس دین کے تو حق تعالیٰ محافظ ہیں ورنہ یہ تو ہر وقت اس کی بیخ بنیاد ہی اکھیڑنے کی فکر میں لگے ہیں۔ خیر یہ بھی لگالیں زور ان سے پہلوں نے بھی بہت زور لگائے ہیں مگر اسلام اور احکام اسلام کی بقاء کی تو یہی شان رہی ہے ؎

ہنوز آں ابر رحمت درفشان است   خم و خمخانہ با مہر و نشان است

ملفوظ ۵۳۷: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی تھوڑی سی رعایت کرتا ہے تو اس کی بہت کچھ رعایت کرنے کو جی چاہتا ہے مگر اب تو ہر شخص اپنی ہی رعایت چاہتا ہے اور دوسرے کی قطعاً پرواہ نہیں کرتا۔

۲ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ
مجلس خاص بوقت صبح یوم چہار شنبہ

ملفوظ ۵۳۸: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اس زمانہ میں اپنے حضرات کے علوم اور شان تحقیق کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے بڑے درجہ کے لوگ پیدا کئے ہیں ان حضرات کی واقعی یہ حالت تھی کہ جامع تھے ظاہر اور باطن کے کسی نے خوب ہی کہا ہے ؎

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

خصوص تصوف میں تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان تحقیق عجیب ہی تھی۔ اپنے زمانہ کے امام مجتہد مجدد اور محقق تھے۔ ایک صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ اب اس زمانہ میں رازی اور غزالی نہیں پیدا ہوتے۔ میں نے کہا کہ ہمارے اکابر کے ملفوظات اور تحقیقات دیکھو تو معلوم ہو جائے گا کہ اس زمانہ میں بھی رازی اور غزالی موجود ہیں۔ صاحب نبوت ہی ختم ہوئی ہے باقی اور کمالات کا دروازہ تو کھلا ہوا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ آن کا زمانہ اس قدر فتن اور شر کا نہ تھا جیسا کہ اب ہے۔ یہ سب ان حضرات کی تصنیفات اور تحقیقات دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے مگر ان کو دیکھتا کون ہے کیونکہ مذاق ہی بگڑ گیا ہے۔

ملفوظ ۵۳۹: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ مولانا محمد صدیق صاحب انبیٹھوی نے ایک عجیب اور کام کی بات فرمائی وہ یہ کہ ہماری جماعت میں جو باوجود زیادہ مجاہدہ نہ ہونے کے اللہ کا فضل ہو جاتا ہے اس کا سبب اتباع سنت کا اہتمام ہے اس کی برکت سے اس طرف سے جذب کیا جاتا ہے کیسی عجیب اور کام کی بات فرمائی سبحان اللہ۔

ملفوظ ۵۴۰: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار میری ایک لکھی ہوئی تقریر سن کر فرمایا کہ میرے دل میں یہی تقریر تھی تو نے میرے سینہ کی شرح کر دی۔ یہ نقل کر کے حضرت والا پر ایک خاص کیفیت اور حالت طاری ہو گئی اور اس حالت میں فرمایا کہ میں فخر کی راہ سے نہیں کہہ رہا اور میں کیا فخر کر سکتا ہوں میں بقسم کہتا ہوں کہ میں اپنے کو تمام موجودات سے کمتر سمجھتا ہوں تو فخر کیا کرتا محض اللہ کا فضل ہے کہ یہ دولت نصیب فرمائی اور دعویٰ اور فخر تو بہت دور ہے میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر ایمان ہی کے ساتھ دنیا سے چلا جاؤں یہی بڑا فضل ہے۔ باقی درجات کا تو کبھی قلب میں وسوسہ بھی نہیں ہوتا اور ہم درجات کی کیا تمنا کریں۔ ہماری ہستی ہی کیا ہے سب ان کی عطا ہے اور عطا پر کوئی دعویٰ اور فخر کر سکتا ہے۔ دعویٰ تو وہی

کر سکتا ہے جو اس کو اپنا کمال سمجھتا ہو اور یہاں تو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے کہ یہی اعتقاد ہے کہ جو کچھ ہے صرف اپنے بزرگوں کی دعاؤں کی برکت ہے۔ اور دعائیں بھی میں نے ہر مسلک کے بزرگوں سے لی ہیں حتیٰ کہ ایسوں سے بھی جو صورۃً بدعتی کہلاتے تھے کیونکہ پہلے ایسے لوگ بھی اللہ اللہ کرنے والے ہوتے تھے ان میں تدین تھا عناد اور شرارت نہ تھی۔ جیسے آج کل کے بدعتی کہ اکثر بارد ہیں بلکہ فاسق فاجر تک ہیں۔

ملفوظ ۵۴۱: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو ہر شخص اپنا ہم رنگ سمجھتا ہے حالانکہ میں کسی کے رنگ پر نہیں اور ایک عجیب مثال فرمائی کہ میری مثال ایسی ہے کہ جیسے پانی اس کو جس رنگ کی بوتل میں بھر دیا جائے گا اسی رنگ کا نظر آنے لگے گا اور خود اس کا کوئی رنگ نہیں۔

ملفوظ ۵۴۲: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حق تعالیٰ کی محض عظمت ہی کا اعتقاد کافی نہیں۔ ان کی تمام صفات پر اعتقاد ہونا چاہیئے۔ اور وہ بھی اجمالاً دا ہما گا جیسا نصوص میں وارد ہے اسی میں خیریت ہے اور جب تفصیل کرے گا خطرہ میں پڑے گا جس کا حاصل قیاس الغائب علی الشاہد ہوگا۔ لیکن اکثر علم رسمی کی بدولت یہ تفصیل ذہن میں آ ہی جاتی ہے مگر اس کا مقابلہ ہمت سے کرنا چاہیئے اور ذہن کو روکنا چاہیئے اس مقاومت کی سخت ضرورت ہے اور اس کے ساتھ ہی آہ و زاری و تضرع و گریہ میں لگ جائے۔ حفاظت کی دعاء کرے۔ میں یہ تدبیر تجربہ کے بعد عرض کر رہا ہوں۔ یہی ایک تدبیر ہے کہ تدبیر کی بھی ان ہی سے درخواست کی جائے اور اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ علم مضر چیز ہے ایسا نہیں بلکہ علم سے جیسے بعض مضرت کا اندیشہ ہے ویسے ہی صاحب علم کی جلد سے جلد رہبری بھی کرتا ہے۔ بخلاف جاہل کے کہ اگر وہ اس گرداب میں کسی وجہ سے پھنس جائے تو اس کی نجات کی بجز کوئی صورت ہی بظاہر نہیں معلوم ہوتی لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی فرق ہے کہ جاہل پر ایسی حالت کا آنا بھی مشکل مثل شاذ کے ہے زیادہ خطرہ اس میں عارفین کے لئے ہے جن کی نظر ہر چیز میں دور تک پہنچتی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ یہ طریق بہت نازک ہے مگر جس پر یہ حالتیں نہ گذری ہوں وہ اس نزاکت کو کیا سمجھ سکتا ہے اسی کو فرماتے ہیں۔ ؎

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند

اسی کو عارف شیرازی بھی فرماتے ہیں اور خوب ہی فرماتے ہیں ؎

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں ہائل کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

اور صاحب یہ تو سب ضابطہ کے قیل و قال ہیں اصل مدار تو ان کا اختیار اور ان کی قدرت ہے وہ عالم کو جاہل کر دیں جاہل کو عالم کر دیں سونے کو لوہا کر دیں اور لوہے کو سونا کر دیں اس لئے تحقیقات کی

زیادہ کد و کاوش میں نہ پڑے آہو شیر سے کیسے بچ سکتا ہے صورت نجات کی یہی ہے کہ سامنے کھڑا ہو جاوے کہ حضور حاضر ہوں جیسا بھی ہوں۔ سنا ہے کہ سامنے پڑے کو شیر بھی نہیں کھاتا یہی آسان تدبیر ہے اگر یہ صحیح ہے تو وجہ تشبیہ یہی ہے ورنہ خود تشبیہ ہی پر مدار مقصود نہیں۔ غرض وظیفہ عبودیت یہ ہے کہ جو خدمت ہو سکے کرتا رہے اعمال مطلوبہ پر مداومت رکھے اگر کوئی کوتاہی یا نقص دیکھے اس پر توبہ اور معذرت کرتا رہے بس اسی میں خیر ہے اور یہی شان ہے عبدیت کی۔ اور عادۃً یہ حالت بدون تعلقات غیر واجبہ کو چھوڑے نصیب نہیں ہو سکتی۔ اس کی بھی کوشش ضروری ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اسی کو فرماتے ہیں ؎

گر گریزی بر امید راحتے	ہم ازاں جا پیشت آید آفتے
ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست	جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

اور خلوت یہی ہے کہ قلب کا تعلق سوائے خدا کے اور کسی سے نہیں ہونا چاہیے بس یہ ہے سکون کی چیز۔ مگر آج کل لوگوں نے قلب کو اسٹیشن مراد آباد کا اسلامی مسافر خانہ بنا رکھا ہے کہ سب ہی آکر ٹھہرتے ہیں پھر ادل والے بھی بریلی والے بھی سہارنپور والے بھی۔ میاں قلب تو ایک ہی کے رہنے اور سمانے کی جگہ ہے اور وہ خداوند جل جلالہ کی ذات پاک ہے اور جن کے قلب میں وہ سما گئے ہیں ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ ان کو ہر ناگوار گوارا ہو جاتا ہے اور وہ ان تعلیمات کا مصداق و مظہر ہو جاتا ہے ؎

گر مرادت را مذاق شکر است	بے مرادی نے مراد دلبر است

اور ؎

ناخوش تو خوش بود بر جان من	دل فدائے یار دل رنجان من

اور ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت	سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ملفوظ ۴۳۳ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں ایک ایسے شخص کے متعلق جو پہلے ایک غیر محقق شیخ ومرشد بزرگ سے بیعت تھے فرمایا کہ اب چاہے کیسی ہی مفید صحبت ملے اور کیسی ہی اصلاح کی جائے مگر ان کے پہلے تعلق کا اثر کچھ نہ کچھ ضرور رہے گا اور یہی وجہ ہے کہ ان سے اس قسم کی حرکات کا صدور ہو جاتا ہے۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ مختلف محقق بزرگوں کی خدمت میں رہ کر بھی مذاق ناسد ہو جاتا ہے چہ جائیکہ کسی غیر محقق سے تعلق رہا ہو اس وقت جو باتیں بڑی پیدا ہو چکی ہیں ان کا اثر بھی رہ جاتا ہے گو ان کے صدور کی نیت نہ ہو مگر بُری باتیں تو بلا نیت کے بھی بُری ہی ہیں اس لئے اول ہی تعلق کے وقت ضرورت ہے کہ جس کے ہاتھ میں ہاتھ دے خوب سوچ

سمجھ کر دے کسی اہل باطل کے ہاتھ میں پھنس جانے سے اصلاح کے بعد بھی وہ رنگ ضرور رہتا ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ جب ہنڈیا پک گئی اور خراب ہو گئی ہے تو ٹھیک کرنے پر بھی وہ خراب رہتی ہے۔ ایک دوسری مثال بھی ہے کہ ایک تو کنواری لڑکی سے نکاح کیا جاوے اور ایک بیوہ عورت سے کنواری لڑکی کو تو جس ڈھنگ پر چاہو لے آؤ لیکن بیوہ عورت خواہ دوسرے خاوند پر عاشق ہی ہو جائے مگر اس میں پہلے خاوند کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور رہتا ہے۔ اسی طرح جو مرید پہلے کسی شیخ سے متعلق رہ چکا ہو وہ جب آوے گا خواہ اس کی کیسی ہی اصلاح ہو جائے مگر پہلے شیخ کے تعلق کا اثر اس میں کچھ نہ کچھ ضرور رہتا ہے اس لئے پہلے ہی دیکھ بھال کر کسی سے تعلق پیدا کرنا چاہیئے۔

۴۸۸

ملفوظ: (ملقب بہ الاعراض عن الاعتراض) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اعتراض سے تو انسان کسی حالت میں بھی نہیں بچ سکتا چاہے نیک ہو یا بد عالم ہو یا جاہل اس پر ایک حکایت بیان کرتا ہوں جو اس وقت یاد آگئی ایک شخص ایک گھوڑی اور ایک بیوی ایک بچہ کو لے کر سفر میں چلا خود گھوڑی پر سوار ہو لیا اس لئے کہ ترتیب میں آخر کسی کی تو تقدیم ہوتی ہی۔ بیوی بچہ کو پیدل ساتھ لے لیا۔ ایک گاؤں پر گذر ہوا لوگوں نے دیکھ کر کہا کہ دیکھو ہٹا کٹا خود تو گھوڑی پر سوار اور بیچارے بیوی بچہ کو پیدل رگڑ رکھا ہے اگر ان کو سوار کر دیتا تو کونسا حرج تھا۔ یہ شخص گھوڑی سے اتر لیا اور بیوی بچہ کو گھوڑی پر سوار کر کے چلا ایک اور گاؤں پر گذر ہوا۔ لوگوں نے دیکھ کر کہا کہ دیکھو سسرا جورو کا غلام اس کو تو گھوڑی پر سوار کر رکھا ہے اور خود سائیس کی طرح پیدل گھسٹتا جاتا ہے۔ بیوی بچے خادم تھے وہی پیادہ چلے جاتے تو کیا مشکل تھا۔ اس شخص نے اب یہ کیا کہ سب کو ایکدم گھوڑی پر سوار کر دیا اور خود بھی سوار ہو گیا۔ ایک گاؤں پر گذر ہوا لوگوں نے دیکھ کر کہا کہ ارے ظالم ویسے ہی چھری لے کر اس گھوڑی کو ذبح کر دیا ہوتا سب کے سب اس پر سوار ہو گئے رحم نہیں آتا بے زبان جانور ہے ترسا ترسا کر مارتے ہو۔ سب ایک دم اتر لئے اور گھوڑی کا لگام پکڑ کر چل دیئے ایک گاؤں پر گذر ہوا۔ لوگوں نے دیکھ کر کہا کہ دیکھو نا شکرے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ خدا کی دی ہوئی سواری اس کو کوتل لے جا رہے ہیں اور خود مصیبت جھیل رہے ہیں اگر باری باری اس پر سوار ہوتے سفر راحت سے قطع ہوتا تو حضرت کسی طرح بھی انسان اعتراضات سے نہیں بچ سکتا۔ بس اسلم یہ ہے کہ معترضین کو بکنے دے اور جو سمجھ میں آوے کرے۔ حیدر آبادی ماموں صاحب جو بڑے دانشمند تھے اور حکیمانہ باتیں کیا کرتے تھے مگر تصوف میں غلو ہو گیا تھا اس کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ گل بکاؤلی ایک فضول سی کتاب ہے جس میں محض فرضی اور مہمل باتیں لکھی ہیں فرماتے تھے کہ ہم نے اس میں بھی ایک شعر مفید نکالا ہے شاعر اس کتاب کا اچھا ہے۔ سادہ زبان ہے وہ کہتا ہے

سن لاکھ تجھے کوئی سنا دے بکیجو وہی۔ جو سمجھ میں آ دے

میں اس میں اتنی اور قید لگاتا ہوں کہ عقلاً اور شرعاً جو سمجھ میں آ دے وہ کرے۔ حدود سے تجاوز نہ ہو میں اسی سلسلہ میں اس وقت ایک بات بیان کرنا چاہتا ہوں اور جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں اتنا اور کہتا ہوں کہ میں جو اکثر مجالس میں اپنے معمولات یا حالات و واقعات بیان کیا کرتا ہوں الحمد للہ اس سے میرا یہ کبھی مقصود نہیں ہوتا اور نہ قصد ہوتا ہے کہ اپنا تبریہ یا تزکیہ کیا جاوے۔ استغفر اللہ۔ بلکہ اس میں کوئی اصلاحی مشورہ ہوتا ہے۔ وہ بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے مجھ کو بڑا بدنام کیا کہ نعوذ باللہ میں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور سبب اس بدنام کرنے کا ایک شخص کا خواب تھا۔ میں نے اس خواب کے جواب میں یہ لکھ دیا تھا کہ اس میں بشارت ہے کہ جس سے تمہارا تعلق ہے (یعنی مجھ سے) وہ متبع سنت ہے۔ میرا جرم یہ ہے کہ میں نے اس خواب کو شیطانی وسوسہ کیوں نہیں کہا۔ اس کی بڑی شہرت دی گئی۔ کتابوں میں اشتہاروں میں چھاپ چھاپ کر شائع کیا گیا گالیوں کے خطوط آنے لگے کسی میں کافر کسی میں منافق کسی میں فاجر۔ میں نے کسی کا جواب نہیں دیا۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں سہارنپور کے مدرسہ کا جلسہ ہونے والا تھا مجھ کو مدعو کیا گیا میں گیا۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے فرمایا کہ یہ موقع اچھا ہے مجمع ہے بدنامی بہت ہوئی ہے وعظ میں اپنا تبریہ کر دیا جائے۔ میں نے کہا کہ میں تو اپنا تبریہ ہرگز نہ کروں گا اس لئے کہ عادۃً ایسے تبریہ کا اشتباہ کا معتد بہ ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کی کوئی حقیقت یا اس کو کوئی اہمیت ہے جب ہی تو تبریہ کیا گیا۔ اور میں نے اس پر مثال کے طور پر یہ کہا کہ والد صاحب مرحوم میرٹھ میں ایک رئیس کے ملازم تھے اور جو مکان ریاست سے سکونت کے لئے ملا تھا اس کی پشت پر چمار رہتے تھے سو اگر اس جوار کو قرینہ بنا کر کوئی میرے متعلق یوں کہنے لگے کہ یہ تو چمار ہے تو کیا اس وقت یہ مشورہ دیا جاوے گا کہ اس سے تبریہ کرو۔ ظاہر ہے کہ اس وقت یہ مشورہ ہرگز نہ دیا جاوے گا تو اس میں اس میں کیا فرق ہے اس لئے میں یہاں بھی ہرگز ہرگز تبریہ نہ کروں گا۔ مولانا کو بہت محبت اور شفقت تھی فرمایا کہ اچھا تم کچھ نہ کہنا میں کہہ دوں میں نے کہا کہ آپ فرما دیں اختیار ہے مگر میں مجلس سے اٹھ کر چلا جاؤں گا میں اس مجلس میں بھی نہ بیٹھوں گا جس میں میرا تبریہ کیا جائے۔ پھر میں نے کہا کہ آخر اس میں میرا ضرر کیا ہے۔ فرمایا کہ دوسروں کا تو ضرر ہے وہ بد اعتقاد ہوتے ہیں بدگمان ہوتے ہیں برا بھلا کہنے سے گنہگار ہوتے ہیں۔ میں نے کہا کہ دو صورتیں ہیں یا تو ان کے پاس شرعی دلیل نہیں یا شرعی دلیل ہے اگر شرعی دلیل نہیں تو وہ خود اپنے ہاتھوں گناہ میں مبتلا ہوئے تو ہم کو اوروں کے بچانے کی کیا ضرورت اور اگر کوئی شرعی دلیل ہے تو گناہ ہی نہیں پھر ان کو اس سے بچانے کی کیا ضرورت۔ اس پر مولانا خاموش ہو گئے۔ اس شہرت کی وجہ سے بعض کا خیال تھا کہ اب کی مرتبہ وعظ میں مجمع نہ ہوگا یا کم ہوگا اس لئے کہ بدنامی زیادہ ہو چکی ہے لیکن اور مرتبوں سے

زیادہ مجمع ہوا۔ خود مخالف لوگوں نے یہ سمجھا کہ مسلمان عالم کے وعظ تو بہت سنے ہیں ایک غیر مسلم کا بھی وعظ سن لیں۔ پھر وعظ جو ہوا وہ اتفاق سے ایک خاص ترتیب کے لحاظ سے جس کا سلسلہ پہلے سے چلا آرہا تھا اس آیت کا ہوا اذ تلقونہ بالسنتکم وتقولون بافواھکم مالیس لکم بہ علم وتحسبونہ ھینا وھو عند اللہ عظیم ۰ سواس کے ضمن میں بلا قصد اس معاملہ کے متعلق بھی سب کچھ بیان ہوگیا جس سے مولانا بہت خوش ہوئے۔ غرض تبریہ ہی میں کیا رکھا ہے اور اسی میں کیا رکھا ہے کہ مخلوق ہمیں اچھا سمجھے انسان کے لئے جو اچھائی کی چیز ہے وہ یہ ہے کہ خداوند جل جلالہ کے ساتھ بندہ کا صحیح تعلق ہو پھر چاہے کوئی خوش رہے یا ناراض عارف کی نظر میں مخلوق کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں جیسے مسجد کے لوٹے اور چٹائیاں۔ ان حضرات کا کوئی کام مخلوق کے لئے نہیں ہوتا سب اللہ کے واسطے ہوتا ہے اور ایسا ہی شخص عارف کہلائے جانے کے قابل ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ اگر میں عند اللہ مومن ہوں اور ساری دنیا مجھ کو مردود سمجھے میرا کچھ ضرر نہیں اور اگر عند اللہ مردود ہوں اور ساری دنیا قطب غوث اور ابدال سمجھے تو کچھ نفع نہیں۔ فلاں خانصاحب نے ساری عمر اسی میں صرف کی کہ مجھ کو بُرا بھلا کہا مگر الحمد للہ میں نے ایک سطر بھی جواب میں نہیں لکھی تو میرا کیا بگڑ گیا۔ قرآن شریف کا بھی یہی طرز ہے کہ احکام بیان کر دیئے مخالف پر زیادہ رد و قدح نہیں کیا۔

ایک مولوی صاحب نے عجیب بات کہی کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو نفع مناظرہ سے کبھی نہیں ہوا جب ہوا تبلیغ سے ہوا اور وہ بھی اس تبلیغ سے جو وجادلھم بالتی ھی احسن کے ماتحت ہوئی۔ حضرت لوگوں کو خبر نہیں مجھ کو خبر ہے کہ ان خانصاحب کے بعضے مرید خود ان کی تصنیفات کو دیکھ کر بد اعتقاد ہوئے۔ میری تصنیفات کو دیکھ کر بد اعتقاد نہیں ہوئے۔ میری تصنیفات کو اٹھا کر اب دیکھ لیا جائے بحمد اللہ ان میں اس قسم کے مضامین نہ ملیں گے جن میں کسی سے بد اعتقاد ہونے کی ترغیب دی گئی ہو بس حق کو واضح کر دیا ہے اب جس طرف کسی کا جی چاہے جاوے ہر شخص اپنے دین کا ذمہ دار ہے۔ البتہ خود ان کی ہی تصنیفات کو دیکھ کر بعضے بد اعتقاد ہوئے اور یہ کہا کہ ان میں تو تہذیب انسانی بھی نہیں عالم یا بزرگ ہونا تو بڑی چیز ہے۔ ابھی کا واقعہ ہے کہ بریلی میں ایک حکیم صاحب ہیں عمر رسیدہ آدمی ہیں پچیس سال سے ان کے مرید تھے ان ہی چیزوں کو دیکھ کر اب انہوں نے ان عقائد باطلہ سے توبہ کر لی ہے اور اس طرف رجوع کیا ہے۔ مجھ کو لکھا کہ میں آپ سے مرید ہونا چاہتا ہوں۔ میں نے لکھ دیا کہ اس کام میں تعجیل مناسب نہیں اس کے بعد پھر ایک خط آیا کہ تعجیل نہ کرنے کی حد فرمائی جاوے۔ میں نے لکھ دیا کہ جب تک میرے چالیس وعظ اور رسائل نہ دیکھ لو اور بیس مرتبہ خط و کتابت اور دس مرتبہ ملاقات نہ کر لو اس وقت تک یہ حد پوری نہ ہوگی۔ اس پر انہوں نے لکھا کہ میں وعظ اور رسائل بھی دیکھ لوں گا خط و کتابت اور ملاقات بھی کر لوں گا یہ بھی لکھا کہ میں نے ان خانصاحب

کے صاحبزادے سے۔ بذریعہ اشتہار چند سوالات بھی کیے ہیں اُن کا اُنہوں نے جواب بھی دیا ہے میں پھر کچھ سوالات کر رہا ہوں وہ بھی آپ کے پاس بھیجوں گا۔ میں نے لکھا کہ مجھ کو ان چیزوں سے دلچسپی نہیں مجھ سے جس مقصد کے لیے رجوع کیا ہے وہ اس سے حاصل نہیں ہو سکتا اگر آپ کے نزدیک یہ سوال و جواب ضروری ہیں تو مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس مقصد کے لیے مجھ سے رجوع کیا ہے اُس کو موخر کر دیا جائے اور جس میں اس وقت آپ کو انہماک ہے اُس کو مقدم رکھا جائے جب اس سے فارغ ہو لیں اس وقت مجھ سے خط و کتابت کی جائے چاہے آپ سال بھر میں فارغ ہوں یا دو سال میں اس پر لکھا ہوا آیا کہ آپ نے ایسے عنوان سے لکھا ہے کہ مجھ کو اس سے نفرت ہو گئی اور اب میں کچھ نہ بولوں گا مجھ کو آنے کی اجازت فرمائی جاوے آدمی سمجھدار معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے لکھ دیا کہ ابھی جلدی کیا ہے کچھ خط و کتابت ہو لینے دیجئے اور اگر آپ آنا ہی چاہتے ہیں تو اس کے متعلق یہ ہے کہ یہاں پر رہتے ہوئے مجلس میں چپ بیٹھا رہنا ہو گا مکاتبت اور مخاطبت کی اجازت نہ ہو گی اس پر لکھا کہ میں کچھ نہ بولوں گا مجلس میں خاموش بیٹھا رہوں گا۔ پھر فرمایا کہ اس مضمون سے ان کو اس قدر نفع ہوا کہ تمام عمر کے مجاہدات اور ریاضات سے بھی وہ نفع نہ ہوتا اگر میرا مذاق بھی وہی مروج ہوتا تو ان کی اس تحریر سے میں خوش ہوتا کہ میری ساری عمر کے دشمن کے مقابلہ میں میری نصرت کر رہے ہیں بلکہ اور ترغیب دیتا مضمون منگا منگا کر دیکھتا اس میں مشورے دیتا۔ لیکن اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے اور ان کا فضل ہے کہ مجھ کو ہمیشہ ان چیزوں سے محفوظ رکھا اور ان خرافات سے میری حفاظت فرمائی۔ اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ آیا یہ شق زیادہ مفید ہے کہ ایک شخص کو فضول لایعنی بات سے ہٹا کر کام میں لگا دیا یا وہ مفید تھا جو انہوں نے تجویز کیا تھا نیز اگر درخواست بیعت کی کرتے ہی اُن کو مرید کر لیتا اس قدر نفع ہو سکتا تھا جس قدر اب ہوا بلکہ الٹا اثر ہوتا یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ منتظر بیٹھے تھے کہ ادھر سے کوئی ٹوٹ کر آئے تو ہم اس کو دبوچیں اس صورت سے خاک نفع نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اس صورت کا حاصل تو یہ ہے کہ طالب مطلوب ہو جاتا ہے اور مطلوب طالب پھر نفع کہاں نفع جب ہی ہو سکتا ہے جب ہر چیز حد پر رہے۔ نیز حق میں حق تعالیٰ نے قوت دی ہے اور تالیف قلوب ضعف کی وجہ سے کی جاتی ہے اگر کبھی کسی عارض سے ایسا ہوا ہے تو اس کو باقی اور مستمر تو نہیں رکھا گیا۔ حق کی قوت کو ارشاد فرمایا گیا ہے قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ اور تعجب ہے کہ لوگ سب چیزوں میں خاصیت کے قائل ہیں مگر حق کی خاصیت کے قائل نہیں عجیب عقلیں ہیں۔

تمت رسالۃ الاعراض عن الاعتراض

ملفوظ ۵۴۵: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کے مشائخ تو کیمیا گر سے بھی گئے گذرے ہیں۔ کیمیا گر ایک نہایت پست کمال کی وجہ سے کسی کو منہ نہیں لگاتا بڑے بڑے دنیادار اور مالدار اس کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں مگر وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا کیسا استغنا ہوتا ہے اور یہ مشائخ دعویٰ کرتے ہیں شیخ ہونے کا حق تعالیٰ سے تعلق کا محبت کا اور پھر مخلوق کی طرف نظر اور ان کی چاپلوسی کرتے ہیں مجھ کو تو ایسی باتوں سے طبعاً غیرت آتی ہے۔ کہتے ہیں کہ دین کے نفع پہونچانے کے لئے اخلاق کا برتاؤ کیا جاتا ہے اور مخلوق سے تعلق رکھا جاتا ہے مگر یہ سب محض زبانی جمع خرچ ہے دل میں کچھ اور ہے تعلق کو تو میں منع نہیں کرتا تملق کو منع کرتا ہوں اب تو تملق ہی دیکھا جاتا ہے۔

ملفوظ ۵۴۶: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ عنوان کا بھی اثر بڑا ہوتا ہے بات ایک ہی ہوتی ہے مگر تعبیر کا طریق جدا ہوتا ہے۔ مولانا شہید رحؒ بی بی فاطمہ کے نام کے کونڈوں کو منع فرمایا کرتے تھے شاہی خاندان کی ایک بڑی بی بڑی تند خو تھیں اُن سے جا کر کہا کہ اُنھوں نے حضرت شہید کو بلا کر کہا کہ بیٹا ہم نے سنا ہے کہ تم بی بی فاطمہ کے نام کے کونڈوں کو منع کرتے ہو۔ حضرت نے فرمایا کہ میری مجال حضرت بی بی کے کونڈوں کو منع کروں میں نے منع نہیں کیا کسی نے آپ سے غلط کہا بلکہ بی بی فاطمہ کے ابا جان منع کرتے ہیں۔ کہنے لگیں کس طرح مولانا نے کل بدعۃ ضلالۃ پر ایسی تقریر فرمائی کہ اس رسم کی حقیقت واضح ہو گئی۔ بڑی بی نے توبہ کی۔ اسی عنوان کے مؤثر ہونے پر ایک اور واقعہ یاد آیا ایک شاہ صاحب اہل سماع سے تھے اتفاق سے الہ آباد میں ملے کہنے لگے کہ آپ تو چشتی ہیں پھر آپ سماع کے کیوں مخالف ہیں۔ میں نے کہا کہ اس کا جواب تو بعد میں دوں گا پہلے آپ میرے ایک سوال کا جواب دیں آپ یہ بتلائیں کہ مجاہدہ کی حقیقت کیا ہے کہا کہ نفس کے خلاف کرنا۔ میں نے دریافت کیا کہ اب آپ سچ بتلائیں کہ سماع سننے کو آپ کا جی چاہتا ہے یا نہیں کہا کہ چاہتا ہے میں نے کہا کہ ہمارا بھی چاہتا ہے۔ مگر آپ جی چاہا کرتے ہیں اور ہم نہیں کرتے تو صاحب مجاہدہ تم ہوئے یا ہم صوفی تم ہوئے یا ہم درویش تم ہوئے یا ہم سمجھ گئے اور کہا کہ ایک عرصہ سے اس میں ابتلاء تھا آج حقیقت معلوم ہوئی عنوان ہی کی برکت ہے اگر ویسے مناظرانہ گفتگو ہوتی تو سوائے قیل و قال کے کوئی بھی نتیجہ نہ نکلتا اس لئے کہ جواب تو ہر بات کا ہے خواہ صحیح ہو یا غلط۔

ملفوظ ۵۴۷: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ مشکل سوالوں کا جواب بھی دل میں ڈال دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ اپنی جماعت کے ایک مولوی صاحب میرے پاس آئے اور یہ کہا کہ حضرت ۔ ۔ ۔ ۔ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مکتوب میں بقسم فرمایا ہے کہ میں کچھ نہیں ہوں بعض مخالفین اس پر کہتے ہیں کہ ہم تو مولانا کے قول کو صحیح سمجھتے ہیں اس لئے ہمارا تو یہی اعتقاد ہے کہ وہ کچھ نہ تھے یہ نقل کر کے کہا کہ شبہ کی تو بات ہے مولانا کو سچا سمجھ کر پھر ان کے

معتقد ہونے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ میں نے کہا کہ مولوی صاحب تعجب ہے کہ آپ جیسا عالم اور ایسی بات میں شبہ۔ اب اس کا جواب سنئے کمالات کی دو قسمیں ہیں ایک کمالات واقعہ اور ایک کمالات متوقعہ تو حضرت مولانا کا یہ فرمانا کہ میں کچھ نہیں ہوں یہ کمالات متوقعہ کے اعتبار سے ہے اور ہم جو مولانا کے معتقد ہیں وہ کمالات واقعہ کے اعتبار سے یہ جواب سن کر بہت خوش ہوئے۔ غرض اللہ کا شکر ہے کہ ہر ضروری چیز کا حل قلب میں رکھ دیا ہے کہیں گاڑی نہیں اٹکتی۔ اور یہ سب اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت ہے باقی مجھے تو کچھ آتا جاتا نہیں۔

ملفوظ ۵۴۸: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اہل تحقیق کا قول ہے کہ سلطنت کا زوال ظلم سے ہوتا ہے کفر سے نہیں ہوتا۔

ملفوظ ۵۴۹: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ سلف علوم میں محض قیل و قال پر اکتفا نہ کرتے تھے اُن سے ضروری نفع حاصل کرتے تھے اور خلف اکثر زوائد میں مشغول ہو گئے۔ چنانچہ اخیر شب میں نزول رب الی السماء کی جو حدیث ہے اُس سے سلف نے تو یہ کام لیا کہ اُس سے اُن کو رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے کی اور ابتہال الی اللہ کی رغبت ہوگئی اور انہوں نے اس حدیث کے متعلق کبھی یہ تفتیش نہیں کی کہ جب حق تعالیٰ جسم سے منزہ ہیں تو نزول الی السماء کے کیا معنی۔ اور واقعی کام کرنے والوں کی یہی شان ہوتی ہے وہ قیل و قال کو کہاں پسند کرتے ہیں اور نہ دلائل فلسفیہ پر مدار رکھتے ہیں جیسا آج کل دلائل فلسفیہ پر مدار سمجھتے ہیں جو بالکل غلط طریق ہے آخر کہاں تک یہ چل سکتے ہیں کہیں تو جا کر انجن فیل ہو گا اس راہ میں یہ سب چیزیں راہزن ہیں ہاں اگر بضرورت اس میں کلام ہو اور تجاوز نہ ہو تو ایک درجہ میں کارآمد بھی ہے غرض ان پر مدار نہیں مدار وہی ہے جس کو صحابہ نے کر کے دکھلا دیا یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اتباع جو حضور کی زبان مبارک سے سنا اُس پر عمل شروع کر دیا نہ دلائل فلسفیہ کی تلاش نہ حکم اور اسرار کی جستجو نہ کسی قیل و قال سے مطلب سوا اس راہ میں اسطرح کام بن سکتا ہے کہ سب کو خیرباد کہہ کر کام میں لگ جائے۔ باقی ایسی عقل جو محبوب کی راہ میں راہزن ہو اس کے متعلق اکابر کا یہ فیصلہ ہے ؎

آزمودم عقل دور اندیش را   بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد   مرعسس را دید و در خانہ نہ شد

باز دیوانہ شدم من اے طبیب   باز سودائی شدم من اے حبیب

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم   مست آں ساقی وآں پیمانہ ایم

اور یہ دولت پیدا ہوتی ہے اہل محبت کی صحبت میں رہنے سے اُس کی خدمت میں اپنی ہر حالت بیان کرنے سے اور جو وہ تعلیم کرے اُس پر عمل کرنے سے اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار مرد حال شو — پیش مرد کاملے پامال شو
یار باید راہ را تنہا مرو — بے قلاؤز اندریں صحرا مرو

ملفوظ ۵۰: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حق تعالیٰ کی ذات بڑی ہی رحیم کریم ہے اگر مخلوق کو حق تعالیٰ کی اس صفت کا پوری طرح استحضار ہو جائے تو مخلوق کو حق تعالیٰ کے ساتھ عشق کا درجہ پیدا ہو جائے اس لئے کہ یہ امر فطری ہے کہ محسن کیطرف کشش ہوتی ہے لیکن یہ بات لوگوں میں رہی ہی نہیں کس طرح کسی کے دل میں ڈال دوں۔ پھر اس رحمت کے متعلق ایک واقعہ حدیث کا بیان فرمایا کہ امم سابقہ میں ایک نباش نے بوقت جان کندنی اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو میری لاش کو جلانا اور میری لاش کی جو راکھ ہو اس کو خوب باریک پیسنا اور جس روز تیز آندھی چلے کچھ تو اس راکھ میں سے ہوا میں اڑا دینا اور کچھ دریا میں چھوڑ دینا اور یہ کہا کہ یہ ایک تدبیر ہے عذاب سے بچنے کی اس لئے کہ گنہگار ہوں سیاہ کار اور بدکار ہوں مستحق عذاب ہوں چنانچہ مرنے کے بعد اس کے لڑکوں نے ایسا ہی کیا۔ حق تعالیٰ کی قدرت سے نکلکر کون جاسکتا ہے۔ اُس کی مٹی جمع کرنے کا فرشتوں کو حکم ہوا اور سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ سوال ہوا کہ ایسا کیوں کیا گیا۔ عرض کیا کہ یارب من خشیتک فرمایا جاؤ مغفرت ہے۔ اس پر علماء نے اشکال کیا ہے کہ اس سے تو کمال قدرت کے اعتقاد میں اُس شخص کا شک ثابت ہوتا ہے پھر ایمان کہاں رہا پھر غیر مومن کی مغفرت کیسے ہوئی۔ علماء نے مختلف جواب دیئے ہیں مگر محققین نے جواب دیا ہے کہ اُس کی غفلت تھی ہی تھی۔ آخر مجنوں کو بھی تو غیر مکلف کہتے ہو جس سے معلوم ہوا کہ مدار تکلیف کا عقل پر ہے تو جس درجہ عقل میں کمی ہوگی اسی درجہ کا عذر ہوگا۔ بہر حال حق تعالیٰ کی وسعت رحمت تو اس واقعہ سے کیسی ظاہر ہے۔

ملفوظ ۵۱: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو اس پر بھی حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اس کو اُن کا بڑا فضل اور نعمت سمجھتا ہوں کہ عین وقت پر ضرورت کی بات دل میں ڈال دیتے ہیں کہیں رکاوٹ نہیں اٹکنے دیتے۔ ایک ہندو جو اپنے مذہب کا جاننے والا معلوم ہوتا تھا اور صاحب ریاضت و صاحب ریاست بھی تھا مجھ سے ملنے آیا اور ایک معمر شخص جو غالباً اُس کا گرو معلوم ہوتا تھا اس کے ساتھ تھا مجھ سے کہنے لگا کہ میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں اگر اجازت ہو تو پیش کر دوں۔ میں نے کہا کہیئے وہ سوال کیا ہے کہا کہ آپ قرآن پاک کو کلام اللہ کہتے ہیں اور کلام ہوتا ہے زبان سے اور ساتھ ہی اس کے اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ خدا جوارح سے مبرا اور منزہ ہے تو پھر کلام کس چیز سے کیا گیا جبکہ زبان نہیں۔ میں نے کہا کہ انسان تو متکلم ہے بواسطہ زبان کے جس سے معلوم ہوا کہ اصل متکلم زبان ہے تو یہ بتلائیے کہ اس زبان کے کونسی زبان ہے جس سے یہ متکلم ہے اس سے ثابت ہوا کہ متکلم ہونے کے لئے زبان شرط نہیں بدون زبان کے بھی تکلم ممکن ہے پھر جب زبان بدون زبان کے تکلم پر قادر ہے تو کیا حق تعالیٰ کی قدرت زبان سے کم ہے وہ بدون زبان کیوں نہیں کلام کر سکتا۔ سمجھ گیا ساتھی سے کہنے لگا کہ دیکھیے علم اس کو کہتے ہیں

اُس کے سمجھ جانے کی وجہ سے اور آگے میری ہمت بڑھی میں نے کہا کہ اور دیکھئے آدمی دیکھتا ہے بواسطہ آنکھ کے مگر آنکھ بلا واسطہ آنکھ کے دیکھتی ہے اس کے کونسی آنکھ ہے جس سے یہ دیکھتی ہے تو جب آنکھ کو قدرت ہے کہ بدون آنکھ کے دیکھ سکے تو کیا خدا کو اتنی بھی قدرت نہیں کہ وہ بدون آنکھ کے دیکھ سکیں۔ اسی طرح کان کو سمجھ لیجئے۔ بہت خوش ہوا اُس نے اپنا بکس کھولا اور چند سنگترے اُس میں سے نکال کر بطور ہدیہ پیش کئے میں نے دل میں کہا کہ میں نے دماغ سے کام لیا ہے جو حق تعالیٰ کی مشین ہے اس کو قوت پہونچانے کے لئے ان سے دلوا رہے ہیں میں نے لے لئے نیز مخالف سے مجھ کو ہدیہ لینے میں کبھی گرانی نہیں ہوتی اس لئے کہ مخالف تو حقیقت سے واقف ہوتا ہے کہ میں اس کے اعتقاد کے خلاف ہوں اُس کو دھوکہ نہیں ہوتا مثلاً اس ہندو ہی نے سنگترے دیئے اس کو کیا دھوکہ ہو سکتا تھا خوب سمجھتا تھا کہ میں ہندو یہ مسلمان ان کا مذہب اور میرا مذہب اور اس لئے ہدیہ میں بھی دوستوں ہی کے ساتھ شرطیں لگاتا ہوں کیونکہ حسن ظن میں دھوکہ ہو سکتا ہے۔

ملفوظ ۵۵۲: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اتنا لکھ پڑھ گئے اور سوال کرنے کا بھی سلیقہ نہ آیا کیا خاک کتابیں پڑھی بس ویسے ہی طوطے کی طرح رٹی ہوں گی اگر سمجھ کر پڑھتے تو اس طرح بیہودگی سے سوال نہ کرتے مجھ کو تمہارے اس عنوان سے سخت تکلیف ہوئی آخر تم لوگ ایسے بے فکرے کیوں ہو کہ بدون سوچے سمجھے اور بدون فکر کئے ہوئے جو چاہتے ہو زبان سے نکال بیٹھتے ہو جب تمہاری یہ حالت ہے تو عوام بیچارے کس شمار میں ہیں۔ عرض کیا کہ فی الحقیقت غلطی ہوئی اب آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کی احتیاط رکھوں گا حضرت والا معاف فرمائیں۔ فرمایا کہ سخت افسوس ہے آپ کی حالت پر کہاں تک آخر صبر کروں اگر کہتا ہوں اور غلطیوں پر عنوانیوں پر مطلع کرتا ہوں تو بدنام ہوتا ہوں اگر نہ کہوں تم خراب اور برباد ہوتے ہو مگر اچھا آئندہ کے لئے آپ وعدہ کرتے ہیں۔ بہتر اب سوال کیجئے میں بھی دیکھوں اب وہ غلطی نہ کریں گے۔ اس پر ان مولوی صاحب نے دوبارہ سوال کیا فرمایا کہ اب بالکل ٹھیک ہے دیکھئے ذرا فکر سے سوال صحیح ہو گیا میں تو کہا کرتا ہوں کہ غلطیوں کا سبب زیادہ بدفہمی نہیں ہے بلکہ بے فکری ہے اسی وقت مشاہدہ کر لیجئے کہ اگر بدفہمی اس کا سبب ہوتی تو پھر اس وقت ایسی جلدی کیسے سمجھ میں آ سکتا تھا چونکہ بے فکری اس کا سبب ہوئی تھی فکر کیا سوال ٹھیک ہو گیا فرمایا کہ سوال کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے حقیقی غلطی نہیں ہوتی ان کی شان ہی یہ ہے کہ غلطی سے معصوم ہوں اور اگر بظاہر کوئی غلطی معلوم بھی ہو تو اس غلطی کو حق تعالیٰ ہی غلطی فرما سکتے ہیں ہم کو حق نہیں کہ ہم اُس کو غلطی کہیں وجہ اُس کی یہ ہے کہ حقیقت میں وہ غلطی ہوتی ہی نہیں بلکہ وہ بھی طاعت ہوتی ہے مگر وہاں کوئی طاعت اُس سے بڑھ کر ہوتی ہے جو فوت ہو گئی جس کے مقابلہ میں اس کو غلطی فرمایا جاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بڑی طاعت کے مقابلہ میں چھوٹی طاعت کو غلطی کہا گیا۔ خلاصہ کلام کا یہ ہے کہ اس سے افضل کے ترک کو غلطی فرمایا مثلاً آدم علیہ السلام نے گندم کھایا اس طرح میں

کہ فرشتہ ہو جاؤں تو کیا یہ خیال آدم علیہ السلام کا کہ فرشتہ ہونا چاہا غیر طاعت تھا۔ ظاہر ہے کہ طاعت ہی تھا مگر اس سے بڑھ کر طاعت یہ تھی کہ بشر رہ کر ترقی فرماتے بس اس کا ترک افضل کا ترک تھا اور وہ بھی اجتہاد سے جس سے اس میں اور خفت آ گئی اسی سلسلہ میں ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں حضرت حاجی صاحب کی تحقیق فرمائی کہ معرفت الٰہیہ کی دو قسمیں ہیں ایک معرفت ہوتی ہے علمی اور ایک ہوتی ہے حالی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو معرفتِ علمی تو حاصل تھی لیکن معرفت حالیہ اس واقعہ پر موقوف تھی چنانچہ اگر آن سے مواخذہ نہ ہوتا تو ملتقم کی معرفت حالیہ نہ ہوتی۔ اسی طرح توبہ کے بعد معافی سے تواب کی معرفت حالیہ حاصل ہوئی وعلیٰ ہذا تو اس واقعہ سے آپ کے معارف میں ترقی ہوئی گو صورۃً تنزل ہوا۔

اسی سلسلہ میں ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں دعویٰ کے ساتھ کہتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام سے کبھی حقیقی غلطی نہیں ہوئی عرض کیا کہ حضرت والا مثال میں کوئی ایسا واقعہ بیان فرمائیں جس سے اس کی توضیح ہو۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کافر رئیس کو اسلام کی تعلیم فرما رہے تھے ایسے وقت میں حضرت عبداللہ ابن مکتوم اعمیٰ آئے اور آ کر ہی باآواز بلند عرض کیا علمنی یا رسول اللہ مما علمک اللہ۔ یہ سن کر حضور کے چہرہ مبارک پر ترش روئی کے آثار پیدا ہو گئے جس کا منشا یہ تھا کہ میں اس وقت اصول اسلام کی تعلیم کر رہا ہوں اور یہ فروع کی تعلیم چاہتا ہے اور ظاہر ہے کہ اصول مقدم ہیں فروع پر۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں عبس وتولیٰ ۝ ان جاءہ الاعمیٰ ۝ وما یدریک لعلہ یزکیٰ ۝ او یذکر فتنفعہ الذکریٰ ۝ اما من استغنیٰ فانت لہ تصدیٰ ۝ وما علیک الا یزکیٰ ۝ واما من جاءک یسعیٰ۔ وھو یخشیٰ فانت عنہ تلھیٰ۔ کلا انھا تذکرۃ۔ فمن شاء ذکرہ۔ اب دیکھ لیجئے کہ یہ تعلیم حضور کی طاعت تھی یا غیر طاعت ظاہر ہے کہ طاعت تھی لیکن یہ خطاب عتاب اصول کی تقدیم فروع پر علی الاطلاق نہیں بلکہ اس مقام پر ہے جہاں دونوں کا اثر متماثل ہو باقی تعلیم فروع کا نفع یقینی ہو اور تعلیم اصول کا محتمل وہاں یہ مقدم ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں ایسا ہی تھا۔ اس لیے حق تعالیٰ نے شکایت فرمائی کہ طرقِ تعلیم میں افضل کو چھوڑ کر غیر افضل کی طرف کیوں متوجہ ہوئے تو آپ کا عمل بھی طاعت تھا مگر دوسری طاعت اس سے اکمل تھی اس سے ثابت ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام کے تمام اعمال فی نفسہ حسنات اور طاعات ہیں لیکن بڑی طاعت کے مقابلہ میں چھوٹی طاعت کو غلطی فرمایا۔ سائل نے عرض کیا کہ فی الحقیقت یہ مسئلہ خوب صاف ہو گیا۔ پھر عرض کیا کہ وہ صحابی تو خوش ہوئے ہوں گے کہ ہماری وجہ سے حق جل علیٰ شانہ نے ایسا فرمایا۔ فرمایا کہ وہ حضرات اس پر خوش ہونے والے نہ تھے ان حضرات کو حضور سے اس قدر تعلق اور محبت تھی کہ ایسے موقع پر شرمندہ ہوتے تھے کہ ہماری وجہ سے حضور کو ایسا خطاب کیا گیا اپنے پر قیاس نہ کرنا چاہیے اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

اور عشق ہی وہ چیز ہے جس سے محبوب کے حقوق بتمامہ اور بکمالہ ادا ہوتے ہیں۔ میں اسی لئے کہا کرتا ہوں کہ حق جل علی شانہ کے ساتھ محبت پیدا کرنے کی کوشش کرو اور اس کا سہل ذریعہ اہل محبت کی صحبت ہے۔ جب اس محبت کے حقوق ادا کئے جائیں۔

ملفوظ ۵۵۳: ایک صاحب کے سوال کے جو قبض و بسط کے متعلق تھا جواب میں فرمایا کہ ان باتوں کو وہی سمجھ سکتا ہے جس نے کسی شیخ کی تعلیم سے کچھ خلوت میں کام کیا ہو محض زبانی جمع خرچ سے سمجھ میں نہیں آسکتا کیونکہ یہ امور حالی و ذوقی ہیں جو کام کرنے پر معلوم ہو سکتے ہیں بدون کام میں لگے ان کا پتہ چلنا مشکل ہے آپ سوال ہی تو کر رہے ہیں کبھی کچھ کر کے بھی دیکھا ہے۔ کر کے دیکھنے کی چیز کو میں تقریر میں کیسے بیان کردوں کہ قبض اور بسط کیا چیز ہیں۔ سوال کے لئے مناسبت کی ضرورت ہے آپ کی تو ٹکا بھر زبان ہل گئی نہ فکر ہوئی نہ غور کیا کہ آخر اس سوال سے دوسرے پر کیا تنگی اور بار ہوگا وہ حال کو قال سے کیسے سمجھا دے گا۔ عرض کیا کہ معافی کا خواستگار ہوں فرمایا کہ یہ تم لوگوں نے ایک آسان نسخہ یاد کر لیا ہے کہ معافی کا خواستگار ہوں۔ معاف کو معاف ہی ہے مگر کیا اس معافی سے تکلیف بھی جاتی رہی آئندہ ایسے سوال سے سخت احتیاط کی ضرورت ہے کیا قبض اور بسط کی حقیقت معلوم کر کے آپ کو کوئی رسالہ بنانا ہے یا فن کا مجتہد اور محقق بننا ہے کام کی تو ایک بات نہیں پوچھی جاتی یوں ہی وقت کو خراب کیا جاتا ہے اپنا تو کرتے ہی ہیں دوسروں کا بھی وقت ضائع کرتے ہیں۔ یہ سب باتیں بے فکری کے سبب سوجھتی ہیں آخر تمام مسائل تصوف میں اسی ایک قبض اور بسط کی تحقیق کی آپ کو ضرورت ہوئی شاید دوسرے تمام مراحل طے ہو چکے۔ ان بیکار باتوں میں کیا رکھا ہے کام میں لگو اور اپنے وقت کو خدا کی نعمت سمجھ کر اس کی قدر کرو۔ آنکھ بند کرتے ہی وقت ضائع کرنے کا پتہ چل جائے گا تمام تحقیقات تدقیقات دہری رہ جائیں گی۔ اب میں بیٹھا ہوا کہاں تک تمہاری باتوں کی ہنڈی کی چنڈی کیا کروں اور میں تو اپنی طرف سے اس کے لئے بھی تیار ہوں بشرطیکہ تم میں بھی اہلیت ہو۔

ملفوظ ۵۵۴: ایک صاحب کی اس غلطی پر کہ وہ مجلس میں ایک صاحب کی طرف پشت کر کے بیٹھے مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ کونسی انسانیت اور تہذیب کی بات ہے کہ ایک مسلمان کی طرف باوجود جگہ وسیع ہونے کے بلا ضرورت پشت کر کے بیٹھ گئے کیا یہ بھی خبر نہیں کہ کسی مسلمان کی طرف بدون کسی سخت معذوری کے پشت کرنا زیبا نہیں آداب مجلس کے خلاف ہے کیا ایسی موٹی موٹی باتیں بھی محتاج تعلیم ہیں یہ باتیں تو ہر انسان میں امر فطری ہیں آخر تم میں ایسا کونسا سرخاب کا پر لگا ہے اور تم کو ایک مسلمان کی اہانت کا کیا حق ہے عرض کیا کہ مجھ سے غلطی ہوئی میں معافی چاہتا ہوں اللہ کے واسطے معاف فرما دیں۔ فرمایا کہ میں بھی تو اللہ ہی کے واسطے کہہ رہا ہوں سو تمہاری اللہ کے واسطے معافی چاہنے میں اور میرے اللہ کے واسطے کے کہنے میں مابہ الفرق کیا ہے اس کو بیان کرو

تاکہ میں اپنے کہنے کو بند کروں اور تم کو معافی دے کر خاموش ہو جاؤں۔ اس پر وہ صاحب خاموش رہے فرمایا کہ بولتے کیوں نہیں یہ ایک اور دوسری تکلیف دینا شروع کر دی کہ جواب ہی ندارد اچھا یہ تو بتلاؤ کہ تمہاری اس غلطی کا منشا بدفہمی ہے یا بے فکری۔ عرض کیا کہ بے فکری فرمایا کہ خیر وجہ ایسی بیان کی جس کا انسداد ہو سکتا ہے اس لئے کہ فکر اختیاری ہے امید ہے کہ تم سے اصلاح ہو جائے گی اگر بدفہمی سبب بیان کی جاتی تو بوجہ چونکہ اختیاری نہیں اس کا انسداد بھی غیر اختیاری ہوتا اب چونکہ تمہاری اس حرکت سے تکلیف پہونچی اس لئے اس وقت کی مجلس میں تم کو بیٹھنے کی اجازت نہیں تمہاری صورت دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے۔

ملفوظ ۵۵۵: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ھدیہ لینے میں جو میں سخت ہوں ایسے اصول میں نے بہت سے تجربوں کے بعد تجویز کئے ہیں جو باتیں پیش آئیں ان کو میں ہی سمجھتا ہوں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو مجسم اخلاق تھے ہدیہ کے متعلق ان کی بھی یہی رائے ہے فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ہم کو حاجت مند سمجھ کر ہدیہ دے اس کو قبول نہیں کیا جاتا اور خواہ واقع میں ہم حاجت مند ہی ہوں مگر اس کو حاجت مند سمجھنے کا کیا حق ہے البتہ جو محبت سے دے اس کو لے لینا چاہیئے۔ اور حضرت مولانا ہی کا ایک یہ معمول تھا کہ سفر میں ہدیہ قبول نہ فرماتے تھے اور اس کی وجہ فرمایا کرتے تھے کہ اس میں ہم کو دیکھ کر ہدیہ دینے کا قلب میں داعیہ پیدا ہوا ہے ممکن ہے کہ اصلی محبت نہ ہو یا ہو اور جوش اس کا سبب ہو ممکن ہے کہ مصلحت سمجھ میں آنے کے بعد یا جوش ٹھنڈا ہونے کے بعد پچھتائے۔ یہ حضرات حکیم ہیں ان کی معمولی باتوں میں حکم اور علوم ہیں۔ پھر فرمایا کہ آج کل کے ہدایا پر ایک واقعہ یاد آیا کہ جس زمانہ میں بھائی اکبر علی مرحوم سرکاری ملازم تھے غالباً اس وقت عہدہ پیشکاری پر ممتاز تھے۔ ایک شخص ان کے پاس آیا اس کا ایک مقدمہ اسی حاکم کے یہاں تھا جن کے یہ پیشکار تھے اس نے بھائی مرحوم کو تین روپیہ دیئے۔ پوچھا یہ کیسے ہیں کہا کہ میں آپ کو خوشی سے دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میں اول تو لیا نہیں کرتا۔ دوسرے مقدمہ میں خلاف روئداد کوشش نہ کروں گا پھر مجھ کو کیوں دیتے ہو کہا کہ بھلا آپ نے کیا خیال کیا میں تو محض محبت کی وجہ سے دے رہا ہوں۔ انہوں نے کر الگ رکھ لئے بڑے دانشمند تھے مقدمہ لڑا بالآخر یہ شخص مقدمہ ہار گیا تو بھائی مرحوم کے پاس آیا کہ منشی جی میں مقدمہ ہار گیا انہوں نے کہا کہ ہاں بھائی معلوم ہے کہ تم مقدمہ ہار گئے کہا کہ اب میں کیا کروں بھائی مرحوم تھے بڑے ظریف۔ جیب میں سے نکال تین روپیہ اس کے حوالہ کئے اور کہا کہ اب یہ کرو وہ روپیہ لے کر چلتا بنا ایک لفظ نہیں بولا۔ یہ محبت سے دیئے تھے یہی حالت آج کل کے اکثر ہدیہ دینے والوں کی ہے کہ اغراض کی وجہ سے ہدیہ دیتے ہیں حالانکہ ہدیہ کا مدار محض محبت اور خلوص ہونا چاہیئے اور اس

کی پہچان مشکل تھی تو جیسے قصر کی اصل علت مشقت ہے مگر اس کی پہچان مشکل تھی اس لئے خصوصیت کی جان پہچان کو خلوص کے قائم مقام کر رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ میرا معمول ہے کہ جس سے خاص جان پہچان اور بے تکلفی نہ ہو جو غالب علامت ہے خلوص کی اس سے میں ہدیہ قبول نہیں کرتا۔

ملفوظ ۵۵۶:۔ ایک ضعیف العمر صاحب حضرت کے یہاں مہمان ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ یہ بڑے میاں ہمارے پیر بھائی ہیں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں۔ پیر بھائی تو کم لوگ ہیں اور مرید زیادہ ہیں اس لئے پیر بھائیوں سے ملکر بڑا ہی جی خوش ہوتا ہے اور ان سے ملکر طبیعت میں ایک خاص تازگی محسوس ہوتی ہے چنانچہ میں جب گنگوہ جاتا تھا تو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تم جب آجاتے ہو دل زندہ ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے حضرت میرے سامنے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بہت زیادہ تذکرہ فرمایا کرتے تھے سمجھتے تھے کہ میں نے حضرت کو دیکھا ہے اس لئے اس تذکرہ سے زیادہ لطف آتا تھا۔

ملفوظ ۵۵۷:۔ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کسی میں بدعت ہونے کے لئے یہ ضروری تھوڑا ہی ہے کہ اس میں ساری ہی باتیں بدعت کی ہوں۔ جیسے کفر کے لئے ایک بات بھی کافی ہے کیا کفر کی ایک بات کرنے سے کافر نہ ہوگا اسی طرح ایک بات بدعت کی کرنے سے بھی بدعتی ہوگا۔

۲ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم چہار شنبہ

ملفوظ ۵۵۸:۔ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے کچھ امراض باطنی لکھ کر علاج پوچھا ہے۔ میں نے انہیں سے پوچھا ہے کہ تمہارے نزدیک اس کا کیا علاج مناسب ہے دیکھوں کیا لکھتے ہیں اس سے ان کے فہم کا بھی اندازہ ہو جائے گا نیز ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر میں کوئی علاج تجویز کرتا ہوں تو لوگ اس کو سخت سمجھتے ہیں اب یہ جو کچھ لکھیں گے ہیں اس میں تسہیل کر دوں گا تو نرمی کی قدر تو ہوگی اسی وجہ سے میں نے اپنا طرز بدل دیا ہے۔ پہلے خود مریض سے اس کی تجویز پوچھتا ہوں۔ بعد میں اسے مشورہ دیتا ہوں۔ نیز اس سے علاوہ رعایت کی قدر کرنے کے ان لوگوں کو فکر اور غور کی بھی عادت ہوگی۔

ملفوظ ۵۵۹:۔ ایک بچہ تعویذ کے لئے آیا فرمایا کہ یہ بنیانہ کا لڑکا ہے اس کا نام ایانہ ہے۔ یہ نام میں نے

ہی رکھا ہے قافیہ کی رعایت سے - ایک روز میں نے نیاز سے کہا تھا کہ اب تمہارے لڑکا پیدا ہوا تو کیا نام رکھو گے قافیہ کا نام تو اب مشکل ہے ہاں ایک ہے پیاز - جب نام کا قافیہ نہیں رہتا تو قافیہ تنگ ہو جاتا ہے مگر پھر اس کے اولاد ہی نہیں ہوئی - اسی سلسلہ میں فرمایا کہ بعضے ایسی باتیں ہوتی ہیں کہ ہر ایک کی سمجھ میں نہیں آتیں - حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک خاندان کے نام اس قافیہ پر تھے ماشاء اللہ - تبارک اللہ - بسم اللہ - انشاء اللہ - پھر ایک لڑکی ہوئی تو اُن لوگوں نے اُس کا نام رکھا الحمد للہ - حضرت شاہ صاحب نے اس نام کو سن کر فرمایا کہ اب آگے اس خاندان کا خاتمہ ہے یعنی نسل نہ چلے گی - چنانچہ ایسا ہی ہوا لوگوں نے پوچھا کہ حضرت آپ کیسے سمجھ گئے تھے فرمایا کہ جس وقت یہ نام سنا فوراً یہ آیت میرے قلب میں آئی واٰخر دعواهم ان الحمد للہ رب العلمین - اسی سے بیساختہ خیال میں آیا کہ اب یہ آخری ندا معلوم ہوتی ہے مگر یہ باتیں کسی ضابطہ میں نہیں ایک قسم کی فراست ہے -

ملفوظ ۵۷۰: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ نفس سے ہمیشہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے یہ جب موقع پائے گا اور اسباب دیکھے گا ضرور اپنا کام کیے بدون نہ رہے گا - جو لوگ اپنی اصلاح کامل کر چکے ہیں بے فکری تو اُن کے لئے بھی خطرہ سے خالی نہیں مگر پھر ایک درجہ میں ان کے لئے سہولت ہے کہ وہ عین وقت پر بھی علم اور تجربہ کی وجہ سے اس کو قابو میں کر سکتے ہیں ورنہ ہمارے نفس کی حالت منہ زور گھوڑے کی سی ہے جب قابو سے نکل جاتا ہے آگا پیچھا کچھ نہیں دیکھتا جو کچھ ضرر بھی اُس سے صادر ہو جاوے کم ہے اس لئے ہر وقت ہوشیار رہنے اور انتظام رکھنے کی ضرورت ہے جنہوں نے اس کی حقیقت پہچان لی ہے وہ ہر وقت اس کی تگ ودو میں رہتے ہیں - اس سے بے فکری کسی وقت بھی اور کسی کو بھی نہیں ہونا چاہئے اگر کبھی بے فکری ہوگی دھوکہ کھائے گا سانپ سے کیا بے فکری وہ تو موقع پاتے ہی اپنا کام کرے گا بس یہی حالت اس نفس کی ہے - یہ تو اُسی وقت تک قابو میں ہے جب تک کے اس کی فکر میں ہے اور جس طرح یہ تاک میں ہے اس کی بھی کوئی تاک میں ہو ورنہ یہ تو اژدہا ہے شیطان اس قدر خطرناک نہیں جتنا یہ ہے اسی لئے کہا گیا ہے اعدی عدوک الذی بین جنبیک -

ملفوظ ۵۷۱: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اس راہ میں خود رائی اور خود بینی سخت راہزن اور سم قاتل ہے ایسا شخص کہ جس کے اندر یہ چیزیں ہوں گی وہ قطعاً محروم رہے گا کوئی حصہ اس کا اس راہ میں اس کو نصیب نہ ہوگا پہلا قدم اس راہ میں فنا ہے اور اپنے کو مٹانا ہے اس خود رائی کو حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست
کفرست دریں مذہب خود بینی و خود رائی

ملفوظ ۵۶۲: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ بھی آج کل لوگوں میں ایک عام مرض ہو گیا ہے کہ اس کی بڑی فکر رہتی ہے کہ کوئی ہم کو بُرا نہ کہے یہ مرض حب جاہ کہلاتا ہے اور یہ مرض تکبر سے ناشی ہے اور بڑا ہی مہلک مرض ہے اس سے بچنے کی سخت ضرورت ہے دنیا میں بھی اس کی بدولت جو کلفتیں ہوتی ہیں وہ محتاج بیان نہیں اور آخرت تو اس کی بدولت بہت ہی خراب اور برباد ہو جاتی ہے اس کی تو فکر ہی نہ ہونا چاہئے کوئی کچھ کہے کہا کرے اس سے بگڑتا کیا ہے ایک فوری کلفت تو اس میں یہ ہے کہ آدمی اس سوچ اور فکر میں پڑ کر کسی کام کا نہیں رہتا بڑا حصہ وقت کا اس میں خراب اور برباد ہوتا ہے کسی وقت قلب کو چین اور سکون ہی میسر نہیں ہوتا جس کی وجہ یہ ہے کہ دوسروں پر اس کا مدار ہے کہ اس کو اچھا سمجھیں اور یہ غیر اختیاری چیز ہے اور جب یہ معلوم ہے کہ یہ غیر اختیاری چیز ہے تو اس کے درپے ہونے کا کوئی نتیجہ نہ ہوگا اور نتیجہ نہ ہونے کی حالت میں اس میں مشغول ہونا کم از کم فعل عبث تو ضرور ہوگا اور فضول اور عبث سے بچنا خود نصف طریق ہے۔

ملفوظ ۵۶۳: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میرے یہاں اظہار حق کا معیار یہ ہے کہ اس کا منشا نہ کسی کی عداوت ہو نہ کسی کی رعایت محض تدین ہو گو اس میں غلطی بھی ہو جاوے کیونکہ غلطی سے کون خالی ہے بشریت میں غلطی ہوتی ہے۔

۳ رجب المرجب سنہ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم پنجشنبہ

ملفوظ ۵۶۴: فرمایا کہ ایک صاحب کا لفافہ آیا ہے لفافہ کے پتہ کے اوپر لکھا ہے امانت شیخ معروف کرخی۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ایسا لکھنے سے وہ چیز محفوظ ہو جاتی ہے مثلاً یہ لفافہ ہی ہے ان صاحب کے خیال میں یہ کہیں گم نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کا عقیدہ صاف شرک ہے۔ جاہلوں نے بزرگوں کے متعلق اس قسم کی حکایتیں گھڑ رکھی ہیں۔ ایک حکایت ہے کہ ایک شخص کی دیوار جھکی ہوئی تھی اندیشہ اس کے گر جانے کا تھا۔ یہ شعر اس دیوار پر چسپاں کر دیا ؎

بحق حضرت معروف کرخی ... بماند سالہا دیوار ترخی

(از ترخیدن بمعنی شق شدن)۔ بہت عرصہ تک وہ دیوار اسی حالت پر کھڑی رہی ایک روز مالک دیوار نے حضرت شیخ معروف کرخی کو خواب میں دیکھا حضرت شیخ نے فرمایا کہ بھائی بہت

دن ہو گئے مجھ کو تیری دیوار تھامے میری تو کمر بھی رہ گئی مطلب یہ کہ میں دیوار سے کمر لگائے کھڑا ہوں اب میں مدت متعین کرتا ہوں مثلاً ایک ہفتہ یا پندرہ روز پھر میں ذمہ دار نہیں۔ اس قسم کی باتیں لغو اور جھوٹ تراش رکھی ہیں۔ استغفر اللہ ایسے عقائد میں ان لوگوں کو ابتلاء ہو رہا ہے جو سراسر شرک ہیں پھر علاوہ عقیدہ کی خرابی کے اس میں بزرگوں کی بے ادبی بھی تو ہے کہ جو کام دو آنہ کے مزدور کا ہے وہ اُن کے سپرد کیا گیا ہے اُن بزرگوں کے پاس بس یہی تو ایک کام ہے کہ ایسے گدھوں کی دیوار تھامے کھڑے رہیں۔ پھر ذرا ان لوگوں کی عقل اور فہم ملاحظہ ہو کہ خود تو بزرگوں سے ایسے ذلیل اور خسیس کام لیتا بیان کریں جو بعضے مزدور بھی گوارا نہ کریں اور دوسروں کو بزرگوں کا دشمن اور اُن کا مخالف اور غیر معتقد بتائیں یہ محبان بزرگ ہیں۔ دوسری حکایت مولوی عبدالحق صاحب مشہور معقولی ریاست رامپور میں مقیم تھے زبان کے تو آزاد تھے مگر عقائد اچھے تھے ایک خانصاحب اُن سے ملنے آئے جو دیہات کی مستاجری کیا کرتے تھے اُس وقت تحصیل وصول کا زمانہ تھا۔ مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ خانصاحب آج کل تو کام کا زمانہ ہے تحصیل وصول کے دن ہیں۔ کام کس کے سپرد کر کے آئے۔ خانصاحب جواب میں کہتے ہیں کہ بڑے پیر صاحب کے سپرد کر کے آیا ہوں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ آہا ہم تو بڑے پیر صاحب کو ولی سمجھتے تھے مگر آج معلوم ہوا کہ گاؤں کے پردھان بھی ہیں اُس وقت تو خانصاحب مولوی صاحب کے سامنے ادب کی وجہ سے کچھ نہ بولے مگر جب مولوی صاحب کے پاس سے اُٹھ کر باہر آئے تو کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب پر کسی وہابی کا اثر ہو گیا ہوگا مگر تم پر کسی شیطان کا اثر ہو گیا جس سے تم نے ایک تو پیر صاحب کی بے ادبی کی کہ یہ ذلیل کام اُن کے سپرد کیا۔ دوسرے شرک میں مبتلا ہوئے تیسری حکایت ایک شاہ صاحب کی لب حسنئے مکہ معظمہ میں بیٹھکر جھوٹ بولا کہ دو حقیقی بھائی تھے ایک دکان میں دونوں شریک تھے۔ بڑے بھائی جب کہیں جاتے اور دکان پر کوئی نہ ہوتا تو یہ کہہ کر جاتے کہ بڑے پیر صاحب دکان آپ کے سپرد۔ چھوٹا بھائی اُن کے اس عقیدہ پر ناراض ہوتا کہ یہ کیا واہیات عقیدہ ہے ایک روز بڑے بھائی تو تھے نہیں چھوٹا بھائی دکان پر تھا وہ نماز کو چلا گیا پیچھے دکان میں چوری ہو گئی بڑے بھائی کو معلوم ہوا کہ چھوٹے بھائی سے پوچھا کہ آخر بات کیا ہوئی تم نے دکان کس کے سپرد کی تھی کہا کہ اللہ میاں کے سپرد کر گیا تھا۔ بڑا بھائی کہتا ہے کہ ارے بیوقوف بڑے پیر صاحب تو بشر ہیں اور مکلف ہیں اگر کوئی چیز ان کے سپرد کی جائے وہ تو امانت کا خیال رکھیں گے اور اللہ میاں مکلف تو ہیں نہیں اور اُن کا یہی کام ہے کہ اِس سے لے کر اُسے دیدیا اور اُس سے لے کر اِسے دیدیا اس لئے چوری ہوئی یہ عقائد ہیں اور یہ عقلیں ہیں خدا سلامت ان لوگوں کا فہم کیا ہوا عقلیں کہاں گئیں۔ واقعی بدعت سے قلب پر قساوت کے علاوہ جہل کی ظلمت بھی ہوتی ہے یہ نورانیت اور روحانیت کو بالکل فنا کر دینے والی چیز ہے۔ یہ سب بدعت ہی کے ثمرات ہیں کہ کوئی بات عقل اور فہم کی نہیں رہتی اس پر اگر ان لوگوں کو متنبہ کیا جاتا ہے روک ٹوک کی

جاتی ہے تو بدنام کرتے ہیں کہ یہ وہابی ہیں۔ بزرگوں کے دشمن اور مخالف ہیں بے ادب ہیں۔ مگر اپنے کو دیکھو تم بزرگوں کے بہت معتقد اور عظمت کرنے والے ہو تم نے بزرگوں کا بڑا ادب کیا کہ جو کام بزرگ کے کفش برداروں نے بھی نہیں کیا تم نے ان کے سپرد کیا مثلاً تحصیل وصول پھر اعتقاد کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ اس دعویٰ کی دلیل تو بیان کرو پتہ چل جائے گا۔ بندگان خدا کیوں آخرت کو خراب اور برباد کرتے ہو۔

ملفوظ ۵۶۵: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ پہلے زمانہ کے بدعتی بھی اللہ اللہ کرنیوالے ہوتے تھے اب تو بکثرت کھلم کھلا فسق و فجور میں مبتلا ہیں نفوس میں شرارت بھری ہے ہوا پرستی اور عیش پرستی میں مبتلا ہیں۔ صریح بددینی پر اترے ہوئے ہیں۔ گانا بجانا امرد لڑکوں اور بازاری عورتوں سے اختلاط ان کا شعار ہو گیا ہے۔ بزرگوں کے مزارات پر شب و روز یہی فسق و فجور اور خرافات ہوتا رہتا ہے۔ بزرگوں کو بدنام کرنیوالے ان کو تکلیف پہونچانے والے پھر دوسروں کو بدنام کریں۔ یہ بزرگوں کے مخالف اور دشمن ہیں۔ ایک شخص حکایت بیان کرتے تھے ذہین تو ہر طبقے میں ہوتے ہیں گو عاقل ہر طبقہ میں نہیں ہوتے یہ دولت اہل حق ہی کے حصہ میں آئی ہے۔ کہتے تھے کہ پیران کلیر میں میلے کے ہنگام پر ایک مکان میں ایک مدعی عقیدت اولیاء ایک عورت سے منہ کالا کر رہا تھا اور اندر سے دروازہ کی زنجیر لگا رکھی تھی۔ کچھ مسافر لوگ آئے اُنہوں نے مکان کی زنجیر ہلائی کہ وہ بھی وہاں آرام کریں تو وہ اندر سے کہتا ہے کہ میاں یہاں جگہ کہاں ہے یہاں تو آپ ہی آدمی پر آدمی پڑا ہے۔ ذہانت ملاحظہ ہو کیسے سچے تھے یہ بزرگوں کے مزارات پر جا کر فسق و فجور کرتے ہیں۔ پھر درویش اور صوفی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور شب و روز شرکیات اور بدعات و کبائر میں مبتلا ہیں خود گمراہ ہوئے دوسروں کو گمراہ کیا۔ اللہ کے راستہ میں راہزن یہی لوگ ہیں اٹنگ بٹنگ واہی تباہی ہانکتے ہیں اور ان کو اسرار اور راز سمجھتے ہیں۔ اللہ کی مخلوق کو دھوکہ دیتے ہیں تصوف کو اور اہل تصوف کو بدنام کیا۔ اتفاق سے ملحدین اور بددینوں کا زمانہ ہے ان کو ایسے نمونے دیکھ کر خود طریق پر اعتراض کرنے کا موقع مل گیا۔ ایک طرف تو یہ ہو رہا ہے دوسری طرف بعضے ایسے لوگ پیدا ہو گئے کہ وہ غلو کے درجہ میں پہونچ گئے۔ بعض کو یہ غلو دیکھ کر طریق سے نفرت کا درجہ ہو گیا مگر الحمد للہ اب مدتوں کے بعد یہ طریق واضح ہوا اب بے غبار ہے اس کے حدود اس کے احکام اس کے قواعد اصول سب منضبط ہو گئے اور مخلوق پر ظاہر ہو گیا کہ یہ طریق اگر اپنی اصل پر ہے وہ چیز ہے کہ بدون اس کے نجات اگر محال اور غیر ممکن نہیں تو مشکل تو ضرور ہے گو اس طریق کو صاف کرنے میں مجھ کو بدنام بہت کیا گیا مگر واقعی یہی ہے کہ اس چودھویں صدی کے اندر ایسے ہی لٹھ اور بے مروت شخص کی ضرورت تھی جیسا میں ہوں اس وقت مستغنیٰ سے کیا کام چلتا اس وقت کے لوگ جیسے ہوشیار ہیں یہ تو نرم آدمی کو دبیے ہی چٹکیوں میں اڑا دیتے مگر اللہ کا فضل ہے کہ اب سب کے دماغ درست ہو گئے اور طریق کی حقیقت سے باخبر ہو

چنانچہ اسی ارشاد خلق کے لئے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا گیا جو نہایت کامل العقل کامل الفراست تھے ورنہ کفار ان کو کہاں جمنے دیتے مگر اُن حضرات کی عقل کے سامنے اس وقت کے بڑے بڑے فلاسفر اور حکماء گرد تھے اور پانی بھرتے تھے جب ہی تبلیغ ہو سکی بعینہ اس زمانہ میں الحاد اور زندقہ فتنہ فساد کی حالت ہے کہ علاوہ علانیہ دشمنوں کے، بہت سے اسلام کی دوستی کے پردے میں دشمنی کر رہے ہیں اور ان سب کی دشمنی گویا اس آیت کا مصداق ہے۔ وان کان مکرھم لتزول منہ الجبال مگر ساتھ ہی انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون کے موافق اللہ تعالیٰ نے حق کی نصرت کرنے والی ایک جماعت بھی حسب ارشاد نبوی صلے اللہ علیہ وسلم لا یزال طائفۃ من امتی منصورین علی الحق لا یضرھم من خذلھم قائم فرما کہ ان سب کے مکر اور دغل کو ہباء منثورا کر دیا۔ مگر ان اعدا آئین اسلام کو دوسروں سے اتنی شکایت نہیں جتنی اپنوں سے شکایت ہے۔ اسلام بزبان حال کہتا ہے ؎

قتل ایں خستہ بہ شمشیر تو تقدیر نہ بود ورنہ ہیچ از دل بے رحم تو تقصیر نہ بود

آج کل کے خیر خواہان اسلام اور ہمدردان اسلام کوئی ریفارمر کہلاتے ہیں کوئی لیڈر کہلاتے ہیں۔ مگر دوست نما دشمن اسلام کے احکام میں تحریف کرنا انہوں نے شعار بنا رکھا ہے۔

ملفوظ: ۵۶۶ ترقی متعارف کے متعلق ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کی ترقی کا حاصل یہ ہے کہ ایک کو ترقی ہو اور دس کو پستی وتنزل۔ اس پر ایک حکایت یاد آئی۔ ایک میاں جی کسی صاحب کے یہاں لڑکے پڑھانے پر ملازم تھے وہ صاحب کہیں جاکر بڑے عہدہ پر ممتاز ہوئے اور معقول تنخواہ ہوئی انہوں نے اپنے گھر والوں کو بذریعہ خط اس کی اطلاع کی گھر والوں میں کوئی خط کا پڑھنے والا نہ تھا وہ خط پڑھ کر سنانے کے لئے میاں جی کے سپرد کیا گیا۔ میاں جی نے خط پڑھ کر رونا شروع کر دیا۔ گھر والوں نے رونے کی وجہ دریافت کی کہا کہ تم بھی روؤ جب بتلاؤں گا۔ گھر والے بھی رونے لگے۔ اہل محلہ نے جو شور وغل سنا آکر وجہ دریافت کی میاں جی نے کہا کہ تم بھی روؤ اہل محلہ بھی رونے لگے۔ پھر میاں جی سے وجہ رونے کی دریافت کی گئی۔ تب میاں جی نے کہا کہ آج میاں کا خط آیا ہے اس میں نوکر ہو جانے کو اور معقول تنخواہ ہو جانے کو لکھا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تو خوش ہونے کی بات ہے نہ کہ رونے کی اور رنج کرنے کی۔ میاں جی نے کہا کہ تم سمجھے نہیں دیکھو جب اتنی تنخواہ ہو گئی تو اب وہ بچوں کو انگریزی پڑھوائیں گے جس کے لئے ماسٹر کی ضرورت ہے تو میری نوکری تو گئی ہیں تو اول رویا اور بجائے پرانی بی بی کے کوئی جوان عورت بالخصوص میم کو گھر میں رکھیں گے۔ بی بی کے رونے کی یہ بات ہے پھر جب میاں یہاں پر آکر رہیں گے گھوڑے اور موٹر ساتھ ہوں گے جن کے کھڑے ہونے کے لئے مکانات کی ضرورت ہو گی وہ اہل محلہ سے خرید کر بنوائے جائیں گے اُن کے رونے کی یہ بات ہے۔ غرض سب کے رونے کی یہ وجوہ ہیں۔ یہ حکایت ترقی خاص وتنزل عام کا بہت اچھا نقشہ ہے۔

ملفوظ (۵۶۷) ایک صاحب کی غلطی پر (جو عنقریب مذکور ہے) مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ میں پہلے ہی سے بدنام ہوں۔ اگر تم سے تعلیل و قال یا جرح قدح نہ کروں گا اس سے اور زیادہ بدنامی میں شہرت ہو گی اس لئے جانے دو جب تم سمجھتے ہی نہیں اور اپنی اصلاح ہی نہیں چاہتے تو میں کیا اپنا سر دے ماروں مجھ کو تو سب کہنے کو تیار ہیں مگر اس کو کوئی نہیں دیکھتا کہ دوسرے لوگ میرے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں اب آپ ہی بتلائیے کہ میں اس میں کیا تاویل کروں آپ سے پوچھا یہ تھا کہ دوپہر جو تم سے غلطی ہوئی تھی اور اس پر میں نے تم کو سمجھایا تھا تم اپنی غلطی کی حقیقت سمجھ بھی گئے یا نہیں اگر نہ سمجھے ہوں تو پھر سمجھا دوں گا اس پر جواب ملتا ہے کہ معاف فرما دیجئے میں معافی چاہتا ہوں۔ اب اس کا مطلب سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ مجھ کو سمجھانے سے معاف رکھو یعنی سمجھاؤ نہیں کیا یہ مہمل جواب نہیں۔ آخر کہاں تک تغیر نہ ہو کہاں تک صبر کروں کوئی حد بھی ہے ایسے ایسے بدفہم آتے ہیں اگر میں ضابطہ سے کام لیتا تو عقل ٹھکانے لگ جاتی اور دماغ درست ہو جاتا مگر نرمی کی گئی سو نتیجہ ہوا نا اہلوں کے ساتھ نرمی کرنے کا۔ ان صاحب نے کچھ اور عرض کرنا چاہا فرمایا کہ میں اب تم سے براہ راست گفتگو کرنا نہیں چاہتا خواہ مخواہ طبیعت میں تغیر ہو گا تم کو تو حس نہیں اور مجھ کو حس ہے پھر کیونکر توافق رہے۔ بس اب اٹھ جاؤ اور کسی کے واسطے سے گفتگو کرو۔ اس واسطہ کا انتظام بھی میرے ذمہ نہیں کیونکہ میری کوئی غرض نہیں یہ بھی تمہارے ذمہ ہے غرض ایک صاحب واسطہ تجویز ہوئے ان کو بیچ میں ڈال کر حضرت والا نے فرمایا کہ ان سے یہ پوچھو کہ اپنی غلطی تمہاری سمجھ میں آئی یا نہیں۔ عرض کیا نہیں آئی۔ فرمایا پوچھو کہ میں نے دوپہر ایک غلطی تو بتلا دی اور سمجھا دی تھی گو ہیں تو چند غلطیاں پھر کیوں سمجھ میں نہیں آئی۔ عرض کیا کہ یاد نہیں رہی فرمایا پوچھو کہ اس سے بے فکری ثابت ہوئی یا نہیں۔ عرض کیا کہ جی بے فکری ثابت ہوئی۔ فرمایا کہو کہ بے فکری اور طلب دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ عرض کیا کہ جی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں فرمایا پوچھو کہ طلب کی کمی ثابت ہوئی عرض کیا کہ جی طلب کی کمی ثابت ہوئی۔ کہو کہ جب طلب کی کمی ہے تو یہاں آنے سے فائدہ۔ عرض کیا کہ طلب کو میں نہیں سمجھا۔ فرمایا کہو کہ سمجھانے کو اب کہاں سے الفاظ لاؤں۔ کہاں تک تنزل کروں۔ بیچارے ٹھیک تو کہتے ہیں۔ طلب تو تنخواہ کو بھی کہتے ہیں۔ فرمایا میں کہتا ہوں کہ جب طلب نہیں تو کیوں تو خود پریشان ہوئے اور کیوں دوسروں کو پریشان کیا۔ خیر ان کو بتلا دو کہ طلب کے معنی ہیں کسی کام کی دل میں فکر ہو اُدھیڑ بن سی لگ جائے جب تک مقصود حاصل نہ ہو برابر اس کی جستجو کرتا رہے پوچھو اب بھی طلب کی حقیقت سمجھ میں آئی۔ عرض کیا کہ جی آ گئی۔ فرمایا کہو کہ جب طلب کو سمجھ گئے اور یہ تمہارے اندر ہے نہیں تو یہاں پر آنے سے فائدہ۔ عرض کیا کہ طلب کیسے پیدا ہو اس کا طریقہ بتلا دیا جائے فرمایا پوچھو کہ طلب کا طریقہ ہی معلوم کرنے آئے تھے یا طلب لے کر آئے تھے۔ اس پر ان صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فرمایا اچھا دوسرا عنوان اختیار کرتا ہوں۔ ان سے پوچھو کہ مرید کیوں ہوئے تھے۔ عرض کیا

کہ دین کی وجہ سے۔ پوچھو کہ کیا مرید ہونے سے قبل دین نہ تھا۔ عرض کیا کہ کیا تھا۔ پوچھو کہ جب دین پہلے بھی تھا تو پھر مرید کیوں ہوئے کس چیز کی کمی تھی جس کی وجہ سے مرید ہوئے۔ اب کہاں تک ہندی کی چندی کروں۔ عرض کیا کہ اللہ کا راستہ معلوم کرنے کی غرض سے مرید ہوا تھا۔ فرمایا پوچھو کہ مرید ہو کر معلوم ہو گیا عرض کیا نہیں۔ پوچھو کہ پھر مریدی اور پیری سے فائدہ۔ عرض کیا کہ راستہ بتلا دیجئے۔ پوچھو کہ بتلا دیا تھا جس کو تم کہتے ہو کہ سمجھ میں نہیں آیا یا یاد نہیں رہا۔ فرمایا کہ اچھا ان سے ایک اور سوال کرو کہ سمجھ میں نہیں آیا تھا یا یاد نہیں رہا تھا۔ عرض کیا کہ سمجھ میں تو آ گیا تھا مگر یاد نہیں رہا۔ فرمایا کہ یہ سب بے فکری اور بے توجہی کے سبب ہے۔ ابھی دیکھئے سب یاد آیا جاتا ہے اور ایسا یاد ہو گا کہ تازیست بھی پھر کوئی سبق نہ بھولیں گے۔ کہو کہ ان سے تم کہ تم بھی معذور ہو کہ یاد نہیں رہتا اور میں بھی معذور ہوں کہ ایسے شخص سے تعلق رکھنا نہیں چاہتا اس لئے کہ میں بتایا کروں گا یہ بھلا یا کریں گے یا ان کو یاد نہ ہو گا تو کام کیسے چلے گا کبھی حکیم سے نسخہ لکھوا کر اور دوا لا کر اس کو نہ پیا ہو اور حکیم سے جا کر کہا ہو کہ حکیم جی نسخہ پینا یاد نہیں رہا یہ ساری بھول دین ہی کے لئے رہ گئی۔ میں ایسی حالت میں جبکہ مجھ سے بیعت کا تعلق ہے میرے مرید کہلانے میں مہمل حالت پر نہیں چھوڑ سکتا۔ لہٰذا آج سے بیعت کا تعلق ختم۔ ان سے کہو کہ اور کسی سے مرید ہو جائیں اور اس کی مجھے اطلاع دیں بلکہ جن سے مرید ہوں اُن سے لکھوا کر اور دستخط کرا کر میرے پاس بھیجیں۔ تب میں اور عام مسلمانوں کا سا تعلق ان سے رکھوں گا اور آنے کی اجازت دوں گا۔ ان کا مجھ سے مرید ہونا بیکار ہو گیا۔ اب تو وظائف اور اوراد کو لوگ بزرگی سمجھتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ پیر نے وظائف بتلا دیئے مرید نے پڑھ لئے بڑا کام ہو گیا۔ ان سے کہو مجھ سے اگر تعلق رکھنا چاہتے ہو تو دوسری جگہ مرید ہو جاؤ۔ پوچھو ان سے کہ جو میں نے کہا وہ سن لیا اور سمجھ لیا۔ جب اس قدر بے فکری ہے کہ بتلانے اور سمجھانے پر بھی نہیں سمجھتے یا یاد نہیں رکھتے تو پھر اصلاح کی میرے پاس کیا تدبیر ہے عرض کیا کہ مرید تو دوسری جگہ ہونگا۔ اس وقت تک جو کچھ ہوا اس کی معافی چاہتا ہوں اور آئندہ فکر اور توجہ سے کام لوں گا۔ فرمایا پوچھو کب سے فکر شروع ہو گی۔ عرض کیا کہ ابھی سے۔ فرمایا کہ پوچھو کہ اپنی غلطی کو کیا سمجھے جو غلطی ان سے ہوئی تھی وہ ایسی موٹی ہے کہ ذرا غور اور فکر سے اگر انہوں نے کام لیا فوراً سمجھ میں آ جائے گی۔ ابھی امتحان ہوا جاتا ہے۔ عرض کیا کہ میں دوپہر کو آرام کے وقت حضرت سے ملا اس وقت مجھ کو نہ ملنا چاہیئے تھا۔ فرمایا کہ اب کیسے سمجھ میں آ گیا اور کیسے یاد آ گیا پھر اور غلطیوں کو بھی اسی طرح بیان کر دیا اس پر معترض والا نے فرمایا کہ ذرا سی دیر میں سب باتوں کا کیسے الہام ہو گیا یا تو ان کی کرامت ہے یا میری یا دونوں کی تھوڑی تھوڑی۔ یہ بات نہیں کہ عقل اور فہم کی کمی ہے بات وہی ہے جو میں عرض کر رہا ہوں کہ فکر اور توجہ کی کمی ہے اب جب میں نے عدم تعلق کی خبر دی تب ذرا قلب پر زور پڑا فکر پیدا ہوئی سب باتیں سمجھ میں آ گئیں۔ مواخذہ کا طریق اس لئے نافع ہے۔ اب معترض صاحبوں کو بلا کر ان سے فیصلہ کرائیے یا مشیر صاحبوں سے جو کہ مشورہ دیا کرتے ہیں پوچھئے کہ کیا صورت ہو رہی ہے اب اعتراض کریں

یا مشورہ دیں۔ حضرت یہ اصلاح اور تربیت کا کام بڑا نازک ہے۔ خیر ان سے کہدو کہ مجلس میں آکر بیٹھیں یہ ہے میری سختی اور بدخلقی جس پر مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے۔

ملفوظ: ۵۶۸ ایک خط کا جواب سنا کر فرمایا کہ یہ لوگ پیروں کے بگاڑے ہوئے ہیں۔ مشائخ بھی ان چیزوں کی تعلیم نہیں کرتے صرف وظائف اور اوراد کی تعلیم کی جاتی ہے۔ کیفیات پوچھی جاتی ہیں کہ کچھ نظر آیا یا نہیں قلب میں کچھ شورش اور سوزش پیدا ہوئی یا نہیں یہ سب کیفیات نفسانیہ ہیں جو بعض احوال میں گو محمود ہیں مگر کسی حال میں مقصود نہیں اور یہ سب انفعالات اور غیر مامور بہا ہیں جو بعضے کافروں کو بھی میسر ہو جاتے ہیں جن کو جوگی وغیرہ ریاضتیں کر کے حاصل کر لیتے ہیں ایک کافر ہے کہ ادنی تحرک سے رو پڑتا ہے: اور ایک مسلمان ہے جس کو ساری عمر بھی رونا نہیں آتا لیکن فرق ظاہر ہے کہ مسلمان کا ایمان پہاڑ کے برابر ہے اور کافر کا رائی کے برابر بھی نہیں۔ صفات روحانیہ نہیں جو افعال ہیں اور مامور بہا ہیں۔ ایک مولوی صاحب جو ذی استعداد اور ذی علم ہیں اُن سے میری مکاتبت ہوئی جن کو میں نے یہی لکھا کہ اس طریق میں انفعالات مقصود نہیں افعال مقصود ہیں مگر انہوں نے اس مضمون کی کچھ قدر نہ کی ان کی تمام خط و کتابت کا جو منشاء میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ قوت توجہ سے قلب کی صفائی کر دی جائے میں کہتا ہوں کہ توجہ متعارف سے قلب کی صفائی نہیں ہو سکتی گو بعض بزرگوں نے اس سے کام لیا ہے مگر وہ ایک عارضی چیز ہے جو اس سے حاصل ہو جاتی ہے مگر اس سے اصلاح نہیں ہو سکتی جو مقصود ہے اور نہ اُس سے کسی مقام کا رسوخ ہو سکتا ہے۔ رسوخ وہی ہے جو اعمال کے ذریعہ سے ہو اور نہ یہ تدبیر مسنون ہے ہاں مباح ہے۔ مسنونیت کا درجہ تعلیم ہی کو حاصل ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کا اصل کام تعلیم ہی تھا اگر توجہ متعارف اس کا ذریعہ ہوتا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قوی و موثر توجہ کس کی ہو سکتی ایک کافر بھی کافر نہ رہتا سب باایمان ہو جاتے۔ توجہ مطلوب صرف یہی ہے کہ شیخ طالب کے حالات کی نگرانی اور اُن حالات کے اقتضاء سے تعلیم کرتا ہے سو ایسی توجہ ہمارے بزرگوں کو دائمی طور پر رہتی ہے محاسبہ۔ معاقبہ۔ دار و گیر۔ مواخذہ۔ روک ٹوک تعلیم تلقین بس یہی اصل توجہ ہے باقی توجہ متعارف یہ تو ایک وقتی چیز ہے جس سے استعداد کو ایک گونہ حرکت ہو جاتی ہے۔ پھر کچھ بھی نہیں رہتا یہ تجربہ کی باتیں ہیں اور اعمال سے جو رسوخ ہوتا ہے وہ دائمی ہوتا ہے۔ روح کے افعال وہ ہیں جو مادہ سے نہیں، جیسے خشیت ہے محبت ہے مگر اس زمانہ میں بے علم اور بے خبر لوگوں نے اپنے اجتہاد سے مقصود و غیر مقصود میں خلط کر رکھا ہے اور یہ سب بے خبری کی باتیں ہیں۔ اسی لئے اس طریق میں قدم رکھنے سے قبل ضرورت ہے کسی عارف کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی جو فضول اور عبث سے بچا کر کام میں لگا سکتا ہے ورنہ کوئی صورت غلطیوں سے بچنے کی نہیں

تنبیہ از مرتب صفات روحانیہ اور کیفیات نفسانیہ میں بعض اوقات اشتباہ ہو جاتا ہے اس لئے اس کا امتیاز بتلایا جاتا ہے کہ جو کیفیت مشروط ہو مادہ کی ساتھ وہ نفسانی ہے

اور جس میں مادہ شرط نہ ہو وہ روحانی ہے۔ شورش۔ سوزش۔ اضطراب۔ التہاب سب کیفیات نفسانی ہیں۔ محبت وخشیت وتوکل و توحید یہ صفات روحانی ہیں۔ مفارقت روح کے بعد پہلی کیفیات ختم ہو جاتی ہیں دوسری باقی رہتی ہیں۔ پہلی طبعی کہلاتی ہیں۔ دوسری عقلی خوب سمجھ لو۔

ملفوظ ۵۶۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اکثر لوگوں میں ادب کی اس قدر کمی ہے کہ اگر کوئی کام بگڑ جاتا ہے تو اس کو تقدیر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ قدرت کو یہی منظور تھا۔ اور یہ نہیں دیکھتے کہ قدرت ہی کا حکم اس سے بچنے کا بھی تھا۔ اس میں فرق باطلہ جبریہ وغیرہ کو جو غلطیاں ہوئیں وہ صرف ایک صفت پر نظر کرنے سے ہوئیں مثلاً قدرت پر اور اہل حق نے سب صفات پر نظر کی مثلاً قدرت کے ساتھ عدل اور حکمت پر بھی اس لئے یہ راہ پر رہے اور وہ گمراہی کی طرف چلے گئے قال تعالیٰ ان هذا صراطی مستقیما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ۔

ملفوظ ۵۷۰: ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ آتے ہی پوری بات کیوں نہیں کہدی آخر کس بات کا انتظار تھا جواب دریافت کرنے پر کہی اور وہ بھی ادھوری۔ عرض کیا کہ حضرت لکھ رہے تھے فرمایا کہ کیا تمہاری وجہ سے لکھنا بند کر دیتا۔ کوئی مجھ کو علم غیب ہے کہ جو بدون کہے یا بتلائے ہوئے یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں صاحب آئے ہیں وہ یہ بات کہیں گے لکھنا بند کر دینا چاہیئے۔ اچھا اب کیوں کہا۔ اب بھی تو لکھ ہی رہا تھا۔ تم لوگ مہمل تاویلات کر کے کیوں خود پریشان ہوتے ہو اور کیوں دوسرے کو پریشان کرتے ہو۔ سیدھی بات اور سیدھا جواب اب بھی نہ دیا رہی الجھی ہوئی بات اب بھی کی سو میرا کونسا حرج ہے۔ دیکھو اب میں سلجھاتا ہوں۔ تمہاری نبضیں میں ہی پہچانتا ہوں۔ جب تم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کو بلی کے گوہ کی طرح دباتے اور چھپاتے ہو تو پھر اصلاح کی صورت کیا ہو۔ یہ جو اپنی کمزوریاں چھپاتے ہو آخر اس کا نشا کیا ہے۔ میں سب سمجھتا ہوں۔ ایک زمانہ اسی کام کو کرتے ہوئے گذر گیا۔ اب تم کو بتلاؤں گا دیکھوں کہاں چلتے ہو۔ عرض کیا اب تو حضرت والا معاف فرمائیں آئندہ اس کی احتیاط رکھی جاوے گی واقعی مجھ سے غلطی ہوئی۔ فرمایا کہ معاف ہے مگر جو مرض تمہارے اندر ہے وہ اس معافی سے تھوڑا ہی جا سکتا ہے وہ مرض ہے جاہ کا جس کی وجہ سے تم اپنے عیوب کو چھپاتے پھرتے ہو اس کا علاج کرو ورنہ یاد رکھنا کہ سب کرا کرایا جاتا رہے گا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ بسہولت امراض کا علاج ہو جائے مگر تم لوگ خود سختی میں پڑتے ہو اس کا میرے پاس کوئی علاج نہیں۔

ملفوظ ۵۷۱: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جو حوادث غم اور حزن کی ہیں ان سے غم اور حزن سب کو ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ جو لوگ محبت سے کورے اور خالی ہیں ان کے

یہاں حدود سے نکل کر جزع فزع بھی ہوتا ہے۔ اور جن حضرات کے قلوب محبت سے پُر ہیں وہاں جزع اور فزع نہیں ہوتا یہ فرق ہے دونوں کے اندر۔

ملفوظ ۵۷۲ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جس قدر جس کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشبہ ہو اُسی درجہ وہ کامل ہے۔ مگر آج کل لوگوں کے تعریف گڑھ رکھی ہے کہ جس کو وقت ہر وقت استغراق رہے کسی چیز کی خبر نہ ہو۔ اب حقیقت سنیئے۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ نماز میں قراءت طویل کروں مگر کسی بچہ کے رونے کی آواز سن کر خیال ہوتا ہے کہ اس کی ماں نماز میں پریشان نہ ہو قراءت کو طویل نہیں کرتا تو حضور کو تو بچوں کے رونے تک کی خبر ہو اور لوگوں نے کمال کی مثال میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ بعض بزرگوں کو نماز میں تیر نکلنے تک کی خبر نہیں ہوئی اگر کسی کو یہ اطلاع نہ کی جاوے کہ دونوں واقعے کس کے ہیں تو وہ تیر کی خبر نہ ہونے والے کو کامل سمجھے گا حالانکہ ظاہر ہے کہ حضور سے بڑھ کر کون کامل ہو سکتا ہے مگر پھر بھی حضور کو بچوں تک کے رونے کی خبر ہوئی۔

ذرا سوچ سمجھ کر کچھ زبان سے نکالنا چاہئے اور ان کیفیات یعنی استغراق وغیرہ کی حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ کوئی کمال کی چیز نہیں اور جب کمال کی نہیں تو بیچاری مقصود کیا ہو سکتی ہے۔ لوگوں کی یہ سب بے خبری ہے کہ ان چیزوں کو مقصود اعظم بنا رکھا اور سمجھ رکھا ہے۔

ملفوظ ۵۷۳ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ کیا ٹھکانا ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع کا۔ یہ حضور ہی کی مبارک زندگی ہے کہ آپ کی خانگی زندگی تک ضبط کی گئی اور عالم میں شائع ہوئی اور پھر اُس پر اصولی کوئی اعتراض نہیں ہو سکا۔ باقی معاندین کا ذکر نہیں وہ تو حق تعالیٰ پر بھی اعتراض کرنے سے نہیں رُکے یہ عناد کمبخت ہے بُری چیز۔ اس کے سامنے کوئی انصاف کوئی دیانت نہیں چلتی۔

ملفوظ ۵۷۴ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ انہماک دنیا اور افکار دنیا اور تشویشات دنیا سے انسان کا حسن ظاہری بھی فنا اور برباد ہو جاتا ہے۔ پھر جس کا اثر ظاہر پر یہ ہو وہ حسن باطن کو کیا کچھ برباد اور فنا کرے گا۔ مگر بے حسی کی وجہ سے لوگ اس کو محسوس نہیں کرتے۔

ملفوظ ۵۷۵ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جس کو دنیا سے جتنا کم تعلق ہوتا ہے اُن کے قلب پر اُسی قدر مسرت ہوتی ہے۔ یہ دولت مسرت کی اہل دنیا کو کہاں نصیب اور اگر کچھ ہو بھی مگر وہ خالص اور کامل نہیں ہوتی تکدر سے ملی ہوئی ہوتی ہے اس کو اس مثال سے سمجھ لیجئے کہ ایک شخص ہے جس کو بہت سا روپیہ مل گیا جس سے مسرت ہوگی مگر ساتھ ہی اس کی حفاظت کی فکر اس کے زوال کی فکر سو مسرت تو ہوئی مگر خالص اور کامل نہ ہوئی اور ایک بچہ ہے اس کو اگر کسی بات پر مسرت ہوگی وہ کدورت افکار سے خالص اور کامل ہوگی بلکہ مسرت کی کیا تخصیص اس کی ہر بات خالص اور کامل ہوگی اس لئے کہ وہاں مصالح پر بستی پیش نظر نہیں۔ مسرت ہے تو کامل۔ رنج ہے تو کامل۔ غصہ ہے تو کامل غرض ہر چیز کامل پس جس کا

بچوں کیطرح ہر تشویش سے دل خالی ہو ظاہر ہے کہ اس کی بھی یہی شان ہوگی۔ پھر اُن میں بعض کی یہ شان
زیادہ دقیق ہوتی ہے اور بعض کی بالکل نمایاں چنانچہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ گنج مراد آبادی
کی یہ حالت بالکل ظاہر تھی۔ میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ ایک روز ان کے پوتے گھر میں پٹاخے چھوڑ رہے
تھے۔ آپ نے آواز سنکر لوگوں سے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے۔ عرض کیا گیا کہ حضرت آپ کے پوتے پٹاخے
چھوڑ رہے ہیں۔ فرمایا کہ پٹاخا کیسا ہوتا ہے ذرا ہم بھی دیکھیں گے بلاؤ ان کو۔ پوتے صاحب بلائے گئے
معلوم ہوا کہ پٹاخے ختم ہو گئے افسوس سے فرمایا اب ہم کیسے دیکھیں گے۔ عرض کیا گیا کہ بازار میں ملتے ہیں خریدنے
کے لئے پیسے دیئے پٹاخے آئے چھوڑے گئے۔ مولانا قریب کی آواز سے ڈر بھی گئے فرمایا اب ڈر لگتا ہے
بند کرو۔ میں نے ساتھیوں سے کہا کہ اگر کوئی شخص مولانا کے فعل سے تمسک کرنے لگے اس کا جہل ہے مولانا کو
کچھ خبر ہی نہیں۔ مولانا پر جذب غالب رہتا تھا اور جذب کی حالت میں اکثر جلال زیادہ ظاہر ہوتا تھا۔ ایکمرتبہ
لفٹننٹ گورنر زیارت کو آئے۔ پہلے اپنے آنے کی اطلاع دیدی تھی۔ اطلاع ہونے پر فرمایا کہ کیوں آرہا ہے۔
پھر فرمایا کہ میاں اس کو بٹھلائیں گے کہاں۔ ہمارے یہاں تو چاندی سونے کی کرسی بھی نہیں۔ لوگوں نے عرض
کیا کہ حضرت وہ لکڑی ہی کی کرسی پر بیٹھ جاویں گے فرمایا اچھا۔ غرض وہ آیا ہوا تھا۔ حضرت کو اس کے آنے
کی اطلاع دی گئی کہ لفٹننٹ گورنر آگئے ہیں حضرت اس وقت ایک کھری چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے فرمایا
کہ بلا لو بلا لیا گیا اس نے حاضر ہو کر سلام کیا۔ آپ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ لفٹننٹ گورنر نے آپ کے قویٰ کا حال
پوچھا فرمایا بہت اچھے ہیں گورنر نے تبرک مانگا۔ خادم سے فرمایا کہ ارے بھائی دیکھو اگر کسی برتن میں
کسی مٹھائی کا کچھ چورا ریزہ پڑا ہو دیدو۔ خادم نے ایک مٹی کے برتن میں سے مٹھائی کا چورا لاکر لفٹننٹ
گورنر کے سامنے کیا اس نے نہایت احترام کے ساتھ لیا۔ گورنر نے عرض کیا کچھ نصیحت کیجئے فرمایا انصاف
کرنا ظلم نہ کرنا۔ لفٹننٹ گورنر سلام کر کے واپس ہو گیا یہ شان تھی حضرت کی اور ان حضرات کی تو ہر
بات میں کشش ہوتی ہے حتیٰ کہ ان کے غصہ میں بھی ایک شان محبوبیت کی ہوتی ہے۔ جیسے بچہ کی طرف
کشش ہوتی ہے اور اس کی ہر ادا محبوب معلوم ہوتی ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ ان کی ہر بات اللہ کے
واسطے ہوتی ہے اس میں خلوص اور سادگی ہوتی ہے۔ اغراض کا شائبہ نہیں رہتا یہ اس کا اثر ہوتا ہے اور
یہ چیز ان ہی میں ہوتی ہے جن کو سوائے ایک کے راضی کرنے کے اور کسی کی طرف نظر نہیں ہوتی حضرت کی
اور بھی بہت سی باتیں اسی قسم کی ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ جب ہم مر جاویں گے اور جنت میں جائیں گے
اور حوریں ہمارے پاس آئیں گی تو ہم اُن سے کہیں گے کہ بی اگر قرآن شریف پڑھ کر سناؤ تو ہمارے
پاس بیٹھو ورنہ اپنا کام کرو۔ آپ کو قرآن شریف سے عشق کی کیفیت تھی۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم ایک دفعہ
بیمار ہو گئے ہم کو مرنے سے بہت ڈر لگتا ہے ہم نے خواب میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا انہوں نے
ہم کو اپنے سینہ سے چمٹا لیا ہم اچھے ہو گئے۔ ایک واقعہ حضرت نے فرمایا کہ میاں ایک جلاہا یہاں پر

آیا لوگوں نے اُس سے نفرت کی ہم نے اس کو اپنے ساتھ کھانا کھلا دیا وہ اچھا ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک جذامی کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا تھا ہم نے اس پر عمل کیا وہ عمل بالسنۃ کی برکت سے اچھا ہو گیا اور عجیب ہے کہ حضرت پر جذب کی کیفیت غالب تھی مگر پھر بھی یہ ہوش کہ ہر بات میں حدود کی رعایت اور علوم کا ظہور کیا ٹھکانا ہے اس اتباع سنت کا۔ کہاں ہیں وہ معترض جو بزرگوں پر خلاف سنت کا الزام لگاتے اور اعتراضات کرتے ہیں۔ ایک شخص کو حاضرین میں سے حضرت کے متعلق وسوسہ ہوا کہ حضرت کے پاس کوئی عمل تسخیر کا ہوگا جس کی وجہ حضرت کی طرف اس قدر رجوع عام ہے فرمایا کہ توبہ توبہ ارے معلوم بھی ہے کہ عمل سے نسبت باطنی سلب ہو جاتی ہے کیسی عجیب اور کام کی بات فرمائی۔ ایک مرتبہ ایک سائل نے عرض کیا کہ حضرت یہ جو مفقود الخبر کے متعلق امام صاحب کا مسئلہ ہے اس میں تو بڑا حرج ہے۔ فرمایا کہ ہاں بڑا حرج ہے اور جہاد کا مسئلہ بھی تو قرآن شریف میں ہے اس میں اس سے زیادہ حرج ہے اس کو بھی قرآن شریف سے نکالدو کیسا پاکیزہ جواب ہے۔ ایک مرتبہ ایک مقیم خانقاہ کے پاس کہیں سے آیا ہوا کھانا بھیجدیا وہ ذرا گستاخ سے تھے آکر عرض کیا حضرت تحقیق بھی فرمالیا تھا کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ فرمایا کہ ارے جا بڑا جائز ناجائز والا نکلا ہے۔ ایسی تحقیق کرے گا تو بھوکوں مرجائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں کوئی قوی وجہ شبہ کی نہ ہو وہاں ان ڈھکوسلوں کی ضرورت نہیں۔ ایک شخص نے حضرت سے دریافت کیا کہ مولود کا کیا حکم ہے۔ فرمایا کہ ہم تو ہر وقت ہی مولود پڑھتے ہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ پڑھتے ہیں اگر حضور نہ ہوتے تو یہ کلمہ کہاں سے پڑھتے۔ اہل معنیٰ کے نزدیک اس میں مولد کی حقیقت بیان فرمادی۔ غرض آپ کی بڑی ہی محققانہ اور حکیمانہ باتیں ہوتی تھیں اور یہ بھی اُس حالت میں جبکہ حضرت پر اکثر جذب کا غلبہ رہتا تھا مجھ کو تو ان حضرات کے تذکرہ میں بھی ایک جذب کی سی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔

ملفوظ ۸۷ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شریعت میں مطلق رونے کو منع نہیں کیا۔ نوحہ کرنے کی ممانعت کی ہے بلکہ اگر کوئی رویا بھی اور جزع فزع نہ کیا اس نے دونوں حق ادا کئے خدا کا بھی میت کا بھی۔ یہ جامعیت ہے۔ اسی کو کسی نے خوب کہا ہے ؎

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

اور جس بیچارے اس جامعیت کی ظاہری دشواری دیکھ کر تنگی ظاہر کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ بیچارا کوارا بلکہ کورا تھا اس تنگی کے متعلق کہا ہے ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردۂ باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

اُس بیچارے کو کیا خبر کہ جو تیرنا جانتے ہیں اور اس فن کے ماہر ہیں وہ ہر حال میں تیرتے ہیں اور دریا سے پار ہو جاتے ہیں اور دامن بچا کر نکل جاتے ہیں اور یہ دشواری تو محض ظاہری ہے وہ حضرات تو حقیقی دشواری سے بھی نہیں گھبراتے بلکہ ہر وقت ہتھیلی پر سر لئے پھرتے ہیں اور یہ کیفیت مطلوبہ اور مقصودہ پیدا

ہوتی ہے کسی اہل دل کی محبت اور صحبت سے اس کو اختیار کرو بدون اس کے راہ ملنا اور منزل مقصود تک پہونچنا دشوار ہی نہیں بلکہ محال عادی ہے اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار مرد حال شو ... پیش مردے کاملے پامال شو

اور مولانا ہی فرماتے ہیں ؎

یار باید راہ را تنہا مرو ... بے قلاؤز اندریں صحرا مرو

اگر ہم نے یہ کام کر لیا پھر آگے اُن کا کام ہے اور وہ ایک چشم زدن میں سب کچھ کر دیں گے مایوسی کی ضرورت نہیں کہ منزل مقصود پر ہم کس طرح پہونچ سکتے ہیں۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

تو مگو ما را بداں شہ بار نیست ... با کریماں کارہا دشوار نیست

یعنی وہ خود پہونچا دیں گے مگر تم لگے رہو چلے چلو اسی کو فرماتے ہیں ؎

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی ... شاید کہ نگاہی کند آگاہ نباشی

لیکن چلنے سے پہلے یہ شرط ہے کہ ایسا ہو جائے جس کو فرماتے ہیں ؎

در رہ منزل لیلےٰ کہ خطرہاست بجاں ... شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

غرض یہ راہ محض زبانی قیل و قال اور جمع خرچ سے نہیں طے ہو سکتی اس میں ضرورت ہے کام کرنے کی اور ہر مشکل کے لئے تیار قدم رکھنے کی اور اگر یہ بات نہیں تو قدم ہی نہ رکھے عشق اور محبت کا دعوی ہی نہ کرے اور اگر کیا ہے تو یہ عزم اور ارادہ کر کے قدم رکھے کہ سب آنے والی دشواریوں کا مقابلہ کرے گا اسی کو عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

یا مکن با پیلبانان دوستی ... یا بنا کن خانہ برانداز پیل

اور اگر اس کی برداشت نہ کر سکا تو اس کے متعلق مولانا فرماتے ہیں ؎

تو بیک زخمے گریزانی ز عشق ... تو بجز نامے چہ میدانی ز عشق

در بہر زخمے تو پر کینہ شوی ... پس کجا بے صیقل آئینہ شوی۔

اور یہ سب دشواریاں اور مشکلات جو اس راہ میں حائل نظر آتی ہیں صرف ایک چیز کے پیدا کر لینے سے آسان اور سہل ہو جائیں گی وہ چیز خداوند ... جل جلالہ کے ساتھ محبت ہے۔ اور اسی کی شدت کا نام عشق ہے اس کے قلب میں پیدا ہونے سے تمام دشواریاں آسان نظر آنے لگیں گی۔ یہی وہ چیز ہے کہ محبوب کے سوا سب کو فنا کر دیتی ہے۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؎

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت ... ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

یہاں مولانا کے اس قول میں محبت حق مراد ہے یہ عشق مراد نہیں جس کو آج کل بوالہوس لئے پھرتے ہیں وہ تو فسق ہے۔ نفس پرستی ہے ہوا پرستی ہے اسی کو ایک صاحب نظر فرماتے ہیں ؎

این نہ عشق ست آنکہ در مردم بود
این فساد خوردن گندم بود

اس کے مناسب ایک حکایت یاد آئی ایک شخص ایک عورت کے پیچھے ہو لیا اس نے دریافت کیا تو میرے پیچھے کیسے آ رہا ہے۔ کہا کہ میں تجھ پر عاشق ہو گیا ہوں اس عورت نے کہا کہ مجھ پر عاشق ہو کر کیا کرے گا میری بہن مجھ سے بہت زیادہ حسین اور خوبصورت پیچھے آ رہی ہے اس پر عاشق ہو۔ بوالہوس تو تھا ہی پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا اس عورت نے ایک دھول رسید کی اور کہا کہ ؎

گفت اے ابلہ اگر تو عاشقی
در بیان دعویٰ خود صادقی
پس چرا بر غیر افگندی نظر
این بود دعویٰ عشق اے بے ہنر

دیکھئے ادنیٰ سے عشق میں معشوق کو التفات الی الغیر گوارا نہ ہوا تو کیا خدا کا عشق نعوذ باللہ اس سے بھی کم ہے ان کو غیر کی طرف التفات کیسے پسند ہوگا اس کا تو بڑا حق ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود
گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

ایک یہ بات قابل استحضار رہے کہ اس راہ میں چلنا ایک دو دن کا کام نہیں ساری عمر ادھیڑ بن میں لگا رہنا پڑے گا اس پر بھی اگر فضل ہو جاوے تو ان کی بڑی رحمت اور بڑی نعمت ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش
تا دم آخر دمے فارغ مباش

اور یہ بھی خوب سمجھ لو کہ یہ سب باتیں دور ہی دور رہتے ہوئے کٹھن معلوم ہوتی ہیں مگر جب کام میں لگ جاؤ گے تب آسان نظر آنے لگیں گے اس لئے کہ ہمارے نزدیک مشکل ہے ان کے نزدیک سب آسان ہے اس لئے کر کے دیکھو خواہ بطور امتحان ہی کر کے دیکھو اسی کو فرماتے ہیں ؎

سالہا تو سنگ بودی دل خراش
آزموں را یک زمانے خاک باش

ملفوظ ۵۷: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بزرگوں کی مختلف شانیں ہوتی ہیں۔ اس پر میں یہ شعر پڑھا کرتا ہوں ؎

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خندان ست
بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالان ست

مثلاً کسی پر تواضع کا غلبہ ہوتا ہے کسی پر شفقت اور رحمت کا کسی پر جلال کا کسی پر جمال کا تو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ یہ اختیاری چیزیں تھوڑا ہی ہیں۔

ملفوظ ۵۸: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ لوگ تو مجھ کو جلالی کہیں کیا میں جلال بھی نہ کروں وہ بھی محض اس غرض سے کہ ان کی کسی طرح اصلاح ہو۔ ان میں انسانیت پیدا ہو آدمیت آئے۔ میری اس میں کوئی خاص غرض نہیں ہے بس جو کچھ کرتا ہوں یا کہتا ہوں مغلوب

ہو کر نہیں کرتا بلکہ سب قصد سے کرتا ہوں اور کہتا ہوں ۔ بحمد اللہ تعالیٰ مجھ پر اضطرار کی کیفیت کسی وقت بھی نہیں ہوتی اگر چاہوں تو نہ کہوں نہ بولوں کوئی مجبور تھوڑا ہی ہوں یہ دوسری بات ہے کہ ضبط پر تکلیف ہو ۔ ہوا کرے تکلیف اگر ہیں تکلیف برداشت کر کے اس کا قصد کروں کہ خاموش رہوں اور آنے والوں پر روک ٹوک نہ کروں تو میں الحمد للہ اس پر قادر ہوں کوئی مانع نہیں لیکن اسی کے ساتھ میرا یہ خیال ہے کہ جب تک اس کام کو میں کر رہا ہوں اور اسی خیال سے لوگ میرے پاس آتے ہیں اس وقت تک میں ایسا کرنے کو خیانت سمجھتا ہوں اس لئے یہ سب دین کے واسطے ہے ۔

ملفوظ ۵۷ : ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ایسے کام جس کی دوسروں کو فرمائش کرنا گوارا نہ ہو یا مرضی کے موافق کام ہونے کی امید نہ ہو اُن کو تو خیر کر لیتا ہوں ورنہ اب کام ہوتا نہیں ۔ قویٰ مضمحل ہو گئے ہیں تصنیفات کا کام بھی اب قریب قریب بند ہونے کے ہے اللہ کا شکر ہے اور احسان ہے کہ بہت کچھ کام ہو گیا مسلمانوں کو ضرورت نہیں اور جب ضرورت ہو گی حق تعالیٰ اپنے کسی اور بندہ کو پیدا فرما دیں گے ۔ کام کرنا کونسے فخر کی بات ہے یہ تو اُن کا فضل اور احسان ہے کہ کسی سے اپنا کام لے لیں ۔ مسرت ضرور ہوتی ہے کہ انہوں نے کام کرنے کی قوت اور ہمت دی ورنہ انسان کا وجود اور ہستی ہی کیا ہے ۔

ملفوظ ۵۸ : ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس زمانہ پُر فتن میں جس میں آئے دن ملک میں ایک نیا فتنہ کھڑا رہتا ہے اپنے بزرگ یاد آتے ہیں خصوص حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ وہ اگر زندہ ہوتے تو اپنے مجمع میں کوئی بھی مخالفت نہ کرتا اور وجدان سے کہتا ہوں کہ تحریکات حاضرہ میں عجب نہیں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو شرکت فرما لیتے مگر حفظ حدود شرعیہ کے ساتھ اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ شرکت نہ فرماتے یہ ایک وجدانی اور ذوقی بات ہے ۔

ملفوظ ۵۹ : ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ تقویٰ اور طہارت کی تو ہر طبقہ میں کمی ہو گئی خواہ علماء ہوں یا درویش خواہ زاہد ہوں یا عابد ۔ یہ چیز قریب قریب بہت ہی کم کسی میں پائی جاتی ہے احتیاط رہی ہی نہیں ۔ علماء کو دیکھ لیجئے کہ مدارس کے چندوں میں کس قدر گڑبڑ کرتے ہیں الا ماشاء اللہ ایسے ہی یہ درویش اور صوفی جو کہلاتے ہیں یہ عملیات سے لوگوں کے قلوب کو تسخیر کرتے ہیں اور اس سے ان کے مال اینٹھتے ہیں اور یہ سب ایسا ہے جیسا کہ لٹھ مار کر یا چوری اور ڈاکہ ڈال کر مال حاصل کیا جاوے کیونکہ بدون طیب خاطر کسی کا مال لینا خواہ وہ تسخیر کے ذریعہ سے ہو یا کسی ظاہری اثر اور دباؤ کے ذریعہ سے ہو قطعاً ناجائز ہے ۔ ہمارے حضرت حافظ ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حافظ محمد یوسف صاحب مرحوم بھوپال میں تحصیلدار تھے صاحب نسبت تھے ایک فقیر

بصورت درویش بھوپال میں آیا صاحب تصرف تھا کسی تسخیر کے عمل کا عامل تھا اس کے ذریعہ لوگوں کے قلوب کی تسخیر کرتا اور مال اینٹھتا خوب لوگوں کو لوٹتا۔ حافظ صاحب کا بھی پتہ معلوم ہوا کہ وہ بھی تحصیلدار ہیں ان کے پاس بھی آیا اور ایک کونے میں کھڑا ہو کر حافظ صاحب کی طرف توجہ کرنے لگا حافظ صاحب کو محسوس ہو گیا اور یہ شعر پڑھا ؎

سنبھل کے رکھنا قدم دشت خار میں مجنوں ۔۔۔ کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

اس شعر کا پڑھنا تھا کہ وہ فقیر دھڑ سے زمین پر گر پڑا اور اٹھ کر ہاتھ جوڑ کر کہا کہ میں تو حضور ہی کا شغال رنگین ہوں ۔ گستاخی معاف فرمایئے ۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ میاں صاحب ان باتوں میں کیا رکھا ہے یہ سب خرافات ہیں ان سے توبہ کرو اور اتباع سنت اختیار کرو۔ بس وہاں سے چلا گیا۔ یہ آج کل کے درویش اور صوفی رہ گئے ۔ خلاصہ یہ ہے کہ تقوی اور طہارت کی ہر طبقے میں کمی پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ دین کے کاموں میں برکت اور نہ دنیا کے ۔ اس کے نہ ہونے سے نحوست تو بڑھ گئی اور خیر و برکت جاتی رہی ۔ سب گاڑیاں تقوی اور طہارت کی اسٹیم سے چلتی ہیں اور یوں دھکیلنے سے کیا ہوتا ہے۔

۴ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز جمعہ

ملفوظ ۵۸۲ ایک صاحب نے دوسرے صاحب کے حالات دینداری بیان کر کے عرض کیا کہ صرف اگر کمی ذرا ہے تو یہ ہے کہ پانچ وقت کی جماعت کی پابندی نہیں جہاں ہوتے ہیں وہیں نماز پڑھ لیتے ہیں ۔ فرمایا کہ میں اپنے دوستوں کو اکثر مشورہ دیا کرتا ہوں کہ روزانہ میرے مواعظ دیکھا کریں ان میں اللہ کے فضل سے سب کچھ ہے۔ تجربہ سے ثابت ہوا کہ مواعظ کے دیکھنے سے لوگوں کو بیحد نفع ہوا یہی ان کے لئے بھی تجویز کرتا ہوں۔ اگر انہوں نے یہ مشورہ قبول کر لیا تو انشاء اللہ تعالی یہ کمی بھی بہت جلد دور ہو جائے گی ۔ جہاں اور کاموں کے وقت مقرر ہیں اس کے لئے بھی ایک وقت مقرر کر لیں چاہے وہ پندرہ ہی منٹ ہوں مگر ہوں روزانہ ۔ انشاء اللہ تعالی بہت جلد نفع ہو گا اور بہت زیادہ ہو گا ۔ وعظ بڑے کام کی چیز ہیں ۔ کام کی سب کی باتیں ان میں موجود ہیں ۔ لوگ قدر نہیں کرتے حالانکہ وہ بڑے قدر کی چیز ہیں ۔ لیکن اگر کوئی دیکھے ہی نہیں تو اس کا کیا علاج ۔

- - -

ملفوظ ۳۰۵ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مسلمان اگر تباہ اور برباد نہ ہوں تو اور کیا ہوں اور اس تباہی اور بربادی کی وجہ زیادہ تر بدانتظامی ہے جو دلیل ہے بے فکری کی۔ اسی بے فکری کی بدولت ہزاروں زمیندار رئیس اور نواب بھیک مانگتے پھرتے ہیں حتیٰ کہ اسی کی وجہ سے سلطنتیں دے بیٹھے۔ اسی کی بدولت تو دین دنیا تک تباہ اور برباد ہو جاتا ہے۔ میں کیا عرض کروں میری جو آنے والوں کے ساتھ لڑائی ہوتی ہے اس کا اصل سبب یہی ہے کہ لوگوں میں فکر نہیں۔ جو جی میں آیا کر لیا جو جی میں آیا کہہ ڈالا۔ نہ کوئی قاعدہ نہ اصول نہ یہ خبر کہ ہماری اس حرکت سے لوگوں کو اذیت ہوگی یا نہیں محض مست ہیں اور میں فکر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ روک ٹوک مواخذہ محاسبہ دار و گیر کرتا ہوں اور اس سب کا منشا یہی ہے۔ بس یہی لڑائی ہے اس پر خفا ہوتے ہیں۔ یہاں سے جا کر بدنام کرتے پھرتے ہیں کہ سخت گیر ہے بد خلق ہے مزاج میں تشدد ہے حالانکہ میں سخت نہیں البتہ مضبوط ہوں۔ ان معترضوں کو ابھی تک سختی اور مضبوطی میں فرق معلوم نہیں۔ سختی الگ چیز ہے۔ اور اگر ان کی اصطلاح کی موافق میں نرم ہوں اور با اخلاق ہو جاؤں تو اس سے ان کو کیا نفع۔ ان کی اصلاح کی کیا صورت ہو۔ یہ تو حیوان کے حیوان ہی رہے بلکہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ میری اس بد خلقی کا منشا خوش خلقی ہے۔ پھر فرمایا یہ بے فکری وہ چیز ہے کہ کانپور میں ایک صاحب نے بنئے سے سات سو روپے قرض لئے پھر بے فکر ہو گئے، وہ بھی خاموش رہا۔ ایک مدت کے بعد چالیس ہزار روپیہ ہو گیا۔ اس پر بھی اس بنئے نے کہا کہ فلاں دوکان مجھ کو دیدو اور بقایا قرض کی رسید لے لو۔ مگر ایک ملازم نے اپنی بعض اغراض کے سبب بہکایا اور دوکان نہیں دینے دی نتیجہ یہ ہوا کہ تمام جائداد مع گھر دکان سب ہاتھ سے نکل گئیں۔ کانپور ہی کی ایک شخص کی حکایت ہے کہ اس کے باپ کا انتقال ہوا۔ صاحب ثروت آدمی تھے۔ بیٹے نے روپیہ اڑانا شروع کر دیا ان کے باپ کے ایک دوست تھے ان کو یہ سنکر کہ اس طرح مال اڑا رہا ہے رنج ہوا آئے اور اس کے سامنے مال کے اڑانے پر جو مصائب اور تکالیف ہو سکتی ہیں ان پر بڑی لمبی چوڑی تقریر کی کہ اس فضول خرچی کے یہ نتائج ہوں گے۔ اس نے سب سنکر طاق میں سے ایک لنگوٹی اتار کر دکھلائی کہ مال اڑانے کے یہاں تک کے نتیجہ کے لئے تو میں پہلے سے تیار ہوں اگر افلاس کا کوئی درجہ اس سے نیچے ہو تو وہ فرمائیے تاکہ اس میں غور کر سکوں باقی اس کے لئے تو تیار ہوں۔ ایک شخص کانپور کی جامع مسجد میں سقاوہ میں پانی بھرا کرتے تھے۔ لوگ ان کو نواب صاحب کہتے تھے تحقیق میں معلوم ہوا کہ فی الحقیقت نواب تھے عیاشی اور فضول خرچی کی بدولت تباہ اور برباد ہو گئے یہ سب بے فکری اور غفلت کے نتائج ہیں جن کی بدولت مسلمان تباہ ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ دین اور دنیا دونوں اس کی بدولت ہاتھ سے جاتے رہے اور پھر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں رات دن یہ تباہی اور بربادی دیکھ رہے ہیں مگر پھر بھی چونکتے نہیں لگتی دیکھئے آئندہ اور کیا حشر ہونا ہے۔ بس سنکر بہت ہی قلب میں قلق اور رنج ہوتا ہے۔ اور اگر کچھ

فکر بھی کی تو آمدنی کی فکر کرتے ہیں مگر خرچ کا کوئی انتظام نہیں کرتے۔ میرٹھ میں ایک رئیس تھے انہوں نے ایک بڑے کام کی بات کہی مجھ کو تو بڑی پسند آئی یہ کہتے تھے کہ لوگ آمدنی بڑھانے کی تو فکر کرتے ہیں جو غیر اختیاری ہے اور خرچ گھٹانے کا انتظام نہیں کرتے جو اختیاری ہے خوب ہی بات ہے۔ غرض اس زمانہ میں خصوصاً سخت ضرورت ہے کہ مسلمان فکر سے کام لیں اور خرچ سوچ سمجھ کر کیا کریں۔ جس کا نظام میں نے یہ تجویز کیا ہے کہ خرچ کرنے سے قبل کم از کم تین مرتبہ مراقبہ کر لیا کریں کہ جو ہم خرچ کرنا چاہتے ہیں کیا یہ خرچ ایسا ضروری ہے کہ بدون اس کے کوئی ضرر ہوگا جہاں یہ تحقیق ہو جاوے اس کو ضروری سمجھیں پھر یہ سوچیں کہ کیا اتنا ہی خرچ ہونا چاہیئے یا اس سے کم میں بھی کام چل سکتا ہے۔ ایسا کرنے سے چند روز تو تعب ہوگا کیونکہ طبیعتیں اس کی عادی اور خوگر نہیں اس کے بعد سہولت سے مداومت کے ساتھ اس پر عمل ہونے لگے گا۔ خلاصہ یہ کہ فکر اور انتظام بڑی ضروری چیزیں ہیں۔ اور بے فکری اور بدانتظامی نہایت مضر۔

ملفوظ ۵۸۴: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ واقعہ ہے کہ امراء کے یہاں نوکروں کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ ان کے ساتھ نہایت ذلت کا برتاؤ اور حدود سے تجاوز کیا ہوا کیا جاتا ہے مگر سب امراء بھی ایسے نہیں ہوتے۔ چنانچہ ایک امیر کی حکایت بیان کرتا ہوں۔ بھوپال کی ایک رئیسہ جو کانپور میں رہتی تھیں ان کا لڑکا ایک اُستاد سے پڑھتا تھا سبق میں حضرت زلیخا کا قصہ آیا تو اس لڑکے نے ایک بیہودہ نوکر کے بہکانے سے سوال کیا کہ مولوی صاحب حضرت زلیخا کی چھاتیاں کیسی تھیں پہلے اُستاد بھی غیور ہوتے تھے نہایت شان اور آن بان سے رہتے تھے قلوب میں استغناء تھا آج کل کے اُستادوں کی طرح حریص اور طامع نہ ہوتے تھے جواب میں کہا کہ جیسی تیری ماں کی چھاتیاں لڑکے نے اس کی شکایت اپنی والدہ سے کی کہ آپ کو گالی دی اُن بی بی نے اُستاد کو دروازہ پر بلا کر واقعہ دریافت کیا کہ آپ نے ایسا کیوں کہا انہوں نے کہا کہ لڑکے نے آپ سے پوری بات نہیں کہی۔ واقعہ یہ ہے اور یہ مسلم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بیویاں اُمت کی مائیں ہیں تو حضرت زلیخا میری ماں ہیں اس نے میری ماں کو کہا میں نے اس کی ماں کو کہدیا یہ سن کر وہ بی بی آگ ہو گئیں اور یہ کہا کہ آپ نے اس نالائق کے منہ پر جوتا نہ مارا اور اُس لڑکے سے کہا کہ خبیث ہٹ دور ہو میرے سامنے سے تو یہ جذبہ ان بی بی کے اندر باوجود رئیسہ ہونے کے دین کی عظمت اور محبت ہی کا تھا تو امراء میں بھی سب یکساں تھوڑا ہی ہیں وہ بھی ہیں جو دین کے فدائی ہیں اور اُن کے قلوب اللہ اور رسول کی محبت سے لبریز ہیں سب کو ایک سا سمجھنا عدل اور انصاف کے خلاف ہے اور یہ بے قیدی امراء ہی کے ساتھ کیا مخصوص ہے میں نے تو بعض نام کے دینداروں کو دیکھا کہ حق تعالیٰ کی شان میں گستاخی کر لیتے ہیں۔

ملفوظ ۵۸۵ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جو چیزیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی عورتوں تک میں پائی جاتی تھیں وہ اس وقت کے بہت سے علماء و مشائخ میں نہیں۔ حضرت ام سلیم کا بچہ بیمار ہوا اور مر گیا۔

شب کا وقت تھا انہوں نے بیٹے کے انتقال کی خبر خاوند یعنی ابو طلحہ کو نہیں کی تاکہ صبح تک پریشان نہ رہیں۔ اوّل ابو طلحہ نے بیٹے کو پوچھا کہ اب کیا حالت ہے۔ جواب میں کہا کہ سکون ہے۔ واقعی موت سے بڑھ کر سکون کی اور کیا چیز ہوگی۔ معمول کے موافق خاوند کی خدمت کی چہرہ سے بھی کوئی ملال یا رنج کا اظہار نہ ہونے دیا کھانا کھلایا بستر لگایا۔ شب کو ہمبستری کی طرف صحابی کو رغبت ہوئی اس سے بھی انکار نہیں کیا جب تمام شب گذر چکی اور صبح ہوئی تو میاں سے مسئلہ پوچھا کہ کسی نے ایک شخص کے پاس کوئی امانت رکھی اب وہ اس کو مانگتا ہے اس کو خوشی اس کے سپرد کرنا چاہیئے یا رنج کرنا چاہیئے صحابی نے کہا کہ خوشی سپرد کر دینا چاہیئے رنج کی کون بات ہے۔ تب کہتی ہیں کہ لڑکے کا انتقال ہو چکا ہے اس کو دفن کرآؤ۔ صحابی بہت خفا ہوئے کہ بھلی مانس میں تمام شب خواہش نفس میں مبتلا رہا کھانا کھایا اور تو نے ذکر نہیں کیا وہ۔ جواب دیتی ہیں کہ کیا نتیجہ ہوتا میں تو پریشان تھی ہی تم بھی پریشان ہوتے۔ اللہ اللہ یہ عورت تھیں ذکر کرنا تو بہت آسان ہے مگر جب اپنے پر گذرے تب پتہ چلے۔ اللہ اکبر حضور کی بھی کیا شان تھی۔ عرب کی کیا حالت تھی آپ کی برکت سے کیا سے کیا ہو گئے۔ حضور کی ایک نظر میں کیمیا تو کیا کیمیا ساز بن گئے۔ سبحان اللہ۔

ملفوظ ۵۸۶ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل برساتی مینڈکوں کی طرح بہت سے مجتہد اور محقق پیدا ہو گئے ہیں۔ دین میں احکام شریعت میں تحریف کرنا ان لوگوں کا شعار ہو گیا ہے شب و روز یہی مشغلہ ہے۔ احکام اسلام کو تختۂ مشق بنا رکھا ہے تمام دماغی قوتیں احکام شرعیہ ہی کی تحریف میں صرف کی جا رہی ہیں۔ اور یہ واقعہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو کبھی دوسرے اغیار اتنا نقصان نہیں پہونچا سکے جس قدر نقصان ان مدعیان اسلام ہی سے پہونچا۔ یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے دوست نما دشمن ہیں۔ اسلام کی دوستی کے پردہ میں اسلام اور مسلمانوں کی بدخواہی کر رہے ہیں۔ ایسوں ہی نے ناس کیا ہے دین کا اور دین کا کیا ناس کرتے۔ در حقیقت اپنا ہی ناس کر لیا خود بھی تباہ اور برباد ہوئے اوروں کو بھی تباہ کیا باقی اسلام کی تو وہ شان ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ رہے گی ؎

ہنوز آں ابر رحمت در فشان است   خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کہتے ہیں کہ ہم قرآن و حدیث کو سمجھتے ہیں علماء نہیں سمجھتے اور اس زعم پر تحریف معنوی کرتے ہیں جس کا درجہ اہل بصیرت کی نظر میں وہی ہے جیسا ایک جاہل قرآن میں تحریف لفظی کیا کرتا تھا بلکہ اس سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ اس میں ایسا عام دھوکہ نہ تھا جیسا اس میں ہے۔ یہ جاہل ایک جلد سازنہ

تھا اس کی عادت تھی کہ جو کتاب جلد بندھنے کے لئے آتی اس میں اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ کمی بیشی ضرور کرتا کہیں سے کوئی عبارت کاٹ دی کہیں بڑھا دی ایک شخص قرآن شریف کی جلد بندھوانے کے گئے اور یہ کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تمہاری یہ عادت ہے اور یہ ہے قرآن پاک خدا کا کلام کہیں اس میں گڑبڑ نہ کر دینا کہنے لگا کہ اب تو وہ عادت چھوڑ دی ہے۔ اطمینان رکھو۔ وہ بیچارے قرآن شریف دے کر چلے گئے جو وعدہ جلد باندھ کر دینے کا کیا تھا اس وعدہ پر یہ پہنچے اور دریافت کیا کہ کہیں کچھ گڑبڑ تو نہیں کی کہا کہ نہیں کوئی ایسی زیادہ گڑبڑ نہیں کی لیکن بعض صریح غلطیوں کو دیکھ کر صبر نہ ہوا ان کی اصلاح بیشک ضرور کر دی۔ پوچھا کہ وہ صریح غلطی کہاں اور کیا تھیں۔ کہا کہ ایک جگہ تو یہ تھا عصیٰ آدم حالانکہ عصیٰ موسیٰ علیہ السلام کا تھا میں نے آدم کاٹ کر عصیٰ موسیٰ کر دیا۔ دوسری جگہ ایک مقام پر خر موسیٰ حالانکہ خر عیسےٰ تھا وہاں خر عیسےٰ بنا دیا۔ تیسری جگہ ایک مقام پر ولقد نادانا نوح حالانکہ نوح دانا تھے وہاں نا کاٹ کر ولقد دانا نوح بنا دیا اور ایک اہم اور عام غلطی تھی وہ یہ کہ جگہ جگہ قرآن پاک میں کہیں فرعون کہیں قارون کہیں ہامان۔ کہیں ابلیس کا نام تھا ایسے کفار اور ملعون کا اور شیطانوں کا قرآن پاک میں کیا کام وہاں میں نے اپنا اور تمہارا نام لکھ دیا ہے آن بیچاروں نے کہا کہ خدا تیرا ناس کرے تو نے میرے قرآن شریف ہی کی گت بنا دی۔ اسی طرح یہ لوگ تحریف کر کے اپنی آخرت کو خراب اور برباد کر رہے ہیں حق تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائیں۔

ملفوظ ۵۸۷: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ سنا ہے کہ جس دن رجب کی چوتھی تاریخ ہوتی ہے اسی دن رمضان شریف کی پہلی تاریخ ہوتی ہے۔ فرمایا کہ یہ اکثری ہے کلی نہیں۔ پھر رجب اور رمضان شریف ہی کی کچھ تخصیص نہیں سب مہینوں میں یہی بات ہے کہ مہینہ کی جس روز چوتھی ہو گئی اس سے تیسرے مہینہ کی اسی روز پہلی ہوگی۔ مثلاً محرم کی جس دن چوتھی ہوگی صفر کا مہینہ چھوڑ کر ربیع الاول کی اس دن پہلی ہوگی۔

ملفوظ ۵۸۸: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت رجب کے مہینہ میں اکثر ستائیس ۲۷ کا روزہ مشہور ہے فرمایا یہ سمجھ کر کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے نہ رکھے اگر ویسے ہی رکھ لے تو کوئی حرج نہیں لیکن اس کے روزہ سے کوئی استدلال کرنے لگے اس کو دیکھ لیا جاوے اس کے بعد بعض روایات ضعیفہ میں نظر سے گذرا جس سے فضائل اعمال میں گنجائش ہو سکتی ہے۔

ملفوظ ۵۸۹: فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں حضور سے مرید ہونا چاہتا ہوں اور اشتیاق کا اس قدر غلبہ ہے کہ شب و روز تڑپتا ہوں کہ جس طرح بھی ہو بیعت ہو جاؤں اگر حضور نے مرید نہ کیا تو مثل ماہی بے آب کے تڑپ کر جان نکل جائے گی۔ میں نے جواب میں لکھ دیا ہے کہ دھمکانے سے کوئی مرید نہیں کرتا۔ اس پر فرمایا کہ نہ کچھ اصول ہیں نہ کوئی قاعدہ دھمکی دیتے ہیں اس

کی تو بالکل ایسی مثال ہوئی ایک شخص کہتا ہے کہ اپنا فلاں مکان میرے نام رجسٹری کردو ورنہ تڑپ کر مر جاؤنگا کیا رجسٹری کرانے کا یہی طریقہ ہے آدمی کی طرح اگر مانگو تو شاید رجسٹری بھی ہو جائے۔

ملفوظ ۵۹۰ ایک صاحب نے جوابی لفافہ پر اپنا پتہ نہ لکھا تھا بلا پتہ لکھا ہوا لفافہ جوابی اندر سے نکلا حضرت والا کو اُن کے خط میں سے پتہ کاٹ کر اس لفافہ پر چسپاں کرنے کی زحمت ہوئی یہ اس لئے کہ حضرت والا کا بہت سی مصلحتوں سے یہ معمول ہے کہ کاتب خط ہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا پتہ کاٹ کر لفافہ پر چسپاں فرما دیتے ہیں۔ اس خیال سے بھی ایسا کیا جاتا ہے کہ پہونچنے نہ پہونچنے کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ میں تو ایسوں کی بھی رعایت کرتا ہوں جو ضابطہ سے میرے تابع ہیں اور تعجب ہے کہ یہ لوگ ایسے شخص کی بھی رعایت نہ کریں جو ضابطہ سے اُن کا تابع نہیں اگر اپنے ہاتھ سے لفافہ پر اپنا پتہ لکھ دیتے تو ان کا کیا حرج ہوتا۔ یہ لوگ تو غالباً جواب کے لئے لفافہ اور ٹکٹ بھیج دینے کو بھی سمجھتے ہوں گے کہ ہم نے بڑا احسان کیا ورنہ یہ بھی ملاؤں ہی کے ذمہ تھا۔ کچھ نہیں دنیا سے عقل اور فہم ہی گم ہو گئے دونوں چیزوں کا قحط ہے کتنا بڑا ظلم ہے کہ کام بھی لیتے ہیں اور ستاتے بھی ہیں اور اگر اس رنگ کا ایک دو ہو تو اصلاح بھی ہو جائے مگر عالم کا عالم بدفہمی پر متفق ہو گیا۔

ملفوظ ۵۹۱ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہمیں تو اس پر فخر ہے کہ مسلمانوں کے برابر کوئی بھی عاقل نہیں گو بعضے بھولے ہیں یعنی چالاک نہیں مکار نہیں عاقل ہونا اور بات ہے چالاک ہونا اور بات ہے جو اس کی حقیقت نہیں جانتے انہوں نے ایک طاغوت کو مشہور کیا ہے کہ بڑا عاقل ہے مگر عقل کی تو اس کو ہوا بھی نہیں لگی ہاں چالاک ہے۔ دونوں میں فرق کی سہل دلیل قرآن پاک میں ہے جس میں عورتوں کے بارہ میں ان کیدکن عظیم فرمایا۔ باوجود اس کے کہ حدیث میں ان کو ناقص العقل کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ چالاکی اور کید کا عقل سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک مولوی صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ حدیث شریف میں مومن کی مدح آئی ہے المومن غر کریم۔ میں نے کہا کہ حدیث میں احمق ہونے کی مدح نہیں آئی اگر یہ معنی ہوتے تو قرآن شریف میں جا بجا ارشاد ہے۔ ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون۔ لقوم یعقلون۔ عاقل ہونے کی مدح کیوں فرمائی جاتی۔

ملفوظ ۵۹۲ ایک شخص نے ایک پرچہ پیش کیا حضرت والا نے ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ اس پرچہ میں تو یہ لکھا ہے کہ پانی پڑھ کر جو دیا تھا اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میں نے پانی پڑھ کر دیتے وقت کب کہا تھا کہ نفع ضرور ہی ہوگا اور میں نفع کا ذمہ دار بھی ہوں۔ خدا معلوم لوگ ہم لوگوں کو ٹھیکیدار سمجھتے ہیں۔ عرض کیا کہ حضرت معاف فرمائیں اور پانی پڑھ دیں۔ فرمایا کہ معاف ہے لیکن معاف کرنے کے یہ معنی تھوڑا ہی ہیں کہ کام بھی کر دوں چاؤ اب دل برا کر دیا اب کام نہ ہوگا جب

آدمی بن کر آؤ گے اور ستاؤ گے نہیں اس وقت کام ہوگا۔ جب کہیں جایا کرتے ہیں آدمی بن کر جایا کرتے ہیں۔ جانور بن کر نہیں جایا کرتے۔

ملفوظ ۵۹۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ تہذیب دنیا سے بالکل گم ہی ہوگئی جو لکھے پڑھے نہیں اُن کی تو کیا شکایت کی جائے جو لکھے پڑھے ہیں اور بڑے عقلاء کہلاتے ہیں اُن کی یہ حالت ہے کہ جو منہ میں آیا بک دیا جو قلم میں آیا لکھ دیا۔ اس سے کوئی بحث نہیں کہ دوسرے کو اس سے تکلیف ہوگی اور غضب یہ ہے کہ مشائخ بھی اس کی تعلیم نہیں کرتے صرف وظائف بتلا دیتے ہیں اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ اور حضرات تو بزرگی سکھاتے ہیں اور میں آدمیت سکھاتا ہوں۔

ملفوظ ۵۹۴: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آج کل عقلمندی نام رکھا ہے کمانے کھانے کا جو کما کھالے وہ عقلمند ہے لیکن کما کھا تو جانور بھی لیتے ہیں۔ پیٹ بھی بھر لیتے ہیں کیا یہ کوئی انسانیت ہے اس کے متعلق غالباً مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے ؎

آدمیت لحم و شحم و پوست نیست ۔ آدمیت جز رضائے دوست نیست

ملفوظ ۵۹۵: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ڈاکخانہ کے سود کے متعلق شرعی حکم کیا ہے اس کو کیا کرنا چاہیئے فرمایا کہ یہ بات مجلس میں پوچھنے کی نہیں۔ مجلس میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں ممکن ہے کہ بعض کی سمجھ میں نہ آئے اور حدود سے گذر کر کیا گڑبڑ شروع کردے اور ہر بات ہر شخص کی سمجھ میں آنا مشکل ہوتی ہے۔ یہ سب بے فکر تجربے ہیں۔ ہر بات کا موقع اور محل ہوتا ہے اس طرح پر ہر بات نہیں پوچھا کرتے موقع اور محل دیکھ کر پوچھا کرتے ہیں۔ اس کو خط سے پوچھ لینا۔

ملفوظ ۵۹۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ رسم و رواج بھی کیا بُری چیز ہے۔ بڑے بڑے لکھے پڑھے اور عقلا تک کو ان میں ابتلا ہو جاتا ہے اور بوجہ عموم بلوی کے بہت لوگ اس کے خلاف پر اپنے اندر ہمت نہیں پاتے مگر ہے بُری کمزوری کی بات۔ ہمت اور قوت سے مقابلہ کرنا چاہیئے بدون اس کے ان کا بند ہونا صرف مشکل ہی نہیں بلکہ عادۃً محال ہے۔ امیر شاہ خانصاحب فرماتے تھے وہ بڑے بڑے ثقہ بزرگوں سے ملے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان میں جو ہندوستان بھر میں بہت ہی بڑا علمی خاندان مشہور ہے بعض رسمیں تھیں۔ مثلاً بجائے السلام علیکم کے آداب بجا لانے کی رسم تھی۔ یہ شاہ صاحب کو ناپسند تھا مگر غلبہ رسم سے شاید قبول کرنے کی توقع کم ہوگی اس تشدد کی نوبت نہیں آئی۔ جب حضرت سید صاحب آپ کی خدمت میں تشریف لائے ہیں انہوں نے آکر فرمایا کہ السلام علیکم۔ پوچھا کون صاحب آئے جنہوں نے سنت کا احیاء کیا اُس وقت السلام علیکم کا اہتمام کیا گیا مگر اکثر جگہ عورتوں میں اب بھی اسی قسم کا رواج ہے بجائے سلام کے ماتھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اُدھر سے جواب ملا جیتی رہو بچے جیتے رہیں ٹھنڈی سہاگن رہو اور جو ذرا لکھی پڑھی ہوئیں تو صرف لفظ سلام

کہدیا مگر چند روز سے یہاں بحمد اللہ اس قصبہ میں عورتیں ہیں۔ بھی آپس میں السلام علیکم کا رواج ہو گیا ہے سنت کے احیاء پر حدیث شریف میں سو شہیدوں کا ثواب ملنا وارد ہے۔

ملفوظ ۹۷ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بہشتی زیور سے رسم ورواج کی جس قدر اصلاح ہوئی ہے وہ قابل مسرت ہے۔ فرمایا اسی واسطے بہشتی زیور کو بعض مقامات پر جلایا گیا اور مجھ کو اطلاع دی گئی۔ میں نے کہا کہ میرا کیا نقصان ہوا بلکہ تاجروں کا بھی نقصان نہیں ہوا اس لئے کہ وہ بھی فروخت کر چکے تھے اب تو نقصان اُن کا ہوا جن کی وہ ملک میں تھے۔ نواب پالن پور نے بھی لوگوں نے ریاست میں بہشتی زیور کے داخلہ کی ممانعت کا حکم جاری کرایا تھا۔ جودھپور میں مجھ سے ایک صاحب ملے جو ریاست پالن پور کے وکیل تھے وہ کہتے تھے کہ میں نے نواب پالن پور سے خود پوچھا کہ یہ آپ نے بہشتی زیور کے متعلق ایسا کیوں کیا کہ حدود ریاست میں داخلہ بند کر دیا۔ نواب پالن پور نے جواب میں کہا کہ ان جاہلوں کا کیا علاج کرتا آخر ان کے فتنوں کو بھی کسی طرح فرو کرتا۔ یہ حقیقت تھی اس حکم کی مگر اس کے بعد پھر پہلے سے زیادہ لوگوں نے خریدا اور پڑھا۔ اس کی مقبولیت عامہ کے متعلق ایک واقعہ یاد آیا بھائی اکبر علی مرحوم ایک دفعہ ریل کے سکنڈ کے درجہ میں سفر کر رہے تھے اتفاق سے ایک طوائف بھی اُسی درجہ میں سفر کر رہی تھی جو اُسی راجہ کے یہاں ایک تقریب میں رقص وسرود کے لئے جا رہی تھی اُس نے اُن سے ان کا نام ونشان پوچھا اس کے جواب میں جب اُس نے تھانہ بھون کا نام سُنا اُس نے میرا نام لے کر پوچھا کہ تم اشرف علی کو بھی جانتے ہو اُنہوں نے کہا کہ میں ان کا بھائی ہوں یہ سن کر نیچے اتر کر بھائی مرحوم کے قدموں پر سر رکھدیا اور یہ کہا کہ مجھ کو ان کی زیارت کی بڑی تمنا ہے۔ ان کی بہشتی زیور کتاب میرے پاس ہے اس کو میں پڑھا کرتی ہوں۔ خیر ان کی زیارت نصیب نہ ہوئی تو ان کے بھائی کی زیارت خوش قسمتی سے ہو گئی۔ بھائی مرحوم نے کہا کہ جب تم کو اُن سے اس قدر عقیدت ہے اور بہشتی زیور پڑھتی ہو پھر بھی اس رقص وسرود کے پیشے کو نہیں چھوڑتی ہو۔ کہنے لگی کہ مجھ کو اس سے سخت نفرت ہے اب عنقریب چھوڑنے والی ہوں۔ یہ کہہ کر بھائی مرحوم سے کہا کہ میرے پاس کچھ کھانا ہے اس میں سے اگر آپ ذرا سا کھالیں تو میرا دل خوش ہو جائے گا۔ بھائی مرحوم کہتے تھے کہ جی تو گوارا نہ کرتا تھا مگر اس کی حالت اور خلوص کو دیکھ کر دو لقمے میں نے کھا ہی لئے اللہ تعالیٰ معاف فرماوے۔ تو حضرت اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے بہشتی زیور کا نفع عام ہے بلکہ علاوہ دین کے اس کے نسخوں سے دنیوی فوائد لوگوں کو بہت ہوئے۔ ایک جنٹلمین بھاگل پور میں مجھ سے ملے۔ بڑی محبت سے پیش آئے بڑا ادب کیا مجھ کو تعجب ہوا کہ یہ اس قدر گرویدہ کیوں ہیں کہنے لگے میں آپ کا شاگرد ہوں۔ میں نے کہا کہ میں نے آپ کو کب پڑھایا اور کہاں پڑھایا کہنے لگے کہ میں انگریزی پڑھ کر ریلوے میں ملازم ہو گیا لیکن مجھ کو انگریزی اور انگریزی ملازمت سے سخت نفرت تھی مجھ کو

کو تجارت کی لائن میں کام کرنے کا شوق پیدا ہوا اور تمباکو کی تجارت کا خیال ہوا اس لئے خمیرہ تمباکو کے نسخہ کی تلاش ہوئی مگر نسخہ کوئی نہ بتلاتا تھا۔ میں نے اس کا نسخہ بہشتی زیور میں دیکھا اور تمباکو فروخت کرنا شروع کیا۔ بحمد نفع اٹھایا اس سلسلہ سے میں آپ کا شاگرد ہوں اسی طرح اس میں طبی نسخے حکیم محمد مصطفےٰ صاحب کے لکھے ہوئے ہیں مجھ کو اطباء سے معلوم ہوا کہ وہ خاص نسخے بیاضی نسخے ہیں۔ اور یہ حکیم صاحب کی سخاوت ہے کہ جن چیزوں کو مخلوق چھپاتی پھرتی ہے انہوں نے مخلوق کے فائدہ کے لئے عام کر دیا۔ اپنا اپنا مذاق ہے۔ اس کے مقابلہ میں دوسرے فائدہ کا ذکر کرتا ہوں جو بعضوں نے میری تالیفات سے حاصل کیا وہ یہ کہ جیسے ایک شخص کا قول سنا ہے کہتے تھے کہ صاحب اصلاح الرسوم سے ہم کو بڑا فائدہ ہوا۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا ؟ کہا کہ بہت سی رسمیں ہم کو خود معلوم نہ تھیں وقت پر عورتوں سے پوچھنا پڑتا تھا اب جب ضرورت ہوتی ہے اصلاح الرسوم میں دیکھ کر پوری کر لیتے ہیں۔ اس بندۂ خدا سے کوئی پوچھے کہ کیا اصلاح الرسوم میں رسوم کا جمع کرنا اس لئے تھا کہ کتاب میں دیکھ دیکھ کر ان کو کیا کرو۔ مگر اس شخص نے اس سے یہ نتیجہ نکالا۔

ملفوظ ۵۹۸ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں معترض کا کبھی جواب نہیں دیتا کہہ دیتا ہوں کہ جو کام ہم سے ہو سکا ہم نے کر دیا اب جو تم سے ہو سکے کرو یہ کیا ضروری ہے کہ سارا کام ایک ہی کے ذمہ رکھا جائے۔ بعض لوگ تصانیف کے متعلق مشورہ دیا کرتے ہیں کہ اس میں فلاں کمی رہ گئی میں کہہ دیتا ہوں کہ تم پورا کر دو اس سے زیادہ قیل و قال میں مثلاً یہ دعویٰ کروں کہ نہیں یہ کام پورا ہے اس میں کمی نہیں فضول وقت صرف ہوتا ہے اور آدمی ضروری کاموں سے رہ جاتا ہے اپنے بزرگوں کا یہی مسلک اور مشرب تھا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ کبھی قیل و قال میں نہ پڑنا اگر کوئی معترض ہو سب رطب و یابس اس کے حوالے کر کے الگ ہو جانا اور کسی ضروری کام میں لگ جانا۔ یہ طریق مجھ کو نہایت ہی پسند ہے اور اس سے بحمد نفع ہوا ورنہ بہت سے ضروری کام رہ جاتے۔ اللہ کا شکر ہے کہ انہوں نے ہمیشہ فضول اور عبث سے محفوظ رکھا۔

ملفوظ ۵۹۹ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ دعا اور التجاء اور توبہ تو بالکل ہی متروک ہو گئیں۔ دنیا دار تو کیا دیندار میں بھی یہ چیزیں نہیں رہیں۔ کچھ لوگوں میں خشکی اور افسردگی سی آ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کام میں برکت و حلاوت نہیں معلوم ہوتی ہر چیز میں روکھا پن سا معلوم ہوتا ہے یہ دو چیزیں دعا اور توبہ حقیقت میں مصائب و شرور کے مقابلہ میں ڈھال اور ہتھیار ہیں مگر ان ہی سے لوگوں کو غفلت ہے البتہ جب کوئی مصیبت سر ہی پر آ پڑتی ہے اس وقت ہوش آتا ہے پھر تو وہی حالت ہوتی ہے جیسے ایک شخص گھوڑا خریدنے بازار جا رہا تھا ایک ملنے والے راستہ میں مل گئے انہوں نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو کہا کہ گھوڑا خریدنے جا رہا ہوں انہوں نے کہا کہ میاں انشاء اللہ تعالیٰ تو کہہ لیا ہوتا کہنے لگے کہ اس میں

اللہ کے چاہنے کی کون بات ہے روپیہ میرے پاس موجود، گھوڑے بازار میں۔ میں جاؤں گا خرید لاؤں گا بیچارے خاموش ہوگئے۔ بازار پہنچے۔ گھوڑا پسند کر کے سودا کیا طے ہو جانے کے بعد روپیہ دینے کے لئے جیب پر ہاتھ ڈالا وہاں پہلے ہی کسی گرہ کٹ نے جیب اڑالی تھی۔ خالی ہاتھ ہلاتے آرہے تھے وہی شخص پھر ملے پوچھا کہو بھائی گھوڑا خرید لائے تو کہتے ہیں کیا بتلاؤں انشاء اللہ میں بازار پہنچا۔ انشاء اللہ گھوڑا پسند کیا۔ انشاء اللہ سودا طے ہوا۔ انشاء اللہ روپیہ دینے کے لئے جیب پر ہاتھ ڈالا۔ انشاء اللہ کسی گرہ کٹ نے جیب کاٹ کر روپیہ اڑالیا انشاء اللہ گھوڑا نہ خرید سکا انشاء اللہ

اب موقع بے موقع انشاء اللہ ہو رہا ہے۔ انشاء اللہ مستقبل پر ہوتا ہے ماضی پر تھوڑا ہی ہوتا ہے مگر وہ ماضی پر بھی انشاء اللہ بول رہے ہیں۔ بس اسی طرح جب مصیبت سر پر آپڑتی ہے اس وقت پھر توبہ بھی ہے دعاء بھی ہے الحاح اور زاری بھی ہے اللہ اللہ بھی ہے مگر حالت فراغ اور حالت صحت میں ان چیزوں کی طرف مطلق التفات نہیں۔

ملفوظ ۲۸: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ طاعت بڑی چیز ہے اس کے آثار چہرہ تک پر ظاہر ہونے لگتے ہیں اس سے ایک قسم کی ملاحت اور نور پیدا ہو جاتا ہے اور یہ حالت ہوتی ہے ؎

نورِ حق ظاہر بود اندر ولی

نیک بین باشی اگر اہل دلی

خوب ترجمہ کیا ہے ؎

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور

کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ بخلاف نافرمانی کے کہ اس سے چہرہ پر ظلمت اور وحشت برسنے لگتی ہے ظاہری حسن اور جمال کو بھی خاک میں ملا دیتی ہے اور باطن کو اس قدر خراب اور برباد کرتی ہے کہ قریب قریب باطن تو مردہ ہی ہو جاتا ہے حدیث میں ہے کہ معصیت سے دل پر ایک سیاہ دھبہ پیدا ہوتا ہے اگر توبہ نہ کی تو وہ بڑھنا شروع ہو جاتا ہے حتیٰ کہ سارے قلب کو گھیر لیتا ہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

ہر گناہ زنگے است بر مرآۃ دل

دل شود زیں زنگ ہا خوار و خجل

چوں زیادت گشت دل را تیرگی

نفس دوں را بیش گردد خیرگی

ـــ٭٭٭ـــ

۵ رجب المرجب سنہ ۱۳۵۱ ہجری

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

ملفوظ ۶۰۱: (ملقب بہ تادیب الطالب) ایک نو وارد صاحب حاضر ہوئے سلام کیا حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ میں نے آپ کو پہچانا نہیں آپ اپنا ضروری تعارف کرا دیجئے کیا نام ہے کہاں سے آئے کیا کام کرتے ہیں۔ آنے کی غرض کیا ہے۔ عرض کیا کہ فلاں نام ہے فلاں مقام سے حاضر ہوا۔ زراعت کا کام کرتا ہوں۔ مرید ہونے کی غرض سے آیا ہوں۔ دریافت فرمایا کہ قیام کتنا ہوگا۔ عرض کیا جب میرا کام ہو جائے گا واپس ہو جاؤں گا۔ فرمایا کہ یہ تو میرے سوال کا جواب نہیں کام تو طے نہیں نہ معلوم کام سال میں ہو دس سال میں ہو اور تمام عمر بھی نہ ہو اس لئے کہ ہر کام کے کچھ شرائط ہوتے ہیں جن کے پورا ہونے کا کوئی اندازہ نہیں تو پھر آپ نے یہ حساب کیسے لگایا کہ جاؤں گا مرید ہو جاؤں گا۔ دوسرے اس جواب سے مجھ پر بوجھ رکھا گیا کہ بیچارے محبوس ہیں ان کو جلد فارغ کرو اور خود آزاد ہیں کہ بے فکر ہو گئے کہ دوسرا خود میری رخصت کی فکر کرے گا کیا یہی تہذیب ہے۔ پھر دریافت فرمایا کہ کیا اس سے قبل آپ نے کوئی خط میرے پاس بھیجا ہے۔ عرض کیا کہ اس سلسلہ میں تو کوئی خط نہیں بھیجا۔ پوچھا اور کس سلسلہ میں بھیجا تھا اور کتنا عرصہ ہوا۔ عرض کیا کہ تین سال کا عرصہ ہوا ایک خط میں نے اپنے عقائد کے متعلق ارسال خدمت کیا تھا پوچھا وہ خط آپ کے پاس ہے۔ عرض کیا کہ مکان پر بھول آیا ہوں۔ پوچھا کہ میں نے جو اس کا جواب لکھا تھا کیا اس کا کچھ خلاصہ یاد ہے۔ عرض کیا کہ حضرت نے جواب بذریعہ تحریر فرمایا تھا کہ ایسے مضمون کے لئے کارڈ کافی نہیں۔ پوچھا پھر اس پر آپ نے بذریعہ لفافہ کچھ لکھا۔ عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا کہ تم کو چاہئے تھا کہ پہلے خط کے ذریعہ سے مشورہ کر لیتے پھر بعد اجازت آتے۔ نیز جس مقصد کے لئے آپ سفر کر کے آئے ہیں یہ کام تو خط و کتابت سے بھی ہو سکتا تھا میں یہ عرض کرتا ہوں کہ خرچ آپ لوگوں کا ہوتا ہے اور اثر مجھ پر ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے پاس پیسہ ہے کہاں جو اس طرح سے بے سوچے خرچ کیا جائے اب بھی سہل اور اسلم صورت یہی ہے کہ آپ وطن پہنچ کر اس باب میں خط و کتابت کریں میں انشاء اللہ تعالیٰ جو مناسب ہوگا جواب دوں گا اس وقت وہ کام نہ ہوگا اب اس سن لینے کے بعد جو رائے قیام کے متعلق ہوئی ہو اس سے مجھے مطلع کر دیا جائے۔ عرض کیا کہ آج شب کو واپس ہو جاؤں گا۔ فرمایا کہ بہت اچھا۔ پھر دریافت فرمایا کہ یہ بات طے ہو گئی۔ اس کے علاوہ تو کچھ اور

کہنا نہیں۔ میں ڈاک کا کام شروع کرتا ہوں۔ عرض کیا کہ ایک تعویذ دیدیجئے۔ فرمایا کہ گھر سے تو دین کی نیت کر کے چلے یعنی بیعت ہونے اور اس میں دنیا کو ٹھونس دیا۔ عرض کیا کہ دین ہی کے لئے ضرورت ہے دریافت فرمایا کہ دین کا کونسا کام تعویذ پر موقوف ہے۔ عرض کیا کہ ایسے تعویذ کی ضرورت ہے کہ جس سے اعمال میں خلوص اور شوق پیدا ہو۔ فرمایا کہ اگر تعویذ ایسے کام دیا کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابو جہل کو ایک تعویذ لکھ کر اور گھول کر پلا دیتے وہ مسلمان ہو جاتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بالکل بے خبر ہیں آج تک آپ کو اہل اللہ کی صحبت ہی میسر نہیں آئی۔ بالکل کورے ہو۔ عرض کیا کہ غلطی سے تعویذ کا نام زبان سے نکل گیا مقصود عمل پوچھنا چاہتا تھا فرمایا کہ وہ تو زبان سے نکل گیا تھا اور جو دل سے نکلا ہے یہ اس سے بھی بُرا نکلا اور یہ تاویل تو پورا جہل ہے کیونکہ عمل اور تعویذ دونوں ایک ہی چیز ہیں اس لئے یہ بات اُس سے بڑھ کر واہیات کہی جس سے آپ نے اپنے جہل پر پورے طور پر مطلع کر دیا۔ کل کو طبیب سے کہئے گا کہ حکیم جی نسخہ وغیرہ کو رہنے دیجئے کوئی عمل یا تعویذ ایسا لکھ دیا جائے جس سے مادۂ فاسدہ خارج ہو جائے۔ اور معدہ صاف ہو جائے جس سے میں تندرست ہو جاؤں۔ بلکہ وہاں ایسا کہنا زیادہ بعید نہیں اس لئے کہ نفس میں جو مادہ ہے وہ سخت درسخت ہے اور معدہ میں اس قدر سختی نہیں اس لئے معدہ کا تعویذ سے علاج کرانا نفس کے علاج کرانے سے زیادہ بعید نہیں مگر پھر بھی کیا ایسا کہنے کو کوئی عاقل یا وہ طبیب جس سے درخواست کی جائے معقول سمجھے گا سو یہاں تو زیادہ نامعقول ہے میاں تدابیر اور اصلاح سے کام چلتا ہے۔ کہیں تعویذ گنڈوں سے بھی دین درست ہوتا ہے تمہارے تو عقائد بھی درست نہیں ڈھل مُل معلوم ہوتے ہو پھر ایسی حالت میں مرید ہونا چاہتے تھے۔ آپ تو بالکل بے خبر اور ناواقف ہیں۔ کیا آپ نے میری کچھ کتابیں بھی دیکھی ہیں یا نہیں۔ عرض کیا کہ دیکھی ہیں۔ دریافت فرمایا کہ کون کون۔ عرض کیا تعلیم الدین وغیرہ۔ فرمایا کہ وغیرہ کا کچھ نام نہیں۔ کیا میرے مواعظ بھی دیکھے ہیں۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا کہ خیر جو کچھ بھی دیکھیں اُن کے دیکھنے پر۔ آپ کی معلومات کی یہ کیفیت ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سمجھ کر ایک کتاب بھی نہیں پڑھی جس سے بے فکری کے مرض کا پتہ چلتا ہے اور اگر سمجھ کر پڑھی ہیں تو اس سے آپ کے فہم کا اندازہ ہوتا ہے کہ فہم سے بالکل کورے ہو۔ اب میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ میرے مواعظ دیکھیں اور دیکھ لینے کے بعد مجھ کو اطلاع دیں اس سے قبل کوئی خط آپ مجھ کو نہ لکھیں اور یہ بھی لکھیں کہ وعظوں کے دیکھنے سے مجھ کو یہ نفع ہوا یا نہیں ہوا اور جو وعظ دیکھے جائیں اُن کے نام بھی لکھیں کہ کون کون دیکھے فرمائے اس سے پہلے تو آپ کوئی خط مجھ کو نہ لکھیں گے۔ عرض کیا نہیں۔ مگر وعظ میرے پاس نہیں فرمایا کہ خرید و یا کسی سے عاریت لو۔ عرض کیا کہ جی ایسا ہو سکتا ہے فرمایا کہ ایسا صرف ہو سکتا ہے مگر ارادہ نہیں۔ عرض کیا کہ ارادہ ہے۔ فرمایا کہ پھر یہ انگریزی محاورات کیوں بولتے ہو۔ پھر دریافت فرمایا کہ آپ کچھ لکھے پڑھے ہیں۔ عرض کیا کہ انگریزی پڑھی ہے فرمایا کہ یہ ساری خرابی اس انگریزی ہی منحوس کی ہے اس سے فہم مسخ ہو جاتا ہے اور پھر اس پر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سب میں زیادہ فہیم اور عاقل ہیں ابھی تو

آپ کو اپنے عقائد ہی درست کرنے کی ضرورت ہے۔ جب اس جہل سے نجات ہو جائے۔ تب کہیں مرید ہونے کا نام لیجئے گا۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا بلا وضوء نماز ہو سکتی ہے۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا کہ یہ اس طریق کا وضوء اور غسل ہے کہ پہلے عقائد و اعمال ظاہری درست کیے جائیں اس لئے پہلے اس کے غسل کی فکر کیجئے اس سے فارغ ہو کر تب مرید ہونے کا نام لیجئے۔ ایسا ہوتے ہوئے آپ نے کیسے حساب لگا لیا تھا کہ جاؤں گا مرید ہو جاؤں گا اور میرے ملفوظ وعظ دیکھ کر یہ بھی لکھیے کہ عقائد کی کیا غلطیاں نکلیں اور اعمال کی کیا صورت اور حالت ہے اس سے قبل مجھ سے ہرگز خط و کتابت نہ کیجئے گا۔ فرمایا کہ یہ سب رسمی جاہل دکاندار پیروں کے بگاڑے ہوئے ہیں۔ جہاں کوئی پھنسا جھٹ مرید کر لیا کہ کہیں شکار ہاتھ سے نہ نکل جائے نہ آنے والے کی عقائد کی خبر نہ اعمال کی خبر نہ ایمان کی خبر ان پیروں کے یہاں خرابیاں ہی خرابیاں بے حد و حساب خرابیاں ہو رہی ہیں ان کے یہاں بلا غسل اور وضوء کے نماز جائز۔ بلا احرام کے حج جائز۔ ان دکانداروں کی عجیب عجیب باتیں ہوتی ہیں ایک طرف تو بیوی بچوں کے مسنون تعلق سے بھی تصوف ختم ہو جاتا ہے اور دوسری طرف بت پرستی بھی تصوف کی مانع نہیں۔

(تمت تادیب الطالبین)

ملفوظ ۶۰۳ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت فلاں جماعت کے لوگ حضرات دیوبندیوں کو ایسا ایسا فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ وہ تو فرماتے ہوں گے یا نہ فرماتے ہوں گے اور نہ ان کے فرمانے کی خبر ہوتی لیکن اصل تکلیف کے سبب تو آپ ہیں کہ تم کو محبت کا تو دعویٰ اور پھر دوسروں کے اقوال بیان کر کر کے تکلیف پہنچاؤ۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک دشمن نے پشت کی طرف سے تیر مارا تھا اور وہ نہیں لگا زمین پر گر گیا کسی دوست نے وہ تیر اٹھا کر اس کو چبھو کر کہا کہ دیکھو فلاں دشمن نے تمہارے یہ تیر مارا تھا تو دشمن تو سبب تکلیف کا نہ ہوا مگر دوست تکلیف کا سبب ہوا بالکل اس وقت آپ کی یہی مثال ہوئی۔ بھلا تم کو اس بیہودہ اور فضول کلام کی ضرورت ہی کیا تھی کیا تم اخبار کے ایڈیٹر ہو یا دنیا کی خبریں آپ ہی ٹائپ ہوتی ہیں اور آپ ان کو مشتہر کرتے پھرتے ہیں۔ مجھ کو آپ کے اس وقت کے بیہودہ کلام گوئی سے سخت اذیت پہنچی۔ یک نہ شد دو شد ایک بدفہمی سے فراغ ہوا بھی نہ تھا کہ آپ کو جوش اٹھ کھڑا ہوا۔ میں اسی واسطے نئے آنے والوں کے لئے مکاتبت و مخاطبت کو پسند نہیں کرتا اور جب کسی کے ساتھ رعایت کا برتاؤ کرتا ہوں یہی نتیجہ نکلتا ہے ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح ایک شخص نے کسی مخالف کا قول نقل کیا کہ حضرت فلاں شخص آپ کی نسبت یہ کہتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ شخص بہت اچھا ہے اس نے اتنا تو لحاظ کیا کہ منہ پر نہیں کہا اور تو اس قدر بد لحاظ نکلا کہ منہ پر کہہ رہا ہے اس وقت وہ شخص مارے ندامت اور مارے شرمندگی کے پانی پانی ہو گیا اور اس کو کبھی چغلخوری کی ہمت نہیں ہوئی حوصلہ پست ہو گیا یہ بھی ایک بڑا مرض ہے کہ دوسروں کے اقوال افعال کے جھگڑے لئے پھرتے ہیں اور اپنی خبر لو دوسروں کے تو صرف تنکیاں کھٹک رہی ہیں اس پر اعتراض ہے اور اپنے گٹھڑے پڑے رہے اُن

کی بھی فکر نہیں انسان کو اپنی فکر ضروری ہے جب اس سے فراغ ہو جائے اس وقت دوسرے کی فکر میں لگے اور ایسا فراغ قبل از موت نصیب نہ ہوگا جس کا حاصل یہ ہے کہ جس کو اپنی فکر ہوگی وہ ساری عمر بھی دوسروں کی حکایت شکایت اور قصوں جھگڑوں میں نہ پڑے گا۔ کام کرنے والوں کا تو یہ مذہب اور مشرب ہوتا ہے ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

حضرات صحابہ کرام بھلا ان قصوں جھگڑوں میں تو کیا اپنا وقت خراب کرتے جن چیزوں کو آج کل کے خواص تک علوم مقصودہ سمجھتے ہیں۔ مسئلہ تقدیر ہے یا ذات صفات پر بحث ہے ان چیزوں کے متعلق اُن حضرات کا حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہ دریافت کرنا اس امر کو صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ سب باتیں بھی زائد از ضرورت ہیں۔ کام کرنے والے کے نزدیک ان میں پڑنا بھی اپنا وقت ضائع کرنا ہے۔ ضروری کاموں میں لگو کیوں اپنے وقت کی بے قدری کرتے ہو وہ وقت قریب ہے کہ اس پر پچھتاؤ گے اس لئے اُس وقت کے آنے سے پہلے اپنے اعمال کا محاسبہ کر لو اور خدا کے راضی کرنے کی فکر کرو حق تعالیٰ سب کو فہم سلیم عطا فرمائیں۔

۶ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم یکشنبہ

ملفوظ ۶۰۳: فرمایا کہ رنگون سے ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ دیوبند سے فلاں مولوی صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں جن سے لوگوں کو بےحد نفع ہوا اور نفع ہونے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ انہوں نے کسی سے کچھ لیا نہیں۔ لوگ خلوص اور محبت سے خدمت کرنا چاہتے تھے لیکن قبول نہیں کیا اس سے لوگوں پر زیادہ اثر ہوا۔ ماشاء اللہ اگر سب علماء ایسے ہی ہو جائیں تو لوگوں کے قلوب میں علم دین اور اہل دین کی کس قدر عظمت اور محبت پیدا ہو جائے۔ معلوم ہوا جو شخص خدمت کرنا چاہتا صاف جواب دیدیتے کہ مجھ کو اللہ نے بقدر ضرورت دیا ہے اگر تم لوگوں کا جی چاہے تو مدرسہ دیوبند میں بھیجدو۔ لکھا ہے کہ قریب چھ ساڑھے چھ ہزار مدرسہ کے لئے ہو گیا۔ فرمایا کہ اگر استغنا خلوص سے ہو اس کا قلوب پر ضرور اثر ہوتا ہے جی چاہتا ہے کہ تمام اہل علم اسی شان کے ہوں۔ مگر یہ بات اس وقت اہل علم میں ہے نہیں۔ ہے افسوس کی بات رڑکی میں جس وقت دیانند سرستی نے اعلان کیا کہ میں تو مولوی کاسم (حضرت مولانا محمد قاسم صاحب) ہی سے مناظرہ کروں گا اور یہ اعلان اُس کا اس خیال سے تھا کہ اس کو یہ معلوم ہو گیا

تھا کہ مولانا اس وقت ضیق النفس کے عارضہ میں مبتلا ہیں جس سے بات کرنا مشکل ہے وہ تشریف نہیں لا سکتے لوگوں نے حضرت مولانا کو اطلاع دی۔ حضرت اسی حالت میں چل کھڑے ہوئے خدام نے کہا بھی کہ حضرت کی طبیعت اچھی نہیں ایسی حالت میں سفر کرنا مناسب نہیں۔ فرمایا کہ میرا نام لے کر اعلان کرتا ہے بڑی غیرت کی بات ہے کہ میں نہ جاؤں ضرور جاؤں گا۔ ایک مجمع ساتھ ہو گیا حضرت مولانا نے ساتھیوں سے فرمایا کہ دیکھو بھائی میں وہاں نہ خود کسی کے یہاں کھاؤں گا اور نہ کسی کو کھانے دوں گا اپنا اپنا کھانا ہوگا وہاں پر بازار موجود ہے۔ غرضکہ حضرت روڑکی پہونچے۔ پنڈت جی کو معلوم ہوا کہ مولانا تشریف لے آئے ہیں اس کے ہوش وحواس گم ہو گئے۔ بڑی کوشش کی گئی مگر مقابلہ پر نہیں آیا۔ اس زمانہ میں وہاں پر ایک انگریز جنٹ تھا اس کے ایک مسلمان پیشکار تھے انہوں نے جنٹ سے ذکر کیا کہ مولانا تشریف لائے ہوئے ہیں اس نے کہا کہ ایسے ہی کھانے کمانے کو پھرتے ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ وہ کسی کی دعوت بھی قبول نہیں کرتے کہنے لگا اگر یہ بات ہے تو وہ عالم ہیں ہم ان کی زیارت کرے گا ہم کو ان سے ملاؤ۔ پیشکار نے مولانا سے عرض کیا کہ جنٹ ملاقات چاہتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ہم خود چلکر ملیں گے حالانکہ وہ خود حاضر ہونا چاہتا تھا مگر مولانا کی کسر نفسی اور اخلاق مشہور ہیں۔ دوسرے دین کی مصلحت تھی اس لئے خود تشریف لے گئے جنٹ کو اطلاع ہوئی۔ بہت ہی ادب سے پیش آیا اور بہت ہی احترام سے بٹھایا۔ فلسفہ سے دلچسپی رکھتا تھا۔ فلسفہ کے متعلق مولانا سے کچھ سوال کیا مولانا نے اس پر تقریر کی۔ بیحد خوش ہوا۔ فرط مسرت سے کھڑا ہو جاتا تھا اور بار بار اپنی ران پہ ہاتھ مارتا تھا۔ جب تقریر ختم ہو چکی تو عرض کیا کہ حضور نے یہاں پر اس قصبہ میں آنے کی کیسے تکلیف گوارا فرمائی۔ فرمایا کہ دیانند سرستی نے مناظرہ کا اعلان کیا ہے اور میرا نام لے کر اعلان کیا ہے کہ اس سے مناظرہ کروں گا۔ اب میں باوجود علیل ہونے کے آگیا لیکن وہ مناظرہ کے لئے آمادہ نہیں ہوتا نہ مقابلہ پر آتا ہے۔ جنٹ نے عرض کیا میں بلاتا ہوں۔ ایک حکم جنٹ نے پنڈت جی کے نام بھیجدیا۔ پنڈت جی حاضر ہو گئے۔ جنٹ نے سوال کیا کہ جب تم مناظرہ کا اعلان کر چکا تو اب تم مناظرہ کیوں نہیں کرتا پنڈت جی نے کہا کہ اندیشہ فساد کا ہے۔ مولانا کے بھی معتقد ہیں میرے بھی معتقد ہیں۔ جنٹ نے کہا کہ تم اس کی فکر مت کرو اس کا ذمہ دار ہم ہے ہم انتظام کرے گا تم مناظرہ کرو تم کو اس سے بحث نہیں۔ مولانا نے پنڈت جی سے فرمایا کہ اس موقع پر اور اس وقت پر تو کسی فساد اور بلوہ کا اندیشہ نہیں۔ یہیں پر اسی وقت گفتگو سہی۔ پنڈت جی نے عرض کیا کہ اس وقت تو میں اس ارادہ سے نہیں آیا۔ مولانا نے فرمایا کہ ارادہ تو فعل اختیاری ہے اب ارادہ کر لیجئے بس اس کی تو کی سب تمام ہو گئی۔ مولانا کے سامنے بولنا بڑا مشکل تھا کوئی نہیں بول سکتا تھا وہ بیچارہ کیا بولتا مگر اس نے کچھ تحریری سوالات بھیجے مولانا نے جواب بھیجے جن پر دیانند سرستی نے کہا تھا کہ میں تو باچتے باچتے تھک جاتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ مولانا کا تو ہر سوال پر ایک مستقل رسالہ ہو جاتا تھا اور وہ محض جاہل تھا۔ معلوم نہیں ہنود اس کے اس قدر کیوں

معتقد تھے۔ غرضکہ کسی صورت سے بھی وہ تقریری مناظرہ کے لئے آمادہ نہیں ہوا۔ اور تحریر کی عوام کو کوئی اطلاع نہ ہوتی تھی اس لئے لوگوں نے مولانا سے عرض کیا کہ وہ کسی طرح بھی گفتگو کے لئے تیار نہیں ہوتا جس کا عوام پر اثر ہوتا حضرت ایک وعظ ہی فرما دیں۔ مولانا نے اُسی علالت ہی کی حالت میں قبول فرما لیا وعظ کا اعلان ہو گیا اس زمانہ میں رڑکی کالج میں بڑے بڑے انگریز ریاضی اور سائنس کے ماہر تھے وہ بھی وعظ میں شریک ہوئے۔ ہر قسم کے طبقے کے لوگوں کا مجمع تھا۔ مولانا نے نبوت کے اثبات پر بیان فرمایا اس بیان کا یہ اثر تھا کہ اُن انگریز استادوں کے آنسو جاری تھے۔ ریاضی اقلیدس مساحت فلسفہ منطق کوئی فن نہیں چھوڑا ہر فن سے مولانا نے اپنے مدعا کو مؤید کیا اور عجیب بات ہے کہ سارے بیان میں مولانا کو ایک مرتبہ بھی کھانسی نہیں اٹھی۔ یہ بات اس پر چلی تھی کہ مال کا نہ لینا بڑا اثر رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ جنٹ مولانا کا صرف یہ معلوم کر کے اس لئے معتقد ہوا کہ وہ دعوت تک قبول نہیں کرتے اگر تمام علماء اسی شان کے ہو جائیں تو ایک دم کایا پلٹ ہو جائے مگر علماء میں اس کی بڑی کمی ہے خصوص اہل مدارس میں کہ وہ چندہ کے باب میں قطعاً احتیاط نہیں کرتے۔

ملفوظ ۷۰۴

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ الحمد للہ سال گذشتہ کے مقابلہ میں اس وقت طبیعت اچھی ہے۔ کچھ آثار کھانسی کے شروع ہو گئے تھے مگر اطباء کی رائے اور تدابیر شروع کرنے پر وہ حالت جاتی رہی اور بھی بعض شکایتیں ہو جاتی تھیں وہ بھی بحمد اللہ نہیں ہوئیں۔ نیند بھی آج کل اچھی طرح پر آ رہی ہے۔ بعض طبیبوں کی رائے تھی کہ کثرت کام کی وجہ سے دماغ پر اثر ہے میں نے کام کرنے کا بھی انتظام شروع کر دیا ہے۔ بہت تخفیف کر دی ہے۔ تخفیف سے مراد یہ ہے کہ ابھی بالکلیہ تو کام نہیں چھوڑا مگر مقدمات تخفیف ہی کے حکم میں ہیں۔ اب میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ دماغ بڑے کاموں کا متحمل نہیں مگر پھر بھی کوئی نہ کوئی کام اتفاقی طور پر ایسا نکل آتا ہے کہ اُس کو کرنا ہی پڑتا ہے۔ ابھی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے مفتی صاحب کا ایک لکھا ہوا خواب آ گیا وہ خواب ایک مسئلہ شرعی سے متعلق تھا اُس کے جواب میں پہلے تو ایک مختصر مضمون لکھا پھر بعض روایات کو دیکھا تو اُس مسئلہ خاص پر ایک اچھا خاصہ رسالہ ہو گیا وہ خواب بھی عجیب و غریب ہے لکھا ہے کہ ایک روز حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت حالت بے خودی میں نصیب ہوئی اور آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حقیر سے یہ ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں ذراری یعنی اطفال مشرکین کے جہنمی ہونے میں شک ہے۔ ارشاد ایسے طریقے سے تھا کہ جس سے اُن کا جہنمی ہونا معلوم ہوتا تھا۔ یہ ایک مسئلہ شرعی ہے اس سے قبل میرا غالب ظن اُن کے ناجی ہونے کا تھا اور ناجی ہونے کی روایت کو راجح سمجھتا تھا۔ مگر اس ارشاد کے بعد سے اپنا خیال بھی برعکس ہو گیا ہے اور اس وقت اس مسئلہ کا بالکل وہم و گمان بھی نہ تھا اچانک بیٹھے بیٹھے بے خودی طاری ہو کر (یعنی بدون النوم الخالص) زیارت اور ارشاد کی برکات نصیب ہوئیں یہ خواب تھا (انتہیٰ قول المفتی) یہ ایسا نازک مسئلہ ہے کہ اگر عوام کے سامنے بیان کیا جائے تو یہ سمجھ کر کہ خدا کے یہاں

کوئی معیار ہی نہیں کوئی کفر وغیرہ کرے تب اور نہ کرے تب اس کو دوزخ میں جھونک دیتے ہیں اور اس شبہ کی وجہ سے ہزاروں مسلمان کافر ہو سکتے ہیں۔ میں نے لکھا ہے کہ مسئلہ مستقل تحقیق کے قابل ہے کوئی حکم نہیں کیا جا سکتا جس سے کسی شبہ کی گنجائش ہو کیونکہ خواب بابِ خودی حجۃ شرعیہ نہیں پس اس سے نہ راجح غیر راجح ہو سکتا ہے اور نہ غیر راجح راجح ہو سکتا ہے نہ ثابت غیر ثابت ہو سکتا ہے اور نہ غیر ثابت ثابت ہو سکتا ہے سب احکام اپنی حالت پر رہیں گے ہاں اتنا اثر ہو سکتا ہے رائی پر کہ جانب احوط کو پہلے سے زیادہ لے لے مگر اس جواب علمی کے ساتھ ہی کیا اس کا کوئی ایسا جواب بھی ہے جس سے عوام کو سکون ہو سو اس کی مفصل بحث میں نے ایک رسالہ کی صورت میں لکھ کر جس کا اوپر ذکر آیا ہے تربیت السالک میں نقل کرادی ہے جو قابل دیکھنے کے ہے اور اس کا ایک نام بھی مستقل رکھدیا ہے عبور الکرام عما یری فی [illegible] ([illegible] رجوع النور بابت شوال ۱۳۵۱ھ میں شائع بھی ہو گیا ہے) میں نے خواب کے حجت نہ ہونے کی تائید میں مفتی صاحب کو یہ بھی لکھا ہے کہ میں آپ ہی سے استفسار کرتا ہوں کہ اگر کوئی آپ ہی جیسا دوسرا شخص ثقہ متقی عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھے اور حضور اس سے یہ فرمائیں کہ کیا تمہیں ذراری مشرکین کے جنتی ہونے میں شک ہے تو آپ اس خواب کا کیا جواب دیں گے۔ بجز اس کے کہ خواب حجت نہیں۔ اس قسم کے مسائل بہت ہی نازک ہیں بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے مجھ کو تو الحمد للہ ایسے مسائل میں احتیاط کرنے کے متعلق شرح صدر ہو گیا اور قلب بالکل مطمئن اور ساکن ہو گیا۔ اسی طرح ایک صاحب نے استوی علی العرش کے مسئلہ پر اعتراض کیا تھا۔ میں نے تفسیر بیان القرآن میں اس مسئلہ میں اس طرح ترتیب رکھی تھی کہ متن میں تو متاخرین کے قول کو رکھا تھا اور حاشیہ میں متقدمین کے قول کو اور یہ ظاہر کر دیا تھا کہ راجح مسلک متقدمین ہی کا ہے مگر ان معترض صاحب نے متاخرین کے مسلک پر اس قدر گستاخی اور بے باکی سے قلم اٹھایا ہے کہ جس کا کوئی حد و حساب نہیں متاخرین کو گمراہ تک کہا مجھ کو ان کی یہ حرکت ناگوار ہوئی اس پر گو میں نے بطور جواب کے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے تمہید الفرش فی تحقیق العرش وہ بھی ایک عجیب چیز ہے لیکن مسئلہ کے نازک ہونے کے سبب اس کے لکھنے کے وقت جو کچھ مجھ پر صعوبت گذری ہے اور اس کو بھی میں نے رسالہ میں ظاہر کر دیا ہے میں ہی جانتا ہوں۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اس وقت یہ تمنا ہوتی تھی کہ کاش کہ میں جاہل محض ہوتا تو اچھا ہوتا کہ یہ چیزیں ذہن ہی میں نہ آتیں مگر اس وقت اللہ ہی نے دستگیری فرمائی اور ذہن نے پلٹا کھایا اور یہ سمجھ میں آیا کہ یہ تمنا بھی علم ہی کی بدولت ہے اس پر قلب کو سکون ہو گیا اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ کبھی علم کی کثرت سے بھی جہل بڑھتا ہے اور بعض علم جہل کا سبب بن جاتا ہے کیونکہ جاہل محض کو ایسے شبہات کا کبھی وسوسہ بھی نہیں ہوتا حالانکہ استواء علی العرش اور ید اللہ فوق ایدیہم سب کچھ اس کے کانوں میں پڑتا ہے البتہ اس مقام پر کامل العلم سنبھل سکتا ہے۔ اب یہاں پر ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ علم کامل

حاصل ہے اس کو تو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا اور عوام اور جاہلوں کو شبہ اور وسوسہ نہیں ہوتا پھر متاخرین نے جو تاویل سے کام لیا وہ کس کی رہبری کے لئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں کی رہبری کے لئے ایسا کیا گیا کہ جن کی یہ حالت ہے لا الی ھؤلاء و لا الی ھؤلاء جو نہ جاہل ہیں نہ عالم۔ متاخرین نے ان کی حفاظت کی ضرورت سے ایسا کیا ایسے لوگوں نے فرق باطلہ سے مثلاً مجسمہ مشبہ وغیرہم سے شبہات سنے یا انہوں نے قصداً ان کو بہکایا جیسا کہ اس زمانہ میں بھی ایسا ہو رہا ہے کہ دین کے ڈاکو اور رہزن ہزاروں اور لاکھوں موجود ہیں جنہوں نے مخلوق کو گمراہ کرنے پر کمر باندھ رکھی ہے ایسے اقوال و شبہات سن کر انہوں نے اپنے زمانہ کے علمائے اہل حق اور محققین سے پوچھا اور انہوں نے دیکھا کہ یہ بیچارے حقیقت کے متحمل نہیں اس لئے انہوں نے اس مسئلہ میں تاویلات مناسبہ اختیار کیں تاکہ یہ لوگ گمراہی سے بچیں تو حقیقت میں انہوں نے امت پر یہ بڑی رحمت کی ہے پھر اس پر ان کی تضلیل اور تفسیق کرے تو وہ خود گمراہ ہے اور عجیب بات ہے کہ معترض نے یہ دیکھا کہ خود ان متاخرین نے بھی تو متقدمین ہی کے مسلک کو ترجیح دی ہے اور راجح فرمایا ہے اس سے خود ثابت ہوتا ہے کہ حضرات متاخرین بھی متقدمین ہی کے مسلک پر تھے۔ لیکن بضرورت لوگوں کے سکون اور تسلی اور ایمان بچانے کے لئے مسئلہ میں تاویل کر کے پیش کر دیا اور یہاں سے یہ ثابت ہو گیا کہ صلاحیت کے لئے نہ علم کافی نہ صحبت کافی کیونکہ ایسے لوگ بھی غلطی میں پڑے اور میں یہ نہیں کہتا کہ یہ چیزیں دخیل یا معین بھی نہیں مگر یہ ضرور ہے کہ کافی نہیں۔ کفایت کرنے والی چیز صرف محبت ہے اگر یہ نہ ہو تو محض معرفت بھی بدون محبت کے گمراہی کا کھٹک ہے البتہ حق تعالیٰ جس کو اپنی محبت عطاء فرما دیں وہ بڑی دولت ہے۔ نرے معارف سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ محبت نہ ہو اور حسرت ہے کہ ہم لوگ اسی سے محروم ہیں۔ ہم کو محبت کہاں ہے محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے محبت کا۔ نماز ہی میں دیکھ لیجئے کیا ہوتا ہے بس یہ ہوتا ہے کہ جلد سے جلد نماز سے فارغ ہو جائیں کیا اس کو محبت کہیں گے۔ ادنیٰ درجہ کی محبت پر مثال عرض کرتا ہوں گو مثال فحش ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی رنڈی پر کوئی عاشق ہو جاوے اور وہ اپنے عاشق سے کہے کہ میں تو چلمن ڈال کر بیٹھتی ہوں اس طرح سے کہ اپنے کو نہ دکھلاؤں گی اور تم کو دیکھوں گی تم یہاں پر بیکار بیٹھے رہو یا فلاں مشقت کا کام کرتے رہو۔ اب فرمایئے کہ اگر واقعی سچا عاشق ہے اور سچا محب ہے تو کیا وہاں بیٹھ کر اٹھ سکتا ہے یا اس کام میں کوتاہی کر سکتا ہے جبکہ اس کو یہ معلوم ہے کہ وہ مجھ کو دیکھ رہی ہے حضرت قیامت آ جائے جو اٹھنے کا نام بھی لے تو پھر کیا وجہ کہ ہمارا یہ اعتقاد بھی ہو کہ حق تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں اور پھر عمل میں کوتاہی کر رہے ہیں اس حالت میں کیا کوئی محبت کا دعویٰ کر سکتا ہے محض الفاظ ہی محبت کے یاد کر لئے ہیں اور اس بحث میں مطالعہ کرنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سب سے قریب الی الحقیقت صوفیہ ہیں گو کنہ تک کوئی بھی نہیں پہنچا لیکن اوروں کے مقابلہ میں صوفیہ پھر قریب ہیں اور افسوس کہ معترض صاحب سب سے زیادہ انہوں ہی کے دشمن ہیں

ان معترض صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ تم شر القرون کے موقوبوں کی حمایت کرتے ہو ذرا تہذیب تو ملاحظہ ہو۔ میں نے باوجود معترض صاحب کی زیادتیوں کے تفسیر بیان القرآن میں اُن کے مشورہ کے مطابق ترمیم بھی کردی کیونکہ خدانخواستہ حق سے کوئی ضد تھوڑا ہی ہے جو بات اچھی ہے اس کے مان لینے میں کوئی مانع ہے۔ میں اس کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں کہ ایک شخص کی گنی کھوئی گئی بہت تلاش کی نہ ملی دیکھنے والے نے پا کر پھینک کر اس کے ماتھے پر ماری جس سے چوٹ بھی آئی تو کیا اس چوٹ کی وجہ سے گنی کو نہ اٹھاوے گا یا اس کو پھینکدیگا ہرگز نہیں بلکہ اس کو تو اٹھا کر جیب میں رکھ لے گا اور ماتھے کو تھوڑی دیر سہلا کر ٹھیک کرے گا۔

ملفوظ ۶۰۵: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آدمی کو کبھی کسی چیز پر بھی ناز نہ کرنا چاہیئے نہ علم وفضل پر نہ عقل وفہم پر نہ زہد و تقویٰ پر نہ عبادت اور اعمال پر نہ شجاعت اور قوت پر نہ حسن اور جمال پر یہ سب حق تعالیٰ کی عطاء ہیں۔ پھر ناز کس بات پر۔ ناز تو اپنے کمال پر ہوتا ہے اور جب اپنا کمال کچھ بھی نہیں۔ سب عطاء حق ہے تو پھر تو نیاز کی ضرورت ہے اگر بیجا ناز کرے گا تو پھر خیر نہیں اسی کو فرماتے ہیں ؎

ناز را روئے بباید ہمچو ورد ۔۔۔ چوں نداری گرد بدخوئی مگرد

عیب باشد چشم نابینا و باز ۔۔۔ زشت باشد روئے نازیبا و ناز

ملفوظ ۶۰۶: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں جب کوئی حالت شاقہ اپنے پر گذرتی ہے تب حقیقت معلوم ہوتی ہے اور اس وقت یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا کیسا تحمل تھا کہ اعداء سے سب کچھ سنتے تھے اور سہتے تھے کیا ٹھکانا ہے اس قوت قلبی کا اور ایک ہم ہیں کہ ایسے موقع پر کم از کم کچھ کہہ سن کر دل تو ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔ اور اگر انبیاء میں یہ بات نہ ہوتی تو آخر تبلیغ کیسے ہوتی اور وجہ اس تحمل کی یہ تھی کہ وہ مامور من اللہ تھے اس لئے بڑا عالی ظرف رکھتے تھے سبحان اللہ۔

ملفوظ ۶۰۷: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس میں بھی کیا شک ہے کہ انبیاء علیہم السلام نہایت کامل العلوم ہیں اور جو نائب الرسول ہیں ان کو بھی حق تعالیٰ علوم انبیاء علیہم السلام کے مشابہ عطاء فرماتے ہیں۔ اسی لئے بھی عجیب غریب اُن حضرات پر کھولدیئے جاتے ہیں کہ بڑے بڑے غامض مضامین کو اشارہ سے بیان کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اصطلاحی علم نہ تھا مگر حضرت کی تحقیقات کو دیکھ دیکھ کر بڑے بڑے متبحر علماء اور فضل وکمال رکھنے والے حضرت کی تحقیق کے وقت انگشت بدنداں ہو جاتے تھے اور اس وقت حضرت کی یہ شان معلوم ہوتی تھی ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء ۔۔۔ بے کتاب بے معید و اوستا

اور علوم میں یہ برکت تقوی سے پیدا ہوتی ہے اور افسوس یہی چیز آج کل ہم میں مفقود ہے۔

۶ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

ملفوظ: ۶۰۷ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں اخبار مباہلہ قادیانیوں کی مقابلہ پر جاری ہے۔ بہت کام کر رہا ہے لیکن کوئی امداد یا نصرت کرنے والا نظر نہیں آتا اور مسلمانوں کا تمام توکل اور سارا بھروسہ خدا پر ایسے ہی موقعوں پر ظاہر ہوتا ہے کہتے ہیں کہ حق کی امداد اور نصرت خدا ہی کرتا ہے ہماری کیا حاجت۔ یہ عقیدہ تو صحیح ہے مگر غرض اس کی فاسد ہے وہ غرض یہ ہے کہ ہم کوئی دین کی حمایت اور نصرت نہ کریں۔ اور یہ سارا توکل اور بھروسہ دین ہی کے کاموں میں رہ گیا ہے دنیا کے کاموں میں اس عقیدہ کا ظہور کیوں نہیں ہوتا۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کیوں نہیں بیٹھ جاتے۔ اسی اخبار کے متعلق دیکھئے کہ کوئی خریدار نہیں پیدا ہوتا اب کس ہمت پر کوئی کام کرے اور یہ تمام تر خرابی بد انتظامی کی ہے کہ ہماری کوئی تنظیم نہیں ورنہ اگر ہم میں کوئی جماعت منظم ہوتی تو کچھ نتیجہ بھی نکلتا اور اس کام کو استقامت بھی ہوتی اب ہر شخص اکیلا اکیلا کام کر رہا ہے وہ کام تھوڑے دنوں چلتا ہے پھر بند ہو جاتا ہے اور اس تنظیم نہ ہونے کی وجہ سے اور خرابیاں بھی پیش آ رہی ہیں۔ مثلاً ایک یہی کہ جب کوئی تنظیم نہیں تو اصول بھی نہیں اور اصول نہ ہونے کی وجہ سے کام کرنے والا بھی حدود سے نکل جاتا ہے اور اس کے علاوہ اور بھی بہت خرابیاں واقع ہوتی ہیں اور ان سب کا انسداد صرف صحیح تنظیم سے ممکن ہے۔

ملفوظ: ۶۰۸ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نری تمنا سے کیا ہوتا ہے کوئی تمنا کرے کہ میں کلکٹر ہو جاؤں اور تدابیر نہ کرے تو کیا نتیجہ۔ یا تنخواہ کی تمنا کرے اور نوکری نہ کرے یا غلہ کی تمنا کرے اور کھیتی نہ کرے یا روپیہ کی تمنا کرے اور تجارت نہ کرے یا اولاد کی تمنا کرے اور نکاح نہ کرے یا دہلی پہونچنے کی تمنا کرے اور سفر نہ کرے جب یہ معلوم ہے کہ نری تمنا سے کام نہیں چلتا تو آخرت ہی میں اس قاعدہ کو کیوں بھول گئے نرے رونے پیٹنے سے اس میں بھی کام نہ چلے گا جب تک کہ اعمال مامور بہا کو اختیار نہ کرو گے اور معاصی سے نہ بچو گے۔ دین کے لئے بھی تو اس کی تدابیر اختیار کرو۔ عرفی نے خوب کہا ہے ؎

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال ✽ صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

ہم جو کچھ کرتے ہیں سب حیلے حوالے ہیں کام تو کرنے سے ہوا کرتا ہے کام میں لگو کام کرو ؎

کار کن کار بگذار از گفتار ✽ اندریں راہ کار باید کار

ملفوظ نمبر ۶۰۹ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کہنے کو تو علم کی ترقی ہو رہی ہے مگر حقیقت میں جہل کا بازار گرم ہے۔ ہر شخص مجتہد اور محقق بنا ہوا ہے جس کو دیکھو مفسر مفتی محدث بن رہا ہے۔ کتنے بڑے ظلم کی بات ہے۔ اسی وجہ سے یہ حالت ہو رہی ہے کہ جہاں کسی سے ذرا سی کوئی بات خلاف نفس ہوئی اور کفر کا فتویٰ لگا دیا گیا۔ کتنی سخت بات ہے۔ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا تھا کہ ایک شخص حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا قائل ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ میں نے کہا کہ جو شخص علم بلا واسطہ کا قائل ہے وہ تو کافر ہے۔ اور جو علم بواسطہ کا قائل ہو یعنی خدا کی عطاء کے واسطہ کا وہ کافر نہیں اگر چہ وہ علم محیط ہی کا قائل ہو گو یہ اعتقاد کذب تو ہے مگر ہر کذب "کفر" نہیں۔ ہاں البتہ عقیدہ کی معصیت فسق ضرور ہے اور میں تو کبھی ایسے شخص کو بھی کافر نہیں کہتا جو مجھے کافر کہے کیونکہ کسی مسلمان شخص کو کافر کہنا عقیدہ کی تو معصیت اور فسق ہے مگر کفر نہیں اور واقعہ تو یہ ہے کہ بلا ضرورت ایسے مشاغل خود دلیل اس کی ہے کہ یہ شخص ضروری فکر سے خالی ہے۔ میں تو اس موقع پر یہ پڑھا کرتا ہوں ؎

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو چو بگذشت بر عارف جنگ جو
گر ایں مدعی دوست بشناختے بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

سو آدمی دوسروں کی فکر میں کیوں پڑے اپنی فکر مقدم ہے۔ اس پر ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر ایسے امور اظہار حق کے لئے ہوں تو کیا اس کو بھی یہی کہا جائے گا کہ یہ دوسروں کی فکر میں ہے فرمایا کہ یہ ذوق سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا مدعا اظہار حق ہے یا دوسروں کے درپے ہونا ہے یہ تقریر سے تحریر سے معلوم ہو جاتا ہے کیونکہ نصرت حق کا رنگ ہی دوسرا ہوتا ہے۔ نیز اس سے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اظہار حق بقدر ضرورت ایک دو تین چار دفعہ کر دیا یہ کیا بات کہ ساری ساری عمر اسی میں کھپا دیتے ہیں ایک دوسرے کا مقابل بنا ہوا ہے اظہار حق اس پر تو موقوف نہیں۔ شریعت میں ہر چیز کے حدود ہیں۔ قرآن شریف سے بھی یہی طرز ثابت ہے کہ زیادہ تر حق کو ظاہر فرمایا گیا ہے مخالف پر زیادہ رد و قدح نہیں کیا گیا باقی آج کل تو لوگوں نے اکھاڑے جما رکھے ہیں ایک مولوی صاحب جمعہ فی القریٰ کے پیچھے پڑے ہوئے تھے کہ قریہ میں جمعہ جائز نہیں اس میں ان کو اس قدر شغف تھا کہ ایک بڑا وقت اس میں کھپا دیا۔ دیوبند سہارنپور۔ دہلی۔ مراد آباد۔ کانپور لکھنؤ اور خدا معلوم کہاں کہاں کے مشاہیر علماء کے اس پر دستخط حاصل کئے۔ یہاں پر بھی آئے اس وقت تعطیل رمضان میں بہت علماء جمع تھے ان سے دستخط کرانے کے اہتمام میں لگ گئے۔ میں نے کہا کہ مولوی صاحب جس کو تم دین سمجھ رہے ہو یہ کھلی ہوئی دنیا ہے کہ یہ شغل تم کو دوسرے اس سے اہم مشاغل سے فارغ ہو رہا ہے لاؤ وہ ذخیرہ کہاں ہے وہ تو اس کا مصداق ہے کہ ؎

جملہ اوراق کتب در نار کن سینہ را از نور حق گلزار کن

اور اس کا مصداق ہے ؎

ہر چہ از دوست وانمانی چہ کفر آن حرف چہ ایمان ۔ ہر چہ از یار دو افتی چہ زشت آن نقش وچہ زیبا

اور میں نے اس ذخیرہ کو جلوا دیا اس کے بعد اُن مولوی صاحب نے دوسروں سے کہا کہ مجھ کو اس سے اس قدر نفع ہوا کہ جیسے قلب سے پہاڑ ہٹ جاتا ہے ایک بڑی زبردست بلا سے نجات ہو گئی ورنہ قلب ہر وقت اسی اُدھیڑ بن میں لگا رہتا تھا نہ نماز میں جی تھا نہ روزہ میں نہ قرآن میں۔ حضرت مرض کو طبیب ہی پہچانتا ہے دوسرے کو کیا خبر کہ یہ دین کی وجہ سے مشغول ہے یا دنیا اور نفس کی وجہ سے۔ اس قدر کاوش ہے یہ رنگ تو اظہار حق سے زائد ہی ہے اگر یہ مولوی صاحب اور کہیں جاتے تو اس کو حمایت دین سمجھ کر معلوم نہیں ان کی کس قدر مدح کی جاتی۔۔ یہاں یہ گت بنی۔ اپنے بزرگوں کا یہی رنگ دیکھا اور یہی پسند ہے یہ حضرات حکیم تھے ہر چیز ان کے یہاں حد پر رہتی تھی دوسروں میں یہ رنگ نہ دیکھا اور نہ ہے۔

ع ۶۱۰ ملفوظ:۔ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اس وقت اکثر علماء کا بے وقعت ہو جانا زیادہ تر اُن کے حرص اور طمع کے سبب ہے۔ یہ بلا کمبخت کسی طرح پوری نہیں ہوتی۔ اسی کو کہتے ہیں ؎

کوزۂ چشم حریصاں پر نشد ۔ تا صدف قانع نشد پر در نشد

ع ۶۱۱ ملفوظ:۔ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جس بدعت کی کوئی اصل نہ ہو اُس سے اتنی مضرت کا اندیشہ نہیں جتنا اصل ہونے کی حالت میں اندیشہ ہے کیونکہ مبتدع لوگوں کو اس میں ذرا سہارا مل جاتا ہے اُس کو آگے بڑھا لیتے ہیں۔

ع ۶۱۲ ملفوظ:۔ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ان دوکانداجاہل پیروں کی بدولت بڑی گمراہی پھیلی۔۔۔ ان جاہلوں کی ایک من گھڑت ایجاد یہ بھی ہے کہ تعلقات واجبہ کو بھی اس طریق میں مضر سمجھتے ہیں چنانچہ بہت سے لوگ آبادی چھوڑ کر جنگل کی طرف دوڑتے ہیں۔ بیوی بچوں کو منہ نہیں لگاتے قطع رحم کو دین سمجھتے ہیں مگر واقع میں ایسے تعلقات کا قطع کرنا پسندیدہ نہیں۔

ع ۶۱۳ ملفوظ:۔ ایک صاحب نے ایک خط ہاتھ میں لئے ہوئے اُس کا خلاصہ حضرت والا سے زبانی عرض کیا کہ فلاں صاحب کا یہ خط آیا ہے۔ حضرت والا کی خیریت دریافت کی ہے اور دعاء کے لئے عرض کیا ہے اور یہ درخواست کی ہے کہ براہ راست خط وکتابت کی اجازت فرما دی جاوے جس میں محض حضرت والا کی خیریت معلوم کر لیا کروں اور اپنے لئے دعاء کی درخواست کر لیا کروں۔ فرمایا کہ ان کا تو پہلے بھی غالباً اسی مضمون کا خط آیا تھا۔ عرض کیا جی آیا تھا فرمایا مجھے یاد نہیں رہا کہ میں نے اُس پر کیا جواب دیا تھا۔ عرض کیا کہ "دو باتیں حضرت نے جواب میں لکھ دینے کو فرمایا تھا ایک تو یہ کہ اس کے قبل براہ راست مکاتبت کی اجازت نہ ہونے کی وجہ لکھیں کہ کیوں ممانعت کی گئی تھی۔ دوسرے یہ کہ جو صورت اس وقت اختیار کر رکھی ہے کہ بواسطہ معلوم کر لیتے ہیں اُس سے بھی تو میری خیریت معلوم ہو ہی جاتی ہے۔ براہ راست میں اور کیا نئی بات ہوگی۔ میں نے یہ دونوں باتیں اُن کو لکھدی تھیں۔ تو کیا اُن باتوں کا جواب اس خط میں

ہے۔ عرض کیا کہ ایک بات کا تو جواب ہے دوسری بات کا جواب نہیں۔ فرمایا کون بات کا جواب ہے۔ عرض کیا کہ یہ لکھا ہے کہ مجھ کو مکاتبت اور مخاطبت کی ممانعت کر دی تھی مگر میں نے رخصت ہونے کی اجازت بذریعہ پرچہ چاہی جس میں مرتبہ حضرت والا کی حکم کی مخالفت ہوئی اس لئے مکرر ممانعت کر دی فرمایا یہ تو معلوم ہو گیا اب یہ دیکھا جاوے کہ دوسری بات کا بھی کچھ جواب دیا یا نہیں۔ عرض کیا کہ اس کا تو سارے خط میں بھی کوئی ذکر نہیں۔ فرمایا تو جواب اُن کے ذمہ ہے۔ کوئی معقول وجہ لکھیں۔ میں ابھی اس کے متعلق کوئی جواب نہ دوں گا۔ گو میرے یہاں اس کا بھی ایک معمول ہے وہ یہ کہ ایسے موقع پر میں یہ کرتا ہوں کہ ایک مسودہ لکھ کر مجھ سے منظور کرا لو اور ہر خط میں اس کو رکھا کرو مگر خط میں اس سے زائد ایک لفظ بھی نہ ہو اور ہر خط کے ہمراہ اُس کا آنا اس لئے ضروری ہے تاکہ مجھ کو یہ معلوم ہو سکے کہ اس سے زائد تو کوئی بات نہیں لکھی۔ لیکن یہ تدبیر ابھی اُن کو نہ بتلاؤں گا کہ جب تک اُن کی طلب صادق نہ دیکھ لوں پھر دکیل خط کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ ابھی خط میں یہ تدبیر نہ لکھ دیجئے گا۔ یہ سب تدابیر اذیت سے بچنے کے لئے کرتا ہوں اور میں ان تدابیر سے اُن کے بے اصولی خطاب سے۔ بچتا ہوں جیسے وہ میرے خطاب باعتاب سے بچتے ہیں۔ مجھ کو بے تکی اور بے اصول باتوں سے تنگی ہوتی ہے۔

ملفوظ: ۶۱۴ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ کام کرنے والوں کی تو حالت ہی اور ہوتی ہے وہ ثمرات متعارفہ کے طالب کہاں ہوتے ہیں اور نہ کام کرنے پر ان ثمرات کا مرتب ہونا ضروری ہے اصل تو کام ہی مقصود ہے ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جب کوئی شکایت کرتا کہ کچھ نفع نہیں ہوا فرماتے یہ کیا تھوڑا نفع ہے کہ تم کو کام میں لگا لیا گیا اور عمل کی توفیق عطا فرما دی اور اس موقع پر حضرت یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

یابم او را یا نیابم جستجوئے می کنم   حاصل آید یا نیاید آرزوئے می کنم

ملفوظ: ۶۱۵ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ کیا تمہارے بزرگوں نے تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کیا ہے جیسا تم دوسروں کے ساتھ کرتے ہو۔ میں نے کہا یہ بھی نہ پوچھا ہوتا کہ میں نے بھی اپنے بزرگوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا ہے جیسا یہ لوگ میرے ساتھ کرتے ہیں۔ بس ختم آگے کچھ نہیں بولے۔ ہر ضرورت کے جواب کو اللہ تعالیٰ دل میں پیدا فرما دیتے ہیں۔ یہ اُن کا فضل اور احسان ہے کہیں گاڑی نہیں اٹکتی۔ وہی دستگیری فرماتے ہیں۔

ملفوظ: ۶۱۶ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مولانا حالانکہ میرے نہ استاد تھے نہ پیر تھے اور یہ پہلی ہی حاضری تھی اور ہو چکتے ہی۔ بیجد مجھ پر ڈانٹ ڈپٹ بڑی چونکہ میں اعتقاد کے ساتھ گیا تھا بزرگ سمجھ کر گیا تھا اس ڈانٹ ڈپٹ کے وقت میں اپنے نفس کو ٹٹولتا تھا سو ذرہ برابر گرانی نہ پاتا تھا میں اس

نعمت پر اور بھی محظوظ اور مسرور تھا کہ نفس میں ناگواری نہیں ہوئی۔ اور اس وقت چاہیئے بھی یہی کہ جب انسان کسی کے پاس جائے اُس کے حقوق کے خیال رکھنے کی ضرورت ہے بالکل ایسا ہونا چاہیئے جس کو عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

یا مکن با پیلبانان دوستی ۔ یا بنا کن خانہ برانداز پیل
یا مکش بر چہرہ نیل عاشقی ۔ یا فرو شو جامۂ تقویٰ بہ نیل

یہاں پر لوگ آتے ہیں میں ان کی بے اصولی اور بے تکی باتوں پر روک ٹوک کرتا ہوں اُس کی برداشت نہیں کرتے۔ ان کی بالکل ایسی حالت ہے جیسے کہ ایک شخص اپنی کمر پر شیر کی تصویر بنوانے گیا تھا اور ہر کوچنے پر چیخ پکار کرنے لگا اُس گودنے والے نے سوئی پھینک کر کہا تھا جس کو مولانا نقل فرماتے ہیں ؎

در بہر زخمے تو پر کینہ شوی ۔ پس کجا بے صیقل آئینہ شوی
تو بیک زخمے گریزانی ز عشق ۔ تو بجز نامے چہ می دانی ز عشق

کیا آنے سے پہلے ان کو یہ خبر نہ تھی ؎

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجان ۔ شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

باہر جاکر شکایت کرتے ہیں اور اُس شکایت کو ادھوری اور ناتمام واقعہ نقل کرتے ہیں جس میں تدین اور دیانت کا نام نہیں اپنے جرم کو گھٹاتے ہیں میرے مواخذہ کو بڑھاتے ہیں۔

ملفوظ ۶۱۷:۔ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ایک زمانہ مجھ پر ایک شدید حالت طاری تھی اُس حالت میں بہت لوگوں نے مجھ سے بیعت ہونے کو کہا میں نے انکار کر دیا کہ اس وقت خود مجھ پر ایک حالت ہے جو مانع ہے دوسرے کی طرف اصلاحی توجہ سے اس لئے تم لوگوں کو مجھ سے کوئی نفع نہ ہوگا مگر وہ لوگ نہیں مانے اور بیعت ہوئے مگر نتیجہ وہی ہوا جو میں نے کہا تھا کہ جس حالت پر وہ لوگ تھے اُسی حالت پر رہے تھے حتیٰ کہ اُن کے منکرات تک بھی نہ چھوٹے اور تو کیا ہوتا یہی ہوا عارف شیرازی کے اس شعر میں اسی قسم کی حالت کی طرف اشارہ ہے ؎

دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیر ما ۔ چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

ملفوظ ۶۱۸:۔ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شفقت اور چیز ہے تصدی اور چیز ہے حق تعالیٰ تصدی کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ اما من استغنیٰ فانت لہ تصدیٰ۔ اسی طرح بہت سی ایسی چیزیں ہیں کہ اُن کی جامع مانع عنوان سے تعریف نہیں ہوسکتی کسی محقق کی صحبت میں رہکر اپنے اوپر وارد ہونے سے سمجھ میں آتی ہیں۔

ملفوظ ۶۱۹:۔ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں جو آنے والوں کے ساتھ استغنا برتتا ہوں اس کی بھی ضرورت ہے بعض اوقات جلد توجہ کرنے سے غرض کا شبہ ہوجاتا ہے اور اس سے مجھ کو

غیرت آتی ہے اس پر میں ایک مثال عرض کرتا ہوں رنڈی اور گھرستن کی کہ رنڈی کو تو دو چار روپیہ دے کر جب چاہو راضی کر لو اور گھرستن میں ایک قسم کا استغنا ہوتا ہے وہ ذرا مشکل سے رضامند ہوتی ہے۔ خدمت کرے گی مشقت اٹھائے گی لیکن جب اس پر زیادہ دباؤ دیا جاوے گا صاف کہدے گی کہ میں کوئی زرخرید لونڈی تھوڑا ہی ہوں برادری کی برابر کی ہوں۔ یہی فرق بے غرض اور دکانداروں میں ہے۔ اور دوسروں کی کیا شکایت کی جاوے اپنی ہی جماعت میں اس طبیعت اور مذاق کے لوگ موجود ہیں کہ لوگوں کو ترغیب دیکر لاتے ہیں اور جب ان کے ساتھ ضابطہ کا برتاؤ کیا جاتا ہے اور وہ متوحش ہو جاتے ہیں تو اس وقت یہ شکایت کرتے ہیں کہ یہاں ہم تو بنا کر لاتے ہیں اور یہ اکھاڑ دیتا ہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ کیا واہیات ہے۔ بڑے غیرت کی بات ہے۔ ایک مولوی صاحب نے اس پر عرض کیا کہ حضرت اگر ایک طالب شخص سے اپنے معتقد فیہ کی سب باتیں بیان کر دی جائیں اور پھر اس کو مشورہ دیا جائے کہ ان سے تعلق کر لے کیا اس میں بھی کوئی حرج ہے۔ فرمایا یہ بھی مناسب نہیں۔ ایک شخص حسین ہے ہم کو تو پسند ہے اور دوسرے شخص کو سمجھا دیا اور وہ متاثر بھی ہو گیا مگر اس کی نظر میں حسن کا دوسرا نقشہ ہے اس لئے وہ عارضی اثر چند روز میں زائل ہو جاویگا حسن صورت اور حسن سیرت ان دونوں کے احکام قریب قریب ہیں پس مناسبت فطری نہ ہونے کی صورت میں ترغیبی عارضی پسند کو بقاء نہ ہوگا۔ نیز بعض مرتبہ اس ترغیب میں یہ مفسدہ بھی ہوتی ہے کہ یہ طالب اپنے کو مطلوب سمجھنے لگتا ہے کہ مجھ میں کوئی خوبی ہوگی جو مجھ کو اپنی طرف کھینچا جاتا ہے اور نفع کا انحصار ہے طلب پر اس لئے طالب بن کر تو نفع ہو سکتا ہے مطلوب بنکر نفع نہیں ہو سکتا اس لئے اس کو نفع نہ ہوگا اور بہت خرابیاں ہیں جن کو میں اکثر وقتاً فوقتاً بیان کرتا رہتا ہوں

ملفوظ ۲۲۰: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اپنے بزرگوں کی تحقیقات اور علوم و معارف کو دیکھ کر معلوم ہوتا رہے کہ بڑے درجہ کے لوگ تھے اپنے زمانہ کے رازی اور غزالی تھے خصوص حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو فن تصوف کے امام اور مجتہد تھے۔ ایک صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ اب اس زمانہ کے علماء میں رازی اور غزالی نہیں پیدا ہوتے ہیں میں نے کہا ان سے بڑھ کر موجود ہو سکتے ہیں۔ سب بزرگوں کے ملفوظات اور تحقیقات کو دیکھ لیا جائے معلوم ہو جائے گا۔ پھر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عجیب تحقیق کو نقل فرمایا وہ یہ کہ بعض اہل ظاہر کثرت عبادت پر نکیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کے خلاف ہے حضرت نے جواب میں فرمایا کہ اہل باطن اور عشاق کہتے ہیں کہ قلت عبادت ہمارے لئے القاء الی التہلکہ ہے ہم کو اس سے تکلیف شدید ہوتی ہے۔ ہم اسی آیت سے اس کے خلاف پر استدلال کرتے ہیں یہ نمونہ ہے حضرت کے علوم اور معارف کا۔ سبحان اللہ۔

ملفوظ: ۶۲۱ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میرے ایک دوست ہیں وہ کہتے ہیں کہ مجھ کو رجحان اعتقادی تو حضرت والا کی طرف ہے مگر بعض وجوہ سے طبعی کشش نہیں اور ایک بزرگ کا نام لے کر کہتے ہیں کہ رجحان اعتقادی اُن کی طرف نہیں مگر طبعی کشش ہے ایسی حالت میں اُن کو تعلق پیدا کرنے میں کیا مشورہ دوں۔ فرمایا کہ اصل مقصود کام کرنا ہے اور کام کرنے کا طریق مفید اس صورت میں یہ ہے کہ دونوں جگہ میں سے ابھی کسی کو انتخاب نہ کریں بلکہ کام شروع کر دیں اور اس کی یہ صورت ہو کہ جو حالات پیش آئیں اُن کو دونوں جگہ لکھیں اور دونوں جگہ سے جو جواب آئیں اُنہیں جو دل کو لگے نیز عمل کرنے سے نفع معلوم ہو اُن سے اپنی تعلیم و اصلاح کا تعلق رکھیں خواہ مرید ساری عمر بھی نہ ہوں۔ کوئی حرج نہیں ان کو یہ مشورہ دیجئے انشاء اللہ تعالیٰ نافع ہوگا۔

ملفوظ: ۶۲۲ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل بے پردگی کی زہریلی ہوا چل رہی ہے۔ بڑی ہی خطرناک چیز کی طرف مخلوق جا رہی ہے اس کے نتائج نہایت ہی خراب نکلیں گے۔ بے حیائی کا بازار تو پہلے ہی کھلا ہوا تھا اب بیباکی بھی شروع ہو گئی اور غضب یہ ہے کہ قرآن و حدیث سے اس پر استدلال کرتے ہیں جو سراسر دین کی تحریف ہے۔ یہ سب بے حیائی کے کرشمے ہیں۔ بڑے ہی فسق و فجور والحاد کا زمانہ ہے۔ چہار طرف سے دین پر حملے ہو رہے ہیں ہر شخص الا ماشاء اللہ نفسانیت پر اترا ہوا ہے جانوروں کی طرح آزاد ہیں اگر حکومت اسلامی ہوتی اور بادشاہ عادل اور دیندار ہوتا تو پتہ چل جاتا کہ ایسی باتیں کیسے کیا کرتے ہیں اب خود اہل حکومت ہی کا یہ مذاق ہے جس سے ہر قسم کی بے حیائیوں کا ارتکاب ہو رہا ہے اگر حدود شرعیہ جاری ہوتیں تو ان جرائم کی کسی کو ہمت بھی نہ ہوتی۔ چوری پر قطع ید ہوتا۔ زنا پر رجم ہوتا پھر اس کی کیا ہمت ہو سکتی تھی اور اب کیا ہے بے مہار ہیں جو چاہے کریں کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں معائب فواحش ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا سے خیر و برکت رخصت ہو گئی آئے دن ارضی سماوی بلاؤں کا ظہور ہو رہا ہے قحط سالی خشک سالی وبائیں ہیضہ طاعون غرقابی مسلط ہیں لیکن عبرت پھر بھی نہیں حق تعالیٰ سب کو ہدایت فرمائیں اور فہم سلیم عطا فرمائیں۔

ملفوظ: ۶۲۳ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل تو جس کو دیکھو عقل پرست مادہ پرست اور خدا پرست تو بہت ہی کم نظر آتے ہیں حالانکہ عقل بیچاری خود ایک مخلوق ہے اس کے پہونچنے کی بھی ایک حد ہے یہ بیچاری خالق کے احکام کا کیا احاطہ کر سکتی ہے۔ ایسی ہی عقل کی نسبت جو محبوب کی راہ میں سد راہ ہو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

آزمودم عقل دور اندیش را ۔۔۔ بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

اور جنہوں نے اس کو چھوڑ کر اس راہ میں قدم رکھا ایسے دیوانوں کے متعلق مولانا ہی فرماتے ہیں ؎

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد ۔۔۔ مرعسس را دید و درخانہ نشد

اور فرماتے ہیں ؎

باز دیوانہ شدم من اے طبیب
باز سودائی شدم من اے حبیب

اور اسی دیوانگی کو فرماتے ہیں ؎

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم
مست آن ساقی وآن پیمانہ ایم

اور ایسی عقل کس کام کی جو محبوب کی طرف رہبری نہ کر سکے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس کو فرماتے ہیں ؎

فہم وخاطر تیز کردن نیست راہ
جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

اور اس طرح سے فضل اسی خاکساری شکستگی دیوانگی ہی پر ہوتا ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

ہر کجا پستی است آب آنجا رود
ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

ہر کجا دردے دوا آنجا رود
ہر کجا رنجے شفا آنجا رود

پس اگر چاہتے ہو کہ کچھ کام بنے تو اپنے کو مٹاؤ پستی اختیار کرو۔ گریہ اور زاری دعاء التجا الحاح و پکار اپنا شغل بناؤ دیکھو پھر کیا ہوتا ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

کام تو موقوف زاری دل است
بے تضرع کامیابی مشکل است

تانہ گرید ابر کے خندد چمن
تانہ گرید طفل کے جوشد لبن

تانہ گرید کودک حلوا فروش
بحر بخشایش نمی آید بجوش

۷۸۶

قرآن و سنت کی روشنی میں زندگی کے سیکڑوں مسائل کا حکیمانہ حل

ملفوظات حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ

جلد چہارم

قسط چہارم

الافاضات الیومیہ

من

الافادات القومیہ

مسلسل ترتیب کی قسط نمبر ۱۹

مجدد ملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

باہتمام ـــــــــــــــ نسیم احمد

ناشر

ادارہ فکر اسلامی دیوبند (یوپی) ۲۴۷۵۵۴

نام کتاب .... ملفوظات حکیم الامتؒ جلد ۴ قسط ۴
باہتمام .... نسیم احمد بن شمس الحسن صاحب مرحوم
سن طباعت ۱۹۹۰ء ۱۴۱۰ھ
طباعت .... محبوب پریس دیوبند
قیمت .... فی قسط -/۱۰ روپے

ملفوظات حکیم الامتؒ کی جلد چہارم قسط چہارم مسلسل ترتیب کی قسط ۱۹ ناظرین کے سامنے پیش ہے کوئی بھی شخص ایک خط لکھ کر ممبر بن سکتا ہے۔ فیس ممبری کچھ نہیں۔ ممبر بننے کے بعد ہر دو ماہ میں ایک ایک قسط -/۱۵ روپے کی وی پی سے اور دو قسط ایک ساتھ -/۲۵ روپے کی وی پی سے ارسال ہوگی۔ جس کا وصول کرنا آنجناب کا اخلاقی فریضہ ہوگا۔

منیجر ادارہ

فہرستِ مضامین

۶ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

ملفوظ ۶۲۴:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مصلح کو طالب سے اگر کسی وجہ سے انقباض ہو جائے تو وہ مانع فیوض ہو جاتا ہے۔ دوسری بات قابل تنبیہ یہ ہے کہ اس طریق میں مدار نفع کا یکسوئی ہے اور ایک وقت میں دو مصلح سے تعلق رکھنے میں یکسوئی میسر نہیں ہو سکتی جیسے ایک وقت میں دو طبیبوں سے رجوع کرنے میں پریشانی ہوتی ہے۔ ایک کچھ تجویز کرتا ہے دوسرا کچھ تجویز کرتا ہے اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے ایک عورت ایک وقت میں دو مردوں سے تعلق رکھنا چاہے اس وقت شرکاء متشاکسون کا منظر سامنے ہوگا۔ مرد تو دو عورتوں سے ایک وقت میں تعلق رکھ سکتا ہے مگر عورت دو مردوں سے نہیں رکھ سکتی۔ ایک غیر مقلد مولوی صاحب لکھنؤ سے یہاں پر آئے تھے اُن کا تعلق بیعت کا دوسری جگہ تھا مجھ سے بھی بیعت ہونا چاہتے تھے۔ میں نے عذر کر دیا کہ جب دوسری جگہ تعلق ہے تو پھر یہاں تعلق کرنا مناسب نہیں اس پر انھوں نے سوال کیا۔ کیا دوسری جگہ بیعت ہونا منع ہے یا معصیت ہے۔ میں نے کہا کہ حدیث سے ممانعت ثابت ہے اس پر بہت چونکے کہ حدیث سے اس کا کیا تعلق ہے۔ اُن بیچاروں نے کبھی ایسی باتیں سنیں بھی نہ تھیں ہمیشہ یہی سمجھتے رہے کہ ہم ہی عامل بالحدیث ہیں۔ میں نے کہا کہ حُبّ فی اللہ مطلوب اور مامور بہ ہے تو اس کے خلاف منکر ہوگا۔ کہا بیشک۔ میں نے کہا کہ بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں کہ اُن کو یہ سُن کر کہ ہمارے تعلق والے نے دوسری جگہ خصوصیت کا تعلق کر لیا رنج ہوتا ہے اور وہ رنج سبب ہو جاتا ہے ایذاء اور حب فی اللہ کے ضعیف ہو جانے کا تو یہ حدیث کے خلاف ہوا یا نہیں مان گئے۔

ملفوظ ۶۲۵:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آج کل ہر شخص ترقی کا دلدادہ ہے جس کے نہ کچھ نہ اصول ہیں نہ حدود اسی لئے میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ ترقی ترقی کے سبق گاتے پھرتے ہو مگر ہر ترقی تو مطلوب نہیں میں نے اپنے ایک بیان میں جس میں بڑے بڑے انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کا طبقہ شریک تھا۔ بیرسٹر اور وکلاء بھی تھے کہا تھا کہ اگر ہر ترقی مطلوب ہے اور اس کے کچھ حدود اور اصول نہیں تو اگر کسی کے جسم پر ورم ہو جائے اس کے ازالہ کی تدبیر اطباء اور ڈاکٹروں سے کیوں کرواتے ہو ترقی ہی تو ہوئی فربہی بڑھی اس مثال کا بہت زیادہ اثر ہوا۔ اور میں اس پر ایک اور مثال عرض کرتا ہوں کہ آپ کا ایک باورچی ہے آپ اس کو دس روپے ماہوار اور کھانا دیتے ہیں اتفاق سے ایک صاحب آپ کے یہاں مہمان ہوئے ان کو اُس باورچی کا پکایا ہوا کھانا پسند آیا آپ سے تو ظاہر نہیں کیا لیکن دل میں رکھا اور موقع

پاکر اُس باورچی سے پوچھا کہ تم کو کیا تنخواہ ملتی ہے اس نے کہا کہ دس (۱۰) روپیہ ماہوار اور کھانا ملتا ہے اُن مہمان صاحب نے فرمایا کہ ہم تم کو بیس (۲۰) روپے ماہوار اور دو (۲) کھانے ایک تمہارا اور ایک تمہاری بیوی کا دینگے تم ہمارے ساتھ چلو۔ اب دو حالتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ چلا جائے تو آپ کے اصول ترقی کے موافق اس کا یہ عمل بالکل درست ہے مگر قلب کو ٹٹول لیجئے اُس کا اس ترقی پر چلا جانا آپ کو کہاں تک گوارا ہوگا یہی سمجھو گے کہ بے وفا تھا اور اگر وہ اُس مہمان کو یہ جواب دیدے کہ میاں مجھے تو دس روپے اور ایک کھانا ہی کافی ہے میں ان کو نہیں چھوڑ سکتا اس وقت یہی سمجھو گے بڑا وفادار ہے حالانکہ اُس نے آپ کے اصول کے خلاف کیا کیونکہ آپ تو ترقی کے خواہ ہیں تو اگر کوئی شخص خدا کے تعلق کی بناء پر کسی خاص ترقی کو ترک کرے تو اس کو کیوں مطعون کیا جاتا ہے کیا خدا کا بندہ پر اتنا بھی حق نہیں۔

ملفوظ ۶۲۶:- ایک صاحب مجلس میں اس طرح پر بیٹھے تھے کہ تمام منہ چادر سے ڈھکا ہوا تھا حضرت والا نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ چوروں کی طرح یا جیسے کوئی سی آئی ڈی ہوتا ہے اس طرح کیوں بیٹھے ہو کیا مجلس میں بیٹھنے کا یہی طریقہ ہے آخر یہ عورتوں کا سا گھونگٹ کیوں نکال رکھا ہے اگر کوئی خاص وجہ ہے تو اس کو بیان کرو تاکہ معلوم ہو۔ عرض کیا کہ کوئی خاص وجہ تو نہیں۔ فرمایا پھر اس حرکت کا منشا کیا ہے۔ اس کا جواب اس قدر آہستہ آواز میں دیا کہ کوئی بھی نہ سُن سکا فرمایا کہ دیکھا گھونگٹ کا اثر۔ آواز بھی عورتوں ہی جیسی ہوگئی کیا حلق بند ہوگیا کم از کم آدمی اس طرح تو بولے کہ دوسرا اُس لے یہ دوسری حرکت تکلیف کی شروع کی عرض کیا کہ غلطی ہوئی فرمایا کہ غلطی کی یہ سزا ہے کہ اس وقت مجلس سے اٹھو تم کو دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے جس سے خواہ مخواہ مزاج میں تغیر ہوگا۔ اب یہ ہوگا کہ تمہاری حرکتوں کو تو کوئی نہیں دیکھتا اور نہ تم خود محسوس کرتے ہو۔ اور میرے بولنے کو سب سنتے ہیں اور تم بھی جاکر بدنام کروگے اچھا چلو چلتے بنو۔ عرض کیا کہ معاف فرما دیجئے فرمایا معاف ہے مگر یہاں سے چلو۔

ملفوظ ۶۲۷:- ایک دیہاتی شخص نے آکر عرض کیا کہ حضرت جی ایک تعویذ دے دو۔ فرمایا کہ میں سمجھا نہیں۔ اس شخص نے باآواز بلند کہا کہ ایک تعویذ دے دو۔ فرمایا کہ میں بہرہ نہیں سن تو لیا مگر سمجھا نہیں۔ اس پر وہ شخص خاموش ہوگیا۔ فرمایا کہ اب گونگا ہو کر بیٹھ گیا۔ ارے پوری بات کیوں نہیں کہتا۔ کیا گھر سے قسم کھا کر چلا تھا کہ جاکر دق کروں گا۔ عرض کیا اور کس طرح کہوں۔ فرمایا باہر جا اور کسی سے پوچھ کر آ میں نے اس طرح کہا تھا۔ آیا یہ ادھوری بات ہے یا پوری وہ پوچھ کر آیا اور عرض کیا کہ جی میری ادھوری بات ہے۔ اوپرے اثر کا تعویذ دیدو۔ فرمایا کہ یہ دیہاتی بازار میں جاکر سودا خریدنے کے وقت اور اسٹیشن پر جاکر ٹکٹ خریدنے کے وقت تو عالم بنجاتے ہیں اور یہاں آکر جاہل۔ بازار میں جاکر کبھی یہ نہ کہا کہ سودا دے دو اور اُس سودے کا نام نہ لیا ہو۔ یا اسٹیشن پر جاکر یہ کہا ہو کہ ٹکٹ دے دو اور اس جگہ کا نام نہ لیا ہو یہ سارا جہل یہاں ہی کے حصہ میں رہ گیا۔ جس کو اوپری اثر ہو رہا ہے ایک تعویذ تو اس کو لکھوں اور تیرا اوپری اثر مجھ پر ہو رہا ہے تو مجھ کو ستا رہا ہے ایک تعویذ اپنے واسطے کروں کیا پوری بات آکر کہنا تم لوگوں کے لئے موت ہے عرض کیا اجی ہم گاؤں کے ہیں۔ ہماری سمجھ بوجھ ایسی ہی ہوہے۔ فرمایا کہ تم لوگ بڑے ہوشیار ہو۔ اچھا تمہاری سمجھ بوجھ تو گاؤں کے رہنے کی وجہ سے ایسی ہے جو اس وقت ظاہر ہوئی اور ہم قصبہ کے رہنے والے ہیں ہماری سمجھ بوجھ

ایسی سے جواب ظاہر ہو رہی ہے کہ ایک گھنٹے کے بعد آ کر تعویذ لینا اور آ کر پوری بات کہہ دینا کبھی اس وقت کی بات کے بھروسہ نہ رہے مجھے کچھ یاد نہ رہے گا وہ شخص چلا گیا ایک گھنٹہ کے بعد آیا اور پوری بات کہہ کر تعویذ لے کر چلا گیا اس پر فرمایا کہ اب کبھی اس بات کو نہ بھولے گا پوری بات آ کر کہے گا اور جس جگہ بھی جائے گا وہاں بھی پوری بات کرے گا۔ اگر اس طرح نہ کروں تو جہل سے کیسے نجات ہو۔

ملفوظ نمبر ۶۲۸ ایک صاحب نے ایک صاحب کے حالات بیان کرتے ہوئے حضرت والا سے عرض کیا کہ قلت تنخواہ کے سبب اکثر پریشان رہتے ہیں۔ ہر چند یہاں کی حاضری کی کوشش کرتے ہیں مگر مجبور ہیں۔ فرمایا کہ مجھ کو تو اس کا حال معلوم نہیں ہوا میں نے اپنے دوستوں سے کہہ رکھا ہے کہ جب ایسا موقع ہوا کرے بے تکلف مجھ کو لکھ دیا کریں میں بھی بے تکلف اگر کچھ سامان ہوگا بھیج دوں گا اگر نہ ہوگا عذر کر دوں گا۔ پھر فرمایا کہ ایک روز اسی قسم کی گفتگو ہو رہی تھی ایک صاحب کہنے لگے کہ آپ سے لینا چاہیئے یا آپ کو دینا چاہیئے۔ لینا تو بڑے شرم کی بات ہے۔ میں نے کہا اچھا یہ بتلاؤ کہ دنیا زیادہ قیمتی ہے یا دین۔ کہا دین۔ میں نے کہا ایسی قیمتی چیز لیتے ہوئے تو شرم نہیں آئی اور اس سے گھٹیا چیز لینے سے بچتے ہو۔ چپ رہ گئے حالانکہ جواب اس کا بھی تھا کہ دین دے کر تو تمہارے پاس بھی رہتا ہے اور دنیا دے کر تمہارے پاس نہیں رہتی لیکن اگر وہ یہ جواب دیتے تو میں ان کو اس کا بھی جواب دیتا مگر وہ جواب بیان نہیں فرمایا ۱۲ جامع)

ملفوظ نمبر ۶۲۹ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک غیر مقلد کا خط آیا تھا کہ مجھکو بھی اللہ کا نام بتلا دو میں نے لکھا کہ مجھ کو عذر نہیں مگر اول یہ بتلا دو کہ تم میری تقلید بھی کرو گے یا نہیں۔ بیچارہ بہت گھبرایا کیونکہ اگر لکھتا ہے کہ تمہاری تقلید نہ کروں گا تو اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جب میرا اتباع نہ کرو گے تو تعلیم سے کیا فائدہ اور اگر لکھتا ہے کہ کروں گا تو یہ سوال ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی تو تقلید کرتے نہیں میری کیسے کرو گے اس لئے جواب سے عاجز ہو کر لکھا کہ اس سوال کو چھوڑ دو اللہ کا نام بتلا دو حالانکہ اس کا بہت سہل جواب تھا وہ یہ کہ تمہاری تقلید کروں گا اور اس پر جو سوال ہوتا ہے اُس کا جواب یہ ہے کہ تمہاری تقلید احکام میں تھوڑی ہی ہوگی محض اعمال کی تدابیر میں ہوگی جیسے طبیب کی تقلید تدابیر میں کی جاتی ہے اور امام ابو حنیفہ کی تقلید احکام میں کرائی جاتی ہے مگر اُس سے جواب نہ بن پڑا۔

ملفوظ نمبر ۶۳۰ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بیچارہ حسین بن منصور تو کس شمار میں ہے جو اعتراض سے بچ جاوے وہ تو معترضین کا تختۂ مشق ہے۔ معترضین نے تو انبیاء علیہم السلام تک کو ساحر اور کاذب کہا سو ابن منصور بیچارہ تو کس شمار میں ہے وہ تو کوئی کاملین سے بھی نہیں گو معذور ہو اگر کسی معترض نے کچھ کہہ دیا تو کیا تعجب ہے۔

ملفوظ نمبر ۶۳۱ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہاں ایک مقلد عالم پنجاب سے آئے تھے بسبیل گفتگو میں نے ان سے کہا کہ اصل مدار اعتقاد اور عدم اعتقاد کا حُسن ظن اور سوء ظن ہے آپ ابن تیمیہ ابن القیم

کے معتقد ہیں وہ اگر بے دلیل بھی کوئی بات کہیں آپ کو شبہ نہیں ہوتا حالانکہ میں ان کا ایک رسالہ دکھاؤں جس میں دھڑا دھڑ یجوز لا یجوز کہتے چلے جاتے ہیں اور دلیل ندارد مگر آپ کو ان پر اعتماد ہے کہ وہ جو کہتے ہیں قرآن و حدیث سے کہتے ہیں اس لئے بلا تردد اس کو قبول کرتے ہیں، حالانکہ بہت سے دعووں کے ساتھ قرآن و حدیث کا کہیں پتہ بھی نہیں اور ہم کو اسی طرح کا اعتماد امام ابو حنیفہ پر ہے کہ وہ جو کہتے ہیں قرآن و حدیث سے کہتے ہیں۔ ہماری تقلید اور آپ کی تقلید میں مابہ الفرق کچھ بھی نہیں۔ اس تقریر کا ان پر بے حد اثر ہوا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے اس میں کوئی بناوٹ نہیں کہ اطمینان و عدم اطمینان کا مدار صرف حسن ظن اور سوء ظن ہے جس پر حسن ظن ہوتا ہے اس پر اعتماد ہوتا ہے اس کی ہر بات مقبول ہوتی ہے اور جس پر سوء ظن ہوتا ہے اس کی ہر بات غیر مقبول ہوتی ہے۔

۷ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقتِ صبح یوم دوشنبہ

ملفوظ نمبر ۶۳۲ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دوسرے اداروں میں تو مالی ذخائر ہیں اور یہاں ان کی نسبت بے سروسامانی ہے۔ مگر اللہ کا فضل ہے کہ جس قدر مفید کام یہاں ہو رہا ہے دوسری جگہ نہیں ہو رہا۔ یہاں پر درس و تدریس کا کام تو معمولی ہے لیکن تصنیف کا کام نیز تربیت و اصلاح کا کام خاص اہتمام سے ہو رہا ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے یہ میں کوئی فخر کی راہ سے نہیں کہہ رہا بلکہ ایک نعمت حق سمجھ کر تحدیث بالنعمۃ کے طور پر یہ عرض کر رہا ہوں اور اس میں فخر ہی کی کونسی بات ہے۔ سب اپنے بزرگوں کی دعاء کی برکت اور خداوند جل جلالہ کی رحمت ہے۔ تمام معاملہ محض توکل پر ہے اور یہاں تصانیف کی اشاعت کے لئے تو ذخیرہ کیا ہوتا اور چندہ وغیرہ کا کیا اہتمام کیا جاتا۔ صرف ایک چھوٹا سا مدرسہ ہے اس کے لئے بھی چندہ وغیرہ کی تحریک نہیں کی جاتی مجھ کو ہمیشہ ان چیزوں کی احتیاط رہی ہے۔ خصوص چندہ کے باب میں مجھ کو زیادہ احتیاط ہے اور ہمیشہ اہل مدارس کی شکایت بھی رہی کہ اس میں احتیاط سے کام نہیں لیا جاتا اور یہ جو کچھ آج کل اکثر مدارس میں فتنہ فساد اور بے برکتی ہو رہی ہے میں اس کا سبب چندوں میں قلت احتیاط کو سمجھتا ہوں۔ اس چندہ کے باب میں آج کل ایسی گڑبڑ ہو رہی ہے کہ جائز ناجائز کو بھی بہت کم دیکھا جاتا ہے الاماشاء اللہ۔ چنانچہ بدون طیب خاطر کسی سے وصول کرنا بالکل ناجائز ہے اور اس سے احتیاط شاذ و نادر کی جاتی ہے۔

ملفوظ نمبر ۶۳۳ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر کسی آدمی کے اندر حقیقی کمالات پیدا ہو جاتے ہیں وہ خود بخود فضولیات اور عبث سے بیگانہ ہو جاتا ہے اس کو رسمیات کے اہتمام کی ضرورت نہیں

ہوتی اور میں تو جس کو بنا ؤ سنگار اور چٹک مٹک کرتا ہوا دیکھتا ہوں فوراً ذہن میں یہی آتا ہے کہ یہ شخص کمالات سے کورا ہے جب ہی تو عبث اور فضول طرف متوجہ ہے۔ چاہے یہ میرا خیال غلط ہی ہو مگر ذہن فوراً اس طرف جاتا ہے اور اکثر تجربہ سے یہی ثابت بھی ہوتا ہے۔ اہل کمال کو اس ظاہری ٹیپ ٹاپ کی ضرورت ہی کیا ہے اس کی تو یہ حالت ہے

نباشد اہل باطن در پئے آرائش ظاہر　　بنقاش احتیاجے نیست دیوار گلستاں را

اور اس کی یہ شان ہوتی ہے

دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند　　دلبر ماست کہ حسن خدا داد آمد

اور اس کی یہ شان ہوتی ہے

اے دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی　　بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

ملفوظ ۶۳۴ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بھائی اکبر علی مرحوم سمجھ دار آدمی تھے تجربہ کار تھے ان کی یہ رائے تھی کہ لڑکی دے تو دیندار مولوی کو دینا چاہیے اور یہ بھی کہا کرتے تھے کہ مولوی ہونا بھی مطلوب نہیں دیندار ہونا مطلوب ہے واقعی کام کی بات ہے اور اُن کی یہ رائے سب طبقات والوں کو دیکھ کر ہوئی تھی الحمد للہ یہاں پر جو آ کر رہتے ہیں اُن سب میں یہی شان دین کی پیدا ہو جاتی ہے۔ آج کل یہاں ایک مولوی صاحب ہیں جو یہاں مدرس بھی ہیں ان کی یہ حالت ہے کہ اگر کبھی ان کی بیوی بیمار ہو جاتی ہے تو گھر کا سب کام خود اپنے ہاتھ سے کر لیتے ہیں حتیٰ کہ چکی تک پیس لیتے ہیں۔ مصالحہ پیس لیتے ہیں باوجود اس کے کہ ذی علم آدمی ہیں اور تھوڑی سی تنخواہ پر قناعت کئے ہوئے ہیں یہ سب دین کی برکت ہے۔ بازار سے سودا لانا۔ پانی کے گھڑے بھر بھر کر کنوئیں سے خود لیجانا یہ سب کام اپنے ہاتھ سے کرتے ہیں۔ سب مسلمانوں کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

ملفوظ ۶۳۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ پہلے جو دنیا دار کہلاتے تھے وہ آج کل کے دکاندار مشائخ سے لاکھ درجہ بہتر تھے۔ والد صاحب مرحوم دنیا دار تھے دنیا کی فکر بھی تھی اس کے حاصل کرنے کی کوشش بھی کرتے تھے اور حاصل بھی کی تھی روپیہ بھی تھا اور جائداد بھی تھی لیکن اس قدر عاقل کہ مجھ کو عربی پڑھائی بعض خیر خواہوں نے سمجھایا بھی کہ انگریزی پڑھاؤ جیسی دوسرے بھائی کو پڑھائی۔ مگر صرف میرے متعلق یہ رائے تھی کہ عربی ہی پڑھاؤنگا یہ فرمایا کرتے تھے کہ انگریزی پڑھنے والے اس کے پیچھے پیچھے پھرینگے اور یہ منہ بھی نہ لگا دے گا۔ افسوس ہے کہ آج کل کے بڑے بڑے دیندار لکھے پڑھے حتیٰ کہ مولوی تک اپنے بچوں کو انگریزی پڑھا رہے ہیں۔ اس سے دونوں کے قلوب میں دین کی عظمت اور احترام کی کمی بیشی کا پتہ چلتا ہے اور دیندار مولویوں کا بچوں کو انگریزی تعلیم دلوانا تو بڑی ہی خطرناک بات ہے کتنے بڑے فتنہ کا زمانہ ہے چہار سو نیچریت کا غلبہ ہے کچھ پتہ نہیں چلتا سب گڈ مڈ معاملہ ہو رہا ہے۔ اس وقت کی باتیں والد صاحب کی یاد آتی ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی شیخ اپنے مرید کی تربیت کرتا ہے۔ اس طرح ہم لوگوں کی تربیت فرماتے تھے اس کا یہ اثر ہے کہ گو ہمارے اندر تواضع پیدا نہیں ہوئی لیکن تواضع والے پسند آتے ہیں۔ ان معاملات میں بڑے ہی فہیم تھے اکثر نیک باتیں اسی وقت کی قلب میں جمی ہوئی ہیں جو اس وقت کام

دے رہی ہیں۔

ملفوظ ۶۳۶ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ غیر تربیت یافتہ ہمیشہ ڈھل مل ہی رہتا ہے اس میں رسوخ تو ہوتا نہیں اس لئے وقت اور موقع پر قلب میں لغزش ہو جاتی ہے کوئی تھامنے والی چیز تو قلب میں ہوتی نہیں اس لئے سب زہد و تقویٰ ذکر و شغل علم و فضل دھرا رہ جاتا ہے بالکل وہ مثال ہو جاتی ہے کہ جیسے ایک بادشاہ نے ایک بلی کو تعلیم دی تھی کہ اس کے سر پر شب کو چراغ رکھ دیتا وہ لئے کھڑی رہتی جب ہر طرح پر اپنی تعلیم پر اطمینان ہو گیا تو ایک روز وزیر سے اس کی تعریف کی کہ ہماری بلی بڑی تعلیم یافتہ ہے بڑی مہذب ہے۔ وزیر نے کہا کہ حضور امتحان بھی کر لیا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ امتحان کیا۔ وزیر نے ایک چوہا پکڑوایا اور پوشیدہ کرایا۔ بلی کے سر پر چراغ رکھا گیا اس وقت اس کے سامنے چوہا چھوڑ دیا۔ بلی کا چوہے کو دیکھنا تھا کہ ایک دم کے دم میں بلی کہیں چراغ کہیں چوہا کہیں سب گڑبڑ ہو گیا وہ سال دو سال کی تعلیم اور تہذیب آنِ واحد میں ختم ہو گئی۔ یہی حالت غیر تربیت یافتہ کی ہوتی ہے اس کی کسی بات پر اعتماد و اعتبار نہیں ہوتا۔

ملفوظ ۶۳۷ ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ میں نے تم سے ایسا کون سا باریک سوال کیا تھا کہ جس کا تم جواب نہ دے سکے۔ یہی تو پوچھا تھا کہ تم نے جو مرید ہونے کی غرض سے سفر کیا اور تین دن ٹھیرنے کو بیان کیا۔ اگر میں نے مرید نہ کیا تو پھر بھی تین دن قیام رہے گا یا کیا صورت ہوگی۔ جب تم پہلے تو خاموش رہے اب اگر جواب دیا بھی تو اس طرح کہ کوئی سن نہ لے تم لوگ آکر کیوں دق کرتے ہو ایسے ہی نواب ہو تو گھر پر رہے ہوتے آئے ہی کیوں تھے کیا کوئی بلانے گیا تھا کہاں تک کوئی تمہاری اصلاح کرے۔ اصلاح بھی اصلاح ہی کرنے کی باتوں کی کی جاتی ہے یہ تو موٹی موٹی باتیں ہیں اور فطری باتیں ہیں مگر عقل اور فہم کا اس قدر قحط ہو گیا ہے کہ جس کو دیکھو اس مرض میں مبتلا ہے اور عقل و فہم کا بھی زیادہ قصور نہیں زیادہ تر بے فکری کا مرض ہے یہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ اکثر غلطیاں بدعقلی یا بدفہمی کی وجہ سے نہیں ہوتیں بلکہ زیادہ تر بے فکری سے ہوتی ہیں اس لئے میں فکر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہوں اس بے فکری کے سبب سیدھی سادی بات کو اینچ پینچ میں ڈال دیتے ہیں۔ خود پریشان ہوتے ہیں دوسروں کو پریشان کرتے ہیں۔ میرٹھ سے ایک صاحب آئے تھے خود بخود تمام ضروری باتیں بیان کر دیں کہ یہ نام ہے یہ کام کرتا ہوں۔ فلاں مقام سے آیا۔ تین دن رہوں گا۔ اُن سے میں نے کچھ بھی نہ کہا۔ رہے اور چلے گئے۔ زمانہ قیام میں بھی کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے کوئی کلفت ہوتی ہر مسلمان کو ایسا ہی ہونا چاہیئے کہ اس سے دوسرے کو اذیت نہ ہو۔ تکلیف نہ پہنچے مگر اس کا آج کل کسی کو خیال ہی نہیں۔ اب زبان بند کئے بیٹھے ہیں۔ بتلائیے کہاں تک تغیر نہ ہو اور کہاں تک صبر کروں آخر کوئی حد بھی ہے عرض کیا کہ غلطی ہوئی معاف کر دیجئے۔ عرض کیا اگر حضرت نے مرید بھی نہ کیا تب بھی تین دن رہوں گا۔ فرمایا کہ اب میں تم کو مشورہ دیتا ہوں کہ وطن واپس ہو جاؤ اور جا کر خط و کتابت سے معاملہ طے کرو مگر یہ مشورہ ہے حکم نہیں۔ اگر اس کے بعد بھی قیام کرنے کو دل چاہے تو اجازت ہے لیکن زمانہ قیام میں خاموش مجلس میں بیٹھے رہنا ہو گا۔ مکاتبت مخاطبت کی اجازت نہ ہو گی اگر یہ منظور ہو تو مجھ کو ان دونوں میں سے جس کے متعلق رائے قائم کی ہو اطلاع

کردی جائے تاکہ مجھ کو یکسوئی ہو اور دوسرے کام میں لگوں۔ عرض کیا کہ قیام رکھوں گا اور مکاتبت مخاطبت کچھ نہ کروں گا۔ فرمایا اگر پہلے ہی اس طرح بول پڑتے تو کونسا قاضی گلا کرتا۔ آخر اب بھی تو انسانوں کی طرح بول رہے ہو۔ اب فکر سے کام لیا۔ خود بھی پریشانی سے بچے اور دوسرے کو بھی اذیت سے نجات ہوئی۔ بس یہ میری بد اخلاقی ہے۔ سخت گیری ہے جس پر بدنام کیا جاتا ہوں۔

ملفوظ ۶۳۸ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ تحریک خلافت کے زمانہ میں معترض حضرات تو کہتے تھے کہ انگریزوں سے مل گیا ہے اور دانشمند انگریز یہ سمجھتے تھے کہ عیسائیت کا دشمن ہے۔ اس زمانہ میں بھائی اکبر علی مرحوم پر فالج کا مرض پڑا۔ منصوری میں علاج کے لئے گئے تھے۔ بھائی مرحوم کے لڑکے میاں حامد علی تیمار دار تھے اس زمانہ میں ایک امریکن پادری مع اپنی جماعت کے منصوری آیا ہوا تھا اتفاق سے اس پادری سے حامد علی کی کچھ رسم ہوگئی اور کسی سلسلہ سے میرا بھی ذکر آگیا اس نے ان تحریکات کے متعلق میرے خیالات معلوم کئے اور معلوم کر کے یہ کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عیسائیت کا سخت دشمن ہے۔ حامد علی نے کہا کہ لوگ تو اس تحریک میں شریک ہونے سے عیسائیوں کے ساتھ موافق سمجھتے ہیں۔ کہنے لگے لوگوں کو کیا خبر وہ سوراج کا مخالف ہے وہ اس کی حقیقت کو سمجھ گیا وہ یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان میں دو مذہب آباد ہیں ہندو اور مسلمان۔ اور اپنے اپنے مذہب کی وجہ سے ایک دوسرے سے تصادم رکھتے ہیں اس کشمکش کی وجہ سے ہر مذہب کا شخص اپنے مذہب پر سختی سے قائم ہے۔ ان میں کسی تیسرے مذہب کی قبول کی گنجائش نہیں۔ عیسائی مشن پر لاکھوں کروڑوں روپیہ صرف ہو رہا ہے لیکن آج تک ہندوستان میں پوری کامیابی نصیب نہیں ہوئی اور سوراج کی کوشش میں ملک کے معاملات میں ہندو مسلمان ایک دوسرے کی مراعات کرے گا تو ہر ایک میں ڈھیلا پن پیدا ہو جاوے گا اور تیسرے مذہب کے قبول کی گنجائش نکل آئے گی اس لئے وہ شخص سوراج کی مخالفت میں عیسائیت کا دشمن ہے۔ دیکھئے اس امریکن کی تقریر۔ وہاں یہ خیال اور یہاں یہ خیال۔ اور اپنے اپنے خیال سے دونوں دشمن۔ خیر ہوں دشمن۔ اللہ راضی چاہیئے۔ کسی کی دشمنی سے کیا ضرر۔ اور کیا کوئی بگاڑ سکتا ہے یہاں تو بحمد اللہ اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت سے یہ مشرب اور مذہب ہے ۔

ما ہیچ نداریم غم ہیچ نداریم دستار نداریم غم پیچ نداریم

اس ہی امریکن شخص نے حامد علی سے ایک اور بات بھی کہی کہ انگریزوں میں زیادہ تہذیب نہیں۔ ہمارے یہاں اعلیٰ درجہ کی تہذیب ہے اور وجہ یہ بیان کی کہ ان میں اپنا ہر کام نوکروں سے لیتے ہیں اور ہمارے یہاں زیادہ کام اپنے ہاتھ سے کرتے ہیں یہ وہ بات کہی جو اسلام میں سب سے پہلی تعلیم ہے چنانچہ خود حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا دولت خانہ میں تشریف رکھتے وقت اکثر کاموں کا خود اہتمام فرمانا۔ احادیث میں منصوص ہے۔ حضرات خلفاء راشدین اپنی رعایا تک کی خدمت خود کرتے تھے۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ شب کو اپنے زمانہ خلافت میں رعایا کی خبر گیری کی غرض سے گشت فرما رہے تھے۔ دیکھا کہ مدینہ شریف کے جنگل میں ایک خیمہ میں کوئی مسافر ٹھہرا ہوا ہے اور اس کی بیوی کے دردزہ ہو رہا ہے اور وہ کسی دائی کے نہ ہونے کی وجہ سے سخت پریشان ہے تمام لوگ مدینہ شہر کے پڑے ہوئے

سو رہے تھے اس خیال سے کہ کسی کی نیند نہ خراب ہو کسی کو جگانا پسند نہ فرمایا اپنی بیوی سے جا کر کہا کہ یہ قصہ ہے تم جاکر بچہ جنوا دو اور یہ ہمت ظاہر کرنا کہ میں امیر المومنین کی بیوی ہوں۔ غرض حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ہمراہ لیجا کر دائی کا کام کرایا یہ امر یکین تو اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنے کو اعلیٰ درجہ کی تہذیب بتلاتا تھا۔ یہاں دوسروں کا کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ہرقل کا ایک قاصد مدینہ کو روانہ ہوا۔ مدینہ پہونچ کر لوگوں سے پوچھتا ہے جس کو مولانا نقل فرماتے ہیں ؎

گفت کو قصر خلیفہ اے حشم تا من اسپ و رخت را آنجا کشم

قوم گفتندش کہ او را قصر نیست مر عمر را قصر جانے روشنے است

دریافت کرتا ہے کہ اس وقت وہ ہیں کہاں۔ لوگوں نے کہا کہ ابھی یہاں پر تھے اس طرف کو تشریف لے گئے ہیں اس طرف کو چلا معلوم ہوا کہ اموال مسلمین کی نگرانی کے لئے جنگل کی طرف تنہا تشریف لے گئے ہیں اس کے تعجب اور حیرت کی کوئی حد نہ رہی کہ عجیب معاملہ ہے کہ اس کے پاس نہ کوئی قلعہ ہے نہ فوج نہ پلٹن نہ پہرہ نہ چوکی نہ کوڑا نہ قفل نہ توپ نہ مشین گن نہ بندوق نہ تلوار اور پھر وہ کیا چیز ہے اس شخص کے اندر کہ جس سے وہ تمام مخلوق پر حکومت کر رہا ہے اور بڑے بڑے قیصر اور کسریٰ جن کے پاس اس قدر ساز و سامان کہ لاکھوں جرار فوجیں وہ اس سے ترساں اور لرزاں ہیں یہ سوچتا ہوا جنگل کی طرف چل دیا جا کر دور سے دیکھا کہ تنہا دھوپ میں پڑے سو رہے ہیں۔ اب جس قدر آگے بڑھتا ہے دیکھتا ہے کہ دل پر ایک ہیبت اور خوف طاری ہوتا جاتا ہے جسم میں رعشہ کی سی کیفیت پیدا ہو چلی بہت اپنے کو سنبھالا مگر نہ برداشت کر سکا یہ وہ شخص تھا کہ جو ہمیشہ شاہی دربار میں رہتا اور بڑے بڑے بہادر اور جرنیل اور کرنل اس کے ہمرکاب رہتے۔ اس حالت سے اس کو سخت تعجب ہوا اور سمجھا کہ ؎

ہیبت حق ست ایں از خلق نیست ہیبتے زیں مرد صاحب دلق نیست

اس واقعہ کے بیان کرنے سے غرض اس وقت یہ تھی کہ یہ اسلام کی تعلیم ہے جس کو آج اعلیٰ درجہ کی تہذیب بتلایا جاتا ہے۔ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ان کے ساتھ ایک شخص سفر میں چلے اُن بزرگ نے فرمایا کہ سفر کا معاملہ ہے ایک کو امیر بنانا ضروری ہے چاہے تم خود بنجاؤ یا مجھ کو بنا لو وہ بیچارہ سمجھا کہ یہ بزرگ ہیں بڑے ہیں انھیں کو امیر بنانا چاہیے عرض کیا کہ حضرت ہی امیر رہے۔ فرمایا بہت اچھا۔ سفر شروع ہو گیا۔ ایک مقام پر پہونچ کر اُس شخص نے خیمہ لگانا چاہا ان بزرگ نے اس کو منع کیا اور خود اپنے ہاتھ سے لگانے لگے۔ یہ بولے کہ حضرت میں لگاؤں گا۔ فرمایا کہ میں امیر ہوں میری مخالفت کرنے کا کوئی تم کو حق نہیں جو میں کہوں تم اس کی مخالفت نہیں کر سکتے۔ سارے سفر میں تمام کام اپنے ہی ہاتھ سے کیا اس کو کچھ بھی نہیں کرنے دیا وہ بیچارا بہت پچھتایا کہ واہ اچھا امیر بنایا اس سے تو میں ہی امیر بن جاتا تو اچھا ہوتا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اکثر کیاریوں میں سبزی لگانے کا شوق تھا کسی میں پودینہ کسی میں دھنیا۔ کسی میں کچھ کسی میں کچھ۔ پودینہ میں بکری کی مینگنیں سنا ہے کہ زیادہ مفید ہوتی ہیں تو حضرت کو پودینہ کی کیاری کے لئے مینگنیوں کی ضرورت تھی۔ کیاری درست کر رہے تھے کہ ایک زمیندار سامنے سے آ گئے اُن سے فرمائش کر دی انھوں نے تعمیل

کے گدڑیوں سے منگوا دیا۔ مولانا خود اپنے ہاتھ سے توڑ توڑ کر بینگنوں کو کیاری میں ڈال رہے تھے اتنے میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے۔ دریافت کیا کہ مولانا کیا کر رہے ہیں اور یہ بینگنیاں کہاں سے آئیں؟ فرمایا کہ فلاں شخص نے بھجوا دیں فرمایا کہ تم نے ظلم کی اعانت کی وہ شخص ظالم ہے زبردستی لوگوں سے کام لیتا ہے ان کو ابھی واپس کرو خود مولانا نے ٹوکری میں سب جمع کر کے اسی وقت واپس کیں عمل کرنا نہ کرنا دوسری چیز ہے مگر اسلام کی تو تعلیم یہی ہے کہ ہر شخص حتی الامکان اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کرے۔ الحمد للہ بزرگوں کی برکت سے میری بھی خود بھی عادت ہے کہ قریب قریب سب کام اپنے ہاتھ سے کرتا ہوں کبھی کسی کتاب کی ضرورت ہوتی ہے تو کتب خانہ سے خود جا کر لاتا ہوں اور خود رکھ کر آتا ہوں بعض مرتبہ مولوی شبیر علی کے مطبع سے کتاب لینے کی ضرورت ہوتی ہے تو خود جا کر لاتا ہوں اگر کوئی بہت ہی بے تکلف شخص پاس بیٹھا ہو تو کوئی کام کہہ دیتا ہوں ورنہ زیادہ اپنے ہی ہاتھ سے کرتا ہوں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ یہ حضرات عجیب شان کے تھے ایک مرتبہ اس مذکور واقعہ کا عکس ہوا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ خفا ہوئے اور انھوں نے تحمل کیا وہ واقعہ اس طرح ہوا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بچہ کے ساتھ مزاح فرما رہے تھے۔ مزاح میں اس کی ٹوپی اتار کر اپنے سر پر رکھ لی اس پر کچھ گوٹہ کا کام تھا۔ مولانا محمد یعقوب صاحب نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ کیا محول ہے یہ ٹوپی کیوں اوڑھی فرمایا کہ اتنی تو جائز ہے کیونکہ چار انگل سے بہت کم تھی کہا کہ تو پھر عوام کے لئے حریر اور دیبا بھی سب جائز ہو جاوے گا اور ان پر لیٹ لے کر دوڑے۔ مولانا نے حجرہ میں جا کر پناہ لی۔ مولانا نے معافی مانگی بات ختم ہوئی۔ ایک اور واقعہ ایسی ہی خفگی کا یاد آیا۔ مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ حج کو تشریف لے گئے اور حاجی محمد عابد صاحب کو اہتمام سپرد کر گئے تھے۔ ایک روز مولانا محمد یعقوب صاحب مدرسہ میں ذرا دیر سے تشریف لائے تھے وجہ یہ تھی کہ مولانا مرجع الخلائق تھے بہت سے کام مخلوق کے نکلتے تھے مدرسہ میں دیر سے آنے کی وجہ بھی یہی تھی۔ اس پر حاجی صاحب نے کہا کہ جب عقد اجارہ ٹھیرا تو اتنے وقت کی تنخواہ کٹے گی۔ معاملہ سے تو برا نہیں مانا مگر طرز اور تعلقات خصوصیت کے خلاف تھا اس لئے ناگوار ہوا اور فرمایا کہ سب ہی کاٹ لو اب ہم مدرسہ میں کام ہی نہ کریں گے۔ دونوں طرف سے گفتگو بڑھ گئی۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا سے درگذر کرنے کو فرمایا اُن سے بھی ناراض ہو گئے کہ ہمارے مخالف کی طرفداری کی اور ناراض ہو کر معین الدین مرحوم مولانا کے بڑے بیٹے تھے اُن سے کہا کہ سواری لے آؤ ہم دیوبند نہ رہیں گے۔ مولوی ظفر احمد کے دادا شیخ نہال احمد صاحب ائر تھے۔ انھوں نے سب سواری والوں کو منع کر دیا۔ فرمایا کہ مجھ کو سب معلوم ہے جو سازش ہوئی ہے۔ اتفاقاً نانوتہ سے کچھ دھوبی گدھے لے کر سودا لینے آئے تھے ان کو بلا کر اور گدھے منگا کر ان پر کتابیں لادیں اور ایک پر خود سوار ہو لئے اور بیٹے کو سوار کیا اور نانوتہ چل دیئے وہاں گھوڑے گدھے نظر میں سب برابر تھے۔ مولانا محمد قاسم صاحب نے نانوتہ جا کر معافی چاہی مگر اس وقت غصہ تھا۔ فرمایا دو چار لفظ یاد کر لئے ہیں اس سے کیا ہوتا ہے۔ مولانا نے ٹوپی سر سے اتار کر پاؤں پر ڈالدی مگر ناز کے غلبہ سے وہ بھی کافی نہ ہوئی۔ اس پر مولانا محمد قاسم صاحب نے فرمایا کہ میں اس سے زیادہ کیا کر سکتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں مولانا محمد یعقوب صاحب ان کی خدمت میں خود پہونچے اور ان کے پیروں پر گر گئے۔

اور بالکل صفائی ہو گئی سب ایک کے ایک ہو گئے۔

ملفوظ ۶۳۹:- ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اپنے ان حضرات اور دوسرے بزرگوں کے حالات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی جماعت صدیوں کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ ان میں پہلی جماعت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ والی تھی اس کے بعد حضرت مولانا گنگوہی و مولانا نانوتوی کا طبقہ ہوا۔ ان حضرات کے واقعات۔ معاملات۔ تحقیقات۔ علوم۔ اعمال تدین۔ تقویٰ۔ بے نفسی سے پتہ چلتا ہے کہ نہایت جامع مانع شان رکھتے تھے جو کام ان حضرات کا ہوتا تھا محض خلوص پر مبنی ہوتا تھا اور حق کے لئے ہوتا تھا اور یہ ان حضرات کی خلوص نیت ہی کے ثمرات ہیں کہ لاکھوں کروڑوں مخلوق گمراہی اور ضلالت سے محفوظ رہی ورنہ یہ زمانہ سخت پرآشوب زمانہ ہے چہار طرف سے فتن اور ظلمت چھائی ہوئی ہے۔ ایک خاص بات ان بزرگوں کی یہ ہے کہ ان کے ذکر میں ایک خاص برکت معلوم ہوتی ہے اور قلب کو کشش ہوتی ہے۔ ان کا جب کبھی ذکر شروع کر دیتا ہوں قطع کرنے کو جی نہیں چاہتا۔

ملفوظ ۶۴۰:- ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ کم از کم اپنی کوتاہی کا اعتراف تو ہونا ضروری ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا کفارہ ہے باقی خودداری اور قبول حق سے استنکاف یہ تو بڑی ہی مہلک چیز ہے۔ نور باطن و نور قلب کو بالکل فنا ہی کر دیتی ہے۔ باطن اس سے بالکل برباد ہو جاتا ہے معلوم بھی ہے کہ یہ خودداری کبر سے ناشی ہے۔ آج کل کبر کا نام خودداری رکھا ہے۔ شیطان نے بھی تو یہی خودداری کی تھی پھر اس کا جو انجام ہوا وہ ظاہر ہے۔

ملفوظ ۶۴۱:- ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شیخ کی خدمت میں بکثرت حاضر ہونے سے جو بات میسر ہوتی ہے وہ بات کتابیں دیکھنے سے نصیب نہیں ہو سکتی۔ کتاب دیکھنے کے منافع اور ہیں صحبت کے منافع اور ہیں۔ آج کل لوگ ان فرقوں کو سمجھتے نہیں اس لئے بجائے اتباع کے ہر جگہ اپنی راؤں کو دخل دیتے ہیں جو خود ایک مستقل مرض ہے جس کا تعلق اسی خودداری سے ہے۔ یہ بھی شیخ ہی کو اطلاع کرنے سے اور اس کی بتلائی ہوئی تدابیر پر عمل کرنے سے جا سکتا ہے اس ہی لئے اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے اس کی ضرورت ہے کہ کسی کامل کی تلاش کرے اور اُس کا کامل اتباع کرے بدون اس کے اس راہ میں ہرگز قدم نہ رکھے ورنہ سخت خطرہ ہے۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

یار باید راہ را تنہا مرد   بے قلاؤز اندریں صحرا مرد

ملفوظ ۶۴۲:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں! آج کل یہ ایک نیا فتنہ شروع ہوا ہے کہ شرف نسب ہی کی نفی کرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ یہ کوئی چیز نہیں لیکن اگر اس کے خواص اور آثار اکثر کلی نہیں تو اکثری تو ضرور ہیں اور یہ مشاہد ہے اور ایک بات عجیب ہے کہ یہ لوگ ایک طرف تو کہتے ہیں کہ حسب نسب کوئی چیز نہیں۔ دوسری طرف اپنے لئے اس کی کوشش ہے اگر یہ کوئی چیز نہیں تو تم جو ہو وہی رہو۔ دوسری طرف کیوں لپکتے اور

دوڑتے ہو ورنہ جو اعتراض تم ان پر کرتے ہو وہی تم پر ہوگا۔ کیونکہ ان میں بھی کوئی اپنے کو صدیقی ثابت کرنا چاہتا ہے۔ کوئی انصاری۔ کوئی قریشی۔ کوئی فاروقی کوئی زبیری کوئی علوی پھر اپنے اعتراض کا جو جواب تم تجویز کروگے وہی طرف سے سمجھ لیا جائے ایک مولوی صاحب نے حسب نسب کی تحقیق میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے جو عنقریب چھپکر تیار ہو جاوے گا اس کے متعلق فرمایا کہ رسالہ تو لکھا گیا میں نے دیکھا بھی ہے۔ بعض مصنفین میں ایک فرق تو ہوتا ہے علم کی کمی بیشی کا اور ایک ہوتا ہے جوان بوڑھے ہونے کا تو ان کا علم تازہ ہے استحضار بھی کافی ہے اچھا لکھ لیں گے مگر بوڑھے جوان کا جو فرق ہے وہ باقی رہے گا یعنی عنوان ذرا تیز ہو

ملفوظ ۴۴۳ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ علوم کی بھی قسمیں ہیں بعض کا علم تو طولی عرضی ہوتا ہے اور بعض کا عمقی جس میں تقوے کو خاص دخل ہے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار فرمایا تھا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رح کی علم کی شان خاص کے بہت اسباب ہیں جس میں اعظم سبب تقویٰ ہے ایک مولوی صاحب میرے دوست ہیں انھوں نے ایک مرتبہ اپنے استاد سے نقل کیا کہ متبحر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک متبحر کدو اور ایک متبحر مچھلی۔ کدو تو تمام سمندر پر اوپر اوپر پھر جاتا ہے مگر اس کو اندر کی کچھ خبر نہیں اور مچھلی عمق تک پہونچتی ہے تو آج کل کے اکثر متبحر کدو متبحر ہیں جن کی نظر محض سطحی ہے۔

ملفوظ ۴۴۴ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تدوین علوم کی ضرورت بعد کے زمانہ میں ہوئی ورنہ اگر حافظہ اور تدین ہو تو تدوین کی کچھ بھی ضرورت نہ ہوتی۔ اس کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کہ ایک تو تدین پر اعتماد نہیں اور اگر تدین پر اعتماد بھی ہو تو حافظہ کی کمی سے اندیشہ ذہول کا ہو جاتا ہے اس لئے تدوین کی ضرورت ہوئی اور اب تو وہ زمانہ ہے کہ تدوین میں بھی کتر بیونت اور تحریف کیجانے لگی۔ سو اس وقت تو تدوین کا درجہ وجوب سے بھی زائد ہو گیا۔

ملفوظ ۴۴۵ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ماشاء اللہ اس طرف کے رئیسوں پر بھی دین ہی کا رنگ غالب ہے اور اثر ہے ہمارے حضرات کا بخلاف پورب اور اودھ پنجاب کے کہ وہاں یہ رنگ نہیں۔ ہاں بعض جگہ ظاہری تہذیب بہت بڑھی ہوئی ہے جو درجہ تعذیب تک پہونچی ہوئی ہے لیکن دین کا رنگ نہیں۔

ملفوظ ۴۴۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جس قدر مادیات میں ترقی ہو رہی ہے ہم کو دین کی تحقیق میں بہت سہولت ہو رہی ہے مثلاً گراموفون ہے جو محض جماد ہے مگر اس میں بامعنی آواز پیدا ہوتی ہے تو نامہ اعمال کی پیشی کے وقت ہاتھوں پیروں کا بولنا اس کے بہت قریب نظیر ہے اس سے اس دعوے کی سمجھانے میں ہم کو بڑی سہولت ہو گئی۔ منکرین کا ایسی ایجادیں کرنا ہمارے لئے حجت تامہ ہو گئی خدا نے ان ہی سے وہ کام لیا جس سے وہ خود لاجواب ہو گئے مگر اس کے باوجود اس کی قدرتوں کا انکار کرتے ہیں جو اپنے تجربہ میں آجائے اس کے تو قائل اور جو اسلام کہے گو وہ اسی کی نظیر ہو اس سے انکار۔

ملفوظ ۴۴۷ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مناظرہ میں مسئلہ کی تحقیق زیادہ موثر ہوتی ہے

سب وشتم سے کچھ نفع نہیں ہوتا فلاں خانصاحب نے اپنی ساری عمر اسی سب وشتم میں ختم کردی ہر وقت لوگوں کو کافر بنانے کا شغل تھا اور مجھ پر تو خاص عنایت تھی مگر بحمداللہ میں نے کبھی انتقام بالمثل نہیں لیا البتہ ان کا غلط کار اور بے راہ ہونا نرم الفاظ میں ضرور ظاہر کرتا تھا۔ یہی نمونہ ایک بی بی کو خواب میں نظر آیا وہ بی بی مجھ سے مرید ہیں انھوں نے مجھ کو لکھا کہ میں نے اُن خان صاحب کو خواب میں دیکھا مجھ سے پوچھا آپ کا (یعنی میرا) نام لیکر کہ کبھی وہاں (یعنی میرے یہاں) میرا ذکر بھی آیا ہے۔ میں نے کہا کہ میرے سامنے تو کبھی نہیں آیا۔ کہا کہ ذرا پوچھنا میرے متعلق کیا کہتے ہیں اور پھر خود ہی کہا کہ میں بتلاؤں کیا کہیں گے یوں کہیں گے کہ بُرا نجا تھا فرمایا کہ خواب گو حجت نہیں لیکن ایک لطیفہ ضرور ہے۔ بیچارے نے سچی بات کہی کیونکہ اس لفظ کا استعمال عرفاً اکثر بچوں کے لئے ایسے موقع پر کیا جاتا ہے جہاں ان کی غلطی کا تو اظہار مقصود ہو مگر زیادہ غیظ نہ ہو سو تعبیر میں خاص یہی لفظ مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ نرم الفاظ میں غلطی کا اظہار کیا گیا ہے جیسے گمراہ اور گمراہ کن اور اسمیں بھی اکثر اس احتمال کو ظاہر کرتا رہتا ہوں کہ شاید نیت اچھی ہو۔ اور یہ واقعہ ہے کہ راہ تو گم کرہی چکے تھے اسی سے کفر کے فتوے دینے میں کمال جرأت تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر اس وقت تک کے علماء اور اولیاء اللہ پر کفر کے فتوے دیئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ایک رجسٹر بنا رکھا تھا جس میں ان سب حضرات کے نام تھے اور تماشہ یہ کہ ان فتووں پر ناز تھا چنانچہ ایک خواب اپنا خود بیان کیا کہ میرے ہاتھ میں دوزخ کی کنجیاں دے دی گئی ہیں اس کا مطلب عقلمند یہ سمجھے کہ جس کو ہم چاہیں گے کفر کا فتوی لگا کر جہنم میں بھیجدینگے مگر ظاہر ہے کہ جہنم میں بھیجنا کسی کے اختیار میں تو ہے نہیں سوائے اللہ تعالےٰ کے تو یقینی بات ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ تم لوگوں کو گمراہ بنا بنا کر جہنم میں بھیج رہے ہو پھر فرمایا کہ ان حرکتوں پر سزا ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اس کو حق تعالےٰ ہی جانتے ہیں لیکن اپنے مسلک کی حقیقت تو میاں کو معلوم ہو گئی ہوگی جس کو خواب میں اس بی بی نے خود صاحب واقعہ سے سُنا تعجب ہے کہ اس شخص میں دین کا تو کیا تہذیب کا بھی نام ونشان نہ تھا۔ آدمی اگر کسی کو کافر سمجھے تب بھی اس کی عمر کا فضل کا کمال کا کسی کا کچھ تو خیال رکھے اور حدود سے نہ گذرے مگر اس شخص میں اس بات کا پتہ بھی نہ تھا بہت ہی مغلوب الغضب شخص تھا۔

ملفوظ ۶۴۸ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی نے عجیب بات کہی تھی جن لوگوں نے ان کے رسالہ امہات المومنین کے متعلق اُن سے کہا کہ تم پر علماء کا فتوی کفر کا ہو گیا ہے انھوں نے کہا کہ مجھ کو فکر نہیں کیونکہ ابھی کفر کے ہائی کورٹ سے تو تکفیر کا فتوی نہیں ہوا۔ مراد اُن ہی اوپر کے ملفوظ والے خانصاحب ہیں اُن کے وطن کو کفر کا ہائی کورٹ کہا واقعی ٹھیک کہا۔

ملفوظ ۶۴۹ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جب آدمی جُدا جماعت بناتا ہے تو اس کو اس قسم کا اہتمام کرنا پڑتا ہے کہ کوئی ٹوٹ نہ جائے کوئی غیر معتقد نہ ہو جائے۔ ہمارے بزرگوں نے الحمدللہ کبھی اس کا اہتمام نہیں کیا۔ ہمیشہ حق کا ہی اظہار کیا اس پر چاہے کوئی ٹوٹ جائے یا غیر معتقد ہو جائے کبھی اس کی پروا نہیں کی۔

ملفوظ ۶۵۰ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اصل تو یہ ہے کہ بلا ضرورت قلب کے مشغول رہنے سے گھبراتا ہوں اس کا تحمل نہیں۔ باقی کام کی مشغولی سے نہیں گھبراتا چاہے شب و روز مجھ سے خدمت لئے جائیے عذر نہیں البتہ

جس بات سے قلب کو مشغولی ہو ایک لمحہ اور ایک سکنڈ کے لئے اس کی برداشت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنیوالوں سے میری کم بنتی ہے وہ بات صاف نہیں کرتے میرے قلب کو بلا وجہ مشغول رکھنا چاہتے ہیں مجھے اس کا تحمل نہیں اسلئے لڑائی ہو جاتی ہے قلب تو ایک ہی ذات کے لئے ہے وہ کوئی سرائے یا سافر خانہ تھوڑا ہی ہے کہ سب کی اس میں کھپت ہو سکے اور باوجود برداشت نہ ہو سکنے میں جس قدر ضبط کرتا ہوں یہ کہنے اور بیان کرنے سے سمجھ میں آنے والی بات نہیں خود برداشت کر کے دیکھنے کی چیز ہے اس وقت معلوم ہوگا کہ واقعی میں کس قدر برداشت کرتا ہوں۔

ملفوظ ۶۵۱ ایک نووارد صاحب نے حاضر ہو کر اپنا تعارف کرایا اس کے بعد کچھ پھل اور کچھ نقد بطور ہدیہ پیش کیا فرمایا کہ تعارف سے اتنا تو یاد آگیا کہ آپ سے کچھ تعلق ہے مگر بے تکلفی تو نہیں اس لئے ہدیہ لینے سے معذور ہوں۔ میرا معمول ہے کہ بدون بے تکلفی اور خاص جان پہچان کے میں ہدیہ نہیں لیتا شرم آتی ہے کیونکہ یہ پتہ نہیں چلتا کہ نیت کیا ہے اور خلوص بھی ہے یا نہیں اس پر لوگ بُرا مانتے ہیں مگر میرا یہ امر فطری ہے۔ میں کیا کروں مجبور ہوں فطرت کو کیسے بدل دوں۔

ملفوظ ۶۵۲ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل تو وہ زمانہ ہے کہ احتیاط کا نام وہم رکھا گیا اور محبت کا نام دیوانگی حتیٰ کہ اپنی جماعت کے ایک عالم صاحب نے ایک شخص کو کسی احتیاط پر یہ کہا کہ میاں تم میں تو اشرف علی کا سا وہم ہے گویا میرا وہم ضرب المثل ہو گیا میں نے سن کر کہا کہ اگر اس کا نام وہم ہے تو ہم یہ کہیں گے ؎

ماا گر قلاش وگر دیوانہ ایم ۔۔۔ مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

۷؍ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم دوشنبہ

ملفوظ ۶۵۳ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اہل باطل اپنے مذاہب کی بڑی ہی دلیری اور کوشش سے اشاعت کرتے ہیں ذرا نہیں شرماتے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور ہمارا یہ عمل صحیح بھی ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ اگر ایسا نہ کریں تو اس میں آگے حق کا پہلو رکھا ہی کیا ہے جس سے وہ تائید حق سے چلیں اور اُن کی یہ دلیری بے حسی سے ہے یا بعض دفعہ ترکیب سے جیسی ایک خرگوش کی دلیری تھی جس کی ایک طویل حکایت مولانا نے مثنوی میں بیان فرمائی ہے کہ ایک تجربہ کار خرگوش ذہن میں ایک تدبیر تراش کر چلا۔ شیر غصہ میں بھرا بیٹھا تھا کہ میرا شکار ابھی تک کیوں نہیں آیا۔ خرگوش نے پہنچ کر بڑی بلبلائی اور دلیری سے دوبدو شیر سے گفتگو کی تاکہ اس دلیری کے سبب شیر کو شبہ نہ ہو کہ یہ کوئی بناوٹ اور سازش ہے اس موقع پر مولانا فرماتے ہیں ؎

گر شکستہ آمدن تہمت بود ۔ ورنہ دلیری دفع ہر ریبت بود

بعض دفعہ اہل باطل اس لئے دلیری سے کام لیتے ہیں کہ سمجھتے ہیں کہ باطل میں قوت تو ہے نہیں اگر دلیری سے بھی کام نہ لیا تو پھر کچھ بھی نہ رہے گا۔ ایک مرتبہ میں شاہجہانپور اسٹیشن پر اترا ہنگامہ زیادہ تھا باہر سے آنے والوں کو روکا جاتا تھا اور پلیٹ فارم سے باہر جانے والوں کو نہ روکا جاتا تھا۔ ٹکٹ دو اور چلے جاؤ۔ میں نے جب اسباب یکہ میں رکھ لیا اس وقت شبہ ہوا کہ ایک چھوٹا بیگ ریل میں رہ گیا اس میں یاد نہیں کچھ زیادہ گنیاں تھیں اتنی بڑی رقم چھوڑنے کے لئے جی نہ چاہا۔ میں بدون کسی خاص ذریعہ کے پھاٹک پر پہونچا۔ گمان تھا کہ جانے نہ دینگے مگر میں نے کچھ نہیں دیکھا ایک دم جھپٹ کر دلیری سے اندر چلا گیا کسی نے بھی نہیں روکا اپنے ڈبہ میں جا کر دیکھا تلاش کیا نہیں ملا۔ میں انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر چلا آیا آکر پھر یکہ میں جو دوبارہ اسباب کو دیکھا تو اسباب کے نیچے بیگ رکھا تھا شب کا وقت تھا اس لئے نظر نہ آیا۔ ایسی ہی دلیری و بیباکی سے بعض دفعہ اہل باطل کام لیتے ہیں۔

ملفوظ ۶۵۴ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تربیت و اصلاح کا کام بڑا ہی نازک ہے اس میں بڑے ماہر فن کی ضرورت ہے اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ شیخ کا ولی ہونا بزرگ ہونا قطب ہونا غوث ہونا ضروری نہیں ماہر فن ہونا ضروری ہے بدون اس کے اصلاح اور تربیت نہیں کر سکتا۔ پھر ایک سوال پر فرمایا کہ شیخ کا متقی پرہیزگار زاہد عابد ہونا بھی ضروری نہیں جیسے طبیب جسمانی کہ وہ خود کیسا ہی بدپرہیز ہو لیکن ماہر فن ہو اگر فن داں ہے اور حاذق ہے تو علاج کر سکتا ہے۔ ہاں اگر اس مہارت فن کے ساتھ شیخ میں یہ چیزیں بھی ہوں تو اس کی تعلیم میں برکت ضرور ہوگی ورنہ فی نفسہ تربیت کے لئے ضروری نہیں آج کل جو آثار کا علاج ہوتا ہے مشائخ کے یہاں بھی اور طبیبوں کے یہاں بھی اسباب کا علاج نہیں ہوتا یہ بھی عدم مہارت ہی کی دلیل ہے بہت سی باتیں اس میں ایسی ہی ہیں وجہ ہے کہ طالب کے اندر آدمیت اور انسانیت نہیں پیدا ہوتی چاہے اور سب کچھ ہو جاوے۔ مولوی ظفر احمد صاحب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں ایک مرتبہ انھوں نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ کو خواب میں دیکھا حضرت سے عرض کیا کہ حضرت دعا فرمائیں کہ میں صاحب نسبت ہو جاؤں۔ فرمایا کہ تم صاحب نسبت تو ہو مگر اصلاح کی ضرورت ہے اور وہ اپنے ماموں سے کراؤ۔ یہ میری طرف اشارہ تھا تب مولوی ظفر احمد صاحب نے مجھ سے رجوع کیا۔ تو صاحب نسبت ہو جانا جدا چیز ہے۔ اصلاح جدا چیز ہے۔ یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں جن میں آج کل خلط کر رکھا ہے یہ سب طریق سے بے خبری کی باتیں ہیں اللہ کا شکر ہے مدتوں کے بعد فن کی تجدید ہوئی۔ اور طریق روز روشن کی طرح صاف اور بے غبار ہو گیا ہر چیز اپنے درجہ پر نظر آنے لگی۔ بڑی ہی گڑبڑ مچا رکھی تھی حقیقت طریق کی مستور ہو چکی تھی اسی مستور ہونے کی وجہ سے بعض کو درجہ غلو کا ہو گیا تھا اور بعض کو نفرت کا اور یہ افراط تفریط محض دکاندار جاہل صوفیوں اور پیروں کی بدولت ہوا تھا جو بفضلہ تعالیٰ اب اعتدال و تحقیق سے مبدل ہو گیا۔ اور یہ سب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات ہیں۔ ان کی ہی دعاؤں کی برکت ہے، ورنہ میں کیا اور میری ہستی ہی کیا اپنے پاس نہ علم و عمل ہے نہ زہد اور عبادت۔ اگر اپنے پاس کچھ ہے محض اپنے بزرگوں کی دعائیں اور حق تعالیٰ کا فضل ہے ان ہی دو چیزوں پر تکیہ ہے۔ یہاں پر بھی اور آگے

آخرت میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ۔

ملفوظ ۶۵۵: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مرید کرنے کے متعلق اتنی کاوش نہ تھی جتنی حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ساری عمر میں حافظ صاحب کے آٹھ یا سات مرید ہوئے یہ بات نہ تھی کہ لوگ مرید ہونا نہ چاہتے تھے بہت لوگ آتے تھے۔ لیکن حافظ صاحب مرید نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل اور مناقب بیان کر رہے تھے اور ان کی عجیب عجیب باتیں بیان فرما رہے تھے اور بیان کے وقت ایک جوش تھا جب سب کچھ بیان فرما چکے تو آخر میں فرمایا کہ یہ سب کچھ تھا مگر جو بات حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں تھی وہ کسی میں بھی نہ تھی۔ واقعی حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات مقدس ایک تو متفق علیہ تھی مخالف اور موافق سب کے نزدیک مسلم تھی دوسرے حضرت میں ایک خاص جامعیت تھی۔ تیسرے عجیب بات یہ ہے کہ حضرت بظاہر اصطلاحی عالم نہ تھے مگر حضرت کی طرف زیادہ تر اہلِ علم ہی گرویدہ تھے۔ پھر ان میں بھی ایسی ایسی ہستیاں جیسے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ آخر کوئی چیز تو حضرت میں ایسی تھی جس کو یہ حضرات اُن سے لینا چاہتے تھے اور وہ بات وہی ہے جو میں کہا کرتا ہوں کہ حضرت فنِ تصوف کے مجتہد تھے امام تھے مدتوں سے طریق مردہ پڑا تھا۔ حضرت کی برکت سے اُس کی تجدید ہوئی۔

ملفوظ ۶۵۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ امیر شاہ خانصاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے اپنے بزرگوں کے قلب میں جتنی عظمت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی دیکھی اتنی حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ کی نہیں دیکھی۔ پھر فرمایا کہ بعض لوگوں کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت یہ خیال ہے کہ حضرت شاہ صاحب میں قدرے مداہنت تھی حالانکہ یہ خیال محض غلط ہے۔ حضرت شاہ صاحب حکیم زیادہ تھے حکمت سے جواب دیتے تھے ناواقف کو رعایت کا شبہ ہو جاتا تھا چنانچہ ایک شخص تعزیہ بناتا تھا اس کی عمر کا ایک حصہ تعزیہ کے ادب و احترام میں گذر چکا تھا وہ تائب ہوا مگر اس کے یہاں ایک بنا ہوا تعزیہ تھا اس کو معدوم کرنا چاہتا تھا مگر اس کی صورت سمجھ میں نہ آتی تھی۔ مولانا شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت میرے یہاں تعزیہ ہے میں کیا کروں اور اپنی حالت بیان کی فرمایا مٹا دے۔ توڑ دے جلا دے پھونک دے مگر اس ظاہری بے ادبی کی اس کی ہمت نہ ہوئی۔ یہ شخص حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا اور وہی عرض کیا جو وہاں عرض کیا تھا حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ کرو کہ اس کے بند کھول دو یا چاقو سے کاٹ ڈالو اس شخص نے جا کر چاقو سے بند کاٹ ڈالے جس سے بانس کی کھپچیاں الگ الگ ہو گئیں اس کو ایک لطیف صورت سے ختم کرا دیا۔ یہ حکیمانہ طرز تھا، آپ سمجھ گئے کہ ایک مدت تک اس کے قلب میں تعزیہ کی عظمت اور ادب رہ چکا ہے۔ اہانت کی صورت پر دفعۃً قادر نہ ہوگا اس لئے ایک لطیف عنوان سے اس کو فنا کرا دیا یہ تدریج اس ناگوار صورت کو بھی گوارا کر لے گا اور وہی بات حاصل ہو جاوے گی جو حضرت شہید صاحبؒ نے فرمائی لیکن عنوان اور تدریج کا فرق تھا ایک شخص کے پاس حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی نامزد ایک کاغذ تصویر تھی جس کو رکھنا جائز نہ سمجھتا تھا وہ حضرت شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضورؐ کے نامزد

میرے پاس ایک تصویر ہے اس کو میں کیا کروں۔ ؟ شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جا کر توڑ پھوڑ دے۔ تصویر کی کوئی حرمت نہیں اس کی ہمت نہ ہوئی وہاں سے یہ شخص حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا اور وہی عرض کیا جو وہاں کیا تھا، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ وہ جاندار ہے یا بے جان۔ عرض کیا بے جان۔ فرمایا کہ جب صاحب تصویر بے جان ہو گئے تھے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا تھا۔ عرض کیا کہ غسل و کفن دیکر دفن کر دیا گیا تھا۔ فرمایا کہ تم بھی ایسا ہی کرو اس تصویر کو خوب گلاب اور مشک و عنبر سے مل مل کر غسل دو اور ایک قیمتی کپڑے میں لپیٹ کر ایسی جگہ دفن کر دو جہاں کسی کا پیر نہ پڑے۔ بات ایک ہی تھی صرف عنوان کا فرق ہے۔ شاہ صاحب حکیم تھے۔ کیا اس کو مداہنت کہتے ہیں اور حضرت شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ برہنہ شمشیر تھے۔ آخر دین میں جرنیلوں اور کرنیلوں کی بھی تو ضرورت ہے۔ ہر ایک کی جدا شان۔ سبحان اللہ سب حضرات سے دین کی خوب اشاعت ہوئی۔

۸ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم سہ شنبہ

ملفوظ ۶۵۷ ایک نو عمر نو وارد نے حاضر ہو کر حضرت والا سے مصافحہ کیا بعد مصافحہ دریافت فرمایا کہ کہاں سے آنا ہوا اور کس غرض سے۔ عرض کیا کہ بنگال میں فلاں مقام ہے وہاں سے حاضر ہوا اور آنے کی غرض تحصیل علم ہے۔ دریافت فرمایا کہ وطن ہی میں رہ کر کیوں نہیں پڑھا۔ عرض کیا کہ دو سال سے مسلسل بیمار ہوں آپ سے ایک تعویذ بھی منگایا تھا اُس سے بھی کوئی نفع نہ ہوا۔ فرمایا کہ ایسی بیماری کی حالت میں سفر کرنا اور پردیس میں رہنا بالکل مصلحت کے خلاف ہے اور جو سبب عدم تعلیم کا وطن کے متعلق بیان کر رہے ہو وہ تو یہاں پر بھی ہے یعنی بیماری۔ تو یہاں ہی کس طرح پڑھ سکتے ہو عرض کیا مجھ پر جن کا اثر ہے۔ فرمایا کہ یہ میں نہیں پوچھتا کہ جن کا اثر ہے یا انسان کا۔ جو میں نے سوال کیا ہے کیا اس کو تم نے سنا نہیں عرض کیا کہ سن لیا۔ دریافت فرمایا تو کیا یہ میری بات کا جواب ہوا میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ جب تم کو بیماری ہے جس کی وجہ سے وطن نہیں پڑھ سکے تو یہاں پر کیسے پڑھ سکتے ہو۔ ارے بھائی یہ تو موٹی بات ہے کہ جو چیز وطن میں رہ کر مانع رہی وہ یہاں پر بھی موجود ہے۔ پھر یہاں پر کس طرح پڑھو گے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ دوسری دفعہ کے دریافت فرمانے پر عرض کیا کہ یہاں پر رہ کر پڑھ لوں گا۔ فرمایا اسی کو تو پوچھ رہا ہوں کہ جب وطن میں بیماری تعلیم کی مانع رہی یہاں کیوں مانع نہ ہوگی کیا یہ بیماری تعلیم یافتہ ہے کیا میری بات کو سمجھتے نہیں۔ عرض کیا سمجھتا ہوں۔ فرمایا سمجھتے ہو تو جواب دو۔ اس پر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ فرمایا کہ بھائی اتنی دور سے علالت کی حالت میں سفر کیا۔ سفر کی کلفتیں برداشت کیں۔ روپیہ خرچ کیا۔ گھر چھوڑا۔ عزیز و اقارب سے مفارقت ہوئی جو مقدمات تھے اور بات کا جواب بھی نہ دو جو مقصود ہے اس طرح کیسے کام چلے گا۔ دیکھو سرائے میں لوگ جا کر ٹھہرتے

ہیں بجٹیا رہ اپنی تسلی کرلیتا ہے جب ٹھیرا تا ہے کیا ہمیں اتنا بھی حق نہیں کہ نووارد کو ٹھیرائیں تو پہلے اپنا اطمینان تو کرلیں مگر بجائے اطمینان دلانے کے پریشان کر رہے ہو۔ کوئی یہاں آکر اور رہ کر رنگ دیکھے کہ آنیوالے کیا کرتے ہیں۔ اپنا کام چھوڑ کر پوچھتا ہوں جواب نہیں ملتا۔ میں بُت تو ہوں نہیں جس کو حس ہی نہیں ہوتا آخر انسان ہوں قلب پر اثر ہوتا ہی ہے کہ میں ان کے مصالح کی اس قدر رعایت کروں اور یہ میرے سوال کو بھی نہ سمجھیں جواب ہی نہ دیں۔ صاحب یہ میری بداخلاقی ہے اگر ان کا غلام بن جاؤں۔ تب خوش اخلاق ہوں۔ ارے بھائی کچھ میرے سوال کا جواب دیتے ہو یا نہیں؟ یہی جواب دیدو کہ میں کوئی جواب دینا نہیں چاہتا یہ بھی ایک جواب ہے تاکہ میں یکسو ہو کر اپنے کام میں مشغول ہوں۔ اب تک کہاں تک تمہارے ساتھ بیٹھا ہوا ایک ہی بات کو کھرل کئے جاؤں۔ تمہیں تو صرف یہی کام ہے اور مجھ کو اور بھی کام ہیں۔ عرض کیا کہ یہاں کے رہنے کی برکت سے میری بیماری جاتی رہے گی۔ فرمایا جاؤ اٹھو یہاں سے تم میں عقل اور فہم کا نام تک نہیں باہر جاکر بیٹھو پڑھنے کیا آئے تھے ستانے آئے تھے جو کتابیں پڑھ چکے ہو اُن میں بھی یہی نور برسا دکھا ہوگا۔ پھر حاضرین سے فرمایا کہ کس قدر غلط عقیدہ ہے کہ یہاں پر رہنے کی برکت سے بیمار نہ رہوں گا۔ اب اگر اس پر خاموش رہتا ہوں تو گویا ایک قسم کا وعدہ ہے کہ ہاں تم رہو بیماری جاتی رہے گی۔ کل کو خدا نخواستہ بیماری نہ گئی اور بڑھ گئی تو یہ کہنے کو ہو جاویگا کہ صاحب میں نے تو اپنا خیال اسی وقت ظاہر کر دیا تھا آپ نے اس پر کچھ بھی نہ فرمایا تھا۔ بس یہ تو آزاد رہے اور ہم مجرم۔ کیا برکت کا یہ مطلب ہے کہ کوئی بیمار نہ ہوا کرے یا ہوا کرے تو اچھا ہو جایا کرے۔ اگر ایسی ہی برکت ہے تو میں خود کیوں بیمار ہو جاتا ہوں یا یہ اور لوگ جو میرے پاس خانقاہ میں رہتے ہیں یہ کیوں بیمار ہوتے ہیں اگر ہوتے ہیں تو یہاں کی برکت سے اچھے کیوں نہیں ہو جاتے یہ برکت دوسروں ہی کو چمٹتی پھرتی ہے۔ اپنی برکت خود اپنے کام نہیں آتی۔ کیا بُرا عقیدہ ہے جو مفاسد سے پُر ہے۔ لوگوں کے عقائد تک درست نہیں رہے۔ توحید کا صرف نام ہی رہ گیا لیکن اُس کا نور لوگوں کے قلوب سے مٹا جاتا ہے۔ لکھے پڑھے لوگ ایسی خرافات اور خرافات میں مبتلا ہیں۔ اگر دوسری جگہ یہی بات کہی جاتی تو بڑے خوش ہوتے کہ بڑا ہی کوئی پختہ عقیدہ لے کر آیا ہے۔ مدح کی جاتی۔ صد آفریں اور مرحبا کے نعرے بلند ہو جاتے۔ یہاں پر یہ گت بنی۔ الحمد للہ یہاں پر ہر چیز اپنی حد پر ہے۔ غلو کے پَر یہاں قلنچ کر دئے جاتے ہیں برکت کی کیا قدر کی ہے کہ بیمار نہ ہوا کریں یا بیمار ہوں تو اچھے ہو جایا کریں برکت کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ کا نام پوچھو میں بتلادوں تم اس کا نام لو یہ ہے برکت کی چیز۔ بیماری سے اچھا ہو جانا یا بیمار نہ ہونا برکت کی تعریف آج ہی سنی۔ یہ طالب علم ہیں۔ کتابیں پڑھتے ہیں اور ابھی تک عقائد درست نہیں۔ حضرت انبیاء علیہم السلام بیمار ہوئے ان کے اصحاب بیمار ہوئے اب ایسا کون برکت والا ہے کہ جس کی برکت سے کوئی بیمار نہ ہو۔ فساد اعتقاد کا نام خوش اعتقادی رکھا ہے۔ جہالت کی بھی کوئی حد ہے۔ میں تو ضروری سوالات پر مجبور ہوں اس لئے کہ یہ طبعی بات ہے کہ نئے آنے والے سے جی چاہتا ہے کہ معلوم ہو کہ کون ہیں۔ کہاں سے آئے کس غرض سے آئے۔ دوسرے عقلاً اس لئے بھی کہ اگر کوئی کام میرے قابل ہے تو اس کو بجالاؤں مگر بعضے بزرگ اول تو جواب ہی نہیں دیتے بت سمجھتے ہیں۔ اگر جواب دیتے بھی ہیں تو خرافات ہانکتے ہیں جس سے خواہ مخواہ تغیر ہوتا ہے۔ صبر بھی کرتا ہوں مگر اس کی بھی ایک حد ہے۔

ملفوظ ۵۵۶ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ مجھ کو عرصہ سے حضرت والا سے بیعت کا اشتیاق تھا

مگر اتفاق سے فلاں مولانا شاہ صاحب سے ملاقات ہوگئی اُن سے بیعت ہوگیا۔ مگر اب بھی رجحان آپ ہی کی طرف ہے۔ اس پر فرمایا کہ یہ نتیجہ ہے جلدی بیعت ہونے کا۔ اگر اُن شاہ صاحب کو اس کی خبر ہو کہ میرے مرید کا دوسری طرف خیال ہے تو ان کو کس قدر رنج ہو۔ اس طرح بیعت کرنے میں یہ خرابیاں ہیں۔ اب وہ حضرات جو مجھ کو مشورہ دیتے ہیں کہ اس قدر کاوش کی کون ضرورت ہے اور میرے کھود کرنے کو وہم سے تعبیر کرتے ہیں اور حقیقت پر لانے کو بد اخلاقی اور سخت گیری سمجھتے ہیں اس کا فیصلہ کریں۔ بھلا میں ان تجربات کو دوسروں کے کہنے سے کس طرح مٹا دوں۔ دیکھ لیجئے یہ آج کل کے طالب ہیں۔ بھلا کوئی اس شخص سے پوچھے کہ کیا شاہ صاحب نے کہا تھا کہ تم مرید ہو جا اپنی خوشی سے تو مرید ہوا اور پھر یہ حرکت۔ میں ان بیہودوں کی نبضیں پہچانتا ہوں۔ یہاں پر یہ باتیں بحمداللہ نہیں چلتیں اور یوں بشر ہوں غلطی کا ہونا مجھ سے بھی ممکن ہے مگر کم۔ میں اول پر کہتا ہوں جس سے اکثر پرکھے ہوئے کھوٹے ہی نکلتے ہیں اور اللہ تعالٰی مدد فرماتے ہیں کہ جس کو سمجھا تھا جو معاملہ اور برتاؤ کیا جاتا ہے اکثر تجربہ سے بعد میں یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسی کا اہل ہوتا ہے۔ اس لئے میرا معمول ہے کہ جب تک کسی کے طلب صادق اور خلوص کامل پر اعتماد نہ ہو جائے اس وقت تک اس کو بیعت نہیں کرتا۔ باقی اجتہادی غلطی کا ہو جانا ہر وقت ممکن ہے۔

ملفوظ نمبر ۶۵۹ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کسی پر اعتراض کر دینا تو آسان ہے مگر میرے یہاں بارہا کے تجربوں کے بعد قواعد مرتب ہوئے ہیں اس لئے ان پر واقعی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں لیکن آنے والے ان کی پابندی سے گھبراتے ہیں۔ گڑبڑ کرنا چاہتے ہیں۔ میں چلنے نہیں دیتا اس پر وہ خفا ہو کر چلے جاتے ہیں اور باہر جا کر بدنام کرتے ہیں اُن سے ناتمام روایت سُن کر سننے والے اعتراض کرتے ہیں۔ اب یہ بیعت ہی کا معاملہ ہے اس میں میرے یہاں یہ قاعدہ ہے کہ میں تعجیل سے کام نہیں لیتا اس کو سختی پر محمول کرتے ہیں کیا یہ سختی ہے کہ فوراً بیعت نہ کیا جائے جس میں تمام مصالح کی رعایت ہے یا یہ سختی ہے کہ فوراً بیعت کر لیا جائے اور کسی مصلحت کی رعایت نہ کی جاوے۔ حضرت یہ اصلاح اور تربیت کا کام ہے۔ کام کرنے والے ہی پر گذرتی ہے جو گذرتی ہے دوسروں کو کیا خبر کہ اس کو کیا کیا زحمتیں اور اذیتیں سہنی پڑتی ہیں جن حضرات کو میرے طرز پر اعتراض ہے وہ یہاں رہ کر دیکھیں اور فیصلہ کریں۔ ایک طرفہ سنے سنائے بیان پر فیصلہ کر دینا کونسا انصاف ہے میں تو کہا کرتا ہوں کہ آج کل ظالم کی سب اعانت کرتے ہیں۔ مظلوم کی کسی کو پروا نہیں ہوتی کہ اس پر کیا ظلم کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ ذرا سی بات پر اس قدر چیخ پکار اور اس قدر شور و غل کیا جاتا ہے مگر دیکھ لیجئے کہ اگر کسی کے سوئی چبھو دی جاوے تو ذرا ہی سی تو ہوتی ہے پھر کیوں چیخ پکار ہوتی ہے۔

ملفوظ نمبر ۶۶۰ ایک صاحب کی غلطی پر جو مقیم خانقاہ تھے قبل نماز عصر مواخذہ فرمایا اور تنبیہ فرماتے ہوئے اس کے تدارک کی تدبیر بتلائی۔ پھر بعد نماز عصر دعاء سے فراغ کے بعد مصلّی ہی پر تشریف رکھتے ہوئے تمام مقیمین خانقاہ کو ٹھیرنے کا حکم دیا اور سب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جتنے لوگ میرے تعلق کی وجہ سے خانقاہ میں رہنے والے ہیں وہ غور سے سن لیں کہ میرے پاس ہر قسم کے لوگ آتے ہیں اس میں غریب امیر رئیس نواب سب ہی طرح کے ہوتے ہیں تم کو اجازت نہیں کہ تم کسی سے بھی تعلق پیدا کرو یا بات چیت کرو۔ تمہارے ایسا کرنے سے غرض کا شبہ ہوتا ہے، میرے اصول اور قواعد و مصلحت سب برباد ہوتے ہیں۔ شرم اور غیرت نہیں آتی کہ یہاں آنے والوں کو منہ بھی نہ لگاؤ اور تم ان کی چاپلوسیاں کرو۔ حیا جاتی رہی

اس طرز سے تو ناواقف کو شبہ ہو سکتا ہے کہ جماعت کی یہ بھی ہیئت ہے کہ شیخ تو کبر اپن برتتے تاکہ استغنا ظاہر ہو اور مریدین الجھانے کی کوشش اور سعی کریں تاکہ شکار بھی نہ نکلے۔ کس قدر غیرت کی بات ہے تمہاری تو یہ شان ہونی چاہیئے کہ اگر اگر کوئی نواب یا بادشاہ بھی آئے تو اس کو منہ نہ لگاؤ نہ اس سے کچھ نفع حاصل کرو تم دیکھتے نہیں ہو میں خود آنے والوں سے اپنی ظاہری تعظیم و تکریم تک نہیں چاہتا یہ جائے دوسرے منافع نہ کہ آنے والے تمہاری اغراض پوری کریں۔ تمہاری پرستش کریں۔ یہ تو دکانداری پیروں کے یہاں کے معاملات ہیں کہ پیر کا دربار الگ، خلفاء کا دربار الگ۔ مصاحبین کا دربار الگ۔ خدام کا دربار الگ۔ ایک ایک جگہ میں چار چار دربار۔ الحمد للہ مجھ کو ان باتوں سے طبعی نفرت ہے تم کو تو یہ چاہیئے کہ اگر تم سے خود بھی کوئی بات کرنا چاہے صاف کہدو کہ ہم کو کسی سے بات کرنے کی اجازت نہیں۔ اگر بات کرنا ہی ہے تو پہلے وہاں سے اجازت حاصل کر لیجئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہاں پر آنے والوں سے کسی قسم کا تعلق پیدا کرنا یا معاملہ کرنا وہ چاہے دوستی اور محبت کا ہو یا لین دین کا ہو بدون میری اجازت کے حاصل کئے کوئی صاحب نہ کریں اگر کسی نے اس کے خلاف کیا خانقاہ سے علیحدہ کر دوں گا۔ ہاں جن لوگوں کے تعلق کی بناء میرا تعلق نہ ہو یا خانقاہ میں آنے سے قبل کے تعلقات ہوں وہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔ میں ظلم نہیں کرتا۔ الحمد للہ عدل سے کام لیتا ہوں۔ افسوس مجھ کو ذریعہ بناتے ہو اغراض کا تمہاری غیرت جاتی رہی یہ تو کھلا شرک ہے کہ آئے تو دین کے واسطے اور دین کے طالب ہو کر پھر اس میں دنیا کو ٹھونستے ہو۔ الحمد للہ باوجود ان سخت اصول اور قواعد کے یہ حالت ہے۔ اگر یہ قواعد بھی نہ ہوتے تو خدا معلوم کیا حشر ہوتا؟ اس ہی سے دوسرے مشائخ کے یہاں کی حالت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ جہاں قواعد ہی نہیں کہ لوگ کس قدر گڑبڑ کرتے ہوں گے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ جس کام کو آتے ہو اس میں مشغول رہو کسی سے تم کو غرض کیا۔ کوئی آئے کوئی جائے تم کون کیا تم کو میں نے وکیل بنایا ہے۔ اس طرز میں بے انتہا مفاسد ہیں۔ تمام کیا دھرا سب خاک میں مل جائے گا کتنے غضب اور ظلم کی بات ہے کہ میں تو دور سے دھتا بتلاؤں۔ بدون بے تکلفی اور خاص جان پہچان کے نذرانہ اور ہدیہ تک ابھی لوں کوئی ذرا اصول کے خلاف بات یا کام کرے خانقاہ سے نکال باہر کروں اور یہ یہاں کے رہنے والے مزاج پرسیاں کریں۔ دوستیاں پیدا کریں یہ تعلقات خود ہی فی نفسہٖ ایسی چیزیں ہیں کہ ان میں پڑنے والا کبھی کامیاب نہیں ہوتا پریشان اور محروم ہی رہتا ہے نہ کہ جب دین کو اُس کا ذریعہ بنایا جاوے۔ اور میں تعلقات واجبہ اور ضروریہ کو منع نہیں کرتا۔ تعلقات غیر ضروریہ کو منع کرتا ہوں۔ اور میں وثوق سے کہتا ہوں کہ اگر کوئی راحت اور آرام کی زندگی بسر کرنا چاہے تو میرا مسلک اور مشرب اختیار کرے اور وہ ترک تعلقات اور فناء تجویزات ہے یعنی ترک تعلقات غیر ضروریہ۔ مگر لوگوں کو چین سے بیٹھے ہوئے خواہ مخواہ ایسی ہی سوجھتی ہیں کہ اس سے دوستی کر لی اس سے جان پہچان نکال لی۔ اس سے تعلقات پیدا کر لئے۔ معلوم بھی ہے کہ اس راہ میں یہ چیزیں سخت راہزن ہیں فضول اور عبث سے ہمیشہ اجتناب کی ضرورت ہے۔

اسی تقریر کے متعلق ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ حرکت تو ایک صاحب کی تھی مگر میں نے سب کے کان کھول دیئے ہیں تاکہ آئندہ کسی سے ایسی حرکت نہ ہو اور وہ بات یہ تھی کہ ایک صاحب جو سے آتے ان سے ان بزرگ نے یہ سوال کیا کہ آپ کچھ تبرک بھی لائے ہیں اور ایک صاحب رخصت ہو رہے تھے انھوں نے مجلس سے اٹھ کر باہر جا کر

اُن سے مصافحہ کیا۔ اب یہ بات بظاہر تو ذراسی معلوم ہوتی ہے لیکن اگر اس کی حقیقت پر غور کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم کو بھی دو اور آج کل کے عرف میں اس قسم کا استفسار سوال ہی کا مرادف ہے۔ اب کسی کا جی چاہے یا نہ چاہے دینا پڑے گا۔ اگر نہ دے گا تو محجوب ہوگا اور اس خیال سے کلفت ہوگی کہ ذرا سا سوال کیا تھا میں پورا نہ کر سکا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تبرک نہ لایا ہو تو اس صورت میں یہ کہتے ہوئے کہ میں لایا نہیں اپنی طرف بخل کے انتساب کا شبہ ہو سکتا ہے۔ غرض ایسا سوال مفاسد کی پڑیا ہے اور یہ آنے والے صاحب تو مخلص ہیں اور اپنے ہی ہیں مگر جب ان حرکات کا سلسلہ جاری ہو جاوے گا تو بالکل اجنبی حضرات بھی آتے رہتے ہیں ان کے ساتھ بھی اس کی نوبت پہونچ جاتی۔ بحمد اللہ اب دروازہ بند ہو گیا اول تو یہاں کے رہنے والے اللہ کے فضل سے سب ہی محتاط ہیں لیکن یہ سب احتیاط اسی وقت تک ہے جب تک اس کی دیکھ بھال بھی ہوتی رہے۔ البتہ رسوخ کے بعد پھر ضرورت نہیں رہتی پھر تو خود ہی ایسی باتوں پر حجاب اور شرمندگی اور غیرت قلب میں پیدا ہو جاتی ہے اور یہاں تو ان باتوں پر روک ٹوک بھی ہے اور جگہوں میں تو زہ در زہ معاملے ہیں الگ اینٹھتے ہیں۔ مرید الگ۔ خادم الگ۔ سفارشی الگ۔ خانقاہیں کیا ہیں کچہری بنا رکھی ہیں۔ جیسے وہاں رشوتوں کا بازار گرم ہے کہ حاکم الگ لیتا ہے۔ پیشکار الگ، اردلی الگ، سب کے حق بندھے ہیں ایسے ہی آج کل رسمی ادنیٰ درجہ کا نذرانہ پیروں کے یہاں خانقاہیں ہیں۔ سب کے حقوق اور نذرانے بندھے ہوئے ہیں۔ بعض کے یہاں تو رجسٹر ہیں جن میں وصول اور باقی کے خانے ہیں۔ باقاعدہ وصول ہوتا ہے۔ جیسے گورنمنٹ کی مال گذاری یا زمیندار کی باقی وصول ہوتی ہے میں تو بحمد اللہ اس شخص سے بھی ہدیہ نہیں لیتا کہ جس سے خاص جان پہچان نہ ہو اس لئے کہ اس کا پتہ چلنا دشوار ہے کہ نیت کیا ہے اور خلوص سے دے رہا ہے یا نہیں اس لئے خصوص تعلق کو اس کا قائم مقام قرار دیدیا ہے۔ جیسے سفر میں قصر کی اصل علت مشقت ہے لیکن اس کی پہچان اور معیار مشکل تھا اس لئے سفر کو اس کے قائم مقام کر دیا ایسے ہی ہدیہ میں خلوص نیت کا معیار معلوم ہونا مشکل تھا میں نے خصوصیت کی جان پہچان کو اس کا قائم مقام کر دیا ہے۔

۹ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم چہار شنبہ

ملفوظ ۴۶۱ ایک صاحب نے بسبیل گفتگو حضرت والا سے عرض کیا کہ ایک صاحب ہیں ان کا نام تو سراج الدین اسلامی نام ہے لیکن اعمال اور صورت دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ بالکل عیسائیت ہی کا رنگ ہے اور اس کے ساتھ ہی اُن صاحب کے بعض عقائد بھی حضرت والا سے بیان کئے۔ حضرت والا نے سنکر فرمایا کہ سراج کی دو حالتیں ہیں ایک نار کی ایک نور کی تو یہ شخص نار الدین ہے۔ دین کو آگ لگا دی۔ سراج میں یہ بھی تو صفت ہے کہ جس چیز سے اس کو لگا دیا جائے

اس کو جلا دے تو یہ ایسے ہی اسراج ہیں اور سب انگریزی تعلیم اور نیچریت کی نحوست ہے کہ لوگوں کے عقائد اعمال صورت سیرت سب بدل گئے اور دین بالکل تباہ و برباد ہو گیا۔ ان کی رفتار گفتار نشست و برخاست خورد و نوش سب میں دہریت و نیچریت و الحاد کا رنگ جھلکتا ہے اور ہندوستان میں اس نیچریت کا بیج سرسید کا بویا ہوا ہے۔ جس وقت سرسید نے علی گڈھ کالج کی بنیاد ڈالی، تو اپنے ایک مصاحب سے کہا کہ تم گنگوہ جاؤ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب رح سے بعد سلام مسنون میری جانب سے عرض کرو کہ اس وقت مسلمانوں کی حالت دن بدن تنزل کی طرف جا رہی ہے ان کے مقابل دوسری قومیں غیر مسلم ترقی کر رہی ہیں اس چیز کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے ایک کالج کی بنیاد انگریزی تعلیم کے لئے ڈالی ہے اگر آپ بھی اس میں شرکت فرمائیں اور ہاتھ بٹائیں تو بہت جلد کامیابی حاصل ہو جاوے۔ یہ مصاحب پیرجی محمد عارف صاحب انبہٹہ والے تھے۔ یہ مصاحب گنگوہ حاضر ہوئے حضرت سے عرض کیا کہ وہ سرسید کے بھیجے ہوئے ہیں اور حضرت سے سرسید کا سلام اور پیام عرض کرنا چاہتے ہیں حضرت نے اجازت دی انھوں نے سرسید کا پیام حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ میں مسلمانوں کی بہبود کے لئے ایک کالج کی بنیاد ڈال رہا ہوں اگر آپ بھی اس میں شرکت فرمائیں اور ہاتھ بٹالیں تو بہت جلد کامیابی کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ حضرت نے پیام سن کر فرمایا کہ میری تو ساری عمر قال اللہ وقال رسول اللہ میں گذری ہے مجھ کو ان چیزوں میں زیادہ تجربہ نہیں ہاں مولانا محمد قاسم صاحب رح کو ان چیزوں میں زیادہ بصیرت ہے اُن سے اس کو بیان کیجئے وہ اگر شرکت کو قبول فرمالیں گے تو ہم ان کے ساتھ ہیں۔ یہ بات ابھی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رح نے آکر فرمایا کہ السلام علیکم یہ حضرت کی تشریف آوری اتفاقی تھی۔ پیرجی صاحب نے سرسید کا پیام ان کو پہونچایا۔ حضرت مولانا نے سن کر فرمایا کہ پیرجی صاحب تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ شخص جس کی نیت تو اچھی ہے مگر عقل نہیں۔ اور ایک وہ شخص ہے اس میں عقل ہے مگر نیت اچھی نہیں اور ایک وہ شخص ہے کہ اس کی نہ نیت اچھی نہ عقل۔ تو یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ سرسید کی نیت اچھی نہیں کیا خبر ہے لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ ان کو عقل کافی نہیں اس لئے کہ جس زینہ سے وہ مسلمان کو معراج ترقی پر لیجانا چاہتا ہے وہی سبب ان کے تنزل کا ہوگا اور وہی سبب ان کی تباہی اور بربادی کا بنے گا۔ پیرجی صاحب نے عرض کیا کہ جس چیز کی کمی حضرت نے سرسید میں فرمائی ہے اسی کو پورا کرنے کے لئے تو آپ حضرات کی شرکت کی ضرورت ہے تاکہ یہ کمی پوری ہو کر کام انجام کو پہونچ جائے یہ ایسا جواب تھا کہ غیر عارف اس کا جواب نہیں دے سکتا تھا، مگر حضرت مولانا نے فی البدیہہ فرمایا کہ جی ہاں یہ تو صحیح ہے لیکن جس قسم کا بانی کسی چیز کی بنیاد ڈالتا ہے اس کے جذبات اور نیت کے آثار اس چیز میں بہت ہو جاتے ہیں اور اس سے منفک نہیں ہوتے اور اس شخص کے تعلق رہتے ہوئے اُس بناء کی اصلاح صرف مشکل ہی نہیں ہے بلکہ عادۃً محال ہے اور اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک تلخ درخت بویا جائے اور ایک بزرگ کو شربت کا مشکادیکر اس کی جڑ میں بٹھلا کر عرض کیا جائے کہ اس کو بیٹھے ہوئے اس شربت سے سینچا کرو مگر جس وقت وہ درخت برگ و بار پھول پھل لائے گا سب تلخ ہوں گے اسی طرح یہاں بھی کسی عالم اور بزرگ کو شریک کر کے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے تب بھی یہ کمی پوری نہیں ہو سکتی یہ ممکن ہے کہ خود شرکت کرنے والے میں اس کے اثر سے آثار پیدا ہو جائیں۔ چنانچہ

تحریک خلافت کے زمانہ میں جب یہ لوگ علی گڈھ کالج کو ختم کرنے اور بند کرنے کے ارادہ سے علی گڈھ پہونچے اور جلسہ قرار دیا تو یہی کہا کہ یہ سب نقصانات اس کالج کی اور اس کی تعلیمات کی بدولت مسلمانوں کو پہونچے اس نے ہندوستان میں انگریزیت عیسائیت دہریت پھیلائی - یہ کہنے والے بڑے بڑے لیڈر مسلمان تھے جو اسی کالج کے تعلیم یافتہ تھے۔ میں نے سن کر کہا کہ یہ لوگ تو آج پچاس برس کے تجربہ کے بعد اس بات کو سمجھے اور ہمارے ایک مبصر یہی بات اس کی بنیاد پڑنے کے وقت کہہ گئے تھے کہ اس کے نتائج یہ ہوں گے بصر اور غیر مبصر میں یہی تو فرق ہوتا ہے اس لئے ناقص کا کامل کو اپنے پر قیاس کرنا سخت جہل ہے ایک شخص کی فراست اور عقل میں نور ہے دوسرے میں نہیں اور وہ نور طاعت ہے اس حالت میں کسی کو اپنے پر قیاس نہ کرنا چاہیئے اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

یہی معیار میرے ذہن میں تھا - جس پر میں نے ان تحریکات کی حقیقت کو سمجھا۔ مجھکو کتابیں دیکھنے کی کلفت نہیں ہوئی بحمد اللہ تعالیٰ اپنے بزرگوں سے ضروری ضروری باتیں کانوں میں پڑ چکی ہیں ان کی بدولت میں زائد از ضرورت کتابوں سے مستغنی ہوں۔ وہاں تو سرسید کے متعلق یہ فرمایا گیا تھا کہ تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ شخص ہے کہ جس کی نیت تو اچھی ہے مگر عقل نہیں۔ ایک وہ شخص ہے کہ جس میں عقل ہے لیکن نیت اچھی نہیں۔ اور ایک وہ شخص ہے جس کی نہ نیت اچھی نہ اس میں عقل تو میں نے اس سے استدلال کر لیا کہیں دور جانا نہیں پڑا کہ اس تحریک کا بانی ایک طاغوت ہے جس کی نہ نیت اچھی نہ اُس میں عقل - اور مزید برآں نہ دین - یہ تینوں صفتوں سے موصوف ہے پھر خیر کہاں - جس شخص میں صرف ایک چیز کی کمی تھی یعنی عقل اس کی ثمرات کا تم کو خود اقرار ہے گو پچاس برس کے بعد ہی سہی اور جس شخص کے اندر تینوں چیزوں کی کمی ہو اس کی نحوست کا کس طرح انکار کرو گے چنانچہ تجربہ سے یہ بھی ثابت ہو چکا کہ جس نے بھی اس تحریک میں شرکت کی سب ہی پر برا اثر ہوا الا ماشاء اللہ۔

ملفوظ ۷۶۲ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ان انگریزی تعلیم یافتہ طبقے میں بناؤ سنگار خوب ہے اس میں بڑا وقت صرف کرتے ہیں۔ انھوں نے تو عورتوں کو بھی گھٹا دیا۔ ان کا بناؤ سنگار تو خاوند کے واسطے ہے اور بازاری عورتوں کا دوسروں کو پھنسانے کے واسطے مگر ان سے کوئی پوچھے کہ ان کا سنگار کس کے واسطے ہے۔ پھر ان قیود پر کہتے ہیں کہ ہم آزاد ہیں - کیا آزادوں کی یہی صورت ہوتی ہے ہاں اللہ اور رسول سے ضرور آزاد ہیں - گھر سے اموقت نکلیں گے جب پہلے کنگھی چوٹی کر لیں گے مانگ پٹی جما لیں گے۔ خوب آراستہ پیراستہ ہو لیں گے - یہ تن آرائی و تن پروری تمام انگریزی تعلیم کا خلاصہ ہے ۔ انگریزی پڑھ کر یہی تو ایک دولت نصیب ہوئی محض اس کے لئے دین کو خیر باد کہا امراض کی مختلف قسمیں ہیں کسی کو حب مال کا مرض ہے کسی کو حب جاہ کا۔ ان کو دوسرے امراض کے ساتھ ہی تن آرائی کا بھی ہے۔ اسی کو کسی حکیم نے خوب کہا ہے ؎

عاقبت سازد ترا از دین بری
ایں تن آرائی و ایں تن پروری

ملفوظ ۶۶۳ ایک صاحب نے ایک صاحب کی حالت بیان کی کہ بڑا چوغہ بڑا عمامہ بڑے بڑے دانوں کی تسبیح ہے مگر معاملات بے حد گندے ہیں حقوق العباد تک کی فکر نہیں ۔ فرمایا کہ ایسے دیندار سے فاسق فاجر اچھا جو کھلم کھلا فسق و فجور کرتا ہے اس سے دوسروں کو تو دھوکا نہیں ہوتا اور ایسے شخص سے دھوکا ہوتا ہے جامیؒ نے خوب فرمایا ہے ؂

گشتہ آمد زرندان قدح خوار بطاعت گیر پیران ریاکار

ملفوظ ۶۶۴ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ ایمان ہی کی خاصیت ہے کہ مومن میں رحم و کرم عفو و داداری شجاعت حوصلہ ہوتا ہے چونکہ دوسری غیر مسلم اقوام میں ایمان نہیں اس لئے ان میں یہ چیزیں بھی نہیں ۔ اکثر تجربات واقعات مشاہدات اس کے شاہد ہیں خصوصا ہندوؤں کو دیکھ لیجئے کہ کس قدر بے درد اور کم حوصلہ قوم ہے جہاں کہیں موقع ملا مسلمانوں کے ساتھ بے رحمی کا برتاؤ کیا ہزاروں مسلمانوں کا خاتمہ کر دیا ذرا رحم نہیں آیا اور باوجود اس کے دوسروں پر الزام بے رحمی کا لگاتے ہیں ، ان آریوں کو ہی دیکھ لیجئے اسلام پر تو معترض ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا اور خود رات دن شمشیر چلا رہے ہیں ۔ مسلمانوں کی جہاں کمزوری اور قلت دیکھتے ہیں وہاں ہزاروں کی جمعیت جمع ہو کر ان کو قتل و غارت کر دیتے ہیں اس کو کوئی وحشیانہ حرکت نہیں کہتا ہاں مسلمان اگر کہیں انتقام میں بھی کچھ کرتے ہیں تو تمام ملک میں شور برپا ہو جاتا ہے اور چونکہ اکثر حکام بھی یہی ہیں اس لئے حکومت بھی ان ہی پر توپیں اور مشین گنیں بندوقیں لے کر چڑھ جاتی ہے اور مسلمانوں کو پیٹنا شروع کر دیتی ہے غرض اسلام اور مسلمانوں کے سب دشمن ہیں ان کا تو اللہ ہی حافظ و ناصر ہے مگر میں اس پر بھی کہتا ہوں کہ اگر مسلمان ایک کو راضی کر لیں تو کسی کی دشمنی بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی وہ ایک خداوند جل جلالہ کی ذات مقدس ہے ۔ مسلمان خود اپنے ہاتھوں تباہ و برباد ہو رہے ہیں حسب ارشاد وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیر یہ سب اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے ورنہ کوئی ان کی طرف آنکھ بھر کر بھی نہ دیکھ سکتا ۔

ملفوظ ۶۶۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ تحریک زمانۂ خلافت میں کیرانہ جانا ہوا ۔ ایک مولوی صاحب تحریک خلافت میں بڑی سرگرمی سے کام کر رہے تھے مجھ سے ملنے آئے منطقی اور معقولی آدمی تھے ۔ انھوں نے مجھ سے ان مسائل کے متعلق سوال کیا میں نے جواب کے سلسلے میں کہا کہ منطقی قاعدہ ہے کہ مرکب ادنیٰ اور اعلیٰ سے ادنیٰ ہوتا ہے ۔ خسیس اور نفیس کا مجموعہ خسیس ہوتا ہے کہا کہ بالکل صحیح ہے ۔ میں نے کہا کہ اب میں پوچھتا ہوں کہ جو جماعت مرکب ہو مسلم اور کافر سے وہ مسلم جماعت ہو گی یا کافر ۔ کہا کہ کافر ۔ میں نے کہا کہ ترکی سلطنت میں جمہوریت قائم ہو چکی ہے شخصیت نہیں رہی اور وہ مرکب ہے مسلم اور غیر مسلم سے تو وہ اسلامی سلطنت ہوئی یا کیا ۔ کہا کہ غیر مسلم سلطنت ہوئی ۔ میں نے کہا کہ شرعی اصول کے قاعدہ سے جب وہ اسلامی سلطنت بھی نہ رہی اور خلافت تو بڑی چیز ہے تو پھر اس کی نصرت کیسی اس پر بڑے گھبرائے کہنے لگے کہ واقعی اس کی تو نصرت بھی جائز نہیں ۔ میں نے کہا کہ تم نے تو اتنی جلدی فتویٰ دے دیا کہ نصرت بھی جائز نہیں حالانکہ تم حامی ہو اور ہم کو مخالف کہا جاتا ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ نصرت واجب ہے باوجود اس کے کہ وہ کھوکھ

شرعیہ سے اسلامی سلطنت بھی نہیں۔ کہا کہ وہ کیسے۔ میں نے کہا کہ پہلے اس کا جواب اپنے ہم خیال علماء اور لیڈروں سے جا کر لاؤ کہ باوجود اسلامی سلطنت نہ ہونے کے پھر نصرت کے وجوب پر فتویٰ ہونے کی کیا صورت ہے اور میں آپ کو مہلت دیتا ہوں۔ کہا کہ اس کا کسی سے جواب نہ بن سکے گا۔ آپ ہی بتلا دیں۔ میں نے کہا کہ یہ میرا تبرع ہے جو میں اس وقت بتلا رہا ہوں اس لئے کہ یہ قاعدے سے تمہارے ذمہ ہے۔ سنیئے وہ نصرت اس طرح واجب ہے کہ غیر مسلم سلطنتیں اس کو مسلم سلطنت سمجھ کر مقابلہ کرتی ہیں۔ اب اگر اس کو شکست ہوئی تو اسلام اور مسلمانوں ہی کی شکست ہوگی اس جواب پر اس قدر مسرور ہوئے کہ کوئی حد باقی نہ رہی اس وقت خوشی میں دو روپیہ نکال کر بطور ہدیہ مجھ کو دیئے میں نے لے لئے کہ یہ تو میرے مسلک سے واقف ہیں ان کو کوئی دھوکہ نہیں ہوا اور یہ خدا کی نعمت ہے عطاء ہے کہ مسئلہ حل ہو گیا۔ تمام کیرانہ میں اس کی شہرت دیتے پھر گئے کہ آج ایک عجیب تحقیق معلوم ہوئی اور الحمد للہ مجھ کو اس میں کتابیں دیکھنے کی بھی ضرورت پیش نہیں آئی۔ حق تعالٰی نے قلب میں ڈال دیا جس کا ظاہری ماخذ صرف اپنے ایک بزرگ کا واقعہ تھا۔ اور وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک زمانہ میں اجمیر تشریف رکھتے تھے۔ عشرہ محرم کا زمانہ آیا۔ شہر کے شیعہ اور ہندوؤں میں ایک تعزیہ کی وجہ سے کچھ جھگڑا ہو گیا۔ سنی الگ تھے۔ شیعہ بظاہر کمزور تھے۔ سنیوں کو تردد تھا کہ ہم کیا کریں اپنے یہاں کے علماء سے استفتاء کیا کہ یہ صورت ہے شیعوں اور ہندوؤں کا اس میں مقابلہ ہے ہم کو کیا کرنا چاہیئے۔ علماء اجمیر نے بالاتفاق جواب دیا کہ بدعت اور کفر کی لڑائی ہے تم کو الگ رہنا چاہیئے۔ پھر اہلِ شہر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ اور علماء اجمیر کا جواب حضرت کے سامنے عرض کیا حضرت مولانا نے سنکر فرمایا کہ بدعت اور کفر کی لڑائی اس وقت ہوتی جب تعزیہ کو بدعت سمجھ کر اس کی مخالفت کی جاتی۔ اور اب جو مقابلہ کر رہے ہے وہ تو تعزیہ کو شعار اسلام سمجھ کر کر رہے ہیں اور شیعوں کو مسلمان سمجھ کر اس لئے یہ بدعت اور کفر کی لڑائی نہیں بلکہ اسلام اور کفر کی لڑائی ہے اس لئے شیعوں کی امداد کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اہلِ اجمیر نے امداد دی اور مسلمانوں کی فتح ہوئی۔ تو میں نے اس واقعہ سے اس مسئلہ میں استدلال کیا۔ پس جس طرح مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ہنود شعارِ اسلام اور اسلام کا کام سمجھ کر مقابلہ کر رہے ہیں اس لئے نصرت ضروری ہے یہی بات یہاں تھی کہ دوسری غیر مسلم سلطنتیں ٹرکی کا مقابلہ اس کو اسلامی سلطنت سمجھ کر کر رہی ہیں گو وہ اصولِ شرعیہ سے اسلامی سلطنت نہیں رہی لیکن بناء مذکور اس کی نصرت واجب ہے۔ اب آگے دوسرے مسائل ہیں کہ کس قسم کی نصرت ہم کر سکتے ہیں۔ یہ قوت پر موقوف ہے اور ظاہر ہے کہ ہم صرف مالی امداد کر سکتے ہیں اس سے آگے ان لوگوں کو ان حقائق کی خبر تک نہیں صرف اعتراض کرنا سیکھا ہے، مگر کام کی ایک بات بھی نہیں۔

ملفوظ ۶۶۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شریعت کے کلیات و جزئیات اس قدر جامع ہیں کہ آج کل ٹیلیفون اور ٹیلی گراف۔ گراموفون۔ یہ جس قدر نئی نئی چیزیں ایجاد ہوئی ہیں ان سب کے احکام شریعتِ مقدسہ میں موجود ہیں۔ سائل جب ان کے احکام معلوم کرنا چاہتے ہیں نہایت سہولت سے جواب دیئے جاتے ہیں۔ شریعتِ مقدسہ کے ایسے پاکیزہ اور جامع اصول ہیں کہ کسی نہ کسی کلی میں داخل ہو کر احکام جزئی نکل آتے ہیں۔ فقہاء نے اس قدر محنت

کی ہے حق تعالیٰ ان حضرات کو جزاء خیر عطاء فرما دیں۔

ملفوظ ۶۶۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کسی وقت میں دین کی خدمت کے لئے بڑی قربانیاں کرنی پڑی ہیں۔ بڑی تکلیفیں اٹھائی گئی ہیں تب دین کی خدمت ہوئی ہے۔ دیکھئے حضرت مجدد صاحب رح گوالیار کے قلعہ میں نظر بند رہے۔ ایسی ایسی محنتیں اور تکلیفیں برداشت کر کے بزرگوں نے دین کی خدمت کی ہے اور اب تو اسباب ایسے ہیں کہ مشقت بھی نہیں اور پھر دین کی خدمات سے جان چراتے اور بچتے ہیں۔

ملفوظ ۶۶۸ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں کسی باطنی پریشانی کے متعلق فرمایا کہ اجی جس طرح بھی گاڑی چلے چلنے دیجئے۔ ہمت نہ ہارئیے۔ ہمت ہارنے کا انجام خراب ہے آدمی کام سے بیٹھ جاتا ہے ہمارا کام سعی اور کوشش ہے یعنی چلنا اور گرنا ہے۔ جیسا ناتواں بچہ کہ گر گر پڑتا ہے مگر چلنا بند نہیں کرتا۔ ان کا کام گرتے کو سنبھالنا ہے جیسا گرتے بچہ کو اس کا باپ گود میں لے لیتا ہے۔ اسی طرح انجام انشاء اللہ تعالیٰ درست ہو جائے گا۔ سعی کئے جائیے اور یہ ساری عمر کے واسطے ہے کہ اسی ادھیڑ بن میں لگا رہے۔ آگا پیچھا کچھ نہ دیکھے۔ ماضی و مستقبل پر دہ خدا ست طریق کی تعلیم ہے۔ جب برابر چلتا رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ منزل طے ہو کر رہے گی لیکن شرط اعظم لگا رہنا ہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش	تا دم آخر دمے فارغ مباش
تا دم آخر دمے آخر بود	کہ عنایت با تو صاحب سر بود

۹ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم چہارشنبہ

ملفوظ ۶۶۹ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اغواء شیطانی کے وقت جب تک خود انسان شیطان کا ساتھ نہ دے شیطان کچھ نہیں کر سکتا اور جیسے انسان کے ساتھ ایک شیطان ہے ایسے ہی ایک فرشتہ بھی ہے انسان جس کے ساتھ ہو جاتا ہے وہی غالب آ جاتا ہے اب یہ خواہ شیطان کا ساتھ دے اور خواہ فرشتہ کا۔ بدون اس کی شرکت کے تنہا دونوں کچھ نہیں کر سکتے۔ پھر اس پر بطور مثال کے فرمایا کہ میرٹھ میں ایک بزاز کے یہاں کپڑے کی دکان تھی وہ ادھار نہ دیتا تھا حتیٰ کہ اگر خریدار کو کپڑا پھاڑ بھی دیا مگر خریدار نے کہا کہ دام کل کو آجائیں گے تو فوراً کپڑا اٹھا کر رکھ لیتا اور کہتا کہ اس وقت تو ہم تم برابر ہیں جوڑ پورا ہے۔ تم اور تمہارے دام۔ میں اور میرا سودا۔ جب تمہارے پاس پہنچ جائے گا تو تم تین ہو جاؤ گے۔ میں اکیلا رہ جاؤں گا۔ پھر میں تمہارا کیا کر سکتا ہوں معلوم ہوتا ہے بڑا

ذہین تھا کیا بات کہی ایسے ہی انسان جس طرف ہو جاتا ہے ادھر کا عدد بڑھ جاتا ہے اور مقابل مغلوب ہو جاتا ہے۔ تو انسان میں ایسی قوت ہے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کو شیطان سے اتنا ڈرنا نہ چاہیئے اور اس کے مقابلہ میں ہمت سے کام لینا چاہیئے پھر ضرور یہی غالب رہے گا۔ اس کو اپنی قوت کی خبر نہیں اس لئے شیطان سے ڈرتا ہے ادھر شیطان کی یہ خاصیت ہے کہ جو اس سے ڈرتا ہے اس کے پیچھے لگ جاتا ہے اور اس کو ڈراتا ہے جیسے کٹ کھنا کتا جو اس سے ڈر کر بھاگتا ہے اس پر حملہ آور ہوتا ہے اور واقع میں شیطان اس درجہ کی ڈرنے کی چیز ہے بھی نہیں۔ حق تعالٰے فرماتے ہیں۔ ان کید الشیطان کان ضعیفا۔ ایک بزرگ نے اعوذ باللہ پڑھ کر فرمایا تھا کہ شیطان تو بہت خوش ہوا ہوگا کہ یہ مجھ سے ڈرتا ہے۔ میں تو حکم کا امتثال کرتا ہوں ورنہ تو بیچارا ہے کیا چیز کہ میں تجھ سے ڈرتا بلکہ تو سچ کر کے کہتا ہوں کہ یہ تو خود ہی مومن کامل سے اس قدر ڈرتا ہے کہ مومن کی تھوڑی سی توجہ اور فکر سے اس کے تمام جال اور کید دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ اسی لئے ایک فقیہ اس پر ایک ہزار عابد سے زیادہ گراں ہے وہ اس کے مکر و فریب سے خود بھی بچتا ہے اور دوسروں کو بھی بچنے کی تدابیر بتلاتا ہے۔ غرض شیطان میں کوئی قوت نہیں۔ ہاں چالاک اور مکار فریبی ضرور ہے۔ ترکیبیں بہت یاد ہیں مگر وہ ترکیبیں مومن کی فراست اور عقل کے سامنے سب گرد ہیں اس کی زندہ نظیر میں پیش کرتا ہوں کہ جیسے اس زمانہ میں ایک طاغوت ہے کہ عقل تو اس کو چھو بھی نہیں گئی مگر چالاک اور مکار ہے۔ سارے ملک میں فتنہ فساد کا تخم بو دیا اور مسلمانوں کی بھولی قوم اس کے مکر و فریب میں آگئی اور اس کو اسلام و مسلمانوں کا خیرخواہ اور ہمدرد سمجھ بیٹھے حالانکہ اسلام اور مسلمانوں کا سخت دشمن ہے۔ متواتر واقعات سے اللہ تعالٰے نے اس کی دشمنی کو طشت از بام کر دیا۔ اب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ واقعی نہایت بدنیت مکار اور چالاک شخص ہے غنیمت ہے اب بھی جلدی ہی صبح ہو گئی کہ لوگ اس کے مکر و فریب سے آگاہ ہو گئے مگر جو کچھ بھی اس کی وجہ سے مسلمانوں کو نقصان پہونچ گیا وہ بھی تھوڑا نہیں۔ ہزاروں مسلمانوں کے ایمان اس کی بدولت تباہ برباد ہوئے۔ اب خدا معلوم کس فکر میں ہے۔ شاید اب کوئی اور روپ بدل کر ملک کے سامنے آئے۔ یہ جب کبھی پلیٹ فارم پر آتا ہے ایک نیا ڈھونگ بنا کر لاتا ہے اور یہ اتنی قوت بھی مسلمانوں کی بدولت نصیب ہوئی اس لئے کہ جوشیلی قوم ہے جو اس کی زبان سے نکلا ہے مسلمانوں ہی نے اس کو ملک میں بجلی کی طرح دوڑایا۔ غرض یہ سب کچھ مسلمان لیڈروں اور ان کے ہم خیال مولویوں ہی کی بدولت ہوا ورنہ عوام مسلمان کبھی اس کے دھوکہ میں نہ آتے۔ ایک سب انسپکٹر صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ گاندھی کا اثر ہندو مسلمانوں پر سب پر ہے اس کی کیا وجہ۔ میں نے کہا کہ جس چیز کی طرف وہ دعوت دے رہا ہے یعنی دنیا اس کی طلب پہلے ہی سے ہر شخص میں موجود ہے چونکہ وہ ان کی مطلوب اور محبوب دنیا کی طرف بلا رہا ہے اس لئے اس طرف دوڑ رہے ہیں یہ اس کے کسی کمال کی وجہ سے تھوڑا ہی ہے چنانچہ شیطان کے اس سے بھی زیادہ مطیع اور فرمانبردار ہیں کیا اس پر بھی کبھی آپ کو شبہ ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات پر تو لوگوں نے توجہ نہ کی اور ان سے اعراض کیا اور شیطان کے مکر و فریب میں آکر خداوند جل جلالہ کی نافرمانیاں کیں سو کبھی آپ کو یہ بھی شبہ ہوا لیکن باوجود اس سب مکر و فریب کے اگر مسلمان مسلمان ہو جاویں تو ان کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا اس سے پہلے بہت سے مکار اور چالاک دشمن اللہ اور رسول کے پیدا ہو چکے ہیں مگر وہ اسلام اور مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ اب رہا یہ سوال کہ پھر مسلمانوں کی یہ ذلت کی حالت کیوں ہے۔ سو یہ اپنی کرتوتوں کی بدولت

ہے دوسروں کے کرنے سے نہیں۔ اسلام کی قوتی نغمہ یہ خاصیت ہے کہ باوجودیکہ مسلمان اس وقت بظاہر کمزور ہیں ان کے ہاتھوں میں نہ حکومت ہے نہ ایک مرکز پر جمع ہیں مگر پھر بھی دیکھ لیجئے کہ جن کے یہاں لاکھوں توپیں مشین گنیں بندوقیں جرار کرار فوجیں موجود ہیں وہ صرف مسلمانوں ہی سے خائف اور ترساں ہیں یہ سب ایمان کی برکت ہے اور اگر یہ پوری طرح پر اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کر لیں اور اس کو راضی کر لیں تو اب بھی یہی تمام عالم کے مالک اور سردار بن جائیں لیکن مسلمانوں سے یہی بات نہیں ہوتی میں تو کہا کرتا ہوں کہ جہاں اور بہت سی تدابیر حکومت اور قوت حاصل کرنے کی کرتے ہو بطور امتحان کے کچھ روز اللہ کے سامنے بھی سر رکھ کر اور ناک رگڑ کر دیکھ لو۔ دیکھو کیسی کایا پلٹ ہوتی ہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

سالہا تو سنگ بودی دل خراش　　　آزموں را یک زمانے خاک باش

آزموں را فرمایا از خلوص نہیں فرمایا سو اسی کو کر کے تو دیکھ لو اس تدبیر پر عمل کرنے سے سر کیوں کٹتا ہے باقی یہ تدابیر غیر منصوصہ جو تم نے اختیار کر رکھی ہیں ان میں خیر و برکت کہاں۔ ایسی تدبیروں کی تو وہ مثال ہے ؎

گربہ میر و سگ وزیر و موش را دیواں کنند　　　ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند

تمہاری تدابیر دعوئے نیت نازکی ہیں اور ضرورت تدابیر عبدیت و نیاز کی ہے۔ دونوں کے تفاوت کو مولانا رومیؒ نے ایک بادشاہ کے واقعہ میں مثنوی میں بیان فرمایا ہے کہ اس کی کنیزک جس پر وہ عاشق تھا بیمار ہو گئی اس نے اپنے قلمرو کے اندر جس قدر طبیب اور ڈاکٹر تھے سب کو جمع کر کے کہا کہ اگر یہ میری کنیزک اچھی ہو جائے تو اپنے خزائن تم پر کھول دوں گا اس پر طبیبوں نے جو کہا اس کو مولانا رومی رحمۃ اللہ نقل فرماتے ہیں ؎

جملہ گفتندش کہ جانبازی کنیم　　　فہم گرد آریم و انبازی کنیم

ہر یکے از ما مسیحے عالمے است　　　ہر الم را در کف ما مرہمے است

چونکہ ان اطباء کو اپنے علم اور تدابیر پر ناز تھا اس لئے یہ دعوے کیا جو خدا کو پسند نہیں ہوا۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

گر خدا خواہد نہ گفتند از بطر　　　پس خدا بنمود شاں عجز بشر

جیسے ایک شخص بازار گھوڑا خریدنے چلا جا رہا تھا راستے میں ایک بیچارے ملا صفت مل گئے انہوں نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ کہا کہ بازار گھوڑا خریدنے جا رہا ہوں انہوں نے کہا کہ میاں انشاء اللہ تو کہہ لیا ہوتا۔ تو کہتے ہیں کہ اس میں اللہ کے چاہنے کی کونسی بات ہے بازار موجود اس میں گھوڑا موجود۔ جیب میں روپیہ موجود جاؤں گا گھوڑا خرید لاؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ بھائی کوئی مناظرہ تھوڑا ہی کرنا ہے آگے اختیار ہے۔ یہ شخص بازار پہنچا۔ ایک گھوڑا پسند کیا سودا طے ہوا روپیہ دینے کے لئے جو جیب پر ہاتھ ڈالا وہاں پہلے ہی کسی گرہ کٹ نے جیب اڑا لی تھی۔ اب بڑے پریشان خالی ہاتھ ہلاتے ہوئے آ رہے ہیں۔ وہی شخص پھر راستے میں مل گئے پوچھا کیوں گھوڑا خرید لائے تو کہتے ہیں کہ آپ سے رخصت ہو کر بازار پہنچا انشاء اللہ۔ گھوڑا پسند کیا انشاء اللہ۔ سودا طے ہو گیا انشاء اللہ۔ روپے دینے کے لئے جیب کو دیکھا انشاء اللہ۔ معلوم ہوا کہ کسی گرہ کٹ نے جیب کاٹ لی انشاء اللہ۔ اب گھر جا رہا ہوں انشاء اللہ۔

اب موقع بموقع سب جگہ انشاء اللہ ہورہا ہے۔ غرض ان طبیبوں نے یہ نہ کہا کہ اگر خدا نے چاہا تو ہم کامیاب ہونگے کنیزک کا علاج شروع ہوا لیکن روز بروز مریض کی حالت گرتی ہی گئی اس کو مولانا فرماتے ہیں ؎

ہرچہ کردند از علاج واز دوا ۔۔۔ رنج افزوں گشت وحاجت ناروا

بہت ہی جاں بازی سے سب طبیب علاج میں مصروف تھے اپنی تمام تدبیرات اور تجربات اور اوراد ویاب ختم کردیں لیکن مریض کی حالت رو بصحت نہ ہوئی۔ بادشاہ نے جب یہ دیکھا تو اس وقت یہ کیا جس کو مولانا فرماتے ہیں ؎

شہ چو عجز آں طبیباں را بدید ۔۔۔ پابرہنہ جانب مسجد دوید

رفت در مسجد سوئے محراب شد ۔۔۔ سجدہ گاہ از اشک شہ پرآب شد

آگے طویل قصہ ہے جس کا انجام رجوع الی اللہ کی برکت سے کامیابی ہوا۔ تو صاحبو ایسے ہی اُن طبیبوں کی طرح تمہارے رہبروں اور لیڈروں کے دعوے ہیں اور ان کو اپنی تدابیر پر ناز ہے مگر کامیابی اس وقت تک مشکل ہے جب تک کہ اللہ اور رسول کی بتلائی ہوئی تدابیر پر عمل نہ ہوگا اور وہ تدابیر منصوصہ ہیں جن کی یہ خاصیت ہے کہ اُن کا عامل کسی طرح بھی ناکام نہیں رہ سکتا حتے کہ عدم کامیابی میں بھی ہزاروں کامیابیاں ہیں اگر یہاں پر کسی حکمت سے اس کا صلہ حاصل نہ ہوگا تو آخرت میں ضرور ہوگا جو مسلمان کا مقصود اعظم ہے باقی یہ شبہ کہ ان تدابیر سے کافر کیوں کامیاب ہورہے ہیں یہ قیاس ہی غلط ہے ممکن ہے کہ جو تدابیر ایک کافر کو نافع ہوں وہ مسلمان کے لئے سبب ہلاکت کا بن جاتی ہڈی کتے کی غذا ہے اس سے وہ فربہ ہوتا ہے لیکن اگر کسی انسان کے اندر اس کی ایک کرچ بھی حلق سے نیچے اُتر گئی تو یہ سبب ہلاکت کا بن جائے گی۔ سو حقیقت تو یہ ہے مگر تمھارے یہ راہبر اور مقتدا لیڈر ہی خود اس حقیقت سے ناواقف اور بے خبر ہیں ان کو خود ہی خبر نہیں مفید اور مضر کی اور پھر اس پر کچھ تو خود ہی کریلا کڑوا تھا اوپر سے اور نیم پر چڑھ گیا یعنی ایک تو خود ہی جاہل احمق تھے اوپر سے ایک مشرک اور کافر کے جذبات کا شکار ہوگئے اور وہ وہی طاغوت ہے یہ پہلے ہی سے اسلام اور ایمان کو ہتھیلی پر لئے پھرتے تھے اوپر سے طاغوت کا سہارا مل گیا سب کچھ اس کے نذر کردیا۔ ماتھوں پر قشقے لگائے جے کے نعرہ بلند کئے۔ ہندوؤں کی ارتھیوں کو کندھا دیا۔ مساجد میں ممبر پر کافروں کو بٹھلا کر مسلمانوں کا مذکر بنایا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مصلے کی بیحرمتی کی آیات واحادیث میں گذری ہوئی عمر کو ایک کافر بت پرست پر نثار کردیا۔ لیڈروں کی اجازت سے مسلمان والنٹیروں نے دام لیلا کا انتظام کیا۔ یہ علی الاعلان شائع کیا گیا کہ اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو فلاں طاغوت نبی ہوتا۔ اللہ اکبر نبوت سڑک پر رکھی ہے آئے لے لو۔ ان کفریات اور شرکیات کا ارتکاب اور پھر مسلمانوں کے مقتداء اور پیشوا۔ یہ عقلاء کہلاتے ہیں۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ یہ عاقل نہیں آکل ہیں۔ عقل کی ایک بات بھی نہیں ہر وقت اکل کی فکر ہے خود گمراہ ہوئے اور مسلمانوں کو گمراہ کیا اور یہ عوام مسلمان بھی عجیب ہیں۔ جہاں کوئی نئی بات لے کر کھڑا ہوا لبیک کہہ کر ساتھ ہولیتے ہیں۔ دوست دشمن کی قطعاً شناخت ہی نہیں نہ اس کی پرواہ کہ یہ ہمارا کام اللہ اور رسول کے احکام کے خلاف تو نہیں۔ مسلمانوں کو تو کسی کام کرنے سے پہلے

یہ معلوم کر لینے کی سخت ضرورت ہے کہ اس کے متعلق حکم شرعی ہے کیا تب آگے قدم بڑھانا چاہیئے۔ یہ ہڑبونگ تو عقلاً نقلاً کسی طرح بھی مناسب نہیں اس ہڑبونگ کا مالابار میں کیا نتیجہ ہوا۔ وہاں جا کر جو لیڈروں نے اشتعال انگیز اور جوشیلی تقریریں کیں۔ اور موپلوں کی قوم کو بھڑکایا جوشیلی اور غیور قوم تھی ویسے بھی عربی النسل ہیں کھڑے ہو گئے۔ نتیجہ جو کچھ ہوا سب کو معلوم ہے کہ تباہ اور برباد ہو گئے۔ ہزاروں عورتیں بیوہ اور بچے یتیم اور بہت سے لوگ بے خانماں ہو گئے۔ جیلوں میں اب تک پڑے سڑ رہے ہیں۔ نہ کوئی اصول ہے نہ کوئی قاعدہ یوں ہی بے ڈھنگے بے جوڑ لوگوں کو ہلاک کراتے پھرتے ہیں اور جب موپلوں پر مصیبت آ کر پڑی تو وہاں ایک لیڈر بھی نہ گیا۔ سب گیدڑ بن گئے اُدھر جا کر جھانکا تک نہیں۔ کوئی ان سے پوچھے کہ گئے کیوں نہیں۔ جان بیٹا خلافت پر دینا محض زبانی ہی جمع خرچ تھا۔ جب دینے کا وقت آیا کسی نے بھی اس طرف رُخ نہ کیا۔ جب موپلوں کی تباہی کا نقشہ سامنے آتا ہے اس قدر دل دکھتا ہے جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی تمام تر ذمہ داری عند اللہ اور عند الناس ان بدعقل اور بدفہم لیڈروں ہی پر ہے جنھوں نے ان کو تقریریں کر کے بھڑکایا اور اگر مسلمانوں کی یہی حالت رہی اور دوست دشمن کو نہ پہچانا اور یہی بدعقل لیڈر اور اُن کے ہم خیال مولوی ان کی کشتی کے ناخدا رہے تو دیکھیئے آئندہ کیا حشر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فہم اور عقل سلیم عطا فرمائیں۔

۱۰ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقتِ صبح یوم پنجشنبہ

ملفوظ ۶۷۰۔ ایک صاحب ایک پرچہ ہاتھ میں لئے ہوئے حاضر ہوئے اور حضرت والا سے عرض کیا کہ پرسوں قبل نماز عصر اور بعد نماز عصر جن کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے اس غلطی کے تدارک کو حضرت نے فرمایا تھا وہ آج اس مضمون کا مسودہ لکھ کر لائے ہیں اور میرے ذریعہ سے پیش کرنا چاہتے ہیں اگر اجازت ہو تو میں اس مضمون کے مسودہ کو پیش کرنے کا ذریعہ بنجاؤں۔ فرمایا کیا حرج ہے وہ مسودہ پیش کر دیا گیا۔ فرمایا کہ تم تو مسودہ ساتھ لیکر آئے تھے اور مجھ سے اجازت چاہ رہے تھے یہ کیا بات۔ مجھ سے اجازت حاصل کر لیکے بعد ان سے پرچہ لینا چاہیئے تھا یہ بھی ایک غلطی ہے۔ عرض کیا کہ آئندہ کبھی ایسا نہ ہوگا۔ فرمایا نہ ہوگا سہی مگر جو ہوا اس کا سبب تو بے فکری ہے جس کا مرض تو عام ہو رہا ہے۔ اچھا لائیے۔ پیش کر دیا گیا۔ ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ ان سے کہدو کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کریں۔ اب میں معاف کرتا ہوں مجھ کو یہ بھی گوارا نہیں کہ دو مسلمانوں میں کشیدگی اور بے لطفی ہو اور نہ یہ پسند کہ اس درجہ کا باہم اختلاط اور ایسے تعلقات پیدا کئے جائیں کہ جس کی وجہ سے اپنا اور دوسرے کا وقت فضول برباد کیا جائے۔ اُن سے یہ بھی کہدینا کہ یہ میرا احسان ہے کہ میں اس طرح پر معاف کر رہا ہوں۔ بڑی نالائق حرکت تھی کہ ایک تو ان سے تبرکات کے متعلق سوال کیا کہ لاتے یا نہیں؟

دوسرے مجلس کے آداب کے خلاف ہے کہ دوسروں سے مصافحہ اور ملاقات کے لئے اٹھ کر جایا جاوے۔ اگر کوئی ضرورت شدیدہ ہو۔ مثلاً استنجا وغیرہ وہ ضرورت کی چیز ہے مجلس سے اٹھ کر جانا ایسے کاموں کے لئے کوئی حرج نہیں ورنہ بدون اجازت خلافِ ادب ہے اور یہ بھی ان کو اچھی طرح سمجھا دیا جاوے کہ وہ تعلق جو میرے تعلق سے سابق ہو وہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔ البتہ جو تعلق میرے تعلق کی وجہ سے ہو وہ میری اجازت سے ہونا چاہیئے۔ شیخ اکبر نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ آپس میں مریدین کو ایک کو دوسرے سے نہ ملنے دینا چاہیئے۔ اگر شیخ ایسا نہیں کرتا تو اس نے حق مشیخت ادا نہ کیا اور اُس تمام رسالہ کا ایک خلاصہ ہے وہ سارے رسالہ کی روح ہے نام اس رسالہ کا آداب الشیخ والمرید ہے یہ رسالہ عربی میں ہے لیکن مولوی محمد شفیع صاحب مفتی دار العلوم دیوبند نے اس کا ترجمہ اردو میں کر دیا ہے، وہ خلاصہ یہ ہے وہ لکھتے ہیں کہ شیخ وہ ہے کہ جس میں انبیاء کا سا دین ہو۔ اطباء کی سی تدبیر ہو۔ بادشاہ کی سی سیاست ہو اور انبیاء کا سا دین جو فرمایا کمال میں تشبیہ مقصود نہیں بلکہ وجہ تشبیہ اُس دین میں دنیوی غرض نہ ملنا ہے یعنی مریدین سے دنیاوی غرض نہ رکھتا ہو ورنہ ایسا شخص تعلیم روک ٹوک معاقبہ محاسبہ مواخذہ مطالبہ دار و گیر نہیں کر سکتا اور اطباء کی سی تدابیر کے یہ معنیٰ ہیں کہ جیسے طبیب جسمانی امراض کی تشخیص اور ہر مرض اور ہر مریض کے لئے جدا تدبیر کرتا ہے اسی طرح شیخ کو حالات کی تشخیص اور ہر حالت کے لئے جدا تدبیر کرنا چاہیئے۔ اور بادشاہوں کی سی سیاست کے یہ معنیٰ ہیں کہ وہ مریدین کی غلطیوں پر ڈانٹ ڈپٹ روک ٹوک محاسبہ معاقبہ مواخذہ دار و گیر کرتا ہو۔ یہ سب شیخ کے فرائض میں سے ہے اگر شیخ ایسا نہیں کرتا تو وہ شیخ نہیں خائن ہے مطالعہ رسالہ کے قبل ہی دل تو خود بخود گواہی دیتا تھا کہ ایسا طریقہ ہونا چاہیئے اور عملدرآمد بھی پہلے سے یہی تھا گو پورا نہ سہی لیکن دیکھنا یہ تھا کہ اس طرز میں کوئی ساتھی بھی ہے یا نہیں۔ سو خدا بھلا کرے مولوی محمد شفیع صاحب کا کہ انھوں نے اس رسالہ کا اردو میں ترجمہ کر کے چھپوا دیا جو لوگ مجھ کو بدنام کرتے تھے۔ میرے طرز اور مسلک پر معترض تھے وہ اس رسالہ کو دیکھیں۔ یہ چوتھی صدی کے بہت قدیم شیخ ہیں جن کا یہ رسالہ ہے۔ غرض جس طریق میں مجھ کو کوئی اپنا ساتھی نظر نہ آتا تھا مگر دل چاہتا تھا کہ ایسا طریق ہو اللہ کا شکر ہے کہ امام محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ میرے ساتھی نکل آئے۔ اب وہ لوگ جو مجھ کو سخت مشہور کرتے ہیں اور بدنام کرتے ہیں اس رسالہ کو دیکھ کر فرمائیں کہ کیا یہ بھی سخت تھے یا متکبر تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اصلاح ہوتی ہی اس طرح سے ہے مگر چونکہ مدتوں سے یہ طریق مردہ ہو چکا تھا اور حقیقت طریق کی لوگوں سے مستور ہو چکی تھی اس لئے طریق اصلاح سے گھبراتے ہیں۔ طبائع کو وحشت ہوتی ہے۔ مگر بزرگانِ سلف کے طرزِ اصلاح کو دیکھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں ذرا ذرا سی بات پر روک ٹوک ڈانٹ ڈپٹ محاسبہ ہوتا تھا ان کا مقصود اصلاح کرنا تھا اور ان کے پاس آنے والوں کا مقصود اصلاح کرانا تھا۔ اب آج کل کے آنے والوں کی سنیئے اس نیت سے اور امید پر آتے ہیں کہ پیر کے یہاں لنگر جاری ہوگا۔ روٹیاں کھانے کو اور کپڑا پہننے کو ملے گا۔ اور شیخ تسبیح ہاتھ میں لئے دنیا و ما فیہا سے بے خبر بت کی طرح بیٹھا ہوگا۔ جائیں گے مرید ہو جائیں گے نہ اپنے سینے میں سے کچھ دیں گے اور دنیا دار مکار جاہل پیروں نے دکانیں بھی ایسی ہی جما رکھی ہیں اس لئے عوام بیچارے ان کا بھی کوئی زیادہ قصور

نہیں قریب قریب ہر جگہ یہی ہو رہا ہے الا ماشاء اللہ۔

۱۰ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم پنجشنبہ

ملفوظ ۷۷۱ ایک صاحب نے آکر تعویذ مانگا محض تعویذ کا نام لیکر رہ گئے یہ نہیں کہا کہ کس چیز کا تعویذ چاہیئے کچھ سکوت کے بعد حضرت والا نے فرمایا کہ کہہ چکے۔ عرض کیا کہ جی۔ فرمایا کہ میں اس قدر سمجھ دار نہیں ہوں کہ گول اور ادھوری بات کو سمجھ لوں۔ عرض کیا کہ ڈر کا تعویذ چاہیئے۔ فرمایا کہ تم کہتے تھے کہ کہہ چکا۔ کیا تم نے یہ بات پہلے کہی تھی۔ عرض کیا کہ بھول گیا تھا۔ فرمایا کیا اچھا عذر ہے کہ بھول گیا تھا گھر سے ایک کام کو چلے ادھوری بات کہہ کر خاموش ہو گئے۔ اب سوال پر ظاہر کرتے ہیں۔ پھر غلطی کا اقرار تک نہیں۔ تاویل کا بھی ایسا مرض عام ہو گیا ہے کہ اچھے خاصے لکھے پڑھے اس بلا میں مبتلا ہیں اور جو غلطی کے اقرار نہ کرنے کا اصلی سبب ہے اس کو بتلائیں گے وہ یہ ہے کہ اپنے نزدیک وہ یہ سمجھتے ہیں کہ آگے خود ان کا فرض ہے کہ یہ معلوم کریں کہ کس چیز کا تعویذ۔ کیوں میاں یہی بات ہے۔ عرض کیا کہ جی ہاں خیال تو یہی تھا فرمایا کہ یہ کس قاعدے سے میرے ذمہ ہے۔ اور اگر یہ میرے ذمہ ہے تو آدھے تیرا اور آدھے میر ہی کی کون ضرورت تھی تعویذ ہی کیوں کہا اس کو بھی میں ہی پوچھ لیتا تم تو نواب صاحب ہو کر آکر بیٹھ جاتے۔ آگے بے تنخواہ کے نوکر اور خادم کے ذمہ سب کام انجام دینا اس کے فرائض منصبی میں سے تھا۔ آخر تعویذ کو تو کہا اور یہ نہیں کہا کہ کس چیز کا تعویذ۔ تو دونوں میں ما بہ الفرق کیا ہے اگر میرے فرائض میں سے پوچھنا ہے تو تعویذ کو بھی میں ہی پوچھ لیتا۔ اگر میرے ذمہ نہیں تو پھر اس کو کیوں نہیں ظاہر کیا کہ فلاں چیز کا تعویذ۔ عرض کیا کہ غلطی ہوئی آئندہ اس کا خیال رکھا جائے گا پوری بات کہا کروں گا۔ فرمایا خیر غلطی کا اقرار کر لیا۔ اس لئے گنجائش نکل آئی ہے۔ خیر اب یہ کیجئے کہ اس وقت سے پندرہ منٹ بعد پوری بات کہہ کر تعویذ مانگئے۔ یہ بھی اختیار ہے کہ چاہے یہاں پر بیٹھے رہو یا اتنی دیر کے لئے اور کہیں اٹھ کر چلے جاؤ۔ وہ صاحب مجلس میں ہی بیٹھے رہے اور وقت پورا کرنے کے بعد حضرت والا سے عرض کیا کہ ڈر کا تعویذ چاہیئے اس وقت حضرت والا ڈاک کا کام کر رہے تھے ایک دم کام چھوڑ کر فرمایا بہت اچھا اور تعویذ لکھ کر دے کر فرمایا کہ دیکھو ہمیشہ پوری بات کہنا چاہیئے۔ ادھوری بات سے دوسرے کو اذیت پہنچتی ہے۔ عرض کیا آئندہ کبھی ایسا نہ ہو گا۔

ملفوظ ۷۷۲ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل بدفہمی اور بدعقلی کا اس قدر بازار گرم ہے کہ مرد ہوں یا عورتیں عوام ہوں یا خواص عالم ہوں یا جاہل قریب قریب ہر طبقہ کے لوگوں میں اس کی کمی پائی جاتی ہے اور ابتلاء ہو رہا ہے۔ ایک بی بی آج گیارہ بجے والی گاڑی سے گھر پر آئی ہیں انہوں نے اس قدر پریشان کیا کہ جس کا کوئی حد

حساب نہیں۔ خدا معلوم فہم و عقل دنیا سے رخصت ہو ہی گئے۔ میں نے اس خیال سے کہ بیچاری وقت اور روپیہ صرف کر کے آئی ہیں معلوم کروں کیا بات ہے کیا حاجت ہے اگر کوئی کام میرے کرنے کا ہے اس کو انجام دوں بلا پوچھے اور بدون ان کے بتلائے ہوئے کیسے کام ہو سکتا ہے۔ میں نے اپنے گھر میں سے کہا کہ ان سے پوچھو کہ کیا کہتی ہیں آنے کی غرض کیا ہے۔ جواب میں کہتی ہیں کہ کیا کہوں۔ میں نے گھر میں سے کہا کہ اب مت پوچھو جانے دو۔ پوچھنے میں ہماری کوئی مصلحت ہے نہیں نہ ہمارا کوئی کام۔ انھیں کی مصلحت ہے نہیں بتلائیں جانے دو لیکن بدون بتلائے ہوئے کام نہیں ہو سکتا۔ یہ بتلانے سے معذور ہیں۔ ہم بے بتلائے کام کرنے سے معذور ہیں۔ اس کے بعد سب کچھ بتلا دیا۔ . . . . . میں نے کہا کہ میں تمہاری بات کا جواب بھی دوں گا اور کام وغیرہ بھی سب کچھ ہو گا۔ لیکن تم نے پریشان کر کے کیوں بتلایا اگر پہلے ہی بتلا دیا ہوتا تو تمہارا کون حرج تھا کچھ نہیں وہی رسم کا غلبہ۔ بیان انھوں نے یہ کیا کہ میں حاجی وارث علی صاحب سے مرید ہوں۔ پہلے تو میری یہ حالت تھی کہ نماز میں جی لگتا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ میں ایک وسیع میدان میں ہوں اور دل پر فرحت اور ذوق و شوق ہے۔ اب میری وہ حالت نہیں رہی میں نے اپنے دل میں کہا کہ ان کو حقیقت کس طرح سمجھاؤں۔ خیر میں نے اختیاری غیر اختیاری کے مسئلہ پر تقریر کی۔ مگر اس تقریر کرنے میں بڑی تنگی ہوئی اس لئے کہ ان کے مذاق اور فہم کی رعایت کر کے تقریر کرنا پڑی پھر بعد تقریر کے میں نے گھر میں سے کہا کہ پوچھو ان سے کہ یہ سمجھ بھی گئیں یا نہیں۔ کہا کہ سمجھ گئی اور قرائن سے امید بھی یہی معلوم ہوئی کہ سمجھ ہی گئی ہوں گی۔ تقریر نہایت سہل تھی اور یہی سبب تھا تنگی کا۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ اب صاف بات کہتا ہوں کبھی تم دھوکہ میں رہو۔ وہ یہ ہے کہ تم حاجی وارث علی سے مرید ہو ہم ان کو اچھا نہیں سمجھتے۔ وہ پابند شریعت نہ تھے۔ اگر تم اُن سے تعلق اور عقیدت رکھتی ہو تو ہم سے نہ رکھو اور اگر ہم سے تعلق اور عقیدت رکھتی ہو تو ان سے مت رکھو یہ میں نے اس لئے کہہ دیا کہ دھوکہ نہ ہو۔ حاجی وارث علی کی یہ حالت تھی کہ نماز نہیں پڑھتے تھے جوان عورتوں سے ہاتھ پیر دبواتے تھے اور ان پر کچھ عجیب قسم کی حالت رہتی تھی۔ ربودگی کا سا غلبہ رہتا تھا۔ لیکن ایسے بھی نہ تھے کہ ہوش نہ ہو ایسی حالت تھی جیسے استغراق والوں کی مگر اس کو صوفیہ کا سا استغراق بھی نہیں کہہ سکتے ہاں کاہنوں کی سی حالت کہہ سکتے ہیں۔ ان کی حالت بالکل کاہنوں کی حالت تھی۔ ایک نہایت معتبر اور ثقہ شخص نے مجھ سے بیان کیا تھا ان راوی کا نام باقر علی تھا۔ نواب قطب الدین خاں صاحب کے مرید تھے۔ ان کا بیان ہے کہ پہلے یہ بڑے پکے نمازی تھے مگر حج سے آکر نماز چھوڑ دی وہ کہتے تھے کہ میں خود حاجی وارث علی سے پوچھا تھا کہ نماز کیوں چھوڑ دی۔ جواب میں یہ کہا کہ میں نے ایک سفلی عمل پڑھا ہے اگر نماز پڑھوں گا تو وہ جاتا رہے گا۔ سو کچھ تعجب نہیں یہی بات ہو۔ حالت بظاہر ایسی ہی تھی۔ مگر ایک عجیب واقعہ ہے حاجی وارث علی نے اپنے ایک مرید کو یہاں پر بھیجا تھا کہ وہاں فلاں شخص سے مثنوی پڑھ کر آؤ (میں مراد ہوں) اس وقت میرے یہاں مثنوی ہوتی تھی۔ اس شخص نے آکر مجھ سے کہا کہ میں مثنوی پڑھنے آیا ہوں میں نے کہا کہ سبق میں بیٹھ جایا کرو لیکن ایک شرط ہے وہ یہ کہ ہم حاجی وارث علی کو اچھا نہیں سمجھتے اور گو ہمارا یہ مشغلہ تو ہے نہیں لیکن ذکر آجانے پر ہم ان کو برائی سے یاد کرتے ہیں اور تمہاری وجہ سے ہم اس سے رکیں گے نہیں اس کو تم اگر برداشت کر سکو اجازت ہے۔ تھے بیچارے سلیم الطبع آدمی کہنے لگے کہ صاحب آپ جانیں وہ جانیں۔

ہم کو بڑوں کی باتوں میں کیا دخل۔ ہم تو جیسا کہ ان کو سمجھتے ہیں ویسا ہی آپکو سمجھتے ہیں۔ آپ اُن کو کہیئے وہ آپ کو کہیں ہم کو کچھ غرض نہیں۔ میں نے کہا کہ بہت اچھا۔ بھٹیرے رہے۔ کچھ مثنوی بھی پڑھی۔ نماز کے بڑے پابند تھے ویسے بھی سمجھدار آدمی تھے۔ خدا معلوم وہاں کس طرح پھنس گئے تھے۔ مدت کے بعد ایک روز بدون اطلاع کئے ہوتے غائب ہو گئے۔ میں نے کہا کہ یہ وہاں کا اثر ہے وحشت۔ اس پر فرمایا کہ جس کی حالت خلافِ شرع ہو چاہے کسی باطنی عذر سے خدا تعالٰے مواخذہ نہ کریں۔ مگر گمراہی تو پھیلتی ہے اس لئے میں نے اُن بی بی سے کہلوا دیا کہ دھوکا نہ ہو اب وہ اپنے دین کی ذمہ دار ہیں۔ لیکن کہلوانے کے بعد انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے جواب لینے کے لئے کہلوایا بھی نہ تھا اب وہ جانیں۔

ملفوظ ۶۷۳ ایک مولوی صاحب کے خط کا جواب تحریر فرماکر فرمایا کہ اہلِ علم کے سوال پر جواب دینے کو جی چاہتا ہے۔ دل کھلتا ہے محض اس خیال سے کہ جواب کی قدر کرینگے۔ سمجھیں گے۔ بخلاف تعلیم یافتہ جنٹلمینوں کے یہ لوگ جو سوال کرتے ہیں واللہ جواب دینے کو جی نہیں چاہتا محض اس خیال سے کہ سمجھے گا کون۔ ؟ قدر تو بڑی چیز ہے۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ جیسے ایک مرتبہ میری ہی مجلس میں ایک طبیب سے ایک غیر طبیب فن کے متعلق کچھ سوالات کر رہے تھے طبیب بیچارے بہت ہی تنگ تھے آخر جب کسی طرح سوالوں کا سلسلہ منقطع نہ ہوا تو طبیب نے غصہ ہو کر کہا کہ اس طرح کے سوالات کرنا آپ کی شان سے بعید ہے آپ فن کی اہانت کر رہے ہیں اسی طرح سے علما کو غصہ آتا ہے کہ تم علم اور اہلِ علم کی اہانت کرتے ہو۔ اور واقع میں آج کل کے جو تعلیم یافتہ سوال کرتے ہیں۔ شریعت کی اہانت کرتے ہیں۔ ان کو سوال کا بھی تو سلیقہ نہیں دعوے ہی دعوے ہیں لمبے چوڑے۔ جب سمجھتے ہی نہیں تو خواہ مخواہ تغیر ہوتا ہے کہ جاہلو تمیز تو سوال کرنے کی بھی نہیں جواب ہی کو کیا سمجھو گے۔ پھر اس پر شکایت ہے کہ علماء بہت جلد غصہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی ایسا ہی شخص جو سائنس کچھ نہ جانتا ہو اور اس نے سائنس کی الف بے بھی نہ پڑھی ہو۔ ان لوگوں سے سائنس کا سوال کرے یہ خود ایسے ہی تنگ ہوں گے جیسے علماء ان کے سوالوں سے تنگ ہوتے ہیں کہ جانتا تو کچھ ہے نہیں اس کو کس طرح سمجھا دیں۔ ضرور غصہ آئے گا بالخصوص جبکہ وہ نہ جاننے کے ساتھ جاننے کا بھی دعوٰی کرے۔ بس ایسے ہی دوسروں کو سمجھ لو۔

ملفوظ ۶۷۴ ایک دیہاتی شخص نے آکر تعویذ مانگا یہ نہیں کہا کہ کس چیز کا تعویذ حالانکہ بہت سی قسم کے تعویذ ہوتے ہیں۔ تھوڑے سے سکوت کے بعد حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ کہہ چکا۔ عرض کیا کہ جی کہہ چکا۔ فرمایا میں تمہاری بات کو سمجھا نہیں ایسا ہی کوڑ مغز سا آدمی ہوں۔ دوسرے تم نواب صاحب ہو بڑے آدمی ہو بڑوں کی بات ویسے بھی چھوٹوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ پھر حاضرین سے فرمایا کہ یہ بدفہم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سوال کہ کس چیز کا تعویذ اس کے ذمہ ہے۔ مگر میرے ذمہ آخر کس قاعدے سے۔ یہی لوگ اگر بازار جاکر یوں کہیں کہ لالہ سودا دیدو اور سودے کا نام نہ لیں یہ نہ کہیں کہ نمک دیدو۔ مرچ دے دو۔ چاول دیدو وغیرہ وغیرہ تب میں سمجھوں گا کہ جہل میں مبتلا ہیں۔ یا اسٹیشن پر جاکر بابو سے صرف یہ کہیں کہ ٹکٹ دیدو اور اس مقام کا نام نہ لیں مگر جب دونوں جگہ جاکر ایسا نہیں کرتے اور یہاں کرتے ہیں تو کھلی بے ہودگی ہے۔ اس جہل کا تختۂ مشق ہم کو ہی بناتے ہیں۔ اب کہاں تک ان کے افعال کی تاویلات

کیا کروں۔ سب ایک ہی رنگ کے آتے ہیں۔ یہ فرما کر اس شخص کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ جاؤ تم میں سلیقہ نہیں کام لینے کا۔ جس وقت پوری بات آ کر کہو گے اس وقت کام ہو گا وہ شخص اٹھ کر چلا گیا۔ قریب آدھ گھنٹہ بعد ایک پرچہ لکھوا کر لایا جس میں تعویذ کی فرمائش پوری عبارت کی ساتھ تھی۔ حضرت والا نے اس پرچہ کو ملاحظہ فرما کر تعویذ لکھ کر دے دیا اور فرمایا کہ آئندہ ہمیشہ پوری بات کیا کرو۔

ملفوظ ۶۷۵ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں آنے والوں سے یہ کب چاہتا ہوں کہ وہ پورے مہذب بن کر آئیں۔ صرف اتنا چاہتا ہوں کہ اس کا قصد اور فکر ہو کہ ہمارے قول اور فعل سے دوسرے کو اذیت نہ ہو۔ میں ایک واقعہ عرض کرتا ہوں اس سے میری حالت کا اندازہ ہو جائے گا۔ ایک شخص ہیں میں نے پچیس برس ان کی اذیتیں اور بیہودگیاں برداشت کیں اس کے بعد خواجہ صاحب کے سپرد کیا وہ تین ہی ماہ میں چیخ اٹھے کہ یہ صاحب مخاطبت کے قابل نہیں، حالانکہ خواجہ صاحب بے حد رحم دل شخص ہیں اکثر لوگوں کے افعال اقوال میں تاویلات کرتے رہتے ہیں اور مجھ سے معافی وغیرہ کی سفارش اور کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اس شخص سے میں اب بھی منقبض ہوں لیکن باوجود انقباض کے اس وقت بھی خیریت معلوم کر سکنے کی ان کو اجازت دے رکھی ہے۔ جب میں دوسرے کی اتنی رعایت کروں اور خیال رکھوں تو کیا مجھ کو اتنا بھی حق نہیں کہ میں یہ چاہوں کہ مجھ کو ستاؤ مت۔ خدمت سے مجھے آدھی رات بھی انکار نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ سلیقہ سے خدمت لو۔ اور حضرت یہ تو وہ طریق ہے کہ اس میں اپنے مربی سے عشق کا درجہ ہونا چاہیئے۔ جب تک یہ حالت نہ ہو اس طریق میں قدم رکھنا محض بے کار ہے۔ جب یہ ہے تو اس کے لئے تیار ہو کر آنا چاہیئے۔ اسی کو فرماتے ہیں ؎

در رہِ منزل لیلےٰ کہ خطرہاست بجان شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

اور جب یہ حالت نہیں نہ قلب میں عشق کا درجہ ہے اور نہ اس راہ میں پیش آنے والی باتوں کی برداشت تو پھر قدم ہی کیوں رکھا دعویٰ ہی کیوں کیا۔ اس راہ میں چلا ہی کیوں۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

تو بیک زخمے گریزانی زعشق تو بجز نامے چہ میدانی زعشق

یعنی جب تیرے قلب میں ہر مواخذہ اور محاسبہ روک ٹوک ڈانٹ ڈپٹ پر کدورت پیدا ہوتی ہے اور اس کی برداشت نہیں کر سکتا تو اس کوچے میں آیا ہی کیوں یہ کوچہ تو عشاق کے لئے ہے تو محبوب کی راہ میں ہزاروں دشوار گھاٹیاں ہیں ان کے طے کرنے میں تکان بھی ہو گا آبلے بھی پڑیں گے۔ اگر برداشت نہیں اور اتنی قوت نہیں اور ہر حرکہ پر قلب مکدر ہوتا ہے تو پھر صفائی کیسے ہو گی اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

در بہر زخمے تو پُر کینہ شوی پس کجا بے صیقل آئینہ شوی

چوں نداری طاقت سوزن زدن پس تو از شیر ژیان ہم دم مزن

دیکھئے بازاری عورت سے عشق ہو جاتا ہے جو حقیقت میں فسق ہوتا ہے تو اس کے کس قدر ناز اٹھائے جاتے ہیں۔ اگر اس کا نصف۔ ثلث ربع بھی اپنے مصلح دین کے ناز اٹھائے جاویں نہ معلوم چند روز میں کیا سے کیا ہو جائے۔ کیا شیخ کی اتنی بھی وقعت نہیں جتنی بازاری عورت کی۔ اور پھر وہ کمبخت لوٹتی ہے۔ ستاتی ہے۔ ترساتی ہے

وعدہ خلافی کرتی ہے۔ بیوفائی کرتی ہے۔ باوجود ان باتوں کے پھر بھی اس کے ناز اٹھائے جاتے ہیں اور ذرا دل پر کدورت کے آثار تک نہیں پیدا ہوتے اور یہاں ذرا ذرا سی بات پر دل میں ناگواری کدورت پیدا ہوتی ہے۔ یہ کیسی طلب ہے اور کیسا عشق ہے۔ کیا اس کو طلب صادق کہا جا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں عشاق کی تو شان ہی جدا ہوتی ہے۔ ان کی تو صورت اور حالت ہی اور ہوتی ہے وہ کسی بات سے کہاں ہٹنے والے ہوتے ہیں۔ میں حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بے وقت پہنچا۔ عشاء کے بعد کا وقت ہو گیا تھا۔ اس پر مولانا نے مجھ پر ڈانٹ ڈپٹ کی۔ بے حد خفا ہوئے۔ مولانا میرے استاد تھے نہ پیر تھے مگر باوجود اس کے اس ڈانٹ پر میں اس وقت اپنے قلب کے اندر بجائے کسی کدورت کے خوشی اور مسرت دیکھتا تھا فقط اس خیال سے کہ حب اللہ سے محبت ہے تو اللہ والوں سے بھی محبت ہونا چاہیئے۔ اس لئے ان کی خفگی سے قلب پر کوئی برا اثر نہیں ہوا اور میں اپنی اس حالت کو خدا کی ایک بڑی رحمت اور نعمت سمجھتا ہوں اور یہ تو عقل کا بھی حکم ہے کہ جب میں مولانا کی خدمت میں عقیدت لے کر گیا تھا تو اس وقت مجھ پر مولانا کا ایک حق تھا۔ انسان جہاں جائے وہاں کے حقوق کا خیال رکھے مگر لوگ طریق کی حقیقت سے بے خبر اور ناواقف ہیں۔ بے سوچے سمجھے گھر سے اٹھ کر چل دیتے ہیں۔ کیا کوئی نانی جی کا گھر ہے یہ نہیں معلوم کہ جس کی طلب میں قدم اٹھایا ہے وہ کون ہے اور کیا ہے۔ بس پہلی ہی منزل پر گھبرا اٹھا۔ مجنون کی حالت نہیں سنی کہ ایک عورت اور فانی ناچیز کے عشق میں کیا کیا تکلیفیں اور پریشانیاں برداشت کیں۔ کیا حق تعالیٰ کا عشق اس سے بھی کم ہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود ۔۔۔ گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

مگر یہ باتیں بدون صحبت کامل کے نصیب ہونا مشکل ہیں کسی کی جوتیاں سیدھی کرو بلکہ سیدھی کرنے سے بھی کچھ نہ ہوگا۔ جوتیاں کھانے کو تیار ہو کر آؤ گو وہ مارے نہیں لیکن تم کو تو تیار ہو کر آنا چاہیئے تب کچھ اس طریق سے حصہ مل سکتا ہے اور اگر دماغوں میں خناس ہی بھرا رہا تو میں بتلائے دیتا ہوں کہ وہ شخص ہمیشہ محروم رہے گا۔ ناکام رہے گا اس طریق میں تو پہلا قدم فنا ہے اور دوسری چیزیں سب بعد میں ہیں۔ بس اپنے کو مٹا دو فنا کر دو اور پھر دیکھو کہ کیا سے کیا ہو گا۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

سالہا تو سنگ بودی دلخراش ۔۔۔ آزموں را یک زمانے خاک باش

یعنی امتحان ہی کے طور پر کر کے دیکھ لو یہ حالت دیکھو گے جس کو مولانا فرماتے ہیں ؎

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ ۔۔۔ خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

مگر یہ حالت اس وقت ہو گی جبکہ تو اپنی تمام رایوں کو فنا کر کے اور تمام دعووں کو مٹا کر راستہ چلے گا اسی کا نام فنا ہے اسی کا نام فنا ہے اسی کو ارشاد فرماتے ہیں ؎

ہر کجا پستی است آب آنجا رود ۔۔۔ ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

اور اس پر یہ شبہ نہ کرنا کہ یہ تو بڑی دشوار گذار راہ ہے۔ ہماری ناتمام سعی سے کس طرح منزل مقصود تک رسائی

ہو سکتی ہے بات یہ ہے کہ ہمارے نزدیک دشوار اور مشکل ہے اُن کو تو کچھ مشکل نہیں۔ تو رسائی تو ان کے کرنے سے ہوگی نہ کہ ہمارے کرنے سے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست　　با کریماں کارہا دشوار نیست

ملفوظ ۶۷۶ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے مجھ پر اعتراض لکھا ہے کہ اگر ایسی ہی لفظی گرفت کرتا ہے تو ساری عمر بھی کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے یہ طالب ہیں اور یہ طریق کا ادب ہے ان رسمی پیروں اور علماء نے ان لوگوں کو بگاڑ دیا اور یہ سب اخلاق مروجہ کے برکات ہیں۔ ان کے اخلاق تو نظر عامہ میں درست رہے لیکن عوام کے اخلاق برباد ہو گئے۔ اگر ڈاکٹر مریض کے دنبل پر ہمیشہ مرہم ہی لگایا کرے اور جہاں آپریشن کی ضرورت ہے وہاں بھی نشتر نہ لگائے تو عضو ضرور معطل ہو جائے گا کیا ایسے ڈاکٹر کو خلیق کہیں گے یا خائن۔ واقع میں تو بڑی زبردست خیانت ہے۔ میں تو اس کو خیانت سمجھتا ہوں۔ غلطی پر تنبیہ کرنے کو بداخلاقی کہتے ہیں۔ اگر یہ ہے تو قرآن پاک کے بڑے حصہ میں بھی شان قہاریت بھری ہے وعیدیں ہیں مگر باعتبار اثر کے وہ سب رحمت ہے۔ کیا یہ رحمت نہیں ہے کہ مریض کو وہ دوا پلائی جاتی ہے جو اس کے لئے مفید ہو اگرچہ وہ کڑوی ہی ہو۔ دیکھئے ماں سب میں زیادہ شفیق ہے مگر جب بچہ کی کوئی نازیبا حرکت دیکھتی ہے یا وہ شرارت کرتا ہے خوب مارتی ہے۔ محبت کا اقتضا ہی یہ ہے کہ جتنی محبت ہوگی۔ اتنی ہی اصلاح کے بارے میں توجہ ہوگی۔ دیکھئے اُستاد کے پاس بچے پڑھتے ہیں جس بچے پر اُستاد کو زیادہ شفقت ہوگی اگر اس کو ذرا غافل پائیگا فوراً قمچی لگائے گا۔ اس کو سختی کہیں گے یا نرمی اور شفقت۔ ایک وہ بچہ ہے کہ استاد کو اس پر شفقت نہیں وہ بچہ کھیل رہا ہے استاد دیکھتا ہے اور نظر بچا لیتا ہے۔ حقیقت میں اس کو سختی کہیں گے اس لئے کہ استاد کا خیال یہ ہے کہ نالائق کو خوب کھیلنے دو۔ کل کو جب سبق یاد نہ نکلیگا تب اچھی طرح خبر لوں گا اور جس بچہ پر ہر وقت تنبیہ ہے۔ روک ٹوک ہے اس سے اس کے سبق یاد ہو جاتا ہے پھر وہ باپ کا بھی پیارا ہے ماں کا بھی پیارا ہے استاد کا بھی پیارا ہے۔ میں ایک حکایت بیان کرتا ہوں۔ ایک مائی یعنی سوتیلی ماں نے اپنے بچہ کی تو انگلی پکڑ رکھی تھی اور پیدل لئے جا رہی تھی اور سوتیلے بچہ کو گود میں لئے ہوئے تھی۔ لوگوں نے دیکھ کر بڑی تعریف کی کہ ایثار اس کو کہتے ہیں اور رحم اس کو کہتے ہیں۔ اس عورت نے کہا کہ یہ بات نہیں جو تم سمجھتے ہو۔ تم حقیقت سے بے خبر ہو میں جو اس کو گود میں لئے ہوں اس کے ساتھ ہمدردی نہیں کر رہی ہوں اور یہ میرا فعل محبت پر مبنی نہیں ہے بلکہ دشمنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں یہ چاہتی ہوں کہ میرا بچہ تو چلنا سیکھ جائے اس کو قوت حاصل ہو اور یہ سوتیلا گود کا عادی رہے۔ کمزور رہے۔ دوسرے میں اس کو چلتا ہوا دیکھ نہیں دیکھ سکتی تو حضرت آج کل کے اخلاق اور ہمدردی اور محبت کی یہ حقیقت ہے جو اس عورت نے بیان کی۔ یہی حالت آج کل کے اکثر مشائخ اور علماء کے اخلاق کی ہے۔ ان کے اخلاق متعارفہ کا ثمرہ اور نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ یہ تو خوش اخلاق مشہور رہے اور دوسروں کے اخلاق برباد کر دیئے۔ میں جو روک ٹوک ڈانٹ ڈپٹ مواخذہ محاسبہ کرتا ہوں مجھ کو بدنام کر رکھا ہے نیز ان میں اکثر کی خوش اخلاقی خالی از علت نہیں دال میں کالا ہے کوئی غرض عوام سے وابستہ ہے جس کی وجہ سے عوام کی اصلاح تو کیا کرتے اور الٹی چاپلوسیاں اور خوشامدیں آؤ بھگت کرتے ہیں اور نفس کی تاویلیں

دیکھیئے کہتے ہیں کہ اگر روک ٹوک کی گئی تو ان کو ناگوار ہوگا اور پھر کدورت کے سبب دینی برکات اور فیض سے محروم رہ جائیں گے تو میں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ برکات کے ٹھیکہ دار بن کر تشریف لاتے ہیں۔ کیا ان میں جو بداخلاقی رہے گی کیا یہ بددینی نہیں تو پھر وہ اور کونسے فیوض و برکات ہیں جن سے آپ اُن کو نوازیں گے۔ اعمال اخلاق ہی تو دین کی جڑ ہیں جب یہ درست نہ ہوا تو دین کہاں رہا۔ پھر برکات کیسی؟ کیا باتیں بناتے ہیں جو دل میں ہے اس کو ظاہر نہیں کرتے کہ اگر ہم نفسان کی حرکتوں کی اصلاح اور روک ٹوک کی تو یہ غیر معتقد ہو کر چلے جائیں گے اور دوسروں کو جا کر غیر معتقد بنائیں گے پھر کوئی پاس نہ آئے گا، ہمارے مال وجاہ میں کھنڈت پڑ جائے گی۔ یہ تو مشائخ کے اغراض ہیں اور علماء کا یہ مرض ہے کہ روک ٹوک سے غیر معتقد ہو جائیں گے۔ ہمارے علم و فضل کا اعتقاد نہ رہے گا۔ دوسروں سے ذکر کر کے بدنام کریں گے۔ مولانا سے نرے مولوی رہ جائیں گے۔

ملفوظ ۶۷۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نے ایک معترض صاحب کو لکھا تھا کہ جب تم مبادی کو نہیں سمجھتے تو مقاصد کو کیا سمجھو گے۔ بعضے لوگ باوجود نہ سمجھنے کے ایک بڑا اختراعی کارخانہ ذہن ہی میں جما کر علماء پر اعتراضات کرتے ہیں لیکن بحمد اللہ اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت سے ایک ہی جملہ میں بڑے سے بڑا جن اتر کر نفرد ہو جاتا ہے بغلیں ہی جھانکتے رہ جاتے ہیں۔ البتہ جن باتوں سے شبہات رفع ہوتے ہیں وہ ان کم علموں کو کتابوں سے نہیں معلوم ہو سکتیں کسی کی صحبت سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ اور گو ہیں وہ سب کتابوں ہی میں لیکن سمجھنے کے لئے تو فہم اور عقل کامل کی ضرورت ہے بدون اس کے سمجھ میں آنا مشکل ہے اور یہ دونوں چیزیں صرف کسی کامل کی صحبت اور اُس کی جوتیاں سیدھی کرنے سے میسر ہو سکتی ہیں۔ اس کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار مرد حال شو   پیش مردے کاملے پامال شو

اس کو مثال سے سمجھ لیجئے کہ طب کی کتابوں کا سمجھنا مریض کا کام نہیں اور نہ ہر تندرست کا بلکہ طبیب کا کام ہے جو کہ فن سے واقف ہے۔ اس کو ماہر فن ہی سمجھ سکتا ہے دوسروں کا اس میں دخل دینا اور سمجھنے کا دعویٰ کرنا اور لیاقت بگھارنا اس سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا جیسے ایک گاؤں میں ایک بوجھ بجھکڑ رہتا تھا اس گاؤں کے قریب جنگل میں کھجور کا درخت تھا اس پر پکی کھجوریں دیکھ کر ایک بھوکا آدمی تھا وہ کھجور کے درخت پر چڑھ گیا۔ کھجوریں مزہ دار معلوم ہوئیں۔ کھا زیادہ گیا اترنا مشکل معلوم ہوا۔ تمام گاؤں جمع ہو گیا۔ بہت کچھ غور و فکر کیا کہ اس کو اوپر سے کس طرح اتاریں کسی کی سمجھ میں نہ آیا آخر میں یہ رائے قرار پائی کہ بوجھ بجھکڑ کو بلاؤ وہ کوئی تدبیر بتلائیں گے۔ بلائے ہوئے آئے۔ کھڑے ہو کر درخت کو چوٹی سے جڑ تک دیکھا۔ پھر ایک دم حکم دیا کہ ایک مضبوط موٹا رسہ لاؤ۔ رسا لایا گیا۔ کہا کہ اس میں پھندہ لگاؤ لگایا گیا کوئی شخص قوت سے اوپر پھینکو اور جو شخص درخت پر تھا اُس سے کہا کہ رسے کو پکڑ لے۔ اور پھندا کمر میں ڈال لے ادھر سے رسا پھینکا گیا اس نے پکڑ کر کمر میں پھندا ڈال لیا۔ نیچے لوگوں سے کہا کہ زور سے جھٹکا دو۔ جھٹکا لگایا گیا وہ پٹ سے زمین پر آ کر پڑا۔ تمام ہڈی پسلیوں کا چورا ہو گیا۔ دماغ پھٹ کر بھیجا نکل کر الگ جا پڑا اور ختم ہو گیا۔ لوگوں نے بوجھ بجھکڑ سے کہا کہ یہ کیا ہوا کہا کہ قسمت اس کی۔ میں نے تو سینکڑوں آدمی رسے

کے ذریعہ کنوئیں میں سے نکلوائے ہیں تو اس احمق نے کھجور کے درخت کو کنوئیں پر قیاس کیا۔ ایسے ہی آج کل کے مجتہدین
نتیجہ وہی ہو رہا ہے کہ جو اس شخص کا ہوا کہ زندگانی دنیا وی اس بوجہ بجکڑ کی بدولت بیچارے کی ختم ہو گئی ایسے ہی ان
نئے مجتہدوں کی بدولت لوگوں کی زندگانی آخرت برباد ہو رہی ہے جس کی صورت یہ ہے کہ اپنی اغراض فاسدہ کے
لئے احکام شرعیہ میں اس قدر تحریف سے کام لیا جا رہا ہے کہ الامان الحفیظ۔ شب و روز شریعت مقدسہ کے مسائل
میں کتر بیونت کرتے ہیں اور امت کے سمجھے ہوئے احکام پر اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ سمجھ اپنی قاصر اور وہ قصور ان کو
شریعت میں نظر آتا ہے۔ جیسے ایک شخص حبشی راستہ پر چلا جا رہا تھا اس کو سر راہ ایک آئینہ پڑا ہوا نظر آیا اٹھا کر
دیکھا تو اپنا چہرہ مبارک اس میں نظر آیا۔ حبشی ہوتے ہی ہیں بد صورت بد شکل سیاہ رو۔ موٹی ناک موٹے موٹے ہونٹ
اس آئینہ کو دور پھینک کر مارا کم بخت اگر ایسا بدصورت نہ ہوتا تو تجھ کو یہاں کوئی کیوں پھینک جاتا اب بتلایئے
کہ وہ آئینہ بدشکل تھا یا خود ہی جناب بدشکل تھے تو جیسے اس نے آئینہ میں کھوٹ نکالا ایسا ہی یہ شریعت مقدسہ میں
کھوٹ نکالتے ہیں۔ نیز ان کا احکام میں نقص نکالنا ایسا ہے جیسے کہ ایک عورت اپنے بچہ کو پاخانہ پھرا رہی تھی عید کی
چاند رات کا چاند نظر آیا شور مچا عجلت میں بچہ کا پاخانہ کپڑے سے پوچھ اور جلدی سے چاند دیکھنے کھڑی ہو گئی۔ عورتوں
کو اکثر عادت ہوتی ہے ناک پر انگلی رکھ لیتی ہیں اس عورت نے بھی چاند دیکھتے وقت ناک پر ہاتھ رکھ لیا اتفاق سے
انگلی میں پاخانہ لگا تھا بدبو جو ناک میں پہونچی تو کہتی کیا ہے کہ اے ہے اب کے سڑا ہوا چاند کیوں نکلا۔ پس جیسے اس نے
چاند کو سڑا ہوا بتلایا اور سڑی ہوئی اپنی انگلی تھی ایسے ہی لوگوں کو اپنے نقائص شریعت مقدسہ میں نظر آ رہے ہیں مگر یہ اپنی
سمجھ کا قصور نہیں سمجھتے۔ شریعت کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ کچھ حد ہے اس بے ہودگی اور بدفہمی و بدعقلی کی۔

۱۱ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز جمعہ

ملفوظ ۶۷۸ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مشکل سے کوئی شخص ہوگا جو میری لڑائی سے (مراد روک ٹوک ہے) بچا
ہو گا ورنہ قریب قریب سب ہی سے لڑائی ہو چکی ہے۔ ایک صاحب نے نانوتہ سے کہلا کر بھیجا تھا کہ معلوم
نہیں کیا بات ہے جو وہاں سے آتا ہے نالاں ہی آتا ہے میں نے کہلا کر بھیجا کہ مجھ سے آکر پوچھو کہ جو آتا ہے نالاں ہی کرتا آتا
ہے اور جو نالاں آتا ہے نالہ کی بناء اسی کی تو روایت ہے دونوں سے بیان لے کر فیصلہ کرو تب حقیقت ظاہر ہو کہ کون
ظالم ہے اور کون مظلوم۔ بات یہ ہے کہ تکلیف کی بات سے سب کو ہی تکلیف ہوتی ہے مجھ کو بھی ہوتی ہے بس میرے اندر
یہ عیب ہے کہ میں اس کو ظاہر کر دیتا ہوں دوسرے حضرات تہذیب سے کام لیتے ہیں اور میں گنوارپن سے یہ حقیقت ہے

نالہ کی۔ اب کیا عرض کروں نرمی کرنے کا نتیجہ سنیئے۔ ایک صاحب یہاں پر آئے تھے۔ اُن سے چند غلطیاں ہوئیں میں نے زیادہ مواخذہ نہیں کیا البتہ اطلاع ضرور کی کہ یہ غلطیاں تم سے ہوئیں واپس جا کر یہ شکایت کی کہ میں تو شانِ فاروقی دیکھنے کے اشتیاق میں گیا تھا مگر وہاں تو شانِ عثمانی ہے نرمی ہی نرمی ہے جس سے اصلاح کامل نہیں ہوتی وہ نرمی سے ناراض ہوئے اب بتلائیے کہ مخلوق کو کس طرح راضی رکھوں۔ ایک ولایتی بزرگ خورجہ میں تھے ان سے میں بھی ملا ہوں انھوں نے کرانہ کے ایک حکیم صاحب سے میرے متعلق کہا کہ ساری باتیں ٹھیک ہیں لیکن ذرا مداہنت یعنی ڈھیلا پن ہے جو حق گو میں نہ ہونا چاہیئے۔ اب کس کس کی موافقت کی جائے کسی کو شکایت ڈھیلے پن کی ہے۔ (یائے اول معروف ہے) اور کسی کو ڈھیلے پن کی (یائے اول مجہول ہے) اس کی صرف ایک صورت ہو سکتی ہے کہ آنے والوں سے پوچھا کروں کہ تم کو نرمی پسند ہے یا سختی۔ پھر اس میں بھی اس کی ضرورت ہوگی کہ دو کو ایک مجلس میں جمع نہ کروں تاکہ ایک کو دوسرے کی سختی نرمی کا علم نہ ہو۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کی بھی ضرورت ہوگی کہ ان سے یہ بھی کہا کروں کہ تمھارے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا ہے اس کا کسی سے ذکر مت کرنا کہ نرمی کی ہے یا سختی؟ ورنہ اس علم کے ساتھ پھر اعتراض رہے گا۔ جب اتنا اہتمام کروں تب ساری مخلوق کو راضی رکھ سکتا ہوں، سو اس قدر اہتمام کون کرے۔ یہ ایسی بات ہے جیسے ایک شخص اپنی بیوی بچوں کو ساتھ لے کر چلا تھا۔ اور ایک ٹٹو پاس تھا اور اس پر سوار ہونے اور پیادہ چلنے کی تمام محتمل صورتوں کو اختیار کیا تھا اور سب میں اعتراض ہی سنتا رہا۔ آخر عاجز ہو کر یہی فیصلہ کیا کہ سب اپنی ایسی تیسی میں جاؤ اب جو جی میں آئے گا وہ کریںگے۔ تو صاحب مخلوق کے اعتراضات سے تو کسی طرح بچ نہیں سکتے۔ حیدرآباد والے ماموں صاحب فرمایا کرتے تھے۔ بڑے دانشمند تھے۔ گو مسلک تو ہمارے مسلک کے خلاف تھا۔ اہل سماع میں سے تھے اس میں بھی کچھ مبالغہ ہو گیا تھا مگر دکاندار نہ تھے باتیں بھی حکیمانہ ہوتی تھیں۔ وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ہر قسم کی کتاب میں سے ایک ایک بات کار آمد بات منتخب کر رکھی ہے چنانچہ منظوم گل بکاؤلی ایک کتاب ہے اس میں سے بھی ایک شعر منتخب کیا ہے حالانکہ گل بکاؤلی ایک لغو اور ایک واہیات کتاب ہے لیکن اُس میں سے ایک شعر انتخاب کیا تھا۔

سن لاکھ تجھے کوئی سنا دے   کیجیو وہی جو سمجھ میں آدے

میں اس قید کا اور اضافہ کرتا ہوں کہ جہاں احکام شرعی سے مزاحمت ہو وہاں سمجھ کو ترک کرنا ہوگا وہ اس سے مستثنیٰ ہے

ملفوظ ۶۷۹ فرمایا کہ ایک بی بی کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں چاہتی ہوں کہ نیچے کی سانس ھو اور اوپر کی سانس سے اللہ کہا کروں۔ میں نے لکھ دیا کہ ان پڑھ آدمی کو خصوص عورت کو ایسے اشغال کی ضرورت نہیں سیدھے سیدھے کلمہ شریف کا ورد رکھو اور شریعت کی پابند رہو۔ اس پر فرمایا کہ یہی بی بی اگر کہیں اور اس مضمون کا خط لکھتیں تو نہ معلوم بیچاری کو اس کے علاوہ اور کن کن اشغال کی تعلیم دی جاتی مگر یہاں چلنے کا ارادہ کیا تھا خود اُسی سے ہی روک دیا گیا یہ طریق بہت ہی نازک ہے ہر شخص کے لئے اس کے مذاق کی اور قوت کی اور فرصت کی رعایت کر کے جدا تجویز کرنا پڑتی ہے اور ہر حال میں اصل چیز تو اعمال ہیں ان کے اہتمام اور خیال کی خاص ضرورت ہے مگر اس کا اہتمام آج کل کے مشائخ تک میں بھی نہیں صرف اوراد و وظائف کو اصل قرار دے رکھا ہے جو سخت دھوکا ہے اور یہ

سب طریق کی حقیقت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اس ناواقفی کی بدولت یہ لوگ طریق کی تو حقیقت کیا معلوم کرتے اور کیا اس پر کاربند ہوتے۔ آج کل تو ان جاہل رسمی دکاندار پیروں کی بدولت ایمان کے بھی لالے پڑے ہوتے ہیں۔ ضلع اناؤ میں پیروں کا ایک مشہور مقام ہے وہاں یہ رسم ہے کہ جو شخص مرید ہونے جاتا ہے پہلے اس کو ایک بزرگ کے مزار پر بھیجا جاتا ہے وہاں کے لوگ اس کو ساتھ لے کر مزار پر جاتے ہیں وہاں پر پہنچ کر اس شخص سے کہا جاتا ہے کہ اس صاحب کو سجدہ کر۔ اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو اس نے سجدہ کر لیا یا نہیں۔ پھر اس کو سجادہ کے پاس لایا جاتا ہے۔ سجادہ اپنے لوگوں سے اس شخص کے متعلق پوچھتا ہے کہ مقبول بھیا (یعنی ہوا) یا مردود بھیا اگر وہ کہتے ہیں کہ مردود بھیا جس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے سجدہ نہیں کیا تو اس سے کہہ دیا جاتا ہے کہ بھیا تمہارا حصہ ہمارے یہاں نہیں کہیں اور جاؤ۔ اب بتلاؤ کہ ایسے بد دین لوگ جو مردود کو مقبول اور مقبول کو مردود بنا دیں وہ لوگوں کے ایمان برباد کرنے کو پیر بنے ہوتے ہیں اور سنیئے یہی پیر جب کسی کو مرید کر لیتے ہیں تو ساتھ کے ساتھ توجہ ڈالی جاتی ہے اول توجہ میں چاند نظر آتا ہے کہتے ہیں کہ یہ جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کا نور ہے۔ پھر دوسری توجہ میں سورج نظر آتا ہے اس کو کہتے ہیں کہ یہ ذات حق کا نور ہے بس دیکھو ہم نے تمہیں ذات تک پہونچا دیا اور پھر تم کی کی مشق ہے اب اس کے بعد اس کو آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے اور اکثر ساتھ ہی ساتھ خلافت عطا کر دی جاتی ہے بس یہ ڈھونگ بنا رکھے ہیں۔ آخرت کی ان لوگوں کے قلوب میں ذرہ برابر فکر نہیں۔ ان کی وہی حالت ہے۔ ہم تو ڈوبے ہیں مگر تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

ملفوظ ۶۸۰ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بعض جگہ قدم چھونے کی بھی رسم عام ہو گئی ہے۔ میں جب نواب صاحب کا بلایا ہوا ڈھاکہ گیا تو وہاں پر اس قسم کی یہ حالت دیکھی کہ جو آتا ہے وہی پیروں کو چھوتا ہے بڑا حرج فرمایا میں نے منع کیا کسی نے نہیں مانا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ تم لوگ یوں نہ مانو گے ترکیب کی بھی ضرورت ہے۔ پھر میں نے یہ کیا کہ جو شخص میرے پیر کو چھوتا میں اس کے پیر کو چھوتا اس پر گھبرا کر کہتے کہ اجی حضرت یہ کیا میں بھی کہتا کہ اجی حضرت یہ کیا۔ میں نے یہ بھی کہا کہ اگر یہ بات اچھی ہے تو مجھ کو بھی کرنے دو اگر بری ہے تو تم بھی مت کرو اور یہ ہو نہیں سکتا کہ کسی کے لئے اچھی ہو اور کسی کے لئے بری ورنہ دلیل لاؤ تب وہ لوگ سمجھے کہ یہ تو پیٹ بھر کر گنوار ہے جب پیچھا چھوٹا۔

ملفوظ ۶۸۱ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو اللہ کا شکر ہے سب آنے والوں کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں اور یہ حق تعالیٰ کی مجھ پر ایک بڑی رحمت ہے کہ اس نعمت سے مجھ کو مشرف فرمایا۔ حتیٰ کہ عین مواخذہ اور محاسبہ ڈانٹ ڈپٹ کے وقت بھی کافی طریق پر اس کا استحضار ہوتا ہے گو ضرورت کے سبب تادیب کو بھی کرتا ہوں۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں تو آنے والوں کو اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھتا ہوں کیونکہ وہ اللہ کے طالب بن کر آتے ہیں۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اس نیت سے بیعت کر لیتا ہوں کہ اگر پیر مرحوم ہو گا۔ مرید کو جنت میں کھینچ لے جائے گا اور مرید مرحوم ہو گا پیر کو جنت میں کھینچ لے جائے گا۔ عجیب جامعیت ہے کہ اس کو مرید بھی سمجھیں اور اس کو اپنے سے بڑا اور ذریعہ نجات بھی سمجھیں۔ اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ شیخ وہ ہے جو جامع

بین الاضداد ہو جس کے یہاں اصلاح و تربیت بھی ہے روک ٹوک اور ڈانٹ ڈپٹ بھی ہے مواخذہ محاسبہ مطالبہ داروگیر بھی ہے اور یہ سب اپنے منصب کے فرائض ہیں ان کو بھی ادا کرتا ہے اور پھر ان کو اپنے سے اعلیٰ اور افضل بھی سمجھتا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ کسی کو کچھ خبر نہیں کہ کسی کا خدا کے ساتھ کیا تعلق ہے اور کیا معاملہ ہے اور نہ اس کی خبر ہے کہ میں کیسا ہوں اور میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ تو پھر کوئی کیا کسی کو حقیر سمجھ سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ مقبول ہو اور یہ مردود۔ سو نظر تحقیر سے دیکھنے کا کسی کو کیا حق ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

خاکساران جہاں را بحقارت منگر   تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

ملفوظ ۶۸۲ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عرب میں ایسے وقت قرآن پاک کا نزول ہوا جب وہاں بڑے بڑے بلغاء فصحاء موجود تھے اس وقت حق تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اس کی مثل ایک آیت ہی لے آؤ اور پھر کوئی اس کی مثل نہ لا سکا صاف دلیل ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور معجز اللہ کا کلام ہونے پر یہ کافی دلیل ہے تفصیلی وجوہ اعجاز کے بیان کرنا ضرور نہیں۔

ملفوظ ۶۸۳ فرمایا بعض لوگوں کو آریوں کے متعلق بت پرستی نہ کرنے کے سبب یہ دھوکہ ہو گیا ہے کہ وہ موحد ہیں جو بالکل غلط ہے یہ مشہور مشرکوں سے بھی زیادہ مشرک ہیں کیونکہ عام مشرک واجب بالذات ایک ہی کو کہتے ہیں اور یہ تین کو واجب بالذات مانتے ہیں۔ روح۔ مادہ۔ پرمیشور تو موحد کہاں سے ہوتے۔

ملفوظ ۶۸۴ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں دوسروں کی مصلحت کی یہاں تک رعایت رکھتا ہوں کہ سودا سلف لانے کے لئے تو ملازم رکھ رکھے ہیں لیکن اپنی ذاتی خدمت کے لئے کسی کو نہیں رکھا محض اس مصلحت سے کہ اس میں اندیشہ ہے کہ لوگ اس کو مخصوص سمجھ کر کہیں اس کی آؤ بھگت نہ کرنے لگیں یا خود اس کا ہی دماغ خراب ہو جائے کہ میں مخصوصین میں ہوں۔ خادمان خاص کے بنانے میں بڑے مفاسد ہیں۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ اس صورت میں حضرت کی مصلحت فوت ہوتی ہے کہ ہر کام حضرت کو اپنے ہاتھ سے کرنا پڑتا ہے۔ فرمایا کہ دوسروں کے مفسدہ کے مقابلہ میں میری مصلحت کوئی چیز نہیں۔

ملفوظ ۶۸۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اگر کوئی میری ذرا سی بھی رعایت کرتا ہے تو میرا دل بہت زیادہ رعایت کرنے کے لئے چاہتا ہے سو تم ہماری رعایت کرو ہم تمہاری رعایت کریں گے۔ مگر لوگ میرے مواخذہ کو دیکھتے ہیں اور رعایت نہ کرنے کی شکایت کرتے ہیں اور اپنی حرکات کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے بھی کوئی رعایت نہیں کی۔ میں سچ عرض کرتا ہوں مجھ کو اس کا بڑا اہتمام ہے کہ میری وجہ سے کسی کو ذرا برابر بھی تکلیف نہ ہو۔ آپ تو احباب ہیں محکوم نہیں آپ کی تکلیف تو کیا گوارا ہوتی گھر والے جو محکوم ہیں ان کی تکلیف بھی گوارا نہیں۔ آپ کو تعجب ہوگا میں کبھی گھر میں یہ فرمائش بھی نہیں کرتا کہ یہ پکاؤ۔ پھر چونکہ اس پر یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ کہیں گھر والوں کی دل شکنی نہ ہو وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم سے اجنبیوں کا سا برتاؤ رکھتے ہیں تو دونوں مصلحتوں کو اس طرح جمع کرتا ہوں کہ جب کبھی وہ کہتی ہیں کہ تم بھی کچھ بتلا دیا کرو میں کہتا ہوں کہ تم سہولت سے کیا کیا پکا سکتی ہو، چار پانچ چیزوں

کا نام نوجوان میں سے مرغوب ہوگی میں بتلادوں گا وہ نام لیتی ہیں کہ فلاں چیز ہو سکتی ہے مجھ کو اس سے اتنا اندازہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اتنی چیزیں تیار کرنے میں ان کو کوئی گرانی نہ ہوگی ان میں سے ایک کا نام بتلاتے دیتا ہوں سو وہ بھی میری تجویز نہیں ہوتی انھیں کی ہوتی ہے۔ غرض مجھ کو یہاں تک دوسروں کی تکلیف اور گرانی کا خیال رہتا ہے۔ اور میں یہ فخر سے بیان نہیں کررہا ہوں بلکہ ایک واقعہ ہے جو حق تعالیٰ کی نعمت ہے اور میرا امر فطری ہے جس کے خلاف کرنے پر میں قادر نہیں ہوں امر فطری پر فخر نہیں ہوا کرتا کیونکہ وہ تو قریباً اضطراری ہوتا ہے تو وہ اس کا کیا کمال سمجھا جا سکتا ہے۔

ملفوظ ۶۸۶ ایک نو وارد صاحب حاضر ہوئے۔ حضرت والا کے اس دریافت فرمانے پر کہ اپنا اپنا ضروری ضروری تعارف کرادیجئے کہ کہاں سے آئے کیا نام ہے اور آنے سے غرض کیا ہے۔ کتنا قیام ہوگا۔ کیا کام کرتے ہو۔ عرض کیا کہ فلاں مقام سے حاضر ہوا۔ یہ نام ہے۔ مرید ہونے کے لئے حاضر ہوا۔ قیام جتنے روز آپ فرمائیں گے اتنے روز ہی کروں گا۔ بچوں کی تعلیم کا کام کرتا ہوں اور مسجد کی امامت بھی۔ فرمایا مرید تو جلد میں ہونا۔ پہلے یہ بتلاؤ کہ جتنے روز میں قیام کرنے کو کہوں گا اتنا قیام کروگے۔ عرض کیا جی ہاں! فرمایا کہ اُس زمانۂ قیام میں کھانا کپڑا اپنے پاس سے کھاؤ گے پہنو گے عرض کیا جی ہاں اپنے پاس سے۔ فرمایا ٹھیک ہے۔ اچھا دس برس قیام کرنے کو کہتا ہوں کروگے؟ اس پر خاموش رہے فرمایا بولتے کیوں نہیں۔ بڑے زور شور سے دعویٰ کررہے تھے کہ جتنے روز آپ فرمائیں گے قیام کروں گا۔ اب کیا بات ہے عرض کیا کہ دس برس تو قیام نہیں کرسکتا فرمایا کہ پھر کتنے روز کرسکتے ہو۔ عرض کیا کہ تین روز۔ فرمایا تو بزرگوار پہلے ہی وہ بات کیوں نہیں کہی تھی جو دل میں تھی۔ میں نے دس برس کے قیام کو کہا تو نہ دس مہینے رہے نہ دس ہفتے رہے نہ دس دن رہے۔ صرف تین دن رہ گئے۔ اصل بات کو چھپاتے ہیں اور لغو فضول باتیں بنانا شروع کردیتے ہیں۔ تمھاری کچھ خطا نہیں بچوں کی تعلیم دینے والوں کی عقل مشہور ہے کہ بچے ہی لیجاتے ہیں اور تجربہ سے بھی معلوم ہوا کہ اس کا اثر ہونا ضرور ہے اور وہ اثر اطفال کی صحبت اور اختلاط کا ہوتا ہے۔ ایسی بدفہمی کی باتیں یہی کیا کرتے ہیں۔ اکثر انگریزی ماسٹروں کے خطوط آتے ہیں ان میں یہی فور بھرا ہوتا ہے۔ ایک صاحب نے جو مجلس کے اندر پہلے ہی سے بیٹھے تھے اور وہ بطور مہمان خانقاہ میں قیام کئے ہوئے تھے انھوں نے حضرت والا سے عرض کیا کہ ان کو میں جانتا ہوں اور یہ فلاں بزرگ سے جو اپنی جماعت کے نہیں مرید ہیں۔ یہ ان کا حضرت والا سے عرض کرنا نہایت آہستگی سے تھا جس کو صاحب معاملہ نہیں سن سکے۔ حضرت والا نے ان نو وارد کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ایک صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ تم فلاں بزرگ سے مرید بھی ہو اور تم مجھ سے کہتے تھے کہ تم سے مرید ہونے آیا ہوں۔ عرض کیا کہ میں اپنے کو ان کا مرید نہیں سمجھتا۔ فرمایا کہ تو پوری سب بات کہہ کر یہ کہہ دینا چاہیئے تھا اب تمھارا کیا اعتبار اور یہ تمھارا کہنا ایسا ہے کہ جیسے ایک عورت کسی مرد سے نکاح کرنے کے بعد کہے کہ میں اپنے کو اس کی بیوی نہیں سمجھتی اور بدون طلاق اور عدت پورا کئے کسی دوسرے مرد سے نکاح کی درخواست کرے۔ بڑے بدفہم آدمی معلوم ہوتے ہو چلو یہاں سے خواہ مخواہ پریشان کرتے ہو خواہ مخواہ مجھ کو تغیر ہوگا پھر بلا وجہ زیادہ بدنام کرتے پھروگے۔ میں پہلے ہی بدنام ہوں۔ جاؤ چلو کیوں وقت ضائع کرتے ہو۔ دیکھئے مجھے دھوکا دینا چاہتے تھے۔ یہ مرید ہونے آئے ہیں۔ آدمی پوری بات کہہ کر کہدے جو کہنا ہو اب بات تو بظاہر چھوٹی سی ہے اور ایک

معنی کر چھوٹی بھی نہیں دھوکہ دینا چاہا جو بڑی بات ہے مگر حق تعالیٰ محافظ اور ناصر ہیں۔ غیب سے امداد فرما کر ان لوگوں کی چالاکیوں اور مکاریوں سے بچا لیتے ہیں۔ اب کہاں تک غیرت نہ ہو اور کہاں تک صبر کروں۔ ان کی حرکتوں کو کوئی نہیں دیکھتا کہ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ اور بیٹھے بٹھلائے فارغ قلب کو پریشان کر دیتے ہیں۔

ملفوظ ۶۸۷ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بدون مجاہدہ اور ریاضت کے صرف کسی متصرف کی توجہ سے بھی کام ہو سکتا ہے لیکن نادرًا اور النادر کالمعدوم باقی توجہ سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کی عمر کچھ نہیں ہوتی وہ ایک وقتی چیز ہے اور نہ توجہ سے رسوخ ہو سکتا ہے جو اصل اور روح ہے طریق کی یہ دولت مجاہدات ریاضات اعمال ہی کی پابندی سے میسر ہوتی ہے اس کو کبھی زوال نہیں ہوتا۔ انشاء اللہ تعالیٰ بشرطیکہ یہ اُس کی نگرانی کرتا رہے۔

۱۲ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم شنبہ

ملفوظ ۶۸۸ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نقش بندی تو متبع سنت مشہور ہی ہیں مگر اصول کے اعتبار سے اُن سے زیادہ چشتیہ متبع سنت ہیں البتہ جو چشتیہ ہونے کے محض مدعی ہی ہیں اور ہیں جاہل اور غالی ان کی نسبت میں کچھ نہیں کہتا لیکن اہل حق اور اہل علم میں جو چشتیہ ہیں وہ نقش بندیوں سے بھی زیادہ متبع سنت ہیں جیسا کہ اُن کے اصول سے معلوم ہوتا ہے اور نقشبندیوں میں بھی سب محقق نہیں تو وہ متبع سنت میں بھی کامل نہیں ہو سکتے چنانچہ ایک نقشبندی صاحب جو عالم بھی تھے اور مشائخ میں سے بھی مشہور تھے اُن کی ایک بات سنکر مجھ کو حیرت ہو گئی۔ ایک صاحب جو ذاکر شاغل ہیں ان نقش بندی صاحب کو بزرگ سمجھ کر ان سے ملنے کی غرض سے ان کے پاس گئے انھوں نے اول یہ سوال کیا کہ کچھ ذکر و شغل کرتے ہو۔ سو اول تو یہ سوال ہی غیر مناسب ہے اس لئے کہ یہ بندہ اور خدا کے درمیان ایک راز ہے۔ بتلاتے ہوئے حجاب معلوم ہوتا ہے۔ اور بلا ضرورت بتلانا بھی نہیں چاہیئے۔ خیر انھوں نے اخفاء کو خلاف ادب سمجھا کہ ایک بزرگ پوچھ رہے ہیں بتلا دیا۔ اس پر یہ سوال کیا کہ کچھ نظر بھی آتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ نظر تو کچھ نہیں آتا۔ اس پر کہتے ہیں خیر بہتر ثواب لئے جاؤ باقی نفع کچھ نہیں مجھ کو تو بڑی حیرت ہو گئی کہ اہل علم اور مشائخ میں سے ہو کر بالکل عامیانہ بات کہی کہ ثواب سے بڑی بھی کوئی چیز ہے جو مقصود ہے بلکہ جو چیزیں طریق میں مقصود سمجھی جاتی ہیں خود اُن سے بھی ثواب ہی مقصود ہے۔ اور اگر کچھ عجیب چیزیں ہی نظر آنا مقصود ہیں تو کچھ روپیہ صرف کیجئے اور کسی بڑے شہر میں چلے جایئے۔ مثلاً بمبئی ہے کلکتہ ہے۔ رنگون ہے شملہ

ہے۔ بہت کچھ عجیب چیزیں نظر آئیں گی۔ ایسے ہی لوگوں نے طریق پر منکروں کو اعتراض کا موقع دیا۔ غیر مقلد جو صوفیوں سے زیادہ برہم ہیں وہ ان خرافات ہی کی وجہ سے حالانکہ ان چیزوں کو طریق سے کوئی تعلق نہیں نہ طریق ان چیزوں کا نام ہے۔ طریق نام ہے اتباع سنت کا، اعمال کی اصلاح کا ان ہی اعمال کے رسوخ کے لئے۔ مشائخ کے یہاں ذکر و شغل کی تعلیم کی جاتی ہے۔ باقی جزو طریق نہیں مگر لوگوں نے طریق سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ان کو جزو طریق مشہور کر دیا۔ معترضین نے بھی حقیقت پر نظر نہیں کی اور اصل طریق پر ہی اعتراضات شروع کر دیئے یہ ان کی زیادتی ہے کہیں افراط ہے کہیں تفریط۔ غرض ان غلطیوں میں عام ابتلاء ہو رہا ہے۔ اعتدال پر کوئی بھی نہیں اِلَّا مَاشَاءَ اللہ۔ انھیں بزرگ کے ایک مرید کا خط میرے پاس موجود ہے۔ جس میں انھوں نے اپنے پیر کو لکھا ہے کہ مجھ کو اول جھنجھوڑیں اور چوہے اور بطنجیں نظر آتی تھیں پھر وہ بھی غائب ہو گئیں۔ یہ ہے بڑا کمال۔ یہ ایسا ہی ہوا کہ جیسے سرکاری مدارس میں بجائے علوم کے بلی چوہے کتے طوطے بیل گائے کی حالات کی تعلیم ہوتی ہے۔ پیر خوش ہوں گے کہ مرید کو نفع ہوا اور مرید خوش ہے کہ میں منزل مقصود تک پہونچ گیا۔ استغفر اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اگر ساری عمر بھی کچھ نہ نظر آوے اور اتباع سنت کا پابند رہے۔ واللہ اس نے سب کچھ حاصل کر لیا۔ اور ہزاروں نفع اس پر قربان ہیں۔ کیا نفع لئے پھرتے ہو۔ ایک صاحب نے حضرت مولانا گنگوہیؒ کے طریق کے متعلق کہا تھا کہ سبحان اللہ الحمد للہ کی تعلیم ہوتی ہے۔ درویشی نہیں ہے۔ میں نے سن کر کہا کہ اس سے تو معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بھی درویش نہ تھے اس لئے کہ اس وقت بھی یہ اشغال حادثہ نہ تھے ان کے یہاں بھی صرف نماز روزہ تلاوت قرآن تقویٰ طہارت ہی کا شغل تھا اور متعارف اشغال نہ تھے۔ جو منہ میں آتا ہے بوجہ نادانی اور بے خبری کے ہانک دیتے ہیں یہ تمیز نہیں کہ اس کا اثر کیا ہوگا اور کہاں تک نوبت پہونچے گی اس وقت تو اکثر جگہ دعوے ہی دعوے ہیں نہ علم ہے نہ عمل۔ بحمد اللہ تعالیٰ اب اپنے بزرگوں کی برکت سے مدتوں کے بعد طریق زندہ ہوا ہے۔ اب کسی کا منہ نہیں کہ اعتراضات کر سکے اور یوں تو اللہ اور رسول کو بھی کوئی اعتراضات سے نہیں چھوڑتا۔ غیر مقلد ہوں یا مقلد۔ صوفی ہوں یا غیر صوفی۔ عالم ہوں یا غیر عالم۔ درویش یا غیر درویش عوام ہوں یا خواص سب کو روز روشن کی طرح طریق کی حقیقت معلوم ہو گئی اب اس پر عمل کرنا نہ کرنا یہ ہر شخص کا اختیاری فعل ہے اور یہ سب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی برکت اور آپ کے فیوض کے ثمرات ہیں کہ اس قدر پر فتن اور الحاد اور دہریت کے زمانہ میں آپ نے اللہ کے راستے کو مخلوق پر ظاہر کر دیا بڑی ہی بابرکت ذات تھی۔

ملفوظ ۶۸۹ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک زمانہ میں مجھ پر پریشانی کا بیحد غلبہ تھا۔ اس وقت الغریق یتشبث بکل حشیش کی بنا پر میں بغرض معالجہ ایک صاحب کیفیت مگر صاحب بدعت درویش کی صحبت میں خذ ما صفا ودع ما کدر کو پیش نظر رکھ کر بیٹھتا تھا ایک روز حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوا مجھ کو ان درویش کے پاس بیٹھنے سے منع فرماتے ہیں کہ ان کے پاس مت بیٹھا کرو ورنہ خارش ہو جائے گی۔ معبرین کی اصطلاح میں خارش اور جذام کی تعبیر بدعت ہے اس کے بعد میں نے ان کی صحبت چھوڑ دی۔ خارش اور بدعت میں وجہ مناسبت یہ ہے کہ جیسے خارش میں تکلیف بھی ہے اور مزہ بھی اور پہلے مزا اور بعد میں سوزش ایسے ہی

بدعت میں مزا بھی اور تکلیف بھی اور پہلے مزا اور بعد میں تکلیف جو آخرت میں محسوس ہوگی اور یہ بدعت گناہوں سے بھی بدتر ہے کیونکہ گناہ کو گناہ تو سمجھ کر کرتا ہے اور بدعت کو دین سمجھ کر کرتا ہے اس لئے یہ بڑی ہی خطرناک چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ محفوظ رکھے۔

ملفوظ ۶۹۰ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بہت لوگ ایسے ہیں جو بعض غلطیوں میں مبتلا ہیں مگر ہیں نیک نیت کیا وہ بھی ولی ہو سکتے ہیں۔ فرمایا کہ بعض غلطیاں اجتہادی ہوتی ہیں سو جو شخص اس قسم کی غلطیوں میں مبتلا ہو وہ ادنیٰ درجہ کا ولی ہو سکتا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ اس سے مواخذہ بھی نہ ہوگا۔ اس کی ایسی مثال سمجھئے بلا تشبیہ کہ ایک شخص کے دو لڑکے ہیں ایک بچہ گوہ موت میں آلودہ ہے اور ایک بڑا ہے صاف ستھرا تو کیا باپ کو دونوں سے ایک سا تعلق ہوگا یا دونوں کے تعلق میں کوئی فرق ہوگا ظاہر ہے کہ آلودگی کی وجہ سے خاص اس قسم کا وہ تعلق نہ ہوگا جو بڑے بیٹے سے تعلق ہے حتیٰ کہ اس سے کبھی مشورہ بھی کرتا ہے۔ یا کسی کا ایک بیٹا ہے جوان خوبصورت پاک سیرت خوش لباس خوش گفتار۔ خوش سلیقہ مہذب مؤدب عاقل فہیم اور ایک بچہ ہے اگر کسی وقت باپ سے کہا جاوے کہ ان میں سے ایک کی موت ضروری ہے اب تم ترجیح دو تو وہ کس کے مرنے کو پسند کریگا گو محبوب دونوں ہیں مگر بڑے کے مقابلہ میں چھوٹے ہی کو کہے گا کہ مر نے بھی دو گو رنج بھی ہوگا مگر بڑے کے مقابلہ میں اس بچہ کی پروا بھی نہ کرے گا۔ اگرچہ بعض حیثیتوں سے جزئی محبت بچہ ہی سے زیادہ ہو۔

ملفوظ ۶۹۱ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ فہم سلیم بھی ایک خداداد عطاء ہے اور بڑی ہی دولت اور نعمت ہے جس کو بھی نصیب فرما دیں۔ کل صبح کے وقت ایک شخص گنوار گاؤں کا جو قوم سے دھنیا تھا میرے پاس آیا، میں اس وقت کام میں مشغول تھا اس نے کھڑے کھڑے کہا کہ میں فلاں گاؤں سے آیا ہوں فلاں چیز کا تعویذ لینے آیا ہوں، اسی وقت واپس ہوں گا۔ دور جگہ ہے اگر اجازت ہو پاس آکر بیٹھ جاؤں۔ میں نے خوش ہو کر بلا کر پاس بٹھا لیا اور سب کام چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا اس سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ بیس کوس کے فاصلہ پر مکان ہے پیدل چل کر کے آیا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ کب واپس جاؤ گے۔ کہا کہ آج ہی جاؤں گا۔ میں نے پوچھا کہ کب پہونچ جاؤ گے کہا کہ آج ہی پہونچ جاؤں گا۔ میں نے کہا کہ آج ٹھیر جاؤ اگر کوئی حرج نہ ہو کہا نہیں مجھ کو جانا ضروری ہے، میں نے دریافت کیا کہ پیدل کیوں آئے؟ کہا کہ خرچ پاس نہ تھا میں نے کہا کہ خرچ مجھ سے لے لو۔ کہا کہ آپ سے تو نہ لوں گا۔ میں نے کہا کہ آخر حرج کیا ہے کہنے لگا کہ شرم معلوم ہوتی ہے، یہ بھی کہا تھا کہ گھاٹ والوں کو بھی پیسہ نہیں دیا خرچ نہ ہونے کی وجہ سے۔ میں نے کہا کہ گھاٹ والوں سے شرم نہ کی اور مجھ سے لینے میں شرم کرتے ہو۔ کہا کہ قرض دے دیجئے۔ میں نے کہا کہ کون سی ایسی بڑی رقم ہے جو قرض دوں، غرض کہ بمشکل تمام اس شخص نے کچھ پیسے لئے اور یہ کہہ گیا کہ گھر پہونچ کر جو بچے گا اللہ کے واسطے دیدوں گا۔ میں نے کہا کہ جو چاہے کرنا تری ملک ہے بعض فطری طور پر سلیم الطبع ہوتے ہیں مجھ پر اس کی سادگی اور صفائی کا بے حد اثر ہوا اگر میرے مزاج میں سختی ہے تو اس پر سختی کیوں نہیں کی آخر میرے کام کا تو حرج ہوا اس شخص کا استغنا ملاحظہ ہو۔ غریب آدمی پیسے تک

پاس نہیں۔ بیدل چل کر آیا کھانے کا بھی کوئی انتظام نہ تھا لیکن پیسہ قبول نہ کرتا تھا آج کل کی یہ باتیں جن کو زہد اور تقویٰ کا دعوے ہے ان میں بھی نہیں۔

ملفوظ ۶۹۲ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہدیہ کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہدیہ اتنا دے کہ جس کو دے رہا ہے اس پر بار نہ ہو۔ نیز ایک بات یہ یاد رکھنے کی ہے کہ ہدیہ حالتِ جوش میں نہ دے بلکہ حالتِ ہوش میں دے۔ مطلب یہ ہے کہ دے تو محبت کے جوش ہی میں لیکن اس جوش کو سکون ہونے دے اس سکون کی حالت میں اپنے مصالح پر نظرِ ثانی کرے تاکہ کسی تنگی سے پچھتانا نہ پڑے۔ یہ قانون ہے ہدیہ کا۔ فرمایا کہ ہدیہ پر ایک عجیب حکایت یاد آئی۔ ایک عالم نے اپنے وعظ میں اپنی حاجت پیش کی ایک شخص کے پاس ساری عمر کا ذخیرہ سو روپے تھے اس نے خیال کیا کہ اس سے بہتر مصرف اور کیا ہوگا۔ عالم ہیں حاجت مند ہیں گھر جا سو روپے لا کر پیش کر دئے اس پر لوگوں نے بڑی تعریف اور مدح کی تھوڑی دیر میں آیا کہ حضرت وہ جو سو روپے میں نے آپ کو دئے تھے وہ میرے نہ تھے میری والدہ کی ملک تھے۔ میں نے اس وقت یہ خیال کیا تھا کہ میرے کہنے پر میری والدہ راضی ہو جاویں گی مگر وہ اطلاع ہونے پر بہت ناراض ہوئیں کیونکہ مجھ کو اجازت نہ تھی اس لئے اس رقم کو واپس کر دیجئے۔ بیچاروں نے افسردہ ہو کر واپس کر دئے اس پر لوگوں نے بہت برا بھلا کہا وہ چپ لے کر چل دیا۔ جب مولوی صاحب کو دیکھا کہ مکان پر تنہا ہیں تب نفس سے کہا لے تیرا علاج تو ہو چکا لوگوں کی تعریف پر بڑا خوش ہوا تھا وہی سو روپے لے کر مولوی صاحب کے پاس پھر پہونچا۔ مکان پر آواز دی۔ مولوی صاحب ناراض تھے گھر میں سے جواب دیا کہ ہم کو فرصت نہیں اس نے کہا کہ میں روپے لے کر آیا ہوں۔ آیئے مولوی صاحب وہ روپیہ پیش کیا۔ مولوی صاحب نے وجہ دریافت کی کہا کہ میں نے اپنے نفس کا علاج کیا ہے۔ اب اخلاص سے دیتا ہوں۔ سو ہدیہ کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ دینے والا تو اخفا کرے جیسا اس شخص نے کیا اور لینے والا اظہار کرے۔ نیز لینے والے سے کسی عوض کی توقع نہ رکھے حتیٰ کہ اس سے دعا کی بھی درخواست نہ کرے اور لینے والا دعا کرے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں انما نطعمکم لوجہ اللّٰہ لا نرید منکم جزاء ولا شکورا اس شکور کے عموم میں لا نرید منکم دعاء بھی داخل ہے اور اب ہدیہ لینے والے کبھی تو اس لئے اظہار نہیں کرتے کہ پھر کوئی دوسرا نہ دے گا اور کبھی اس وجہ سے اخفا کرتے ہیں کہ لوگ کہیں گے کہ دوسروں سے لے کر گذر ہوتی ہے۔ حدود کی رعایت کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔ بڑے حکیم شخص کا کام ہے۔

ملفوظ ۶۹۳ ایک سلسلہ گفتگو میں بطور ظرافت کے فرمایا کہ آج کل جس قدر نئی نئی چیزیں ایجاد ہوئی ہیں نام بھی ان کے وحشت ناک ہیں۔ مثلاً ہولڈر۔ ہول بھی۔ ڈر بھی۔ موٹر یہ عربی لفظ ہے جس میں موت بھی ہے۔ مر بھی۔ گرگابی۔ شیروانی۔ گرگ بھی۔ شیر بھی اور ویسی ہی خاصیتیں ہیں ان چیزوں کی۔

۱۲ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

ملفوظ نمبر ۶۹۴ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کسی سے اصلاح باطن کا تعلق پیدا کر کے بلا وجہ شرعی کے توڑنا بڑی ہی سخت بات ہے بعض مرتبہ بلا وجہ اس تعلق کے قطع کرنے سے خذلان کی نوبت آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھے۔

ملفوظ نمبر ۶۹۵ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہم تو انقلاب چاہنے والوں کی مخالفت نہیں کرتے ہاں یہ ضرور چاہتے ہیں کہ نعم البدل ہو بئس البدل نہ ہو۔ اجی یہ جو اس وقت ہیں ہم بھی کہتے ہیں کہ برے ہیں لیکن اگر کوئی ان سے بھی زیادہ برا آیا تو کیا ہوگا اس وقت ان کا غنیمت ہونا یاد آوے گا۔ جیسے ایک کفن چور تھا وہ مردے کی قبر کھود کر کفن نکال لاتا لوگ ناراض تھے اس کے مرنے کی دعا کرتے تھے جب وہ مر گیا تو بیٹے نے یہ حرکت شروع کی کہ کفن تو لاتا ہی تھا مگر اوپر سے مردے کے مقعد میں ایک لوہے کی میخ بھی ٹھوک آتا۔ تب لوگوں نے اس کے باپ ہی کو اچھا کہنا شروع کیا کہ وہی اچھا تھا وہ کفن ہی کھسوٹتا تھا اور کوئی نازیبا حرکت تو مردے کے ساتھ نہ کرتا تھا اور یہ ظالم کفن کھسوٹتا ہے ہی اوپر سے مردے کے ساتھ یہ حرکت بھی کرتا ہے سو یہاں بھی کہیں ایسا ہی نہ ہو جاوے کہ ان کا جانشین ان سے بھی بدتر آئے اور وہی مثل صادق آئے کہ بدر اگر تو اند پسر تمام کند اور پھر ان کی ہی تعریف ہو۔ اس قوم میں یہ بات ہے کہ اپنی غرض کے خواہاں ہیں اپنے مقاصد کو پورا کرنا چاہتے ہیں اب اس میں گو کسی کو بلا قصد ضرر ہی پہونچ جائے۔ قصد ضرر پہنچانے کا نہیں کرتے اور دوسری قوم براہ راست مسلمانوں کو ضرر پہونچانا چاہتے ہیں تو کیا یہ تھوڑا فرق ہے۔ مگر مسلمانوں پر تعجب ہے کہ وہ اس حالت میں بھی ان مخالفین کو قوت پہنچاتے ہیں اور اپنے بھائیوں کو ضرر بلکہ مشاہدہ یہ ہے کہ مسلمان کو دوسری قوم سے زیادہ خود مسلمان ہی زیادہ ضرر پہنچاتے ہیں اور باہم ایسی نا اتفاقی ہے کہ دو مسلمان مل کر ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتے نہ ایک جگہ بیٹھ کر کوئی دنیا کا کام کر سکتے ہیں نہ دین کا ورنہ اگر مسلمانوں میں اتفاق ہو جائے تو میں بقسم عرض کرتا ہوں کہ ان سے کوئی آنکھ نہیں ملا سکتا مگر افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں سے اتفاق مفقود ہی ہو گیا ایک انگریز افسر نے عجیب بات کہی کہ ہندوستان میں تین قومیں آباد ہیں۔ مسلمان۔ ہندو۔ انگریز۔ انگریزوں کے دو دشمن ہندو اور مسلمان۔ ہندوؤں کے دو دشمن انگریز اور مسلمان۔ مسلمانوں کے تین دشمن۔ انگریز۔ ہندو اور خود مسلمان۔ بالکل ٹھیک بات کہی بلکہ مسلمانوں کو کوئی قوم بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی جب تک کہ کسی مسلمان نے اس کے ساتھ سازش نہ کی ہو۔ موپلوں کی قوم سے ایک شخص یہاں پر آئے تھے وہ لیڈروں کو گالیاں دیتے تھے کہ انہوں نے

ہمارا ناس کرایا۔ اشتعال دلا کر گورنمنٹ سے لڑا دیا۔ گورنمنٹ نے ہزاروں مولویوں کو پھانسیاں دیدیں اور لیڈروں کو کچھ بھی نہ کہا اور نہ سزا دی۔ غرض دوسری قوموں کے خوش کرنے کے لئے مسلمان اپنے بھائیوں کو اس طرح سے نقصان پہنچا رہے ہیں اور افسوس ہے کہ ان حالات کے مشاہدہ کے بعد بھی بعض علماء ان لیڈروں کا ساتھ دیتے ہیں اور وہ لیڈر ان کو منہ بھی نہیں لگاتے حتیٰ کہ جو نرے لیڈر ہیں ان کے نام اور ان کے کارنامے اخباروں میں چھپتے ہیں اور مولوی صاحب دہلوی وبدنی اس قدر کام کرتے ہیں ان کا کہیں نام تک نہیں۔ اور اس کے متعلق اخبار والوں سے بھی پوچھا۔ معلوم ہوا کہ کبھی بھی کسی اخبار میں مولوی صاحبان کا نام نہیں ہوتا۔ بھلا سوراج ملنے پر ان کو گورنری تو کیا دیتے جبکہ ان کا نام تک تو ہے نہیں بلکہ محض اس وجہ سے کہ مولوی ہیں اس طبقے کو بیکار محض سمجھتے ہیں خود مولوی ہونا ہی جرم سمجھا جاتا ہے۔

ملفوظ ۶۹۶ فرمایا کہ فلاں مقام سے خط آیا ہے لکھا ہے کہ فلاں مدرسہ والوں نے ایک بہت بڑے انگریز افسر کو دعوت دی ہے اس صورت میں اس کے خلاف پر تقریریں کرنا اور عوام کو ان کی اس حرکت کے مذموم ہونے پر مطلع کرنا مناسب ہے۔ یا اس کے استقبال میں شریک ہونا اور چندہ دینا اور ثواب کی نیت سے شامل ہونا کیا حکم ہے۔ میں نے لکھ دیا کہ کیا اس میں یہی دو شقیں ہیں تیسری شق کے متعلق بھی تو پوچھا ہوتا کہ لا لہ ولا علیہ اس جواب کو دیکھ کر جھلائیں گے اس لئے کہ مطلب تو حاصل نہ ہوا۔ اگر کسی شق کو متعین کر کے جواب دے دیتا تو اس کو آڑ بنا کر خوب اشتہار بازی کرتے مگر اب وہ جواب ان کے کام ہی کا نہیں۔ لوگوں کو ایسی باتوں میں مزا آتا ہے۔ خواہ مخواہ مسلمانوں میں افتراق پیدا کرتے ہیں اور معلوم نہیں ان مدرسہ والوں کو بیٹھے بٹھلائے یہ کیا سوجھی کہ اپنے سر ایک علت لگا کر افتراق کی صورت پیدا کر لی۔

ملفوظ ۶۹۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل یہ سفارش کا باب بھی نہایت مکروہ ہے۔ ایک صاحب یہاں پر آئے تھے لکھے پڑھے تھے ایک ہزار روپے کے قرضدار تھے۔ مجھ سے ایک صاحب کے پاس سفارش کرائی۔ میں نے اس شخص کو لکھا۔ بس آگے کیا عرض کروں انھوں نے بہت ہی کم مقدار میں لکھا ہے کہ دیکھتا ہوں جس کو اس قرض کی مقدار سے کوئی نسبت ہی نہیں اب اگر سفارش نہ کرتا تو یہ صاحب یہی سمجھتے کہ خشک برتاؤ کیا۔ ذرا قلم چلانے پر میرا کام ہو جاتا اور سفارش کا یہ نتیجہ ہوا۔ اب ان واقعات کو پیش نظر رکھ کر اگر ان تجربات کی بناء پر میں خاص قواعد مقرر کروں تو کیا جرم ہے اور میرے تمام اصول و قواعد کی بناء یہی تجربات ہیں۔ بارہا کے تجربوں کے بعد ایک قاعدہ مقرر کرتا ہوں۔ اگر ان سب کی بناؤں کو بیان کروں تو ایک اچھا خاصہ رسالہ بڑی ضخامت کا تیار ہو جائے مگر لوگ ان میرے اصول اور قواعد کو نرا فرضی قانون سمجھتے ہیں مگر قانون بنا کر کیا مجھ کو حکومت کرنا ہے۔ میرے تمام قانونوں کی بنا محض طرفین کی راحت کی رعایت ہے۔

ملفوظ ۶۹۸ ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ شریعت کا کام محض احکام بتلانا ہے باقی مقاصد کی تدابیر بتلانا یہ شریعت کا کام نہیں۔ مثلاً شریعت کا فرض یہ ہے کہ آمدنی کے ذرائع کے جواز وعدم جواز کو بتلا دے باقی اس کا یہ فرض نہیں کہ یہ بھی بتلا دے کہ جب کثرت عقود فاسدہ کی ہو تو کہ پھر ہم کون سا ذریعہ معاش کا اختیار

کریں جس میں کوئی خرابی شرعی نہ ہو۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص سنکھیا کھالے اور طبیب سے یہ کہے کہ قے کرداس کے بعد اگر کسی مفتی سے پوچھو کہ طبیب یہ کہتا ہے۔ شریعت کا کیا حکم ہے تو مفتی کہے گا کہ شریعت یہ کہتی ہے کہ جائز ہے قے کرنا۔ باقی اس فعل کی کیا تدبیر ہے تو اس کو خود متعین کرو پھر اس کا حکم بھی شریعت سے معلوم کرلو۔ مگر آج کل لوگ ہر کام کا شریعت ہی کو ذمہ دار سمجھتے ہیں جو سخت غلطی ہے افسوس ہے کہ خود اہلِ علم کو ان باتوں کی خبر نہیں وہ جواب میں ان حدود کی رعایت نہیں رکھتے۔ سوال کیسا ہی خلافِ اصول اور نامعقول ہو سائل کی رعایت سے لکھ دیتے ہیں مگر اس طرز میں بڑے مفاسد اور بڑی خرابیاں ہیں۔ اس سے بجائے علم کے سائل کا جہل بڑھتا ہے۔ میں بحمد اللہ ان باتوں کا بے حد خیال رکھتا ہوں کہ ہر چیز میں حدود کی رعایت ہو اگر سب اہلِ علم یہی طرز اختیار کرلیں تو بہت سے عبث اور فضول سوالات کا دفتر بند ہو جاتے۔

ملفوظ ۶۹۹ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بعضے لوگ جو محض باتیں ہی بناتے ہیں اور فضول سوالات کرتے ہیں اور احکام شرعیہ کی ان کے قلوب میں عظمت اور وقعت نہیں یہ سب اس وجہ سے ہے کہ ہم کو کچھ کرنا ہی نہیں پڑا دین مفت میں مل گیا اس لئے اس کی قدر نہیں ورنہ اگر یہی احکام پریشانی کے بعد ملتے تو پتہ چل جاتا کہ یہ کس درجے کی چیزیں ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ اسی کو فرماتے ہیں ؎

اے گراں جان خوار دیدستی مرا ۔۔۔ زانکہ بس ارزاں خریدستی مرا

ہر کہ او ارزاں خرد ارزاں دہد ۔۔۔ گوہرے طفلے بقرص ناں دہد

بچہ جواہرات کی کیا قدر جانے ایک بسکٹ کے ٹکڑے کے بدلے اس سے جواہرات اور بیش بہا موتی لے سکتے ہیں سو بے قدری کا سبب تو مفت ہاتھ آجاتا ہے۔ پھر اس بے قدری سے شبہات اور اعتراضات پیدا ہوتے ہیں ورنہ عظمت کے ہوتے ہوئے اعتراض ہو ہی نہیں سکتا۔ دیکھئے گورنمنٹ کے احکام کے سامنے گردن کیوں جھکا دیتے ہو۔ ذرا وکلاء کے پاس جاکر۔ تعزیراتِ ہند کی دفعات پر اعتراض کرو دیکھو وہ کیا جواب دیتے ہیں صرف یہ جواب کافی ہو جاتا ہے کہ صاحب قانون یہی ہے۔ سو یہی جواب یہاں کافی کیوں نہیں ہوتا۔ سو وہاں کیوں نہیں اعتراضات سوجھتے ہیں۔ احکامِ شرعیہ ہی کو کیوں تختۂ مشق بنایا جاتا ہے۔

ایک تحصیلدار صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ جہاں طاعون ہو وہاں نہ جانا تو عقل میں آتا ہے یہ حکم تو عقل کی موافق ہے مگر جہاں ہو وہاں سے نہ جانا عقل میں نہیں آتا۔ یہ حکم عقل کے موافق نہیں معلوم ہوتا بلکہ نہ جانے میں تو خطرہ میں پڑنا ہے۔ میں نے کہا کہ پہلے میرے ایک سوال کا جواب دیجئے تب میں آپ کا جواب دوں گا وہ یہ کہ سپاہی کا میدان کارزار سے پشت دے کر بھاگنا کیوں جرم ہے حالانکہ وہاں بھی ہلاکت تقریباً یقینی ہے کبھی اس پر بھی آپ کو شبہ ہوا اور اعتراض کیا کہ عقل میں نہیں آتا وجہ جرم کی صرف یہ ہے کہ سلطنت نے بیس پچیس روپیہ مہینہ دے کر اس کی جان کا سودا کرلیا سو حق تعالٰی تو جان کے مالک ہیں کیا ان کو اس قانون کا حق نہیں۔ سمجھ گئے پھر دم نہیں مارا یہ حالت ہے کہ دو واقعے باہم نظیر شریعت پر شبہ دنیوی رسم پر شبہ نہیں۔ ان لوگوں کی سمجھ اور عقل اور تمام دماغی قوت صرف احکامِ اسلام ہی پر اعتراضوں

میں ختم ہوتی ہے وجہ وہی ہے کہ قلوب میں اللہ اور رسول کی عظمت اور احترام نہیں اسی وجہ سے شبہات اور اعتراضات پیدا ہوتے ہیں سو اس کی اصلاح سوال و جواب سے نہیں ہو سکتی اس کا صرف ایک ہی علاج ہے وہ یہ کہ چند روز کسی کامل کی صحبت میں رہیں اور اس سے رد و کد نہ کریں بلکہ خاموش مجلس میں بیٹھے رہا کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ چند روز میں کایا پلٹ ہو جائے گی اور اللہ اور رسول کی عظمت پیدا ہو کر سب شبہات و اعتراضات کا چشمہ ہی بند ہو جائے گا بدون اس کے اس کا سد باب مشکل ہے۔

۱۳؍ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم یک شنبہ

ملفوظ ۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض لوگوں کی قوت قلبی بڑھی ہوئی ہوتی ہے ایک مولوی صاحب میرے دوست ہیں۔ بہت ہی دلیر ہیں سرکاری اسکول میں ملازم ہیں کہتے تھے کہ میں اسکول میں نوکری محض اس لئے کرتا ہوں کہ ان لوگوں کو خطاب کر سکوں۔ یہ بھی تبلیغ کا ایک طریق ہے۔ خطاب کا خوب موقع ملتا ہے گلستاں بوستاں پڑھاتا ہوں اس میں قرآن و حدیث بیان کرتا ہوں۔ طلباء کو مسلمان بناتا ہوں اور اس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بدولت بے چاروں کو تکلیفیں اور اذیتیں بھی بہت پہونچیں مگر ماشاء اللہ بڑے ہی پختہ ہیں، بالکل نڈر ہیں مگر پھر بھی بشر ہیں کبھی پریشان بھی ہو جاتے ہیں اس پریشانی میں کبھی کوئی اذیت یا تکلیف پہنچی تو مجھ کو لکھتے اور مشورہ لیتے ایک دفعہ میں نے لکھا کہ یا تو امر بالمعروف چھوڑ دو۔ اگر نہیں چھوڑتے تو شکایت کرنا چھوڑ دو مجھ کو مت لکھا کرو۔ میں احوال عاقلہ میں کہاں کہاں مشورہ دیتا پھروں اور یہ شعر لکھ دیئے ؂

سرمہ گلہ اختصار می باید کرد	یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن برضائے دوست می باید داد	یا قطع نظر زیار می باید کرد

اس کے بعد پھر نہ مجھ کو کچھ لکھا اور نہ امر بالمعروف کو چھوڑا برابر اسی طرح اپنے فرائض منصبی میں مشغول کار ہیں۔ کام کرنے والوں کی یہی حالت اور یہی صورت ہوتی ہے وہ کہاں رکنے والے ہیں باقی آج کل تو اکثر زبانی جمع خرچ چاہے جتنا کرا لو آگے کام کرنے کے نام صفر۔ لمبی چوڑی تقریریں، پر شوکت الفاظ۔ روانی بحر ذخار کی طرح مگر صرف جسم کہ روح ندارد۔ بھلا اس سے کہیں کام چلتا ہے۔ کام تو کام کرنے سے چلتا ہے۔ عملی جامہ کسی بات کو بھی نہیں پہنایا جاتا۔ تمام زور و شور محض زبانوں اور اخباروں تک محدود ہے اور جب کام کرنے کا نام آتا ہے وہاں ان تلوں تیل ہی نہیں البتہ دوسروں پر اعتراضات کی بھر مار شروع کر دیتے ہیں بھلا اس سے کیا نتیجہ۔

ملفوظ ۷۰۱

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نہ تکبر کو پسند کرتا ہوں اور نہ ایسی تواضع کو جس میں ذلت ہو یہاں نہ متکبروں کا گذر ہے اور نہ ایسے متواضع کو جگہ ملتی ہے جو ذلت کا درجہ اختیار کرے یا اس نیت سے تواضع کرنا کہ جس سے بے نفس ہونے کی شہرت ہو۔ یہ بھی تکبر کا ایک شعبہ ہے۔ ہر چیز میں اعتدال کی ضرورت ہے جس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ نہ ایسی وضع رکھے کہ کبر کی شکل ہو اور نہ تواضع کی شکل تکلف سے بنائی جاوے بس بے تکلف جو فطری عادت ہو اس پر عمل کرے اس میں یہ دونوں باتیں نہ ہوں گی نہ کبر نہ مصنوعی تواضع۔ ورنہ جس صورت میں بھی تکلف ہوگا۔ اسی میں حد سے تجاوز ہو جاوے گا۔

ملفوظ ۷۰۲

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ دنیا دار کسی اعتبار سے بھی بڑا ہو اس سے دینداروں کو تعلق پیدا کرنا تملق کی سی شان معلوم ہوتی ہے۔ عرض کیا کہ اگر وہ اپنے کو بڑا نہ سمجھتا ہو فرمایا کہ عادۃً یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بڑا آدمی اپنے کو بڑا نہ سمجھے۔ ایک عالم ہے وہ یہ کیسے سمجھے گا کہ میں جاہل ہوں۔ ایک شخص مضمون نگار ہے وہ یہ کیسے سمجھے گا کہ میں مضمون نگار نہیں ہوں۔ البتہ یہ فانی ہی شخص کا کام ہے کہ باوجود کسی کمال کے اپنے کو باکمال نہ سمجھے اسی لئے میں نے دنیا دار کی قید لگائی ورنہ یہ مرض تو ایسا ہے کہ دینداروں تک کو اس میں ابتلاء ہے اور یہ مرض اگر جا سکتا ہے تو کسی عارف کے ہاتھ میں فنا ہو جانے سے جا سکتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے کو اس کے سپرد کر دے یعنی وہ جو تعلیم کرے اس پر عمل کرے اور جس سے منع کرے اس کو چھوڑ دے۔ اپنی رائے کو اس کے سامنے مٹا دے اپنے حالات کی اس کو اطلاع کرتا رہے تب یہ دولتیں میسر ہو سکتی ہیں۔

ملفوظ ۷۰۳

ایک صاحب جن کا تعلق بیعت کا حضرت والا کے ایک اجازت یافتہ صاحب سے تھا اور عرصہ سے ان کا خانقاہ میں قیام تھا انہوں نے ایک مولوی صاحب سے جو کہ حضرت والا کے مہمان تھے۔ ان کے قیام کے وقت میں بہت زیادہ خلاملا رکھا پھر وہ مولوی صاحب چلے گئے اُن کے رخصت ہو جانے کے بعد حضرت والا نے ان صاحب سے فرمایا کہ تمہاری اس حرکت پر جو تم نے مولوی صاحب کے قیام میں ان کے ساتھ اپنا برتاؤ رکھا میں نے چوبیس گھنٹہ صبر کیا اس سے میرے جوش کا یا ہوش کا پتہ چلتا ہے۔ مگر اس وقت بھی تم نے مولوی صاحب کے رخصت ہونے کے وقت مجلس سے اٹھ کر اُن سے معانقہ اور مصافحہ کیا۔ یہ بتلاؤ کہ ان سے تمہارا یہ تعلق کب سے ہے اور کہاں سے ہے اور اس قدر اہتمام ملاقات کا ان سے کیوں تھا کیا یہ تمہارے کوئی رشتہ دار یا ہم سبق تھے یا ہم وطن تھے جو اس درجہ اہتمام تھا۔ مجھ کو تمہاری اس حرکت سے تملق کا شبہ ہوا۔ تعلق کی شان جدا ہوتی ہے۔ تملق کی شان جدا۔ تعلق تو جو میرے پاس آتے ہیں مجھ کو بھی اُن سے ہوتا ہے لیکن اُس میں ایسا برتاؤ نہیں ہوتا کہ جس میں تملق اور چمٹنے کا درجہ معلوم ہو مجھ کو اس سے شبہ یہ ہے کہ مجھ کو اس تعلق کا ذریعہ بنایا گیا ہے نیز بعض مرتبہ تعلقات سبب بن جاتے ہیں ناگواری کے جو حد سے گذر جاویں۔ اس کا آپ جواب دیں عرض کیا کہ میری اور مولوی صاحب کی جگہ پیدائش کی ایک ہے۔ دریافت فرمایا کہ اس کی اطلاع کا ذریعہ آپ ہوئے یا مولوی صاحب! عرض کیا کہ میں نے ہی مولوی صاحب سے معلوم کیا تھا کہ آپ کی پیدائش کہاں کی

ہے۔ ان کے بتلانے کے بعد پھر میں نے اپنا وہاں کا پیدا ہونا ظاہر کیا اس سے ایک قسم کا تعلق قلب میں ہو گیا۔ دریافت فرمایا کہ یہ معلوم ہو جانے پر تم کو ہی اُن سے انس کا تعلق پیدا ہو گیا یا مولوی صاحب کو بھی ہو گیا تھا۔ عرض کیا کہ میں تو اپنے قلب میں انس پاتا تھا اُن کی خبر نہیں کہ ان کو بھی مجھ سے ہوا تھا یا نہیں۔ دریافت فرمایا کہ جب یہ محض احتمالی بات تھی کہ شاید ان کو نہ ہوا ہو تو ایسا برتاؤ کہ جس سے اس کے یقینی ہونے کا درجہ معلوم ہوتا تھا کیوں کیا گیا۔ میں دیکھتا تھا کہ تم چمٹے ہوئے تھے اور وہ تنگ ہوتے تھے حتے کہ جانے کے وقت بھی انھوں نے تمھاری طرف التفات نہیں کیا اٹھ کر چل دیئے تمھاری طرف دیکھا تک نہیں، اس وقت بھی تم ہی مجلس سے اُٹھ کر ان کے پیچھے بھاگے۔ اور یہ تعارف جو آپ نے ان سے حاصل کیا کہ ان کی پیدائش کی جگہ معلوم کی کیا جس قدر یہاں پر آنے والے لوگ ہیں سب سے معلوم کرتے ہو کہ تمھاری کہاں کی پیدائش ہے۔ عرض کیا نہیں فرمایا تو ان سے اس کی خصوصیت کیوں ہوئی۔ عرض کیا کہ میں اپنے دل میں ان کی محبت پاتا تھا۔ فرمایا جی ہاں! ماشاء اللہ آپ کے واردات بھی بہت زبردست ہیں آپ کو القاء اور الہام بھی ہوتا ہے۔ فرمایا کہ اتنا زمانہ تم کو یہاں پر رہتے ہوئے ہو گیا۔ لیکن رہے جاہل ہی۔ عبث اور فضول حرکات سے ابھی تک تم کو چھٹکارا نہیں۔ ایسا شخص کہ جس کو اپنی اصلاح کی فکر نہ ہو۔ اگر ساری عمر اور عمر بھی وہ جو عمر نوح لے کر آیا ہو اصلاح نہیں ہو سکتی۔ اب دیکھ لیجئے ان بیہودہ حرکات پر تغیر نہ ہو تو اور کیا ہو آخر کہاں تک صبر سے کام لوں اور صبر سے کام لے بھی سکتا ہوں مگر یہ کوڑ مغز تو خراب اور برباد ہوں گے آخر ان کا منشا کیا تھا جو اس قدر کنج دکاؤ کر کے بعید از بعید تعلق کی وجہ تلاش کر کے تعارف اور ملاقات کی گئی۔ عرض کیا کہ غلطی ہوئی۔ فرمایا مکار مجلس میں تو تسبیح لے کر گردن جھکا کر بیٹھتا ہے اور قلب میں یہ خباثت بھری ہے۔ جاہل بدفہم۔ بدعقل خبردار جو آج کے بعد مجلس میں آکر بیٹھا۔ چل دور ہو یہاں سے ورنہ طبیعت میں اور زیادہ تغیر بڑھے گا آج سے خانقاہ میں قدم نہ رکھیو اور اپنے مصلح کو خط لکھ کہ یہ حرکت مجھ سے ہوئی اور فلاں شخص کو اس سے تکلیف پہنچی تاکہ وہ کوئی تدبیر تیری اصلاح کی سوچیں۔ اور ایک خط ان مولوی صاحب کو لکھ کہ تم سے تعلق پیدا کرنے کی وجہ سے یہ نتیجہ نکلا نہ میں عمر بھر تم سے ملوں گا اور نہ تم مجھ سے ملنا۔ پھر فرمایا کہ میں کسی کے پہلے تعلقات کو بدلنا نہیں چاہتا مگر میری وجہ سے جو تعلقات ہوں وہ میری اجازت سے ہونا چاہئیں اور خراب آنے کی ممانعت میں تخفیف کرتا ہوں جب یہ مولوی صاحب یہاں پر آیا کریں تم کو اس وقت خانقاہ میں آنے کی اجازت نہیں۔ جب یہ صاحب خانقاہ سے چلے گئے تو فرمایا کہ جو کچھ اس وقت میں نے کہا قصد سے کہا۔ مغلوب ہو کر نہیں کہا تاکہ آئندہ ایسی حرکت نہ کریں۔ ویسے تو نیک ہیں لیکن بے چاروں میں عقل کی کمی ہے۔ ایک مرتبہ ان سے ان کے مصلح نے کسی پریشانی میں تسلی کے لئے یہ کہدیا کہ تم کو تو اگر تعلیم و تلقین کی اجازت دیدی جاتے تو مضائقہ نہیں۔ اس پر شہرت دے دی کہ مجھ کو خلافت مل گئی یہ حالت ہے ان کی کم عقلی کی۔ عملی زندگی نہایت اچھی ہے نہ معلوم یہ حرکت کیوں ہوئی ایک عرصہ سے یہاں پر رہتے ہیں مجھ سے بے حد محبت رکھتے ہیں۔ میں بھی ان کا اکثر خیال رکھتا ہوں اور اب بھی ان کی اصلاح کی غرض سے میں نے یہ طرز اختیار کیا اور قصد سے کیا۔ اب کبھی ساری عمر ایسی حرکت نہ کریں گے اور نیا تعلق تو اب کیا پیدا کریں گے پرانے ہی تعلقات میں ان کو جھجک پیدا ہو گئی ہو گی۔ بس یہ ہے میری بد اخلاقی کہ دوسروں کے اخلاق درست ہوں تو ایسی بداخلاقی تو خوش

اخلاقی ہوئی اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ میری بداخلاقی کا منشا خوش اخلاقی ہے اور اوروں کی خوش اخلاقی کا منشا بداخلاقی ہے ان کے اپنے اخلاق تو درست رہتے ہیں لیکن دوسروں کے اخلاق تباہ اور برباد ہوتے ہیں۔

ملفوظ ۷۰۴ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ باب تربیت بالکل مسدود ہو گیا۔ مشائخ تک کو اس طرف توجہ نہیں چند چیزوں کا نام درویشی اور بزرگی رکھ لیا ہے نہ اعمال کا اہتمام نہ احوال کی خبر نہ اقوال کی حفاظت جو جی میں آیا کر لیا جو منہ میں آیا بک دیا۔ مجنونانہ باتوں کا نام درویشی رکھ لیا ہے۔ محبوبانہ بات کا ایک کا بھی پتہ نہیں باقی باب تربیت بڑا ہی نازک فن ہے۔

ملفوظ ۷۰۵ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صاحب نے جو مولوی کہلاتے ہیں ایک رسالہ لکھا ہے جس کے سر نہ پیر مجھ سے تقریظ لکھنے کے لئے کہا میں نے صرف رسالہ کی حقیقت بیان کر دی۔ تعریف میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ پھر رسالہ پر دعا کے لئے درخواست کی گئی میں نے لکھ دیا کہ ..... تمہاری مرضی موافق اس میں باتیں ہیں ان کو نافع فرما اور جو مرضی کے خلاف ہوں ان کو معاف فرما۔

ملفوظ ۷۰۶ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے زمانہ قیام مالٹا میں قرآن شریف کا ترجمہ لکھا مگر فوائد پورے نہیں ہوئے تھے دوسرے اہل علم نے پورے کئے اس کو ایک مطبع والے نے حضرت کے ورثاء سے خرید لیا معلوم ہوا کہ بہت بڑی رقم لی گئی اگر حضرت مولانا تشریف رکھتے ہوتے تو کیا وہ بھی لیتے بلکہ بعید نہ تھا کہ پانچ سو روپے اور اپنے پاس سے چھاپنے والے کو امداد کے لئے دیتے۔ میرے اعتقاد میں تو یہ حضرات قریب قریب متقدمین کے ہم پلہ ہیں۔ جیسے جنید، غزالی تھے مگر اپنے زمانہ میں ہونے کی وجہ سے لوگ قدر نہیں کرتے۔ صاحب مطبع نے مجھ سے حضرت مولانا کے ترجمہ پر تقریظ لکھنے کے لئے کہا۔ میں نے جواب دیا کہ تقریظ وہ لکھ سکتا ہے جس کو تنقید کا حق حاصل ہو اور مجھ کو یہ حق نہیں بلکہ میرا تعلق حضرت سے تقلید کا ہے ایسے شخص کی تقریظ کیا معتبر ہو سکتی ہے اس وجہ سے میں تقریظ سے معذور ہوں دوسرے حضرت کے کلام پر تقریظ کی ضرورت ہی کیا ہے اور صاحب مطبع نے مجھ کو ایک نسخہ بھی دینا چاہا مگر میں نے مفت لینے سے انکار کر دیا کہ میں اس کو اہانت سمجھتا ہوں کہ مفت لوں۔ اگر توفیق ہوئی لیں اسی طرح خریدوں گا جیسے اور لوگ خریدتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ حضرت مولانا کو کسی نے پہچانا نہیں الا نادراً اور وجہ یہ ہے کہ جو حق کو نہیں پہچانتا وہ اہل حق کو کیا پہچانے گا اسی وجہ سے زمانہ تحریک میں عام طور سے مجھ پر اعتراض ہوا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کیا۔ میں کہتا ہوں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابو یوسف امام محمد نے اختلاف کیا اس کا کیا جواب ہے۔ دوسرے میں نے مولانا سے اختلاف کیا خلاف تو نہیں کیا خدانخواستہ میں نے کوئی بے ادبی تو نہیں کی اور نہ مولانا پر بحمد اللہ اس اختلاف سے ذرہ برابر گرانی ہوئی اس لئے کہ حضرت اختلاف کی حقیقت سے باخبر تھے۔ اور اختلاف تو میں نے بعض مسائل میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کیا ہے جو حضرت مولانا کے بھی شیخ تھے۔ اسی اختلاف کے متعلق ایک مرتبہ ایک مولوی صاحب نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت اشرف علی کے والد کا روپیہ بنک میں ہے اور اس کو لینے

سے انکار ہے حضرت سمجھا دیں کہ وہ روپیہ لے لے۔ فرمایا سبحان اللہ اگر کوئی شخص تقویٰ اختیار کرے تو کیا میں تقوے سے منع کردوں۔ اپنے اکابر کو اسی رنگ پر دیکھا وہی عادت پڑی ہوئی ہے اس کے خلاف کو طبیعت قبول نہیں کرتی۔ حقیقت میں یہ حضرات خدا پرست حق پرست تھے ان کے یہاں ہر چیز اپنی حد پر رہتی تھی اور اب تو رسم کا اس قدر غلبہ ہو گیا ہے کہ حقائق بالکل مٹ گئے۔ جس کو دیکھو نفس پرست۔ رسم پرست، اوہام پرست۔ دنیا پرست۔ مال پرست جاہ پرست۔ اور خدا پرست۔ حق پرست مشکل ہی سے نظر آتا ہے۔

ملفوظ ۷۰۷ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا اگر آدمی خدا کے راضی کرنے کو اخلاق اختیار کرتا ہے اس میں رسوخ بھی ہوتا ہے اور جس شخص کے اخلاق اپنی اغراض کے لئے ہوں کہ جیسا موقع دیکھا ویسا ہی کر لیا اس کا کیا اعتبار۔ مسلم من حیث المسلم اور غیر مسلم کے اخلاق میں بھی ایک فرق ہے۔ غیر مسلم اپنی غرض کے لئے کرتے ہیں اور مسلم خدا کے لئے۔

ملفوظ ۷۰۸ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ عقل مکتسب ہے اور اہل حق کا مذہب ہے کہ عطاء حق ہے اور کثرت سے واقعات مشاہدات اہل سنت ہی کے مؤید ہیں۔ ایک لڑکی ہے جس کی عمر تقریباً تین سال کی ہوگی۔ سردی کی وجہ سے اس کو روئی کا ٹوپا اوڑھا رکھا تھا اور وہ گھڑی کی آواز سننا چاہتی تھی تو اس نے پہلے تو اس کا تقاضہ کیا کہ میرے سر سے ٹوپا اُتار دو پھر اس طرف کان لگا کر کے بیٹھی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عقل فطری ہے مکتسب نہیں ورنہ بچے کو کیسے معلوم ہو گیا کہ گھڑی کی آواز سننے میں یہ ٹوپا حائل ہوگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ یہ فطری چیز کسی میں کم اور کسی میں زیادہ ہو اگر پہلے سے عطا نہیں کی گئی تو نئی بات کو سن کر قلب کہیں تصدیق کرتا ہے کہیں یہ انکار تو اس میں پہلے سے وہ کیا چیز ہے جس پر اگر نئی بات کو منطبق پاتا ہے تو تصدیق کرتا ہے اور منطبق نہیں پاتا تصدیق نہیں کرتا۔

ملفوظ ۷۰۹ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں ایک دوست کا رخیر کیا ہوا حیدر آباد دکن گیا تھا وہاں پر ایک بیان میں میں نے ندائے غائب کے متعلق ایک لطیفہ بیان کیا۔ جس کا رنگ بیان کے وقت استدلال کا سا تھا۔ ایک صاحب جو بڑے عہدے پر ممتاز تھے۔ جائے قیام پر آئے اور بہت سلیقہ اور ادب سے کہا کہ یہ استدلال کس درجہ کا ہے میں نے کہا کہ آپ ماشاء اللہ سمجھ گئے وہ استدلال نہ تھا بلکہ ایک لطیفہ تھا جو بصورت استدلال ہے سلیقہ بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے انھوں نے کس خوبصورتی سے اعتراض کو ظاہر کیا۔ اس سوال وجواب کی تفصیل نہایت لطیف وعظ اسرار العبادۃ کے اخیر میں بعنوان حاشیہ شائع ہوئی ہے۔ یہ وعظ سلسلہ التبلیغ کا سینتالیسواں وعظ ہے

ملفوظ ۷۱۰ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میرا سفارش کے متعلق یہ معمول ہے کہ جب کوئی مجھ سے سفارش چاہتا ہے میں واقعات لکھ کر مخاطب کو آزادی کی ساتھ اُس طرف متوجہ کر دیتا ہوں جس سے واقعات اور حاجت کا علم بھی ہو جاوے اور گرانی بھی نہ ہو۔ تاکہ نہ جبر ہو اور نہ اپنی یا جس کی سفارش کی گئی ہے ذلت ہو۔ اس میں شریعت کی عقل کی۔ غیرت کی۔ حیاء کی سب کی رعایت رکھتا ہوں۔ اس کو لوگ ٹالنا سمجھتے ہیں۔ خیر سمجھا کریں میں اپنے معمول کو

کیسے بدل دوں اور کیوں خواہ مخواہ خود ذلیل ہوں یا مخاطب کو مجبور کروں۔ ایسی سفارش کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔ فلاں مدرسہ کے کارکنان نے ایک درخواست جو نواب بھوپال کے نام روانہ کرنے کے لئے لکھی گئی تھی جس میں مدرسہ کی مختصر حالت اور امداد کی ضرورت کو ظاہر کیا تھا۔ حضرت والا کی خدمت بابرکت میں برائے تصدیق پیش کی۔ اس پر حضرت والا کا تصدیقی مضمون جس میں شریعت۔ عقل۔ غیرت۔ حیا۔ سب کی رعایت کو محفوظ رکھا گیا ملاحظہ ہو۔ وہ مضمون ذیل میں درج ہے اور یہ مضمون مکتوبات حسن العزیز میں ۱۳ ار رجب المرجب ۱۳۵۱ھ یوم یکشنبہ کی تاریخ میں نقل ہو چکا ہے۔ بعد الحمد والصلوٰۃ احقر اشرف علی تھانوی عفی عنہ سے کارکنان مدرسہ ہذا نے توثیق کے لئے تصدیق کی درخواست کی چونکہ مدت طویلہ سے میرا سفر متروک ہے۔ اس لئے بجائے مشاہدہ کے روایاتِ ثقات کی بناء پر جس کو میرا قلب بھی قبول کرتا ہے مضمون ہذا کی تصدیق کرتا ہوں اور بجائے عادتِ متعارفہ سفارش کے تعلیم دینی کی اعانت کے فضائل کی تذکیر کرتا ہوں اور بعد تصدیق و تذکیر کے دعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس درخواست میں کامیابی عطا فرمائے اھ حق تعالیٰ حضرت والا کو جزاء خیر عطا فرمائیں اور تادیر ہمارے سروں پر ماموں فرمائیں۔ کس پاکیزہ اور لطیف عنوان سے مضمون تصدیقی تحریر فرمایا جس میں توکل کی حقیقت اور دینی خدمت کی ضرورت اور دین سے تعلق کو ظاہر فرماتے ہوئے طالب اعانت کی امداد و عدم امداد سے مستغنی اور خود صاحبِ اعانت سے استغناء اور عدم تعلق کی حقیقت کو بھی ظاہر فرما دیا۔ اور یہ بتلا دیا کہ ہر صاحب علم اور دیندار کو اپنا یہی مسلک اور طرز اور دستور العمل بنا لینا چاہئے تاکہ دین و اہل دین کی بے وقعتی اور تحقیر اہل دنیا کی نظر میں نہ ہو حضرت والا کے مضمون تصدیقی سے ایک شان استغنا پرستی ہے جو توحیدِ کامل پر دال ہے (احقر جامع ملفوظات صغیر احمد غفرلہٗ ۱۲ منہ)

۱۳ ار رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

ملفوظ ۱۱۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ پہلے زمانہ میں پکے لوگ ہوتے تھے۔ بادشاہوں کے دربار میں بھی معمولی معمولی لوگ حق بات کہنے سے نہیں رکتے تھے۔ واجد علی شاہ کے زمانہ میں علی نقی وزیر اعظم تھا۔ بڑا ہی متعصب تھا اسی زمانہ میں شاہی مطبخ کے ایک داروغہ تھے سنی۔ ان کی مہر ہو کر واجد علی شاہ کے دستر خوان پر کھانا آتا تھا۔ ان داروغہ نے اپنی مہر پر اپنے نام کے ساتھ چار یاری بھی کندہ کرا رکھا تھا۔ ایک روز علی نقی نے براہ شرارت ان داروغہ سے کہا کہ خاں صاحب آپ کی مہر پر جو آپ کے نام کے ساتھ چار یاری کندہ ہے کیا آپ کی بیوی بھی چار یاری ہیں کہا کہ جی ہاں وہ بھی چار یاری ہیں مگر آپ کی بیگم سے ایک یار کم اس لئے کہ وہ پنجتنی ہے

ہے واجد علی شاہ بھی سن رہے تھے وزیر پر خفا ہوئے کہ اور چھیڑ اپنے بہنوئی کو۔ میں نے تم کو بارہا منع کیا ہے کہ ان لوگوں کو مت چھیڑا کرو۔ مگر تم باز نہیں آتے۔ اب جواب کیوں نہیں دیتے خاموش کیوں ہو۔ ایک حکایت اور یاد آئی۔ واجد علی شاہ سواری پر چلے جارہے تھے ایک سنی خدمت گار ساتھ تھے ایک قبرستان پر گذر ہوا۔ ٹوٹی پھوٹی قبریں تھیں ایک قبر پر کتا ٹانگ اٹھائے پیشاب کر رہا تھا واجد علی شاہ قرائن سے سمجھے کہ ایسے قبرستان سنیوں ہی کے ہو سکتے ہیں کیونکہ شیعوں کے قبرستان پر تکلف ہوتے تھے اس لئے کہ حکومت تھی اور یہ لوگ اکثر روپے والے بھی ہوتے ہیں۔ واجد علی شاہ نے ان سنی سے کہا کہ یہ قبر کسی سنی کی معلوم ہوتی ہے۔ ان سنی نے جواب دیا کہ جی حضور صحیح ہے بجا فرمایا جب ہی تو رافضی کتا اس پر پیشاب کر رہا ہے۔ کیا ٹھکانا ہے اس دلیری کا بادشاہ کی بھی پروانہ کی فوراً ترکی بترکی جواب دیا۔ آج کل تو مصلحت پرستی ہی میں رہتے ہیں یہ ان لوگوں کی حکایات ہیں جو ملازمت بھی انھیں کے یہاں کرتے تھے اور ملازمت بھی ادنیٰ درجہ کی۔ اب تو کوئی برابر والے کے سامنے بھی ایسی بات نہیں کر سکتا ان لوگوں کے ایمان قوی تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ لکھنؤ تشریف لے گئے وہاں پر قیام تھا ایک خرگوش شکار کر کے لائے وہ ایک طرف رکھا ہوا تھا۔ ایک شیعی مجتہد بغرض ملاقات مولانا کے پاس آئے اتفاق سے ایک کتا آیا اس نے خرگوش کو جو ذبح کیا ہوا رکھا تھا سونگھا اور ہٹ گیا مجتہد صاحب مولانا سے کہتے ہیں کہ مولانا آپ کے شکار کو تو کتا بھی نہیں کھاتا اس کہنے کی وجہ یہ تھی کہ خرگوش شیعوں کے مذہب میں حرام ہے مولانا نے فی البدیہہ جواب دیا کہ جناب مجتہد صاحب یہ شکار کتوں کے کھانے کا نہیں ہے۔ انسانوں کے کھانے کا ہے مجتہد بیچارے کو سانس نہیں آیا۔ حضرت شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی برہنہ شمشیر تھے۔ اُن کے یہاں تو ہزاروں کوس تک بھی مصلحت پرستی کا نام نہ تھا۔

ملفوظ ۱۲؎ فرمایا کہ ایک شخص کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ فلاں بزرگ نے مجھے بند کر کے ذکر کرنے کی تعلیم فرمائی تھی اس تعلیم پر عمل کیا اب دماغی کیفیت سے مجنون بنا ہوا ہوں۔ اس پر فرمایا کہ اب درویشی ان ہی چیزوں کا نام رہ گیا ہے۔ یہ شیخ ہیں نہ طریق کی خبر نہ طالب کی حالت اور استعداد پر نظر۔ بے چارے کو مجنوں بنا دیا۔ سنت پر عمل کرنے والے کو کہتے ہیں کہ یہ ملانوں کا کام ہے ان کو درویشی سے کیا تعلق۔ شاید درویشی کی کوئی قسم ایسی بھی ہوگی کہ جس کو نہ شریعت سے تعلق نہ سنت سے تعلق۔ ایک نئی درویشی ان جاہلوں نے گھڑ رکھی ہے۔ ان جاہلوں نے اللہ کی مخلوق کو گمراہ کر رکھا ہے پھر اپنے کو درویش صوفی۔ شیخ کہلاتے ہیں۔ مقتدا ہونے کا صاحب باطن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت فرمادے

ملفوظ ۱۳؎ ایک صاحب نے عرض کیا کہ ڈاک خانہ میں روپیہ جمع کر دیا جائے اور سود دیا جائے اس کا کیا حکم ہے فرمایا کہ بینک والے اس روپیہ کو بجنسہ محفوظ تھوڑا ہی رکھتے ہیں اس روپیہ پر دوسروں سے سود لیتے ہیں تو اس جمع کرنے میں اعانت ہوئی معصیت کی اور اس کا کوئی نفع نہ ہوا اور بینک والوں کو فائدہ پہونچا اور اس کے سر پر مفت گناہ کا بار رہا باقی اگر غلطی سے روپیہ جمع ہو چکا ہو تو اخف المفسدتین یہی ہے کہ غرباء پر تقسیم کر دیا جائے۔

ملفوظ ۱۴؎ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل لوگوں کی یہ حالت ہے کہ دین میں بھی حظوظ نفسانی کو دخیل بنا رکھا ہے۔ چنانچہ اگر تہجد قضا ہو جائے تو رنج ہوتا ہے۔ اور اگر فجر کی فرض نماز قضا ہو جائے تو رنج نہیں

ہوتا گیا یہ دین ہے۔ محض حظِ نفس ہے ورنہ فرض قضا ہونے کا زیادہ رنج ہے مگر نفس تہجد کو بزرگی سمجھتا ہے اور فرض کو معمولی اس لئے اثر بالعکس ہوتا ہے اور اسی قسم کی بہت سی غلطیوں میں ابتلاء ہو رہا ہے۔

ملفوظ ۱۵۔ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے عربی میں لکھا ہے مگر میں نے اردو میں جواب دیا ہے۔ اور میں نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب تم اردو جانتے ہو تو پھر عربی زبان میں جو خط لکھا ہے اس مصلحت کی مصلحت جاننے کا مشتاق ہوں مگر مصلحت کچھ بھی نہیں محض اظہارِ قابلیت مقصود ہے یہ مرض بھی لوگوں میں عام ہو گیا ہے۔

۱۴ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم دوشنبہ

ملفوظ ۱۶۔ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اکثر دیہات کے قرب میں تالاب ہوتے ہیں۔ دھوبی ان میں کپڑے دھوتے ہیں۔ تو کیا ایسے تالابوں کا پانی پاک ہے۔ فرمایا کہ دو باتیں دیکھنے کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ پانی کہاں سے آ کر جمع ہو۔ دوسرے یہ کہ جو پانی آ کر جمع ہوا اس میں زائد مقدار پاک کی ہے یا ناپاک۔ اگر اطراف سے آ کر جمع ہوا تو یہ دیکھا جاوے کہ وہ اطراف گندے ہیں یا صاف حاصل یہ ہے کہ اگر پاک کی مقدار زائد ہے تب تو پاک ہے اور اگر ناپاک کی مقدار زائد ہے تو ناپاک کیونکہ گندہ پانی زیادہ جمع ہو کر بھی پاک نہیں ہوتا۔ مثلاً کثرت سے پیشاب جمع ہو اور اس میں تھوڑی مقدار میں پاک پانی ڈال دیا جائے وہ ناپاک ہی ہوگا اور اگر کثرت سے مقدار میں پاک پانی جمع ہو اور اس میں تھوڑی سی مقدار میں پیشاب ڈال دیا جائے تو وہ پاک رہے گا۔

ملفوظ ۱۷۔ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے اور احسان ہے کہ زمانۂ تحریکات میں معذرت کے لئے مجھ کو کسی کے در پر نہیں جانا پڑا۔ سب یہاں پر آئے اور معافیاں چاہیں۔ میں نے سب کو دل سے معاف کر دیا اس خیال سے کہ میں خود اللہ تعالےٰ کا خطاوار ہوں وہ مجھ کو معاف فرما دینگے۔ دوسرے میرا اس میں کون نفع ہے کہ میری وجہ سے ایک مسلمان کو عذاب ہو میں نے اللہ سے دعاء کی ہے کہ میری وجہ سے کسی سے مواخذہ نہ فرمایا جائے۔ آخرت کا مواخذہ بڑا ہی زبردست اور خطرناک ہے۔ حق تعالےٰ سب مسلمانوں کو اس وقت کے مواخذہ اور عتاب سے محفوظ فرمائیں۔ ایک مولوی صاحب جو زمانۂ تحریک میں نہایت زبردست خلافت پر تھے انھوں نے ایک رسالہ میرے پاس تقریظ کے لئے بھیجا ہے میں ان سے ایک سوال کرتا مگر کیا کروں ایسی باتوں کی اپنی عادت نہیں۔ جی شرماتا ہے۔ سوال یہ کرتا کہ پہلے تو میں گمراہ تھا معنر اسلام تھا کیا اب اس قابل ہو گیا کہ رسائل پر تصدیق لکھوں حالانکہ میرے اب بھی وہی عقائد ہیں وہی مسلک وہی مشرب وہی مذہب ہے جو زمانۂ تحریک میں تھا۔ میں ایک انچ بھی اپنے خیالات

سے نہیں ہٹا اور نہ ہٹ سکتا ہوں اس لئے کہ میں اُن خیالات کو حق سمجھتا ہوں ان ہی لوگوں کا طرز بدل گیا۔ خدا معلوم کیا سمجھ کر کھڑے ہوئے تھے اور کیوں ہٹ گئے اب نہ ململ حرام ہے نہ ڈھاکہ نہ چکن سب وہی استعمال کر رہے ہیں اس وقت ایک عجیب ہڑبونگ تھا۔ حق ناحق کا تو ذکر ہی کچھ نہ تھا جو زبان سے نکل گیا وہی حق تھا۔

ملفوظ ۲۱۸ ایک صاحب نے تقریظ کے لئے بذریعہ ڈاک ایک رسالہ بھیجا حضرت والا نے چند مقامات سے اس رسالہ کو ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ جا بھلے مانس اتنی تکلیف اٹھانے کی تجھ کو کیا ضرورت تھی۔ محض بے جوڑ اور عجیب معجون مرکب رسالہ بنایا ہے۔ محنت تو بہت کی ہے قریب قریب تمام تفسیروں کے حوالے دئے ہیں۔ لفظی تحقیقات کثرت سے کی ہے مگر حاصل کچھ بھی نہیں۔ آج کل مصنفین کی بڑی کثرت ہے۔ اب میں ان کو ضابطہ کا جواب لکھوں گا اس پر مجھ کو بدنام کرتے پھریں گے۔ ان کو یہ لکھوں گا کہ اس رسالہ کو نہ شائع کیجئے اور نہ ضائع بلکہ خود ہی اس کا مطالعہ کیا کیجئے۔ نیز اس رسالہ میں مخالفین پر بُری طرح اعتراضات کئے ہیں۔ بُرا بھلا تک کہا ہے مجھ کو یہ طرز پسند نہیں۔ صاحب دین کی خدمت کرنا مقصود ہے یا لوگوں سے لڑائی لڑنا۔ اس طرز میں بجائے خلوص کے نفس کی آمیزش ہو جاتی ہے اور مخاطب پر بجائے اچھا اثر ہونے کے بُرا اثر ہوتا ہے۔ خدا معلوم ان لوگوں کو تصنیف کا شوق ہی کیوں ہوتا ہے چپ چاپ بیٹھے رہیں دنیا میں اور بہت کام ہیں ان میں مشغول ہوں اور دنیا کے کاموں میں بھی ان کاموں کو پسند کرتے ہیں جن میں شورش اور فتنہ ہو۔ جی ہی ایسے کاموں میں لگتا ہے کیا بھدی طبیعتیں ہیں۔ بدفہمی اور بدعقلی کا غلبہ ہے۔ حق تعالیٰ فہم صحیح نصیب فرمائیں۔

ملفوظ ۲۱۹ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل تو یہ رنگ ہے کہ ذرا تقریر میں یا تحریر میں کسی کی مخالفت ہوئی پھر بدون کفر تک پہونچائے نہیں چھوڑتے۔ اور پہلے لوگوں کی حالت سنئے۔ مولوی فضل حق صاحب مولانا شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مقابل تھے ایک مرتبہ مولوی فضل حق صاحب تھانہ بھون تشریف لائے تھے۔ قاضی نجابت علی صاحب رئیس مشہور نے مولوی فضل حق صاحب سے پوچھا کہ مولانا محمد اسماعیل صاحب کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے مولوی صاحب نے فرمایا کہ قاضی صاحب وہ ایسے شخص ہیں کہ ان کے مقابل کے لئے یہی بہت بڑا فخر ہے کہ ان کا مقابل ہے۔ پھر قاضی صاحب نے مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب کی نسبت پوچھا (وہابیت بدعت کا ان سے بھی اختلاف تھا) مولوی صاحب نے فرمایا کہ اس مجلس میں انسانوں کا ذکر ہو رہا ہے کسی انسان کو پوچھئے جس وقت جبرئیل میکائیل کا ذکر ہو گا اس وقت شاہ محمد اسحاق صاحب کا ذکر کیجئے۔ یہ حالت تھی مخالفوں کے ساتھ عقیدت کی۔ پہلے لوگوں کا یہ طرز تھا کہ اختلاف اپنی حد پر ہے اور دوسرے کے کمالات بھی پیش نظر ہے۔ اب تو ذرا ذرا بات میں اپنے مخالف کو کھلم کھلا بُرا بھلا کہتے ہیں۔ نہ کوئی علمی تحقیق ہے نہ اصول پر مناظرہ ہے۔ گالیوں سے اور کفر کے فتووں سے رسالے بھرے ہوتے ہیں کیا اس کو بھی دین کی خدمت کہیں گے۔

ملفوظ نمبر ۲۲۰ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ زمانہ نہایت ہی پُر فتن ہے جو غریب اپنے مسلک اور مشرب اور اپنے بزرگوں کے طرز پر رہے اور سلف کا مذہب اختیار کرے سب اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے ہیں کسی طرح چین نہیں لینے دیتے۔ چنانچہ اسی جرم میں میرے حال پر بھی بعض کی عنایت ہے مگر الحمد للہ میں التفات بھی نہیں

کرنا ہوتا مجھ کو بھی آتا ہے۔ زبان اللہ نے مجھ کو بھی دی ہے اللہ نے قلم بھی میرے ہاتھ میں دیا ہے لیکن میں تو اس طرز ہی کو پسند نہیں کرتا ہوں جو طرز سلف سے بزرگوں کا چلا آرہا ہے اور اپنے اکابر کا اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہی پسند ہے اور اسی پر رہنے کو پسند کرتا ہوں کہ میں اہل علم سے بہت شرماتا ہوں اور ان کے مقابلہ میں جی چاہتا ہے کہ اپنا ہی نقص نظر میں رہے۔ میں چھوٹے سے چھوٹے طالب علم کی اپنے قلب میں عظمت و احترام پاتا ہوں میں کبھی اہل علم کو ایسا خطاب کرنا پسند نہیں کرتا جس سے ذرہ برابر بھی ان کی اہانت کا شبہ ہو۔ تحریک کے زمانہ میں بعض اہل علم تک نے مجھ پر رد و قدح کیا مضامین شائع کئے مگر میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ محض اس خیال سے کہ خدانخواستہ تقریر و تحریر میں میری نیت کسی مناظرہ یا مکالمہ یا رد و قدح کی نہ تھی بلکہ اظہار حق مقصود تھا اس پر لوگوں کو ناگواری ہوئی اور اعتراضات کئے مگر میں نے کسی کو کچھ نہیں کہا۔ صبر کیا۔ اور ان کے علم کی وجہ سے اپنے قلب میں ان کی ویسی ہی عظمت و احترام پاتا تھا۔ اور اگر اپنے اکابر کا طرز پیش نظر نہ ہوتا۔ نیز قلب میں اہل علم کی عظمت اور احترام نہ ہوتا اور ان کی طرح میں بھی زبان کھولتا اور بولتا اور قلم ہاتھ میں لے کر بیٹھتا تو بہت سے ٹھیک ہو جاتے مگر یہ زور شور اسی وجہ سے تھا کہ سمجھتے تھے کہ اس کا مسلک اس کا طرز صبر و سکوت کا ہے ہم بھی اپنی بھڑاس نکال لیں۔

ملفوظ ۱۲۱ ایک شخص کی بیہودہ بات پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ لوگ مجھ کو مشورہ دیتے ہیں کہ نرمی کا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ اب یہ شخص آیا ہے کہتا ہے کہ ہمارے یہاں بیاہ شادی میں برہمن تاریخ مقرر کیا کرتے ہیں مگر میرے لئے تم کر دو اب اس کے مطابق تاریخ مقرر کر دوں تو نرمی تو یہی کہلائے گی مگر حاصل اس کا یہ ہوگا کہ بجائے برہمن کے مولوی ہو لیکن تاریخ کا مقرر ہونا ضروری ہے۔ ایسے جاہلوں کے مقابلہ میں میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مضمون تو حضرت شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہو یعنی صاف اور عنوان حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہو یعنی نرم اور سہل بقول مولانا رومی رح ؎

نرم گو لیکن مگو غیر صواب   وسوسہ مفروش در لین الخطاب

سو کوشش تو یہی کرتا ہوں لیکن پھر بشر ہوں کبھی اگر مخاطب جہالت کی بات کرے تو عنوان بھی سخت ہو جاتا ہے۔

ملفوظ ۱۲۲ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ علوم میں تصوف سب سے زیادہ آسان علم ہے مگر تعجب ہے فلاں مولوی صاحب سے کہ عالم فاضل ہو کر انھوں نے تصوف کو سب سے زیادہ مشکل بتلایا۔ مجھ سے ان کی خط و کتابت ہوئی اس سے مجھ کو یہ اندازہ ہوا کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ توجہ باطنی سے میرے نفس کا تزکیہ ہو جائے علم و عمل کی حاجت نہ ہو۔ میں نے اس مکاتبت میں ساری عمر کی تحقیق ان کے سامنے رکھ دی تھی وہ یہ کہ طریق میں افعال مقصود ہیں انفعالات مقصود نہیں۔ علمی اصطلاح میں میں نے سارا فن دو جملوں میں ان کے سامنے رکھ دیا تھا۔ میں سمجھا تھا کہ عالم ہیں قدر کریں گے انھوں نے یہ قدر کی کہ اس کے جواب میں یہ لکھا کہ معلوم ہوا کہ تصوف سب سے مشکل چیز ہے۔ ساری عمر اُن مولوی صاحب کی غیر مقصود کاموں میں گذری اگر تھوڑی سی کسی کامل کی صحبت اٹھائی ہوتی اُس وقت

قدر کرتے۔

ملفوظ ۲۲۳ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ یہاں کے متعلق ایک مولوی صاحب نے ایک بات کہی اور اس سے میں بھی متفق ہوں۔ وہ یہ کہ جذبات کی جس قدر یہاں پر رعایت ہے اتنی کہیں نہیں۔ اور یہ واقعہ ہے کہ جس قدر میں رعایت کرتا ہوں دوسرا کر نہیں سکتا۔ ہاں غلامی نہیں کرتا۔ رعایت اور چیز ہے۔ غلامی اور چیز ہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارا متبع بنے سو یہ مشکل ہے مجھ کو نہ خود متبع بننا پسند ہے اور نہ دوسرں کو متبع بنانا چاہتا ہوں۔ بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ اصول صحیحہ کا اتباع تم بھی کرو اور میں بھی کروں۔ نہ تم میرے تابع بنو نہ میں تمہارا تابع بنوں۔ اگر اصول کے خلاف تم سے ہو میں متنبہ کر دوں اگر مجھ سے ہو تم متنبہ کر دو۔ البتہ اس تنبیہ میں ایک فرق ضرور ہو گا وہ یہ کہ میں جو متنبہ کرونگا میرا لہجہ اور ہو گا اور تم جو متنبہ کرو گے تمہارا لہجہ اور ہو گا۔ جیسے باپ اگر بیٹے کو نصیحت کرتا ہے تو اس کا لہجہ اور ہوتا ہے اور اگر بیٹا باپ کو نصیحت کرتا ہے تو اس کا لہجہ اور ہوتا ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو جب خطاب کیا ہے حالانکہ باپ مشرک تھے مگر عنوان یہ تھا یا ابت۔ یا ابت یعنی اے میرے ابا اے میرے ابا۔ نیز باپ سامنے تھے جو کہنا تھا کہہ دیتے یا ابت بڑھانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ مگر ایسا نہیں کیا باپ ہونے کا حق ادا کیا۔ عاجزانہ نیازمندانہ لہجہ اختیار کیا۔ تو میں بھی چھوٹے کی زبان سے خشونت اور بیباکی کے لہجہ کو گوارا نہیں کر سکتا اس کو چاہے میری کمزوری ہی سمجھی جائے باقی متنبہ کرنے پر ان شاء اللہ ناراضی نہیں ہو سکتی اور ایسا بارہا ہو بھی چکا ہے میں نے فوراً قبول کر لیا مگر جنھوں نے متنبہ کیا نہایت سلیقہ سے کیا گو بد تہذیبی کے ساتھ اگر کہا جائے گا تو حق بات کو قبول کر لوں گا لیکن اس بد تہذیبی پر ناگواری ضرور ہو گی۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کی گنی گھو گئی بہت تلاش کی نہ ملی ایک شخص نے پا کر اور نہایت بدتمیزی اور بد تہذیبی سے اس کے ماتھے پر پھینک کر ماری تو وہ اس کو اٹھا کر رکھ تو لے گا مگر ماتھے کو دیر تک سہلائے گا اور اس پر خفا بھی ہو گا کہ یہ بھی کوئی طریقہ ہے چیز کے دینے کا۔

۴ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم دوشنبہ

ملفوظ ۲۲۴ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے۔ میں نے ان سے ان کے ایک خلاف اصول خط کے جواب میں کچھ سوالات کئے تھے سیدھے ہو گئے۔ میں اس کو ہمیشہ ضروری سمجھتا ہوں کہ آدمی پہلے اپنے مطلوب کا تعین کر لے یہ اصولی بات ہے۔ ان کے خط میں یہی کمی تھی۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے مکان تعمیر کرنے سے قبل بنیاد کو قائم کیا جاتا ہے پھر اس پر تعمیر شروع کرتے ہیں تو باقاعدہ مکان تیار ہو جاتا ہے۔ ان ہی باتوں پر لوگ

مجھ سے خفا ہیں۔ میں اصول پر چلانا چاہتا ہوں وہ بے اصول چلنا چاہتے ہیں یہی لوگوں سے میری لڑائی ہے ورنہ ان سے کیا کوئی حصہ بھوڑا ہی بانٹ رہا ہوں۔

ملفوظ ۲۵۷ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ایک شخص تمام عالم کو کیسے خوش رکھ سکتا ہے۔ اگر تمام عالم کسی سے خوش رہ سکتا تو وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی ذات ہے مگر ان سے بھی سب خوش نہیں تو پھر کسی کا کیا منہ ہے کہ اس کا دعوے کرے یا اس کی توقع رکھے۔ اب دیکھ لیجئے نجدیوں ہی پر کس قدر اعتراضات ہو رہے ہیں ان کی سختی کے بہت لوگ شاکی ہیں حالانکہ بعض سختی انتظام کی ضرورت سے کی گئی ہے۔ ایک صاحب نے مجھ سے نجدیوں کے بارے میں پوچھا تھا کہ آپ کا ان کے متعلق کیا خیال ہے۔ میں نے کہا کہ میرا خیال یہ ہے کہ وہ نرے نجدی ہیں وجدی نہیں بس اتنی ہی کمی ہے یعنی ان میں صوفیوں کا اثر نہیں خشک لوگ ہیں اور میں نے یہ کہا کہ کاش اُن میں یہ رنگ پیدا ہو جاوے تاکہ وہاں کے آنے والوں سے ہم یہ کہہ سکیں ؎

باز گو از نجد واز یاران نجد تا در و دیوار را آری بوجد

ملفوظ ۲۶۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اگر آدمی پکا ہو تو ہر جگہ ہمت سے دین پر عمل کر سکتا ہے کہیں بھی کوئی مانع نہیں یہ تو محض کمزوری ہے کہ صاحب فلاں وجہ سے نماز نہیں پڑھ سکا۔ فلاں وجہ سے امر بالمعروف نہیں کر سکا اور یہ کمزوری ہوتی ہے غرض سے یا خوف سے جس میں دوسرا موقع تو کسی وقت عذر کا بھی ہو سکتا ہے اور پہلا تو کوئی عذر ہی نہیں۔ ایک صاحب وائسرائے کے ایک لیکچر میں شریک تھے۔ نماز کا وقت آگیا۔ انھوں نے کھڑے ہو کر صاف کہہ دیا کہ ہماری نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ ہم نماز کو جاتے ہیں جب ہم لوگ نماز پڑھ کر آجائیں تب آپ لیکچر دیجئے گا وائسرائے فوراً بیٹھ گیا یہ نماز کے لئے باہر آئے تو ان سے ایک دوسرے مسلمان صاحب بولے کہ یہ آپ نے کیا حرکت کی انھوں نے کہا کہ کیا نماز فرض نہیں کہا کہ بے شک نماز فرض ہے مگر آپ چپکے سے اُٹھ کر چلے آتے انھوں نے کہا کہ لیکن تم جیسے نماز کو کیسے آتے۔ کہہ دینے میں یہ مصلحت ہوئی کہ جس قدر مسلمان اُس مجمع میں تھے سب کو نماز کے لئے اُٹھنا پڑا اس لئے کہ اگر نہ گئے تو وائسرائے کہے گا کہ یہ بے نمازی ہیں۔ غرض آدمی کے پختہ ہونے کی ضرورت ہے اس سے دوسروں پر خود بخود اثر ہوتا ہے بڑی زبردست تبلیغ تو یہی ہے کہ خود پختہ ہو۔

ملفوظ ۲۷۷ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ دینداروں کو اہلِ دنیا خصوص امراء سے ایسا تعلق جس سے تملق کی شان معلوم ہو نہیں رکھنا چاہیئے اس میں دین و اہلِ دین کی تحقیر ہوتی ہے باقی مطلق تعلق کو منع نہیں کرتا، لیکن تعلق کے حدود ہیں۔ حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حافظ محمد یوسف صاحب ریاست بھوپال میں تحصیلدار تھے ان سے مولوی عبدالجبار صاحب وزیر ریاست نے ملاقات کرنا چاہا اول عذر کر دیا مگر بے حد اصرار اور سفارش پر کہا کہ چند شرطیں ہیں اگر وہ منظور ہوں ملاقات کر سکتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ جب جاؤں میری تعظیم کو نہ اٹھیں دوسرے جہاں بیٹھوں وہاں سے مجھ کو اٹھائیں نہیں، تیسرے جب میں اُٹھ کر چلدوں مجھ کو روکیں نہیں۔ وزیر صاحب نے سب کو منظور کر لیا۔ ملاقات کے لئے گئے وہ تعظیم کو کھڑے ہونے لگے۔ کہا دیکھئے شرط اول کی مخالفت ہو رہی ہے وہ

بیٹھ گئے۔ یہ ایک معمولی جگہ پر بیٹھ گئے وزیر صاحب نے ممتاز جگہ پر بیٹھنے کو کہا۔ کہنے لگے کہ دیکھیے کہ شرط ثانی کی مخالفت ہو رہی ہے۔ خیریت مزاج پرسی ہو چکنے کے بعد وزیر صاحب نے کہا کہ میں کوئی عہدہ آپ کو دینا چاہتا ہوں آپ جو عہدہ منظور کریں اور پسند کریں کہا کہ میری پچاس روپے تنخواہ ہے اس سے کم میں گذر مشکل ہے اس لئے یہ تو ضرور ہو باقی عہدہ۔ سو اس کے متعلق یہ ہے کہ چاہے بھنگیوں کا جمعدار کر دیجئے۔ یہ کہہ اور اٹھ کر السلام علیکم کیا اور چل دیئے۔ یہ شان ہے اہل دین کی۔ ان ہی حافظ صاحب کا واقعہ ہے ایک درویش بھوپال میں آیا خدا معلوم مسمریزم کی اس کو مشق تھی یا کیا بات تھی وہ توجہ سے لوگوں پر اثر ڈالتا تھا اور امراء کو لوٹتا تھا۔ حافظ محمد یوسف صاحب کے پاس بھی پہونچا وہ کچھ لکھ رہے تھے ان پر بھی توجہ کی حافظ صاحب کو ادراک ہو گیا انہوں نے خود اس کی طرف جو توجہ کی اور یہ شعر پڑھا ؎

سنبھل کے رکھنا قدم دشت خار میں مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

وہ دھڑ سے زمین پر گرا اور افاقہ کے بعد کہا کہ میں تو حضور کا شاگرد نہیں ہوں۔ حافظ صاحب نے کہا کہ شاہ صاحب اس ڈھونگ میں کیا رکھا ہے اتباع سنت اختیار کرو۔ بھاگا اٹھ کر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

ملفوظ ۲۸۷ ایک نووارد صاحب نے حضرت والا کے دریافت فرمانے پر عرض کیا کہ میں مرید ہونے آیا ہوں۔ فرمایا اگر مرید ہو گے تعلیم نہ کروں گا۔ اگر تعلیم چاہو گے مرید نہ کروں گا دونوں کو ایک جگہ جمع نہ کروں گا اب تمہارے نزدیک جو اہم ہو اسے بتلا دو۔ عرض کیا کہ مرید ہونا چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ اسی چور کو پکڑنا چاہتا تھا۔ تعلیم سے انکار بیعت پر اصرار۔ دیکھ لیجئے کہ لوگوں کو جہل میں کس قدر ابتلا ہو رہا ہے۔ مقصود کو غیر مقصود اور غیر مقصود کو مقصود سمجھ رکھا ہے اب اگر کھود کرید نہ کروں تو ان کو تو جہل ہی ابتلاء رہتا۔ ایسی خوش اخلاقی سے آنے والوں کو کیا نفع پھر ان صاحب کی طرف متوجہ ہو کر دریافت فرمایا کہ معلوم بھی ہوا کہ اصل چیز تعلیم ہے اور یہی ضروری چیز ہے۔ بیعت سے بھی یہی مقصود ہے خود بیعت مقصود نہیں۔ عرض کیا جی معلوم ہو گیا۔ دریافت فرمایا کہ اب بتلاؤ کیا خیال ہے۔ عرض کیا کہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے میں بیعت کو مقدم سمجھا تھا اب تعلیم کی درخواست کرتا ہوں۔ فرمایا کہ ماشاء اللہ سمجھدار معلوم ہوتے ہو تم نے پریشان نہیں کیا اور سمجھ لینے کے بعد بیعت پر اصرار نہیں کیا بڑی طبیعت خوش ہوئی۔ اب تم وطن واپس پہونچ کر بذریعہ خط اپنے حالات سے اطلاع دینا اور اس پر میں جو تعلیم کروں گا اس پر عمل کرنا۔ اور اس کا خیال رکھنا کہ ایک خط میں مختلف مضمون نہ ہوں ایک ایک مرض کو لکھ کر علاج پوچھا جاوے۔ جب اس سے نجات ہو جائے تب دوسرا لکھا جاوے۔ پھر فرمایا کہ جو اپنی رعایت کرتا ہے اس کی رعایت کرنے کو خود بخود دل چاہتا ہے۔ خدانخواستہ آنے والوں سے کوئی بغض نہیں۔ کینہ نہیں عداوت یا دشمنی نہیں۔ اسی واقعہ سے معلوم کر لیجئے۔ میں نے ان پر کونسی سختی کی۔

۵ ار رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم شنبہ

ملفوظ نمبر ۷۲۹ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض طبائع قوی ہوتی ہیں۔ ایک مولوی صاحب میرے دوست ہیں ایک زمانہ میں وہ بے روزگار تھے۔ سیٹھ لاڈس صاحب کے پاس پہونچے اور جاکر ملے اور یہ کہا کہ کیا علماء کا آپ کے یہاں کوئی حق ہی نہیں۔ اس نے کہا کہیئے کیا بات ہے۔ انھوں نے کہا کہ کوئی نوکری دلوائیے۔ کہا کہ نوکری بہت اور جس قسم کی آپ فرمائیں گے۔ مگر میں آپ کو ایک نیک مشورہ دیتا ہوں وہ یہ کہ آپ عالم ہیں اس قسم کی نوکریاں کرنا آپ کی شان کے خلاف ہے آپ تو کسی مسجد میں بیٹھکر درس کا کام کیجئے۔ دین کی خدمت کیجئے اللہ آپ کا کفیل ہوگا انھوں نے کہا کہ میں آپ کے مشورہ کو شکریہ کے ساتھ قبول کرتا ہوں۔ اس کے بعد گورنر نے اپنے خدمت گار کی طرف اشارہ کیا وہ ایک کشتی میں پچاس روپے رکھ کر لایا۔ گورنر نے مولوی صاحب کے سامنے پیش کی انھوں نے کہا کہ میں آپ کے مشورہ پر اسی وقت سے عمل شروع کرتا ہوں۔ اب میں نہیں لوں گا ہمت کی بات ہے۔

ملفوظ نمبر ۷۳۰ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ دیکھ لیجئے ان انقلاب پسند لوگوں نے کیسی گڑبڑ مچا رکھی ہے۔ کوئی اصول یا قاعدہ ہی نہیں اور یہ تو اس صورت میں ہے کہ ابھی تو سوراج بھی نہیں ملا اس حالت میں لوگوں پر جبر تشدد اور ظلم کئے جا رہے۔ اہل حق اور اہل باطل میں یہی تو فرق ہے۔ اگر اہل حق کا تحریکات میں اثر ہوتا تو وہ کسی پر جبر نہ کرتے۔ اور یہ ایک طرف تو آزادی اور حریت کے نعرے لگاتے پھرتے ہیں اور دوسری طرف جبراً اپنی تجویزات کو منوانا چاہتے ہیں۔ عجیب بیڈھنگی باتیں ہیں۔ آزادی کے معنی تو یہ ہیں کہ ہر شخص آزاد ہے جو جس کے جی میں آئے کرے اس کو مجبور نہ کیا جائے مگر ان لوگوں میں کوئی اصول ہی نہیں۔

ملفوظ نمبر ۷۳۱ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جس وعظ پر میں آج کل نظر اصلاحی کر رہا ہوں اس میں انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء کی تفسیر میں نے بیان کی ہے۔ علم کے لئے خشیت لازم سمجھتے ہیں یہ آیت کا مدلول ہی نہیں اور وقوعاً بھی صحیح نہیں۔ تخلف مشاہد ہے البتہ خشیت کے لئے علم شرط ہونے کی وجہ سے لازم ہے اور یہی مدلول ہے آیت کا۔ غرض یہ تو ممکن ہے کہ علم ہو اور خشیت نہ ہو مگر یہ ممکن نہیں کہ خشیت ہو اور علم نہ ہو۔ خواہ وہ علم درس سے حاصل نہ ہوا ہو۔ آخر جب کسی خوف کی چیز کو جانتا ہی نہیں اس کا علم ہی نہیں تو خوف کس چیز سے ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے تقریر کا کہ علم خشیت کی شرط ہے اس کی علت نہیں۔ جب یہ بیان ہو رہا تھا طلبہ منہ تک رہے تھے کہ یہ کیا بیان ہو رہا ہے بعد وعظ کے بعض طلبہ نے کہا کہ ہم تو بڑی غلطی میں مبتلا تھے میں نے کہا کہ تم کیا بعضے بڑے بڑے علماء اس

غلطی میں مبتلا ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ وہ علم صحیح دل میں ڈال دیتے ہیں۔

ملفوظ نمبر ۲۳۲ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اگر کسی کا توکل سمجھنے ترک اسباب ظنیہ کا ارادہ ہو تو بدون اپنے بزرگوں کے مشورہ کے عمل نہ کرنا چاہیئے۔ میں نے ہمیشہ اس کا خیال رکھا کہ جب کچھ کرنے کا ارادہ کیا اپنے بزرگوں سے ضرور مشورہ کر لیا۔ کبھی بزرگوں کے بدون شریک کئے ہوئے کوئی کام نہیں کیا اس میں حکمت بھی ہے اور برکت بھی اور بعض اہل طریق ترک اسباب اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ تعلقات سے قلب کے لئے فراغ چاہتے ہیں سو یہ بھی اپنی تجویز سے مشکل ہے اس کا بھی غیب ہی سے سامان ہو جاتا ہے جس کے لئے حق تعالےٰ چاہتے ہیں فارغ کر دیتے ہیں یہ بھی ان کی عطا ہے خود کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ مولانا اسی موقع کے لئے فرماتے ہیں ؎

گر گریزی بر امید راحتے ہم از انجا پیشت آید آفتے !
ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

لیکن اکثر بزرگوں سے مشورہ کرنے کے بعد یہ مقصود بھی حاصل ہو جاتا ہے اور ان کی برکت سے ضروری فراغ کی دولت بھی نصیب ہو جاتی ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں میدہد یزداں مراد متقیں !

ملفوظ نمبر ۲۳۳ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ لوگ مجھ کو سخت مشہور کرتے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آخر کیا سختی کرتا ہوں۔ نفس کو تو اپنی صفات کا علم حضوری ہوتا ہے پھر مجھ سے یہ علم کیوں غائب ہے البتہ اگر اصلاح اور تربیت کی تدابیر اور تجاویز کا نام سختی ہے سو یہ مقصود تو بدون عرفی سختی کے غیر ممکن ہے۔

ملفوظ نمبر ۲۳۴ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس طریق میں محض اپنی رائے پر عمل کرنے سے راستہ طے نہیں ہو سکتا اس میں سخت ضرورت ہے کسی کامل کے سرپر ہونے کی اور بدون کسی کامل کی رائے کے اپنی رائے سے عمل کرنا مناسب نہیں۔ اور آپ جو کہہ رہے ہیں کہ کتابوں میں سب کچھ ہے تو یہ میں آپ کو بتلائے دیتا ہوں کہ کتاب سمجھنا بھی طبیب ہی کا کام ہے مریض کا کام نہیں۔ آخر طب کی کتابوں سے علاج کیوں نہیں کر لیتے جو وہاں مانع ہے وہی یہاں سمجھو۔ اس میں اور اُس میں فرق کیا ہے وہ طب جسمانی ہے۔ یہ طب روحانی ہے وہی تشخیصات تجویزات اس میں ہیں وہی تشخیصات اور تجویزات اس میں۔ اسی لئے میں اس پر ایک خاص تفریع کرتا ہوں وہ یہ کہ مشائخ کے یہاں جو ذکر و شغل مراقبہ وغیرہ معمول ہیں یہ سب تدابیر کے درجے میں ہیں مقصود نہیں البتہ مقصود کے معین ہیں اس سے آگے اس کا درجہ نہیں تو جیسے طبیب جسمانی کی تدابیر مباحہ کو کوئی عاقل خواہ وہ مقلد ہو یا غیر مقلد بدعت نہیں کہتا اسی طرح طبیب روحانی شیخ کامل اہل حق کی تدابیر مباحہ کو کوئی بدعت نہیں کہہ سکتا۔ باقی کسی کو اہل طریق سے عناد اور بغض ہی ہو تو اس کا علاج کسی کے پاس نہیں۔

ملفوظ نمبر ۲۳۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں جس وقت کانپور سے آیا کچھ مقروض تھا میں نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے دعا کے لئے عرض کیا حضرت نے دعاء کے علاوہ شفقت کی راہ سے استفسار فرمایا

کہ مدرسہ دیوبند میں ایک تدریس کی ملازمت ہے اگر کہو تحریک کروں. مجھ کو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حکم تھا کہ اگر کبھی کانپور سے دل برداشتہ ہو تو اور کہیں تعلق مت کرنا تھانہ بھون ہی میں قیام کرنا تاکہ اللہ کی مخلوق کو نفع پہونچے. میں نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت کا یہ ارشاد ہے لیکن اگر آپ حکم دیں تو میں اس کو بھی حضرت ہی کا حکم سمجھوں گا اور یہ سمجھوں گا کہ حضرت کے دو حکم ہیں ایک مقدم ایک مؤخر تو میں پہلے کو منسوخ اور دوسرے کو ناسخ سمجھوں گا. باقی اس وقت تو مقصود دعا کرانا تھا یہ سن کر حضرت پر ایک حالت طاری ہو گئی اور فرمایا کہ نہیں نہیں اگر حضرت کا حکم ہے تو پھر خلاف نہ کرنا چاہیئے. اور میں دعاء کروں گا چنانچہ بحمد اللہ قرض ادا ہو گیا۔

اسی سلسلہ میں ترکِ ملازمت مدرسہ کانپور کے واقعہ کا ذکر فرمایا کہ میں کانپور میں نہایت دلچسپی سے رہتا تھا. جب حضرت ؒ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کبھی کانپور سے دل برداشتہ ہو تو اور کہیں تعلق مت کرنا وطن ہی میں رہنا. بہت خوش ہوا کہ حضرت نے حکم جازم نہیں دیا دل برداشتگی پر معلق فرمایا سو میں کیوں دل برداشتہ ہوں گا مگر مجھ کو معلوم نہ تھا کہ جب حضرت کا دل وطن کی اقامت کو چاہتا ہے تو حسب قول مولانا ؎

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں می دہد یزداں مراد متقیں

ضرور دل برداشتہ ہو گا۔ چنانچہ چند ہی روز میں بلا کسی سبب ظاہری کے قیام کانپور سے وحشت ہوئی اور وطن کا عزم کیا لیکن یہ اندیشہ تھا کہ مدرسہ نہ ٹوٹ جاوے اس لئے میں نے اس کے بقاء و استحکام کا خاص انتظام کیا وہ یہ کہ اول تو قلت آمدنی مدرسہ کے بہانہ سے تنخواہ چھوڑ دی پھر اپنا لقب مدرس اول سے سرپرستِ مدرسہ رکھا اور مدرس دوم کو مدرس اول بنایا اور میں مدرسہ کا جو انتظامی کام مدرس اول ہونے کی حالت میں کرتا تھا وہ جدید مدرس اول کے سپرد کیا اور میں نے کہا کہ دستخط میرے نام کے ہوا کریں۔ انتظامی کام اس طرح چلتا رہا. پھر خیال ہوا کہ میرے جانے سے میرے اسباق متعلقہ میں خلل نہ پڑے۔ مدرسہ میں طلباء کی ایک جماعت ایسی تھی کہ جن کی کتابیں ختم ہونے والی تھیں ان کے اسباق اپنے متعلق کر لئے کیونکہ ان کی کتابیں ختم ہونے کے بعد ان اسباق کا سلسلہ ہی بند ہو جاوے گا جب کتابیں ختم ہو گئیں تو میں نے مدرسہ والوں سے کہا کہ میں رخصت پر وطن جا کر چندے آرام کروں گا. اور یہ سب انتظام سب سے مخفی کر کے اور کام کے سب شعبوں کو بدون اپنے دخل کے چلتا ہوا دیکھ کر مطمئن ہو کر وطن روانہ ہو گیا وطن کا اتنا اشتیاق تھا کہ جس وقت گاڑی چھٹی تو اس وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ اللہ کا شکر ہے کہ جیل خانہ سے چھٹی ملی۔ پھر وطن پہنچ کر مدرسہ کی خبریں منگاتا رہا جب ہر پہلو سے مطمئن ہو گیا تب مدرسہ میں لکھ بھیجا کہ اب نہ آؤں گا اور حافظ کا یہ شعر لکھ دیا ؎

از قال و قیل مدرسہ حالے دلم گرفت یک چند نیز خدمتِ معشوق می کنم

اس کے بعد میں نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ کو سب واقعہ لکھ دیا۔ حضرت نے مجھ کو لکھا کہ کانپور والوں کا بھی حق ہے وہاں آتے جاتے رہنا چنانچہ مدت تک آنا جانا بھی رہا پھر سفر ہی منقطع ہو گیا۔

ملفوظ ۳۶۷ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آج کل ڈاکٹر اور طبیبوں نے کچھ مرکبات ایجاد کی ہیں اور اپنی اصطلاحات میں ان کے مختلف نام رکھ لئے ہیں تاکہ دوسری جگہ نہ مل سکیں اور اس میں معمولی معمولی چیزوں کی قیمت

بڑی بڑی لیتے ہیں اور یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس میں ہے کیا؟ فرمایا کہ میرے بھائی منشی اکبر علی مرحوم کے ملنے والے ایک ڈاکٹر تھے۔ ان کی ایک بچی بیمار ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب سے ذکر کیا انہوں نے ایک چھوٹی سی شیشی دوا کی دی اور غالباً بارہ آنے اس کی قیمت لی پھر بعد میں بھائی مرحوم کو تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ چونے کا پانی تھا اور اس میں کوئی اور چیز بھی نہ تھی۔ بھائی مرحوم نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ ملنے کا یہی حق ادا کیا۔ اس پر جواب دیا کہ ہمارا تو پیشہ ہی یہ ہے اور یہ بھی اقرار کیا کہ یہ چونے کا پانی تھا۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ اپنے کسی استاذ الاساتذہ سے نقل فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی کو دین کا بنانا ہو اور دنیا سے کھونا ہو تو اس کو درویشوں کے سپرد کر دے اور اگر دنیا کا بنانا ہو دین سے کھونا ہو تو طبیبوں کے سپرد کر دے ان کو اکثر دوا کی تجویز میں بھی اور بعض کو اس کی تجارت میں بھی حلال و حرام و جائز ناجائز کی احتیاط نہیں رہتی اور اگر دونوں سے کھونا ہو تو شاعروں کے سپرد کر دے۔ میں نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت ایک صورت رہ گئی کہ اگر دونوں کا بنانا ہو فرمایا یہ نہیں ہو سکتا۔

۱۶ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم چہار شنبہ

ملفوظ ۳۷ ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ لوگ مجھ کو سخت بتلاتے ہیں۔ محض اس لئے کہ اصلاح کے باب میں غلطیوں پر روک ٹوک کرتا اور متنبہ کرتا ہوں۔ فلاں صاحب دریا آبادی بہت رحمدل ہیں بعض غلطیوں پر تسامح کی رائے دیتے تھے۔ میں نے ان کو شیخ اکبر کا رسالہ آداب الشیخ والمریدین دکھلایا۔ دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ تو آپ سے بھی بہت آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ ہی دیکھ لیجئے کہ میں سخت ہوں یا نرم کہنے لگے کہ ان کے مقابلہ پر تو آپ ہی بہت نرم ہیں۔ اسی سلسلہ میں اسی رسالہ کے تعلق سے فرمایا کہ میں پہلے یہ سمجھتا تھا کہ شیخ اکبر پر عارف ہونے کی شان شیخ ہونے کی شان پر غالب ہے مگر اس رسالہ میں اس قدر آداب طرق کے لکھے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے زبردست شیخ اور تربیت میں منتظم ہیں اور بڑے اہتمام سے تربیت و اصلاح کا کام فرماتے ہیں۔ باقی آج کل تو زیادہ دکانداری رہ گئی ہے یا جو دکاندار نہیں ان کے یہاں محض اوراد اور وظائف ہیں۔ بہر حال اصلاح مقصود ہے۔ یہ تو شیخ کے ذمہ مرید کے حقوق ہیں۔ اور کچھ نذرانہ اور ہدیہ دے دیا چہ مرید کے ذمے شیخ کے حقوق ہیں چلو چھٹی ہوئی۔ انا للہ۔

ملفوظ ۳۸ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک مولوی صاحب میرے دوست کہہ رہے تھے کہ رنگون میں حاجی محمد یوسف صاحب نے میرے مسلک کے متعلق کہا کہ اس کی تمام تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں بھی راحت سے رہو اور وہاں بھی۔ واقعی میرے تمام مسلک اور تعلیم کا خلاصہ بیان کر دیا۔ عجیب حکمت کی بات کہی حالانکہ لکھے پڑھے نہ تھے۔ ادھر

جس کو چاہیں حکمت عطاء فرما دیں۔ کچھ لکھنے پڑھنے پر موقوف نہیں جیسے ایک عامی شخص سے ایک حکمت کی بات سنی ہوئی اور یاد آئی۔ میں ایک مرتبہ ریل میں سفر کر رہا تھا۔ تیسرا درجہ تھا اس میں کچھ گاؤں کے لوگ آپس میں بیٹھے ہوئے تحریکات حاضرہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ سب اپنی اپنی کہہ رہے تھے۔ ایک شخص خاموش حقہ پی رہا تھا۔ جب سب کچھ کہہ چکے تب اس نے کہا کہ بھائی تم سب کہہ چکے ایک بولا ہاں کہہ چکے۔ تو کہہ کیا کہے ہے کہنے لگا کہ ہماری سمجھ میں تو یہ آیا ہے کہ ایک رہو اور نیک رہو۔ پھر تمہارا (گالی دے کر کہا) کوئی کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔ دیکھ لیجئے دو جملوں میں شریعت کے تمام احکام سیاسیہ کا خلاصہ بیان کر گیا اگر یہ کسی مولانا یا مجتہد کا کلام ہوتا تو تحسین کا شور مچ جاتا کہ لب لباب ہی بیان کر دیا یہ بیچارہ ایک گاؤں کا تھا اس کی کچھ بھی کوئی قدر نہیں کرتا۔ بعض لوگ سلیم الطبع اور فہیم ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ میں لکھنؤ گیا ہوا تھا۔ یکہ میں سوار ایک طرف سے گذر رہا تھا دیکھا کہ ایک مقام پر کچھ لوگ جمع ہیں باجا بج رہا ہے۔ میں نے یکہ والے سے پوچھا کہ یہ کیسا ہنگامہ ہے۔ کہا کہ یہ کمپنی ہے اس میں تماشہ ہوتا ہے معلوم ہوا تھیٹر تھا۔ میں نے اس شخص سے پوچھا کہ تم بھی تماشہ دیکھا کرتے ہو کہا کہ جی ہاں میں بھی دیکھا کرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ کیوں اپنا پیسہ فضول برباد کرتے ہو اور گنہگار ہوتے ہو۔ کہنے لگا اجی پہلے سن تو لو۔ میں ایک غریب آدمی ہوں جو کچھ کماتا ہوں اس میں کا ایک حصہ آمدنی کا بچاتا ہوں اس کو خرچ نہیں کرتا جب اس کی مقدار کافی ہو جاتی ہے اس سے چاندی یا سونا خرید کر زیور بنوا کر بیوی کو پہنا کر اس کو دیکھ لیتا ہوں۔ یہ میرا تماشہ اور تھیٹر ہے۔ مجھ کو یہ سن کر بڑا ہی تعجب ہوا کہ لکھنؤ جیسی لہو و لعب کی جگہ میں ایسا سلیم الطبع شخص بھی موجود ہے۔ میں نے کہا کہ بھائی تیرا تھیٹر اور تماشہ سب سے بڑھا ہوا ہے ایک تو روزانہ دیکھنے میں آتا ہے پھر بلا فیس نئی فیس کچھ دینا ہی نہیں پڑتی پھر اپنے قبضہ میں اور کوئی گناہ نہیں۔ ہر طرح جائز۔ بعض فطرتیں ہی سلیم ہوتی ہیں۔ اس کی اس بات سے بڑا ہی جی خوش ہوا۔

ملفوظ نمبر ۷۳۹ ایک مولوی صاحب سے بسلسلہ گفتگو حضرت والا نے فرمایا کہ یہ قادیانی شب و روز بہکانے ہی کے سر رہتے ہیں۔ ہر ہر شخص اپنے عقائد اور مذہب کی تبلیغ جدا جدا کرتا ہے۔ ان اہلِ باطل کے پاس وقت اور سرمایہ تبلیغ کے لئے کافی ہے۔ اہلِ حق بیچاروں کے پاس نہ اتنا وقت ہے اور نہ ان کے پاس سرمایہ اور سب میں بڑی بات یہ ہے کہ ان میں غفلت بھی ہے کسی کام کی طرف توجہ نہیں۔ بیداری نہیں اور یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر لوگ ان کی کس بات پر معتقد ہو جاتے ہیں۔ ان کی کوئی بات بھی تو قابل کشش کے نہیں۔ خصوص ان انگریزی خوانوں کو زیادہ قادیانی ہوتے سنا اور دیکھا یا تو ان کے دماغوں کی یہ حالت ہے کہ اللہ پر اعتقاد نہیں رسول پر اعتقاد نہیں احکام اسلام پر ہزاروں شبہات اعتراضات۔ اور یا معتقد ہوئے تو قادیانی کے بجز اس کے کچھ نہیں کہ مسخ ہو گئے ہیں۔ ایسے لوگوں میں پہلے ہی سے ایمان نہیں ہوتا اگر یہ قادیانی بھی نہ ہوتے تب بھی ایمان سے کورے ہی تھے فرق صرف اتنا ہی تھا کہ ایمان کا نہ ہونا پہلے مخفی تھا اس سے ظاہر ہو گیا اور کوئی نئی بات نہیں ہوئی۔ پھر ان کے شغف تبلیغ کی ایک حکایت بیان کی کہ میں جس وقت کانپور میں تھا ایک شخص مجھ سے آ کر ملا میں نے پوچھا آپ کیا کام کرتے ہیں کہا کہ میں دابۃ الارض کے محکمہ میں ملازم ہوں۔ اول مرتبہ میں تو میں سمجھا ہی نہیں۔ تھا حیرت ہوئی کہ یہ کونسا نیا محکمہ اضافہ ہوا ہے۔ بعد میں سمجھ میں آیا کہ یہ قادیانی ہے ریل کو دابۃ الارض کہتا ہے۔ ریلوے کے محکمہ میں گارڈ تھا۔ مجھ کو بڑی نفرت ہوئی کہ ان لوگوں میں تہذیب بھی نہیں جواب

میں بھی شرارت ہے اس کا مطلب یہ تھا کہ مجھ کو تبلیغ کی۔ پھر ان کی عملی تبلیغ کی ایک حکایت بیان فرمائی کہ یہاں قصبہ کی پولیس میں ایک قادیانی سب انسپکٹر تھے وہ اپنا شکار کیا ہوا اور اپنے ہی ہاتھ سے ذبح کیا ہوا لوگوں کے پاس بھیجا کرتے تھے مجھ کو معلوم ہوا وہ میرے پاس بھی کبھی آیا کرتے تھے آدمی مہذب تھے۔ میں نے ان سے صاف کہہ دیا کہ آپ اپنے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا شکار قصبہ میں کسی کو نہ بھیجا کریں اس کا کھانا ہم لوگوں کو جائز نہیں۔ میں یہ گمان کرتا تھا کہ شاید میرے اس کہنے کے بعد خفا ہو جائیں اور خیال کریں کہ ہم کو کافر کہا مگر بظاہر تو برا مانا نہیں باطن کا حال اللہ کو معلوم ہے اور مجھ سے وعدہ کیا کہ بہت اچھا اب کبھی ایسا نہ ہوگا۔ مطلب اس واقعہ کے بیان کرنے سے یہ بھی ہے کہ تہذیب بھی کوئی چیز ہے۔ اہل باطل اکثر بد تہذیب ہوتے ہیں مگر یہ تھانہ دار معلوم نہیں کس طرح ان کے پھندے میں پھنس گئے تھے ویسے تو مہذب اور طبیعت کے سلیم معلوم ہوتے تھے ورنہ اکثر لوگ تو شریر ہی ہوتے ہیں۔ ہر وقت دل میں شرارت ہی بھری رہتی ہے۔

۱۷ / رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم پنجشنبہ

ملفوظ ۷۴۷ ایک نو وارد صاحب نے حضرت والا کی خدمت میں ایک پرچہ پیش کیا۔ حضرت والا نے پرچہ ہاتھ میں لیتے وقت دریافت فرمایا کہ پہلے تو یہ بتلایئے کہ آپ کہاں سے آئے اور غرض آنے کی کیا ہے عرض کیا کہ فلاں مقام سے آیا ہوں۔ اور زیارت کی غرض سے حاضر ہوا۔ حضرت والا نے پرچہ کو ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ جو پرچہ میں لکھا ہے میں تو ان کاموں کو جانتا نہیں اور آپ نے پہلے ہی صاف بات کیوں نہ کہہ دی کہ اس کام کو آیا ہوں۔ زیارت کو بھی کیوں بدنام کیا۔ کیا ایسی باتوں میں تم لوگوں کو کچھ مزا آتا ہے۔ جو کام آپ نے پرچہ میں لکھا ہے یہ کام عاملوں کا ہے۔ ہاں میں دعاء کروں گا۔ دعاء سے انکار نہیں۔ میرے بہت سے دوست جن سے خصوصیات کے تعلقات ہیں۔ ایسی پریشانیوں میں مبتلا ہیں جیسی پریشانی آپ نے پرچہ میں لکھی ہے ان کا مجھ پر زیادہ حق ہے اگر ایسے عملیات مجھ کو معلوم ہوتے تو وہ اس کے زیادہ مستحق تھے۔ اور میاں ان خزینوں اور دفینوں کی بدولت بہت لوگ تباہ و برباد ہو گئے۔ تم کہاں اس چکر میں پڑے ہو کس نے بہکا دیا۔ کیوں وقت اور روپیہ برباد کرتے پھرتے ہو دفینہ تو کیا ملے گا جو کچھ پہلے سے پاس ہے وہ بھی دے بیٹھو گے۔ یہ سن کر وہ صاحب السلام علیکم کر کے چل دیئے اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ زیارت کیلئے آئے تھے۔ کہتے تھے کہ میں زیارت کو آیا ہوں۔ جب دفینہ کا پتہ نہ چلا خود بھی غائب ہو گئے۔ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں خود اپنے دفن کا وقت قریب ہے مگر دفینہ کے نکالنے کی فکر میں پھر رہے ہیں۔ بس حب دنیا قلب میں بھری ہے۔ توکل قناعت جو ایک ایمان والے کی شان ہے اس کا لوگوں میں نام و نشان نہیں رہا۔ جس کو دیکھو دنیا کی جستجو اور تلاش میں۔ ہاں بقدر ضرورت فکر معاش

کی ممانعت نہیں مگر یہ صورت کر دفینے ڈھونڈتے پھریں بالکل توکل اور قناعت کے منافی ہے۔ اب لوگ کہتے ہیں کہ نرمی کا برتاؤ کرو۔ نرمی تو یہ بھی کہ ان کو دفینے نکالنے کے لئے وظائف بتلا دیتا تو یہ خوش ہو جاتے۔ نہیں بتلایا تو خفا ہو کر چلے گئے شکایت کرتے پھریں گے۔ بھلا کس طرح تمام مخلوق کو راضی رکھ سکتا ہوں اور ایسے بدفہموں کا تو ناراض ہو کر جانا ہی مناسب ہے اور وں سے جا کر کہے گا اور ایسے بدفہم یہ سن کر نہ آئیں گے۔ نجات ہوگی۔

ملفوظ نمبر ۴۱ ؎ ایک صاحب نے حاضر ہو کر کھڑے ہی کھڑے تعویذ کی درخواست کی حضرت والا نے فرمایا کہ میاں بیٹھ کر کہو جو کہنا ہو۔ کھڑے ہو کر کہنے سے دوسرے کے قلب پر بار ہوتا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اپنے سب کاموں کو چھوڑ کر پہلے ہمارا کام کرو۔ کیا تم نے دیکھا نہ تھا کہ میں دوسرے کام میں مشغول تھا اس سے فارغ ہو جانے پر کام ہو سکتا تھا۔ لوگوں کی خصلتیں ایسی بگڑی ہیں سمجھتے ہیں کہ اپنی فرصت کے وقت دوسرے کو بھی فرصت ہوگی یہ فرما کر حضرت والا پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے (ایک خاص مضمون کی تلاش کتابوں میں فرما رہے تھے) پھر اس سے فارغ ہو کر فرمایا کہ بعض کام ایسا ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں ہو سکتا ہے اور اس کے درمیان میں دوسرا کام ہو نہیں ہو سکتا۔ اب مقامات مقصودہ پر نشانات بنا دئے ہیں اب دوسری طرف توجہ کرنے سے انتشار نہ ہوگا۔ ہاں انتظار رہو گا کہ اس کام سے فارغ ہو کر اس کو کرنا ہے۔ یہ بھی تو بات ہے کہ انتشار کی حالت میں دوسرا کام ہونا بھی نہیں جس کو کام کرنا کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو تکلیف انتشار کی ہوتی ہے وہ انتظار کی نہیں ہوتی۔ اور یہ تو میرا احسان ہے کہ میں اپنا کام چھوڑ کر درمیان میں دوسروں کا کام کر دیتا ہوں ورنہ جب میں اس وقت کام کر رہا تھا صاف کہہ دیتا کہ مجھ کو اس وقت فرصت نہیں۔ آخر کچہری میں جاتے ہیں گھنٹوں انتظار میں رہتے ہیں۔ پھر بعض اوقات اس پر بھی کام نہیں ہوتا۔ تاریخ ہو جاتی ہے دوسری بار جاتے ہیں پھر تاریخ۔ تیسری بار جاتے ہیں پھر تاریخ۔ اور یہاں ایک منٹ کا انتظار بھی بار ہے۔ تقاضے کی ہیئت بناتے ہیں آخر جس کے پاس جائے اور اس سے اپنا کام بھی لے تو اس کی راحت اور فرصت کا بھی تو خیال کرنا چاہیئے۔ خصوص ان تعویذ گنڈوں کے بارے میں تو میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ کے حکم سے مجبور ہوں۔ حضرت نے یہ فرما دیا تھا کہ جو آیا کرے اس کو تعویذ وغیرہ دے دیا کرنا ورنہ مجھ کو تو ان تعویذ گنڈوں سے وحشت ہوتی ہے اور طبیعت الجھتی ہے۔ دوسرے اس کام میں پڑنے سے دوسرے کام نہیں ہو سکتے اس طرف اگر متوجہ ہو جائے تو عوام کا ایک اژدہام ہو جائے جو کسی وقت بھی فرصت نہ لینے دے۔ اور سب کام بند ہو جائیں۔

۱۸ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز جمعہ

ملفوظ نمبر ۴۲ ؎ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اصلاح اور تربیت کا باب بڑا ہی نازک اور باریک مسئلہ ہے

اس کے لئے تا ہر فن کی ضرورت ہے بدون ماہر فن کے طالب ہر او ل فضولیات کا شکار بنا رہتا ہے، نہ راہ پاتا ہے اور نہ مطلوب اور مقصود تک رسائی ہوتی ہے۔ غیر مطلوب۔ غیر مقصود میں ساری ساری عمریں خراب اور برباد ہو جاتی ہیں اور حقیقت کا پتہ تک نہیں چلتا۔ غرضکہ شیخ کامل کے سر پر ہونے کی ضرورت ہے وہ اس راہ کا واقف ہوتا ہے وہ ہر شخص کی حالت کے مطابق تعلیم کرتا ہے۔ سب کو ایک لکڑی نہیں ہانکتا کیونکہ ہر ایک کی طلب جدا۔ مذاق جدا ہوتی جدا۔ فہم جدا۔ عقل جدا۔ جب ہر شخص کے ساتھ جدا معاملہ ہوتا ہے تو بعض لوگ جو ایسا کرتے ہیں کہ ایک خط میں دو شریک ہو کر اپنے حالات لکھ دیتے ہیں ان کی غلطی ثابت ہو گئی اسی لئے میں لکھ دیتا ہوں کہ الگ خط میں حالات لکھو تب جواب دوں گا اس پر مجھ کو بدنام کرتے ہیں کہ مزاج میں درشتی ہے۔ اصولی بات کو مزاج کی درشتی سمجھتے ہیں میں کہا کرتا ہوں کہ تین نقطے اس میں سے الگ کر دو یعنی درستی ہے۔ اختلاف معاملہ کی وجہ سے اس کی ایسی مثال ہے کہ اگر ایک قبر میں چند مردے دفن کر دیے جائیں تو کیا منکر نکیر ایک ہی ساتھ سب سے سوال و جواب کریں گے۔ یا جدا جدا۔ ظاہر ہے کہ چونکہ ہر شخص کے ساتھ اس کی حالت کے مناسب جدا معاملہ ہے اس لئے دونوں سے یکے بعد دیگرے سوالات کریں گے بس ایسا ہی یہاں سمجھنا چاہیئے بلکہ میرا تو اصلاحی گفتگو کے علاوہ دوسری گفتگو میں بھی یہی معمول ہے کہ ایک وقت میں مخاطبت ایک ہی شخص سے کرتا ہوں۔ اگر چند آدمی خطاب کرنا چاہیں میں کہہ دیتا ہوں کہ گفتگو کے لئے ایک صاحب کو منتخب کر لیا جائے۔ پھر دوسرے خواہ ان کی مدد کریں مگر مجھ سے ایک ہی صاحب خطاب کریں۔ یہ بالکل خلاف اصول ہے کہ ایک داہنے سے بول رہا ہے اور ایک بائیں سے ایک سامنے سے ایک پیچھے سے خواہ مخواہ انتشار ہوتا ہے۔ ہر چیز قاعدہ اور اصول ہی سے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ فرمایا کہ منکر نکیر کے سوال پر استطراداً ایک حکایت یاد آئی۔ اس پر ایک مفید تفریع بھی ذہن میں آ گئی اس کو بیان کرتا ہوں۔ ایک شخص نے ایک مولوی صاحب سے وعظ میں سنا کہ قبر میں اس طرح عذاب ہوتا ہے اس طرح دو فرشتے منکر نکیر سوال کرتے ہیں اس کو خیال ہوا کہ دیکھنا چاہیئے ایک روز یہ شخص قبرستان پہنچا اور ایک شکستہ قبر میں چادر اوڑھ کر لیٹ گیا کہ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ اتفاق سے ایک سپاہی کا اس قبرستان کے پاس کو گذر ہوا جو گھوڑی پر سوار تھا۔ یہاں پہونچ کر گھوڑی کے بچہ پیدا ہو گیا۔ اب سپاہی پریشان تھا کہ گھوڑی کا بچہ گاؤں تک کس طرح لے جاؤں۔ اِدھر اُدھر کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا کہ ایک قبر میں سے کچھ آہٹ سی معلوم ہوئی اور سانس کی بھی آواز معلوم ہوئی۔ سپاہی لوگ ڈرتے کم ہیں قبر کے پاس جا کر دیکھا تو ایک شخص چادر اوڑھے لیٹا ہے۔ سپاہی نے ڈانٹ کر کہا کہ کون لیٹا ہے۔ باہر نکل باہر آ۔ اس سپاہی نے ایک چابک اس کے رسید کیا اور کہا کہ یہ گھوڑی کا بچہ گردن پر رکھ اور گاؤں تک پہونچا گھوڑی کا بچہ لاکر گاؤں تک لے گیا اس سپاہی نے غریب سمجھ کر دو آنے پیسے دے دیئے۔ اپنے گھر آیا اور مولوی صاحب کے پاس پہونچا۔ سلام کے بعد کہا کہ مولوی جی تم نے چھوٹی سی بات کو اس قدر طول دے دیا۔ میں آج ہی امتحان کر کے آ رہا ہوں۔ میں قبرستان پہونچا اور ایک قبر میں لیٹ گیا وہاں فرشتے وغیرہ کچھ بھی نہیں آئے۔ مزاحاً فرمایا کہ نہ منکر آئے نہ حرف نہ سوال نہ جواب۔ نہ دوزخ کی کھڑکی نہ جنت کی نہ سانپ نہ بچھو۔ صرف ایک بہت ہی ہلکا سا قصہ ہوا وہ یہ کہ ایک سپاہی آتا ہے وہ ایک ڈانٹ دیتا ہے

پھر باہر نکلنے کو کہتا ہے۔ باہر آجانے پر ایک چابک مارتا ہے گو اس سے تکلیف ہوتی ہے لیکن وہ قابل تحمل ہے آدمی برداشت کرسکتا ہے پھر ایک گھوڑی کے بچے کو گردن پر رکھوا کر گاؤں لے جاتا ہے اور دو آنے پیسے دیتا ہے۔ بس اتنا واقعہ ہے جس کو تم نے اس قدر بڑھا رکھا ہے اور لوگوں کو ڈرا رکھا ہے پھر تفریحاً فرمایا کہ یہ تو ایک ہنسی کی حکایت ہے لیکن اس کی ایک نظیر ہے وہ یہ کہ جیسے اس شخص نے عذاب قبر اور سوال و جواب کی تفسیر سمجھی۔ ایسے ہی آج کل کے عقلاء قرآن کو اپنے زمانہ کے واقعات پر منطبق کرکے قرآن و حدیث کی تفسیر کرتے ہیں۔ جس کی حقیقت اس سے کم نہیں جیسا اس شخص نے قبر کے معائنہ کو سمجھا۔

ملفوظ ۳۴۳ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تجربہ اور چیز ہے اور عقل اور چیز ہے۔ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں آج کل لوگ ناواقفیت کی وجہ سے دونوں کو ایک سمجھتے ہیں جو سخت دھوکہ اور غلطی ہے۔ دیکھو وائسرائے کو شاید یہ بھی خبر نہ ہو کہ گیہوں کس موسم میں بویا جاتا ہے تو اس کو قلت تجربہ کہیں گے نہ کہ قلت عقل۔ اور گاؤں کا جاہل کاشتکار جانتا ہے تو کیا اس کو یہ کہا جائے گا کہ یہ وائسرائے سے بھی زیادہ عاقل ہے ہرگز نہیں۔ ایسے ہی یہاں سمجھ لیجئے کہ علماء کو دنیا کی بعض باتوں کا تجربہ نہیں ہوتا۔ تجربہ نہ ہونے کو قلت عقل کیسے کہا جاسکتا ہے۔ اور میں معترض صاحب سے ہی پوچھتا ہوں کہ آپ کو کپڑا بننا آتا ہے۔ کپڑا سینا آتا ہے۔ کپڑا رنگنا آتا ہے کپڑا دھونا آتا ہے جواب میں یہی کہا جائے گا نہیں تو پھر اس سے لازم آوے گا کہ ایک جولاہہ ایک درزی ایک رنگریز ایک دھوبی کی برابر بھی آپ کو عقل نہیں۔ اس کا جو جواب تم ہم کو دو گے وہی ہماری طرف سے خیال کرلیا جائے۔

ملفوظ ۳۴۴ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض عقل کے دشمن یہ سمجھتے ہیں کہ جس کا لباس انگریزی۔ کوٹ پتلون بدلد ہیٹ ہو تو وہ قابلیت رکھتا ہے اور جو سادہ وشرعی لباس رکھتا ہو وہ کم عقل ہوتا ہے گویا لباس قابلیت وعدم قابلیت کا معیار ہے۔ اس کا ایک واقعہ ہے وہ یہ کہ میں ایک مرتبہ بجیت اور علماء کے شملہ میں مدعو کیا گیا۔ اپنی وہی سادہ وضع تھی۔ کرتہ ٹوپی پائجامہ۔ نہ عمامہ نہ چوغہ نہ ٹیکا۔ بعد نماز جمعہ میں بیان کرنے کھڑا ہوا تو ایک صاحب نے کرنل عبدالمجید خاں سے جن کے نام سے وعظ کا اعلان شائع ہوا تھا کہا کہ یہ آپ کے علماء کا لباس کیسا ہے جیسے پاخانہ سے نکل کر آئے ہوں انہوں نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ اس وقت تو بیان شروع ہوگیا وعظ کے بعد کہئے۔ جب وعظ ہوچکا اب وہ صاحب کچھ نہیں بولتے۔ کرنل صاحب نے کہا اب کہئے کیا کہتے تھے۔ کہنے لگے میری حماقت تھی میں سمجھا تھا جیسا لباس ہوتا ہے ویسی ہی لیاقت ہوتی ہے مگر بیان سن کر اپنی حماقت کا علم ہوا۔ یہ بات میرے کان میں بھی پہونچی تھی۔ اتفاق سے ایک دوسرے جلسہ میں بھی میری ہی تقریر تھی جب میں تقریر پر کھڑا ہوا تو میں نے کہا کہ صاحبو مجھ کو معلوم ہوا کہ بعض حضرات کی یہ رائے ہے کہ واعظوں کو اچھا لباس قیمتی پہن کر وعظ کہنا چاہیئے تاکہ لباس سے واعظ کی وقعت ہو اور اس کی وقعت سے وعظ کی وقعت اور اس سے سامعین پر اثر ہو۔ میں نے کہا کہ بہت اچھی نیت سے یہ رائے دی گئی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ قیمتی لباس آئے کہاں سے۔ ظاہر ہے کہ بدون بڑی رقم کے تو آ نہیں سکتا۔ اب یہ رقم کہاں سے آئے۔ سو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو بالکل ہمارے تمہارے ناجائز ہے۔ تمہارے نزدیک تو عقلاً ہمارے نزدیک شرعاً وہ یہ کہ ہم وعظ کے بعد یہ اعلان کریں کہ صاحبو!

فلاں اسٹیشن پر ہمارا بیگ اٹھ گیا۔ ہماری مدد کرو۔ اور دوسری صورت جو آپ کے نزدیک جائز اور ہمارے نزدیک شرعاً ناجائز وہ یہ ہے کہ ہم بڑے بڑے عہدے حاصل کریں جن کی بڑی بڑی تنخواہ ہو سو یہ دونوں صورتیں تو ہم اختیار کر نہیں سکتے اب صرف ایک تیسری صورت رہ گئی وہ یہ کہ ہر جگہ کے مسلمان خاص خاص علماء کے وعظ کہنے کیلئے قیمتی وردی بنا کر رکھ لیں اور وعظ کہنے کے وقت وہ وردی واعظ کو پہنا دی جایا کرے اب میں منتظر ہوں کہ وہ کون صاحب ہیں جو اس کا انتظام کریں گے اور اگر ایسا نہ کریں تو پھر ایسی رائے دے کر ڈوب مریں پھر کسی نے دم نہیں مارا اور اسی سلسلہ میں شملہ ہی کے ایک اور واقعہ کو بیان فرمایا کہ وہاں کے بعض معززین تعلیم یافتہ صاحبوں نے مولانا انور شاہ صاحب سے کہ وہ بھی اسی سفر میں تھے اعجاز قرآن پر بیان کرنے کی فرمائش کی چنانچہ بیان کیا گیا مضمون غامض تھا وہ لوگ بھی نہیں سمجھے پھر اس پر اعتراض کیا گیا کہ ایسے بیان سے کیا نفع جب سمجھ میں ہی نہیں آیا یہ بیان تو مدرسہ دیوبند میں بیٹھ کر کرنا تھا اس کا جواب بھی وعظ میں میں نے ہی دیا کہ شاہ صاحب نے جو ایسا بیان کیا ہے وہ اضطراراً نہیں کہ سہل بیان پر قادر نہیں بلکہ ایک مصلحت سے قصداً بیان کیا ہے اور وہ مصلحت یہ ہے کہ آج کل مدعیان علم بہت زیادہ پیدا ہو گئے ہیں اور اجتہاد کا دروازہ کھل گیا ہے جتنے کہ انگریزی پڑھ پڑھ کر قرآن و حدیث کا اردو ترجمہ دیکھ کر علوم میں دخل دینے لگے ہیں تو شاہ صاحب نے دکھلا دیا ہے کہ تم اہل علم کے کلام کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔ چہ جائیکہ قرآن و حدیث اجتہاد کر سکو۔ بتلایئے اس بیان سے کیا یہ نفع تھوڑا ہوا کہ تم اپنے جہل پر اطلاع ہو گئی۔ سب شرمندہ ہو گئے مجھ کو جاہلوں کا علماء پر اعتراض کرنا بھی ناگوار ہوتا ہے اس لئے بھی یہ جواب دیا گیا اسی سلسلہ میں کہ علماء پر عوام کے ایک اعتراض کا جواب دیا گیا ایک قصہ اور بیان فرمایا کہ قصبہ بگھرہ میں ایک مدرسہ کا جلسہ تھا وہاں کے منتظمین نے پنڈال بنایا جس میں روپیہ زیادہ صرف کیا اور علماء کی آمد پر جھنڈیوں سے استقبال کا سامان کیا اس پر دیوبند کے مہمان علماء نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور واپس چلے گئے۔ اس پر ایک قصبہ کے رہنے والے نے میرے سامنے اعتراض کیا کہ جس وقت مدرسہ دیوبند میں لفٹنٹ گورنر آیا تھا اس کی آمد پر ایسے ہی تکلفات کئے گئے تھے۔ حیرت کی بات ہے کہ ہم علماء کا اگر اکرام کریں وہ تو ناجائز اور انگریز کا اکرام جائز میں نے کہا کہ ضیف کا جو اکرام ہوتا ہے اس ضیف کے مذاق کے موافق ہوتا ہے۔ وہاں مہمان ایک انگریز تھا ان کا مذاق یہی ہے وہ اسی کو اکرام سمجھتے ہیں اور یہاں مہمان علماء تھے ان کا یہ اکرام نہ تھا بلکہ اہانت تھی۔ میرا جواب سنکر وہ معترض کہنے لگے کہ خوب تاویل کی ہے میں نے کہا کہ خواہ تاویل ہی ہو مگر یہ دیکھو کہ معقول ہے یا نہیں کہنے لگے کہ بات کے معقول ہونے میں تو کوئی شک و شبہ نہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ سوال بھی معقول ہے مگر تمہارا علماء پر اعتراض کرنا اپنی حد سے نکلنا ہے۔

ملفوظ ۴۷۵ ایک صاحب سے بسلسلہ گفتگو فرمایا کہ آپ تو اپنی ہی کہہ رہے ہیں۔ اصلاح کے طریق میں میاں بیوی کے ساتھ بھی ایک معاملہ نہیں ہو سکتا ان کی بھی جدا جدا طریق سے اصلاح کی جائے گی اس لئے کہ مردوں کے مناسب اور شرائط ہیں جو شدید ہیں اور عورتوں کے لئے وہ شرائط نہیں۔ عورتوں کی اصلاح بمقابل مردوں کے ان کے مذاق اور فہم کی سہولت کی رعایت رکھتے ہوئے کی جاتی ہے اور یہی تفاوت بیعت میں ہے کہ مردوں

کے ذرا زیادہ شرائط ہیں۔ عورتوں کے لئے اتنے شرائط نہیں۔ ہاں طلب دونوں جگہ ضرور دیکھی جاتی ہے البتہ ایک شرط عورت کے لئے زیادہ ہے وہ یہ کہ خاوند سے بیعت یا تعلیم کی اجازت حاصل کرلیں اگر خاوند بطیب خاطر اجازت دے دیتا ہے بیعت کرلیتا ہوں ورنہ نہیں۔ اس شرط میں بڑی حکمتیں اور مصالح ہیں۔

ملفوظ ۴۶۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل بیعت کو عام لوگوں نے اس قدر مقصود بالذات بنا رکھا ہے کہ مثل فرض و واجب کے سمجھتے ہیں مگر باوجود اس کے علماء اہل حق جس طرح دوسری بدعتوں کو منع کرتے ہیں اور ان کی اصلاح کرتے ہیں اس طرح اس کی طرف قطعاً توجہ نہیں کرتے کہ اس طالب کا کیا عقیدہ ہے اور یہ بیعت کو کیا سمجھتا ہے جہاں کوئی آیا جھٹ بیعت کرلیا۔ کیا یہ بدعت نہیں کہ غیر واجب کو واجب سمجھا جاتا ہے اور کیا یہ بدعت کی تعریف میں داخل نہیں۔ اس معاملہ میں تو خصوصیت کے ساتھ سب میں ڈھیلا پن ہو رہا ہے۔ صرف ایک میرے یہاں ڈھیلا پن نہیں ہے بیلئے جھول۔ سو ویسے ہی بدنام ہوں کہ بدخلق ہے۔ سخت ہے۔

ملفوظ ۴۶۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کی خوش اخلاقی متعارف کے یہ برکات ہیں کہ ساری عمر یہ لوگ جہل میں مبتلا رہتے ہیں اور روک ٹوک سے جہل کا علاج ہو جاتا ہے۔ ایک شخص نے لکھا کہ بے روزگاری کی وجہ سے پریشان ہوں کوئی مجرب وظیفہ بتلا دو۔ میں نے لکھ دیا کہ اگر مجرب کی قید نہ ہوتی تو بتلا دیتا پھر خط آیا کہ مجھ سے گستاخی اور غلطی ہوئی ویسے ہی بتلا دیجئے۔ دیکھئے سیدھے ہو گئے عقیدہ درست ہو گیا۔ ساری عمر کے لئے جہل سے نجات مل گئی۔ اگر میں متعارف خوش اخلاقی کا برتاؤ کرتا اور کوئی وظیفہ لکھ دیتا وہ اس کو مجرب سمجھتا اور ثمرہ مرتب نہ ہونے پر جو مفاسد پیدا ہوتے وہ ظاہر ہیں کہ آیاتِ الٰہیہ کے متعلق کبھی عقیدت میں خرابی پیدا ہوتی کہ کلام الٰہی میں کبھی اثر نہیں اور مجھ کو پھر اس شکایت کی اطلاع کرتا اور میں اس وقت حقیقت بتلاتا سو میں نے پہلے ہی معاملہ ختم کر دیا۔ یہ نفع ہے اس طرز میں۔

ملفوظ ۴۶۸ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہر کام طریقہ ہی سے ہو سکتا ہے بدون طریقہ ہمیشہ گڑبڑ رہتی ہے میں نے جس قدر اصول اور قواعد مقرر کئے ہیں ان میں بڑے مصالح اور حکمتیں ہیں اور بہت سے تجربوں کے بعد یہ اصول مقرر کئے ہیں۔ دیکھو طبیب سے علاج کراتے ہو اس کے تمام اصول اور قواعد کی پابندی کرتے ہو مثلاً وہ کہتا ہے کہ ہر مریض کا قارورہ جدا جدا شیشی میں لاؤ تم نے یہ کیا تمام خاندان کے قاروروں کو ایک گھڑے میں جمع کرکے طبیب کے پاس لے گئے اب بتلاؤ کہ طبیب کیا خاک تشخیص کرے گا۔ جیسے ہمارے قصبہ کے ایک طبیب کے پاس ایک گاؤں کا شخص قارورہ کا گھڑا بھر کر سامنے سے آ رہا تھا ایک صاحب نے جو طبیب کے پاس بیٹھے تھے دور سے دیکھ کر کہا حکیم جی آج تو رس آیا ہے۔ نیشکر کا موسم تھا حکیم جی نے کہا کہ میری قسمت میں رس کہاں موت ہوگا۔ واقعی اس نے آ کر کہا اجی حکیم جی سارا کنبہ پڑا ہے میں نے کہا کہ الگ الگ کہاں (کر ورہ) لے جاؤں۔ سب کا ایک گھڑے میں جمع کر لایا۔ حکیم صاحب بھی تھے ظریف ایک نسخہ لکھ کر دے دیا کہ یہ دوائیں لے جاؤ اور ایک بڑے پتیلے میں پکا کر سب کو ایک ایک پیالہ بھر بھر کر پلا دینا۔ لے کر چلا گیا۔ شاید کسی موسم کا مرض ہوگا۔ مگر یہاں پر تو نیا علاج بھی

نہیں ہوسکتا کیونکہ غرض مشترک نہیں۔

ملفوظ نمبر ۷۴۹ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعضے لوگ یہاں پر آتے ہیں محبت اور عقیدت کا دعوے کرتے ہوئے اور باہر جاکر بدنام کرتے ہیں یہ طالب ہیں۔ اصل میں قلوب میں طریق کی قطعاً عظمت اور احترام نہیں۔ ایک شخص ہمارے پڑوس میں رہتے ہیں وہ کالکا ریلوے میں ملازم ہیں وہ رخصت پر آئے تھے۔ بیان کرتے تھے کہ کالکا سے ایک شخص یہاں پر آئے تھے ان کی کسی غلطی پر مواخذہ کیا گیا انہوں نے واپس جاکر فلاں بابو صاحب سے کہا کہ وہاں اخلاق بالکل نہیں بابو صاحب نے جواب دیا کہ تم اب تک ایسوں ہی سے ملے جو تمہارے ساتھ اپنے اغراض کو وابستہ سمجھتے تھے اور جس شخص کی کوئی غرض وابستہ نہ ہو وہ تو صفائی کا معاملہ رکھے گا۔ واقعی سمجھ کی بات کہی۔ آج کل چاپلوسی کا نام اخلاق رکھا ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ میں آنے والوں کی جوتیاں سیدھی کیا کروں ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوا کروں۔ غلامی کرانا چاہتے ہیں۔ سو میری کون سی غرض ہے کیا میں نے بلایا تھا۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے ایک تو رشوت خوار اہلکار ہوتا ہے اور ایک غیر رشوت خوار دونوں میں ضرور فرق ہوگا۔ اور میں تو شروع میں سختی نہیں کرتا بڑی رعایت سے کام لیتا ہوں۔ مگر جب کوئی اپنی غلطی کی تاویلیں اور سخن پروری کرتا ہے اپنی ہی ہانکے چلا جاتا ہے تو طبیعت کا تغیر لازم اور اس کے ساتھ لہجے میں تغیر لازم ہوگا۔ یہ ہے اصل وجہ میرے بدنام کرنے کی مگر میں ایسے بدفہموں کی وجہ سے اپنے طرز کو نہیں بدل سکتا۔

ملفوظ نمبر ۷۵۰ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ابھی تھوڑا زمانہ گزرا پرانے لوگوں کو دیکھا کہ باوجود اختلاف مسلک کے ایک دوسرے کا ادب اور احترام رکھتے تھے۔ اب ایک دم ایسا انقلاب ہوا ہے کہ اپنے برابر والوں کا تو کیا ادب کریں گے چھوٹے اپنے بڑوں کا ادب نہیں کرتے اسی وجہ سے خیر و برکت رخصت ہوگئی۔ میرے ماموں صاحب جو حیدرآباد دکن میں تشریف رکھتے تھے۔ مسلک میں ان کا ہم لوگوں سے اختلاف تھا صاحب سماع بھی تھے بلکہ اس میں بھی کسی قدر غلو کا درجہ ہوگیا تھا۔ ان ماموں صاحب نے اپنے ایک مرید کو لکھا کہ دیکھو اشرف علی کا مسلک ہم سے جدا ہے اس لئے اس سے مت ملنا لیکن گستاخی بھی نہ کرنا اب اس واقعہ سے سمجھ لیجئے کہ کیسے لوگ تھے کہ باوجود اختلاف مسلک کے جو درجہ خلاف تک پہونچا ہوا تھا۔ مرید کو کیا حکم دیا۔ یہ ماموں صاحب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تو معتقد تھے مگر حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے خاص دلچسپی نہ تھی۔ مگر مولانا شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بے حد معتقد تھے۔ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اس شخص نے اپنی ساری عمر کا حصہ اور اپنی عزت اپنی راحت سب دین کے واسطے وقف کردیا۔ اُن پر یہ لوگ اس لئے اعتراض کرتے ہیں کہ ان کی وجہ سے اُن کی روٹیوں میں کھنڈت پڑ گئی۔ سبحان اللہ کیسی حق بات کہی۔

ملفوظ نمبر ۷۵۱ ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ ایک شخص کا خط آیا ہے۔ عجیب باتیں لکھی ہیں جن کے نہ سر ہے نہ پیر معجون مرکب ہے۔ یہ سب رسمی مشائخ کی تعلیمات کے برکات ہیں۔ طریق سے ان چیزوں کو کیا واسطہ ان مشائخ دکانداروں نے فن سے عدم واقفیت کی بناء پر لوگوں کو وظیفے بتلا بتلا کر حقیقت کو مخفی کردیا۔ کیا اصلاح و تربیت کہیں وظائف سے ہوا کرتی ہے۔ یہ اصلاح کا کام تو طبیب اور مریض کا سا معاملہ ہے۔ اگر طبیب

کسی مریض کو بجائے نسخے اور تدبیر کے وظیفہ بتلادے تو اس سے علاج کو کیا تعلق۔ اسی طرح یہاں پر سمجھ لیا جاوے۔

ملفوظ ۷۵۲ فرمایا کہ ایک صاحب کا پہلے خط آیا تھا کچھ ایسی بے جوڑ باتیں لکھ کر لکھا تھا کہ حضور والا میرے لئے کچھ فرمائیں۔ میں نے لکھدیا تھا کہ پہلے تم کچھ لکھو میں جواب دوں گا اُس پر پھر آج خط آیا ہے لکھا ہے کہ پہلے آپ ہی کچھ فرمائیں۔ اب فرمائیے اس کی کیا تاویل کروں اس کوڑ مغزی کا کیا علاج ہے۔ میں نے اب بھی رعایت ہی کا جواب لکھا ہے اب بھی ضابطہ نہیں برتا۔ میں نے لکھا ہے کہ طبیب پہلے کچھ کہا کرتا ہے یا مریض۔ اس کے جواب میں اگر گڑبڑ کی تو ضابطہ سے کام لوں گا اس واقعہ کو دیکھ کر معترض حضرات فیصلہ کریں کہ کس کے اخلاق کا خراب ہونا لازم آتا ہے اور اس قسم کی بدفہمی کی باتیں زیادہ تر انگریزی خواں کرتے ہیں اس لئے ان سے استغناء ہی کا برتاؤ ہونا چاہیئے یہ کہیں یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے رجوع کرنے کو ملّانے غنیمت سمجھتے ہیں یہ لوگ اکثر مغرور ہوتے ہیں مشکل سے ان کا دماغ درست اور سیدھا ہوتا ہے ویسے کہاں قبضہ میں آتے ہیں۔ اگر سب اہل علم اس طرز کو اختیار کرلیں تو میں سچ عرض کرتا ہوں کہ پھر بہت جلد ان لوگوں کے دماغ سیدھے ہو جائیں ایسے بد دماغوں کو منہ نہ لگایا جائے۔ یہ اہلِ علم اور دین کو نظر تحقیر سے دیکھتے ہیں۔

ملفوظ ۷۵۳ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جن مشائخ کے یہاں رسوم کا غلبہ ہے وہاں ساری عمر لوگ جہل ہی میں مبتلا رہتے ہیں جہل سے نجات نہیں ہوتی اس کا سبب وہی رسمی درویشی ہے اور یہاں پر بحمد اللہ حقیقی درویشی ہے۔ میں تو اللہ تعالٰے کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ طبیعت میں غلبہ حالتِ علمی ہی کا ہے۔ حقیقی درویشی یہی ہے۔ میں اس نعمت پر بڑا خوش ہوں کہ بزرگان سلف اور اپنے اکابر کے مسلک پر عمل کی توفیق عطا فرمائی گو اصل نہ ہو نقل ہی سہی۔ یہ بھی حق تعالٰے کی بڑی نعمت ہے۔

ملفوظ ۷۵۴ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ کو نہ ایسا علم ہے نہ اُس درجہ کا عمل ہے البتہ ایک چیز ہے جو خدا تعالٰے نے دی ہے خواہ اس کو کوئی دعویٰ بھی سمجھ لے وہ ایک چیز یہ ہے کہ مجھ میں ادب ہے یہ خدا کی بڑی نعمت ہے جو مجھ کو عطا فرمائی گئی ہے۔ کسی مشرب کسی مسلک کے اللہ اللہ کرنے والے ملے مجھ سے سب خوش رہے اور سب نے دعائیں دیں۔ میں غیر مسلک کے اللہ اللہ کرنے والوں سے بھی ملا ہوں گو اعتقاد سے نہ ملتا تھا مگر ادب سے ملتا تھا۔ اعتقاد اور چیز ہے ادب اور چیز ہے۔ ادب میں سب کا کرتا ہوں باقی اعتقاد یہ جس سے ہے اُس سے ہے۔

ملفوظ ۷۵۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صاحب ہم وطن مرید ہونے آئے تھے۔ میں نے صاف کہدیا کہ میں ہم وطنوں کو مرید نہیں کرتا ویسے خدمت کو میں آدھی رات موجود ہوں باقی ہم وطنوں کے مرید کرنے کے بہت برے نتائج ہیں۔ یہ تو بھائی بن کر دوست بن کر رہیں ... یہی اچھا ہے۔ آگے بڑھنے میں بہت خرابی ہے۔

---

۱۹ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقتِ صبح یوم شنبہ

ملفوظ ۷۵۶ ایک نووارد صاحب نے حاضر ہو کر حضرت والا سے عرض کیا کہ حضرت میں پہلے پولیس میں ملازم تھا۔ زمانہ ملازمت میں میں نے لوگوں سے رشوت لی ہے جو حقوق العباد میں سے ہے اور میرے ذمہ ہے۔ اب مجھکو کیا کرنا چاہیئے، فرمایا اپنی یاد سے اہلِ حقوق کی ایک فہرست بناؤ اور اپنی وسعت کو لکھو کہ ایک دم ادا کرنے پر قدرت ہے یا نہیں تب حکم شرعی بتلاؤں گا۔ پھر فرمایا حقوق العباد کو تو لوگوں نے دین کی فہرست ہی نکال دیا بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اس کا خیال کرتے ہیں۔ ایک ملاجیوت میرے پاس آتے جاتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ چودھری اپنی اصلاح کرو۔ کہا کہ نماز میں پڑھوں۔ روزہ میں رکھوں۔ رنڈیوں میں میں نہیں جاتا۔ تھیٹر میں نہیں دیکھتا۔ پھر اصلاح اپنی کس بات کی کروں۔ میں نے کہا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے کبھی چوری بھی کی ہے۔ کہا کہ جی ہاں چوری تو کی ہے میں نے کہا کہ کیا یہ قابلِ اصلاح نہیں ہے۔ کہا کہ میرے پاس اتنا روپیہ نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ جتنی چوریاں کی ہیں۔ سب کی فہرست بناؤ اور سب سے معاف کرا کے آؤ کہا کہ اگر کوئی اس اقرار پر پکڑوا دے۔ میں نے کہا کہ جاؤ جمع میں مت کہو پھر کوئی نہیں پکڑوا سکتا۔ فہرست تیار کرا کر میرے پاس لائے۔ میں نے کہا کہ ایک اور بات کرنا ہوگی جن جن سے معاف کراؤ فہرست پر ان کے دستخط بھی کراؤ اور وہ یہ لکھ دیں کہ ہم نے معاف کر دیا اور پھر وہ دستخط مجھ کو دکھلانے ہوں گے۔ بے چارے معاف کرانے گئے سب نے معاف کر دیا اور خوشی سے معاف کیا۔ منجملہ ان چوریوں کے ریل میں ایک ہندو کی پانچ سو ۵۰۰ روپے نقد کی چوری کی تھی۔ نوٹ چرائے تھے اس نے معافی میں یہ الفاظ لکھے کہ میں حسبۃً للہ معاف کرتا ہوں۔ مجھ کو یہ دیکھ کر حیرت ہو گئی کہ یہ سب اس شخص کی خلوصِ نیت کی برکت ہے ورنہ ہندو ایک پیسہ بھی معاف نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ پانچسو روپے۔ میں نے کہا کہ بھائی یا تو یہ تمہاری کرامت ہے یا میری یا دونوں کی تھوڑی تھوڑی اس کے بعد میں نے کہا کہ اب مجھ کو یہ کیسے یقین ہو کہ یہ دستخط معافی کے صحیح ہیں آج کل جعل سازی بہت چل رہی ہے۔ کہا کہ جو صورت آپ فرمائیں۔ میں نے کہا کہ میرے اطمینان کی صورت یہ ہے کہ تم لفافے خرید کرلاؤ اور فہرست میں جتنے نام ہیں سب کے نام میں جوابی خط لکھوں گا کہ اس شخص نے تم سے معافی چاہی یا نہیں اور تم نے معاف کیا یا نہیں۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ اگر لفافے خرید کر لا دیئے تو یہ سچے ہیں نہ لائے تو جھوٹے وہ لفافے خرید کر لے آئے۔ میں نے کہا کہ اب ضرورت نہیں مجھ کو اطمینان ہو گیا۔ اور یہ لفافے تم خرید کر لائے ہو تم غریب آدمی ہو تم سے بیکار ہیں۔ اب ان کو میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ کہا کہ مجھ کو خود بھی ضرورت رہتی ہے۔ میں نے تجارت کا سلسلہ کر دکھا ہے

اب انتقال ہو گیا اگر آدمی آخرت میں سرخرو ہو جائے تو سلطنت کی بھی کیا حقیقت ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ اس طریق میں قدم رکھتے ہی خدا معلوم کیا ہو گا۔ بھائی کچھ بھی نہ ہو گا۔ ذرا قدم رکھ کر تو دیکھو فضل ہی فضل ہو گا۔ ہر قدم پر سہولت ہی سہولت نظر آئے گی۔

ملفوظ ۷۵۷ ایک نو وارد صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ نہ تم اپنی کہہ سکتے ہو نہ دوسرے کی سمجھ سکتے ہو۔ اس حالت میں تم سے کلام کرنا ہی عبث ہے۔ جب تم اپنا تعارف کرانے پر قادر نہیں ادھر ادھر کی ہانک رہے ہو آئندہ ہی کیا تم سے امید رکھی جائے کہ تم کچھ کرو گے۔ میں ایسے شخص سے تعلق پیدا کرنا نہیں چاہتا۔ چلو یہاں سے اس پر ان صاحب نے اپنا پورا تعارف کرا دیا۔ اور حضرت والا نے دریافت فرمایا نہایت معقول جواب دیا۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ اب اتنی جلدی کیسے سمجھ آ گئی اور کہاں سے آ گئی۔ جب سے گڑبڑ کر رہے تھے وہی بات ہے جو میں کہا کرتا ہوں کہ لوگوں میں بے فکری کا مرض ہے۔ اب طبیعت کو فکر ہوئی۔ دل اور دماغ سب اپنا کام کرنے لگے بدون چابک تو گھوڑا بھی کام نہیں دیتا پھر ان سے فرمایا اب وطن پہونچ کر خط و کتابت سے سب معاملہ طے کرنا۔ یہاں جب تک رہنا ہو مکاتبت مخاطبت کچھ نہ کرنا خاموش مجلس میں بیٹھے رہا کرنا۔ عرض کیا کہ ایسا ہی انشاء اللہ ہو گا۔

ملفوظ ۷۵۸ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل نفوس میں اس قدر شرارت پیدا ہو گئی ہے کہ لوگ حیلوں اور مکاریوں سے کام نکالتے ہیں۔ چنانچہ ایک قصبہ ہے وہاں ایک مسجد بن رہی تھی اس کے لئے چندہ جمع ہو رہا تھا۔ وہاں کے ایک واعظ صاحب دہلی سے پانچسو روپے (۵۰۰) زکوٰۃ کا لائے۔ غریب مؤذن سے کہا ذرا ترکیب دیکھئے کہ میاں تم مسجد میں کچھ نہیں دیتے اس نے کہا کہ حضرت میں غریب آدمی ہوں میرے پاس کیا ہے۔ کہا کہ اگر اللہ تجھے دس روپے دے تو مسجد میں دے دے کہا جی ہاں دیدوں پھر بیس کو پوچھا اس کا بھی یہی جواب دیا اسی طرح سے پچاس کو سو کو یہاں تک کہ پانچسو کو پوچھا وہ سب پر یہی کہتا رہا خالی بات ہی تو بھی کہہ دینا کیا مشکل تھا آخر میں اس کو پانچ سو روپے دے کر کہا کہ لے یہ اللہ نے تجھے دے دیا ہے تو اس کو مسجد میں دے دے اس نے لے کر مجبور ہو کر دے دیا۔ مگر بیچارے کے دل پر کیا گذری ہو گی کیا اس نے آزادی سے دیا۔ طیب خاطر سے دیا ایسے ہی لوگوں کے متعلق کسی نے خوب کہا ہے ؎

زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند حق را بسجودے و نبی را بدرودے

ملفوظ ۷۵۹ فرمایا کہ ایک مضمون آیا ہے۔ ایک عالم کا لکھا ہوا ہے میں نے اس مضمون کو کہیں کہیں سے دیکھ کر جواب میں لکھا ہے کہ یہ قابل اشاعت نہیں بلکہ قابل اضاعت ہے۔ یہ تو کل لکھا تھا آج اتنا اور بڑھا دیا ہے کہ یا قابل اخفاء۔ یہ اس خیال سے کہ بعض مرتبہ اپنے لکھے ہوئے مضمون کو اس پر محنت ہونے کی وجہ سے — ضائع کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ میں نے اس کی بھی رعایت کی ہے ان کو اہل سمجھ کر لکھ دیا ورنہ ہر شخص کو ایسا نہیں لکھا جاتا۔

ملفوظ ۷۶۰ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نے طالب علمی کے زمانے میں ایک نقشبندی کو چپ کیا تھا طالب علمی کی شوخی تھی۔ میں نے پوچھا کہ کیا ذکر جہر علی الاطلاق منع ہے۔ بے سوچے کہہ دیا کہ جی میں نے کہا تو اذان بھی آہستہ کہا کرو۔ چپ ہو گئے کچھ نہ بن پڑا حالانکہ اس کا بھی جواب تھا کہ بعض مستثنیٰ بھی ہیں۔ ذکر خفی اگر خلوص سے ہو جلی سے افضل ہے لیکن اگر خلوص نہیں بلکہ اس میں نفس کی شرارت ہو کہ اگر کسی روز آنکھ نہ کھلے تو شیخ صاحب کی کرکری نہ ہو گی۔ سب سمجھ لیں کہ وہ تو ہمیشہ ذکر خفی کرتے ہیں آج بھی ایسا ہی ہوا ہو گا پتہ نہ چلے گا اور یہ نفس کا بڑا زبردست کید ہے تو ایسے شخص کے لئے جلی ہی افضل اور علاج ہے۔ ایک نقشبندی کو ایک چشتی نے عجیب لطیف جواب دیا۔ اس نقشبندی نے کہا تھا کہ ہم نے سُنا ہے کہ تم ذکر جہر کرتے ہو۔ مطلب یہ تھا کہ اس میں ریا ہے یہاں تک کہ ہم تک خبر پہونچ گئی۔ چشتی نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم ذکرِ خفی کرتے ہو۔ مطلب یہ کہ سننا تو مشترک رہا تو پھر اس میں بھی ریا ہو گئی دونوں میں فرق ہی کیا ہوا۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب بات فرمائی کسی شخص کو ذکر جہر بتلایا کہنے لگا کہ اس میں تو ریا ہو گی۔ فرمایا کہ جی ہاں جہر میں تو سب کو معلوم ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اِلَّا اللّٰہُ اِلَّا اللّٰہُ کر رہا ہے اس میں تو ریا ہو گی۔ اور خفی میں جب گردن جھکا کر آنکھ بند کر کے بیٹھو گے لوگ سمجھیں گے کہ نہ معلوم لوح و قلم کی سیر کر رہے ہیں یا عرش و کرسی کی۔ اس میں ریاء نہ ہو گی۔ واقعی یہ حضرات حکیم ہیں۔ خوب نبض پہچانتے ہیں۔ مگر یہ باتیں محض کتابیں پڑھنے سے نصیب نہیں ہوتیں۔ کسی کامل کی صحبت کی برکت سے نصیب ہو سکتی ہیں۔

ملفوظ ۷۶۱ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مبتدی کو چاہیئے کہ محبت اور ادب تو سب سے رکھے لیکن اعتقاد ایک ہی سے رکھے۔ مختلف جگہ اعتقاد پیدا کرنے سے شبہات اور تشویشات کا دروازہ کھل جائے گا۔ پھر اُن شبہات سے یہ حالت ہو گی۔ شد پریشان خواب من از کثرتِ تعبیر ہا
وجہ یہ کہ ابتداء میں جوش ہوتا ہے۔ بس اسی میں رہے گا کہ اس سے کچھ لے لیا اس سے کچھ لے لیا۔ اس تشویش میں مقصود ہاتھ نہ آئے گا اس لئے اتباع کا تعلق ایک ہی سے چاہیئے اور یہ ضروری نہیں کہ جس سے تعلق کیا جائے وہ اپنے ہم عصروں میں سب سے افضل واکمل ہو بلکہ خواہ افضل اکمل نہ ہو لیکن فن سے واقف ہو اور طالب کو اس سے مناسبت ہو۔ اور اصل اعظم اس طریق میں مناسبت ہی ہے۔ پھر افضل غیر افضل کی تفتیش کے فضول ہونے پر ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک مرتبہ کیرانہ میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے پاس بیٹھے ہوئے تھے دل میں خیال کرنے لگے کہ معلوم نہیں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ بڑا ہے یا حضرت ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا۔ حضرت اس خطرہ پر مطلع ہوئے فرمایا کہ ایسا خیال بہت بُری بات ہے تمہیں اس سے کیا مطلب کہ کون بڑا اور کون چھوٹا۔ بادل کے دو ٹکڑے ہیں ایک چھوٹا ایک بڑا مگر تمہارا گھڑا بھر دینے کو تو دونوں ہی کافی ہیں۔ اور ایسے موقع پر حضرت اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

پیشِ اہلِ دل نگہ دارید دل تا نباشید از گمانِ بد خجل

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب شان تھی۔ حضرت کی شان کو دیکھ کر بے ساختہ یہ پڑھنے کو جی

چاہتا ہے ؎

نورِ حق ظاہر بود اندر ولی	نیک بیں باشی اگر اہلِ دلی

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور	کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

حضرت حجۃ اللہ فی الارض آیت اللہ فی الارض تھے۔ اور حضرت گو اصطلاحی عالم نہ تھے مگر آپ کے موہوب علوم ایسے تھے ؎

بینی اندر خود علوم انبیا	بے کتاب و بے معید و اوستا

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے شخص یہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو حضرت سے اعتقاد علوم ہی کی وجہ سے ہے۔ اور ظاہری تحصیل نہ ہونا یہ زیادہ کمال کی دلیل ہے ورنہ اگر حضرت اصطلاحی عالم ہوتے اور پھر یہ تحقیقات ہوتیں تو کوئی کمال نہ تھا وہ علمی استعداد کا ثمرہ سمجھا جاتا اور اب باوجود اصطلاحی عالم نہ ہونے کے اس قدر حقائق کا ظہور یہ حضرت کے کمال کی صریح دلیل ہے اور تمام کرامتیں اس کرامت پر قربان ہیں۔ واقعی حضرت اس فن کے امام تھے مجتہد تھے۔ محقق تھے مجدد تھے۔ حضرت کے فیض سے مدتوں کا مردہ طریق زندہ ہو گیا۔ والحمد للہ۔

ملفوظ ۷۶۲ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس زیادہ نہیں رہا جو میرے جذبات کے علم کا ذریعہ ہو سکتا تھا مگر باوجود اس کے حضرت کا مبصر ہونا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ندوہ والوں نے میری کچھ شکایات حضرت سے کیں کہ وہ ہماری مخالفت کرتا ہے۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ اس میں تو مادہ ہی مخالفت کا نہیں۔ بھلا حضرت کو میرے جذبات کی کیا خبر تھی۔ لیکن حقیقتِ حال کو تحریر فرما دیا۔ لوگ کرامتوں کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ اصلی کرامتیں یہ ہیں۔

ملفوظ ۷۶۳ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کام کرنا چاہیئے۔ محض بزرگوں کے قصے اور سوانح عمری جمع کرنے سے کیا حاصل۔ میں نے ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامتیں جمع کرنے کا خیال ہے۔ اگر حضرت کو کچھ یاد آجائے ارشاد فرما دیں حضرت نے فرمایا کہ بھائی تم نے ایسی بات کا سوال کیا کہ ہم نے اس نظر سے کبھی حضرت کو دیکھا ہی نہیں۔ واقعی خوب ہی فرمایا اسی طرح ملفوظات کے یاد کر لینے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اکثر تو اس سے وہی غرض ہوتی ہے جس کو مولانا فرماتے ہیں ؎

حرفِ درویشاں بدزدد مردِ دوں	تا بہ پیشِ جاہلاں خواند فسوں

محض ملفوظات یاد کر لینا کہ جب خود خالی ہو بالکل ایسی مثال ہے جیسے کسی قلعہ کے چہار طرف خندق ہے جو میلوں چلی گئی ہے اور چہار طرف سے قلعے کو گھیرے ہوئے ہے مگر پانی میں باہر کی محتاج ہے اس میں اپنا پانی نہیں بلکہ نہر یا کنوئیں کی محتاج ہے اور ایک قلعہ کے اندر کوئیاں ہے جو طولاً بھی اور عرضاً بھی چھوٹی ہے مگر اس کے اندر سے پانی جوش مارتا ہے وہ باہر کی محتاج نہیں تو خود وہ کام وہ اعمال کرنے چاہیئں کہ خود اس کی زبان سے ملفوظات نکلنے لگیں۔ نقل کی حاجت نہ رہے گو برکت و افادہ کے لئے نقل کا بھی مضائقہ نہیں۔ یہ ہے کام کی بات کہ کام میں لگو۔

ملفوظ ۷۶۴ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام عمل کا نمونہ ہیں مخلوق کے لئے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک درزی کو اچکن کا کپڑا دیا کہ اس کو سی دو۔ اور اس کی دو صورتیں ہیں یا تو کوئی نمونہ بھی دیا کہ اس کے موافق سی دو یا یہ کہ نمونہ نہیں دیا سو بدون نمونہ کے اگر اس میں اپنی طرف سے کوئی ترمیم تنسیخ کرتا ہے تو زیادہ مجرم نہیں لیکن نمونہ دینے کے بعد اگر گڑبڑ کرتا ہے تو سخت مجرم ہے اور بجائے کسی مزدوری اور کسی انعام کے لتاڑ پڑے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے انبیاء کو عمل کا نمونہ بنایا ہے کہ اس طرح عمل کیا کرو جیسا یہ کرتے ہیں۔ آخر میں پوچھتا ہوں کہ انبیاء کی بعثت کا کوئی راز اور حکمت ہے یا نہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اللہ میاں بجائے انبیاء علیہم السلام کے بھیجنے کے آسمان سے پرچے برسا دیتے اور ان میں سب احکام لکھ دیتے۔

ملفوظ ۷۶۵ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بالکل ہر طرح سے کامل پیدا فرمایا ہے ظاہراً بھی باطناً بھی حتیٰ کہ خوبصورتی بھی کامل عطا فرمائی گئی تھی اور ہمارے حضور کو اس قدر جامع تھے کہ اگر کسی کو حضور کے کمالات بھی نہ معلوم ہوں تو صورت ہی دیکھ کر کشش ہوتی تھی اور حضور تو بڑی چیز ہیں حضور کے غلاموں کی صورت دیکھ کر اہل نظر کو کشش ہوتی ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری بریلی ایک جلسہ میں شریک ہونے تھے۔ اُن کو ایک غالی بدعتی کے ایک مرید نے دیکھ کر ایک صاحب سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں۔ انھوں نے کہا کہ یہ مولانا خلیل احمد صاحب ہیں۔ کہا ان کو وہابی کہتے ہیں۔ کیا وہابی کی صورت یہ ایسا نور ہو سکتا ہے۔ یہ لوگ ہرگز وہابی نہیں ہو سکتے لوگ فضول ان کو بدنام کرتے ہیں۔ اب بتلائیے کہ اس نے مولانا کی کون سی کرامت دیکھی تھی یا کون سے علوم ظاہرہ یا باطنہ دیکھے یا سنے تھے محض صورت ہی تو دیکھی تھی۔ صورت دیکھ کر بے ساختہ یہ کہنا پڑا۔ واقعی حق کا نور کب چھپتا ہے۔ اس کی یہی حالت ہوتی ہے اسی کو فرماتے ہیں اور خوب ہی فرماتے ہیں ؎

نورِ حق ظاہر بود اندر ولی نیک بیں باشی اگر اہلِ دلی

مولوی ابوالحسن صاحب کاندھلوی نے اس کا عجیب ترجمہ کیا ہے اور خوب ہی کیا ہے ؎

مردِ حقّانی کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

اور اُس کی یہ کیفیت ہوتی ہے ؎

سامنے سے جب وہ شوخ دلربا آجائے ہے تھامتا ہوں دل کو پر ہاتھوں سے نکلا جائے ہے

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ گورا آدمی حسین ہوتا ہے محض غلط ہے بعض کالا اس قدر حسین ہوتا ہے کہ اس کے چہرہ سے نگاہ ہٹانے کے لئے جی نہیں چاہتا وہ ایک ذوقی چیز ہے اُس کی کشش بھی ذوقی ہی چیز ہے۔

ملفوظ ۷۶۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صاحب نے مجھ سے بطور شکایت کہا کہ خواہ کسی خط کے کتنے ہی صفحات ہوں مگر جواب میں تمھاری ایک ہی سطر ہوتی ہے۔ بعنی کون مشکل کام ہے اس میں وقت

ہی کیا صرف ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ تو آپ نے دیکھا کہ ایک سطر ہوتی ہے اور یہ نہ دیکھا کہ سارا پڑھنا پڑا ہے۔ اور اس ایک سطر میں اس خط کے تمام مضامین سے تعرض ہوتا ہے۔ ایک اور صاحب نے مجھ سے کہا کہ جواب شافی نہیں ہوتا۔ میں نے کہا کہ کافی بھی ہوتا ہے کہا کہ کافی تو ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ بس تو شافی بھی ہوتا ہے گو وافی یعنی کثیر المقدار نہ ہو۔

۱۹ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

ملفوظ ۷۶۷ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ان اہلِ باطل کے پاس اپنا تو کوئی ذخیرہ ہوتا نہیں جس میں مشغول ہوں۔ بیٹھے ہوئے دوسروں پر نکتہ چینی اور اعتراضات کیا کرتے ہیں۔ ہمیشہ ہی سے ان اہلِ باطل کا یہی رد یہ چلا آرہا ہے اب بھی جو موجود ہیں اسی طرح اپنے بڑوں کی تقلید کر رہے ہیں۔ ابھی کانپور والوں نے اخبار پیغام صلح میں کچھ اعتراضات شائع کئے ہیں۔ دو اعتراض تو پرانے ہیں۔ ایک بہشتی زیور پر اس میں شرقی غربی میاں بیوی کا مسئلہ ہے۔ اور ایک حفظ الایمان پر کہ حضور کے علم کو نعوذ باللہ بہائم اور مجنون کے علم سے تشبیہ دی ہے۔ ان اعتراضوں کا تو دوبارہ احیاء کیا ہے۔ اور دو اعتراض نئے ہیں ایک میری تفسیر بیان القرآن پر کہ اس میں عملیات لکھ دیے اور اس سے اس کو نقشِ سلیمانی بنا دیا اور ایک شمم الطیب پر جو مفتی الٰہی بخش صاحبؒ کا رسالہ ہے جس کو میں نے نشر الطیب کا جزو بنا دیا ہے ان اعتراضوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ معترض محض جاہل ہے دوسروں کے اقوال کو میری طرف منسوب کیا ہے اس لئے کہ بہشتی زیور کا مسئلہ تو فقہاء کا لکھا ہوا ہے اور نشر الطیب میں مفتی الٰہی بخش صاحب کا مضمون ہے اور تفسیر بیان القرآن پر تعویذ اور عملیات کا اضافہ مطبع والوں کا کام ہے۔ ہاں حفظ الایمان کی عبارت البتہ میری ہے مگر وہ بالکل صاف ہے۔ لفظ ایسا میں مطلق بعض غیوب کا علم مراد ہے نہ کہ علم نبوی اس (لفظ ایسا) سے بیوقوف معترض لوگ حضور کا علم مراد لیتے ہیں۔ اگر ذرا بھی اردو پڑھے ہوئے ہوں تو معلوم ہو۔ اب میں اس میں کیا مشغول ہوں۔ ایک تو قیل و قال کرنا اپنے مذاق کے خلاف ہے اور دوسرے یہ کہ کس سے خطاب کروں سمجھے گا کون۔ نہ ان کا مقصود سمجھنا ہے بلکہ مقصود اعتراض کرنا ہے۔ اب کون ان کوڑمغزوں کے ساتھ قیل و قال کر کے اپنی تضیعِ اوقات کرے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اپنی نصرت کرتے ہوئے حجاب سا معلوم ہوتا ہے اگر نفسِ مسائل پر قطع نظر میری نسبت سے اعتراض کرتے تو جواب کو بھی جی چاہتا اور اس وقت وہ دین کی نصرت ہوتی

ملفوظ ۷۶۸ فرمایا کہ ایک مولوی صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ ایک عیسائی پادری مجھ سے انجیل پڑھنا

چاہتا ہے وہ انجیل عربی میں ہے ایک گھنٹہ یومیہ پڑھانے کے چالیس روپیہ ماہوار دینا چاہتا ہے۔ ابھی میں نے اس کو جواب نہیں دیا جیسے حضرت والا فرمائیں عمل کروں۔ میں نے جواب میں لکھ دیا ہے کہ پادری کی ایسی نوکری سے دل کو نفرت ہوتی ہے۔ فتویٰ کون دے۔

ملفوظ نمبر ۷۶۹ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ عقل صحیح کا مقتضا ہر حال میں عدل ہے اور وہ منحصر ہے شریعت میں تو ہر حال میں جو حکم شریعت کا ہو اس کے ماتحت رہ کر آدمی کو رہنا اور کام کرنا چاہیئے شریعت کو اپنے مصالح کے تابع نہیں بنانا چاہیئے۔ باقی نہ لڑائی فی نفسہ مقصود ہے نہ صلح بلکہ ہر چیز کا موقع اور وقت شریعت سے معلوم کر کے عمل کرے۔ صلح اور لڑائی سب اللہ کی رضا کے واسطے ہونا چاہیئے۔ مقصود اصلی ہر مسلمان کے کام سے خدا کا راضی کرنا ہے۔

ملفوظ نمبر ۷۷۰ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ سرسری نظر سے آیات قرآنی سے جس قدر مسائل سلوک کے مستنبط کئے گئے ہیں ان کی فہرست تیار کرا رہا ہوں۔ تیرہ سو (۱۳۰۰) کے قریب نمبر مسائل کے ہو چکے ہیں ابھی اور باقی بھی ہیں اور بعض مکرر بھی ہیں۔ اگر تصوف کوئی حق چیز نہیں تو اس کے اس قدر مسائل قرآن سے کیسے مستنبط ہو گئے۔ اس کے بعد جس قدر مسائل سلوک کا حدیث سے استنباط کیا گیا ہے اس کی فہرست تیار کرانے کا ارادہ ہے۔ ذرا معترضوں کی آنکھیں تو کھلیں۔ (یہ فہرست بشکل ایک رسالہ کے ہے اس کا نام عنوانات التصوف ہے) اصل یہ ہے کہ ان معترضین نے قرآن و حدیث کو سمجھا ہی نہیں اس لئے یہ فن مردہ ہو چکا تھا اب اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب کئی صدیوں کے لئے زندہ ہو گیا اور یہ سب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی برکت ہے۔ آپ کے فیوض باطنی کے ثمرات ہیں۔

ملفوظ نمبر ۷۷۱ ایک صاحب نے بعد نماز عصر مصلے ہی پر حضرت والا سے مصافحہ کرنا چاہا فرمایا تم لوگوں کو کیا ہو گیا۔ کیا میں مصلے سے نہ اٹھتا کیوں اس قدر عجلت ہے کیا کوئی وقت میری فرصت یا راحت کا رہا ہی نہیں عرض کیا قصور ہوا فرمایا چلو ہٹو یہاں سے۔ اگر قصور ہوا تو اب کیوں چھاتی پر کھڑے ہو۔

۲۰ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

ملفوظ نمبر ۷۷۲ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ غیر مقلدین کا فرقہ بھی باستثناء بعض اس قدر گستاخ ہے کہ میرے پاس ان لوگوں کے متعدد خطوط بیعت کی درخواست کے لئے آئے میں صرف اتنا ہی پوچھ لیتا تھا کہ تم تقلید کو کیسا سمجھتے ہو تو اکثر جگہ سے صاف یہی جواب لکھا ہوا آتا تھا کہ ہم تقلید کو شرک سمجھتے ہیں۔ میں لکھ دیتا تھا کہ میں

مقلد ہوں اور تم اس کو شرک سمجھتے ہو تو پھر مشرک سے بیعت ہونا کہاں جائز ہے۔ عقلند بیعت بھی ہونا چاہتے ہیں اور جس سے بیعت ہوں اس کو مشرک بھی سمجھتے ہیں کچھ اصول اور حد ود ہی نہیں اس قدر گستاخ ہیں اِلّا ماشاء اللہ۔ اور جاہلوں کی تو شکایت ہی کیا۔ بعضے مولوی اپنی کتابوں میں لکھ گئے کہ تقلید حرام ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ مقلدین جس قدر ہیں سب کو حدیث سے بعد ہے۔ خصوص حنفیہ کو سب سے زیادہ ہی بعد ہے۔ فرمایا کہ بس قرب تو حدیث سے جناب ہی کو تھا۔ ان کے عامل بالحدیث ہونے پر تعجب ہے کونسی قسم کے عامل بالحدیث ہیں۔ اُردو میں خطبہ پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں اس میں حدیث کو نہیں دیکھتے مجھ کو معلوم ہوا کہ میرا مجموعہ خطب اس لئے نہیں خریدتے کہ اس میں اُردو میں خطبہ پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے۔ جب سنت پر عمل نہ ہوا تو یہ فرقہ بھی بدعتی ہی ہوا مگر ان کو یہ بھی خبر نہیں۔

ملفوظ ۷۷۳ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دور سے تو روایات سن کر لوگ مجھ سے گھبراتے ہیں مگر جب پاس آکر رہتے ہیں اُس وقت اُنس ہوتا ہے۔ میری تعلیم کا خلاصہ اخلاق کے بارے میں صرف یہ ہے کہ کسی کو اذیت نہ پہنچاؤ بس اصل یہی ایک بات ہے اور سب سے بڑی ہے اور باقی سب اس کی فرع ہیں۔ مثلاً معاملہ صاف رکھو۔ بات صاف کہو۔ یہ میری تعلیم کا خلاصہ ہے جس سے لوگ گھبراتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ لوگ اس کے عادی نہیں رہے رسوم کا غلبہ ہو گیا حقائق مٹ گئے۔ اس لئے یہ باتیں لوگوں کو نئی معلوم ہوتی ہیں اس لئے وحشت ہوتی ہے۔ ایک صاحب یہاں پر آئے تعلیم یافتہ نہ تھے۔ دور سے سفر کر کے آئے روپیہ اور وقت صرف کیا۔ میں نے پوچھا کس غرض سے آنا ہوا جواب میں کہتے ہیں۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ میں نے کہا کہ میں ان رموز کے سمجھنے سے قاصر ہوں سمجھ نہیں سکا مگر میں نے یہ مواخذہ نرم لہجہ میں کیا۔ یہاں سے واپس جا کر میرے ایک دوست مولوی صاحب سے کہا کہ میں تو شان فاروقی سمجھ کر گیا تھا یعنی اس کا طالب تھا وہاں تو شان عثمانی ہے یعنی مجھ کو نافع نہیں ہوئی مجھ کو سنکر تعجب ہوا کہ کیا اُلٹی بات کہی۔ کیا نرمی سے مواخذہ کرنا شان فاروقی کے خلاف ہے۔ اتنی کسر ضرور رہی کہ میں نے ان کو مارا نہیں۔ یہ شان عثمانی تھی مجھ کو اس سے آگے بڑھ کر اُن کے ساتھ برتاؤ کرنا چاہیئے تھا۔ اب بتلائیے جب یہ نرمی سے راضی نہیں ہوتے تو راضی رکھنے کا پھر کونسا طریقہ ہے۔ اب ہر شخص سے مجھ کو پوچھنا چاہیئے کہ کہو بھائی شانِ فاروقی کا برتاؤ چاہتے ہو یا شانِ عثمانی کا۔ بھلا ایک شخص تمام دنیا کے مزاق کی کہاں تک رعایت کر سکتا ہے اسی لئے وہی مناسب ہے جو اپنی سمجھ میں آئے۔ پچاس مختلف آدمی تو ایک کو راضی رکھ سکتے ہیں۔ مگر ایک آدمی مختلف پچاس آدمیوں کو راضی نہیں رکھ سکتا۔

ملفوظ ۷۷۴ ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ جہاں کسی نے ہاتھ میں تسبیح لے لی اس کو سمجھتے ہیں کہ اس کا نفس مردہ ہو گیا یعنی بے حس ہو گیا بے غیرت ہو گیا۔ نہ خوشی کی بات سے اس کو خوشی ہوتی ہے نہ رنج کی بات سے رنج ہوتا ہے۔ نہ ناگوار بات ناگوار ہوتی ہے اُس کو اینٹ پتھر مٹی سمجھتے ہیں۔ آج کل لوگ درویشی اسی کو سمجھتے ہیں ـــــ خوب کان کھول کر سن لو اگر طالب علمی کا نام درویشی ہے تو میں درویش ہوں اور اگر کسی اور چیز کا نام درویشی ہے تو میں درویش نہیں ہوں۔ پھر اس خیال سے یہاں مت آؤ۔ اور جگہ دنیا میں بہت درویش ہیں جو کر

تمہاری اطاعت فرمانبرداری اور غلامی کریں گے۔ یہاں تو نہ دوسروں کو اپنا تابع بنایا جاتا ہے نہ خود کسی کا تابع بنا جاتا ہے۔ بلکہ اصول صحیحہ کا خود بھی متبع ہوں اور دوسروں کو بھی ان کا متبع بنانا چاہتا ہوں۔ اگر یہ منظور نہ ہو تو یہاں نہ آؤ کہیں دوسری جگہ جاؤ جہاں کا طرز پسند ہو۔

ملفوظ نمبر ۷۷۵ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ جو علاوہ فرضوں کے مؤکد نماز ہیں بجائے مسجد کے اگر گھر پر پڑھا جائے کیا حکم ہے۔ فرمایا کہ فرض کے علاوہ جو نمازیں ہیں ان کے متعلق سلف میں یہی معمول تھا کہ گھر پر پڑھتے تھے اور فی نفسہٖ اسی میں فضیلت ہے۔ مگر ایک جماعت ایسی پیدا ہوگئی کہ وہ مؤکد نماز کی منکر ہوئی اس وقت سے مسجدوں میں مؤکد نمازوں کا اہتمام شروع کیا گیا تاکہ اُس جماعت کی طرح دوسروں پر ترک سنن کا شبہ نہ ہو۔ اب اس عارض کی وجہ سے فضیلت اسی میں ہے کہ موکد سنت کو مساجد میں پڑھا جاوے۔

ملفوظ نمبر ۷۷۶ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جن دیہات میں جمعہ جائز نہیں اگر وہاں پر خوف فتنہ سے جمعہ پڑھ لیا جائے کیا حکم ہے۔ فرمایا کہ جہاں خوف فتنہ ہو وہاں تو اس سے زیادہ کی بھی اجازت ہے لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ خوف فتنہ جان کے اندیشہ کو کہتے ہیں یعنی جہاں مار پیٹ کا اندیشہ ہو باقی محض زبانی سب و شتم کو فتنہ نہیں کہتے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے اور آج کل ایسا فتنہ کہ کوئی دوسرے کو مارے پیٹے مشکل سا معلوم ہوتا ہے اور یوں کوئی بزدل ہی بن جائے۔ اس کا کسی کے پاس کیا علاج ہے۔

ملفوظ نمبر ۷۷۷ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جہاں قصبات یا شہروں میں جمعہ فرض ہے وہاں پر ظہر احتیاطی پڑھ لینا کیسا ہے۔ فرمایا جہاں جمعہ فرض ہے وہاں ظہر احتیاطی پڑھنا کیا معنی اور جہاں جمعہ صحیح نہیں ہے وہاں ظہر پڑھنا فرض ہے۔ عرفی ظہر احتیاطی محققین کے نزدیک بے اصل ہے۔

ملفوظ نمبر ۷۷۸ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ دارالحرب کے معنی دارالکفر ہیں۔ لیکن پھر اس دارالحرب کی دو قسمیں ہیں ایک دارالامن ایک دارالخوف۔ دارالامن میں بہت احکام مثل دارالاسلام کے ہوتے ہیں۔ سو ہندوستان دارالحرب ہے لیکن ہے دارالامن۔ اس لئے زیادہ تر معاملات میں یہاں دارالاسلام ہی کے احکام پر عمل درآمد ہوگا۔

ملفوظ نمبر ۷۷۹ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ غیر مقلد ہی کیا تصوف کو تو بہت کم لوگ سمجھے یہ جتنا سہل اور آسان تھا اسی قدر اس کو مشکل چیز بنا دیا۔ حقیقت سے بہت دور جا پڑے۔ اب الحمد للہ تو ان کے بعد خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تصوف بے غبار ہوا ہے۔ اگر حق تعالیٰ کسی کو عقل کامل اور فہم سلیم نصیب فرمائیں تو تصوف کا ہر ہر مسئلہ قرآن و حدیث سے ثابت نظر آئے گا اس کے بعد گڑبڑ کرنا اور نہ سمجھنا عدم واقفیت کی دلیل ہے۔"

ملفوظ نمبر ۷۸۰ ایک نووارد صاحب مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے ایک اور صاحب نے جن کو حضرت والا سے کسی قدر بے تکلفی کا درجہ حاصل تھا ایک فقہی مسئلہ پوچھا حضرت والا نے جواب دے دیا۔ اُن نووارد صاحب

نے بھی اسی سلسلہ میں عرض کیا کہ میں بھی کچھ فقہی مسائل پوچھنا چاہتا ہوں، فرمایا کہ اب میں اس کام کا نہیں رہا مسائل زیادہ یاد بھی نہیں۔ میں خود دوسرے علماء سے مسائل پوچھ کر عمل کرتا ہوں۔ یہاں پر مفتی صاحب ہیں ان سے مسائل پوچھیے یا کہیں اور کسی جگہ کے علماء سے۔ عرض کیا کہ کچھ تجوید کے متعلق پوچھ سکتا ہوں۔ فرمایا کہ یہ قاری کا کام ہے قاری سے پوچھا جائے، میں قاری بھی نہیں۔ اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں جھوٹ نہیں۔ نہ میں تواضع کرتا ہوں نہ تکبر کرتا ہوں۔ میرا مذہب تو یہ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے سچ بولنا چاہیئے۔ پھر اس کو خواہ کوئی تواضع سمجھے یا تکبر۔ میں تو صرف ایک کام کا ہوں اس کو بھی نہیں چھپاتا اس سے بھی آپ کو میرے سچ اور جھوٹ کا پتہ چل جائے گا۔ وہ یہ کہ میرے پاس آکر خاموش بیٹھے رہیں جو میں کہوں وہ سنا کریں۔ نہ دوبارہ پوچھیں نہ تکذیب کریں نہ تصدیق کریں جو بات دل کو لگے اور اس میں اپنی آخرت کا نفع سمجھیں عمل کرلیں ورنہ اختیار ہے اور یہ جو میں اس وقت کہہ رہا ہوں یہ بھی سچ ہے اس کو بھی چاہے کوئی تکبر سمجھے اور خاموش بیٹھے رہنے کی جو میں نے صورت تجویز کی ہے یہ اس طریق میں بڑی نافع چیز ہے زیادہ قیل و قال سے طبیعت مردہ ہوجاتی ہے۔ درمیان میں دیواریں کھڑی ہوجاتی ہیں۔ اور یہ خاموش رہنے کی قید اس وقت تک ہے جب تک کہ طریق سے اور مصلح سے مناسبت نہ پیدا ہو اور مناسبت کے بعد تو بولنا زیادہ نافع ہے۔ چنانچہ جن سے بے تکلفی اور مناسبت ہے وہ بولتے ہیں وہ مجھے جانتے ہیں میں اُن کو جانتا ہوں اگر بولنے کو اور مسائل پوچھنے کو جی چاہتا ہے تو ایسی مناسبت پیدا کرو۔ اور بے تکلف بناؤ۔

ملفوظ ۷۸۱ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر کوئی جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھے تو وہ حضور ہی ہوں گے۔ شیطان تو حضور کی شکل میں آ نہیں سکتا۔ فرمایا کہ واقعی شیطان حضور کی شکل میں نہیں آسکتا۔ اور نہ کسی اور نبی کے شکل میں شیطان متشکل ہوسکتا ہے۔ عرض کیا کہ اگر صحابہ میں سے کسی کو خواب میں دیکھے مثلاً حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یا حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ان حضرات کی صورت میں شیطان آسکتا ہے فرمایا مشہور قول پر سوائے انبیاء علیہم السلام کے سب کی شکل میں آسکتا ہے۔

ملفوظ ۷۸۲ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل فہم کی بڑی ہی قلت ہے۔ ایک صاحب کی حماقت ملاحظہ ہو۔ آخر کہاں تک تاویلات کروں کوئی حد بھی ہے مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے کہ بدخلق ہے۔ ان خوش اخلاقوں کی حرکات کو کوئی نہیں دیکھتا۔ ظالم کے تو ہر قول و فعل کی تاویل کی جاتی ہے اور مظلوم کے کسی قول و فعل کی تاویل نہیں ہوتی۔ ان صاحب نے ختم کے متعلق مجھ سے بذریعہ خط معمول پوچھا تھا۔ میں نے لکھ دیا کہ ایک آنہ روز پر دعاء ہوتی رہتی ہے۔ یہ معمول ہے۔ اس میں یہ نفع ہے کہ جو مساکین اللہ اللہ کرنے والے یہاں پر رہتے ہیں ان کی امداد ہوجاتی ہے اور اہل غرض کو دعاء کرانے میں سہولت ہوتی ہے آج صبح ان صاحب کا منی آرڈر آیا ہے کوپن میں لکھتے ہیں کہ حسب الحکم روپیہ روانہ کرتا ہوں۔ ذرا اس بدفہمی کو ملاحظہ کیجئے۔ کیا میں حکم دیتا پھرتا ہوں کہ یہاں پر روپیہ بھیجا کرو۔ میں نے منی آرڈر واپس کردیا اور لکھ دیا کہ حکمنامہ دکھلایئے۔ یہ چیزیں اختلاف کی ہیں جن پر مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے۔ انھوں نے بہت نیک نامی کی بات کی ہے۔ دیکھیے غرض اپنی اور حکم کا بہتان مجھ پر۔ تہذیب تو رہی ہی نہیں۔

اسی طرح ایک صاحب نے مدرسہ کے لئے دو سو روپے کی رقم بھیجی تھی اور لکھا تھا کہ گذشتہ رمضان المبارک میں بھی میں نے مدرسہ کے لئے دو سو روپے کی رقم بھیجی تھی مدرسہ کی رسید نہیں پہونچی۔ امسال پھر دو سو روپے مدرسہ کے لئے بھیجتا ہوں امسال اگر مدرسہ کی رسید نہ پہونچی تو آئندہ سال میں رقم بھیجنا بند کر دوں گا۔ میں نے منی آرڈر واپس کر دیا اور لکھ دیا کہ تم آئندہ سال سے بند کروگے میں اسی سال بند کرتا ہوں۔ رسید وہ دے جو تحریک کرے اگر ہم پر اعتماد ہو اور ایماندار سمجھو بھیجو اگر ایماندار نہ سمجھو اور اعتماد نہ ہو مت بھیجو۔ یہاں پر مدرسہ ہی اللہ کے نام پر ہے نہ کسی سے تحریک نہ کسی کو ترغیب۔ اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ پھر مدرسہ چلے گا کیسے۔ اجی صاحب نہ چلے گا بند کر دینگے مگر انشاءاللہ مانگیں گے نہیں۔ اور مدرسہ نہ رہنے کے وقت دین کی کسی اور خدمت میں لگ جائیں گے۔ جو اپنے سے ہو سکے گی۔

ملفوظ ۷۸۳ ایک نو وارد صاحب نے حاضر ہو کر ایک پرچہ پیش کیا۔ حضرت والا نے ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ یہ تو کوئی راز کی بات نہ تھی زبانی کہہ سکتے تھے یہ بھی فضول بات ہے کہ جو بات زبانی کہہ سکتے ہیں اس کے لئے پرچہ لکھا گیا۔ حدود کی قطعاً رعایت نہیں۔ فکر اور غور سے کام لینے کی عادت ہی نہیں رہی جو جی میں آیا کر لیتے ہیں خواہ اس سے کسی کو اذیت پہونچے یا راحت۔ کچھ فکر نہیں۔ اور میں فکر کے پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہوں بس یہی لڑائی ہے۔ اور میں نے تم کو ابھی پہچانا نہیں۔ عرض کیا کہ ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ فرمایا کیا اس گاؤں کا تمہارا کوئی نام نہیں اس پر خاموش رہے۔ فرمایا کہ یہ دوسری اذیت کی بات شروع کی کہ جواب ندارد۔ پھر فرمایا یہ پرچہ لو اور پیچھے ہٹ کر بیٹھو۔ جب تم کو بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں تو کام کیسے ہوگا۔ خدمت لینے کا یہ طریقہ نہیں۔

ملفوظ ۷۸۴ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ہماری عزت تو اسی میں ہے کہ حجروں میں بیٹھیں اور جو کچھ ہو سکے اللہ کی مخلوق کی خدمت کرتے رہیں۔ اور ہم کو ایسی غریبانہ وضع سے رہنا چاہیئے کہ غریب سے غریب آدمی بھی اگر رات کو ہم کو جگا سکے۔ چاہے اس جگانے سے ہم لڑ ہی پڑیں مگر وہ اس کی جرأت کر سکے۔ اور علماء کو ظاہری شان و شوکت سے رہنا مناسب نہیں اس لئے کہ غریب مسلمان استفادہ نہیں کر سکیں گے۔ میں تو ہمیشہ اس کا خیال رکھتا ہوں۔

ملفوظ ۷۸۵ ایک صاحب نے ڈاکخانہ اور بینک کے سود کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا کہ یہ مسئلہ علماء میں مختلف فیہ ہے میری رائے اس کے خلاف ہے۔ میں ڈاکخانہ اور بینک کے سود کو ناجائز سمجھتا ہوں۔ اسی سلسلہ میں ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر کسی طبیب نے کسی خاص مریض کو کسی خاص تدبیر کے ساتھ سنکھیا کھانے کو بتلا دیا تو اس کا عام اشتہار تھوڑا ہی دیا جاوے گا کہ سب سنکھیا ہی کھایا کریں۔ اگر ایسا کیا تو ہلاکت کا سبب ہوگا۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ فلاں صاحب کا (جن کا نام طفل کی تصغیر ہے) یہ فتویٰ ہے۔ بطور لطیفہ کے فرمایا کہ لڑکوں کی بات کا کیا اعتبار اس تصغیر کے معنیٰ چھوٹے بچے کے ہیں۔

ملفوظ ۷۸۶ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ایسی سرپرستی سے فائدہ ہی کیا۔ سرپرستی کوئی عہدہ تھوڑا ہی ہے ایک خدمت ہے جب وہ لوگ خدمت لینا نہیں چاہتے تو پھر میں کیوں

خادم ہوں مجھ کو تو اور بھی مشاغل سے فرصت نہیں۔

ملفوظ ۷۸۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کام کی اس قدر کثرت ہے کہ مجھ کو لوگوں سے لڑنا پڑتا ہے کیوں کہ وہ آکر فضول وقت خراب کرنا چاہتے ہیں۔ مجھ کو ناگوار ہوتا ہے۔ ان ہی کاموں میں ایک کام یہ ہے جو وعظ چھپتے ہیں اُن کو خود دیکھتا ہوں اُن پر نظر ثانی کرتا ہوں اس میں بڑا وقت صرف ہوتا ہے۔ ایک ڈاک کا کام ہے۔ وہ بہت بڑا کام ہے۔ غرض باوجود تصنیفات کی کمی کے دوسرے کام پھر بھی ایسے ہی ہیں کمی کچھ نہیں۔

ملفوظ ۷۸۸ ایک نووارد صاحب حاضر ہوئے۔ حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ کہاں سے آئے۔ عرض کیا فلاں مقام سے پوچھا کے روز قیام ہوگا۔ عرض کیا کہ دو روز فرمایا کہ اگر پہلے مجھ کو معلوم ہو جاتا اور خط میں آپ لکھ دیتے کہ دو روز قیام ہوگا تو میں یہ مشورہ دیتا کہ آنے کی تکلیف نہ کی جاوے۔ محض دو روز کے لئے اتنی بڑی رقم اتنا بڑا سفر اور اس قدر وقت صرف کیا۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ صرف آپ لوگوں کا ہوتا ہے اور دل میرا کڑھتا ہے۔ اگر خط میں اس کا بھی مشورہ کر لیتے تو زیادہ بہتر ہوتا آپ کے کان میں مشورہ تو پڑ جاتا اس کے بعد آپ کو اختیار ہوتا یہ آپ کی ہی مصلحت سے کہہ رہا ہوں میرا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ مجھ کو لوگ سخت بدنام کرتے ہیں۔ میں بقسم عرض کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی ادنیٰ تکلیف سے میرا دل دکھتا ہے۔ ہاں بے اصول باتوں پر روک ٹوک ضرور کرتا ہوں اس میں بھی میری کوئی مصلحت نہیں۔ انھیں کی مصلحت ہے۔ چنانچہ بڑا حصہ روک ٹوک کا اس لئے ہوتا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان کو اذیت نہ پہونچے۔ اور مسلمانوں کا یہ مذہب ہونا چاہیئے ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

اس میں میری کونسی غرض اور مصلحت ہے۔

۲۱ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم دوشنبہ

ملفوظ ۷۸۹ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون معظم ہوگا مگر خود صحابہ حضور کے ساتھ بے تکلف رہتے تھے۔ صحابہ نے محبت، اور بے تکلفی کو جمع کر کے دکھلایا۔ اور آج کل کی جو تہذیب ہے بالکل خلافِ سنت ہے۔ اچھی خاصی مخلوق پرستی ہے۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ آجکل کی تہذیب تعذیب ہے اور یہ واقعہ ہے کہ جتنا جس چیز میں سنت سے بعد ہوگا اس میں ظاہری بھی کلفت ہوگی اور

باطنی بھی بگر ایسی بے تکلفی بھی نہیں چاہیئے کہ بڑوں کے ساتھ درجہ مساوات کا پیدا ہو جائے۔ ہر چیز کے حدود ہیں اب تو حقائق پر رسوم کا غلبہ ہے اور قریب قریب اس میں سب کو ابتلاء ہے۔

ملفوظ ۷۹۰ ایک دیہاتی شخص نے آکر تعویذ مانگا اور یہ نہیں کہا کہ کس چیز کا تعویذ۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ میاں پوری بات کہو۔ ادھوری بات کو تو کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا۔ عرض کیا کہ اوپرے اثر کا تعویذ چاہیئے فرمایا کہ بدون کہے اور بتلائے ہوئے میں کس چیز کا تعویذ دیتا۔ جاؤ اب تو دل بُرا کر دیا پاؤ گھنٹہ کے بعد آکر پوری بات کہنا تب تعویذ دوں گا۔ تم کو یاد تو رہے گا کہ ادھوری بات سے دوسرے کو تکلیف ہوا کرتی ہے۔ دوسرے یہ ایک مسئلہ ہے اس فن کا کہ جب تک عامل میں انشراح اور بشاشت نہ ہو تعویذ میں اثر نہیں ہوتا۔ لوگوں کو اس کی خبر نہیں۔ مسمریزم کی طرح قوتِ خیالیہ کو اس میں بھی دخل ہے اس لئے تکدر یا تشویش مانع اثر ہوتی ہے۔ اس پر ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مسمریزم میں بھی قوتِ خیالیہ کو دخل ہے اور بزرگوں کے تصرف میں قوتِ خیالیہ کو دخل ہے۔ ان دونوں میں فرق کیا ہوا۔ فرمایا کہ ذات میں تو فرق نہیں اغراض میں فرق ہے۔ جیسے کُشتی کا فن ہے کہ دشمن کے پچھاڑنے کے واسطے ہے یہ تو مشترک ہے۔ پھر اگر اس سے دوست کو پچھاڑا جائے تو اور حکم ہے اور دشمن کو پچھاڑا جائے اور حکم ہے۔ یہ دونوں میں فرق ہے۔ باقی حقیقت دونوں جگہ ایک ہے۔

ملفوظ ۷۹۱ ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ آج کل خوش اخلاقی کے معنی یہ سمجھے جاتے ہیں کہ دوسرے کا تابع ہو جائے مگر دوسروں کی اصلاح کا کام سپرد ہوتے ہوئے میرا خوش اخلاق ہونا مشکل ہے۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ میری بد اخلاقی دوسروں کی خوش اخلاقی کا مقدمہ ہے۔ ہاں مامون رشید کا مذہب اسی متعارف خوش اخلاقی کا تھا۔ چنانچہ یحییٰ ابن اکثم جو بخاری کے شیخ ہیں۔ مامون رشید کے یہاں مہمان ہوئے۔ شب کو کسی ضرورت سے مامون رشید نے اپنے غلام کو آواز دی یا غلام یا غلام۔ اول تو کوئی بولا نہیں۔ لیکن چند بار کی آواز دینے کے بعد ایک غلام بڑبڑاتا ہوا اپنے بستر سے اٹھا اور کہنا شروع کیا کہ شب کو بھی آرام نہیں کرنے دیتے دن بھر تو کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔ شب کو بھی یا غلام یا غلام۔ مار دو غلاموں کو، پھانسی دے دو غلاموں کو۔ ذبح کر دو غلاموں کو سنکھیا دیدو غلاموں کو۔ رات کو بھی چین نہیں۔ حضرت یحییٰ ابن اکثم کو غصہ آگیا اور مامون رشید سے فرمایا کہ اے امیر المومنین ان غلاموں کے اخلاق آپ نے خراب کر رکھے ہیں۔ عجیب جواب دیا کہا کہ اگر ان کے اخلاق درست کروں تو پہلے اپنے اخلاق خراب کرنے پڑتے ہیں۔ سو میری جوتی کو غرض پڑی ہے کہ میں ان کے لئے اپنے اخلاق خراب کروں۔ سو مصلح کبھی خوش اخلاق مشہور ہو ہی نہیں سکتا۔ بد اخلاق ہی مشہور ہوگا۔ علاوہ اس کے ایک وجہ میری زیادہ بدنامی کی یہ بھی ہے کہ اور کسی جگہ ہیں اصلاح اور تربیت کے ذیل میں روک ٹوک محاسبہ معاقبہ ہے ہی نہیں محض اوراد اور وظائف کو طریق سمجھ رکھا ہے اور کیفیات کو ثمرہ۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اعمال طریق ہیں اور رضاء حق مقصود ہے۔

ملفوظ ۷۹۲ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صاحب نے جو مجھ سے بے تکلف تھے کہا کہ آپ نفس پروری

بہت کرتے ہیں میں نے کہا کہ یہ تو صغریٰ ہے اور کبریٰ کہاں ہے کہ نفس پروری حرام ہے بلکہ اس میں تفصیل ہے کہ اگر اذن شرعی کے اندر اندر ہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ یہ تو ضابطہ کا جواب ہے باقی اپنے مذاق کے موافق جواب یہ ہے کہ میں نفس کشی کا دعوے کب کرتا ہوں بلکہ میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ میرے متعلق فلاں مولوی سے پوچھو وہ کہا کرتے ہے کہ اس کا عمل رخص پر ہے۔ میں نے اس شخص کے متعلق کچھ لکھا تھا مگر اس میں اس کا نام نہیں لکھا تھا کہ رسوائی نہ ہو۔ صرف یہ لکھ دیا تھا کہ اس کے وطن کا پتہ اس شعر کے بعض الفاظ کے تھوڑے تغیر سے لگ جائے گا وہ شعر یہ ہے

سنبھل کے رکھنا قدم دشت خار میں مجنوں ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

اور وہ تغیر غنہ سے اقلاب ہے۔

ملفوظ ۷۹۳ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نے ایک انگریزی خواں کی غلطی پر خط سے متنبہ کیا تھا ان لوگوں کے اخلاق بھی عجیب ہوتے ہیں۔ اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ کیا آپ مجھ کو معاف کر سکتے ہیں میں نے لکھا کہ یہ تو استفسار ہے معافی کی درخواست نہیں ہے۔ کیا جس سے معافی چاہا کرتے ہیں اس سے پوچھا بھی کرتے ہیں کہ معاف کر دگے یا نہیں اس پر جواب میں لکھا کہ وہ استفسار نہ تھا بلکہ معافی کی درخواست ہی تھی۔ میں نے لکھا کہ جب میں اس قدر کوڑ مغز ہوں کہ دونوں کے مفہوم میں بھی فرق نہ کر سکا اور نہ سمجھ سکا ایسے شخص سے تعلق پیدا کرنا ہی فضول ہے اس لئے کہ اس سے کوئی امید نفع کی نہیں۔ اس پر ٹھیک جواب آیا جس سے معلوم ہوا کہ دماغ سیدھا ہو گیا لکھا ہے کہ فی الحقیقت مجھ سے غلطی ہوئی اور یہ تاویل نفسانی اور شیطانی تھی اور یہ اثر ہے اس منحوس انگریزی تعلیم کا جو میرے دماغ میں خناس بھرا ہے۔ للہ معاف فرمائیے۔ اب بتلائے کہ یہ باتیں قابل اصلاح ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو اصلاح کے طریق سے اصلاح ہو سکتی ہے۔ نہیں تو پھر تعلق کا رکھنا اور تربیت کا التزام ہی بیکار ہے۔

ملفوظ ۷۹۴ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ تربیت کا فن بہت ہی نازک ہے ہر شخص کے ساتھ جدا معاملہ کرنا پڑتا ہے۔ ایک نوعمر خان صاحب یہاں پر آئے تھے چند روز قیام کر کے وطن واپس ہو گئے وطن پہنچ کر لکھا کہ مجھ میں کبر کا مرض ہے۔ میں نے ان کے زمانہ قیام میں ان کی طبیعت اور عقل و فہم کا اندازہ کر لیا تھا۔ نہایت سلیم الطبع آدمی ہیں۔ میں نے لکھا کہ اس ہی مضمون کو پانچ مرتبہ پانچ خطوط میں لکھ کر میرے پاس بھیجو و انشاء اللہ تعالےٰ مرض کا ازالہ ہو جائے گا۔ میں ان کی سلامت طبع سے سمجھ گیا تھا کہ یہ بار بار کا لکھنا ہی ان کے لئے بڑا مجاہدہ ہے۔ چنانچہ پانچ مرتبہ لکھا۔ بحمد اللہ مرض کا ازالہ ہو گیا۔ اب یہ بات کونسی کتاب میں لکھی تھی۔ اس طریق میں اور برزخ میں کوئی فرق نہیں۔ جیسے وہاں ہر مردے سے حساب کتاب جدا۔ معاملہ جدا۔ اسی طرح اس طریق میں ہے کہ ہر شخص سے جدا حساب کتاب۔ جدا معاملہ سب کو ایک لکڑی نہیں ہانکا جاتا۔ طبیب اور مریض کا سا معاملہ ہے۔ ہر شخص کا مزاج جدا۔ مرض جدا۔ قوت جدا۔ اگر دو مریض جو ظاہراً ایک ہی مرض کے مریض ہوں۔ طبیب حاذق کے پاس آتے ہیں تو وہ اسباب مرض کے اختلاف سے دونوں کے لئے جدا جدا تجویز کرتا ہے اس ہی لئے ضرورت

ہے کہ شیخ فن تربیت میں کامل ہو۔

ملفوظ ۹۵ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں خیر خواہی سے عرض کرتا ہوں سب سن لیں۔ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اس طریق میں دو چیزیں طالب کے لئے راہزن اور سم قاتل ہیں۔ ایک تاویل اپنی غلطی کی اور دوسرے اپنے معلم پر اعتراض۔

ملفوظ ۹۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آئے دن عنایت فرما میری تصانیف پر اعتراضات کرتے رہتے ہیں جس کو میں اپنے لئے رحمت سمجھتا ہوں اس لئے کہ میں جو کام ہزاروں روپے صرف کر کے بھی نہ کر سکتا تھا یعنی تالیفات کی تنقیح وہ عنایت فرماؤں کی بدولت مفت ہو رہا ہے۔ ان اعتراضات میں جو بات قابل قبول ہوتی ہے اس کو میں قبول کر لیتا ہوں اور ترجیح الراجح میں اس کی اشاعت کر دیتا ہوں۔ خدانخواستہ کوئی ضد تھوڑا ہی ہے۔ اگر کوئی نیک مشورہ خیر خواہی سے دے مجھے کوئی ناگواری نہیں ہوتی بلکہ اس شخص کی دل میں اور وقعت اور عظمت ہوتی ہے کہ اس کو دین کی فکر ہے۔ خیال ہے لیکن شرط یہ ہے کہ تہذیب سے خطاب کرے گو بدتہذیبی سے بھی خطاب کرنے میں نیک بات کو تو قبول کروں گا لیکن اس کی بدتمیزی اور بدتہذیبی پر ناگواری ضرور ہو گی۔ اور یہ تو دین کی خدمت ہے۔ سب مسلمانوں کا فرض ہے اس کی خدمت کرنا۔ مگر آج کل تو اکثر منشا اعتراض کا محض بغض و عداوت اور حسد ہوتا ہے۔ نہ خود سمجھیں نہ سمجھا دیں۔ یہی حالت ہے اُن معترضین کی جو حضرت شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات کرتے ہیں۔ ان کی حقیقت ایک مثال سے سن لیجئے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کا ایک عجیب جواب نقل فرمایا۔ بزرگوں کے جواب بھی عجیب ہوتے ہیں۔ عام مناظرین کا ذہن وہاں تک پہنچا بھی نہیں۔ مولانا محدث سے ایک مولوی صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ حضرت شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تقویۃ الایمان میں اس عنوان سے ایک عبارت لکھی ہے کہ اگر خدا چاہے تو محمد صلے اللہ علیہ وسلم جیسے سیکڑوں بنا ڈالے اور یہ محاورہ میں صیغہ تحقیر کا ہے۔ اس میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تحقیر ہے کہ بنا ڈالے۔ حضرت مولانا محدث نے فرمایا کہ یہ فعل کی تحقیر ہے مفعول کی نہیں۔ یعنی بنا ڈالنے کی تحقیر ہے کہ ان کو سہل ہے کہنے لگے کہ حضرت یہ تو تاویل ہے۔ فرمایا بہت اچھا اگر تاویل ہے جانے دیجئے یہ حضرات عجیب شان کے تھے کسی فضول بات کے پیچھے دبڑتے تھے۔ درپے نہ ہوتے تھے۔ عجیب اتفاق کہ دو تین ہی روز کے بعد یہ معترض مولوی صاحب مولانا سے عرض کرنے لگے کہ حضرت مشکوٰۃ شریف۔ ترمذی شریف تو آپ نے چھپوا دیں اب تو بیضاوی شریف چھپوا ڈالئے۔ مولانا نے فرمایا کہ مولوی صاحب یہ وہی ڈالنا ہے جس سے مولانا شہید پر فتویٰ لگایا گیا ہے۔ اب بتلاؤ اس سے بیضاوی شریف کی تحقیر ہوئی اور کلام اللہ اس کا جزو ہے اور کل کی تحقیر مستلزم ہے۔ جزو کی تحقیر کو اور قرآن پاک کی تحقیر کفر ہے۔ اس وقت ان مولوی صاحب کی آنکھیں کھلیں عرض کیا کہ حضرت واقعی اس کا مطلب تو خود میرے ہی ذہن میں تھا کہ چھپوا ڈالنے سے ہرگز بیضاوی شریف کی تحقیر مقصود نہ تھی بلکہ مطلب یہ تھا کہ آپ کے پاس سامان موجود ہے۔ آپ کو چھپوا دینا آسان ہے۔ حضرت شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر ایک بہت بڑا اعتراض تھا۔ اس کی حقیقت مولانا کے جواب سے واضح ہو گئی ایسے ہی کل اعتراضات کی

حالت ہے مگر یہ جتنے اہلِ باطل ہیں وہ حسد میں اندھے ہو جاتے ہیں۔

۲۲ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم سہ شنبہ

ملفوظ ۷۹۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کسی کے ستانے پر مظلوم اگر ظالم کو کچھ کہہ سن لے تو اس پر سے انتقام کم ہو جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی کسی نے چوری کی آپ نے بد دعا کی حضور نے فرمایا کہ تمھاری اس بد دعا سے اس کے انتقام میں تخفیف ہو رہی ہے۔ ایک مجذوب کا قول ایک بزرگ نے نقل کیا کہ جو تمھیں ستا دے نہ بدلا لو اور نہ صبر کرو۔ شرح اس کی یہ ہے کہ نہ پورا بدلا لو اور نہ بالکل در گذر کرو مطلب یہ کہ کچھ تھوڑا سا بدلہ لے لو۔ کچھ بُرا بھلا کہہ لو۔ اس کا مبنیٰ بھی شفقت ہے کہ صبر سے وبال پڑے گا اور پورا بدلہ لینے کی تکلیف ہوگی۔ اور اصلی مذاق تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تھا کہ کفار کے لئے بد دعاء کرنے کو عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں بد دعاء نہ کروں گا مجھ کو حق تعالیٰ نے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اور جہاں اس کے خلاف وہاں کسی خاص حکمت پر مبنی ہے۔

ملفوظ ۷۹۸ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میرے یہاں تو شجرہ کی رسم ہے نہیں ایک مرتبہ فلاں مولوی صاحب نے بہت سے شجرے چھپوا کر بھیج دیئے میں نے واپس کر دیئے کہ میں کہاں حفاظت کروں گا۔ ایک شخص نے منجملہ اور باتوں کے یہ بھی لکھا کہ ایک شجرہ بھی بھیج دو۔ میں نے لکھ دیا تھا کہ گو کوئی ثمرہ نہ ہو۔

ملفوظ ۷۹۹ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ فلاں خاں صاحب نے ہمیشہ مجھ کو گالیاں دیں مگر کبھی قلب میں آج بھی انتقام کا نہیں آیا البتہ ان کے متعلق میں یہ شعر ضرور پڑھا کرتا ہوں ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں ترپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں

اگر ہمارے مخالف کے ساتھ کوئی رد و قدح کرے ہمیں کوئی مسرت نہیں۔ ہمارے بزرگوں کا یہی مسلک تھا یہی مشرب تھا۔ مسرت اس سے ہوتی ہے کہ آدمی اپنے کام میں لگے۔

ملفوظ ۸۰۰ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نوٹ سے سونا چاندی نہیں خرید سکتے، اور چیزیں خرید سکتے ہیں ہاں نوٹ سے قرض دے سکتے ہیں۔ خریداری اور چیز ہے۔ قرض اور چیز ہے۔ دونوں میں فرق ہے۔ نوٹ حوالہ ہے مال کا خود مال نہیں ہے تو جس عقد میں حوالہ جائز نہیں نوٹ دینا بھی

جائز نہیں اور جس میں حوالہ جائز ہے نوٹ دینا بھی جائز ہے۔

پھر اسی سلسلہ میں بھوپال کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ بھوپال میں چونکہ اسلامی ریاست ہے۔ وہاں کے صراف تک جائز ناجائز سے واقف ہیں۔ ایک مسلمان صاحب بھوپال میں ایک صراف کی دکان پر گئے۔ اور کوئی چیز چاندی سونے کی ادھار خریدنا چاہا۔ اس نے کہا کہ اس طرح پر تو تمہارے مذہب میں جائز نہیں۔ آگے جواز کی صورت بتلا دی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کا انتظام فرمایا تھا۔ یہ حکم دے دیا تھا کہ فقیہ کے سوا کوئی بازار میں نہ بیٹھے۔ یہ روایت موطا امام مالک میں ہے۔ آپ نے اس قانون سے سارے ملک کو اور بازاروں کو مدرسہ بنا دیا تھا مطلب یہ تھا کہ سب لوگ دین کے مسائل سے واقف ہو جائیں۔ اس کی یہ صورت تجویز کی تھی عجیب تدبیر ہے۔

ملفوظ ۸۰۱ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ غالباً علامہ شامی نے لکھا ہے کہ عوام کو تحقیق کے ساتھ جواب نہ دیا جائے۔ واقعی کام کی بات فرمائی اس میں اندیشہ ہے کہ وہ مفید رشوت کا دعوی کر بیٹھے گا۔ جیسے کہ طبیب سے کوئی پوچھے کہ اگر دموی مرض ہے تو کیا نسخہ اور صفراوی مرض ہے تو کیا نسخہ۔ یہ واہیات سلسلہ ہے جو صورت اور حال موجود ہے اس کا سوال ہو اور اسی پر جواب ہو اسی میں تحفظ ہے۔

ملفوظ ۸۰۲ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ انگریزوں کی نجاست کی تو روایت ہے جو سنی ہوئی ہے کہ یہ حرام چیزیں استعمال کرتے ہیں مگر اس پر بھی نفرت ہے۔ اور ہندوؤں کے نجاست کی تو روایت ہے جو اپنی آنکھوں سے دیکھی جاتی ہے مگر اس سے نفرت نہیں کرتے۔ مجھ کو تو ان سب کے یہاں کی اشیاء کے استعمال سے نفرت ہے۔ لیکن میں دین میں تحریف کرنا نہیں چاہتا۔ جن شرائط اور قیود کے ساتھ شریعت نے جواز کا حکم دیا ہے جائز سمجھتا ہوں خواہ وہ انگریزوں کے یہاں کی چیز ہو یا ہندوؤں کی یہاں کی کسی چیز میں حدود سے تجاوز نہ ہونا چاہیئے جیسا کہ تحریک کے زمانہ میں حدود شرعیہ سے تجاوز کر کے فتوے دیئے گئے۔

ملفوظ ۸۰۳ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر واقعات کی حقیقت نہ معلوم ہو تو شریعت میں عفو ہے اور حقیقت معلوم ہونے پر اگر مسائل معلوم نہ ہوں تو پھر معاف نہ سمجھا جاوے مسائل کا معلوم کرنا فرض ہے۔

ملفوظ ۸۰۴ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل لوگ مریض بن کر اصلاح کرانے تھوڑا ہی آتے ہیں طبیب بن کر یا طبیب بننے کی نیت سے آتے ہیں۔ فن کی تحقیقات کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کے حکم اور لم و اسرار کی جستجو کرتے ہیں کس قدر حماقت ہے۔ اگر اس طرح فن آجایا کرتا تو آج دنیا میں ایک بھی غیر طبیب نظر نہ آتا مگر دیکھا یہ جاتا ہے کہ طبیب کم ہیں غیر طبیب زیادہ ہیں۔ ایسے ہی اس طریق اصلاح میں سمجھ لو ہر شخص مصلح نہیں بن سکتا کسی کی جوتیاں سیدھی کرو اور سیدھی کرنا کیا معنی جوتیاں کھاؤ۔ ناک رگڑو۔ دماغوں سے خناس کو نکالو۔ اپنے کو کسی کے سپرد کر دو اس پر بھی اگر کچھ مل جائے تو فضل خداوندی سمجھو۔ لیکن گھر بیٹھے بٹھلائے کہ نہ کچھ کرنا پڑے نہ کچھ دھرنا اور سب کچھ بننا چاہتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی کیمیا گر کے پاس جا کر یہ چاہے کہ کچھ کرنا

دھرنا تو پڑے نہیں اور کیمیا بنانا آجائے۔ وہ یہی کہے گا پہلے یہ تو معلوم کیا ہوتا کہ مجھ کو بھی اسی طرح کیمیا بنانی آئی ہے جس طرح تو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اب ایک عالم ہے مسند پر بیٹھا ہوا تکیہ لگائے علوم بیان کر رہا ہے ایک شخص عامی بے لکھا پڑھا جائے کہ مجھ کو بھی علوم بتلا دو سکھا دو۔ وہ کہے گا کہ جا دس بارہ برس کسی مدرسہ میں جا کر استادوں کی جوتیاں سیدھی کر جوتیاں کھا۔ ڈنڈے اور دول کھا۔ پیر دبا۔ سارے سارے دن محنت کر۔ ساری ساری رات چراغ کے سامنے آنکھیں سینک۔ راتوں کی نیند اپنے پر حرام کر۔ تب کہیں یہ چیز میسر ہوگی تو صاحب کام تو کام ہی کے طریق سے ہوتا ہے بدون جد و جہد اور سعی و کوشش کے کسی چیز کا حاصل ہونا دشوار ہے۔

ملفوظ ۸۰۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل لوگ بوجہ جہالت کے صنائع کو علوم سمجھتے ہیں۔ ان کو تو علوم کہنا بھی جائز نہیں۔ علوم اور چیز ہیں مصنوعات اور چیز ہیں۔ آج کل جو لوگ مادیات میں ترقی کر رہے ہیں ان کو علوم کی تو ہوا بھی نہیں لگی۔ علوم کی دولت تو اللہ تعالے نے ایمان والوں کو دی ہے اور ان کے اندر وہ چیز ہے جس سے یہ ترقی یافتہ قومیں محروم ہیں وہ نور ایمان ہے اس دولت کے سامنے تمام ترقیاں اور دولتیں و حکومتیں گرد ہیں اس کے ہوتے ہوئے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ حاجت نہیں۔ اس نور ایمان کی حفاظت کرو۔ خصوص اس وقت کہ ایسا پر فتن زمانہ ہے کہ ایمان ہی کے لالے پڑ رہے ہیں لیکن اس پر بھی اگر مسلمان سنبھلیں اور خواب سے جاگیں اور اپنے ایمان اور اعمال کی حفاظت کریں اور خدا کو راضی رکھنے کی فکر کریں تو میں بقسم عرض کرتا ہوں کہ تمام عالم سر کے بل ان کے قدموں پر آ پڑے اور یہ علوم مادیہ سب واہیات اور خرافات نظر آنے لگیں۔ مگر افسوس ہے کہ ظاہری ٹیپ ٹاپ دیکھ کر خود مسلمان گداگری کرتے پھرتے ہیں۔ ان کو خبر نہیں کہ ان کے اندر کیا دولت اور کیا نعمت خدا نے رکھی ہے اس کی قدر کرو۔

میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور کون ذریعہ ہے یقین دلانے کا اور کس دل میں ڈال دوں کہ ہمارے یہاں بحمد اللہ کچھ نہ ہونے پر سب کچھ ہے۔ اور دوسروں کے یہاں سب کچھ ہونے پر بھی کچھ نہیں کیونکہ ان کے پاس بظاہر دنیا ہے جس کو تم ہونا سمجھتے ہو مگر یہ فانی ہے کچھ نہیں اور تمہارے پاس بظاہر دنیا نہیں جس کو نہ ہونا سمجھتے ہو لیکن ایک چیز ایسی ہے کہ وہ سب کچھ ہے اور وہ ایمان ہے کیونکہ وہ باقی ہے۔ اسی پر مدار ہے اور بازار آخرت میں یہی سکہ چلے گا وہاں پر تم مالا مال نظر آؤ گے۔ اور یہ دوسرے لوگ خالی ہاتھ اُس وقت اس کی قدر ہوگی۔

۲۲ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم سہ شنبہ

ملفوظ ۸۰۶ ایک صاحب نے عرض کہ حضرت ایک لڑکا ہے اس کے مزاج میں تیزی اور غصہ بہت ہے اس کے

لئے ایک تعویذ دے دیجئے گا۔ فرمایا اس کا کیا تعویذ ہوتا کسی حلیم شخص کی صحبت میں رکھنے کی ضرورت ہے اس تدبیر سے تو امید بھی ہے کہ کمی واقع ہو جائے۔ اگر اس کا کوئی تعویذ ہوتا تو پہلے لکھ کر اپنے باندھتا اب پیرانہ سالی کے اقتضاء کی وجہ سے تو کچھ غصہ کم ہوا ہے مگر اب بھی ہے۔

ملفوظ ۸۰۷ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مولویوں کو نہیں چاہیئے ایسے قصوں اور جھگڑوں میں پڑنا ان کو تو یہ چاہیئے کہ دو جگہ رہیں مسجد اور گھر ایسے قصوں میں پڑنے سے اپنے اصلی کاموں سے رہ جاتے ہیں۔ امام محمد صاحب سے منقول ہے کہ علماء کو کسی مقدمہ میں شہادت نہیں دینی چاہیئے۔ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ علماء کو کسی کی دعوت نہیں کھانی چاہیئے۔ یہ سب اس لئے کہ ان چیزوں سے تعلقات یا خصومات پیدا ہوتے ہیں اور علماء کے ساتھ سب مسلمانوں کا یکساں تعلق ہونا چاہیئے۔

ملفوظ ۸۰۸ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جتنے ذہین آدمی ہیں ان کے خیالات میں اجتماع نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ بنگالیوں اور ہندوستانیوں میں ذکر و شغل کے بعض آثار میں فرق ہوتا ہے۔ ایک صاحب بہت ناز سے کہنے لگے کہ آپ کے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بنگالیوں کی بڑی قدر ہے۔ وہ فوراً کامیاب ہو جاتے ہیں۔ انھوں نے بعض آثار کو کامیابی قرار دیا۔ میں نے کہا ان کے یہاں جمود ہے اور تمہارے یہاں حرکت ہے ان کو جس کام میں لگا دیا جاتا ہے۔ لگے رہتے ہیں اور تم کو ایک حال پر قرار نہیں۔ یہی فرق ہے مسلمان اور ہندو میں۔ ایک مسلمان بچے کو دکان پر بٹھائیے نہیں بیٹھ سکتا۔ اس کی یہ کیفیت رہتی ہے الم تر انھم فی کل واد یھیمون۔ ایک ہندو کے بچے کو بٹھائیے معتکف ہوئے بیٹھا رہے گا اس کی یہ کیفیت ہوگی یعکفون علی اصنام لھم یہی فرق دونوں کی مشق حساب کی حالت میں ہے۔ ہندو کا بچہ سو سو سوالات نکال کر بھی سانس نہ لے گا اور مسلمان کا بچہ زائد سے زائد دو چار سوال نکالے گا اور گھبرا جائے گا۔ یہی فرق ذہین اور غیر ذہین میں سمجھ لیا جاوے۔ ذہین آدمی کا ذہن ہر وقت حرکت میں رہتا ہے اس لئے جو ثمرات یکسوئی پر مرتب ہوتے ہیں وہ ان کو کم حاصل ہوتے ہیں۔ مگر یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ نہ ایسی ذہانت مقصود ہے نہ ایسے ثمرات۔

ملفوظ ۸۰۹ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ طریق تو بہت سہل چیز ہے مگر لوگوں نے خود سخت بنا رکھا ہے۔ فضول اور غیر مقصود چیزوں کو اس میں ٹھونس کر سخت کر لیا۔ حالانکہ اب اختیاری اور غیر اختیاری کے مسئلہ نے تمام سلوک کے مراحل کو آسان کر دیا۔ مگر اب بھی اگر لوگ دشواریوں ہی کا شکار بنیں تو اس کا کیا علاج۔

ملفوظ ۸۱۰ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ اعمال بڑی چیز ہیں۔ احوال میں کیا رکھا ہے۔ اعمال میں جو کیفیات ہیں وہ نہایت ہی لطیف ہیں محسوس نہیں ہوتیں اور یہ روحانی کیفیات ہوتی ہیں جو اعمال سے پیدا ہوتی ہیں اور احوال اکثر نفسانی ہوتے ہیں اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ اعمال میں جو کیفیات ہوتی ہیں ان میں سکون ہوتا ہے اور احوال نفسانی میں ایک قسم کا زور شور ہوتا ہے جس کی وجہ سے یہ محسوس ہوتے

ہیں وہ محسوس نہیں ہوتے لیکن اصل چیز اعمال ہی ہیں مگر چونکہ ان کے ثمرات باطنی لطیف ہوتے ہیں اور محسوس نہیں ہوتے۔ اس لئے سالک یہ سمجھتا ہے کہ مجھ کو کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اسی باب میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ اگر تمام عمر کے مجاہدات و ریاضات کے بعد یہ سمجھے کہ مجھ کو کچھ حاصل نہیں ہوا تو اس کو سب کچھ حاصل ہو گیا بشرطیکہ اعمال میں خلل نہ ہو کیونکہ اس حالت میں اس کی کیفیات روحانی ہیں جو حقیقی کمالات ہیں۔ دوسرے یہ سمجھنا علامت ہے فناء کی جو منتہی ہے سلوک کی۔ ایک شخص نے مجھ کو لکھا تھا کہ اتنا زمانہ ذکر و شغل کرتے ہوئے ہو گیا لیکن کچھ بھی تو حاصل نہ ہوا۔ میں نے لکھا کہ یہ یوم عید ہے جس میں یہ خیال ہے کہ مجھ کو حاصل نہیں اور وہ یوم ماتم ہو گا جس روز یہ خیال ہو گا کہ مجھ کو کچھ حاصل ہے۔

ملفوظ ۸۱۱ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ سچ تو یہ ہے کہ ہمارے بزرگ ہم کو بگاڑ گئے کوئی اور پسند ہی نہیں آتا بس یہ رنگ ہو گیا ؎

ہمہ شہر پر ز خوبان منم و خیال ماہے — چہ کنم کہ چشم بدخو نکند بکس نگاہے

خصوص آج کل تو مصنوعی لوگ زیادہ ہیں جو بزرگی کا دعوے کرتے پھرتے ہیں وہ تو کیا پسند آتے جبکہ واقع میں بھی اگر بزرگ ہوتے پسند نہ آتے اب اگر کوئی پوچھے کہ ان بزرگوں میں کیا چیز تھی جو اوروں میں نہیں سو اس چیز کا کیا نام بتلادیں وہ چیز تو اس شعر کا مصداق ہے ؎

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست — بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

وہ ایک ذوقی چیز ہے اور ذوقیات کی یہ شان ہوتی ہے ؎

شاہد آں نیست کہ موئے ومیانے دارد — بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد

ملفوظ ۸۱۲ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل تو ایسے طالب رہ گئے ہیں کہ ایک صاحب نے مجھ کو لکھا کہ مجھ کو آپ یہ بتلادیں کہ مجھ میں اس طریق کی اہلیت بھی ہے یا نہیں اگر ہے تو میں اس کام میں لگوں ورنہ اور کام کروں۔ میں نے لکھا کہ اگر کوئی شخص کسی بازاری عورت سے یہ کہے کہ بی یہ بتلادے کہ تو مجھ کو دل بھی جا دے گی اگر اس کی امید ہو تو میں کوشش کروں ورنہ کسی اور کام میں لگوں وہ اس پر ایک دھول لگائے گی کہ نالائق یہ بات بھی کوئی مجھ سے پوچھنے کی ہے۔ جب وہ اس سوال کو گوارا نہیں کر سکتی تو کیا خدا تعالیٰ کی محبت کا حق اس سے بھی کم ہے۔ خوب فرماتے ہیں ؎

عشق مولے کے کم از لیلے بود — گوئے گشتن بہر او اولٰے بود

ملفوظ ۸۱۳ ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ اس ہی لئے اب میری یہ رائے ہو گئی ہے جو تجربہ سے بھی بحمد اللہ مفید ثابت ہو چکی ہے کہ یہاں پر چند روز خاموشی کے ساتھ رہو مکاتبت مخاطبت کچھ نہ کرو اس میں طرفین کی راحت ہے اور خصوص طالب کی مصلحت زیادہ ہے وہ یہ کہ اس طریق میں مدار نفع کا مناسبت پر ہے اور اس صورت میں مناسبت سہولت سے پیدا ہونے کی امید ہے۔

ملفوظ ۱۴ ۸ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میری طبیعت ذکر کی طرف نہیں آتی۔ میں نے لکھا ہے کہ خود نہیں آتی بلانے سے بھی نہیں آتی۔ اس قسم کی غلطیوں میں اکثر لوگوں کو ابتلاء ہے۔ بہت لوگ لکھتے ہیں کہ نماز کو جی نہیں چاہتا۔ ذکر میں جی نہیں لگتا مزا نہیں آتا۔ میں صرف ایک سوال کرتا ہوں کہ پھر اس میں دینی ضرر کیا ہے جو چیز اختیاری ہے یعنی اعمال اس پر تو قدرت ہے وہ کرتے رہو۔ اس کا کوئی آج تک جواب نہیں دیا۔

ملفوظ ۱۵ ۸ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جو کام اصول اور حدود کے ماتحت ہوگا وہ کام چاہے دین کا ہو یا دنیا کا ہمیشہ اس میں خیر اور برکت ہوگی۔ یہ اور جو کام اصول اور حدود سے خارج کئے جاتے ہیں ان میں ہمیشہ بے برکتی ہوتی ہے۔ آج کل اکثر مسلمانوں میں اسی چیز کی کمی ہے۔

۲۳ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم چہار شنبہ

ملفوظ ۱۶ ۸ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر خانقاہ میں بجلی کی روشنی اور پانی کا نل لے لیا جاوے تو بڑا آرام ہو جائے۔ فرمایا کہ اب ہی کونسی تکلیف ہے۔ میں نے تو بجلی کا گھر میں لینا بھی پسند نہیں کیا۔ اکثر حوادث جو اس بجلی کی بدولت واقع ہوئے ہیں وہ نہایت ہی عبرتناک ہیں بلکہ جتنی نئی چیزیں ہیں سب خطرناک ہیں۔ دیکھئے ریل کس قدر ضرورت کی چیز ہے مگر جب تک آدمی اس کے اندر ہوتا ہے موت کے منہ میں ہوتا ہے۔ میں تو جس زمانہ میں سفر کرتا تھا جب تک ریل سے نہ اتر لیتا تھا برابر موت کا مراقبہ رہتا تھا اس اعتبار سے سبب رحمت بھی ہے کہ موت کو یاد دلاتی ہے۔

ملفوظ ۱۷ ۸ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جب تک آدمی دین کا پابند نہ ہو اس کی کسی بات کا بھی اعتبار نہیں کیونکہ اس کا کوئی کام حدود کے اندر تو ہوگا نہیں۔ اگر دوستی ہوگی وہ حدود سے باہر اور دشمنی ہوگی وہ حدود سے باہر جب حدود ہی نہیں تو ایسا شخص ظاہر ہے کہ سخت خطرناک ہوگا۔ ایک سندھی مولوی صاحب کی یہ رائے تھی کہ ہندوؤں کے ساتھ شرکت کرنی چاہیئے۔ مجھ سے بھی انھوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ میں نے کہا کہ ہندوؤں کے ساتھ شریک ہونے میں دنیا کا تو ضرر معلوم نہیں کیا ہوگا مگر دین کا ضرر تو کھلا ہوا ہے۔ اس لئے کہ ان کا تو دین نہیں مذہب نہیں اگر تم نے دین حق پر عمل کیا تو شرکت کیسی اور اگر شرکت کی تو دین کہاں وجہ یہ ہے کہ وہ جو تجویز کریں گے وہ دنیا کے مصالح کے ماتحت ہوگا۔ وہ اپنی اغراض پورا کرنے کے لئے جو صورت بھی نافع سمجھیں پاس کر دینگے اور اس پر عمل کرینگے۔ مثلاً ایک مسئلہ مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ عین قتال کے وقت حکم ہے کہ اگر مقابل زبان سے کلمہ پڑھ دے تو ہاتھ روک لو۔ اب بتلایئے

اس صورت میں دوسری قوم کے ساتھ کیسے نباہ ہوگا۔ اور یہاں سے ایک اور مستقل فائدہ بھی معلوم ہوگیا کہ اسلام کے حق اور خدائی مذہب ہونے کی یہ بھی ایک بڑی دلیل ہے کہ اتنا بڑا ہتھیار دوسروں کے ہاتھ میں دے دیا۔ کیونکہ اگر کوئی دشمن اسلام مسلمانوں کو کافی ضرر پہنچانے کے بعد جب مسلمانوں میں انتقام کی قدرت دیکھے فوراً منافقت سے دھوکا دینے کے لئے کلمہ پڑھ لے تو ان کا تو کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا اور وہ مسلمانوں کا قلع قمع کر سکتے ہیں۔ کیا کوئی ایسا مذہب دنیا میں ہے جو اتنا بڑا حربہ مخالف کے ہاتھ میں دیدے اگر دوسرے مذہب والوں کے یہاں یہ مسئلہ ہوتا تو وہ مذہب اب تک تو فنا بھی ہو چکتا۔ یہ مسلمانوں ہی کی شان ہے کہ باقی ہیں کسی انسان کے ایجاد کئے ہوئے مذہب میں ایسا مسئلہ قیامت تک نہیں ہو سکتا۔ انسان کبھی اپنے گروہ کو ایسی تعلیم نہیں دے سکتا۔ ایسی تعلیم خدا ہی کی ہو سکتی ہے کہ جو یہ جانتے ہیں کہ اگر دشمنوں نے دھوکا بھی دیا تو پھر بھی غالب کر دینا ہمارے قبضہ قدرت میں ہے۔

ملفوظ نمبر ۸۱۷ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کافر جتنے ہیں سب اسلام کے دشمن ہیں کوئی گورا ہو یا کالا۔ دونوں سانپ ہی ہیں بلکہ گورے سانپ سے کالا سانپ زیادہ زہریلا ہوتا ہے اگر گورے سانپ کو سے نکال بھی دیا تو کالا ڈسنے کو موجود ہے جس کا ڈسا ہوا زندہ ہی رہنا مشکل ہے۔

ملفوظ نمبر ۸۱۸ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس وقت اپنے بزرگ یاد آتے ہیں اگر وہ حضرات اس زمانہ میں ہوتے تو وہ قصہ سامنے آجاتا کہ کسی شخص نے ایک بزرگ سے پوچھا تھا کہ صحابہ میں اور ہم میں کیا فرق ہے۔؟ ان بزرگ نے جواب دیا کہ فرق یہ ہے کہ اگر تم ان کو دیکھتے تو مجنون سمجھتے اور وہ تم کو دیکھتے تو کافر سمجھتے اور تم پر جہاد کرتے اور کسی کی کیا شکایت کی جائے اب تو ان بزرگوں کے متوسلین کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ ان کو دیکھ کر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ اس جماعت سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ پہلے زمانوں میں بھی انقلاب ہوتا تھا مگر بتدریج اور اس زمانہ میں ایک دم انقلاب ہوگیا ان واقعات کو دیکھ دیکھ کر بہت ہی افسوس ہوتا ہے۔

ملفوظ نمبر ۸۱۹ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہر چیز کو اپنے درجہ پر رکھنا بھی بڑا کمال ہے آج کل اکثر مشائخ اور علماء میں اسی کی کمی ہے کہ کوئی چیز ان کے یہاں اپنے درجہ پر نہیں رہی لیکن یہاں بحمد اللہ تعالیٰ اپنے بزرگوں کی دعاء کی برکت سے ہر چیز اپنے اپنے درجے پر ہے اور یہ میں کوئی فخر سے نہیں کہہ رہا بلکہ ایک نعمت خداوندی کا اظہار کر رہا ہوں فخر کی اس میں کونسی بات ہے۔

ملفوظ نمبر ۸۲۰ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک فاضل فلسفی نے یورپ کے شبہ سے متاثر ہو کر مجھ سے پوچھا کہ جہاد کیا چیز ہے۔ میں نے کہا کہ اشاعتِ حق ضروری ہے اس لئے اس کے موانع کا ارتفاع بھی ضروری ہے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ کفار مغلوب ہو کر رہیں۔ اس کی صورتیں ہیں یا جزیہ دیں اس سے بھی مغلوب ہی سمجھیں جائیں گے یا اگر جزیہ نہ دیں تب ان سے قتال ہوگا۔ بس یہ جہاد ہے۔ کہنے لگے کہ اگر صلح کر لیں تب بھی مانع مرتفع ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا کہ صلح کرنے سے مغلوب نہ ہوں گے کیونکہ جب چاہیں گے صلح توڑ دیں گے۔ سو جو مقصود ہے کہ مغلوب ہو کر رہیں وہ مقصود صلح سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس جواب سے ان کو بہت تسلی ہوئی۔

۲۳ رجب المرجب سنہ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم چہار شنبہ

ملفوظ ۸۲۱ ایک صاحب کی چند بدعنوانیوں پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ ایک اور صاحب نے اسی طرح مجھ کو ستایا تھا۔ میں نے مکاتبت مخاطبت کو بند کر دیا تھا پھر کچھ دنوں کے بعد درخواست کی کہ خط سے خیریت معلوم کرنے اور دعاء کرا لینے کی اجازت ہو جائے۔ میں نے کہا کہ اس کا ایک مسودہ تیار کر کے اس پر میرے دستخط کرا لو۔ اور ہر خط کے ساتھ میرا دستخطی منظور شدہ مسودہ بھیجا کرو۔ کیوں صاحب کیا یہ سختی ہے جس میں ان کی مراد بھی پوری ہو گئی اور میں بھی اذیت سے بچ گیا۔ اس میں کونسی سختی کی بات ہوئی۔ سختی تو یہ تھی کہ میں قطعاً خط بھیجنے سے منع کر دیتا اور نرمی یہ تھی کہ جو چاہو لکھا کرو۔ میں نے اوسط کا درجہ رکھا۔ اب طرفین کو راحت ہے۔

ملفوظ ۸۲۲ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل بدفہمی کا اس قدر بازار گرم ہے جس کو دیکھو اس مرض میں مبتلا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا سے فہم ہی رخصت ہو گیا الا ماشاء اللہ۔ ایک شخص نے بذریعہ خط دریافت کیا تھا کہ ختم میں دعاء کرانا چاہتا ہوں اُس کا کیا معمول ہے۔ میں نے لکھ دیا کہ ایک آنہ روز کا معمول ہے اس پر ختم کے مد میں بذریعہ منی آڈر روپیہ بھیجا اور کوپن میں عقلمند لکھتے ہیں کہ حسب الحکم یہ رقم بھیجتا ہوں میں نے منی آرڈر واپس کر دیا اور لکھ دیا کہ حکمنامہ دکھلاؤ۔

ملفوظ ۸۲۳ ایک نووارد صاحب جگہ ہوتے ہوئے مجلس سے بہت دور بیٹھے۔ حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ اس قدر دور بیٹھنے میں کیا مصلحت ہے جبکہ قریب میں جگہ ہے۔ آپ لوگوں کو تو احساس نہیں ہوتا مگر اس میں میری بدنامی ہے۔ ناواقف دیکھنے والا یہ سمجھ سکتا ہے کہ لوگوں کو اس قدر مرعوب کر رکھا ہے کہ کوئی پاس بھی نہیں جا سکتا۔ پھر جو آنے سے مقصود ہے کہ کوئی بات ہو تو سنیں وہ دور بیٹھنے سے حاصل نہیں ہو سکتا اور اذان مجھ سے دی نہیں جاتی۔ بات یہ ہے کہ رسوم نے حقائق پر پردہ ڈال دیا ہے۔ تھوڑی دیر میں ایک اور صاحب آئے وہ بھی دور ہی بیٹھے۔ فرمایا کہ یہ بھی اسی بلا میں مبتلا آئے کیا کوئی بدفہمی کا مدرسہ ہے جہاں تعلیم پا پا کر آتے ہیں۔ کہاں تک کہوں۔ ایک صاحب جو پہلے سے مجلس میں بیٹھے تھے ان صاحب کو اشارہ سے پاس آکر بیٹھ جانے کو کہا اس پر وہ صاحب قریب آکر بیٹھ گئے۔ حضرت والا نے کچھ آواز سن کر دریافت فرمایا کہ کن صاحب نے ان کو قریب بیٹھ جانے کو کہا جن صاحب نے اشارہ کیا تھا۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں نے عرض کر دیا تھا۔ فرمایا یہاں بے پاس کی بھی اجازت نہیں کہ ایک دوسرے کو کچھ کہے۔ تم نے ان سے بڑھ کر حماقت کی تم کو میری تنبیہ میں جوڑ لگانے کی کون ضرورت تھی۔ تم لوگوں کو کیا ہو گیا۔ اس

طرز میں بہت سے مفاسد ہیں مصلحت کے بالکل خلاف ہے۔ ان چیزوں پر لوگوں کی نظر نہیں جاتی۔ کس کس شخص کی اور کس کس بات کی اصلاح کی جائے۔ اگر کہتا ہوں تو سخت اور بدخلق مشہور ہوتا ہوں۔ صبر کرتا ہوں اور نہیں کہتا تو یہ جانور کے جانور ہی رہتے ہیں۔

۲۴ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم پنج شنبہ

ملفوظ نمبر ۸۲۴ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے۔ مجھ کو سخت کہا جاتا ہے۔ ذرا ان کی طلب کا حال ملاحظہ فرمایئے۔ لکھتے ہیں کہ بیس ۲۰ سال کا عرصہ ہوا میں حضور سے مرید ہوا تھا۔ اس وقت سے اس وقت تک دوسرے کاموں میں مشغول رہا۔ اب ذکر و شغل کا شوق شروع ہوا ہے۔ یہ مضمون ہے طالب صاحب کا۔ اب بتلایئے میں اپنے ان تجربوں کو کس طرح مٹا دوں۔ لوگ کہتے ہیں کہ صاحب خوش اخلاقی کرو۔ یہ خوش اخلاقی ہی کا نتیجہ ہے۔ اب دیکھو درست ہو جائیں گے۔ بیس ۲۰ برس کا کھایا اگل دیں گے۔

ملفوظ نمبر ۸۲۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہاں پر تو کوئی چھوڑا نہیں جاتا۔ کان ضرور کھول دیئے جاتے ہیں بحمد اللہ یہاں سے کوئی محروم نہیں جاتا۔ کچھ لے کر ہی جاتا ہے چاہے خفا ہی ہو کر جائے مگر جاتا ہے لے کر۔ کورا نہیں جاتا۔ میں نہ تقویٰ سکھاتا ہوں نہ طہارت نہ مجاہدہ نہ ریاضت ہاں یہ سکھاتا ہوں کہ دوسرے کو اذیت نہ پہنچاؤ اگر اللہ کے حقوق میں کمی ہو جائے وہ بڑے کریم ہیں رحیم ہیں بخش دیں گے مگر ان کے بندوں کو مت ستاؤ یہ سخت بات ہے۔

ملفوظ نمبر ۸۲۶ ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضرت میرا ایک بے جمع کا شریک ہے۔ فرمایا کہ بے جمع کا شریک ہے ہم نہیں سمجھے۔ صاف کہو۔ عرض کیا کہ تجارت میں میرا ایک شریک ہے روپیہ میرا۔ جان کی محنت اس کی۔ فرمایا اب پوچھو کیا پوچھتے ہو۔ عرض کیا کہ وہ نقصان کا بھی دیندار ہو گا یا نہیں۔ فرمایا کہ جب شریک ہوئے تھے کیا شرط ٹھیری تھی۔ عرض کیا کہ میں نے شرکت کے وقت یہ کہہ دیا تھا کہ نقصان کا ذمہ دار میں ہوں۔ فرمایا کہ پھر کیوں شبہ ہوا کیا مال میں نقصان ہو گیا۔ عرض کیا کہ مال میں تو نقصان نہیں ہوا۔ کچھ رقم میرے ہاتھ سے کھوئی گئی۔ فرمایا یہ بات اور بھی عجیب ہے بیان اس طرح سے کیا گیا کہ جس سے میں یہ سمجھا کہ مال میں نقصان ہو گیا۔ یہ ہیں وہ باتیں جن پر مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے اور وہم کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اگر کھود کرید نہ کروں تو ان صاحب نے دھوکہ دینے میں کیا کسر رکھی تھی اب غلط سوال پر مسئلہ بتلاتا تو میرے جواب کو اپنے اس واقعہ پر منطبق کر لیتے جو ان کے ذہن میں تھا کہ میرے ہاتھ کی کھوئی ہوئی چیز پر یہ مسئلہ بتلایا ہے۔ اس کو ہر جگہ ہانکتے پھرتے۔ کیوں بھائی پہلے ہی صاف بات کیوں نہیں کہی تھی۔ اس میں کونسا

راز تھا عرض کیا کہ غلطی ہوئی۔ فرمایا اس کو غلطی کہتے ہیں یہ تو اعلیٰ درجہ کی نفس کی شرارت ہے۔ میں تم لوگوں کی نبضیں خوب پہچانتا ہوں۔ بزرگ لوگ تمہارے دھوکوں میں آجاتے ہیں۔ میں طالب علم ہوں۔ یہاں اللہ کے فضل سے یہ باتیں ایچ پیچ کی نہیں چلتیں۔ تم لوگوں کو سوائے تکلیف اور ستانے کے کچھ نہیں آتا۔ ہر حرکت تمہاری موجب ایذا ہے کوئی بات بھی تو ڈھنگ کی نہیں۔ اب بتلایئے کہ کیا یہ حرکت قابل تغیر مزاج نہیں۔ یہ شخص کتنا بڑا دھوکا دینا چاہتا تھا۔ مسئلہ پوچھتا ہے تجارت کی شرکت کا۔ اور نقصان ہے اپنی ہاتھ کی کھوئی ہوئی رقم کا یہ شرارت نہیں تو اور کیا ہے ایسی بات پر مزاج میں تغیر ہوتا ہی ہے۔ پھر کہنے کے طریق پر کہا بھی جاتا ہے۔ اب خوش اخلاقی کر کے اس کے آگے ہاتھ جوڑدوں، پاؤں پکڑ لوں۔ اس کی تعریف کروں۔ نامعقول چل یہاں سے جو کچھ پوچھنا ہے لکھ کر لا یا لکھوا کر لا تیرا کچھ اعتبار نہیں ایسے بدفہم آدمی سے کیا امید کہ مسئلہ صحیح یاد رکھے گا۔ صورت تو دیکھو خضر جیسی اور یہ دھوکہ بازی۔ شرم نہیں۔ دین کے اندر دھوکا دینا چاہتا ہے۔

۲۵ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز جمعہ

ملفوظ نمبر ۸۲۷ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت فلاں مولوی صاحب نے زیادہ تنخواہ پر جانا پسند نہیں کیا فرمایا کہ مجھ کو یہ بات بہت پسند ہے۔ اجی روپیہ تو ہے ہی ضرورت کی چیز مگر بڑی نعمت راحت اور مناسبت ہے۔ معلوم نہیں نئی جگہ میں جا کر مناسبت ہو نہ ہو۔ راحت ملے نہ ملے۔ اس لئے پرانی ہی جگہ کو غنیمت سمجھنا چاہئے میں جس زمانہ میں کانپور تھا پچاس روپے تنخواہ تھی۔ آگرہ سے خط آیا کہ ہم سو روپیہ یا دو سو روپے دینگے۔ میں نے ان کو جواب میں مشورہ لکھ بھیجا کہ ایسے شخص کو بلا کر ملازم رکھو جو دوسری جگہ نوکر نہ ہو۔ اگر کسی نوکری کرتے ہوئے کو بلا کر ملازم رکھا تو تم تو سو دو گے اور اگر کہیں سے اس کو دو سو کی جگہ پر بلایا گیا وہ وہاں سے چلدے گا ایسے بھگوڑے کا کیا اعتبار۔ پھر ہنس کر فرمایا کہ میرا تو کام بنا ہی نہ تھا میں نے مشورہ دے کر دوسروں کی بھی راہ مار دی۔ خصوص اس زمانہ میں تو پرانی جگہ کو چھوڑنا ہی نہیں چاہیے۔ اس میں بڑی مصلحت اور حکمت ہے ہر جگہ مناسبت اور موافقت کا پیدا ہونا بہت ہی مشکل ہے۔

ملفوظ نمبر ۸۲۸ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ امراء میں خلوص کی اکثر کمی ہوتی ہے۔ ہاں فلوس کی فراوانی ہوتی ہے اور برکت موقوف ہے خلوص پر۔ میں تو امراء سے کہا کرتا ہوں کہ جہاں تم ہزاروں روپیہ صرف کر کے مساجد اور مدارس بناتے ہو ایسے کام کرنے کے وقت کسی غریب سے بھی دو چار پیسے مانگ کر اپنی اس

رقم میں برکت کے لئے شامل کر لیا کرو۔ غرباء کے پیسے میں بوجہ خلوص کے بڑی برکت ہوتی ہے، اس کو امراء محسوس نہیں کرتے حالانکہ محسوس کرنے کی چیز ہے۔

ملفوظ نمبر ۲۹ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ سچ تو یہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس فن سلوک کا احیاء کیا ہے مدتوں سے یہ فن مردہ ہو چکا تھا اور اب تو ماشاء اللہ اس قدر صاف ہو گیا ہے کہ فن کا کوئی جزو اشتباہ یا خفا میں نہیں رہا۔ مزاح کے طور پر فرمایا گو لوگ خفا ہیں سو ہوا کریں۔ میں جب کبھی کوئی مضمون لکھ کر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سناتا فرمایا کرتے کہ بھائی تم نے میرے سینے کی شرح کر دی۔ کیا بتلاؤں میرے پاس عبارت نہیں۔ تم نے عبارت میں ادا کر دیا۔ حضرت کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا تھا کہ اپنے کو فنا کئے ہوئے ہیں مٹائے ہوئے ہیں۔ یہی باتیں اپنے بزرگوں کی دیکھیں اور سنیں وہی پسند ہیں۔ یہ آج کل کے نئے نئے ڈھونگ پسند نہیں نہ نظروں میں سماتے ہیں۔

ملفوظ نمبر ۳۰ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں بیعت میں وسعت کو پسند نہیں کرتا اس کا کوئی نتیجہ نہیں سوائے اس کے کہ بدفہم اور کم عقل لوگوں کی بھرتی ہو جائے۔ کوئی فوج تھوڑا ہی بھرتی کرنا ہے۔ دو چار آدمی فہیم ہوں ان ہی سے تعلق کافی ہے اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کے چار بیٹے ہیں اور چاروں لائق ہیں اور ایک شخص کے ایک درجن ہیں لیکن سب جہل۔ سو وہ تو اور الٹے وبال جان ہوں گے بجز رنج و کلفت کے اور کیا نتیجہ ہوگا۔

ملفوظ نمبر ۳۱ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو اسی کو خدا کا بہت بڑا فضل اور بڑی نعمت سمجھتا ہوں کہ اپنے بزرگوں کے مسلک پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی۔ مجھ کو علی گڈھ ایک جلسہ میں مدعو کیا گیا تھا۔ امیر شاہ خانصاحب بھی آئے ہوئے تھے انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ کوئی تمہاری کسی بات کو دیکھ رہا ہے۔ کوئی کسی بات کو۔ میں تو صرف ایک بات کو دیکھ رہا ہوں کہ کوئی بات اپنے بزرگوں کے مسلک اور مذاق کے خلاف تو نہیں۔ سو میں نے کوئی بات خلاف نہیں دیکھی۔ اس پر میرا جی بڑا خوش ہوا اس لئے کہ وہ قریب قریب سب بزرگوں کی صحبت میں رہے ہوئے تھے۔

ملفوظ نمبر ۳۲ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اشتباہ کے موقع میں احتیاط اسی میں ہے کہ ظہر پڑھیں۔ کیونکہ جہاں جمعہ فرض ہے وہاں ظہر کی نماز پڑھنے سے وقتی فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ اور جہاں ظہر فرض ہے وہاں جمعہ پڑھنے سے وقتی فرض ذمہ رہتا ہے اس لئے احتیاط ظہر ہی پڑھنے میں ہوئی۔

۲۶ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

ملفوظ ۴۳۳ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میرے بھائی کی قبر قبرستان میں نشیب کے موقع پر ہے بارش کے ایام میں اس پر پانی کا گذر ہوتا ہے اگر اس کے چہار طرف حفاظت کی نیت سے ایک ایک بالشت اونچی پختہ بندش کرادی جائے تو کیا حکم ہے۔ دریافت فرمایا کہ وہ قبرستان وقف ہے یا کسی خاص شخص کی مملوک ہے۔ سب کے احکام جدا جدا ہیں مشترک احکام نہیں۔ اگر وقف ہے تو ایک بالشت بھی جگہ قبر سے زائد لینا جائز نہیں۔ اس کے متعلق بڑے نازک احکام ہیں جب ہزاروں کے لئے وقف ہے تو ایک آدمی ضرورت سے زائد کیسے اُس میں تصرف کر سکتا ہے۔ اور اگر کسی خاص شخص کی یا خاص جماعت کی مملوک ہے تو مالک کی اجازت پر موقوف ہے بشرط عدم مانع اور یہ سب احکام عقل کے موافق ہیں۔ شریعت مقدسہ نے ہم کو آزاد نہیں چھوڑا۔ کوئی عمل کرکے دیکھے ہماری ہی مصلحتوں اور ضرورتوں کا انتظام فرمایا ہے اگر کوئی نہ سمجھے تو اس کا قصور ہے۔

ملفوظ ۴۳۴ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل مدرسہ والے چندہ لینے میں اور مشائخ وعلماء ہدیہ لینے میں بہت بے باک ہیں نہ دوسرے کی تکلیف کا خیال کرتے ہیں اور نہ اپنی اور دین کی ذلت کا۔ بالکل وہ دور معاملہ ہو رہا ہے۔ میں بحمد اللہ ان باتوں کا خیال رکھتا ہوں۔ ہدیہ میں لیتا ہوں مگر ان دو باتوں کا خیال رکھتا ہوں کہ ایک تو دینے والے کو تکلیف نہ ہو۔ دوسرے اپنی اور دین کی ذلت نہ ہو۔ اس کا میں نے ایک نظام مقرر کر دیا ہے کہ ایک روز کی آمدنی سے کوئی زائد نہ دے۔ اب اس پر ایک شبہ ہوا کہ اگر کوئی شخص ہر روز دینے لگے تو اس میں ایک قید ہے کہ درمیان میں کم از کم ایک مہینہ کا فصل ہو۔ یہ تو دوسرے کو تکلیف سے بچانے کا قاعدہ ہے اور ذلت سے بچنے کا قاعدہ یہ ہے کہ بدون پوری جان پہچان اور بے تکلفی کے ہدیہ قبول نہیں کرتا اس میں دین کی اور اپنی دونوں کی حفاظت ہے۔ ایک صاحب یہاں پر آئے وہ کچھ ہدیہ دینے لگے۔ میں نے کہا کہ ہدیہ کے متعلق میرا تو یہ قاعدہ ہے۔ میں بلا خاص شناسائی کے لیتا ہی نہیں۔ کہنے لگے کہ یہ تو لینا ہی پڑے گا۔ میں نے کہا کہ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ میں آپ کی وجہ سے اپنا قاعدہ توڑ دوں۔ کہا کہ مجھ کو مستثنیٰ ہی کر دیجئے۔ میں نے کہا کہ اگر ہر شخص یہی درخواست کرے اور میں قبول کر لیا کروں تو پھر کوئی قاعدہ ہی نہ رہیگا تب خاموش ہوئے۔ ایک اور صاحب آئے ہدیہ پر اصرار کیا۔ میں نے قاعدہ بیان کر دیا۔ قاعدہ سن کر بھی اصرار میں نے کہا کہ دیکھو اب غصہ آنا شروع ہو گیا ہے۔ اگر اب کی مرتبہ کہو گے تو دوسری طرح سمجھاؤں گا۔ پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ میں نے کہا کہ دور ہو مردود نکل یہاں سے ایک چھوٹی سی پٹلیا تھی بغل میں دبا کر بھاگتے نظر آئے۔ مسجد میں جا کر بیٹھ گئے

مجھ سے تو کچھ نہیں کہا مگر اور ایک صاحب سے کہا انھوں نے مجھ سے روایت کی۔ یہ کہتے تھے کہ دین تو یہیں ہے اس لئے کہ یہاں دنیا کی قدر نہیں۔ دین وہیں ہو سکتا ہے جہاں دنیا کی قدر نہ ہو اور بُرا نہیں مانا میرے کہنے کا، حالانکہ میرے الفاظ بہت سخت تھے اور پہلے زیادہ ارادہ ٹھیرنے کا نہ تھا مگر پھر کئی روز ٹھیرے اور میری ہر بات پر خوش ہوتے تھے ہنستے تھے بعض ایسی سلیم طبیعتیں بھی ہوتی ہیں۔ بیچارے پنجاب کی طرف کے رہنے والے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جب وہ وطن سے چلے تھے ایک شخص سے ملے تھے جو یہاں آئے گئے ہیں اور یہاں کے اصول اور قاعدہ سے واقف ہیں اُن سے کہا تھا کہ میں کچھ لیجا رہا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ میاں پہلی ملاقات ہے بے تکلفی ہے نہیں وہ ہدیہ قبول نہیں کرینگے۔ اس پر انھوں نے کہا کہ میاں سب کہنے کی باتیں ہیں۔ جب چیز سامنے آتی ہے سب لے لیتے ہیں۔ دیکھو میں دے کر آؤں گا تو کہتے تھے کہ میاں وہی سچ کہتے تھے۔ بس یہ باتیں ہیں جن پر میری لوگوں سے لڑائی ہوتی ہے۔ لوگ دوسرے کو اپنا تابع بنانا چاہتے ہیں اور یہ مجھ سے ہوتا نہیں یہی سبب ہے لڑائی کا۔

ملفوظ ۸۳۵ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ جو لوگ مُلّاؤں کو ذلیل سمجھتے ہیں ان کے دماغوں سے یہ بات نکالی جائے ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ ملّانوں میں بھی اسپ دماغ ہیں اگر ہم خر دماغ ہیں بحمد اللہ یہاں پر متکبروں کا اچھی طرح علاج ہوتا ہے۔ خر دماغی اچھی طرح جھڑ جاتی ہے اور جگہ خاطر مدارات ہوتی ہے اُس سے زیادہ دماغ خراب ہوتے۔

ملفوظ ۸۳۶ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مولوی کے کیا معنی ہیں۔ فرمایا کہ مولوی کے معنی ہیں مولا والا اللہ والا۔ یہ لفظ مولانا کے لفظ سے افضل ہے کیونکہ اس میں یہ نسبت نہیں۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ آج کل ہر وکیل مولوی کہلاتا ہے اور اجلاس کے وقت جو بڑے وکلاء اور بیرسٹر ہیں وہ قبا پہن کر اجلاس پر جاتے ہیں اور جج جس وقت پھانسی کا حکم سناتا ہے۔ یہی لباس پہن کر سناتا ہے۔ فرمایا کہ اگر یہ واقعہ ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ عظمت اس ہی لباس کی ہے۔ اور معلوم ہوا کہ بادشاہ کے لئے قانوناً داڑھی رکھنا لازم ہے اور بیگم کے لئے چوٹی کٹنے کی اجازت نہیں۔ یہ قانوناً جرم ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ صورت بھی اور لباس بھی ثقہ ہے معظم ہے۔ شاہی خاندان میں یہ چیزیں محترم سمجھی جاتی ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی اور اس لباس اور اس صورت کو معظم اور محترم نہ سمجھا جاتا تو بادشاہ اور بیگم کے لئے یہ قانون نہ ہوتا اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس کے خلاف فوٹو میں جو صورت اور لباس دکھلایا جاتا ہے وہ پہلے کا لباس اور صورت ہے۔ ایک شخص مسلمان داڑھی منڈاتے تھے انھوں نے کسی رسالہ میں ایک عجیب بات لکھی کہ میں نے داڑھی کیوں رکھی۔ یہ شخص دفتر میں ملازم تھے اتفاق سے کہیں کی بدلی ہو گئی ایک ہندو اس جگہ کا رہنے والا ملنے آیا اور ان کی داڑھی منڈی دیکھ کر کہا کہ پرمیشور کا شکر ہے کہ تم یہاں پر بدل کر آ گئے۔ پہلے یہاں ایک مسلمان خبیث تھا اس نے تمھارے بھائیوں کو بہت ذبح کیا اب تم اپنے بھائی ہندؤں کو نفع پہنچاؤ گے اس پر ان کو غیرت آئی کہ اس نے داڑھی نہ ہونے کی وجہ سے مجھ کو کافر سمجھا! انھوں نے اُس ہندو کو بڑے زور کی ڈانٹ دی کہ نامعقول تو مجھ کو کافر سمجھتا ہے۔ میں مسلمان ہوں اور جب تک میں یہاں پر رہوں گا۔ خبیث تیری اور تیرے بھائیوں کی خوب خبر لوں گا۔ وہ ہندو بہت ہی

شرمندہ ہوا۔ یہ وجہ ہوئی ان صاحب کے داڑھی رکھنے کی اب فرمائیے من تشبہ بقوم فھو منھم کوئی چیز ہے یا نہیں

ملفوظ ۸۳۷ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اب وہ قوت نہیں رہی اب لکھنے پڑھنے سے دماغ پر اثر ہوتا ہے۔ پہلے بعض دفعہ تمام تمام شب لکھتا تھا معلوم بھی نہ ہوتا تھا اب اثر ہوتا ہے۔ جس کو دوسرے محسوس نہیں کر سکتے مگر مجھ پر اثر ہوتا ہے اسی لئے تصانیف کا سلسلہ تو قریب قریب بند ہی کر دیا ہے یوں کوئی دو چار ورق لکھ دئے یا اور بات ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ چھ سو تصانیف ہو چکی ہیں۔ تین سو رسائل اور تین سو وعظ۔ وعظ بھی تصانیف ہی ہیں۔ بحمد اللہ کافی ذخیرہ ہو گیا۔ اور بھی ابھی وعظ کے مسودے ہیں جو میری نظر سے نہیں گذرے یہ تین سو وعظ وہ ہیں جو چھپ چکے ہیں یا جو چھپنے سے باقی ہیں تو میرے دیکھنے کی اب ضرورت نہیں رہی محض چھپنے ہی کی دیر ہے۔

ملفوظ ۸۳۸ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں انگریزی پڑھنے والوں کی بہت رعایت کرتا ہوں۔ اگر وعظ کو کہتے ہیں تو وعظ کہہ دیتا ہوں تعویذ مانگتے ہیں تعویذ دے دیتا ہوں۔ کوئی سوال کرتے ہیں جواب دے دیتا ہوں۔ محض اس خیال سے کہ یہ لوگ دین کی طرف متوجہ ہوں۔ دوسری جگہ انگریزی والوں کی تسلی بھی نہیں ہوتی۔ یہاں پر بحمد اللہ تسلی ہو جاتی ہے۔

ملفوظ ۸۳۹ (اس کے قبل ایک تمہید معروض ہے وہ یہ کہ ایک فلسفی فاضل نے اپنا اعتقاد ظاہر کیا کہ آپ صاحب کشف ہیں۔ یہاں سے اس کی نفی کی گئی۔ انھوں نے یہ لکھا کہ سب بزرگ متقی ہوئے ہیں۔ پھر بھی سب نے اپنے متقی ہونے کی نفی کی۔ ایسی ہی یہ نفی ہے۔ یہاں سے وہ جواب دیا گیا جو اس ملفوظ میں مذکور ہے ۱۲) ایک صاحب کے ایک مضمون کے جواب میں فرمایا کہ کشف اور تقوے میں فرق ہے۔ تقویٰ کمال دینی ہے اور اس کے بہت درجات ہیں تو درجہ غیر حاصل کو دیکھ متقی کہتا ہے کہ میں متقی نہیں اور یہ کذب نہ ہوگا۔ اور کشف کمال دینی نہیں ایک دنیاوی نعمت ہے جیسے دو آنکھیں تو اگر کوئی آنکھوں والا شخص کہے کہ میرے دو آنکھیں نہیں تو یہ کذب ہوگا۔ اسی طرح صاحب کشف کا کشف کی نفی کرنا کذب ہوگا۔

جلد ۲ قسط ۴ تمام شد

چند مطبوعات مکتبہ دانش دیوبند

التبلیغ	حضرت تھانویؒ کے بیشمار مواعظ موضوعات پر، ہر موضوع پر ایک مکمل اور جامع وعظ، علماء اور عوام دونوں کیلئے یہ مواعظ یکساں مفید ہیں ۱ تا ۲۶ در ۱۲ جلدیں، مجلد قیمت ۴۶۵ بعد رعایت ۲۳۰
اخبار الاخیار (اردو)	تالیف حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، اس کتاب میں تقریباً تین سو اولیاء کرام و صوفیائے عظام کا مستند تذکرہ کیا گیا ہے۔ علماء و مشائخ کی پاکیزہ زندگیوں کی دلآویز داستانیں پوری تحقیق سے لکھی گئی ہے، ترجمہ نہایت عام فہم اردو میں ہے۔ قیمت مجلد ۸۰/=
تفسیر مدارک (اردو)	سب سے پہلے حنفی مفسر علامہ ابوالبرکات احمد النسفی کی قدیم ونایاب تفسیر، مترجم ومحشی حضرت مولانا انظر شاہ استاذ حدیث وتفسیر دار العلوم دیوبند۔ قیمت جلد اوّل ۸۰/=
مشارق الانوار، اردو عربی ترجمہ	چھٹی صدی ہجری کے مایۂ ناز محدث امام علامہ رضی الدین صنعانیؒ کی وہ انمول ۲۲۷۲، احادیث قوی کا گراں مایہ ذخیرہ، در دو جلد قیمت مجلد ۱۲۰/=
مسائل بہشتی زیور	حضرت تھانویؒ کی مشہور تصنیف بہشتی زیور کی تلخیص خود حضرت تھانویؒ کے قلم سے جو کہ پہلی مرتبہ شائع ہوئی ہے۔ قیمت ۲۵/=
کتاب الآثار	امام محمدؒ کی کتاب مشہور و معروف کتاب الآثار کا اردو ترجمہ ہندوستان میں پہلی بار شائع ہو رہا ہے۔ قیمت مجلد ۶۰/=
ردّ بدعات یعنی مسائل اربعین	حضرت شاہ اسحٰق صاحبؒ کے علم و فضل اور جامعیت و اختصار کا بہترین نمونہ جامع اور دلنشیں انداز میں موجودہ بدعات و رسومات کی برائیاں بیان کی گئی ہیں، قیمت ۱۰/=
اقبال کے ممدوح علماء	قاضی افضل حق قرشی، یہ کتاب اقبال کے علماء سے روحانی ربط، عقیدت، بالغ نظری اور مسلمانوں کے ماضی وحال کے سیاسی، قومی، ملی خاکہ کی ایک مکمل دستاویز ہے۔ قیمت مجلد ۱۴/=
گلدستۂ معلومات	معلومات عامّہ پر ایک بیش بہا ذخیرہ جو کہ طلبہ سے لیکر عوام الناس تک بیحد مفید ہے ۱۲/=
خلافت راشدہ یعنی تلخیص ازالۃ الخفاء	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی مشہور و معروف کتاب "ازالۃ الخفاء" کی تلخیص جس کو حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ نے بڑے اچھوتے انداز میں کی ہے، قیمت مجلد ۱۸/=
علوم القرآن	ڈاکٹر صالح کی ایک عظیم تصنیف، قرآن کا ایک تحقیقی مطالعہ جو آپ کے دل میں قرآن کی عظمت کے انمٹ نقوش ثبت کر دے گا۔ قیمت ۱۸/=
راہِ سنّت	مصنف مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خاں، قرآن کریم اور احادیث نبویؐ سے واضح طور پر برصغیر کی تمام مشہور بدعات کو اسطرح باطل اور غلط ثابت کیا گیا ہے جسنے بدعات کی اصل کو کھولکر رکھدیا ہے قیمت مجلد ۳۰/=

قرآن وسنت کی روشنی میں زندگی کے سیکڑوں مسائل کا حکیمانہ حل

ملفوظات حکیم الامت

جلد چہارم ۴

قسط پنجم ۵

الافاضات الیومیہ
من
الافادات القومیہ

مسلسل ترتیب کی قسط نمبر ۲

مجدد ملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

باھتمام ـــــــــ نسیم احمد

ناشر

ادارہ فکر اسلامی دیوبند یوپی ۲۴۷۵۵۴

نام کتاب	ملفوظات حکیم الامت جلد چہارم قسط پنجم
باہتمام	نسیم احمد بن شمس الحسن صاحب مرحوم
سن طباعت	۱۴۰۴ھ ۱۹۹۰ء
طباعت	محبوب پریس دیوبند
قیمت	فی قسط -/۱۰ روپے

ملفوظات حکیم الامت رح کی جلد چہارم قسط پنجم مسلسل ترتیب کی قسط نمبر ۲۰ ناظرین کے سامنے پیش ہے۔ کوئی بھی شخص ایک خط لکھ کر ممبر بن سکتا ہے فیس ممبری کچھ نہیں۔ ممبر بننے کے بعد ہر دو ماہ میں ایک ایک قسط -/۱۵ روپے کی وی پی سے اور دو قسط ایک ساتھ -/۲۵ روپے کی وی پی سے ارسال ہوگی۔ جس کا وصول کرنا آں جناب کا اخلاقی فریضہ ہوگا۔

منیجر ادارہ

فہرست مضامین ملفوظات حکیم الامت جلد ۴ قسط ۵

(بقیہ صفحہ ۵۵ پر دیکھئے)

۲۷ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

ملفوظ نمبر ۸۴۰ ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ آج کل خود تو لوگ بداخلاقیوں میں مبتلا ہیں اور دوسروں کو بدنام کرتے ہیں. میرے یہاں تو ساری سختیاں اور احتساب صرف ان کے ساتھ ہیں جو اپنی اصلاح کی غرض سے یا اعتقاد کے مدعی ہو کر آتے ہیں. ورنہ ویسے ہر قسم کے لوگ آتے ہیں. ہندو. بدعتی غیر مقلد. قادیانی. نیچری. فاسق. فاجر. میں کسی سے کچھ بھی نہیں کہتا. کوئی آئے کوئی جائے. کیا مطلب.

ملفوظ نمبر ۸۴۱ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جماعت دیوبندی نے جس قدر غیر مقلدوں کا سر توڑا ہے. بڑے بڑے حنفیت کے دعویدار بدعتیوں سے کچھ بھی نہ ہو سکا. بس ان کو ایک چیز آتی ہے اسی میں کمال ہے کہ اٹھایا دھڑ سے کفر کا فتویٰ دے دیا ان کے ایک سردار نے ایک رجسٹر بنا رکھا ہے جس میں اکابر کے نام کفار کی فہرست میں درج کئے ہیں. معتقدین سے اس پر دستخط کرائے جاتے ہیں. یہ بھی ایک کام ہے خالی بیٹھے رہنے سے کچھ تو کام کریں.

ملفوظ نمبر ۸۴۲ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ دوسرے خواہ ان باتوں سے خوش ہوتے ہوں مگر مجھ کو اس سے کبھی خوشی نہیں ہوتی کہ میرے مخالف کے مقابلہ میں میری نصرت کی جائے ہاں اس سے جی خوش ہوتا ہے کہ آدمی اپنے دین کی حفاظت میں لگے اور اپنی آخرت کی فکر کرے باقی مجھ کو تو اللہ کے بھروسہ چھوڑ دینا چاہئے. یہی میری نصرت ہے اور یہی میرے ساتھ دوستوں کی خیر خواہی اور ہمدردی ہے.

ملفوظ نمبر ۸۴۳ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل اکثر علماء وعظ بھی بجائے سامعین کی مصلحت کے اپنی مصلحت سے کہتے ہیں جس سے اپنا معتقد بنانا اپنی بدنامی کو رفع کرنا وغیرہ وغیرہ مقصود ہوتا ہے سو اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے طبیب مریض کی مصلحت کو نہ دیکھے اپنی مصلحت کو دیکھے وہ طبیب ہی نہیں اسی طرح وہ واعظ ہی نہیں جو سامعین کی مصلحت اور ان کی حالت کو پیش نظر نہ رکھے ایسے ہی وہ مصلح نہیں جو طالب کی مصلحت پر نظر نہ رکھے. اسی سلسلے میں فرمایا کہ یہ جتنے امراض اور خرابیاں آج کل پیدا ہو رہی ہیں ان سب کی جڑ حُبِّ دنیا ہے یہ مرض علماء اور مشائخ تک میں دق کی طرح سرایت کر گیا. مثلاً علماء تقریریں کرتے ہیں عام لوگوں کو راضی کرنے کے واسطے. مشائخ ملفوظات بیان کرتے ہیں اپنی بزرگی اور کمالات کے اظہار کے لئے سو یہ تو سراسر دنیا پرستی ہے, علاوہ اس کے غیرت بھی تو کوئی چیز ہے.

ملفوظ ۴۴۴ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حقیقت سے بے خبری کی وجہ سے مخلوق کو بہت سی غلطیوں میں ابتلاء ہو رہا ہے۔ ایک شخص نے لکھا تھا کہ میں نماز فرض سمجھ کر پڑھ لیتا ہوں لیکن شوق اور رغبت نہیں اس کا علاج فرمایا جاوے۔ میں نے لکھا کہ علاج معصیت کا ہوتا ہے کیا یہ معصیت ہے۔ آج لکھا ہے کہ حضرت واقعی یہ معصیت نہیں اور حضرت کے اس فرمانے سے قلب کو اطمینان و سکون ہو گیا۔ اب بتلایئے اگر میں کوئی وظیفہ بتلا دیتا کیا نتیجہ تھا حقیقت واضح ہو جانے سے سکون ہو گیا۔ اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ شیخ کا ولی ہونا بزرگ ہونا تو ضروری نہیں مگر فن میں مہارت ہونا۔ فن میں کامل ہونا ضروری ہے۔ جیسے طبیب کو فن میں کامل ہونا مہارت ہونا ضروری ہے۔ مگر تندرست ہونا بد پرہیزی سے بچنا لازم نہیں۔ طبیب اور شیخ دونوں کی ایک ہی حالت ہے۔

ملفوظ ۴۴۵ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ معلوم نہیں یہ بدعتی لوگ ہم کو وہابی کیسے کہتے ہیں اول تو وہ بدنام شخص عبدالوہاب نہیں خواہ مخواہ بیچارے کو بدنام کیا وہ محمد ابن عبدالوہاب ہے۔ جس نے تشدد سے کام لیا ہے اور جتنا اس کو بدنام کیا ہے وہ بھی اس درجہ کا نہیں پھر قطع نظر اس سے ہمارے عقائد بھی تو ان جیسے نہیں اگر کوئی کہے کہ بعض تو ہیں سو بعض تو تمہارے بھی ہیں مثلاً محمد ابن عبدالوہاب اسلام کو حق سمجھتا ہے تم بھی حق سمجھتے ہو۔ وہ رسالت کو حق سمجھتا ہے تم بھی حق سمجھتے ہو۔ تو اس سے کیا نقصان ہوا۔ اور بہت سے مسائل میں ہم کو ان سے سخت اختلاف بھی تو ہے تو ہم ان کے متبع کیسے ہوئے۔ مثلاً وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک پر قصداً جانے کو حرام کہتے ہیں۔ ہم مستحب بلکہ مؤکد کہتے ہیں۔ اور ہمارے بعض علماء کا وجوب تک خیال ہے تو پھر ہم وہابی کیسے ہوئے۔ اگر محض اس وجہ سے وہابی سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو گالیاں نہیں دیتے تو حضرت رابعہ تو شیطان پر بھی لعنت کرنے کو پسند نہ کرتی تھیں اور یہ گالیاں اور تبرا تو رافضیوں کا مذہب ہے۔ اہل سنت والجماعت کو اس سے کیا تعلق۔ اسی سلسلہ میں استطراداً فرمایا کہ ایک رافضی کو قصبہ نانوتہ میں تبرا کہنے پر ایک سنّی نے قتل کر دیا۔ عدالت میں مقدمہ گیا۔ اہل رفض کی طرف سے کوئی رافضی ہی وکیل تھا۔ سنیوں کے وکیل نے صفائی میں کہا چونکہ بزرگوں کی شان میں بے ہودہ کلمات کہے گئے تھے اس سے اشتعال پیدا ہو گیا اس لئے ایسے قتل سے مجرم نہیں ہو سکتا۔ شیعی وکیل نے کہا کہ عجیب اشتعال ہے کہ ایک شخص اپنا مذہبی فریضہ ادا کرتا ہے دوسروں کو اشتعال ہوتا ہے۔ سنی وکیل نے کہا کہ آپ نے بالکل صحیح فرمایا آپ کا یہ فرض مذہبی ہے کہ تبرا کہا کریں اور ہمارا فرض مذہبی یہ ہے کہ ہم تبرائی کو قتل کیا کریں۔ آپ اپنا فرض مذہبی ادا کیجئے اور ہم اپنا فرض مذہبی ادا کریں۔ تم تبرا کہا کرو۔ ہم قتل کیا کریں اور عدالت کی طرف خطاب کر کے سنی وکیل نے کہا کہ آپ مقدمہ کو خارج فرما دیں اور دونوں کو اپنے فرض مذہبی ادا کرنے کی اجازت فرما دیں خود فیصلہ ہو رہے گا۔ تو صاحب یہ تبرے بازی اور گالیاں دینا تو اہل رفض کا مذہب ہے۔ سو اس کام تک نہ ہونا تو کوئی دلیل وہابی کہنے کی نہ ہوئی پھر ہم کو وہابی کیسے کہا جاتا ہے۔

ملفوظ ۴۴۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دو دو نکاح کرنے کو لوگوں کا جی تو چاہتا ہے۔ مگر ادائے حقوق اور عدل کی طرف التفات نہیں کرتے تو ایسا مزا کس کام کا جس میں سزا کا اندیشہ ہو۔

میرے عقد ثانی کرنے پر میرے بڑے گھر میں سے کہا کہ تم نے نکاح ثانی کا راستہ کھول دیا۔ میں نے کہا کہ کھولا نہیں بلکہ بند کر دیا۔ لوگوں کو اس سے روکنے کے لئے پہلے تو مسئلہ ہی بیان کرتا اب تجربہ بھی بیان کروں گا کہ نکاح کر لینا تو آسان ہے مگر عدل لوہے کے چنے ہیں اس لئے جس کو آخرت کا خوف ہو گا اس کو نکاح ثانی کی ہمت کرنا ہی مشکل ہوگی جو شخص جمع بین الاضداد ہو نکاح ثانی وہ کرے۔

ملفوظ ۸۴۷ ایک صاحب کی غلطی پر متنبہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ مکدر کرنے کی حالت میں کام نہیں ہو سکتا۔ تم نے اس وقت دل برا کر دیا جس سے کوئی کام لیا کرتے ہیں تو کیا اس کو ستایا بھی کرتے ہیں۔ عرض کیا کہ حضرت والا معاف فرما دیں۔ فرمایا کہ معاف کرنے کو خدانخواستہ میں پھانسی دے رہا ہوں یا کوئی انتقام لے رہا ہوں معاف ہے مگر کام نہیں ہو سکتا۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص کسی کے سوئی چبھو دے اور پھر معافی چاہ لے تو کیا معاف کرنے سے اس کی سوزش اور درد بھی ختم ہو جائے گا۔ تمہاری اس موذی حرکت سے جو اذیت پہونچی اور رنج ہوا وہ تو ابھی دور نہیں ہو گیا۔ جاؤ یا دو گھنٹے کے بعد آ کر پوری بات کہنا تب کام ہو گا وہ صاحب چلے گئے۔ فرمایا کہ ان لوگوں کی اصلاح یوں ہی ہوتی ہے ان کو ان کے مقاصد سے کچھ دیر تو محروم رکھنا چاہیئے تاکہ آئندہ کے لئے سبق حاصل ہو۔ پھر تو کبھی ایسی حرکت نہ کریں گے ایسے بدفہموں پر عملی ہی تعلیم سے اثر ہوتا ہے۔ قولی فہمائش کافی نہیں ہے۔ اگر میں اخلاق کی وجہ سے تعویذ لکھ بھی دیتا تو اس وقت کے لکھے ہوئے کا خاک بھی اثر نہ ہوتا دوسرے یہ تعویذ وغیرہ جس فن کا مسئلہ ہے اس میں انشراح اور بشاشت قلب اثر کی شرط ہے لوگوں کو اس کی خبر نہیں۔

ملفوظ ۸۴۸ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حکماء نے کہا ہے کہ مہمان کے سامنے کسی پر عتاب نہیں کرنا چاہیئے ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہاں عتاب ہوتا کب ہے۔ حضرت جو کچھ کرتے ہیں وہ ہماری ہی مصلحت سے کیا جاتا ہے اور وہ حقیقت میں عتاب نہیں ہوتا۔ فرمایا کہ صورۃً جو عتاب ہے وہ بھی مہمان کے سامنے نہیں چاہیئے۔ مگر میں کیا کروں میرے پاس تو کوئی نہ کوئی مہمان روزانہ رہتا ہے۔ اب آنے والوں کی مصلحت کو مقدم رکھنا پڑتا ہے اور یہ ساری خرابیاں پیروں کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ صرف وظیفے بدون اصلاح اخلاق کے بتلا بتلا کر پیروں نے اس کر دیا لوگوں کے اخلاق خراب اور برباد ہو گئے اور اس تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ اوراد و وظائف کو تو طریق سمجھ گئے اور کیفیات کو مقصود حالانکہ بالکل غلط ہے بلکہ طریق تو اعمال ہیں اور مقصود رضاء حق ہے۔

ملفوظ ۸۴۹ ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ جس شخص کو اپنی اصلاح مقصود ہوگی وہ تو اس دار و گیر اور محاسبہ اور مراقبہ کو غنیمت سمجھے گا۔ چنانچہ بعض لوگوں سے میں نے دریافت کیا کہ اور بہت جگہ ہیں تم یہاں ہی کیوں آئے۔ انہوں نے یہاں آنے کی وجہ یہی بیان کی کہ یہاں پر روک ٹوک ہوتی ہے اصلاح خوب ہوگی اور جگہ ایسا نہیں ہے اس لئے اصلاح نہیں ہو سکتی۔ اب بتلایئے میں کس کس کے مشوروں پر عمل کروں اور سب کو کس طرح راضی رکھ سکوں۔ یہی ایک صورت ممکن ہے کہ جو مناسب سمجھا جاوے برتاؤ کر دوں۔

ملفوظ ۸۵۰ فرمایا کہ ایک شخص کا خط آیا منجملہ اور باتوں کے کثرتِ جماع سے بچنے کا علاج دریافت کیا ہے

اور تعویذ بھی مانگا ہے اور لکھا ہے کہ طرفین میں اس کی کثرت سے امراض پیدا ہو گئے۔ اب میں اس مہمل شخص کے ساتھ کیسے خوش اخلاقی کروں ضابطہ کا جواب دوں گا جس پر بدنام کرتا پھرے گا۔ خیر بدنام ہی کرے۔

ملفوظ ۸۵۱ ایک صاحب نے عرض کیا فلاں مقام پر بدعتی لوگ اہل حق کے مدرسہ کو تباہ کرنا چاہتے ہیں اور آئے دن چندہ دہندگان کو زبانی اور اشتہاروں کے ذریعہ سے بہکاتے رہتے ہیں۔ میں ان کو جواب دیتا رہتا تھا۔ لیکن حضرت سے جب دریافت کیا گیا حضرت نے منع فرمایا اب اُن کی قوت بڑھتی جاتی ہے فرمایا کہ مجھ سے ضرورت کا اظہار نہیں کیا گیا تھا ویسے ہی ایک سوال تھا میں نے فضول مشغلہ سمجھ کر منع کر دیا تھا کیونکہ طلب حق میں عبث سم قاتل ہے۔ اب آپ کے بیان سے دین کی ضرورت معلوم ہوئی اس لئے اب اجازت ہے اپنی قوت اور وسعت کے مطابق مقابلہ کیجئے البتہ یہ ایک بات ضروری یاد رکھنے کی ہے کہ مقابلہ میں حدود شرعیہ کا لحاظ رکھا جائے ہر طرح ہو نگ نہ ہو نہ حدود سے تجاوز ہو۔ اس لئے کہ مسلمان کے ہر کام کا مقصود رضاء حق ہونا چاہئے۔ اگر اس کا خیال رکھا گیا تو پھر انشاء اللہ تعالٰے کامیابی ہوگی اور برکت ہوگی۔ میری طرف سے اجازت ہے گو اپنے مسلک اور مذاق کے تو خلاف ہی ہے۔

ملفوظ ۸۵۲ ایک شخص کے خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ میں نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ رضاء دائمی کی دعاء فرما دیجئے فرمایا کہ رضاء میں دائم کی قید کیسی۔ رضاء تو دائم ہی ہوتی ہے وہ راضی ہو کر پھر ناراض نہیں ہوتے۔ سبحان اللہ کیسی کام کی بات فرمائی یہ حضرات حکیم تھے جو بات فرماتے تھے جامع اور مانع ہوتی تھی۔

ملفوظ ۸۵۳ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وفات ربیع الاول کی بارہ غلط مشہور ہے۔ نویں تاریخ کو حضور نے حج کیا اور وہ جمعہ کا دن تھا اور اسی سال وفات ہوئی اور دوشنبہ کو ہوئی۔ یہ مقدمات سب متواتر اور قطعی ہیں اب اس کے بعد کوئی حساب ایسا نہیں ہو سکتا جس سے دوشنبہ کو بارہ ربیع الاول ہو۔ خدا معلوم یہ کہاں سے مشہور ہو گیا۔

ملفوظ ۸۵۴ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ کتاب تربیت السالک ایک جگہ جمع ہو کر چھپ گئی لیکن مریض کے لئے بدون طبیب کے نافع نہیں ہو سکتی۔ فن کا سمجھنا طبیب کا کام ہے نہ کہ مریض کا۔ اس کی نظیر فن طب کی کتابیں موجود ہیں۔ سب ان سے علاج کیوں نہیں کر لیتے۔ ایسے ہی یہاں سمجھ لو۔ اور ماشاء اللہ کتاب بھی بڑی ضخیم ہو گئی۔

۲۸ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم دوشنبہ

ملفوظ ۸۵۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل اس کو تو ہنر اور سلیقہ سمجھا جاتا ہے کہ ایسی گول مول بات کہی جاوے کہ جس سے کوئی تو کچھ مطلب سمجھے اور کوئی کچھ سمجھے اس کو کہتے ہیں کہ یہ بڑے بیدار مغز ہیں بڑے ہوشیار ہیں۔ بڑی گہری بات فرماتے ہیں۔ خدا معلوم لوگوں کی حس کیا ہوئی جو چیزیں موجب ایذاء ہیں ان کو کمالات میں داخل کر لیا۔ مگر یہاں پر بحمد اللہ متکبروں اور خرد ماغوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم میں نہ عقل ہے نہ سلیقہ نہ فہم، نہ بیدار مغزی گو زبان سے اقرار نہ کریں مگر دل سب کا تسلیم کر لیتا ہے۔ معمولی بخار کا علاج تو سب کرتے ہیں مگر دق کا بھی علاج کرنا چاہیے اس کا علاج بحمد اللہ یہاں پر ہوتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جو بات ہو صاف ہو اور ایسی صاف ہو کہ دوسرے کو ابہام کا شبہ بھی نہ ہو سکے۔ یہی میری لڑائی ہے۔ لباس تو پہنتے ہیں جنٹلمینوں کا اور باتیں کرتے ہیں لنگوٹی باندھنے والوں کی سی۔ ایسے گنواروں کو لنگوٹی باندھ کر آنا چاہیے۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جب کوئی متکبر آتا تھا تو اس کے چلے جانے کے بعد میں فرمایا کرتے کہ ایسے متکبروں کو تھانہ بھون بھیجنا چاہیے ایسوں کا وہاں علاج ہوتا ہے یہاں پر آکر اللہ کا فضل ہے کہ ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔

ملفوظ ۸۵۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مدرسہ والوں کا معاملہ بڑا مشکل ہے ان کو عوام سے دبنا پڑتا ہے اس لئے کہ چندہ کا تعلق عام ہی لوگوں سے ہے اور یہ غرض جو اُن سے وابستہ سمجھی جاتی ہے اس کی وجہ سے علماء عوام کی چاپلوسیاں اور دلجوئیاں کرتے ہیں اُس میں حدود کا بھی خیال نہیں کیا جاتا کہ اس طرز سے دین کی ذلت ہوگی جس کو معتقد بنا رہے ہیں وہی غیر معتقد ہوگا وہ سمجھے گا کہ اپنی غرض کی وجہ سے میری خدمت اور چاپلوسی کر رہے ہیں اس چاپلوسی پر یاد آیا کہ ایک شخص کالکا سے یہاں پر آیا تھا اسکی کسی بدتمیزی پر میں نے روک ٹوک کی ہوگی یہاں سے واپس جا کر اس نے کہا کہ اخلاق بالکل نہیں۔ وہاں کوئی بابو صاحب ہیں دفتر میں انھوں نے جواب میں کہا کہ تم اب تک ایسوں ہی سے ملے ہو جن کو تم سے کچھ توقع ہے اس لئے وہ ایسا ہی برتاؤ کرتے ہیں جس کے تم طالب ہو اور جس کو تم سے توقع نہیں وہ ایسا برتاؤ کیوں کرے گا وہ تو آنے والے کے ساتھ وہ برتاؤ کرے گا جس کا وہ اہل ہے۔

۲۸ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم دوشنبہ

ملفوظ ۸۵۷ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے جس کا ہر جز مبہم ہے چنانچہ لکھا ہے کہ مجھ نالائق سے ایسی کیا گستاخی ہوگئی کہ حضور نے مجھ سے آنکھیں ہی بدل لیں۔ میں تو آپ کا بچہ ہوں آپ میرے رہبر ہیں مجھ کو تو آپ کا سہارا تھا مجھ کو کھویا ہوا علم عطا فرمائیں اور بھی کچھ اسی قسم کا مضمون ہے میں نے لکھ دیا کہ میں اس خط کا مطلب ہی نہیں سمجھا کیا جواب دوں کیا سمجھ کر میں لکھا ہے۔ ایسے مہمل خط آتے ہیں۔

ملفوظ ۸۵۸ ایک شخص کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ ان لوگوں نے نہ معلوم کوئی کمیٹی بنالی ہے کہ سارے بدفہم اس ہی میں سے میرے ہی پاس آتے ہیں سب ایک ہی مدرسہ کے پڑھے ہوئے ہیں وہ شخص چلا گیا۔ فرمایا کہ میں تو فہیم آدمیوں سے تعلق رکھنا چاہتا ہوں وہ چاہے چار ہی آدمی کیوں نہ ہوں۔ بظاہر تو نقصان معلوم ہوتا ہے کہ یہ محروم چلا مگر محروم نہیں مرحوم ہو کر چلا۔ ساری عمر کے لئے کان کھل گئے۔ آج کل مشائخ آنے والوں کی بیجا رعایتیں کرتے ہیں اس سے وہ لوگ اصلاح کے طریق کو نئی بات سمجھنے لگے حالانکہ نئی باتیں وہ ہیں جو رسمی پیروں نے پیدا کر رکھی ہیں۔ اصل طریق اصلاح کا یہی تھا۔ حضرت سلطان جی کے پاس دو شخص حاضر ہوئے وہاں کوئی حوض تھا۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ ہمارے یہاں کا حوض اس سے بہت بڑا ہے۔ دوسرے نے تصدیق کی۔ حضرت سلطان جی نے سُن لیا۔ فرمایا کہ کتنا بڑا ہے عرض کیا کہ یہ تو معلوم نہیں۔ فرمایا جاؤ ناپ کر آؤ یہ لوگ دور کے تھے۔ اول اس حوض کی پیمائش کی پھر وطن کا سفر اختیار کیا راستہ میں دعا کرتے جاتے تھے کہ خدا کرے وہ حوض بڑا ہو جا کر اس کی پیمائش کی تو ایک بالشت بڑا نکلا۔ بہت خوش ہوئے کہ حضرت کے سامنے سرخرو ہوں گے۔ پھر خوشی خوشی واپس ہوئے۔ اور عرض کیا کہ حضرت ایک بالشت بڑا ہے۔ فرمایا عرف میں ایک بالشت بڑے حوض کو بہت بڑا نہیں کہتے۔ معلوم ہوا تمہارے مزاج میں کلام کی احتیاط نہیں۔ چلو یہاں سے۔ تمہارا یہاں پر کچھ کام نہیں۔ نکال باہر کیا۔ اصلاح کا طریق یہی ہے۔ مگر یہ طریق مردہ ہو چکا تھا اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ سلف کا طریق میرے ہاتھوں زندہ ہو گیا میں تو اس نعمت پر خوش ہوں گو بدعقل لوگ بُرا مانیں۔

ملفوظ ۸۵۹ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ فلاں مدرسہ میں ممبروں کی یہ رائے ہوئی کہ ہر تین سال کے بعد ممبر اور مہتمم بدل دئیے جایا کریں اور انتخاب ہو کر تقرر ہوا کرے۔ حاصل یہ کہ ووٹ پڑا کریں۔ الیکشن ہوا کرے۔ کچھ نیچریت کا ایسا زہریلا اثر پھیلا ہے کہ ہر شخص کے قلوب پر اسی کا اثر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بزرگوں سے تعلق رکھنے والے ہیں اس لئے یہ لوگ واقع میں نیچری نہیں۔ اب سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ جیسے بعض مرتبہ

ہوا میں زہریلا اثر اور سمیت پیدا ہو جاتی ہے اور کم و بیش وہ عام ہو جاتی ہے۔ وہی حال اس نیچریت کا اس زمانہ میں ہو گیا ہے کہ تمام قلوب پر اس کا اثر ہے الا ماشاء اللہ۔

ملفوظ نمبر ۸۶۰ ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ بہت لوگوں نے مجھ سے پیری مریدی کے متعلق خط و کتابت کی جب دیکھا کہ کچھ کرنا پڑتا ہے بیٹھ گئے۔ آج کل یہی ہو رہا ہے چاہتے یہ ہیں کہ جنت میں پہنچ جائیں اور کچھ کرنا نہ پڑے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے جو کام کرنے سے ہوتا ہے اس میں تو کرنا ہی پڑے گا تب ہی کوئی نتیجہ مرتب ہو گا۔ اور اس مرض میں اہل علم کو ابتلا ہے۔ عوام بیچاروں کی تو شکایت ہی کیا ہے۔

ملفوظ نمبر ۸۶۱ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ حضور اپنی غلامی میں جلدی سے نہیں لیتے۔ پہلے کچھ تعلیم فرماتے ہیں پھر امتحان لیتے ہیں اگر وہ کامیاب ہوا اس کو رکھتے ہیں ورنہ چھانٹ دیتے ہیں۔ میں نے لکھ دیا کیونکہ غلامی جائز نہیں۔ وہ اب لکھیں گے کیا بیعت جائز نہیں۔ میں لکھوں گا کہ میں نے غلامی کو لکھا تھا بیعت کو تو نہیں لکھا۔ میرا مطلب صرف یہ ہے کہ آئندہ یہ لفظ نہ لکھیں مجھ کو ایسے تکلف کے الفاظ سے گرانی ہوتی ہے یہ میرا امر طبعی ہے۔ ایسا ہی ایک اور صاحب کا خط آیا ہے۔ بڑا لمبا اور چوڑا اور حاصل کچھ بھی نہیں لکھتے ہیں کہ دور دراز سے سفر کرنا دشوار ہے کوئی ایسی بھی صورت ہے کہ دہلی میں رہتے ہوئے حضور سے بیعت اور فیض باطنی حاصل کر سکوں۔ میں نے لکھا ہے کہ فیض باطنی کس کو سمجھتے ہو۔ معلوم تو ہو کہ فیض باطنی کس چیز کو سمجھے ہوئے ہیں اور وہ مجھ سے حاصل کر سکتے ہیں۔ ایسا ہی ایک مولوی صاحب نے مجھ کو عربی میں درخواست بیعت کا خط لکھا ہے میں نے لکھ دیا ہے کہ مفید کا مستفید سے افضل ہونا لازم ہے اور یہاں معاملہ عکس ہے کیونکہ میں ایسی عربی لکھنے پر قادر نہیں، اس لئے تعلق رکھنا ہی بے کار ہے۔ دیکھئے خواہ مخواہ عربی لکھتے ہیں مقصود لیاقت کا اظہار ہے جو ناشی ہے جاہ سے۔ سمجھتے ہیں کہ اظہار قابلیت پر قدر ہو گی۔ یہاں یہ قدر ہوتی ہے کہ لتاڑ پڑتی ہے وہ عالم ہی کیا جو اپنے کو عالم سمجھے۔ ایک اور صاحب نے عربی میں خط لکھا تھا میں نے لکھا کہ عربی میں خط لکھنے کی مصلحت تھی؟ لکھا کہ اہل جنت کی زبان ہے۔ میں نے لکھا کہ قسم کھا کر لکھو کہ اگر یہاں پر آنا ہو تو کیا عربی میں گفتگو کرو گے اس لئے کہ یہ اہل جنت کی زبان ہے۔ پھر جواب نہیں آیا۔ تاویل کرتے ہوئے شرم بھی تو نہیں آتی۔ کیا لکھنے کے وقت بھی یہی نیت تھی یا اظہار قابلیت مقصود تھا اپنے کو بڑا عقلمند سمجھتے ہیں۔ یہاں یہ چالاکیاں چلنا مشکل ہیں۔ اللہ کا شکر ہے اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت سے فوراً ذہن میں اصل حقیقت آ جاتی ہے چاہے لوگ ظاہر نہ کریں۔ مگر نکلتی وہی بات ہے جو سمجھ میں آتی تھی۔ میں نے ایک صاحب سے کہا تھا کہ تمہارے اندر کبر ہے اس کا علاج کرو اس وقت قبول نہیں کیا بلکہ اور برا مانا پھر پانچ برس کے بعد خود اقرار کیا کہ تمہاری تشخیص بالکل صحیح تھی میرے اندر کبر کا مرض ہے۔

۲۹ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم سہ شنبہ

ملفوظ ۸۶۲ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ مسلمانوں نے اصول صحیحہ چھوڑ دیئے۔ دوسری قوموں نے اختیار کر لئے وہ راحت اٹھا رہے ہیں۔ راحت کی چیز سے تو راحت ملتی ہی ہے جو بھی کوئی اختیار کرے اس میں مسلم اور غیر مسلم کی قید تھوڑا ہی ہے آج ہی جن صاحب نے ستایا ہے اُن سے میں نے ایک یہ مواخذہ کیا تھا۔ انھوں نے ایک پرچہ لاکر میرے ہاتھ میں دے دیا جس کا نہ سر نہ پیر۔ طبیب کے پاس جاتے ہیں پہلا نسخہ ساتھ لے جاتے ہیں۔ یہ اصولی بات ہے اس میں حکمت اور راحت ہے۔ یہاں یہ توفیق نہیں کہ میری پہلی تحریر بھی پیش کر دیا کریں۔

ملفوظ ۸۶۳ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حیدرآباد دکن میں لوگوں نے وعظوں کی درخواستیں اور خواہشیں بہت کیں مگر میں نے قصداً اعراض کیا کہ یہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ مولوی ایسی خواہشوں کے لئے منہ پھیلائے بیٹھے رہتے ہیں اس لئے ان کو ترسا ترسا کر سُنانا چاہیئے۔ ہر جگہ دین کی مصلحت جدا ہے جو بحمد اللہ پیش نظر رہتی ہے۔

ملفوظ ۸۶۴ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے۔ ایک ہی خط میں مختلف انواع کے سوالات کا انبار لگا دیا ہے۔ ان لوگوں کو رحم بھی تو نہیں آتا۔ بس یہ بے اصولیاں ہیں جن پر میں متنبہ کرتا ہوں اسپر مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے کہ سخت ہے۔ ایک صاحب نے بہت سے سوالات ایک خط میں لکھ کر بھیجے۔ یہاں سے یہ جواب گیا کہ ایک خط میں ایک سوال سے زیادہ نہ ہونا چاہیئے کیونکہ اس قدر فرصت نہیں اس پر ان صاحب کا بہت خفگی کا خط آیا کہ کیا یہی اخلاق محمدی ہیں۔ اور اپنے اخلاق کو نہ دیکھا۔ عدالت میں اگر دو شخصوں کی درخواست ایک ہی کاغذ پر لکھ کر دی جاوے اور وہاں سے حکم ہو کہ الگ الگ درخواست دو اور الگ الگ ٹکٹ لگاؤ تو وہاں کوئی کچھ نہیں کہتا۔ ملانوں ہی کو تختۂ مشق بنانے کو ہیں۔ بات یہ ہے کہ قلوب میں دین کی وقعت نہیں اور طلب نہیں وہاں وقعت بھی ہے اور طلب بھی ہے۔ لوگ اخلاق محمدی کے معنی ہی نہیں سمجھے بس ایک یہ معنی سمجھ رکھے ہیں کہ ان کے سارے نخرے اٹھاؤ خوشامدیں کرو ان کے تابع ہو کر رہو تب سمجھیں کہ اخلاق محمدی ہیں۔ سو حضور نے تو کبھی ایسے اخلاق نہیں برتے۔ حضور نرمی کی جگہ نرمی سختی کی جگہ سختی برتتے تھے اگر اتفاق سے کسی موقع پر رعایت میں مبالغہ ہو جاتا تھا تو حق تعالیٰ کا امر ہوتا تھا کہ واغلظ علیہم آخر اس فرمانے سے کیا مطلب تھا۔ نیز حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے آکر آواز دی۔ حضور نے پوچھا کون۔ جواب دیا انا (میں ہوں) حضور نے ناگواری کے لہجہ سے فرمایا انا انا یعنی میں میں کہہ رہے ہیں۔ اس سے کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ تم کون ہو چنانچہ روایت میں ہے۔ کانہ کرھھا۔

دیکھئے معمولی بات پر حضور کو کیسی ناگواری ہوئی کہ راوی کو بھی احساس ہوا کیا یہ ممکن نہ تھا کہ ناگواری کو ضبط فرما کر ارشاد فرماتے کہ دیکھو بھائی یوں نہیں کہا کرتے مگر چونکہ اظہار ناگواری کی ضرورت اور اس میں مصلحت تھی ایسا نہیں کیا گیا اب تو اس واقعہ سے اخلاق محمدی کی حقیقت معلوم ہوگئی ہوگی کہ ہر شے اپنے محل میں ہو۔ اب اعتراض کرو۔ اور اعتراض بھی کون مشکل چیز ہے اس سے تو کوئی بھی نہیں بچا اللہ تعالٰے کو۔ انبیاء علیہم السلام کو۔ صحابہ کرام کو ائمہ مجتہدین کو کسی کو بھی نہیں چھوڑا۔ علماء تو بے چارے کس شمار اور کس گنتی میں ہیں جو منہ میں آیا بک دیا جو قلم میں آیا لکھ دیا نہ خدا کا خوف نہ آخرت کی فکر اور خیال۔ اللہ تعالٰے ہدایت فرمائیں اور فہم سلیم اور عقل کامل عطاء فرمائیں تاکہ حقائق کو سمجھ سکیں۔

ملفوظ نمبر ۸۶۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں کہا کرتا ہوں کہ آج کل کی تہذیب تو ذیب ہے جس سے مجھ کو طبعاً انقباض ہے اس لئے میں جس وقت حیدر آباد دکن گیا اور میں نے دیکھا وہاں پر عرفی تہذیب بہت ہی ہے۔ میں نے سوچا کہ اگر میں نے یہاں کی عرفی تہذیب کا برتاؤ کیا تو اچھی خاصی تکلیف ہوگی کیونکہ وہ واقع میں تو ذیب ہے اور اگر اس کا استعمال نہ کیا تو رسم پرستوں کی نظر میں بد تہذیب کیوں سمجھے جائیں۔ لہٰذا میں نے کلفت اور بد تہذیبی کے الزام دونوں سے بچنے کے لئے یہ کیا کہ جلسوں میں ظاہر کر دیا کہ ہم غیر مہذب نہیں مگر تھانہ بھون کی تہذیب برتیں گے کیونکہ ہر جگہ کی تہذیب جدا ہے اس کے بعد خوب آزادی سے رہے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ صحابہ کرام کو دیکھئے کہ حضور کے غلام بھی تھے اور غلام بھی عاشق لیکن بے تکلفی سے رہتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی ادب بھی بے انتہاء تو ان حضرات نے بے تکلفی اور ادب کو جمع کر کے دکھا دیا۔ دنیا میں کوئی ان حضرات کی نظیر پیش نہیں کر سکتا۔

ملفوظ نمبر ۸۶۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ متمدن اور مہذب قوم کے کارنامے دیکھو یوروپ کے ایک شہر میں ایک اسکول کھلا ہے جس میں چوری کرنا سکھائی جاتی ہے۔ حکومت نے مداخلت کرنا چاہا کہا کہ یہ بھی ایک فن ہے جیسے تلوار سکھائی جاتی ہے۔ اگر چوری کریں گے سزا دینا۔ حکومت مغلوب ہوگئی۔ یہ تہذیب اور تمدن ہے یورپ کا۔

ملفوظ نمبر ۸۶۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جب سے یہ انگریزی اور اردو کے اسکول کھلے ہیں۔ اُستادوں کی قدر نہیں رہی۔ پہلے بہت ہی اُستاد کی قدر اور عظمت تھی۔ اب تو کچھ ایسا زہریلا اثر پھیلا ہے کہ کسی کا بھی ادب نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ خیر و برکت کسی چیز میں نہیں معلوم ہوتی۔ میں لکھنؤ گیا تھا وہاں پر بیان ہوا۔ میں نے بیان میں کہا کہ آج کل نو تعلیم یافتہ انگریزی خوان کی تہذیب اور ادب کا یہ حال ہے کہ ایک صاحب کے بیٹے لندن پاس کر کے آئے باپ سے ملاقات ہوئی تو کہتے ہیں کہ دل بڈھا تم اچھا ہے۔ اتفاق سے یہ دونوں باوے بیٹے وعظ میں موجود تھے۔ دونوں بیرسٹر تھے بعد وعظ کے مجھ کو معلوم ہوا کہ جنکی تم نے حکایت بیان کی دونوں باوا بیٹے مجلس میں موجود تھے۔ غضب کیا تم نے۔ میں نے کہا مجھ کو کیا خبر تھی کہ یہ انکی ہی حکایت ہے چلو اچھا ہوا سن تو لیا کانوں میں تو پڑ گیا۔

ملفوظ نمبر ۸۶۸ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ متاخرین فقہاء نے تو اپنے ماموں اور چچا سے بھی پردہ کو مناسب کہا ہے۔ بڑی دور نظر پہونچی ہے کہ بوجہ محرم ہونے کے اپنے لئے تو نہیں مگر اپنی اولاد کے لئے

تو اُس نظر سے دیکھیں گے۔

ملفوظ ۸۶۹ ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ اصولی بات یہ ہے کہ آدمی جس کام کے لئے آوے۔ صاف کہدے۔ اب تو یہ چاہتے ہیں کہ دوسرا ہر حال میں تابع رہے اگر کہدیں تب بھی راضی رہے نہ کہیں تب راضی رہے۔ پوری بات کہدیں تب راضی ادھوری ہو تب راضی۔ لکھے پڑھے ان پڑھ سب بدتمیزی میں مبتلا ہیں۔ اب ان ہی کو لیجیئے۔ عالم فاضل۔ طبیب اور یہ بدتمیزی آخر کہاں تک صبر کروں اور کہاں تک تغیر نہ ہو۔ خادم ہوں مگر غلام تو نہیں نوکر نہیں۔ خدمت کی طرح خدمت لو۔ یہ بے ڈھنگا پن کیسا۔

ملفوظ نمبر ۸۷۰ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ جو آج کل مفسدوں کو آزادی سکھائی ہے اس کے یہ ثمرات ہیں۔ اب بھگتیں اپنے کئے ہوئے کو۔ اب دینی مدارس ہیں ان کے طلباء کی یہ حالت ہے کہ اب وہ نہ مہتمم کی سنتے ہیں نہ اُستادوں کی۔ اور مہتمم بیچارے کا کیا خاک اثر ہوتا۔ جارج پنجم کا اثر نہیں رہا۔ وائسرائے کا اثر بھی نہیں رہا۔ آج کل اثر ہی کس کا ہے۔ ملک کا اس تباہ و برباد ہوگیا۔ ہندوؤں کا کام بن گیا۔

ملفوظ نمبر ۸۷۱ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جب دینی مدارس میں رہ کر اور پڑھ کر بھی دین نہ پیدا ہوا تو ایسے پڑھنے سے کیا فائدہ۔ سوائے گمراہی پھیلانے کے اور کیا نتیجہ ہوگا۔ میں نے کئی مرتبہ مدرسہ والوں سے کہا کہ اپنے اصول قائم کرلو اور ان کا ملک میں اعلان کردو۔ پھر چاہے چندہ آوے یا نہ آوے طالب علم آوے یا نہ آوے مگر مدرسہ والوں کی اس پر ہمت نہیں ہوتی۔ اس کا کیا علاج۔ تمام فتنے ایک دم فرو ہوجاتے۔ اگر اس پر عمل کرلیتے مگر عملی جامہ پہنانے کے لئے قوت قلب کی ضرورت ہے۔ اب تو اس مذاق کے لوگ رہ گئے ہیں۔ ایک عالم کہتے تھے کہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ حریت پیدا ہورہی ہے۔ میں نے کہا یہ حریت اور آزادی بدمعاشوں میں بھی پیدا ہورہی ہے اپنی بھی خیر منائیو۔ پھر کچھ نہیں بولے۔ ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ اب بھی کوئی صورت فلاں مدرسہ کی اصلاح کی ہے۔ میں نے کہا ہے کہا آپ مدرسہ کا انتظام کرسکتے ہیں۔ میں نے کہا کر سکتا ہوں کہا کیجئے میں نے کہا کہ سب مدرسین مہتمم کارکنان ممبران ایک دم استعفے داخل کردیں تب انتظام کردوں گا اس وقت دیکھنا انتظام کیسا ہوتا ہے استعفے تم دلوا دو انتظام میں کردوں گا۔

یکم شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم چہار شنبہ

ملفوظ نمبر ۸۷۲ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بدفہمی کا اس قدر بازار گرم ہے کہ جس کا کوئی حد و حساب نہیں۔ آج صبح میں کام میں مشغول تھا ایک صاحب یہاں پر آکر کھڑے ہوگئے۔ جیسے کسی پر کوئی سپاہی مسلط کردیا

جاتا ہے۔ باوجود اس کے کہ کل کے آئے ہوئے ہیں اس وقت تک یہ توفیق نہ ہوئی کہ کم از کم مصافحہ ہی کر لیتے اور اپنا ضروری تعارف کرا دیتے۔ یہ میرا امر طبعی ہے کہ کسی کے کھڑے رہنے سے میری طبیعت پر گرانی ہوتی ہے۔ میرے دریافت کرنے پر کھڑے کیوں رہے یہ کہا کہ بیٹھنے کی اجازت نہ تھی۔ میں نے کہا کہ اور کھڑے ہونے کی کونسی اجازت تھی۔ کہنے لگے کہ فلاں مولوی صاحب نے کہا تھا کہ اس وقت مل سکتے ہو، میں نے کہا کہ اول تو یہ میرے سوال کا جواب نہیں۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ اگر مولوی صاحب نے کہہ ہی دیا تھا تو دو حال سے خالی نہیں یا تو تم کو ان کے کہنے کے بعد تردد تھا یا اطمینان تھا۔ اگر تردد تھا تو ملے کیوں؟ اور اگر اطمینان تھا تو پھر مجھ سے اجازت کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا کوئی جواب نہیں دیا، میں نے کہا کہ جاؤ باہر جا کر بیٹھ جاؤ جب حواس درست ہو جائیں تب آ کر مل لینا! اور اپنا ضروری تعارف اور آنے کی غرض صاف صاف ظاہر کر دینا۔ اتنی رعایتیں کرنے پر بھی مجھ کو بدنام کرتے ہیں کہ اخلاق اچھے نہیں، خدا معلوم اور اخلاق کس جانور کا نام ہے۔ آنے والوں کی غلامی کروں اُن کے تابع ہو کر برتاؤ کروں تب خوش اخلاق کہلاؤں سو یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا۔ آتے ہیں اپنی غرض لے کر اور دوسروں کو اپنا تابع بنانا چاہتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے فہم و عقل لوگوں سے رخصت ہی ہو گئی انا للہ وانا الیہ راجعون

ملفوظ نمبر ۸۷۳ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ انسان بننا فرض ہے بزرگ بننا فرض نہیں اس لئے کہ انسان نہ بننے سے دوسروں کو تکلیف ہو گی اور بزرگ نہ بننے سے اپنے ہی کو تکلیف ہو گی وہ یہ کہ دوزخ میں جائے گا خود تکلیف اٹھائے گا۔ انسان ہو گا تو اس سے دوسروں کو تکلیف نہ ہو گی۔ اس لئے میں انسان بنانے کی کوشش کرتا ہوں۔ بزرگ نہیں بناتا۔ اور اصل تو یہ ہے کہ ان عوام غریبوں کا بھی کوئی قصور نہیں۔ رسمی اور جاہل پیروں کے بگاڑے ہوئے ہیں ان باتوں پر کوئی روک ٹوک کرتا ہی نہیں۔ ان کے کان ہی ان چیزوں سے نا آشنا ہیں اور یہ کیا خود مشائخ اور پیروں ہی کے کان نا آشنا ہیں۔ اس لئے میں جو روک ٹوک کرتا ہوں وہ ایک نئی سی بات معلوم ہوتی ہے اس سے وحشت ہوتی ہے گھبراتے ہیں اور یہاں سے باہر جا کر بدنام کرتے ہیں۔

ملفوظ نمبر ۸۷۴ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یا تو طبیعت سلیم ہو یا کسی کامل کی صحبت ہو یا صحیح تعلیم ہو۔ ادب ان چیزوں سے پیدا ہوتا ہے مگر یہ تینوں باتیں نہیں رہیں بلکہ جہل کا نام تعلیم رکھا ہے۔ سو کہاں تک ان بیہودگیوں کی تلاوت کروں کوئی بات بھی تو آدمیوں کی سی نہیں۔ ایک عالم کا عالم ان خرافات پر متفق ہو گیا ہے۔ آخر کہاں تک برداشت کروں اور کب تک تغیر نہ ہو پتھر تو نہیں ہوں احساس تو ہوتا ہی ہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ نہ خوشی کی بات سے خوشی ہو اور نہ رنج کی بات سے رنج ہو۔ بت کی طرح بیٹھے رہنے کو بزرگی سمجھتے ہیں۔ ایسے پیر بھی بکثرت ہیں کہ وہ بت بنے ہوئے ہیں اور آنے والوں سے اپنی پرستش کراتے ہیں۔ وہیں جاؤ۔ یہاں بلایا کس نے تھا۔

ملفوظ نمبر ۸۷۵ ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ میں نے تو اپنے لئے یہ تجویز کر لیا ہے کہ میں ایسے غبی اور کودنوں سے تعلق رکھنا نہیں چاہتا اور تم اپنے لئے یہ تجویز کر لو کہ ہم ایسے ظالم اور جلاد پیر سے تعلق نہ رکھیں گے اس پر وہ صاحب خاموش رہے۔ فرمایا کہ جواب دو۔ اگر جواب نہیں دیتے تو یہاں سے اٹھو مجھے اور بھی کام ہے۔ صرف یہی ایک کام نہیں کہ تم کو لئے بیٹھا رہوں۔ عرض کیا کہ حضرت معاف فرما دیں۔ فرمایا کہ معافی کو کوئی

میں انتقام تھوڑا ہی لے رہا ہوں یا پھانسی تھوڑا ہی دے رہا ہوں۔ معاملہ کی بات ہے معاملہ کی طرح طے ہو گی۔ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ میں آپ کو آپ کی غلطی پر بھی متنبہ نہ کروں۔ عرض کیا کہ آئندہ ایسا نہ کروں گا۔ فرمایا کہ اس آپ کے کہنے کی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک شخص عورتوں کو گھورا کرتا تھا۔ اندھا ہو گیا اب کہتا ہے کہ اے اللہ اب نہ گھوروں گا۔ گھوریگا کس طرح گھورنے کی چیز ہی کو ختم کر دیا۔ فنا کر دیا۔ اسی طرح میں جب تعلق ہی کو ختم کرتا ہوں جیسا کہ ابھی کہہ چکا ہوں تو اس کے حقوق بھی ختم ہو گئے۔ اب تم کو ایسا کرنے کی نوبت ہی نہ آوے گی۔ افسوس اتنا زمانہ تعلق کو ہو گیا اب تک بھی کوئی صورت اصلاح کی پیدا نہ ہوئی آئندہ ہی کیا امید کی جا سکتی ہے۔ وہ صاحب اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت والا نے حاضرین مجلس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ خدانخواستہ مجھ کو کوئی بغض و عناد تھوڑا ہی ہے۔ یہ جو کچھ کر رہا ہوں ان کی مصلحت سے کر رہا ہوں۔ قصہ یہ ہے کہ آج تین دن کا عرصہ ہوا انھوں نے ایک پرچہ میرے سامنے لا کر رکھ دیا۔ جس کا نہ کہیں سر نہ پیر۔ میں نے اس کو دیکھا کچھ پتہ نہ چلا کہ آخر ان کا مطلب ہے کیا۔ زبانی دریافت کرنے پر بھی کچھ نہ بولے۔ تب میں نے کہا کہ جاؤ کسی دوسرے شخص کے واسطہ سے معاملہ صاف کر دو۔ چلے گئے۔ اب تک خبر ہے نہ اثر۔ آج میں نے ہی دریافت کیا کہ تم نے اپنا معاملہ صاف نہیں کیا تو اس پر جھوٹی باتیں لغو تاویلیں شروع کر دیں۔ اس بے فکری اور لاپروائی پر میں نے مواخذہ کیا۔ انشاء اللہ تعالیٰ دماغ درست ہو جائے گا۔ ساری عمر کے لئے بے فکری کا مرض دماغ سے نکل جائیگا۔ میں نے جو ان کو عدم تعلق کی تجویز سنائی ہے ایسا کرنے کا ارادہ نہیں۔ مطلب اس کا صرف یہ ہے کہ ان کی طبیعت پر بوجھ پڑے اور اس بے فکری کے مرض سے ان کو نجات ہو اب آپ ہی دیکھ لیجئے کہ ایک بات بھی تو زبان سے کام کی نہ نکلی ورنہ جیسے میں نے یہ تجویز عدم تعلق کی بیان کی تھی اس کا جواب یہ تھا کہ میں تعلق قطع نہیں کر سکتا آپ چاہے کچھ کریں۔ مگر یہ محبت سے ہوتا ہے جس سے محبت ہوتی ہے ایسی بات سن کر تڑپ جاتا ہے ان کو اس وقت تڑپ کر یہ بات کہنی چاہیے تھی کہ میں یہیں مٹوں گا یہیں مروں گا۔ یہیں فناء ہوں گا اگر عقل رہبری کرتی یہی کہتے مگر نہ محبت نہ عقل نہ فہم۔ باوجود ان سب باتوں کے میری رعایت ملاحظہ ہو کہ اب بھی مجھ کو ان کی اصلاح کی فکر ہے اور جب دیکھوں گا کہ کوئی صورت اصلاح کی ہے ہی نہیں تب بمجبوری قطع تعلق کر دوں گا۔ اس لئے کہ ہر شے کی غایت ہوتی ہے۔ تعلق پیدا کرنے کی یا رکھنے کی غایت اصلاح ہے۔ جب اصلاح نہ ہوئی اور نہ آئندہ ہونے کی امید ہو تو تعلق رکھنے سے غرض عدد بڑھانا تھوڑا ہی ہے یا فوج تھوڑا ہی جمع کرنا ہے اور ان کے لئے یہ ہے کہ یہاں سے کام نہیں ہوا کسی دوسری جگہ سے سہی مقصود کسی خاص شخص سے تعلق کا رکھنا تھوڑا ہی ہے مقصود تو کام کرنا ہے اور ایسے لوگ وہاں کھپتے ہیں جہاں محض وظائف کی تعلیم ہے۔ یہاں وظائف کی تعلیم ہے یہاں پر وظائف کی تو تعلیم ہے نہیں۔ صرف دو چیزوں کی تعلیم ہے۔ اگر کسی کو لینا ہو یہاں پر آوے ورنہ کہیں اور جاوے وہ یہ ہے کہ ایک تو معاصی سے بچو اور دوسرے یہ کہ کسی کو اذیت نہ پہنچاؤ وہ ایذا چاہے کسی قسم کی ہو۔ مالی ہو۔ جاہی ہو۔ جانی ہو۔ یہی میرے یہاں بزرگی ہے اور یہی درویشی ہے۔ دوسرے یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ خدمت لو مگر خادم بن کر اور جو شخص مخدوم بن کر خدمت لے گا وہ محروم ہو جائے گا۔ میں چاہتا ہوں خدمت کرنا مگر قاعدہ اور اصول سے۔ میں بے قاعدہ اور بے اصول طریقہ سے خدمت کرنے سے معذور ہوں۔ اور میں کیا کروں یہ امور میرے فطری ہیں جن کو میں بدل نہیں سکتا

اور میں بدلنے کی کوشش بھی کیوں کروں میری غرض کونسی ہے۔

ملفوظ نمبر ۸۷۶ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر اپنے حقوق لینے میں یا وصول کرنے میں دوسرے کو تکلیف ہو یا اذیت پہونچے۔ فرمایا کہ اس کا ذمہ دار وہ ہے۔ ابتداء اُس کی طرف سے ہے البادی اظلم ظالم تو وہ ہے۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ بلاوجہ ایک شخص کسی کے لاٹھی مارے تو اس کے لاٹھی تو ماری ہی جاوے گی اس پر جو اس کو تکلیف یا اذیت پہونچی اس کا وہ خود ذمہ دار ہے۔

یکم شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم چہار شنبہ

ملفوظ نمبر ۸۷۷ ایک مولوی صاحب کی ایک خاص غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ عالم ہو کر آپ کو اتنی خبر نہیں کہ یہ دعوت الی اللہ ہے کہ ایک دین کا کام ہے اُس کا عام اعلان کر دیا۔ بھیک مانگتے پھرنے کا نام تو دین نہیں۔ جب ہمارے مقتداؤں کی یہ حالت ہے تو پھر فلاح کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ عوام اگر علماء کو ذلیل سمجھیں تو ان کا کیا قصور ہے۔ جب علماء ہی ذلت کے اسباب اختیار کرتے ہیں۔ اگر قرض ادا کرنے کے لئے بھیک مانگنا ہے تو قرض کے نام سے مانگو۔ تبلیغ کے نام سے مانگنا دھوکا دینا ہے اتنے دنوں کی صحبت میں اتنی بھی خبر نہ ہوئی مجھ کو اس کا بحد صدمہ ہے اور آخر آپ قرآن وحدیث پڑھاتے ہیں ان میں مانگنے کی حرمت کا صریح حکم موجود ہے اس پر بھی تو آپ کی نظر ہونا چاہیے تھی اور میں تنزل کر کے کہتا ہوں کہ اگر شرعی نفرت نہ تھی تو طبعی نفرت تو ہونا چاہیے تھی۔ کچھ نہیں بعض آدمیوں میں حیا نہیں ہوتی۔ مولویت کو بھی ڈبو دیا مجھ کو تو اس کے تصور سے بھی غیرت آتی ہے کہ یہاں کا رہنے والا شخص اور بھیک مانگتا پھرے۔ لوگ مجھ کو بداخلاق کہتے ہیں اب اس معاملہ میں کیا خوش اخلاقی کروں۔ اس موقع پر تو یہی خوش خلاقی ہو سکتی ہے کہ اس کی اجازت دیدوں کہ بھیک مانگتے پھرو۔ شرم جاتی رہی۔ غیرت نہیں رہی۔ بڑے تبلیغ کرنے والے ٹھیرے۔ یہاں پر پڑوس میں بے نماز ہیں ایک دفعہ بھی توفیق نہ ہوئی کہ ان کو تبلیغ کرتے کیونکہ یہاں ملتا ہی کیا۔ باہر ہی جا کر تبلیغ ہوتی ہے کیونکہ وہاں ملتا ہے۔ بیس برس کاٹ میں رہے۔ چلتے وقت ٹانگ ترائی۔ اور ایسے شخص کے ذمہ سفر کر کے تبلیغ ہی کہاں واجب ہے جس میں خرچ کرنے کی وسعت نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ توکل پر تبلیغ کا ارادہ ہے۔ یہ مانگتے پھرنا عجیب توکل ہے۔ یہ سب شیطان کے بہکانے کی صورتیں ہیں عوام کو تو معصیت کی طرف کھینچ کرلے جاتا ہے۔ مثلاً زنا ہے۔ چوری ہے جھوٹ ہے وغیر ذلک اور علماء ومشائخ کو صورتِ دین دکھلا کر اس میں پھانستا ہے وہ کام محض صورتِ دین ہوتا ہے حقیقتِ دین نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء آج ذلیل وخوار ہیں۔ قربان جایئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے۔ حضورؐ نے فرمایا

ہے کہ اگر مانگو تو بادشاہوں سے یا بزرگوں سے مانگو اس لئے کہ اس میں دو چیزوں پر نظر ہے۔ ایک تو مخاطب پر سوال کے وقت بار ہوتا ہے۔ دوسرے اپنی ذلت ہوتی ہے۔ تو بادشاہ سے سوال کرنے میں نہ اس پر بار کا احتمال اور نہ اپنی ذلت کا خیال۔ اور یہی بزرگوں کا معاملہ ہے کہ وہ کبھی کسی کو حقیر یا ذلیل نہیں سمجھتے اور بوجہ بے تکلفی کے ان پر کوئی بار بھی نہیں ہوتا۔ اگر وہ امداد پر قادر نہ ہوں صاف عذر کر دیتے ہیں اور اگر آپ کا پھر بھی اسی طرح تبلیغ کرنے کا ارادہ ہے۔ میں صاف کہے دیتا ہوں خواہ اس کو بے مروتی ہی سمجھا جائے کہ پھر آپ کا ہم سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ نہ خط و کتابت کی جائے اور نہ جواب کی توقع رکھی جائے اور نہ ملنے آیا جائے۔ غرض کہ ہم سے کوئی کسی قسم کا تعلق نہ رہے گا اس کے سن لینے کے بعد جدا ئے طے ہو اس کی چاہے اسی وقت اور چاہے پھر کسی وقت مجھ کو اطلاع کر دی جائے۔ باقی میں نے جو کچھ اس وقت عرض کیا ہے اس کے خلاف کی مجھ سے ایسی حالت میں توقع نہ رکھی جائے۔ جب آپ کو ہمارے مسلک اور مذاق کی رعایت نہیں تو ہم کو آپ کی رعایت کی کیا ضرورت ہے۔

ملفوظ نمبر ۸۷۸ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ جولاہہ ہو۔ تیلی ہو۔ قصائی ہو مگر فرمانبردار ہو۔ نیک ہو وہ ان بڑے لوگوں سے اچھا کہ جن میں تکبر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اور ان غریبوں میں انکساری و عاجزی کی شان ہوتی ہے گو فی زمانہ وہ بھی بڑائی کی طرف چل پڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بلا سے ہر مسلمان کو بچائیں شیطان کم بخت اسی کی بدولت مردود ہوا اور سب کچھ کیا دھرا کھو بیٹھا۔

ملفوظ نمبر ۸۷۹ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ انسان کو ہمیشہ سوچ سمجھ کر فکر سے کام لینا چاہیئے اس میں غلطیوں کا صدور بہت کم ہوتا ہے اور فکر اور غور کے بعد اگر صدور بھی ہوگا تو مربی یہ خیال کرکے درگزر کریگا کہ بشریت ہے صدور ہوگیا۔ مگر اس میں بے فکری تو نہیں۔ میرے یہاں بحمداللہ ہر چیز کے حدود ہیں اور ہر چیز اپنی حد پر رہتی ہے گو دوسرے لوگ اس کو بد اخلاقی اور خشکی سے تعبیر کرتے ہیں۔

۳ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نمازِ جمعہ

ملفوظ نمبر ۸۸۰ فرمایا کہ آج ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ ایک عورت ہے جو بے پردہ ہے۔ بھنگی چماروں تک کے سامنے آتی ہے اور آوارہ پھرتی ہے اور خاوند بھی ایسا ہی ہے اس عورت کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کیسا ہے؟ میں نے لکھ دیا ہے کہ جب کافر کے ہاتھ کا کھانا جائز ہے تو وہ تو مسلمان ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ باعتبار فتوے کے کیا حکم ہے؟ میں نے لکھ دیا ہے کہ کسی مفتی سے پوچھو۔ اس پر فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود تو

کوئی کام خلاف شرع کرتے ہی نہیں معلوم ہوتے۔ جنید وقت معلوم ہوتے ہیں یہ خناس لوگوں کے دماغوں میں بھرا ہے فتویٰ حاصل کر کے دوسرے مسلمانوں کو ذلیل سمجھنا یا ذلیل کرنا مقصود ہے۔ سو میرے جواب سے بحمد اللہ اس قسم کی گنجائش نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ میرے جواب سے خوش نہیں ہوتے بلکہ پچھتاتے ہیں کہ فضول ڈھائی آنہ بھی کھوئے۔ ان متکبروں کی یہ حالت ہے کہ دوسروں پر تو اگر مکھی بھی بیٹھ جائے تو اعتراض اور اپنے کیڑے پڑے ہوئے ہیں ان کی بھی خبر نہیں۔ مگر یہاں پر ایسے متکبروں کا اللہ کے فضل سے خوب دماغ درست ہوتا ہے۔

ملفوظ نمبر ۸۸۱ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے جواب کے لئے بجائے اندر لفافہ رکھنے کے پانچ پیسے کا ٹکٹ رکھا ہے۔ میں اس پر اکثر شکایت لکھا کرتا ہوں کہ اگر بجائے ٹکٹ رکھنے کے لفافہ رکھ دیتے تو مجھ کو پریشانی نہ ہوتی۔ اس لئے کہ بعض اوقات ٹکٹ گر جاتا ہے اس کی تلاش میں تکلیف ہوتی ہے ان کو یہی لکھا جواب میں ٹکٹ بھیجنے کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ وزن زائد ہو جانے کی وجہ سے ٹکٹ بھیج رہا ہوں۔ میں نے لکھا ہے کہ یہ عذر عجیب ہے وزن کر کے دیکھ لیا ہوتا۔ پھر لکھتے ہیں کہ لفافہ موجود بھی نہیں۔ میں نے لکھا کہ موجود کرنے سے موجود ہو سکتا تھا۔ کچھ نہیں اس کی پرواہی نہیں کہ ہماری اس حرکت سے دوسرے کو تکلیف ہوگی۔

ملفوظ نمبر ۸۸۲ ایک نووارد صاحب نے حاضر ہو کر بعد مصافحہ ایک اور صاحب کا دستی خط حضرت والا کی خدمت میں پیش کیا کہ یہ فلاں صاحب نے حضرت کی خدمت میں بھیجا ہے۔ فرمایا کہ پہلے اپنا تعارف کرا لیجئے میں نے آپ ہی کو نہیں پہچانا۔ مقدم ہونا چاہیئے۔ دوسرے کا موخر۔ عرض کیا کہ میں طالب علم ہوں فلاں مدرسہ میں پڑھتا ہوں اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔ حضرت والا نے ذرا سکوت کے بعد دریافت فرمایا کہ کیا اتنا کہہ دینے سے آپ کے نزدیک ضروری تعارف ہو گیا اس پر وہ صاحب خاموش رہے دوبارہ دریافت فرمایا کہ نہ آپ کا کوئی نام ہے نہ وطن ہے اس پر بھی وہ خاموش رہے فرمایا کہ اس کا تو کوئی میرے پاس علاج نہیں کہ میری شکایت پر بھی اپنا تعارف نہیں کرایا۔ اس پر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ فرمایا کہ اگر میرا سوال آپ کے نزدیک لغو اور غیر معقول اور غیر ضروری ہے تو اٹھیئے اور وہاں جا کر بیٹھیئے میرے پاس بیٹھنا بیکار ہے۔ اب بتلایئے اس میں کیا تاویل کروں کونسی پیچیدہ بات پوچھی تھی اور کونسا ٹیڑھا سوال تھا اور اگر ٹیڑھا بھی ہوتا تو طالب علم ہیں کتابیں قریب ختم کے ہیں اس کا بھی جواب دینا چاہیئے تھا جو بھی مناسب سمجھتے کیا مجھ کو اتنا بھی حق نہیں کہ نئے آنے والے سے اس کا نام اور وطن معلوم کروں۔ انصاف کیجئے لوگ مجھ کو سخت کہتے ہیں۔ اس واقعہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے فیصلہ فرمایئے کہ میں سخت مزاج ہوں یا یہ سخت مزاج ہیں۔ میں بدخلق ہوں یا یہ بدخلق ہیں۔ میں نے انپر ظلم کیا یا انھوں نے مجھ پر ظلم کیا۔ میں نے ان کو ستایا یا انھوں نے مجھ کو ستایا۔ مجھ سے ان کو اذیت پہونچی یا ان کو مجھ سے اذیت پہونچی۔ اور تجربہ سے یہ دستی خط لانا ہی مضر ہے نہ لانا چاہیئے تھا اگر یہ خط ان کے پاس نہ ہوتا تو اپنے متعلق کلام کرتے۔ یہ سب اصولی باتیں ہیں مگر لوگ ہیں کہ ان باتوں کا مطلق خیال نہیں کرتے۔

ملفوظ نمبر ۸۸۳ ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ ایا بے جوڑ مضمون لکھا ہے کہ جس کے سر نہ پیر۔ ان صاحب کا پہلے ایک خط آیا تھا میں نے اس پر لکھا تھا کہ نفع موقوف ہے مناسبت پر اور مناسبت ہے نہیں۔

آج خط آیا ہے لکھا ہے کہ مجھ کو آپ سے محبت ہے اعتقاد ہے۔ میں نے جواب لکھا ہے کہ اس سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ آپ کو مجھ سے مناسبت ہے مگر یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ مجھ کو بھی آپ سے مناسبت ہے اور نفع کے لئے ضرورت ہے مجموعہ کی۔ یہ ایک طرفہ مناسبت ایسی ہے۔ جیسے ایک طالب علم کسی شہر میں رہتا تھا اس کے کسی مہمان دوست نے پوچھا آج کل کیا شغل ہے کہنے لگا کہ یہاں کی شہزادی سے نکاح کرنے کی فکر میں ہوں اس نے پوچھا پھر کیا ہوا کہنے لگا آدھا کام تو ہو گیا آدھا کام باقی ہے۔ پوچھا یہ کیسے۔ کہنے لگا میں تو راضی ہوں۔ وہ راضی نہیں۔ بس ایسی ہی مناسبت تھی کہ ایک طرف سے ہے دوسری طرف سے نہیں اور ایسے ہی بعض لوگوں کا خدا تعالیٰ سے تعلق ہے کہ بندہ کو تو خدا سے محض تصور کا تعلق ہے مگر خدا تعالیٰ کو بوجہ نافرمانی کے بندہ سے تعلق نہیں۔ اور جو تعلق جانبین سے ہو وہ یہ ہے کہ بندہ کو حق تعالیٰ سے طاعت کا تعلق ہو اور ان کا تعلق بندہ کی ساتھ رضا کا ہو۔

ملفوظ نمبر ۸۸۴ فرمایا کہ ایک شخص کا خط آیا ہے کوڑ مغزی ملاحظہ ہو۔ لکھا ہے کہ مریم علیہا السلام کا کسی شخص سے نکاح ہوا تھا اور ان کے بطن سے محض عیسیٰ علیہ السلام ہی پیدا ہوئے یا اور کوئی بھی اور یوسف نجار آپ کا کیا ہوتا تھا۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ کیا ان تحقیقات پر کوئی دینی ضرورت موقوف ہے یا دنیوی۔ اس پر فرمایا کہ اب جواب دیکھ کر خفا ہوگا اور کہے گا کہ نہایت بداخلاق شخص ہے یہ بھی کوئی جواب ہے۔ حالانکہ جواب تو ایسا ہے کہ اس میں سائل کی جہالت ظاہر کی ہے اب اس کو چاہئے کہ یہ لکھے کہ کونسی ضرورت موقوف ہے۔ پھر ان شاء اللہ جواب دوں گا۔

ملفوظ نمبر ۸۸۵ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے۔ یہ صاحب رمضان شریف میں یہاں آ کر رہنا چاہتے ہیں۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ اگر اپنے مصارف کا خود انتظام کر سکو کسی سے قرض بھی نہ لینا پڑے اور مجلس میں خاموش بیٹھے رہو نہ مکاتبت کرو نہ مخاطبت۔ آنے کی اجازت ہے۔ اس پر فرمایا کہ میں چاہتا یہ ہوں کہ صاف بات ہو کسی قسم کا ابہام نہ رہے۔ کل کو کوئی تکلیف ہو تو مجھ کو ذمہ دار نہ سمجھا جائے۔ چاہے خدمت توقع سے زائد کر دوں مگر ذمہ دار نہیں بننا چاہتا۔ اور مبہم بات سے مجھ کو نفرت ہے اور الجھن ہوتی ہے۔ میں نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ آتے ہی یہ کارڈ بھی مجھ کو دکھلا دینا۔

ملفوظ نمبر ۸۸۶ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نئے آدمی کے لئے مجلس میں بیٹھے رہنے سے بڑی نفع کی امید ہے۔ تجربہ سے یہ تجویز بے حد نافع ثابت ہوئی۔ اس قید کے ساتھ جو لوگ یہاں پر رہ گئے انہوں نے لکھا ہے کہ دس برس کے مجاہدے سے بھی ہم کو یہ بات نصیب نہ ہوتی جو دس روز کے خاموش مجلس میں بیٹھنے سے نصیب ہوئی۔

ملفوظ نمبر ۸۸۷ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مسئلہ شرعی کے اعتبار سے برہمن اور چمار ایک ہیں پھر ایک کے ہاتھ سے کھا بھی لیتے ہیں اور ایک کے ہاتھ سے نہیں۔ فرمایا کہ اس میں حکم کے دو درجے ہیں۔ ایک فی نفسہ۔ اور ایک للعوارض۔ تو فی نفسہ تو جائز ہے مگر عوارض کی وجہ سے ناجائز ہے۔ وہ عوارض یہ ہیں۔ مثلاً بدنامی ہو سکتا ہے جیسا۔ عرض کیا کہ رواج کی بنا پر۔ فرمایا کہ میں نے جو الفاظ کہے ہیں وہ شرعی الفاظ ہیں۔ ان کا ترجمہ رواج سے نہیں ہو

اور یہ جواب آپ کو یہیں ملا ہے۔ دوسری جگہ سے ایسا جواب نہ ملتا اس پر فرمایا کہ بدنامی اور چرچا پر ایک بزرگ کی حکایت یاد آئی۔ ایک ظالم بادشاہ نے ایک بزرگ کو دربار میں بلایا اور سور کا گوشت ایک پلیٹ میں پیش کیا گیا کہ اس کو کھاؤ، اگر نہ کھاؤ گے تو یہ تلوار ہے قتل کر دیئے جاؤ گے۔ بزرگ نے فرمایا کہ قتل ہونا منظور ہے مگر یہ نہ کھاؤں گا۔ جب بادشاہ نے بزرگ کو اس قدر پختہ پایا تو وہ پلیٹ سامنے سے اٹھالی گئی۔ دوسری پلیٹ بکری کے گوشت کی پیش کی گئی کہ یہ تو کھا لیجئے۔ فرمایا کہ اب یہ بھی نہ کھاؤں گا اس لئے کہ یہ مشہور ہو چکا ہے کہ سور کا گوشت کھانے کو بلایا گیا ہے اس کے کھا لینے پر یہی مشہور ہوگا کہ سور کا گوشت کھایا ہے میں کس کس سے کہتا پھروں گا کہ وہ سور کا گوشت نہ تھا بلکہ بکری کا تھا جو میں نے کھایا ہے۔ سو بدنامی اور چرچے سے بچنا بھی حکم شرعی ہے۔ جیسا کہ ان بزرگ نے کیا۔

ملفوظ ۸۸۸ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ غیر مقلدوں میں ایک بات بری ہے وہ جڑ ہے تمام خرابیوں کی۔ وہ بدگمانی ہے اور اسی سے بدزبانی پیدا ہوتی ہے، اگر یہ بات اس گروہ میں نہ ہوتی تو یہ بھی ایک طریق ہے گو خطرناک ہے۔

ملفوظ ۸۸۹ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اس طریق میں شیخ کا تکدر نہایت مضر چیز ہے۔ لوگوں کو اس کی فکر ہے اور نہ اہتمام۔ اس وقت طریق کے آداب ہی گم ہو گئے اس لئے نفع نہیں ہوتا بلکہ اکثر شیوخ خود طریق کے آداب سے بے خبر ہیں دوسروں کو کیا تعلیم کریں گے۔ میں اسی وجہ سے بدنام ہوں کہ میں طریق کے آداب اور اس کی حقیقت کو ظاہر کرتا ہوں۔ لوگوں کو ایک نئی بات نظر آ کر وحشت ہوتی ہے باہر جا کر بدنام کرتے ہیں۔

ملفوظ ۸۹۰ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہمارے حضرات کی عجیب ہستی تھی کبھی کسی بات کے پیچھے نہ پڑتے تھے۔ ضرورت کے کام سے انکار نہ تھا۔ عبث اور فضول سے نفرت تھی۔ سچ یہ ہے کہ ان ہی حضرات کے ہم لوگ بگاڑے ہوئے ہیں۔ اس پر بدنام کرتے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ نے خود اس کی تعلیم فرمائی ہے اسی تعلیم کے ماتحت ان کا یہ عمل تھا، ارشاد فرماتے ہیں۔ اما من استغنیٰ فانت لہ تصدیٰ۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک استفتاء آیا جس میں ابن ہمام کی نسبت دریافت کیا تھا کہ یہ مجتہد ہیں یا نہیں۔ اس کا جواب لکھنے کے لئے مجھے فرمایا۔ یہ زمانہ میری طالب علمی کا تھا۔ میں نے جواب لکھ کر مولانا کو سنایا۔ فرمایا کہ بھیج دو۔ اُس جواب پر پھر سائل نے کچھ شکوک لکھے میرا خیال ان کے جواب دینے کا ہوا۔ مولانا نے فرمایا کہ اب جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ لکھ دو کہ ہم مرغان جنگی نہیں ہیں کہ تو تو میں میں کریں۔ اور بھی بہت علماء ہیں ان سے معلوم کر لو۔ یہ طرز اپنے بزرگوں کا دیکھا یہی پسند ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ تحذیر الناس کی اشاعت پر مولانا پر کفر کا فتویٰ دیا گیا۔ مولانا نے سنکر پڑھا کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ لو بھائی اب تو مسلمان ہوں۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تکفیر کی گئی۔ حضرت کا عجیب جواب تھا اس جواب کا رنگ ہی اور ہے۔ فرمایا کہ اگر میں اللہ کے نزدیک مقبول ہوں اور ساری دنیا کافر کہے کہا کرے کچھ مضر نہیں۔ اور اگر اللہ کے نزدیک مردود ہوں اور ساری دنیا

غوث قطب کہے تو کچھ نفع نہیں۔ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے۔ میں نے کہا کہ جس شخص کو یقین کے ساتھ ثابت ہو جائے کہ ہم یزید سے اچھے ہیں اس کو جائز ہے۔ اور یہ یقین مرنے کے بعد ہو سکتا ہے تو پھر قبر میں بیٹھے بیٹھے یہی وظیفہ رٹا کرنا کہ لعنت بر یزید۔ لعنت بر یزید۔ باقی یہاں تو ابھی اپنی ہی کشتی ڈانواں ڈول ہے بقول کسے ؎

گہ رشک برد فرشتہ بر پاکی ما گہ خندہ زند دیو زنا پاکی ما

ایمان چو سلامت بلب گور بریم احسنت برین چستی و چالاکی ما

حضرت کسی کو کیا خبر ہے کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہونے والا ہے۔ سب سے پہلے اپنی خبر لو اور جب اپنی فکر میں انسان لگا ہوتا ہے اس کو دوسرے کی فکر نہیں ہوتی۔ دیکھو ایک شخص کو اگر پھانسی کا حکم ہو جائے اور اس کے سامنے کسی دوسرے کا ذکر کرو وہ کہے گا کہ تم اپنی ہی لئے پھرتے ہو مجھے اپنی ہی لگی ہے یہ سب باتیں بے فکری کی بدولت سوجھتی ہیں۔ کام میں لگو اپنی فکر کرو دوسروں کو چھوڑو۔ میرٹھ سے ایک صاحب کا خط آیا تھا اُن کا مجھ سے تعلق تھا جس کا خلاصہ دو مضمون تھے۔ ایک یہ کہ میں اور والد صاحب ایک جگہ رہتے ہیں۔ میں والد صاحب کو خلاف شرع باتوں پر روکتا ہوں وہ نہیں مانتے۔ دوسرا یہ کہ ایک جگہ رہنے کی وجہ سے اور بھی بعض شکایات پیدا ہو جاتی ہیں۔ میں نے سارے خط کے جواب میں ایک شعر لکھ دیا جو دونوں مضمون کو جامع تھا وہ شعر یہ ہے ؎

کار خود کن کار بیگانہ مکن در زمین دیگراں خانہ مکن

پہلا مصرعہ پہلے مضمون کے متعلق تھا اور دوسرا دوسرے کے متعلق۔ اس پر انھوں نے عمل کیا۔ فوراً دوسری جگہ مکان لے لیا اور کہنا سننا بھی چھوڑ دیا۔ پھر جو خط آیا تو لکھا کہ تمام پریشانیاں دفع ہو گئیں۔ یہ سب تجربہ سے کہہ رہا ہوں عمل کر کے دیکھو تم کو بھی معلوم ہو جائے گا۔

ملفوظ نمبر ۸۹۱ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جو شخص دوست میں مشغول ہو اس کو دشمن کی کب فکر ہو سکتی ہے۔ اس کے پاس اتنا وقت ہی کہاں ہے بلکہ وہ تو غیر کی طرف مشغول کرنے والے سے بھی یہی کہیگا۔

ملفوظ نمبر ۸۹۲ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آپ تو ان معمولی مصائب اور تکالیف ہی سے گھبرا اٹھے جس کا سبب ضعف تعلق مع اللہ ہے۔ اصل مصیبت اور مشقت کی چیز موت ہے جسے حق تعالیٰ نے بھی مصیبت کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اصابتکم مصیبۃ الموت اور کسی مشقت کا نام لے کر اس کو مصیبت نہیں فرمایا مگر اُن کی یاد کرنے والوں کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ اُن کو موت جیسی مصیبت بھی لذیذ اور مطلوب اور محبوب ہوتی ہے عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

خرم آنروز کزیں منزل ویراں بروم راحت جان طلبم وز پئے جاناں بروم

نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے تا در میکدہ شاداں و غزل خواں بروم

اللہ اکبر کیسا اطمینان ہے کہ موت کی تمنا کر رہے ہیں اور اسی اثر سے ایک بزرگ نے اپنے ایک مرید کو وصیت کی تھی کہ ہمارے جنازے کے ساتھ یہ پڑھتے چلنا ہماری روح کو مسرت ہوگی ؎

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو | شیئاً للہ از جمال روئے تو
دست بکشا جانب زنبیل ما | آفریں بر دست و بر بازوئے تو

اور حضرت سلطان جی کا جب جنازہ لے کر چلے ہیں تو آپ کے ایک مرید شدتِ غم کی حالت میں یہ پڑھنے لگے ؎

سرو سیمینا بصحرا میروی | سخت بے مہری کہ بے ما میروی
اے تماشا گاہِ عالم روئے تو | تو کجا بہر تماشا میروی

کیا ٹھکانا ہے اس اطمینان کا یہ سب ذکر اللہ کی برکت ہے کہ کوئی چیز بھی پریشان اور غیر مطمئن نہیں کر سکتی. مگر اسی سے لوگوں کو غفلت ہے.

ملفوظ ۸۹۳ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اکثر غیر مقلدوں میں یہی ایک بُری بات ہے وہ بدگمانی ہے اسی کی بدولت بدزبانی ہوتی ہے لیکن بعض میں تدین اور انصاف بھی ہوتا ہے. لکھنؤ سے ایک غیر مقلد عالم یہاں پر آئے تھے غالباً دو تین روز یہاں پر قیام کیا. تھے سمجھدار. ایک روز انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ سماع موتیٰ کے بارے میں آپ کی کیا تحقیق ہے اس لئے کہ نص انکار کر رہی ہے. قرآن پاک میں ہے انک لا تسمع الموتیٰ. میں نے کہا کہ یہی آیت سماع کو ثابت کر رہی ہے اس لئے کہ بالاتفاق اس میں کفار کو موتیٰ سے تشبیہ دی گئی ہے اور مشبہ کا سماع حسی مشاہد ہے صرف سماع قبول منفی ہے پس یہی حالت مشبہ بہ کی ہوگی کہ سماع حسی ثابت اور سماع قبول منفی. چنانچہ ظاہر ہے کہ مردے سماع مواعظ سے منتفع نہیں ہوتے تو اس آیت سے نفی سماع پر دلالت کہاں ہوئی. دوسرا سوال یہ کیا کہ کیا اہلِ قبور سے فیض ہوتا ہے. میں نے کہا کہ ہوتا ہے اور حدیث سے ثابت ہے. اس پر بہت چونکتے ہوئے. میں نے کہا کہ حدیث شریف میں قصہ ہے کہ ایک صحابی نے قبر پر بھولے سے خیمہ لگا لیا تھا. مردہ بیٹھا ہوا قرآن شریف پڑھ رہا تھا. انہوں نے سُنا اور قرآن سننے سے ظاہر ہے کہ ثواب ہوتا ہے تو یہ فیض اہل قبور ہی سے ہوا. یہ عالم ایک غیر مقلد ہی عالم سے بیعت تھے. مجھ سے یہ ظاہر کر چکے تھے. پھر مجھ سے بیعت ہونے کو کہا میں نے کہا کہ جب آپ ایک سے بیعت ہیں دوسرے سے بیعت ہونا مناسب نہیں. اس پر سوال کیا کہ کیا یہ حدیث میں ہے کہ دوسرے سے بیعت ہونا مناسب نہیں. میں نے کہا کہ جی حدیث میں بھی ہے. یہ بتلایئے کہ مامور بہ میں جو چیز مخل ہو وہ منہی عنہ ہوگی یا نہیں. کہا کہ ضرور ہوگی. میں نے کہا کہ حب فی اللہ مامور بہ ہے یا نہیں کہا کہ ہے. میں نے کہا کہ بعض طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ ایسے واقعات سے اثر قبول کرتی ہیں. جب پہلے شیخ کو یہ معلوم ہوگا کہ مجھ سے تعلق ہوتے ہوئے باوجود پھر دوسرے سے تعلق کیا تو ان کو کدورت ہوگی اور اس کدورت سے نوبت عدم تعلق اور ناگواری کی پہونچے گی اور یہ مامور بہ یعنی حب فی اللہ میں مخل ہوگی اور اس کی ممانعت خود آپ کو مسلم ہے سمجھ گئے. مجھ سے تو نہیں مگر دوسرے خانقاہ میں رہنے والوں سے کہا کہ علم یہ ہے. یہاں تو ہر بات حدیث ہی کے تحت میں ہے یہ بھی کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ بھول ہماری جماعت یعنی اہلِ حدیث کے اصول میں ہے. میں نے سن کر کہا کہ بھول کیا ہوتی اصل بات یہ ہے کہ سمجھ کیلئے ضروری ہے نور کی اور نور پیدا ہوتا ہے کثرت ذکر اللہ اور تقوے سے اور اس کے لئے ضرورت ہے صحبت اہل اللہ

کی اور اسی سے اُن کو اعراض ہے۔

ملفوظ ۹۴ ایک نو وارد عالم نے ایک فقہی مگر غیر ضروری مسئلہ دریافت کیا حضرت والا نے پوچھا کہ کیا آپ نے ایسے فقہی مسائل کی تحقیق کے لئے سفر کیا ہے کیا یہاں پر فقیہ بننے کے لئے آئے ہو یا اپنے کو منانے کے لئے آپ نے پہلے مکاتبت میں بھی پریشان کیا تھا۔ ہاں یہ تو بتلایئے کہ کیا آپ کو مخاطبت کی اجازت ہے۔ عرض کیا نہیں فرمایا کہ پھر یہ تو صریح مخالفت ہے۔ کیا ہوگیا آپ لوگوں کو اگر کوئی جاہل دیہاتی ایسی حرکت کرے تو تعجب نہیں۔ مگر آپ لوگ لکھے پڑھے کہلاتے ہیں پھر یہ حرکت آخر اصول بھی کوئی چیز ہیں آپ نے دیکھا ہوگا کہ طبیب کے یہاں دو قسم کی جماعتیں ہوتی ہیں۔ ایک مریضوں کی۔ ایک طالب علموں کی۔ مریضوں کا کام مرض بیان کر کے نسخہ لکھوانے کا ہے اور طالب علموں کا کام نسخوں پر سوال کرنے کا ہے اور ان کو اس کی اس لئے اجازت ہے کہ وہ طالب علمی کر رہے ہیں تو آپ یہاں مریض ہونے کی حیثیت سے آئے ہیں یا طالب علم بن کر۔ عرض کیا کہ مریض ہونے کی حیثیت سے۔ فرمایا کہ پھر آپ کو ایسے سوالات کرنے کا حق نہیں۔ اور یہ جو میں دوسرے لوگوں کے سوالات کا جواب دے رہا ہوں ان سے میری بے تکلفی ہے اس پر آپ کو قیاس کرنا یہ بھی آپ کی بدفہمی کی دلیل ہے۔ اور میں صاف بات کہتا ہوں کہ اگر یہ خطاب میرا آپ کو ناگوار ہوا ہو تو میں بخوشی آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ مجھ کو چھوڑ دیں۔ عرض کیا کہ میں حضرت سے معافی چاہتا ہوں آئندہ ایسا نہ ہوگا۔ اور اس وقت مجھ کو حضرت کے اس خطاب فرمانے سے بے حد نفع ہوا۔ فرمایا کہ یہ آپ کی سمجھ کی بات ہے واقعہ تو یہی ہے کہ آپ کے نفع ہی کی وجہ سے اپنا دماغ اور وقت صرف کر رہا ہوں۔ اور میں باآواز بلند کہتا ہوں کہ مجھ کو مجمع کرنا اور فوج جمع کرنا ہی مقصود نہیں۔ اگر دو چار آدمی فہیم ہوں وہ کافی ہیں اور ان سے مغنی ہیں کہ بدفہم ہوں اور ہوں لاکھوں۔ اہل طریق نے یہ لکھا ہے کہ مجلس کے اندر اگر ایک شخص بھی معترض یا بدمذاق ہو تو فیوض بند ہو جاتے ہیں۔ اس ہی لئے سماع میں شرط ہے۔ کہ مجلس میں کوئی منکر سماع نہ ہو۔ اس وقت میری طبیعت میں انقباض ہوگیا۔ اور میرا یہ برتاؤ مواخذہ کا اُن کے ساتھ ہوتا ہے جو طلب اسکیر آتے ہیں۔ یہاں پر یہی دعوے تو غضب ہے کہ ہم اصلاح کے لئے آتے ہیں کیونکہ پھر اصلاح اصلاح ہی کے طریق پر ہوگی۔ چاپلوسی اور ہاتھ جوڑ کر تھوڑا ہی ہوگی۔ جس کو یہ طرز پسند نہ ہو مت آؤ۔

ملفوظ ۹۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اپنا اپنا مذاق ہے۔ مجھے دوسروں کے مسلک پر اعتراض کرنا مقصود نہیں بلکہ حقیقت کا اظہار مقصود ہے۔ اب اسی کو دیکھ لیجئے کہ دوسرے مشائخ اور پیروں کے یہاں لوگوں کے پھنسنے کی کوشش کیجاتی ہے اور میرے یہاں دور کرنے کی۔ البتہ اگر اصول صحیحہ کے تابع ہو کر کوئی خدمت لینا چاہے تعلق رکھنا چاہے اور اس میں بھی یہ شرط ہے کہ طلب صادق ہو تو خدمت سے انکار نہیں آدھی رات خدمت کے لئے موجود ہوں۔ فلاں مولوی صاحب یہاں پر آنا چاہتے تھے اجازت لینے کے لئے خط آیا، میں نے لکھا کہ یہاں پر آکر تو یا خاموش رہو گے اور اگر بولو گے تو کیا بولو گے۔ اس کا تو کوئی جواب نہیں دیا مگر فلاں مولوی صاحب کو سفارش کے لئے ساتھ لے کر آگئے۔ کہ مجھ کو بیعت کرا دو۔ مجھ کو شفیع مولوی صاحب کا لحاظ ضرور ہے مگر ان کے لحاظ سے اصول کا لحاظ مقدم تھا اس لئے میں نے اُن مولوی صاحب سے صاف کہہ دیا کہ اس طریق میں شرط اعظم نفع کی مناسبت ہے اور ان کو مجھ

سے مناسبت نہیں اور آپ سے مناسبت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ بھی خادم قوم ہیں اور یہ بھی خادم قوم ہیں۔ اور میں نادم قوم ہوں۔ میں نے قوم کی کوئی خدمت نہیں کی اس لئے مجھ سے مناسبت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے آپ ہی بیعت کر لیں۔ دوسرے میرے یہاں سب سے اول شرط یہ ہے کہ تمام تعلقات کو ختم کر دیا جائے اور یہ قوم کی خدمت بھی ایک تعلق ہے جس میں یہ مشغول ہیں اس پر ایک اور مولوی صاحب کہ وہ بھی اس درخواست میں شریک تھے اور ذہین آدمی ہیں بولے کہ اگر ہم دو چار سال کے لئے کل تعلقات کو چھوڑ کر کام میں لگ جائیں اور پھر اس طرف سے فارغ ہو کر اس کام کو کریں تو کیسا ہے، میں نے کہا کہ آپ نے بہت کام کا سوال کیا اب اس کا جواب سنیئے کہ میرے مسلک میں جس طرح تعلقات مضر ہیں۔ عزم تعلقات بھی ویسے ہی مضر ہے بلکہ تمام ارادوں اور تجویزوں کو فنا کر کے اس کام میں لگ جانا اور ہر حال میں اپنے مربی کے حکم پر عمل کرنا ضرور ہے اگر وہ کوئی خدمت سپرد نہ کرے بیکار رہنا ہو گا۔ اگر وہ کوئی خدمت تجویز کرے اس کو اختیار کرنا ہو گا خواہ وہ قوم کی خدمت ہو خواہ وہ مسجد کی خدمت ہو خواہ وہ مدرسہ کی خدمت ہو اور خواہ وہ کسی کے جوتے سیدھے کرنے کی خدمت ہو۔ اور خواہ وہ نفس کی خدمت ہو۔ اس کو بحیثیت مریض کسی چون و چرا کا حق نہیں ہو گا۔

ملفوظ ۹۶۸ آج کل اکثر مشائخ تک محض اوراد و وظائف کو طریق اور کیفیات کو مقصود سمجھتے ہیں۔ چاہے امراض نے سر سے پیر تک گھیر رکھا ہو۔ امراض کا علاج ان لوگوں کے نزدیک ضروری ہی نہیں رہا صرف وظائف ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ سو وظائف سے امراض کا علاج نہیں ہو سکتا بلکہ اس حالت میں ان امراض کے اور مہلک ہو جانے کا اندیشہ ہے کیونکہ امراض کے ہوتے ہوئے اگر وظائف اور اوراد سے کچھ کیفیات اور لذات پیدا ہو گئے تو پھر عمر بھر بھی ان امراض کی طرف التفات نہ کرے گا اپنے مقصود پر پہنچا ہوا تصور کرے گا اور ظاہر ہے کہ یہ حالت مریض کے لئے سخت خطرناک ہے کہ مریض ہو کر اپنے کو مریض نہ سمجھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وظائف اور اوراد سے امراض کا علاج نہیں ہو سکتا۔ اصل علاج تدابیر خاصہ ہیں۔

ملفوظ ۹۶۹ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت دہلی فلاں طبیب کے پاس میں اپنے ایک عزیز کو بغرض علاج لے گیا اور بعض حضرات کی سفارشی چھٹی اس غرض سے لے گیا کہ طبیب صاحب توجہ سے علاج کریں۔ میرا سفارشی چھٹی کا پیش کرنا تھا کہ طبیب صاحب ایک دم بگڑ گئے اور بہت خفا ہوئے، علاج تو انہوں نے کیا مگر بے حد قیود اور شرائط کے ساتھ۔ اور مریضوں کا بھی علاج کرتے ہوئے ان طبیب صاحب کو دیکھا۔ مریضوں کے ساتھ اصول اور قواعد کے ماتحت علاج کرتے ہیں۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ اگر وہ لوگ ایسا برتاؤ کریں تو وہ بڑے لوگ سمجھے جاتے ہیں۔ صاحب کمال سمجھے جاتے ہیں اور ان کو ایسے برتاؤ کا حقدار سمجھا جاتا ہے لیکن ہم غریب ملانوں کو اس کا حق نہیں۔ حالانکہ وہ بدن کا علاج کرتے ہیں اور یہاں نفس کا علاج ہوتا ہے جو بدن کے علاج سے لاکھوں درجہ اہم ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

صحت ایں حس بجوئید از طبیب صحت آں حس بجوئید از حبیب
صحت ایں حس ز معموری تن صحت آں حس ز تخریب بدن

بات یہ ہے کہ اصلاح نفس کو ضروری ہی نہیں سمجھتے اور صحت جسم کو ضروری سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طبیب جسمانی کی سب کچھ سہتے ہیں سنتے ہیں اور طبیب روحانی سے اعراض ہے اور اس پر ہر قسم کا اعتراض ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کوچہ سے بے خبر ہیں اگر اس کی خبر ہو جائے تب اگر ایسا کریں تو ہم جانیں۔ ان لوگوں نے حکمت یونانی ہی کو دیکھا ہے۔ حکمت ایمانی نہیں دیکھی اسی کے بارہ میں کہا گیا ہے ؎

چند خوانی حکمت یونانیاں ‎ ‎ ‎ حکمت ایمانیاں راہم بخواں

ملفوظ ۸۹۸ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عوام تو عوام خواص بھی مجذوب اور مجنوں میں کوئی فرق نہیں سمجھتے۔ وہ فرق یہ ہے یہاں سبب زوال عقل اور ہے یعنی مرض اور وہاں اور ہے یعنی وارد۔ مگر آج کل تو مجنوں کو بھی مجذوب ہی سمجھتے ہیں سب سے بہتر احتیاط کی بات یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے پاس ہی نہ پھٹکا جائے گو وہ واقعی مجذوب ہی ہو۔

ملفوظ ۸۹۹ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ گمنامی بڑی عافیت کی چیز ہے اور شہرت میں دینی و دنیوی دونوں ضرر ہیں۔ مشہور آدمی پر مخلوق کا حسد اور غصہ اس طرح نازل ہوتا ہے جیسے مشک کے دہانے سے پانی گرتا ہے اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

چشمہا و خشمہا و رشکہا ‎ ‎ ‎ بر سرت ریزد چو آب از مشکہا

اسی وجہ سے گمنامی کی ترغیب دیتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے شہرت سے بچو ایسے رہو کہ کوئی جانتے بھی نہیں کہ کوئی رہتا بھی ہے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

اشتہار خلق بند محکم است ‎ ‎ ‎ بند او از بند آہن کے کم ست
خویش را رنجور ساز و زار زار ‎ ‎ ‎ تا ترا بیروں کنند از اشتہار

مگر یہ اس شہرت کے لئے ہے جو اپنے اختیار اور قصد سے ہو باقی غیر اختیاری شہرت وہ ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اپنے بزرگوں کو دیکھا کہ اپنے کو مٹائے ہوئے فنا کئے ہوئے رہتے تھے مگر اس پر بھی دنیا میں شہرت اور ان کے علوم کا غلغلہ تھا۔ جس طرف کو چلے گئے سب ماند ہو جاتے تھے۔ سو یہ غیر اختیاری ہے اور یہ مضر بھی نہیں اس لئے کہ وہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور انھیں کی نصرت اور حفاظت ان کے ساتھ ہوتی ہے۔

۴ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم شنبہ

ملفوظ ۹۰۰ ایک صاحب کی غلطی پر متنبہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ آج کل عوام تو کیا خواص بھی سلیقہ کو دین

نہیں سمجھتے دین کی فہرست سے خارج سمجھ رکھا ہے چند چیزوں کا نام دین سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ قرآن و حدیث میں اس کے متعلق کافی تعلیم موجود ہے۔

ملفوظ ۹۰۱ ایک مولوی صاحب نے ایک فقہی مسئلہ دریافت کیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ کتاب میں دیکھ لیا جائے یہ فقہ کا فن بڑا ہی نازک ہے۔ میں اتنا کسی چیز سے نہیں ڈرتا جتنا اس سے ڈرتا ہوں۔ جب کوئی فتوی یا مسئلہ سامنے آتا ہے دور دور کے احتمالات ذہن میں آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں اب فتوے میں دوسروں کا حوالہ دیتا ہوں۔ اور میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ بعضے لوگ اسی کے اندر زیادہ بے باک ہیں حالانکہ اس میں بڑی ہی احتیاط کی ضرورت ہے۔

ملفوظ ۹۰۲ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میری طبیعت الجھی ہوئی بات سے بہت گھبراتی ہے۔ چاہتا یہ ہوں کہ صاف بات ہو خود بھی صاف بات کہتا ہوں اور دوسروں سے بھی صاف بات کا منتظر رہتا ہوں لوگوں کو صاف بات کرنے کی عادت نہیں۔ اکثر اسی پر میری لڑائی ہوتی ہے۔

ملفوظ ۹۰۳ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ عادت میری ہمیشہ کی ہے کہ کام کے جمع ہونے سے قلب پر بار ہوتا ہے میں چاہتا ہوں کہ جو کام بھی ہو وقت پر ختم ہو جائے دل ایک طرف ہو اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ کام اسی قدر پیش آوے جو روز کے روز ختم ہو سکا اسی وجہ سے کوشش کر کے روز کا کام روز ختم کر دیتا ہوں مگر اتفاق ایسا ہوتا ہے کہ وہ ختم ہوتا ہے تو دوسرا آجاتا ہے جس کی وجہ سے فراغ میسر نہیں ہوتا لیکن اس کی تمنا بہت دنوں سے ہے کہ اپنے کو فارغ کر دوں بلکہ کانپور سے تعلق قطع کر کے یہی نیت کر کے چلا تھا کہ اپنے کو فارغ رکھوں گا لیکن جو اللہ تعالےٰ چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے اور وہی بندہ کے لئے خیر ہوتا ہے اور اس فراغ سے میری دو غرض ہیں ایک دنیا کی اور ایک دین کی دنیا کی تو یہ ہے کہ دماغ کو آرام ملے۔ اور دین کی یہ کہ کچھ اللہ اللہ کرنے کو جی چاہتا ہے اب تک مجھے اس کے لئے کوئی وقت ہی نہیں ملا اور چونکہ زیادہ جی کو اسی طرف لگا ہوا دیکھتا ہوں اسی وجہ سے لوگوں سے لڑائی ہوتی رہتی ہے کہ وہ الجھی ہوئی بات کہہ کر میرے قلب کو مشغول رکھنا چاہتے ہیں اور میں فارغ رکھنا چاہتا ہوں اسی لئے میں کہتا ہوں کہ بھائی صاف بات کیوں نہیں کہتے جس سے قلب جلدی فارغ ہو۔ گول مول بات سے الجھن ہوتی ہے۔ باقی یہ خبر نہیں کہ یہ جو اپنے لئے تجویز کیا ہے وہ خیر ہے یا شر مگر طبعاً جی چاہتا ہے کہ فراغ نصیب ہو۔ دو چار احباب خاص خاص پاس رہیں جب کبھی جی چاہے ان میں جا بیٹھا اور باقی تمام وقت اللہ اللہ میں صرف ہو۔ الحمد للہ ضروری ضروری کام سب ہو تو گئے۔ اب سوچنے سے بھی کوئی ضرورت کی چیز سمجھ میں نہیں آتی الحمد للہ اتنا تفاوت ہو گیا۔ اب تو زیادہ تر پہلے ہی کاموں کی تتمیم کرتا رہتا ہوں ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کو تو علاوہ اور کاموں کے ڈاک ہی کا مستقل کام بہت ہے۔ فرمایا کہ نرے ڈاک کے کام سے مجھ پر تعب نہیں ہوتا البتہ تصنیف کے کام سے تعب ہوتا ہے سو تصنیف کا کام اب نہیں ہوتا۔ تصانیف میں تمام مضامین پر احاطہ کرنا پڑتا ہے اس لئے تصنیف کا کام بہت بڑا ہے۔ پہلے دماغ میں تمام مضامین کا جمع کرنا پھر مرتب کرنا۔ ان کو محفوظ رکھنا۔ بہت ہی بڑی مشقت کا شغل ہے۔ ایک سبب تصنیف کی دشواری کا میرے لئے یہ بھی ہے کہ کتابوں

پر میری نظر نہیں۔ درسی کتابوں کے علاوہ اور کتابیں میں نے دیکھی نہیں۔ ہاں درسی کتابیں پہلے بحمد اللہ اچھی طرح مستحضر تھیں مگر اب ان میں بھی ذہول شروع ہو گیا۔ اور تصنیف کے لئے صرف درسی کتابیں کافی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میری تصنیفات کا زیادہ حصہ غیر منقولات ہیں۔ اول تو میرے پاس کتابیں نہیں اور جو ہیں ان پر نظر نہیں اور تصنیف بدون کتابوں پر نظر ہوئے مشکل ہے جس کا اب تحمل نہیں اس ہی لئے اب جو فتوے آتے ہیں واپس کر دیتا ہوں۔ ہاں جواب میں اجمالاً اپنا مسلک ظاہر کر دیتا ہوں اور یہ بھی لکھ دیتا ہوں کہ دیوبند سے معلوم کر لو۔ خلاصہ یہ کہ باوجود ان سب تخفیفات کے اور جی بھی چاہنے کے فراغ نصیب نہیں ہوا۔ لیکن اب میں بے مروتی کر کے اس کا بھی انتظام کروں گا۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کی تو ساری عمر کا حصہ دین کی ہی خدمت میں صرف ہوا اور اللہ کی مخلوق کو سیدھا راستہ بتلا دیا۔ فرمایا جی ہاں اب تک دوسروں ہی کو راہ بتلانے میں وقت صرف ہوا۔ اب اپنا بھی تو جی چاہتا ہے کہ کچھ اللہ اللہ کروں اور یہ فراغ تو وہ نعمت ہے کہ خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ایسا وقت تجویز فرمایا گیا۔ حق تعالےٰ فرماتے ہیں اذا جاء نصر اللہ والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اب ضروری کام ہو چکے۔ تسبیح وتحمید واستغفار میں مشغول ہو کر یہاں آنے کی تیاری کرو۔ جب آپ کے لئے ایسے وقت کی ضرورت ہوئی تو دوسروں کی تو حقیقت کیا ہے کہ وہ اس سے مستغنی ہوں۔

ملفوظ نمبر ۹۰۲ ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ لوگ مجھ کو بدنام کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ ذرا ذرا سی بات پر خفا ہو جاتا ہے۔ ان کے نزدیک وہ بات ذرا سی ہوتی ہے اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ کسی شخص کے سوئی چبھو دی اس نے کہا آہ! اس سے کہا جائے کہ کوئی چھری یا تلوار تھوڑا ہی ماری ہے جو اس قدر زور سے آہ کی تو کیا سوئی کے چبھنے سے تکلیف نہ ہو گی۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اغبیاء کی حرکتوں سے میرے دماغ پر تغیر شروع ہو جاتی ہے اور اس کا قریب قریب روزانہ سابقہ پڑتا ہے اسی وجہ سے میں اغبیاء سے براہِ راست خطاب نہیں کرتا۔ دوسرے شخص کے واسطہ سے کرتا ہوں۔ اس صورت میں مضمون کی تو پھر بھی گرانی ہوتی ہے مگر لب ولہجہ کی گرانی سے بچ جاتا ہوں اس سے بھی ایک گونہ راحت ملتی ہے لوگوں کی طبیعتیں اس قدر بھدی واقع ہوئی ہیں کہ تصوف بے حسی کا نام رکھا ہے چاہتے یہ ہیں کہ ہم جو چاہیں حرکتیں کریں سب پر دل سے راضی رہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے تابع رہے سو مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ اس حالت میں جس کا جی چاہے مجھ سے تعلق رکھے یا نہ رکھے۔ میں آنے والوں کی غلامی نہیں کر سکتا راز اس کا یہ ہے کہ لوگ محض برکت کے طالب بن کر آتے ہیں اور زیارت کر لینے کو کافی سمجھتے ہیں۔ اگر ایسی ہی برکت مطلوب ہے اور اس کا حاصل کرنا ہے تو فضول روپے اور وقت صرف کرتے ہیں۔ سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں۔ گھر بار کو چھوڑتے ہیں۔ گھر بیٹھے ہی قرآن شریف کی زیارت کر لیا کریں وہ بہت ہی زیادہ برکت کی چیز ہے کیا کہوں کیسا لوگوں میں بدفہمی کا مرض عام ہو گیا ہے۔ اگر برکت کافی ہوتی تو جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم میں وہ برکت تھی کہ ابوطالب تو کیا وہ تو عاشق ہی تھے ابوجہل اور ابولہب بھی مسلمان ہو جاتے اس سے معلوم ہو گیا کہ مراد برکت سے یہ برکت کافی نہیں جس کو لوگ آج کل برکت سمجھتے ہیں بلکہ تعلیم کی برکت مراد ہے کہ اس پر عمل کرنے سے جو اعمال کے انوار و آثار قلب میں

پیدا ہوتے ہیں وہ حقیقی برکت ہے۔ یہاں سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ لوگ جو آج کل تصرف اور توجہ کے دلدادہ ہیں اور ان چیزوں کو کمال سمجھتے ہیں یہ بھی کوئی کمال کی چیز نہیں۔ ورنہ حضور سے بڑھ کر کس کی توجہ اور تصرف ہوسکتا تھا اگر اس سے کام لیا جاتا تو حضور کی ایک نظر میں عالم کا عالم زیروزبر ہوجاتا اور دنیا میں ایک کافر بھی نظر نہ آتا۔ سب کے سب مسلمان اور ایمان والے ہوتے مگر حضور تو کوئی کام بدون اذن کے نہ کرتے تھے۔ جس جگہ جس قوت کے استعمال کا حکم دیا وہاں حضور نے اسی قوت سے کام لیا۔ اسی سے تدابیر مامور بہا کا درجہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل طریق تدابیر ہیں اُن کا استعمال بھی تربیت ہے اور لوگ اسی سے گھبراتے ہیں اور میں اسی کا اہتمام کرتا ہوں یہ وجہ ہے موافقت نہ ہونے کی جیسے ایک رئیس نواکھالی کے یہاں پر آکر رہے تھے کچھ دنوں قیام کرکے جب وطن واپس ہوئے تو وہاں کے لوگوں نے یہاں کے حالات معلوم کرنا چاہے اُن رئیس نے کہا کہ وہاں کے حالات کا خلاصہ یہ ہے کہ جس کو مقدمہ بازی سیکھنا ہو وہاں چلا جاوے۔ یہاں پر بے چاروں نے تدابیر تربیت میں کچہری کا سا رنگ دیکھا وہ یہ کہ سوال اصول سے ہو جواب اصول سے ہو۔ بیٹھو اصول سے چلو اصول سے۔ کھڑے ہو اصول سے۔ بے اصولی پر مواخذہ ہوتے ہوتے۔ تاویلات پر جرح وقدح ہوتے ہوتے غرض ہر چیز کا انتظام اور ضابطہ دیکھا اس کو مقدمہ بازی سے تشبیہ دی کیونکہ ان کے خیال میں تو یہ جما ہوا تھا کہ بدانتظامی اور بے ڈھنگے پن کا نام بزرگی ہے اور اس کے ساتھ بزرگی کی ایک خاص وضع بھی لوگوں کے ذہنوں میں جمی ہوئی ہے وہ یہ کہ عمامہ باندھے ہو۔ چوغہ پہنے ہو۔ تسبیح ہاتھ میں ہو۔ رینٹ بہتی ہو۔ رال بہتی ہو۔ مکھیاں بھنکتی ہوں۔ کپڑوں میں بدبو آتی ہو۔ آنکھیں بند ہوں۔ گردن جھکائے غوطہ میں گردوپیش سے بے خبر بیٹھا ہو کبھی کبھی گردن اٹھا کر کچھ ہانک دیا کرے کبھی ٹھکانے کی کبھی بے ٹھکانے کی جس سے معلوم ہو کہ حضرت کے رموز ہیں اسرار ہیں۔ بس بزرگی کی یہ گت بنی ہے کہ تمام بھنگڑپنا بزرگی کے سر تھوپا گیا۔ استغفراللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ سو یہ باتیں یہاں کہاں اول تو بزرگی ہی نہیں۔ ہم لوگ تو طالب علم ہیں۔ جن کو یہ طرز پسند نہ ہو مت آؤ یا تعلق نہ رکھو بلانے کون گیا تھا۔

ملفوظ نمبر ۹۰۵ ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ بندۂ خدا اب بھی باوجود اقرار غلطی کے تاویل ہی کئے جارہے ہیں۔ سو اس میں میرا کیا ضرر ہے۔ میں تو تمہارے ہی نفع کے لئے اپنا دماغ اور وقت صرف کررہا ہوں۔ اگر تاویلیں کرتے ہو جس کے معنی یہ ہیں کہ غلطی نہیں ہوئی تو پھر یہاں آنے کی ہی کون ضرورت تھی اپنے گھر بیٹھے رہے ہوتے۔ میں پھر رعایت کرتا ہوں اور پوچھتا ہوں کہ تم جو بار بار کہتے ہو کہ غلطی ہوئی اس غلطی ہی کا منشا معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اچھا اسے بھی جانے دو تم طالب علم ہو یہ بتلاؤ غلطی کسکو کہتے ہیں۔ اس پر کوئی جواب نہیں دیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ میں دوسرے عنوان سے سوال کرتا ہوں یہ سہو تھا یا عمد۔ عرض کیا کہ بدحواسی سبب ہوئی عمد نہ تھا بدحواسی کی وجہ سے خطاب نہ کرسکا فرمایا کہ بواسطہ گفتگو بھی براہ راست نہ تھی اس میں بدحواسی کیسے تسلیم کی جاسکتی ہے۔ اور میں مواخذہ اس پر نہیں کررہا ہوں کہ میرے حقوق ادا نہیں کئے بلکہ حاصل اس مواخذہ کا یہ ہے کہ میں تمہاری اصلاح نہیں کرسکتا اس لئے کہ یہ معلوم ہوگیا کہ تم کو مجھ سے مناسبت نہیں اور نفع کا مدار مناسبت پر ہے

دیکھو اسی عدم مناسبت کے سبب حضرت خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کا نباہ نہ ہوا اور حضرت خضر علیہ السلام کو کہنا پڑا کہ ھذا فراق بینی و بینک ۔ عرض کیا کہ حضرت معاف فرما دیں۔ فرمایا کہ تمہارے نزدیک نہ معلوم معافی کے معنی کیا ہیں ۔ میرے نزدیک تو معافی کے معنی عدم الانتقام ہیں۔ سو میں معاف کر چکا ۔ اب راضی ہونا اور مناسبت ہونا جو نفع کے لئے شرائط اعظم سے ہے غیر اختیاری چیز ہے اور میں مزید رعایت کی بناء پر کہتا ہوں کہ مناسبت پیدا کرنا تمہارا کام ہے جب تم کو کام میں لگا دیکھوں گا راضی ہو جاؤں گا۔ جاؤ اٹھو کام میں لگو۔

ملفوظ نمبر ۹۰۶ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آجکل مناظروں میں چونکہ لوگ اصول مناظرہ کی رعایت نہیں کرتے ۔ میں اسی واسطے مناظرہ نہیں کرتا ۔ بے اصول باتوں سے طبیعت الجھتی ہے ۔ آج کل تو مناظرہ کا کمال یہ ہے کہ بولتا رہے ہٹے نہ جواب چاہے وہ بولنا صحیح ہو یا غلط حق زبان سے نکلے یا باطل اس کی مطلقاً پروا نہیں کی جاتی۔

ملفوظ نمبر ۹۰۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ بدعتی زیادہ برے ہیں اور غیر مقلد غنیمت ہیں۔ سو یہ من کل الوجوہ غلط ہے بلکہ بعض اعتبار سے غیر مقلد ہی زیادہ برے ہیں ۔ بدعتیوں سے اس لئے کہ بدعتی اجتہاد نہیں کرتے۔ غیر مقلد اجتہاد کرتے ہیں اپنے کو مجتہد سمجھتے ہیں ۔ بدعتی تو بھنگڑوں کے معتقد ۔ مکاروں کے معتقد وہ بھلا امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کیسے چھوڑ سکتے ہیں اور یہ بزرگان سلف کی شان میں گستاخی کریں سو یہ علی الاطلاق کیسے اچھے ہو سکتے ہیں۔ بدگمانی بدزبانی ان کا شعار ہے ۔ بڑا ہی بے باک اور گستاخ فرقہ ہے جس کو چاہتے ہیں جو جی میں آتا ہے کہہ ڈالتے ہیں۔

۴ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

ملفوظ نمبر ۹۰۸ ایک صاحب کے خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ اس بے فکری کا منشا اور مبنیٰ میں سمجھتا ہوں ۔ میں ان کی نبضیں خوب پہچانتا ہوں مجھ کو معلوم ہے کہ بے رغبتی اس کا سبب ہے اس ہی وجہ سے مجھ کو اس قدر جلد تغیر ہو جاتا ہے ۔ لوگ تو اس صادر ہونے والی بات کو دیکھتے ہیں۔ اور میں اس کے منشاء کو دیکھتا ہوں اس لئے ان کے نزدیک وہ بات ہلکی ہے اور میرے نزدیک بھاری ہے۔

ملفوظ نمبر ۹۰۹ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت والا کی ذات اقدس سے امت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جو ہدایت ہوئی اور تصانیف وغیرہ سے جو نفع پہنچا وہ احاطۂ بیان سے باہر ہے حق تعالےٰ خا

حضرت والا کی ذات مقدس کو مدت مدید تک ہمارے سروں پر قائم رکھیں۔ فرمایا کہ یہ آپکی محبت کی بات ہے باقی میں کیا اور میری ہستی ہی کیا اور یہ جو کچھ بھی مجھ سے خدمت لی گئی یہ سب حق تعالیٰ کی طرف سے ہے وہ جس سے چاہیں اپنا کام لے لیں۔ ہاں اس نعمت پر شکر گزار ہوں کہ مجھ سے کام لے لیا گیا اور اس کو میں اُن کا فضل سمجھتا ہوں اور یہ اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت اور اُن کی جوتیوں کا صدقہ ہے اس لئے کہ مجھ کو ہی اپنی حالت خوب معلوم ہے نہ علم ہے نہ عمل۔ ہاں اللہ کی مدد ہے

ملفوظ نمبر ۹۱۰ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہم انگریزوں کے نہ معتقد نہ محب اپنی مصلحت کی وجہ سے مخالفت مناسب نہیں سمجھتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہم انگریزوں کے دوست نہیں اپنے دوست ہیں۔ اور جہاں انگریزوں کو میرے متعلق یہ یقین ہے کہ ہماری کوئی مخالفت نہیں کرتا وہاں یہ بھی یقین ہے کہ کوئی تعلق بھی ہم سے نہیں رکھتا۔ اور تعلق رکھنے میں بڑے مفسدے بھی ہیں۔ تعلق رکھنا گویا آئندہ کے لئے امیدوار بنانا ہے۔ بعض بدفہم بدعقل مسلمان مجھ کو بدنام کرتے ہیں کہ انگریزوں سے تعلق ہے۔ ارے عقل کے دشمنوں انگریزوں سے کیا تعلق ہوتا۔ تم سے تعلق ہے۔ میں نے اپنا مسلک و مشرب عدم مخالفت پر رکھا اس میں اپنی قوم کی حفاظت کی۔ اپنے دین کی حفاظت کی۔ کانپور میں مچھلی بازار کی مسجد پر فساد ہوا تھا۔ معزز مسلمانوں کے مشورے سے ایک فیصلہ مرتب کیا گیا۔ اس فیصلہ کے متعلق سرکاری طور پر میری رائے بھی معلوم کی گئی کہ اس فیصلہ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ میں نے صاف لکھوا دیا کہ یہ فیصلہ مذہب اسلام کے خلاف ہے۔ اس لئے میری رائے اس کے خلاف ہے۔ مگر اس کا الزام وائسرے پر نہیں بلکہ ان مسلمانوں پر الزام ہے جنہوں نے وائسرائے کو غلط مشورہ دیا۔ اب مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس فیصلہ کی منسوخی کی درخواست کریں اگر درخواست منظور ہو جائے۔ شکریہ کے ساتھ قبول کریں اور اگر منظور نہ ہو تو خاموشی کے ساتھ صبر کریں۔ جوائنٹ کلکٹر میری تحقیق رائے کے لئے آئے تھے کہنے لگے کہ فیصلہ کو غلط بتلانا بہت سخت بات ہے میں نے کہا کہ سخت ہوا کرے اس کے وہ ذمہ دار ہیں کیوں ہم سے رائے لی گئی۔ رائے تو وہی ظاہر کی جائے گی جو شریعت کا حکم ہے۔ مسئلہ تو اگر بادشاہ بھی پوچھے گا اس کا جواب بھی وہی دیا جائے گا جو شرعی حکم ہے۔ اور ان کی حکومت ہمارے ہاتھ پیروں پر ہے قلب پر حکومت نہیں ہم حق کے واضح کرنے میں ان کی کوئی رعایت نہیں کر سکتے۔ اور میں نے یہ بھی کہا کہ انھوں نے خود سوال کیا دلانے معلو کی اس سے حق ان کے کانوں میں پڑ جائے گا۔ اب آگے وہ جانیں وہ ذمہ دار ہیں جو چاہیں نافذ کریں تو صاحب ہم کو انگریزوں سے ایسا تعلق ہے۔ اس پر بھی اگر کوئی بدفہم اور کوڑ مغز تعلق سمجھے اس کا میرے پاس کوئی علاج نہیں۔ اور یہ معترضین خود ہنود کی خوشامدوں میں دین و ایمان کو تباہ اور برباد کر رہے ہیں اس کی کچھ پرواہ نہیں۔

ملفوظ نمبر ۹۱۱ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میرے پاس تو کوئی داڑھی منڈا آئے یا بدعمل آئے میں اس کی کوشش کرتا ہوں کہ تعلق پیدا ہو۔ پھر عمل کی توفیق ایک منٹ میں پیدا ہو جاتی ہے

ملفوظ نمبر ۹۱۲ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بیکار وقت کا کھونا نہایت بُرا ہے اگر کچھ بھی کام نہ ہو تو انسان گھر کے کام میں لگ جائے۔ گھر کے کام میں لگنے سے دل بھی بہلتا ہے اور عبادت بھی ہے۔ یہ مجمعوں میں بیٹھنا خطرہ سے خالی نہیں، کسی کی حکایت، کسی کی شکایت۔ بعض مرتبہ غیبت تک نوبت آجاتی ہے اس سے اجتناب کی سخت

ضرورت ہے۔

ملفوظ ۹۱۳ ایک نووارد صاحب نے جو ایک روز قبل سے خانقاہ میں مقیم تھے مجلس میں آکر بیٹھنے سے قبل مصافحہ کیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ غالباً آپ تو کل سے آئے ہوئے ہیں۔ عرض کیا جی۔ دریافت فرمایا کہ پھر یہ مصافحہ اس وقت کیسا کیا اس لئے کہ آنے کے وقت مصافحہ کرنا چاہیئے یا جانے کے وقت۔ کیا آپ اس وقت جا رہے ہیں۔ عرض کیا کہ اس وقت تو نہیں جا رہا۔ پھر مصافحہ کی وجہ اس وقت کیا ہے عرض کیا کہ اور بعض حضرات نے بھی مصافحہ کیا اس خیال سے میں نے بھی کر لیا۔ فرمایا کہ یہ تو بھی اس گاڑی سے آئے ہیں اور تم کل آئے ہو پھر یہ قیاس کیسا اور یہ کہنا کہ بعض نے کیا خود اس کا اقرار ہے کہ بعض نے نہیں کیا تو اس سے تو تم کو شبہ ہونا چاہیئے تھا کہ بعض نے کیوں نہیں کیا اگر معلوم نہ تھا تو کسی سے معلوم کر لیتے۔ آخر خدا نے عقل دی فہم دیا تو ان سے کام لینا چاہیئے۔

۱۲ رشعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

ملفوظ ۹۱۴ ایک خط کے سلسلے میں فرمایا کہ میں کسی کے مقصود اور مصلحت میں خلل نہیں ڈالتا البتہ اس کا سہل طریق تجویز کر دیتا ہوں اس میں کونسی سختی کی بات ہے۔ مقصود ان کا حاصل ہو گیا۔ میں بھی اذیت سے بچ گیا۔ جن صاحب کا یہ خط ہے انھوں نے مجھ کو بہت ستایا ہے۔ آخر میں میں نے یہ تجویز کی کہ تم مجھ سے مکاتبت مخاطبت مت کرو۔ انھوں نے درخواست کی کہ خیریت معلوم کر لینے اور دعاء کرانے کی اجازت دی جائے۔ میں نے لکھا کہ یہی مضمون لکھ کر مجھ سے منظور کرا لو۔ میں اس پر دستخط کر دوں گا۔ ہر خط کے ساتھ اس منظور شدہ مضمون کو بھیج دیا کرو۔ تاکہ مجھ کو معلوم ہو جایا کرے کہ اس سے زائد مضمون تو نہیں لکھا انھوں نے ایسا ہی کیا۔ آج جو خط آیا ہے وہ پرچہ بھی ساتھ ہے۔ اب بتلایئے کہ اس میں سختی کیا ہوئی۔ اب تو نرمی ہی نرمی ہے۔ طرفین کو راحت ہے۔ بات یہ ہے کہ اصول پر عمل کرنے سے راحت پہونچتی ہے۔ تکلیف جب ہو گی بے اصولی باتوں سے ہو گی۔ راحت رسانی کے ذرائع کو سختی کہتے ہیں سو اس کا کسی کے پاس کیا علاج۔

ملفوظ ۹۱۵ ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ آج کل کے مدعیان محبت کی یہ حالت ہے کہ جہاں کسی دوسرے نے کچھ کہہ دیا اور مذبذب ہو گئے۔ بھلا جس شخص سے محبت ہو اول تو اس کی نسبت شبہ کا ہونا ہی مشکل ہے اور اگر ہو بھی تو محبت والا تو اس کو خود بخود دفع کر دیتا ہے اور اگر خود دفع نہ کر سکے تو کسی دوسرے سے حل کرا لیا جائے یہ بڑی بے ادبی کی بات ہے کہ جس کے متعلق شبہ ہوا اسی سے سوال کیا جائے۔ اس خط میں مجھ پر ہی تو

شبہ اور مجھ سے یہی سوال ہوا۔

سیدنا یوسف علیہ السلام تو فرمائیں وما ابرئ نفسی اور میں کہوں ابرئ نفسی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ خدا معلوم لوگوں سے فہم کہاں رخصت ہو گیا۔ اس زمانہ میں فہم کا تو قحط ہی نظر آتا ہے۔

ملفوظ ۹۱۶ ایک مولوی صاحب نے ایک مدرسہ دینی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت والا سے عرض کیا کہ آج کل یہ حالت ہے کہ نہ تو لوگ خود کوئی دینی خدمت کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔ بے اصل اور بے سروپا اعتراضات کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ پھر مدرسہ کے حالات و واقعات اور امانت و دیانت کے ساتھ اس کی خدمات کو اپنا فرض سمجھ کر انجام دینا اور اس پر لوگوں کے اعتراضات کرنا خلاصہ کے طور پر بیان کئے۔

حضرت والا نے تمام واقعات بغور سنکر فرمایا کہ جو کچھ آپ نے واقعات بیان کئے ٹھیک ہیں۔ یہی حالت ہے آجکل کے مسلمانوں کی اس ہی لئے کسی کام میں کھڑے ہونے کو جی نہیں چاہتا۔ اور مدرسہ کی کیا تخصیص ہے ہر اس کام کی جس کا تعلق عام مسلمانوں سے ہے یہی گت بن رہی ہے اور مدارس پر جو خصوصیت سے اعتراضات ہوتے ہیں اس کا بڑا سبب چندہ متعارفہ ہے۔ یہی مایۂ فساد ہے۔ چنانچہ یہاں پر جو مدرسہ ہے بلکہ مدرسی کہنا چاہیئے جب تک اس میں تحریک چندہ ترغیب چندہ کا معمول رہا یہی بلا نازل رہی۔ میں نے اس کو بالکل ہی حذف کر دیا۔ اب نہ تحریک ہے نہ ترغیب ہے جب سے بحمد اللہ امن ہے۔ اب رہا یہ خیال کہ پھر چلے گا کیسے اس کے متعلق سنیئے۔ اپنا مذہب اور مشرب تو یہ ہے کہ جب تک چل رہا ہے چل رہا ہے جس روز نہ چلے گا بند کر دینگے مگر مانگیں گے نہیں کوئی ہمارا ذاتی کام نہیں اور اس کے ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی ہے کہ ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لہا وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ وھو العزیز الحکیم ۝ اس کے بعد ان مولوی صاحب نے اپنے متعلق حضرت والا سے مشورہ چاہا کہ مجھ کو کیا کرنا چاہیئے۔ فرمایا کہ مجھ کو مقامی حالات معلوم نہیں اس لئے کوئی مشورہ تو دے نہیں سکتا اس کو تو آپ ہی سمجھ سکتے ہیں مگر ہاں ایک تجربہ کی بات عرض کئے دیتا ہوں وہ یہ ہے اور نہایت ہی نافع اور مؤثر ہے کہ کسی چیز کے درپے نہ ہونا چاہیئے۔ اس میں دو خرابیاں ہیں ایک تو یہ کہ لوگوں کو غرض کا شبہ ہو جاتا ہے کہ اس قدر جو کاوش ہے اس میں اس کی کوئی ذاتی غرض ہے۔ دوسرے یہ کہ اس صورت میں فریق بندی ہو جاتی ہے۔ پھر کوئی کام نہیں ہوتا۔ ان ہی قصے جھگڑوں میں پڑ جاتے ہیں اور توسع کر کے کہتا ہوں کہ یہ دو خرابیاں تو مسلمات سے ہیں۔ تیسری ایک اور خرابی ہے وہ یہ کہ شروع میں تو نیت کے اندر خلوص ہوتا ہے۔ پھر جب بات کی پیچ ہو جاتی ہے تو نفسانیت بھی آجاتی ہے پھر اس جدوجہد اور دوڑ دھوپ پر ثواب بھی نہیں ہوتا۔ اس پر لوگوں کی نظر ذرا کم جاتی ہے اور یہ نکتہ بھی ذرا باریک ہے اس ہی لئے بحمد اللہ میں کسی کام کے درپے نہیں ہوتا اور حکم بھی ہے حق تعالٰے فرماتے ہیں اما من استغنٰی ۝ فانت لہ تصدی ۝ وما علیک الا یزکی۔ یہ نہایت ہی بہترین طریق ہے کہ جس کام اور بات میں الجھن ہو ایک دم اس کو چھوڑ الگ ہو جائے اسی کے پیچھے نہ پڑ جائے۔ دین کے کسی اور کام میں مشغول ہو جائے۔ مسلمانوں کو کوئی خاص کام مقصود نہیں محض رضا مقصود ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ فرض و واجب نہ ہو اس لئے کہ جو فرض و واجب نہیں ان میں کیوں اس قدر

اپنے قلب کو مشغول کیا جائے۔ ایک ہی کی مشغولی قلب کے لئے کافی ہے۔ اور وہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اور ہر کام سے مسلمان کا مقصود رضاء حق ہی ہے جو اس کو ہر وقت حاصل ہے یہ سب کچھ میں نے تجربات کی بناء پر ظاہر کر دیا عمل کر کے دیکھئے انشاء اللہ تعالیٰ راحت اور سکون نصیب ہوگا اور خدا کی ذات پر بھروسہ کر کے کہتا ہوں کہ کام بھی ہوگا۔

ملفوظ نمبر ۹۱۷ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آج کل بے پردگی کی بڑی زہریلی ہوا چل رہی ہے، فرمایا کہ جی ہاں! جو سوجھتی ہے نئی سوجھتی ہے۔ بڑے ناعاقبت اندیش لوگ ہیں علاوہ احکام کے غیرت بھی تو کوئی چیز ہے ان بد دینوں میں دین تو ہے ہی نہیں مگر حیا اور غیرت بھی رخصت ہو گئی۔ بڑا ہی افسوس ہوتا ہے یہ سب نیچریت کے کرشمے ہیں۔ ایک شخص کہتے تھے کہ سلف میں اس قدر پردے کے بارے میں سختی نہ تھی۔ میں نے کہا کہ اس قدر ضرورت بھی نہ تھی۔ اب شرور اور فتن کا زمانہ ہے۔ نفسانیت کا غلبہ ہے۔ فقہاء نے اس راز کو سمجھا انہوں نے عورتوں کو مساجد میں آنے سے منع کر دیا۔ یہ سب کچھ ان بد دین لیڈروں کی بدولت احکام کی گت بن رہی ہیں اور کتربیونت اور تحریف ہو رہی ہے نہ معلوم دوسرے مسلمانوں کو کیا ہوا کہ آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے دوڑے چلے جا رہے ہیں کچھ خبر نہیں کہ یہ جاہل کونسے میں لے کر گریں گے یا کسی گڑھے میں لے جا کر پٹکیں گے۔ باوجود تجربہ اور مشاہدہ کے پھر آنکھیں نہیں کھلتیں پچاس برس سے زائد ہو گئے قوم کی ترقی کا گیت گاتے ہوئے۔ نتیجہ جو کچھ ہے اظہر من الشمس ہے کہ روز بروز تنزل ہی ہوتا ہے دن بدن ابتری ہی پھیلتی جاتی ہے اگر اسی کا نام ترقی ہے کہ خسر الدنیا والآخرہ تو یہ ترقی تو واقعی مسلمانوں کو ان کی سعی و کوشش اور جدوجہد سے نصیب ہو گئی۔ میں بقسم عرض کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی ترقی اور فلاح و بہبود صرف اللہ اور رسول کے احکام کے اتباع ہی میں ہے اور اتباع نہ ہونے سے یہ حالت ہو رہی ہے ؎

ہر کسے روز بہی می طلبد از ایام　　مشکل این است کہ ہر روز بتر می بینم

ملفوظ نمبر ۹۱۸ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو پیٹ بھر کر بدنام ہوا ان آنے والوں کی بدولت یہ بدنامی ہے۔ اپنی حرکات کو تو مخفی رکھتے ہیں اور میری ڈانٹ ڈپٹ کو ظاہر کرتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب یہاں پر آئے تھے وہ ایک رئیس صاحب کا نام لے کر روایت کرتے تھے کہ آپ کے متعلق اُن کی رائے ہے کہ متکبر ہیں۔ میں نے کہا کہ میں تو اس سے بھی برا ہوں۔ مگر یہ سن کر از حد درجہ خوشی ہوئی۔ کہنے لگے اس میں خوش ہونے کی کون سی بات ہے۔ میں نے کہا تملق کی بدنامی سے تکبر کی بدنامی لذیذ ہے ان خر دماغوں کو یہ تو معلوم ہوگا کہ ہم ہی خر دماغ نہیں بلکہ مُلّانے بھی کھٹ دماغ ہیں۔

ملفوظ نمبر ۹۱۹ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک شخص تابع ہو کر آئے اس کے ساتھ متبوع کا سا معاملہ کیا جائے میں تو اس میں بڑی ذلت سمجھتا ہوں۔ ایک اس میں یہ بھی خرابی ہے کہ اس صورت میں آنے والے کو کوئی نفع نہ ہوگا جس کے لئے اس نے اپنا وقت اور روپیہ صرف کیا ہے اور یہ ساری خرابی اس کی ہے کہ باب معاشرت کو لوگوں نے دین کی فہرست سے خارج سمجھ رکھا ہے۔ محض نماز روزہ اور وظائف کو دین سمجھتے ہیں۔ حالانکہ باب معاشرت کی تعلیم سے قرآن و حدیث پُر ہیں۔ عوام کی تو کیا شکایت کی جائے۔ علماء اور مشائخ اس بلا میں مبتلا ہیں۔ میں ایک تنہا

اس پر متنبہ کرتا ہوں مجھ ہی کو بدنام کیا جاتا ہے۔ مزاحاً فرمایا کہ تنبیہ میں ضرورت تھی تنہائی کی (کمی تن مراد ہیں) جو باتیں لوگوں کی مجھ کو ناگوار ہوتی ہیں اگر وہی باتیں دوسروں کو پیش آئیں ان کو بھی ناگوار ہوں۔ اور پیش بھی آتی ہیں ناگوار بھی ہوتی ہیں مگر ان پر متنبہ نہ کرنے اور روک ٹوک نہ کرنے کی مصلحت یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر یہاں پر روک ٹوک کی گئی اور اس پر بددلی ہوئی تو نہ معلوم پھر کس بددین کے ہاتھ میں جا پھنسے اور اصل بات جو دل میں ہے اس کو ظاہر نہیں کرتے وہ میں ظاہر کئے دیتا ہوں وہ یہ کہ ہماری جاہ میں قبولیت عامہ میں محبوبیت میں خلل آتا ہے۔ لوگ بداعتقاد ہوتے ہیں۔ میں کہتا ہوں جب آپ نے بھی اصلاح نہ کی تو تمہارے ہی ہاتھ میں پھنسے رہنے سے اس کو کیا فائدہ۔ جیسے کسی بدعتی کے ہاتھ میں جا کر خراب ہوتا تمہارے ہاتھ میں رہ کر بھی تو خراب ہی رہا۔ یہ اور بات ہے کہ دونوں خرابیوں کی نوع جدا ہو مگر اصلاح تو نہ ہوئی۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص بلا وضو کے نماز پڑھ رہا ہے اس کو کہا جائے کہ پڑھنے بھی دو۔ پڑھنا نہ پڑھنے سے بہتر ہے۔ بہتر کہاں ہے وہ نماز ہی کب ہے کہ اس کا پڑھنا نہ پڑھنے سے بہتر ہو۔ سب نفسانی اغراض ہیں ان کو دین کا جامہ پہنا کر اس عنوان سے ظاہر کیا جاتا ہے یہ تو اچھی خاصی مخلوق پرستی ہے۔

ملفوظ ۹۲۰ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت والا سے بچے بے خوف رہتے ہیں ذرا نہیں ڈرتے۔ فرمایا کہ میں ڈراتا بھی نہیں۔ جب حق تعالیٰ ہی نے مکلف نہیں بنایا بندے کیوں مکلف بنائیں۔

ملفوظ ۹۲۱ ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ ایک رئیس کے ملازم کا خط آیا ہے سوال کیا ہے کہ کیا آقا کو جھک کر سلام کرنا درست ہے۔ اب اگر لکھتا ہوں کہ درست ہے تو جواب غلط ہے اور اگر لکھتا ہوں کہ نہیں تو آقا کو معلوم ہونے پر خیال ہوگا کہ ہمارے نوکر کو بے ادب بنایا۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ کیا وہ بے جھکے سلام کرنے سے ناراض ہوتے ہیں۔ اب اگر وہ سوال کرے گا اور لکھے گا کہ ناراض ہوتے ہیں تب میں لکھوں گا کہ درست نہیں۔ اس صورت میں آقا کو معلوم ہونے پر یہی خیال ہوگا کہ اس نے سوال ہی ایسا کیا ہے جس کا یہ جواب ہے۔ میں اس قدر ان معاملات میں رعایتیں کرتا ہوں اور پھر مجھ کو بدنام کرتے ہیں۔

ملفوظ ۹۲۲ ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہاں تو یہ کتنا غضب ہے کہ اصلاح کی غرض سے آیا ہوں۔ ویسے کوئی آئے اس کے ساتھ روک ٹوک ڈانٹ ڈپٹ کا معاملہ نہیں کیا جاتا اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کوئی مریض طبیب کے پاس آئے اس نیت سے کہ میرا علاج کرو تو علاج تو علاج ہی کے طریق سے ہوگا میرے یہاں تو دوستوں سے شکایت ہوتی ہے ان کی حرکات سکنات پر پکڑ دھکڑ روک ٹوک ڈانٹ ڈپٹ محاسبہ مواخذہ ہوتا ہے اور مشائخ کے یہاں اس کا عکس ہے۔ دوستوں کی تو رعایت کرتے ہیں اور دشمنوں پر دانت پیستے ہیں۔ میں مخالفوں اور دشمنوں کے ساتھ دوستی کا برتاؤ کرتا ہوں ان کی کسی بات پر بھی مجھ کو نہ غصہ آتا ہے اور نہ رنج ہوتا ہے۔ یہاں پر تو ہر بات اور جگہ سے جدا ہی ہے۔

ملفوظ ۹۲۳ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بعض بات بڑی پیچیدہ ہوتی ہے۔ لیکن اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہر بات کا جواب ذہن میں پیدا فرما دیتے ہیں کہیں گاڑی نہیں اٹکتی، یہ سب اپنے بزرگوں کی دعاؤں

کی برکت ہے۔ لندن سے ایک انگریز نے سوال کیا تھا یہ مع اپنی اہلیہ کے مسلمان ہو گیا تھا کہ ہم ہندوستان آنا چاہتے ہیں اور ہماری میم بھی ہمراہ ہو گی اور وہ پردہ نہ کرے گی کیا ہم کو ذلیل تو نہ سمجھا جاویگا۔ اب خیال یہ ہوا کہ شریعت میں تو بے پردگی کی اجازت نہیں اگر اجازت دی تو اس پر یہ خدشہ کہ اس کو سند بنا کر عام آزادی کی لہر نہ پھیل جائے اور اگر منع کیا جاتا ہے تو واجب لغیرہ پر جبر کا کیا حق ہے پھر شریعت پر تنگی کا شبہ ہو گا۔ اللہ تعالٰی نے مدد فرمائی اور دل میں یہ ڈالا کہ گو شریعت میں اجازت نہیں مگر علت کیا ہے وہ فتنہ ہے تو اتنا گہرا پردہ فتنہ کے سبب سے ہے اور یہ تجربہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ مفتوح قوم فاتح قوم پر نظر بد نہیں کر سکتی جیسا کہ مشاہد ہے۔ میں نے لکھ دیا کہ آپ کے لئے اجازت ہے جو قید ہے اس اجازت میں وہ اس قدر اہم اور سخت ہے کہ اس کا ہر شخص کو میسر آنا قریب محال کے ہے یعنی یہ کہ وہ قوم فاتح ہو۔ یہ سوال اور جگہ جاتا تو نہ معلوم اس کی کیا گت بنتی۔ لیکن وہ انگریز ہندوستان آیا نہیں۔

ملفوظ ۹۲۴ ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ اور بھی ایک صاحب کا خط اسی قسم کا آیا تھا اس میں بھی یہاں پر آنے کی اجازت چاہی تھی۔ میں نے لکھ دیا تھا کہ آنے کی غرض سے اطلاع دو آج خط آیا ہے لکھا ہے کہ تحصیل فوائد صحبت کے لئے آ رہا ہوں۔ میں نے لکھا ہے کہ فوائد صحبت سے تمہاری کیا مراد ہے یہ اس لئے کہ نہ معلوم ان کی اس سے کیا مراد ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اس سے جو مراد لے رہے ہیں وہ یہاں پر آ کر حاصل نہ ہو اور روپیہ اور وقت صرف کر کے پچھتائیں۔ میں پہلے ہی سب معاملہ طے کر لیتا ہوں تاکہ کسی کو دھوکہ نہ ہو۔ ممکن ہے کہ وہ فوائد صحبت سے مراد کہیں یہ نہ لے رہے ہوں کہ جاتے ہی قطب یا غوث بن جاؤں گا یا لوٹ پوٹ ہو جاؤں گا اس لئے کہ آج کل ان ہی چیزوں کو بزرگی کی خبر میں داخل کر رکھا ہے۔ یہ کام کی بات ہے اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پہلے آدمی اپنے مقصود کا تعین کرے اس کے بعد کام میں لگے یہ اصولی بات ہے اور آج کل اصل میں اصول ہی سے متوحش ہوتے ہیں۔ ایسا نہ کرنے سے پھر ساری عمر الجھن اور پریشانی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور اصول کے ماتحت کام کرنے سے شروع میں تو ایک درجہ میں الجھن ہوتی ہے مگر پھر ساری عمر راحت سے گذرتی ہے اور آدمی اپنے مقصود میں لگا رہتا ہے۔

ملفوظ ۹۲۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آدمی کو کام میں لگنا چاہئے کام میں لگو اس قسم کے خدشات تو پیش آیا ہی کرتے ہیں اور یہ خود کام میں لگنے کی دلیل ہے کہ خدشات پیدا ہوتے جیسے مسافر کو منزل طے کرنے کی وجہ سے تھکان ہوتا ہے۔ پنڈلیوں میں درد اور تلووں میں آبلے پڑ جاتے ہیں یہ خود دلیل سفر کرنے کی ہے۔ ارادہ اور ہمت سے کام لو، نیت کو ٹھیک رکھو خلوص سے کام کرو۔ حق تعالٰی فرماتے ہیں ربکم اعلم بما فی نفوسکم۔ وہ کوتاہی پر زیادہ نظر نہیں فرماتے نیت کو دیکھتے ہیں اسی کو مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؂

ما بروں را ننگریم و قال را ما دروں را بنگریم و حال را

اور یہ سب کچھ اہل اللہ کی صحبت سے قلب میں پیدا ہو سکتا ہے ان کے پاس جا کر اپنا کچا چٹھا سناؤ پھر ان کا اتباع کرو۔ مولانا فرماتے ہیں ؂

قال را بگذار مرد حال شو پیش مردے کاملے پامال شو

۱۳ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم دوشنبہ

ملفوظ نمبر ۹۲۶ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں بہت سے عملیات اور وظائف پڑھ چکا ہوں مگر کوئی نفع نہیں ہوا۔ میں قرضدار ہوں آپ ہی کوئی مجرب عمل تبلا دیجئے۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ اس قید (مجرب) کے ساتھ مجھ کو کوئی عمل معلوم نہیں اور فی نفسہٖ دعا سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں۔ اس پر فرمایا کہ یہ جو میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ وظائف اور عملیات کی تعلیم سے بعضے لوگوں کے عقائد خراب ہو جاتے ہیں یہ اُس کا نمونہ ہے اب اگر اس شخص کو کوئی آیت وغیرہ تبلا دی جاتی اور قرض ادا نہ ہوتا تو اس کے عقیدہ میں یہ بات پیدا ہو جاتی کہ آیاتِ الٰہیہ میں بھی اثر نہیں اور یہ سب کچھ ان عاملوں کی بدولت ہوا۔

ملفوظ نمبر ۹۲۷ فرمایا کج فہم آدمی کو تعویذ وغیرہ نہ دیا جاوے اگر کوئی اثر ظاہر نہ ہوا سمجھتا ہے کہ اسماءِ الٰہیہ یا کلام الٰہی میں بھی تاثیر نہیں۔ حالانکہ اس تاثیر کا نہ وعدہ کیا گیا ہے نہ دعوٰی اور اس سے بڑھ کر اگر اتفاق سے آیت یا حدیث سے کامیابی نہ ہوئی اور معمولی عملیات سے ہوگئی اس سے اور بھی عقیدہ میں فساد ہو گا کہ معمولی عملیات کو قرآن و حدیث سے زیادہ بابرکت سمجھے گا۔

ملفوظ نمبر ۹۲۸ ایک شخص کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ میرا متنبہ کرنے سے انتقام لینا مقصود نہیں ہوتا بلکہ یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ تم کو مجھ سے اور مجھ کو تم سے مناسبت نہیں یہ اس لئے کہ نفع موقوف ہے مناسبت پر اور مناسبت ہے نہیں تو ایسوں کو یہاں آنے سے کیا فائدہ۔ موسٰی علیہ السلام نے نعوذ باللہ کونسی معصیت کی تھی۔ عدم مناسبت ہی تو تھی جس پر خضر علیہ السلام نے کہا کہ ھذا فراق بینی و بینک تو اسی طرح میری اور آپ کی مفارقت کی بناء معصیت نہیں ہے بلکہ عدم مناسبت ہے بلکہ اگر معصیت ہو تو وہ استفادہ سے ایسی مانع نہیں اس لئے کہ اس کے ازالہ ہی کے لئے تو تعلق پیدا کیا جاتا ہے البتہ مانع عدم مناسبت ہے۔

ملفوظ نمبر ۹۲۹ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت فلاں مولوی صاحب یہ کہتے تھے کہ حضرت کو جلال بہت ہے اس وجہ سے لوگ گھبرا جاتے ہیں۔ حضرت والا نے مزاحاً فرمایا کہ جی ہاں یہ تو مجھ کو حلال کریں اور میں جلال بھی نہ کروں۔ بات یہ ہے کہ شروع میں تو جمال ہی ہوتا ہے۔ سیدھا اور سہل سوال کرتا ہوں اس پر لوگ خود اینچ پینچ کر کے اس کو ٹیڑھا بنا لیتے ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ سیدھی اور صاف بات ہو۔ لوگوں کی عادت اس کے عکس ہوگئی۔ میں اس میں مجبور ہو جاتا ہوں، باقی یہاں نہ جمال ہے نہ جلال۔ دیہاتی اور صاف بات ہوتی ہے۔ اب چاہے کس

کا نام جلال رکھ لیجئے اور چاہے جمال میری تو تحریر تقریر سب معاملات میں صاف اور کھلی ہوئی ہوتی ہیں۔ علوم میں اگر ادق ہو وہ اور بات ہے۔

ملفوظ نمبر ۹۳۰ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آپ نے جو واقعات بیان کئے واقعی انتظام ایسی ہی چیز ہے۔ انتظام بڑی برکت کی چیز ہے خدا کی ایک بہت بڑی نعمت ہے اگر انتظام نہ ہو سلطنت بھی باقی نہیں رہ سکتی۔ دیکھ لیجئے ہندوستان میں کتنے زمانہ تک مسلمانوں کی سلطنت رہی لیکن زوال کا سبب بے فکری اور بدانتظامی ہی ہے۔ بے فکری کے معنی ہیں کہ سوچے نہیں کہ انجام کیا ہوگا اور بدانتظامی کے معنی ہیں کہ دیکھے نہیں کہ آمدنی کیا ہے اور خرچ کیا ہے بے سوچے خرچ کرے۔ انتظام کے معنی یہ ہیں کہ یہ سوچے کہ اگر میں خرچ نہ کروں گا تو اس میں کوئی ضرر ہے دینی یا دنیوی اگر ضرر ہے تب تو خرچ کرے ورنہ نہیں۔ آج کل فضول خرچی کا نام رکھا ہے بلند حوصلگی۔ اس بلند حوصلگی کے نتائج سنئے کہ اپنے مال سے گذر کر دوسروں کے مال پر نظر ہوتی ہے۔ قرض لیتے پھرتے ہیں۔ پھر نوبت یہاں تک آتی ہے کہ عادت ہو جانے کی وجہ سے اگر ویسے قرض نہیں ملتا تو سودی قرض لینا پڑتا ہے اس کا جو انجام ہے ہر شخص پر ظاہر ہے کہ دنیا اور دین دونوں کو برباد کرنے والی چیز ہے

ملفوظ نمبر ۹۳۱ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ سودا اُدھار لینے میں معصیت کا درجہ تو نہیں جب کہ اس میں سود نہ ہو مگر دنیا کا خسارہ تو ہے اور یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ ادھار میں آٹھ آنے کی چیز بارہ آنہ میں لیتے ہیں حتی الامکان اس سے بھی ہر مسلمان کو بچنا چاہئے۔ بعض لوگوں میں یہ مرض بھی ہوتا ہے کہ پیسہ پاس ہوتے ہوئے خانگی اشیاء ادھار خریدتے ہیں۔

ملفوظ نمبر ۹۳۲ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ اللہ کی نعمت ہے کہ قلب میں تشویش نہیں۔ غصہ تو ہے۔ مگر تشویش سے قلب خالی ہے۔ غصہ کا یہ ہے کہ آیا اور ختم ہو گیا قلب فارغ ہو جاتا ہے۔ میں اس کو حق تعالیٰ کی بڑی نعمت سمجھتا ہوں۔

ملفوظ نمبر ۹۳۳ ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ آدمی بن کر کسی کے پاس جانا چاہیئے۔ یہ بیلوں کی طرح آگھسنا کونسی انسانیت ہے۔ یہ باتیں تو محتاج تعلیم نہیں یہ تو فطری چیزیں ہیں جس کے پاس جائے یا جس سے کام لے اس کے تابع رہ کر کام کرے۔ اور جب تک بے تکلفی نہ ہو جائے زیادہ گفتگو نہیں کرنا چاہیئے اور اس کے خلاف پر یہاں پر تنبیہ کی جاتی ہے تو بداخلاق مشہور کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ مصلح تو کبھی صاحب اخلاق مشہور ہو ہی نہیں سکتا اس کی ایسی مثال جیسے منکر نکیر عالم برزخ میں آکر سوال کرتے ہیں تو ان کے متعلق مُردوں کی دو طرح کی رائے ہوتی ہے۔ ایک مردہ تو کہے گا کہ بڑے رحیم وکریم ہیں۔ صاحب اخلاق ہیں نرم ہیں۔ ایک کہے گا کہ بڑے سخت ہیں۔ بڑی کڑک کا مواخذہ محاسبہ معاقبہ کرتے ہیں مگر ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ وہ ہر شخص کے ساتھ ایسے ہیں جیسا ان کے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے۔ ایسے ہی یہاں پر سمجھ لیا جاوے کہ جو جیسا برتاؤ کرتا ہے ویسا ہی اس کے ساتھ برتاؤ کیا جاتا ہے

ملفوظ نمبر ۹۳۴ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جتنے پیشوا گذرے ہیں بجز انبیاء علیہم السلام کے اور بجز ان کے سچے جانشینوں

کے ان کے خانگی حالات اور ہیں اور بیرونی حالات اور ہیں اور سچے ہر حالت میں یکساں ہیں خصوصاً ہمارے حضور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے یہاں کے تو خانگی معاملات اظہر من الشمس ہیں بلکہ بقول بعض محققین حضور نے اسی واسطے اتنی بیبیاں کیں کہ امت پر آپ کے خانگی افعال سے ایسے احکام کھلیں جن کا تعلق خانگی معاملات سے ہے اور کثرت ازواج سے شہوت پرستی نفس پرستی مقصود نہ تھی اور یہ دعوے اس سے نہایت واضح طور سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضور کا اول نکاح ایسی بڑھیا سے ہوا کہ اگر ان کی پہلی اولاد زندہ ہوتی تو عمر کے اعتبار سے حضور کی برابر ہوتی۔ حضور کی عمر اس وقت پچیس برس کی تھی اور ان کی چالیس برس کی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ تمام قریش آپ کو حسین سے حسین لڑکیاں دینے کو موجود تھے آپ نے انکار فرما دیا کیا شہوت پرست اور نفس پرست ایسے موقع کو جانے دے سکتا ہے۔ کفار کی صرف شرط یہ تھی کہ آپ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی دعوت کو چھوڑ دیں۔ پھر ہر طرح پر ہم آپ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ جان مال آبرو سب آپ پر قربان کرنے کو تیار ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ اگر میرے ایک ہاتھ میں چاند ہو اور ایک میں سورج تب بھی میں اس کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اور حضور کے سچا ہونے کی تو علاوہ اور کمالات کے ایک یہی بہت بڑی دلیل ہے کہ آپ نے اپنے خانگی حالات کا بھی اخفا نہیں کیا اور کبھی کوئی بناوٹ نہیں کی۔

ملفوظ ۹۳۵ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر حسن کی طرف میلان نہ ہو تو یہ بڑا کمال ہے فرمایا کہ جی نہیں یہ تو کوئی کمال کی بات نہیں کمال تو یہ ہے کہ میلان ہو اور پھر اس کو دبایا جاوے اور اگر میلان نہ ہو تو تقوی کا نور کیسے پیدا ہو تقوے کی ہنڈیا تو اس سے ہی تیار ہوتی ہے۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں ؎

شہوت دنیا مثال گلخن است — کہ ازو حمام تقوی روشن است

اور اگر میلان ہی نہ ہو تو بے حسی ہے جیسے دیوار۔

ملفوظ ۹۳۶ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بعض حکایات یا مقولے ضرب المثل کے طور پر کسی قوم کے متعلق مشہور ہوں ان کا بیان کرنا غیبت میں تو داخل نہیں۔ فرمایا کہ فقہاء نے اور امام غزالی نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ قوم کی غیبت نہیں ہوا کرتی اس لئے کہ غیبت متعین کی ہوتی ہے۔ غیر معین کی نہیں ہوتی ہے۔

ملفوظ ۹۳۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل تو ضعف دین کی یہ حالت ہے کہ جہاں کوئی حادثہ پیش آیا وہ ارضی ہو یا سماوی پریشان ہو جاتے ہیں اس کے اجر اور ثواب سب کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو نہیں دیکھا کہ ان کو کس قدر مصائب اور آلام کا سامنا ہوا۔ کفار عرب نے حضور علیہ السلام کو ستانے میں کچھ کسر نہ چھوڑی، غرض انبیاء اور اولیاء پر سخت کلفتیں آئیں مگر وہ اس سے گھبرائے نہیں وجہ یہ کہ جہاں اس مصیبت اور تکلیف پر نظر ہوتی ہے وہاں وہ حضرات یہ بھی دیکھتے ہیں کہ نازل کرنے والا کون ہے اور جب دیکھتے ہیں کہ وہ اس ذات کی طرف سے ہے تو بزبان حال کہتے ہیں ؎

ناخوش تو خوش بود بر جان من — دل فدائے یار دل رنجان من

نیز بزبان حال یوں بھی کہتے ہیں ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ملفوظ نمبر ۹۳۸ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ زمانہ سلف میں کتب زیادہ نہ تھیں لیکن علوم زیادہ تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب زمانہ کی وجہ سے برکت زائد تھی۔ خیر کا غلبہ تھا۔ حافظے قوی تھے۔ نور ایمان بڑھا ہوا تھا۔ نیز علوم میں برکت اور ترقی تقویٰ سے بھی ہوتی ہے اور اس زمانہ میں کتب زیادہ ہیں مگر نہ وہ علوم ہیں نہ وہ فنون نہ وہ برکت بلکہ اب تو اکثر جہل کا نام علم رکھ لیا گیا ہے۔ اور جہل ہی کے سبب سے یہ ہو گیا ہے کہ متقدمین اور اکابر پر ہر شخص اعتراض کرنے کو تیار ہے، یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ ان حضرات نے کیا کیا ہے اس بے ادبی کی وجہ سے علوم میں اور بھی روز بروز برکت کم ہوتی جاتی ہے۔ اکابر اور بزرگان سلف پر بدنیتی سے اعتراض کرنا بڑی خطرناک بات ہے، یہ میں نے اس لئے کہا کہ نیک نیتی سے اگر اختلاف کا درجہ ہو وہ اس سے مستثنےٰ ہے کیونکہ ایسا اختلاف تو ہر زمانہ میں ہوتا ہوا آیا ہے۔

ملفوظ نمبر ۹۳۹ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام کی شانیں مختلف ہیں اسی طرح صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین اور اولیاء اللہ کی شانیں مختلف ہیں کسی کو حق نہیں کہ کسی پر اعتراض کرے بلکہ غیر محقق کو تو مشتبہ لوگوں پر بھی اعتراض نہ کرنا چاہیئے گو ان سے تعلق بھی نہ رکھنا چاہیئے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک مولوی صاحب نے جو میرے رفیق سفر تھے یہاں (یعنی ہندوستان کے) بعضے ایسے متعدد لوگوں کی شکایت کی جن کو جہلاء درویش اور کافر سمجھتے تھے۔ حضرت نے ان کی حالت کی تاویلیں کر کے سب کو کفر سے بری کر دیا باقی جن کی حالت مشتبہ نہیں محض اختلاف الوان ہے تو اعتراض محض جہل ہے جیسے انبیاء کا حق ہے لانفرق بین احد من رسلہ اسی طرح اولیاء کا حق ہے لانفرق بین احد من اولیائہ اور یہ شانوں کے مختلف ہونے کا منشا بعض اوقات رائی کی استعداد کے اختلاف سے ہوتا ہے۔ جیسے عینکیں مختلف رنگ کی ہوتی ہیں اس سے مرئی کے رنگ میں شبہ ہوتا ہے۔ یا شیشوں کے اختلاف سے صورتیں مختلف نظر آنے لگتی ہیں۔ کسی میں چہرہ لمبا کسی میں چوڑا کسی میں بھدا کسی میں خوبصورت حالانکہ صورت ایک ہی قسم کی ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر جماعت مجھ کو اپنا ہم رنگ سمجھتی ہے۔ مگر میں کسی کا ہم رنگ نہیں اپنے ہی خاص رنگ پر ہوں اور اس کی ایک مثال بیان فرمایا کرتے تھے کہ پانی تو اپنے ہی رنگ پر ہوتا ہے مگر جس قسم کی بوتل میں بھر دیا جائے اس کا ویسا ہی رنگ نظر آنے لگتا ہے عجیب مثال ہے میں اس پر یہ پڑھا کرتا ہوں ؎

ہر کسے از ظن خود شد یار من
وز درون من نجست اسرار من

ملفوظ نمبر ۹۴۰ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل لوگوں کی عجیب حالت ہے کوئی بات بھی تو ڈھنگ کی نہیں نہ اعمال ٹھیک نہ اقوال درست نہ اعتقاد کا اعتبار نہ محبت کا بھروسہ۔ بھلا یہ کیا اعتقاد ہے کہ اپنی مرضی کے موافق کوئی بات ہو گئی خوش ہو گئے اعتقاد بگھارنے لگے اگر خلاف ہو گئی تو اعتقاد جاتا رہا کیا یہ اعتقاد ہوا۔ محض الفاظ اعتقاد کے یاد کر لئے ہیں اور زبانی محبت کا دعوےٰ کرنا سیکھ لیا ہے۔ مگر ان چیزوں کی حقیقت سے

بے خبر ہیں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو عشق تھا۔ بعضے لوگ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی شکایتیں کیا کرتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس میرے ہاتھ کہلا بھیجا کہ لوگ تمھاری شکایتیں مجھ تک پہونچاتے ہیں مگر تم بالکل بے فکر رہو مجھ پر کوئی اثر ان شکایات کا نہیں ہوتا اس لئے کہ مجھ کو تم سے حب فی اللہ ہے سو جیسے اللہ کو بقا ہے حب فی اللہ کو بھی بقا ہے اس کو کبھی زوال نہیں ہوتا۔ آج کل لوگوں کے اعتقاد کا مدار فی اللہ نہیں ہے بلکہ اپنے اغراض ہیں جب تک کہ اغراض پوری ہوتی گئیں دوستی ہے ورنہ ختم۔ ایک بزرگ کی حکایت سنی کہ ان کے پیر کسی بات پر ان سے ناراض ہو گئے ہر ممکن ذریعے سے کوشش معافی کی کی معاف نہیں کیا خانقاہ سے نکال دیا چلے گئے۔ اب ان کو اس کی فکر ہوئی کہ شیخ کسی چیز سے خوش ہوتے ہیں اور کسی بات کا شوق بھی ہے اسی کو ذریعہ بناؤں۔ معلوم ہوا کہ شیخ کو بندر کا کھیل بہت پسند ہے اس سے وہ بہت خوش ہوتے ہیں اور واقعی بندر کی حرکتیں ہوتی بھی ہیں بہت دل کش۔ بندریا روٹھتی ہے بندر مناتا ہے۔ اور نہ معلوم کیا کیا خرافات ہوتی ہیں۔ غرض یہ شخص جنگل پہنچے۔ بندر کے بچے پکڑے ان کو پرورش کیا۔ پھر کسی قلندر سے ان کا نچانا سیکھا۔ جب مہارت ہو گئی شیخ کی خدمت میں پہنچے اور درخواست کی کہ بندر کا تماشہ دکھاؤں شیخ نے اجازت دی اور بہت خوش ہوئے اور کچھ انعام دینے کا حکم دیا۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں کچھ نہ لوں گا یہ تماشہ محض حضور کے خوش کرنے کو دکھایا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ تم نے ہم کو خوش کیا ہم تم کو خوش کرنا چاہتے ہیں کچھ اور مانگو۔ عرض کیا کہ اگر مانگوں گا تو حضور دینگے فرمایا کہ ہماری قدرت میں ہوا تو ضرور دینگے۔ عرض کیا کہ قدرت میں ہے واللہ آپکی قدرت میں ہے مگر حضور وعدہ فرمالیں شیخ نے وعدہ فرمالیا۔ عرض کیا کہ میں فلاں شخص ہوں جس کو خانقاہ سے حضور نے ناراض ہو کر نکال دیا تھا۔ اللہ کے واسطے میری خطا معاف کر دیجئے اور مجھ کو خدمت میں رہنے کی اجازت فرما دیجئے۔ شیخ نے سینے سے لگا لیا اور معاف کر دیا اور خانقاہ میں رہنے کی اجازت فرمادی یہ بندروں کو لے جا کر جنگل میں چھوڑ آئے۔ یہ حکایت فرما کر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ وہی کر سکتا ہے کہ جس کو کچھ ملا ہو اور پھر اس میں کمی محسوس ہو اس کی تو یہ حالت ہوگی۔ جس کو فرماتے ہیں ؎

برد لِ سالک ہزاراں غم بود   گر ز باغِ دل خلالے کم بود

ملفوظ ۹۴۱ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کسی مصلح سے تعلق تو پیدا کرنا ضرور چاہیئے۔ لیکن تعلق پیدا کرنے سے قبل دیکھ بھال کر لینے کی سخت ضرورت ہے ویسے ہی کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دینا نہیں چاہیئے اس راہ میں ہزاروں راہزن اور ڈاکو پھرتے ہیں جنھوں نے مخلوق کی گمراہی کا ٹھیکہ لے لیا ہے صورت درویشی کی اختیار کر رکھی ہے اور حقیقت میں بہروپیہ ہیں۔ خدا معلوم لوگ ایسوں کے کیوں معتقد ہو جاتے ہیں عجیب بات ہے کہ جو شریعت سے جتنا دور ہو اس کو درویش اور مقبول سمجھتے ہیں کوئی معیار ہی درویشی کا نہیں صرف چند اختراعی چیزوں کا نام درویشی رکھ لیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی سب کو مکار بھی نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ بعض غلطی میں مبتلا ہوتے ہیں ان کی نیت بری نہیں ہوتی مگر تعلق سے ان کے بھی روکا جائیگا اور اس کی دو وجہ ہیں ایک تو یہ کہ وہ خود غلطی میں مبتلا ہے دوسروں کی کیا رہبری کر سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سے عوام کے عقائد خراب ہونے کا بھی اندیشہ ہے

خصوص اگر تعلق رکھنے والا صاحب علم ہو اس سے انتظام شریعت میں خلل واقع ہوگا اور جو کچھ بھی روک ٹوک کی جاتی ہے شریعت مقدسہ ہی کی حفاظت کے لئے تو کیجاتی ہے ورنہ کس کو علم ہے کہ کون مردود ہے اور کون مقبول

ملفوظ نمبر ۹۴۲ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ با اوقات صورت کا بھی اثر ہوتا ہے اچھی کا بھی اور بری کا بھی۔ اس کے متعلق بزرگوں نے ایک عجیب مسئلہ لکھا ہے وہ یہ کہ جو شخص صوفیوں کی صورت اختیار کرے خواہ ریا سے ہو یا مکاری سے ہو اس کی بھی تحقیر نہ کرو اس لئے کہ آدمی صورت اسی کی اختیار کرتا ہے جس کی عظمت اور احترام قلب میں ہوتا ہے۔ سو یہ نقل کرنا اس کی تو دلیل ہو گئی کہ اس کے دل میں اس جماعت کی عظمت ہے اور اس سے نیچریوں کے شبہ کا جواب بھی نکل آیا وہ جو حدیث من تشبہ بقوم فھو منھم میں اشکال کیا کرتے ہیں کیونکہ اگر ان کے قلب میں اہل باطل کی عظمت اور احترام نہ ہوتا تو ان کے ساتھ تشبہ نہ کرتے۔

ملفوظ نمبر ۹۴۳ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جہلاء صوفیہ نے حقائق کو مٹا ہی دیا۔ رسوم کا اس قدر غلبہ ہے کہ حقیقت تو بالکل ہی مستور ہو گئی۔ ایک صاحب یہاں پر آنا چاہتے تھے اس کی اجازت چاہی میں نے لکھا کہ کس نیت اور کس غرض سے آنا چاہتے ہو پہلے اس کو طے کرو اس کی سخت ضرورت ہے کہ پہلے آدمی اپنے مقصود کو متعین کرلے اس کے بعد کام میں لگے۔ طریق سے کام کرنے میں آدمی منزل مقصود پر پہونچ جاتا ہے اور بے ڈھنگے پن سے ساری عمر بھی اگر خرچ کردے تو مقصود کی ہوا بھی نہیں لگتی۔

۱۵ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم چہار شنبہ

ملفوظ نمبر ۹۴۴ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل دنیا دار لوگ علماء کو حریص اور طامع سمجھتے ہیں اس لئے ان کے دل میں علماء کی وقعت اور عظمت نہیں رہی اور بعض اہل علم بھی ایسی ایسی حرکتیں کرتے ہیں جس سے ان کی بے وقعتی اور بے عظمتی ہوتی ہے۔ میں جب اہل علم کے متعلق ایسی باتیں اور واقعات سنتا ہوں بڑی غیرت آتی ہے۔ میں ضلع اعظم گڈھ گیا ہوا تھا ایک شخص مجھ کو اپنے گھر لے گئے وہاں پر کچھ نذر پیش کی، میں نے کہا کہ گھر پر لاکر دینے میں دوسرے غرباء کی اپنے یہاں لے جانے کی ہمت نہ ہوگی۔ یہی خیال ہوگا کہ ہم کیا دینگے۔ میں جہاں ٹھہرا ہوا ہوں وہاں آکر دو پھر مجھ کو اختیار ہوگا کہ میں لوں یا نہ لوں۔ باقی گھر پر لاکر دینے میں تو دوسرے کو ذلیل کرنا ہے۔ اس پر وہ صاحب خفا ہو گئے اور اپنے مجمع میں یہ کہا کہ میاں یہ بھی ایک تدبیر ہے کمانے کی۔ یہ اغنیاء اکثر اغبیا ہوتے ہیں یہ سنکر مجھ کو ہنسی آئی کہ یہ بھی کمانے کی تدبیر ہے۔ میں نے کہا کہ اگر تدبیر بھی ہے تو موذی تدبیر تو نہیں ایسی تدبیر ہے کہ جس سے

دوسروں کو راحت ہو اور اپنی آمدنی میں کمی نہ آوے۔ زیادہ خفگی کا سبب ایسے موقع پر یہ ہوتا ہے کہ دو چار آدمیوں میں اپنی بات گر گئی ہیٹی ہوئی اور حماقت ثابت ہوئی سو یہ سب ناشی ہے تکبر سے۔

ملفوظ نمبر ۹۴۵ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں نے ایک کارڈ خدمت والا میں روانہ کیا تھا جس میں وصول الی اللہ کی تعلیم کے لئے اور حضرت والا سے بیعت کی درخواست تھی اس کا جواب ہی نہیں ملا۔ میں نے جواب میں لکھا ہے کہ جواب ہی نہیں ملا یا مرضی کے موافق نہیں ملا۔ پھر اس کے بعد لکھتے ہیں کہ مجھ کو بے حد افسوس ہے۔ میں نے لکھا ہے کہ اپنی حالت پر یا میری حالت پر۔ اس پر فرمایا کہ اس میں بھی تعلیم ہی مقصود ہے۔ خدانخواستہ مواخذہ مقصود نہیں تاکہ گول بات لکھنے سے ہمیشہ اجتناب رکھیں۔

ملفوظ نمبر ۹۴۶ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے جس میں بڑا لمبا چوڑا خواب لکھا ہے اب یہاں سے جواب یہ جائیگا کہ مجھ کو تعبیر سے مناسبت نہیں اس پر خفا ہوں گے کہ دو یا ڈھائی آنے بھی کھوئے۔ اس پر فرمایا کہ رکھا کیا ہے خواب میں بیداری کی باتیں پوچھنا چاہیئے اور گو الحمد للہ خواب کی تعبیر سے ایک گونہ مناسبت بھی ہے مگر ان کو تعبیر دینے میں خرابی یہ ہے کہ گویا ان کو ان قصوں میں مشغول رکھنا ہے۔ پھر ہمیشہ خواب ہی لکھا کریں گے یہ خرابی ہے تعبیر دینے میں اور تعبیر نہ دینے میں ان کو اس جہل سے نکالنا ہے۔ ان باتوں پر لوگ مجھ سے خفا ہوتے ہیں اور بداخلاق مشہور کرتے ہیں اس میں کونسی بداخلاقی کی بات ہے کچھ نہیں مذاق ہی لوگوں کا بگڑ گیا۔

ملفوظ نمبر ۹۴۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ صحابہ کی تمام جدوجہد اور دوڑ دھوپ ملک کبیر کے واسطے تھی اسی کے لئے تھا جو کچھ بھی تھا جس کی شان میں ارشاد ہے واذا رأیت ثم رأیت نعیما وملکا کبیرا اس ملک حقیر کے واسطے کچھ نہ تھا اور صحابہ کی تو بہت ہی بڑی شان ہے اولیاء سب ایسے ہی گذرے ہیں۔ دور ہی کیوں جایئے۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ہی کو دیکھ لیجئے۔ فلاں مولوی صاحب راوی ہیں وہ اس وقت وہاں پر موجود تھے اپنے کانوں کی سنی ہوئی اور آنکھوں کی دیکھی ہوئی بات بیان کرتے تھے کہ جس وقت حضرت مولانا مالٹا سے تشریف لائے تو بمبئی کی بندرگاہ پر استقبالی گروہ بہت زیادہ تعداد میں تھا۔ حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اور وہ مولوی صاحب ایک موٹر میں تھے اور بعض مسلمان لیڈر بھی موجود تھے۔ جس وقت حضرت مولانا کا موٹر چلا تو ایک دم اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا۔ اس کے بعد گاندھی کی جے مولوی محمود حسن صاحب کی جے کے نعرے بلند ہوئے۔ حضرت مولانا نے شوکت علی کا دامن پکڑ کر فرمایا یہ کیا۔ اس پر شوکت علی نے کوئی خیال نہیں کیا تو حضرت مولانا نے دوبارہ سختی کے ساتھ فرمایا کہ اس کو بند کرو اس پر شوکت علی نے عرض کیا کہ حضرت جے کے معنی فتح کے ہیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا اگر یہ بات ہے تو رام رام کہا کرو اس لئے کہ رام رام کے معنی اللہ کے ہیں اور حضرت نے پھر فرمایا کہ کچھ بھی ہو شعار کفر ہے اسی طرح حضرت مولانا نے دیوبند اور قرب و جوار دیوبند میں اپنے اہتمام سے گائے کی قربانیاں کرائیں۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہ جذبات تھے۔ ان کے اتباع کے دعوی کرنے والے ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیں۔ اب جو مولانا کی محبت کے مدعی ہیں وہ شریعت کو تو چھوڑ بیٹھے نرا جوش ہے کیا اس کو اتباع کہیں گے خود ہی فیصلہ کرلیں۔ حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی حالت اور جذبات کو اپنے اوپر قیاس

کہتے ہیں چہ نسبت خاک را با عالم پاک اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر — گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

ایک مرتبہ کوئی صاحب دیوبند میں مہمان ہوئے تو یہ مہمان اور حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تشریف لے گئے فلاں مولوی صاحب نے حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت یہ جگہ آپکی قبر کے لئے مناسب ہے فرمایا کہ یہ تمھاری محبت کی بات ہے باقی میرا جی تو نہیں چاہتا عرض کیا کہ اور کہاں چاہتا ہے۔ یہاں تو آپ کے شیخ اور استاد پھر بھی جی نہیں چاہتا۔ فرمایا کہ میدان معرکہ ہو جہاد ہوتا ہو، سر کہیں ہو پیر کہیں ہوں ہاتھ کہیں ہوں دھڑ کہیں ہو۔ قبر کہیں بھی نہ ہو۔ حضرت مولانا کے تو یہ خیالات تھے ان کی کیا کوئی حرص کر سکتا ہے۔

ملفوظ نمبر ۹۴۸ ایک صاحب کی غلطی پر متنبہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ بڑا عیب جو میرے اندر لوگوں کو معلوم ہوا وہ میری صفائی ہے۔ میں فخر کی راہ سے بیان نہیں کرتا بلکہ خدا کی ایک نعمت کا اظہار کرتا ہوں کہ میری وجہ سے کوئی دھوکہ میں نہیں پڑ سکتا۔ ہر بات میری بحمد اللہ صاف ہوتی ہے۔ یہی دوسروں سے چاہتا ہوں کہ ہر بات صاف رکھو دھوکہ مت دو اور دوسرے کو دھوکہ نہ دو۔ دوسری بات یہ ہے کہ یوں اپنی جماعت کے لوگوں سے خصوصاً اور دوسرے لوگوں سے عموماً یہ چاہتا ہوں کہ اپنے اپنے کام میں لگے رہو اور طریقہ اور ڈھنگ سے لگے رہو دوسروں کے کاموں اور معاملات میں دخیل مت بنو اس بات میں مسلمانوں کا یہ مذہب ہونا چاہیئے ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد — کسے را با کسے کارے نباشد

ملفوظ نمبر ۹۴۹ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شہرت کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ اختیار اور طلب سے حاصل ہو یہ تو مضر ہے اور ایک یہ کہ غیر اختیاری ہو وہ نعمت ہے بلکہ اس غیر اختیاری شہرت میں خاص حکمتیں ہوتی ہیں اس لئے یہ شہرت گمنامی سے بھی افضل ہوگی اور عموماً اللہ کے بندہ گمنام ہونا چاہتے ہیں اور اپنے کو مٹاتے اور فنا کرتے رہتے ہیں مگر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اور زیادہ مشہور ہوتے رہتے ہیں باقی فی نفسہٖ مشہور پر مخلوق کا حسد اور طعن وغیرہ بھڑکتا ہے اور اس طرح برستا ہے جیسے مشک کے دہانہ سے پانی گرتا ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

چشمہا و خشمہا و رشک ہا

بر سرت ریزد چو آب از مشک ہا

اور گمنامی بڑی عافیت کی چیز ہے۔ سو جہاں تک ہو سکے بچنے کی تدابیر کرتا رہے اس پر بھی اگر شہرت ہو تو ہو۔

۱۶ر شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم پنجشنبہ

ملفوظ ۹۵۰ ایک نو وارد صاحب نے بطور ہدیہ ایک جانماز حضرت والا کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ میرا معمول ہے کہ میں اول ملاقات میں ہدیہ قبول نہیں کرتا۔ نیز اس شخص کا ہدیہ بھی جس سے بے تکلفی نہ ہو۔ عرض کیا کہ میں حکم خدا سے لایا ہوں مجھ کو حکم ہوا ہے کہ جانماز خرید کر لے جاؤ اور پیش کر دو۔ فرمایا کہ خدا کا حکم نبیوں کے پاس آتا ہے غیر نبی کے پاس حکم نہیں آتا۔ عرض کیا کہ دل میں ڈال دیا گیا۔ فرمایا کہ میرے دل میں یہ ڈالا گیا ہے کہ یہ طریقہ مت لو۔ عرض کیا کہ طریقہ بتلا دیجئے۔ فرمایا کہ مجھ کو ہی ہدیہ دو اور مجھ سے ہی طریقہ پوچھو۔ شرم نہیں آتی۔ تم کو تو شرم نہیں کیا مجھ کو بھی بے شرم اور بے غیرت بنانا چاہتے ہو۔ جاؤ باہر اور کسی سے طریقہ پوچھو اٹھو یہاں سے۔ وہ صاحب اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت والا نے اہل مجلس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اس منظر کو دیکھ کر فیصلہ کیجئے کہ صریح مسلک کو ظاہر کر دینے پر بھی مخالفت کرتے ہیں۔ آخر کہاں تک تغیر نہ ہو اگر اخلاق کے یہی معنی ہیں تو دنیا میں صرف ایک ہی فرقہ اخلاق والا ہے اور وہ غلاموں کا فرقہ ہے۔ اصول تو دنیا میں رہے ہی نہیں نرا وصول رہ گیا (یعنی نذرانوں کا) مجھ کو اس کی شکایت نہیں کہ انھوں نے ہدیہ کیوں پیش کیا اس لئے کہ نو وارد ہیں۔ یہاں کے اصول اور معمولات سے ناواقف ہیں شکایت اس کی ہے کہ بتلانے پر بھی مخالفت اور بے ڈھنگی اور بے تکی باتیں ہانکے چلے جاتے ہیں۔ میں ہدیہ کے اصول بتاتا ہوں وہ اپنے الہامات کو بیان کرتے ہیں۔ یہ ہے وہ چیز کہ جس کی بدولت میں بدنام کیا جاتا ہوں کہ سخت ہے۔ میری سختی اور ان کی نرمی اس واقعہ میں ملاحظہ ہو۔ اب یہ یہاں سے جا کر ادھوری اور ناتمام بات بیان کرینگے اور یہ کہیں گے کہ میں کچھ دیتا تھا لیا نہیں اور خفا ہو گئے۔ میں کہتا ہوں کہ جو شعار اسلام ہیں وہ اعظم الشعائر ہیں۔ مثلاً نماز ہے روزہ ہے ان کی بھی شرائط ہیں۔ کیا لینے کی کوئی شرط نہ ہو۔ حدیث میں آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ میں فلاں فلاں قبائل کے سوا کسی سے ہدیہ نہ لوں گا۔ یہ اعلان حضور نے کیوں فرمایا۔ اگر لینے میں کوئی شرط نہ تھی۔ موٹی بات ہے کہ میری کوئی نوکری نہیں۔ جائداد نہیں۔ یہی ذریعہ آمدنی کا ہے۔ پھر اس پر بھی میرا بعض چیز نہ لینا صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ اس میں کوئی بہت بڑی مصلحت ہو گی جس کی وجہ سے اپنی آمدنی میں کھنڈت ڈالتا ہوں۔ خدانخواستہ میں پاگل تھوڑا ہی ہوں ایک وجہ تو اس وقت ہی ظاہر کئے دیتا ہوں اکثر دینے والے یوں سمجھتے ہیں کہ اگر کچھ نہ دینگے تو توجہ نہ کرینگے کتنا برا خیال ہے اس کے معنی تو یہی کہ یہ رشوت ہے تاکہ اس کی وجہ سے توجہ ہو تو ہدیہ سے جو غرض تھی کہ جس کو دیا گیا اس کا جی خوش ہو۔ وہ تو آئی گئی ہوئی۔ کیا یہ بات قابل اصلاح نہیں اجی لینے سے اپنا تو بھلا ہو جائے گا مگر آنے والوں کی کم بختوں کی تو راہ

ماری گئی۔ ان کو تو اس خیال سے رہتے ہوئے نفع باطنی نہیں ہو سکتا اس لئے اپنا ضرر دنیا کا دوسروں کے دین کی وجہ سے گوارا کرتا ہوں اپنی مصلحت دنیوی پر دوسروں کی دینی مصلحت کو مقدم رکھتا ہوں اور واقع میں ضرر میرا بھی نہیں البتہ عدم النفع ہے گو عدم النفع بھی عرفاً ضرر ہی کی ایک قسم ہے۔

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بظاہر حالت ان صاحب کی جنون کی سی معلوم ہوتی ہے کہ ان کو جنون ہے فرمایا کہ بعض جنون کا علاج ڈنڈا اور جوتا ہوتا ہے ان سے دماغ درست ہو جاتا ہے میں اس کے متعلق کہا کرتا ہوں کہ گائے بیل غیر مکلف ہیں لیکن جب وہ سینگ مارتے ہیں تو ان کے ڈنڈے کیوں مارتے ہو جبکہ وہ مکلف نہیں اس سے معلوم ہوا کہ غیر مکلف سے بھی انتقام لینا جائز ہے۔ اور ایک بات یہ بھی ہے کہ ان میں عقل نہ ہو مگر حواس تو ہوتے ہیں تو عقل نہ ہونے سے غیر مکلف شرعی سہی لیکن حواس ہونے سے جواز مکافات میں تو مکلف ہوگا۔ مجھے ان قواعد اور اصول سے انتقام مقصود نہیں ہوتا بلکہ اپنی حفاظت مقصود ہوتی ہے بلکہ توسع کر کے کہتا ہوں کہ طرفین کی حفاظت مقصود ہوتی ہے۔

ملفوظ ۹۵۱ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مسلمانوں کی کامیابی کو کس کا جی نہیں چاہتا ہر مسلمان کا چاہتا ہے مگر اس کی کوئی صورت بھی ہو قوت اور وسعت کو بھی تو دیکھا جائے گا اگر دھوپ آنے میں کوئی دیوار حائل ہو اور جی چاہتا ہے کہ دھوپ آئے تو اس دیوار کے ہٹانے کا آخر کیا طریقہ ہے کیا یہ طریقہ ہے کہ اس دیوار میں ٹکریں مارے ہٹانے کے لئے اگر ایسا کرے گا تو جو نتیجہ ہوگا ظاہر ہے۔ ہماری حالت تو یہ ہے کہ دو مسلمان مل کر کے اتفاق سے کوئی کام نہیں کر سکتے۔ پھر اس پر ایسے بلند خیالات۔ کیا ایسی قوم کبھی فلاح پا سکتی ہے اگر مسلمانوں میں اہلیت ہوتی تو حیاۃ المسلمین اور صیانۃ المسلمین ہی ان کے دستور العمل کے لئے کافی ووافی ذخیرہ ہے اس میں مسلمانوں کی دنیا اور آخرت سب کی بہبود اور فلاح کا کافی ذخیرہ ہے اور کام تو کرنے ہی سے ہوتا ہے بدون کئے کچھ نہیں ہوا کرتا اور اس کرنے میں بھی یہ شرط ہے کہ طریقہ سے اور اصول و قواعد و حدود شرعیہ کا تحفظ کرتے ہوئے کیا جائے اور یہ سب کچھ حیات المسلمین اور صیانۃ المسلمین میں موجود ہے۔ اگر مسلمان ان کو اپنا دستور العمل بنائیں۔ میں خدا کی ذات پر بھروسہ کر کے کہتا ہوں کہ وانتم الاعلون کا ظہور ہو جائے۔

ملفوظ ۹۵۲ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حد سے گذر کر ہر چیز مذموم ہے۔ حدیث میں تعلیم ہے کہ حد سے گذر کر دوستی مت کرو ممکن ہے کہ کسی دن بغض ہو جاوے۔ اسی طرح حد سے گذر کر دشمنی مت کرو ممکن ہے کہ پھر تعلقات دوستی کے ہو جائیں تو اس وقت شرمندگی ہوگی کہ ہم نے اس شخص کے ساتھ کیوں دشمنی کی تھی۔ غرض اسلامی تعلیم میں ہر طرح کی راحت ہی ہے کیسی پاکیزہ اور عجیب تعلیم ہے۔ سبحان اللہ یہ باتیں ہیں قابل وجد۔ لیکن ڈھولک اور سارنگی کے وجدیوں کو ان چیزوں کی کیا خبر ان کو تو حظوظ نفسانی میں ابتلاء ہے۔ حقائق سے بالکل کورے ہیں۔

۱۶؍ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم پنجشنبہ

ملفوظ ۹۵۳ آج ہی کی تاریخ مجلس خاص بوقت صبح کا اس سے تین ملفوظات پہلے کا ملفوظ ملاحظہ ہو۔ حضرت والا نے جن نو وارد صاحب سے جانماز کا ہدیہ قبول فرمانے سے انکار فرما دیا تھا اُن صاحب پر عدم قبول ہدیہ کی وجہ سے اس قدر رنج اور حزن کا غلبہ ہوا کہ قریب گیارہ بجے دن سے نماز ظہر کے وقت تک ان پر گریہ طاری رہا حتّٰی کہ عین نماز جماعت ظہر میں بھی روتے ہی رہے۔ حضرت والا نے بعد فراغ نماز ظہر ان صاحب کو اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ آپ اس طرز کو چھوڑ دیئے اور سکون ہوش میں آ کر دل کی بات کہیئے۔ عرض کیا کہ آپ کو تو میرے دل کی حالت بغیر بتلائے ہوئے معلوم ہے۔ فرمایا تو بہ کیجئے مجھ کو علم غیب تھوڑا ہی ہے بدون بتلائے ہوئے مجھ کو کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔ عرض کیا کہ آپ قطب ہیں۔ غوث ہیں۔ مجدد ہیں محقق ہیں حکیم الامت ہیں آپ کو معلوم نہ ہوگا تو اور کس کو ہوگا۔ فرمایا کہ دوسروں کے دل کی تو حالت معلوم نہیں اور نہ میں اس درجہ کا ہوں ہاں اپنی حالت معلوم ہے وہ یہ کہ خدا کا ایک بندہ ہوں اور گنہ گار ہوں رو سیاہ ہوں بد کار ہوں مگر ان باتوں سے کیا لینا ان کو چھوڑ دیئے اور اپنی حالت بیان کیجئے میں انشاء اللہ تعالیٰ اطمینان سے سن کر اس کا جواب دوں گا اور بدون زبان سے کہے ہوئے تو باستثناء بعض حالات کے حق تعالیٰ بھی بندے کے ایمان کو درجۂ تام میں قبول نہیں فرماتے تو جب بدون زبان سے کہے خدا تعالیٰ سے بھی اپنا کام نہیں بنا سکتے تو میں تو ایک بندہ اور وہ بھی گنہگار مجھ سے کیسے کام چلے گا۔ عرض کیا کہ میں کہنا نہیں جانتا۔ فرمایا کہ دیکھو اتنا بڑا سفر کیا۔ روپیہ اور وقت صرف کیا تو جس غرض سے اتنا بڑا کھیڑہ سر دھرا یہ سب کچھ کیا اس کے اظہار میں کون امر مانع ہے۔ اب تو محض زبان ہلانا باقی ہے جو بہت آسان کام ہے اس پر وہ صاحب خاموش رہے۔ حضرت والا نے ایک کوڑے میں پانی منگا کر اس پر دم فرما کر ان صاحب کو بلایا پانی پیتے ہی حواس درست ہو گئے اور یہ عرض کیا کہ مجھ کو خواب میں یہ الہام ہوا کہ ایک جانماز خرید کر لے جاؤ وہ یہاں پر قبول نہ ہوئی فرمایا کہ نہ خواب کوئی معتبر چیز اور نہ الہام صرف وحی کا اتباع ضروری ہے پھر یہ کہ آپ کا الہام آپ پر حجت ہے۔ مجھ پر حجت نہیں۔ نہ میں اپنے الہام پر آپ کو مجبور کر سکتا ہوں اور نہ تم اپنے الہام پر مجھ کو مجبور کر سکتے ہو۔ اور آپ کو جو الہام ہوا تھا کہ جانماز خرید کر لے جاؤ تم نے اس پر عمل کر لیا۔ اتنے ہی کے تم مکلف تھے باقی اُس الہام یا خواب میں یہ تو نہیں کہا گیا تھا کہ قبول بھی ہو جاوے گی۔ عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا کہ چلو بس چھٹی ہوئی تم اپنا کام کر چکے۔ اس پر مصر ہونے کی ضرورت نہیں۔ دوسرے یہ کہ جیسا آپ کا خدا کے ساتھ معاملہ ہے میرا بھی تو کچھ معاملہ ہے تو یہ آپ کی محبت مجھ سے کیسی ہے کہ اپنا معاملہ تو اُس حد تک نبھانا چاہتے ہو جہاں تک کہ آپ مکلف بھی نہیں اور میرے

معاملہ کو بالکل ہی نظر انداز کر رہے ہو تو تم تو علی سبیل التسلیم اتنے ہی مکلف ہو کہ آپ کو الہام ہوا حکم ہوا پیش کرنے کا خرید کر لانے کا وہ تم کر گزرے حکم کی بجا آوری ہوگئی باقی قبولیت عدم قبولیت کا نہ آپ کو الہام ہوا نہ حکم پھر اس کے درپے ہونا حد سے تجاوز کرنا ہے سو یہ کہاں تک صحیح مانا جا سکتا ہے اس عنوان سے وہ صاحب متاثر ہوئے اور عرض کیا کہ اب میں حضرت والا کے کسی امر کے خلاف نہ کروں گا اور جو ارشاد ہوگا ویسے ہی قبول کروں گا اور بجا لاؤں گا۔ فرمایا کہ اب راہ پر آئے یہ بات ایک کام کی کہی اس سے میرا بھی جی خوش ہوا۔ اب یہ بتلاؤ کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہو کیا یہ سوچ سمجھ کر اور دل سے کہہ رہے ہو عرض کیا کہ جی سوچ سمجھ کر اور ہوش و حواس سے عرض کر رہا ہوں۔ فرمایا کہ جب ہوش درست ہیں تو اب بغور سن لو میں بغرض خیر خواہی مشورہ دیتا ہوں کہ اس طریق میں حال قال خواب الہام کیفیات لذات کوئی چیز نہیں بڑی چیز احکام ہیں ان کا اتباع کرنا چاہیئے۔ اور اس کی بہت سہل تدبیر عرض کرتا ہوں کہ کسی کو اپنا بڑا بنا کر اس کا اتباع کرو یہ مشورہ خیر خواہی کی بنا پر عرض کر رہا ہوں اور تم جو خود رو کام کرتے ہو یہ سب اس کی خرابی ہے اور آئندہ زیادہ خرابی کا اندیشہ ہے۔ بدون کسی کے اتباع کئے ہوئے اور بڑا بنائے ہوئے اس راہ میں بڑے خطرے ہیں آپ کو خبر نہیں اس راہ میں اس قدر راہزن ہیں جس کی کوئی انتہا نہیں بدون رہبر کامل اس راہ میں قدم رکھنا نادانی ہے یہ بہت بڑا دشوار گذار راستہ ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

یار باید راہ را تنہا مرد   بے قلاوز اندریں صحرا مرد

اور فرماتے ہیں ؎

قال را بگزار مرد حال شو   پیش مردے کاملے پامال شو

اسی طرح اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے اس کی سخت ضرورت ہے کہ اپنی رائے کو فنا کر دے۔ بندگی بیچارگی ہے۔ محبوب جس حال میں رکھیں رہنا چاہیئے اپنی رائے کو دخل دینا بالکل شان عبدیت کے خلاف ہے ہم کو کیا خبر کہ ہمارے لئے کس چیز میں شر ہے اور کس چیز میں خیر وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں اسی میں خیر ہے۔ پھر فرمایا کہ میں جا نماز قبول بھی کر لیتا مگر ایسے غلبہ کے وقت فقہاء کا فتوے ہے کہ مغلوب الحال کا اپنے مال میں بھی تصرف جائز نہیں اور آپ کی مغلوبیت کی حالت قرائن سے معلوم ہو گئی تو ایسی حالت میں لینا کب جائز ہے۔ خود جواز ہی میں شبہ ہے۔ اگر یہ اور کہیں جاتے تو جا نماز تو بیچاری کیا چیز ہے یہاں تک نوبت ہوتی کہ حالت جوش اور غلبہ میں جو کچھ بھی جیب میں ہے وہ بھی نکال کر نذر کر دیں۔ خدا کا خوف ہونا چاہیئے ہر امر میں اتباع شریعت ہونا چاہیئے۔

ملفوظ ۹۵۴ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں اپنے لڑکے کو دندان سازی کا کام سکھانا چاہتا ہوں۔ اگر حضرت والا ایک سفارشی چٹھی لاہور ڈاکٹر صاحب کو لکھ دیں تو امید ان کی زیادہ توجہ کی ہے۔ فرمایا لکھنے سے مجھ کو انکار نہیں لیکن بڑی چیز استاد شاگرد میں مناسبت ہے اس لئے پہلے سفارش کا بار ڈالنا مناسب نہیں اس سے یہ ہوتا ہے کہ جی چاہے یا نہ چاہے مناسبت ہو یا نہ ہو عمل کرنا پڑتا ہے اور جو شرائط وہ کام سکھانے کے متعلق لگاتے سفارش کے بعد بوجہ آزادی نہ ہونے کے وہ نہ لگا سکیں گے آزادی ان کی سلب ہو جائے گی۔

بہرصورت یہ کام شروع کر دیں اس وقت توجہ خاص کے لئے میں سفارش کر دوں گا یہ سفارش سونے پر سہاگہ کا کام دے گی اور اول ہی ہیں سفارش کرنے پر ان کا دل تنگ ہوگا اگر ہر کام طریق اور اصول سے ہو تو کسی کو بھی تکلیف اور گرانی نہ ہو۔ لوگ ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتے مجھ کو بحمد اللہ ان سب باتوں کا خیال رہتا ہے اسی وجہ سے لوگ مجھ سے خفا ہیں مزاحاً فرمایا کہ کسی ضروری چیز کا خفا نہیں رکھتا صاف کہہ دیتا ہوں اس لئے خفا ہوتے ہیں۔

ملفوظ نمبر ۹۵۵ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں اہلِ کمال میں تصنع نہیں ہوتا یہ خاصہ ہے کمال کا خواہ وہ کمال کسی قسم کا ہو ہر اہلِ فن اور اہلِ کمال کی یہی حالت ہوتی ہے وجہ یہ ہے کہ اس کے حظ کے لئے خود کمال ہی کافی ہے۔ دوسروں پر ظاہر کرنے کی اور تصنع کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ کمال کا ظاہر اور باطن ایک ہوتا ہے اُن کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ کوئی کیا کہے گا۔ دوسرا جو کہے گا یہ اُس سے زیادہ خدا نے کو کہنے کو تیار ہیں۔ میں بھی اپنی حالت بیان کرتا ہوں حالانکہ میں اہلِ کمال سے بھی نہیں، ہاں اہلِ کمال کو دیکھا ضرور ہے اس کا یہ اثر ہے کہ بحمد اللہ ذرہ برابر بھی وسوسہ نہیں ہوتا کہ کوئی کیا کہے گا۔ اس کے متعلق اکثر یہ پڑھا کرتا ہوں ؎

میں گلہ کرتا ہوں اپنا تو نہ سن غیر کی بات ہیں یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہیں

بعض جگہ سے خواب لکھے ہوئے آتے ہیں لکھ دیتا ہوں کہ مجھ کو تعبیر سے مناسبت نہیں۔ بعضے استفتے آتے ہیں اُن پر لکھ دیتا ہوں کہ مدرسہ دیوبند یا سہارنپور سے معلوم کرلو۔ بعض آدمی اعتراض لکھ کر بھیجتے ہیں۔ میں جواب ہی نہیں دیتا خواہ وہ معترضین یہی سمجھتے ہوں کہ کچھ آتا جاتا نہیں۔ اور ایک وجہ جواب نہ دینے کی یہ بھی ہوتی ہے کہ معترض کے بدلے جواب کو سمجھے گا کون اس لئے بھی جواب دینے کو دل نہیں چاہتا۔ ہاں سمجھدار منصف آدمی اعتراض کرے تو جی چاہتا ہے جواب دینے کو اُس سے خطاب کر کے جی تو خوش ہو جاتا ہے۔

ملفوظ نمبر ۹۵۶ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں قرآن مجید خوش آوازی کے ساتھ پڑھنے کے متعلق فرمایا کہ گانا اور چیز ہے خوش الحانی اور مزین ہونا اور چیز ہے سب کے درجات اور احکام جدا جدا ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ سادہ قرآن شریف پڑھنے میں جو حُسن اور دلربائی ہوتی ہے۔ بنا کر پڑھنے سے وہ بات نہیں ہوتی اور اس کے یہ معنی نہیں کہ سادہ بنانے کی کوشش کی جائے ہاں ترکِ تکلف کی کوشش کی جائے پھر چاہے وہ سادہ ہو جاوے یا مزین ہو جاوے اور اگر پھر مزین پڑھنے کو گانا کہا جائے جیسا کہ بعض خشک مزاجوں کا خیال ہے تو خود معترض صاحب بھی گانے سے خالی نہیں جس کا میں ایک معیار عرض کرتا ہوں اس سے اندازہ ہو جائے گا وہ یہ ہے کہ جو محض اس کا مدعی ہو کہ میں سادہ قرآن پڑھنے والا ہوں اس کو شافیہ کافیہ دیا جائے وہ اس کو پڑھے اس کا ایک لہجہ ہوگا پھر اس سے قرآن شریف پڑھوا لیجئے۔ اب شافیہ کافیہ کے لہجے اور قرآن شریف کے لہجے میں جتنا فرق ہوگا وہی گانا ہے اور اس سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا۔ قرآن شریف کے پڑھنے میں ایک خاص ممتاز شان ہوتی ہے جس کو ایک عیسائی پادری نے لکھا ہے وہ لکھتا ہے کہ مسلمان غایتِ شوق میں قرآن شریف کو گیت کے طرز پر پڑھتے ہیں۔ مراد یہی ممتاز لہجہ ہے۔ ایک

بات ایک اور پادری نے لکھی ہے کہ جس قدر ادب قرآن شریف کا مسلمان کرتے ہیں ہم اس قدر ادب انجیل کا نہیں کرتے۔ باتیں دونوں صحیح لکھی ہیں۔ یہ لوگ رات دن اسی کھود کرید میں لگے رہتے ہیں اس لئے کبھی واقع تک بھی پہونچ جاتے ہیں۔

ملفوظ نمبر ۹۵۷ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ گانے سے مرض کا علاج ہو جانا کونسی عجیب بات ہے اس لئے کہ اصل میں صحت کا مدار ہے نشاط طبیعت پر تو اگر وہ گانے سے حاصل ہو جائے تو علاج مرض کا ہو سکتا ہے اور اس سے مرض زائل ہو سکتا ہے اور اس کے اور بھی بعضے بُرے آثار ہیں۔ تان سین کے گانے کی یہ حالت تھی کہ اُس سے بارش ہو جایا کرتی تھی۔ اس راگنی کو لار کہتے ہیں۔ ایک اور راگنی ہے اُس کا نام ہے دیپک اُس سے چراغ روشن ہو جاتا ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی تھی کہ دہلی میں ایک شخص تھا اس نے ایک بار گایا ہے اُس سے تمام در و دیوار میں ایک زلزلہ تھا اسی طرح اس سے بعض اوقات نفس میں مذموم ہیجان پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اس سے ممانعت فرمائی گئی۔

ملفوظ نمبر ۹۵۸ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس میں اختلاف ہے کہ ذمی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی یا کسی قسم کی اہانت کرے تو وہ حربی ہو جاتا ہے یا نہیں۔ میں اس کے متعلق عرض کرتا ہوں کہ گستاخی کی ایک صورت تو یہ ہے کہ بطریق طعن و استہزاء کے رسالت کی نفی کرے اس صورت میں عہد ٹوٹ جاتا ہے۔ اس باب میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں وان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم وطعنوا فی دینکم اس تفصیل سے اقوال مختلفہ میں تطبیق ہو گئی۔

ملفوظ نمبر ۹۵۹ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تبلیغ کا کام بڑا کام ہے اور اس کا ادب یہ ہے کہ مبلغ کو اپنا کام کر دینا چاہیئے کسی ثمرہ کا انتظار نہ کرنا چاہیئے۔ ثمرہ جن کے قبضہ میں ہے جب حکمت اور مصلحت ہو گی وہ مرتب فرما دینگے اور اگر نہ مرتب فرمائیں تو یہ بھی ایک ثمرہ ہے کہ کوئی ثمرہ نہیں سو آدمی کو اس کد و کاوش میں نہ پڑنا چاہیئے آدمی اپنا کام کرے جو کہ اختیاری ہے ثمرہ غیر اختیاری کے درپے نہ ہو۔

۱۷ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز جمعہ

ملفوظ نمبر ۹۶۰ فرمایا کہ ایک بی بی کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ بعض عورتیں ایسی ہیں کہ وہ قرض لیجاتی ہیں اور پھر واپس نہیں دیتیں اب میں یہ کرتی ہوں کہ جب کوئی قرض مانگنے آتی ہے کہدیتی ہوں کہ میرے

پاس نہیں اس جھوٹ سے بچنے کا علاج فرمایا جاوے۔ میں نے لکھدیا کہ اس جھوٹ سے گناہ ہی نہیں ہوتا۔ اسی سلسلے میں فرمایا کہ ضرر سے بچنے کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ لوگ شریعت کو تنگ بتلاتے ہیں کیا یہ تنگی ہے اور اس میں ایک تاویل بھی ہوسکتی ہے کہ اس وقت میرے پاس جیب میں نہیں مگر ایسی تاویل کی ضرورت ہی کیا ہے۔

ملفوظ نمبر ۹۶۱ فرمایا کہ ایک رئیس کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ باوجود جاہ اور حکومت کے نکالنے کے پھر بھی میرے دماغ سے جاہ اور حکومت کی بو نہیں نکلی۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ آپ صرف نکالنے کے مکلف ہیں۔ نکلنے کے نہیں اگر نکالنے پر بھی نہیں نکلی رہنے دیجئے آپ کا ضرر ہی کیا ہے۔ پھر اس پر فرمایا کہ کیا کہیں دوسری جگہ تربیت کے باب میں اتنی سہولت ہے۔

ملفوظ نمبر ۹۶۲ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ دوسروں کی تکلیف نہیں دیکھی جاتی تکلیف میں دیکھ کر امداد کرتا ہوں پھر خود کو تنگی ہوتی ہے۔ اس کا علاج فرمایئے۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ اپنی راحت اور دوسروں کی راحت علی درجہ الکمال جمع نہیں ہوسکتی اب اس میں دو مشرب ہیں بعض کو اپنی راحت مقدم ہوتی ہے اور بعض کو دوسروں کی اب اپنا تحمل اور قوت وہمت دیکھ لیں۔ جب تک آدمی برداشت کرسکے کرے جب اپنے کو تکلیف ہونے لگے چھوڑ دے۔ دوسرے کی تقدیم میں کبھی یہ خرابی ہوتی ہے کہ حقوق واجبہ فوت ہونے لگتے ہیں اور ان بزرگ کا سوال کرنا یہ خود دلیل ہے۔ عدم تحمل کی۔

ملفوظ نمبر ۹۶۳ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا تھا اس میں تعلیم کی درخواست کی تھی۔ میں نے لکھ دیا کہ میرے بیس وعظ دیکھو اور عمل کرو پھر اپنی حالت سے اطلاع دو کہ کوئی انقلاب ہوا یا نہیں۔ بیس[20] وعظ کو دیکھ کر لکھا کہ کوئی انقلاب میری حالت میں نہیں ہوا۔ میں نے لکھا کہ کیا اصلاح کی نیت سے وعظ نہیں دیکھے تھے یا اُن میں اصلاح کے مضامین نہ تھے یا تم میں کوئی بات قابلِ اصلاح نہیں ہے لکھا ہے کہ میں نے اصلاح کی نیت سے نہ دیکھے تھے۔ میں نے لکھا کہ اب اس نیت سے دیکھو۔ آج خط آیا ہے لکھا ہے کہ الحمد للہ بے حد نفع ہوا اور ایک عظیم انقلاب پیدا ہوگیا۔ اب اگر کوئی وظیفہ بتلا دیتا اس سے یہ کام تھوڑا ہی بن سکتا تھا۔ آدمی قاعدہ سے کام کرے اللہ تعالے نفع دینے والا ہے خود اپنی رائے سے کام کرتے ہیں پریشان ہوتے ہیں۔ آج کل ان رسمی اور دکاندار پیروں نے لوگوں کی راہ مار رکھی ہے۔ لمبے چوڑے وظائف بتلا دیتے ہیں۔ بھلا کہیں وظائف سے اصلاح ہوسکتی ہے۔ اصلاح تو اصلاح ہی کے طریق سے ہوسکتی ہے۔

۱۸ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم شنبہ

ملفوظ ۹۶۴ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شیخ کی نری توجہ سے کیا ہوتا ہے جب تک کہ آدمی خود اپنی اصلاح کی فکر اور خیال نہ کرے اور غریب شیخ اور بزرگ تو کس شمار میں ہیں خود حضرات انبیاء علیہم السلام کی توجہ بھی کافی نہ ہوئی جب تک کہ دوسرے نے خود اصلاح کی فکر نہ کی۔

ملفوظ ۹۶۵ (تمہید و تنبیہ ضروری) ہر مقصود کے حاصل کرنے کا ایک خاص طریق ہے دوسرے طریق سے حاصل کرنا دوسرے مقصود میں مخل ہو جاتا ہے تمام ملفوظ اسی پر متفرع ہے) ایک نووارد صاحب نے کہ جن کو حضرت والا سے بے تکلفی حاصل نہ تھی مسائل فقہی کے متعلق سوال کرنا چاہا۔ فرمایا کہ سوالات کے لئے آپکو یہاں نہیں آنا چاہیئے۔ یہ نطق کی مجلس نہیں سکوت کی مجلس ہے۔ یہ علمی مجلس نہیں عملی مجلس ہے آپ نے سکوت کا نفع محسوس نہیں کیا سکوت کا نفع محسوس ہونے پر آپ کو خود معلوم ہوگا کہ بولنا میرا لغو حرکت تھی آپ نے سکوت کی قدر نہ کی حالانکہ سکوت بڑی دولت اور بڑی نعمت ہے۔ آخر کیوں بیٹھے بیٹھے آپ کو بولنے کا جوش اٹھا۔ دوسرے لوگوں کے بولنے پر آپ کو قیاس نہ کرنا چاہیئے تھا اس لئے کہ ہر جگہ کے جدا آداب اور جدا اصول ہوتے ہیں جو لوگ بول رہے ہیں ان سے میرا تعلق بے تکلفی کا ہے اور جن سے بے تکلفی ہے وہ اس قاعدہ سے مستثنے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہاں سے آپ کے وطن تک تمام اہل علم ہی اہل علم بھرے ہوئے ہیں مدارس ہیں اور ان میں مفتی موجود ہیں کیا یہ سوال آپ اور جگہ نہیں کر سکتے تھے مجھ کو ہی کیوں تجویز کیا۔ کیا اس میں کوئی خاص راز اور کوئی خاص حکمت اور مصلحت ہے اگر ہے تو میں بھی اس کے سننے کا مشتاق ہوں۔ کیوں آپ لوگ ستاتے ہیں اور کیوں خود بھی پریشان ہوتے ہیں کیا ان باتوں میں آپ لوگوں کو مزہ آتا ہے۔ آپ یہ سوال نہ بھی کرتے جب بھی عالم ہی سمجھے جاتے۔ میرا تو اس سے بھی دل کڑھتا ہے کہ ایک شخص محبت کی وجہ سے اپنا گھر بار چھوڑ کر بال بچوں سے جدا ہو کر روپیہ اور وقت صرف کر کے آیا اور پھر میں اس سے ایسی خشک گفتگو کروں، مگر کیا کروں اگر غلطیوں پر متنبہ نہ کروں تو یہ بھی خیانت ہے۔ جیسے طبیب کے پاس کوئی مریض علاج کے لئے جائے اور طبیب یہ سمجھ کر کہ مہمان ہے اور دور سے آیا ہے اس کو کڑوی دوا نہ بتلائے متعارف خوش اخلاقی کا برتاؤ کرے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہ طبیب خائن ہے۔ میں ہمدردی کی بنا پر مشورہ دیتا ہوں کان کھول کر سن لیجئے کہ یہاں پر تو محض اس لئے آنا چاہیئے کہ مجلس میں خاموش بیٹھا رہے اور باتیں سنا کرے اس میں بھی یہ شرط ہے کہ جو بات سمجھ میں نہ آوے اس کے متعلق سوال نہ کیا جائے اس کو چھوڑ دیا جاوے پھر کسی دوسرے وقت انشاء اللہ سمجھ میں آجاوے گی۔ یہاں کا آنا تو محض اس لئے ہو

کہ وہ باتیں سنے جن کی دوسری جگہ کانوں میں پڑنے کی امید نہ ہو۔ آپ سکوت کرکے دیکھیں اور پھر یہاں سے جاکر جو اس کا نفع محسوس ہو اس کی اطلاع دیں۔ آپ ہی انصاف کیجئے کہ یہاں پر تو ہر وقت علماء کا مجمع رہتا ہے تو کیا ہر وقت مسائل کی تحقیق کیا کروں۔ دوسرے میں خود اپنی ضرورت کے وقت دوسرے علماء سے مسائل پوچھ پوچھ کر عمل کرتا ہوں مجھ کو پورا استحضار بھی نہیں رہا۔ یہ کام دوسری جگہ بڑے اہتمام سے ہو رہا ہے اور جو کام یہاں پر ہو رہا ہے وہ دوسری جگہ نہیں ہو رہا۔ میرا یہ بھی تجربہ ہے کہ جو یہاں پر آکر فقہی مسائل کی تحقیق کرتے ہیں وہ دوسرے مقصود سے بالکل محروم ہوتے ہیں۔ یہاں پر رہ کر اپنے کو مٹانا چاہیئے فنا ہو کر بیٹھنا چاہیئے فنا ہو کر بیٹھنا چاہیئے اس طریق کا یہی ادب ہے کہ یہی پتہ نہ چلے کہ یہ صاحب علم ہیں اس طرز سے سوالات کرنے میں اپنے اظہار علم کی جھلک مارتی ہے کہ ہم بھی صاحب علم ہیں اس سے بھی شرم آنی چاہیئے کچھ معلوم بھی ہے کہ ایسے سوالات سے فیض بند ہو جاتا ہے اس لئے کہ اس کا مدار ہے بشاشت و انشراح قلب پر اور ایسی باتوں سے تکدر اور انقباض ہو جاتا ہے اس لئے فیض بند ہو جاتا ہے بہت ہی نازک بات ہے۔

محققین نے فرمایا ہے کہ شیخ سے کتاب نہیں پڑھنی چاہیئے وجہ یہ ہے کہ اس میں قیل و قال ہوتی ہے اور یہ استاد شاگردی ہی میں مناسب ہے۔ پیری مریدی میں مناسب نہیں۔ میں کسی بات کا اخفا کرنا نہیں چاہتا صاف کہتا ہوں کہ میں تو گویا بغدادی قاعدہ پڑھاتا ہوں۔ میں نے اپنے ذمہ ایک چھوٹا کام لے لیا ہے۔ اور حضرات بڑے بڑے کام کر رہے ہیں مگر یہ چھوٹا کام ایسا ہے کہ دوسری جگہ کہیں نہیں ہو رہا ہے۔ جس مکتب میں الف بے تے پڑھائی جاتی ہو وہاں شمس بازغہ لے کر بیٹھنا نادانی ہے۔ میں تو کھلم کھلا کہتا ہوں کہ عالم بننا ہو اور جگہ جایئے کامل بننا ہو اور جگہ جایئے۔ بزرگ اور ولی بننا ہو اور جگہ جایئے۔ قطب اور غوث بننا ہو اور جگہ جایئے۔ آدمی بننا ہو انسان بننا ہو یہاں پر آیئے۔ دیکھئے وضو نماز کے مقابلہ میں گھٹیا چیز ہے مگر بدون وضو نماز نہیں ہوتی۔ تو میں وضو کراتا ہوں نماز کہیں اور جاکر پڑھو۔ میں اس کا مدعی نہیں ہوں کہ یہ کام جو میں کر رہا ہوں عظیم الشان کام ہے نہیں بلکہ سب سے گھٹیا درجہ کا ہے۔ دوسری جگہ شعائر کی تعلیم ہوتی ہے اور یہاں شعائر کے مبادی کی تعلیم ہوتی ہے وہ مبادی یہ ہیں۔ مٹنا۔ فنا ہونا۔ جلنا۔ بھننا۔ یہاں اس کی تعلیم ہے۔ ہر جگہ کا مطلوب جدا ہے۔ یہاں کا مطلوب فنا ہونا ہے اور اسی کی تعلیم ہے۔ یہاں بقاء کی تعلیم نہیں۔ اور اس قسم کے سوالات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سائل طالب نہیں مدعی ہے اس ہی لئے میری نظر سے ایسے لوگوں کی وقعت جاتی رہتی ہے۔ اس طریق میں سب سے پہلے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک فنا جس کی نسبت فرماتے ہیں ؎

افروختن و سوختن و جامہ دریدن ۔۔۔ پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت

دوسری چیز یہ ہے کہ خاموش رہے جس کی نسبت فرماتے ہیں ؎

چند گوئی نظم و نثر و راز فاش ۔۔۔ خواجہ روزے امتحان کن گنگ باش

کانپور میں ایک طالب علم نے مجھ سے مثنوی پڑھنی چاہی۔ میں نے پوچھا کہ تمہاری کتابیں بھی ختم ہو گئیں کہا کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ ابھی تو دو کام باقی ہیں ایک کتابیں پڑھنا پھر ان کا بھلانا تب مثنوی پڑھنے کے لائق ہو گے۔ اب رہا یہ شبہ کہ جو اجزاء دین کے ضروری ضروری ہیں ان کی تحصیل شیخ سے کیوں مضر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہر مقصود

کا موقع اور محل ہے۔ روٹی کپڑا دونوں چیزیں ضروری ہیں۔ مگر نان بائی کی دکان پر کوئی جا کر ململ کا تھان خریدنے لگے یا بزاز کی دکان پر جا کر کوئی روٹی خریدنے لگے۔ یا کوئی سنار کے پاس لوہار کے جا کر کہے کہ اس کا کھرپہ اور چمٹا بنا دے یا لوہار کے پاس سونا لے جا کر کہے کہ اس کے جھمکے۔ کرن پھول۔ پازیب اور پری بند بنا دے سو یہ بات بدفہمی اور بدعقلی کی ہے یا نہیں اور ایسا کرنا حماقت ہوگا یا نہیں۔ میرے یہاں تو صرف ایک چیز سکھائی جاتی ہے وہ انسانیت ہے کوئی بزرگی کو ضروری سمجھ رہا ہے کوئی علم کو ضروری سمجھ رہا ہے کوئی ولایت اور قطبیت و غوثیت کو ضروری سمجھ رہا ہے۔ میں انسانیت آدمیت کو ضروری سمجھتا ہوں یہی وجہ ہے کہ ساری دنیا مجھ سے ناراض ہے۔ میں انسانیت سکھاتا ہوں لوگ اس کو غیر ضروری سمجھتے ہیں یہ وجہ ہے میرے بدنام کرنے کی، خیر کریں بدنام میری جوتی سے۔ میں اپنے اصول اور قواعد ان نالائقوں کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتا۔ کہتے ہیں کہ ہر بات میں قانون ہے۔ روک ٹوک ہے محاسبہ معاقبہ مواخذہ ہے۔ دارو گیر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے زیادہ ہے لیکن جس کو اس کی برداشت نہیں میرا طرز پسند نہیں مت آؤ میرے پاس۔ بلانے کون گیا تھا مدعی بن کر اپنے گھر بیٹھو آئے ہی کیوں جب ذرا ذرا بات کی بھی برداشت نہیں کر سکتے تو گھر سے چلے ہی کس بوتے پر تھے اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ خوب فرماتے ہیں ؎

در بہر زخمے تو پر کینہ شوی	پس کجا صیقل چو آئینہ شوی

اور آپ کو کہا تھا کس نے کہ آپ اگر محبت کا دعوےٰ کریں۔ جب دعوےٰ کیا ہے تو پھر سب ہی کچھ سہنا ہوگا۔ اور جفائیں اٹھانی پڑیں گی اس کو بھی مولانا فرماتے ہیں ؎

یا مکن با پیلبانان دوستی	یا بنا کن خانہ برانداز پیل
یا مکش بر چہرہ نیل عاشقی	یا فرو شو جامۂ تقویٰ بہ نیل

اور میں اپنے یا اپنے طرز کے ناپسند ہونے پر یہ شعر پڑھا کرتا ہوں ؎

ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں

اور معترضین کے جواب میں یہ پڑھا کرتا ہوں ؎

دوست کرتے ہیں شکایت غیر کرتے ہیں گلہ!
کیا قیامت ہے مجھی کو سب برا کہنے کو ہیں!

۱۰ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

ملفوظ ۹۶۶ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بعض قانون تو ایسے ہوتے ہیں جو سختی ہی کے واسطے وضع کئے جاتے ہیں ان کو سخت کہنا صحیح ہے اور بعض قانون ایسے ہوتے ہیں جن سے مقصود سہولت ہوتی ہے گو اس پر عمل کرایا جاتا ہے سختی سے سو اس کو سخت کہنا صحیح نہیں۔ مثلاً خدا کا قانون ہے کہ نماز فرض ہے اور اس میں بے حد سہولتیں رکھی گئی ہیں گو اس کے ترک پر سزائیں سخت ہیں تو نماز کو سخت نہ کہیں گے۔ الحمد للہ یہاں ایسے ہی قانون ہیں ان کو سخت کہنا محض ناحقیقت شناسی ہے۔

ملفوظ ۹۶۷ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں نے استواء علی العرش کی بحث میں ایک رسالہ لکھا ہے تمہید الفرش فی تحدید العرش وہ اہل علم کے دیکھنے کی چیز ہے۔ اس پر ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت فلاں شخص یہ کہتے تھے کہ اس رسالہ کی تصنیف کا سبب میں ہی ہوا (کیوں کہ انہوں نے کچھ خطوط بھیجے تھے جن کا غالب حصہ بے اصول اعتراضات تھے ان کے جواب میں وہ رسالہ لکھا گیا ہے)، لہٰذا مولانا کو ایک رسالہ میرے پاس ضرور بھیجنا چاہیئے تھا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ میرے پاس بھی قریب قریب اسی قسم کے مضمون کا خط آیا تھا اس کی بالکل ایسی مثال ہے بلا تشبیہ کہ شیطان نبیوں سے کہے کہ میں آپ کی بعثت کا سبب ہوا نہ میں شرارت کرتا نہ مخلوق کو بہکاتا نہ آپ کو نبی بنا کر بھیجا جاتا لہٰذا میری تعظیم کیا کرو کیا خرافات بناتا ہے۔

ملفوظ ۹۶۸ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ایک غیر مقلد مجھ سے کہنے لگے کہ ابن تیمیہ اور ابن القیم کی تصنیفات دیکھو۔ میں نے کہا کہ ہم نے اُن سے بڑوں کی تصنیفات دیکھی ہیں۔ اور میں نے یہ بھی کہا کہ آخر ابن تیمیہ اور ابن القیم نے کس کی تصنیفات دیکھی تھیں اُن ہی کی ہم نے دیکھ لیں یہ ایسی ہی بات ہے کہ جیسے بعض لوگ حزب البحر کی اجازت لیا کرتے ہیں۔ میں لکھا کرتا ہوں کہ حزب البحر کے مصنف نے کس چیز سے برکت حاصل کی تھی اور جب حزب البحر نہ تھی جب کس چیز سے برکت حاصل کی جاتی تھی وہ چیز کیوں نہیں لیتے۔

ملفوظ ۹۶۹ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں صوفیہ پر علماء کو مقدم رکھتا ہوں ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ یہ عشاق ہیں۔ عشاق کی شان میں گستاخی کرنا اُن سے عداوت کرنا اذیت پہنچانا حسب حدیث من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب حق تعالیٰ سے جنگ خریدنا ہے۔

ملفوظ ۹۷۰ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اگر کوئی طریقہ سے خدمت لے میں آدھی رات موجود ہوں اور

بے طریقہ خدمت کرنے سے معذور ہوں۔

ملفوظ نمبر ۹۷۱ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض لوگ بڑے ہی بے حس ہوتے ہیں اناپ شناپ جو سامنے آجاتا ہے بھرے چلے جاتے ہیں چاہے ہیضہ ہی ہوجائے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ صحت کے سامنے لذت کیا چیز ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے مزا اور پھر سزا۔ ایسے ہی اعمال کے سامنے کیفیات کیا چیز ہیں کچھ بھی نہیں۔

ملفوظ نمبر ۹۷۲ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں لذت اور مزے کے لوگ در پے ہیں یہ طریق کی حقیقت سے بے خبری کی دلیل ہے اکثر لوگ خطوط میں شکایت لکھ کر بھیجتے ہیں کہ شروع شروع میں تو ذکر کے اندر مزا آتا تھا۔ اب نہیں آتا۔ اس کا جواب حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مجذوبانہ ڈھنگ میں عجیب طرح ارشاد فرمایا۔ ایک شخص نے یہی عرض کیا تھا کہ حضرت اب ذکر میں پہلے جیسا مزا نہیں آتا۔ فرمایا کہ میاں تم نے سنا نہیں پرانی جورو اماں ہوجاتی ہے۔

ملفوظ نمبر ۹۷۳ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عزت جو ہے یہ خدا کی دی ہوئی ہے چالاکی سے مکر و فریب سے عزت نہیں ہوا کرتی۔ شیطان کس قدر چالاک اور مکار ہے اور لوگ اس کا اتباع بھی کرتے ہیں۔ لیکن سمجھتے ہیں سب برا ہر وقت اس پر لاحول ہی کا انٹر ٹریٹ (؟) رہتا ہے اس کے کید و مکر سے لوگ ڈرتے بھی ہیں لیکن وہ اس درجہ کا نہیں ہے کہ اس سے اس قدر خائف رہا جائے۔ گو چالاک اور مکار ہے مگر ہمت سے اور قوت سے اگر اس کا مقابلہ کیا جائے تو جھک مار کر بیٹھ جاتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ان کید الشیطان کان ضعیفا اگر طلب صادق ہو تو اس طرف سے نصرت اور اعانت ہوتی ہے۔ حفاظت فرمائی جاتی ہے۔ اور جو لوگ متوجہ الی الحق ہیں اُن سے تو یہ خود ہی گھبراتا ہے۔

ملفوظ نمبر ۹۷۴ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے کام لینا چاہتے ہیں تو جس سے کام لینا ہے اس کو فہم عقل دماغ علوم سب عطا فرما دیتے ہیں اور سب سامان ویسے ہی موجود فرما دیتے ہیں ورنہ انسان کی حقیقت اور قوت ہی کیا ہے۔ دماغ پر یاد آیا۔ محمود غزنوی کی شان میں فردوسی نے مذمت آمیز اشعار لکھے۔ محمود غزنوی کی طرف سے گرفتاری کا حکم ہوا۔ یہ بھاگ کر مقتدر باللہ کے پاس پہونچ گیا۔ محمود نے خلیفہ کو خط لکھا کہ اگر ہمارے مجرم کو پناہ دی تو فیلان جنگی سے دارالخلافہ کو پامال کردوں گا۔ خلیفہ نے جواب میں لکھوایا الم۔ کسی کی سمجھ میں نہ آیا ایک شخص کی سمجھ میں آیا کہ یہ لکھا ہے الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل۔ کہاں خیال اور دماغ پہونچا۔ یہ سب خدا کی طرف سے ہے۔ کسی کو اپنے ادراک پر ناز نہیں کرنا چاہیئے۔

ملفوظ نمبر ۹۷۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس وقت میری روک ٹوک محاسبہ معاقبہ دار و گیر ڈانٹ ڈپٹ لوگوں کو ناگوار ہے مگر عنقریب حقیقت کا انکشاف ہونے پر معلوم ہوگا کہ یہ چیزیں عین رحمت تھیں جیسے ایک سوار درخت کے نیچے پڑا سو رہا تھا ایک گھوڑے کا سوار اس طرف سے گذر رہا تھا دیکھا کہ درخت پر سے ایک اژدہا اس سونے والے کو ڈسنے کے لئے اتر رہا ہے اور قریب ہے کہ اس کا کام تمام کردے۔ سوار عجلت سے گھوڑے

کو دبا کر درخت کے قریب پہنچا اور اس سوتے ہوئے کے ایک چابک رسید کیا وہ ایک دم چونک کر اٹھا اور جلاتا ہوا بھاگا سوار نے آگے بڑھ کر پیچھے سے دما دم اچانک مارنا شروع کیا اور یہ شخص سوار کو گالیاں دے رہا تھا۔ مگر جب سونے والے نے اژدہے کو دیکھا اس وقت ہزار جان سے قربان ہونے کو تیار تھا اور لاکھوں دعائیں دے رہا تھا۔ یہی شان اصلاح کی ہے۔ لوگ خواہ مخواہ دخل در معقولات دیتے ہیں یہ تو مصلح کی رائے پر ہے کہ کہاں نرمی مناسب ہے اور کہاں سختی۔

ملفوظ ۹۷۶ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میرا بیعت ہونے کو جی چاہتا ہے مگر اب دو طرف جی ہے ایک آپ کی طرف اور ایک بدعتی ہیں کوئی شاہ صاحب ان کا نام لکھا ہے کہ ان کی طرف میں کیا کروں۔ میں نے لکھدیا ہے کہ اگر میرا نام اس میں نہ ہوتا تو میں مشورہ دیتا مگر چونکہ اس میں میرا نام بھی ہے اس لئے مشورہ دینا یا تو خیانت ہوگا یا بے حیائی۔ اسپر فرمایا کہ اس جواب میں سمجھ دار کے لئے تو سب کچھ آگیا۔

۱۹ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم یکشنبہ

ملفوظ ۹۷۷ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت نے کوئی رسالہ مشائخ چشتیہ کی نصرت میں لکھا ہے فرمایا کہ اللہ کے فضل و کرم سے چھپکر بھی تیار ہوگیا اس کا نام میں نے رکھا ہے السنۃ الجلیہ فی الچشتیہ العلیہ قابل دیکھنے کے ہے اس میں چشتیہ حضرات کا متبع سنت ہونا ثابت کیا ہے۔ غالباً حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء کا واقعہ ہے کہ مرض میں کمزوری از حد درجہ بڑھ گئی تھی۔ دوا پینے کو لائی گئی تو چارپائی سے نیچے اتر کر دوا پی اور یہ فرمایا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے چارپائی یا تخت پر کھانا یا پینا ثابت نہیں۔ اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ جو اس قدر اتباع سنت کا اہتمام کرے گا کیا وہ سنت کے خلاف کر سکتا ہے۔ اس رسالہ میں ایک بحث بہت سخت ہے وہ یہ کہ بعض بزرگوں کا تلبس بالمسکرات منقول ہے۔ میں نے اس کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ کر اور اس کا ایک مستقل نام رکھ کر السنۃ الجلیۃ ہی کا ایک جز بنا دیا نام بھی عجیب ہے سراب الشراب اس میں اس کا جواب ہے۔ پھر فرمایا کہ بزرگوں کی معرفت بھی ہم طالب علموں ہی کو ہوتی ہے۔ جہل میں کیا معرفت۔ ذرا ان مدعیان محبت سے جو ہم طالب علموں کو بزرگوں کا معتقد نہیں سمجھتے کہا جائے کہ اپنے بزرگوں کی طرف سے ان اشکال کا جواب دو۔

ملفوظ ۹۷۸ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایک کرامت حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف

منسوب ہے وہ جہاز کا اٹھالینا ہے۔ فرمایا کہ یہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت ہے اس کو میں نے چھپوا بھی دیا ہے، ایک صاحب نے اس پر عقلی اشکال کیا اتنے بڑے بوجھ کو اٹھانا خلاف عقل ہے۔ میں نے ان کے فہم کے موافق جواب دیا کہ یہ مسلم ہے کہ ہر دو مستقیم حرکتوں کے درمیان سکون ضروری ہے اب اس پر تفریع سنیئے کہ کسی نے ایک رائی کا دانہ اوپر کو اچھالا اور وہ ابھی اپنی قوت کو ختم نہ کر چکا تھا کہ اوپر سے ایک پہاڑ آیا اور اسی رائی کے دانہ سے ٹکرایا ظاہر ہے کہ وہ دانہ لوٹے گا اور چونکہ وہ اس دانہ کی حرکت مستقیم ہوگی اس لئے اس دانہ کو بیچ میں سکون ہوگا اس کے لوازم سے ہے پہاڑ کا سکون بھی تو اس سکون کی حالت میں رائی کے دانہ نے پہاڑ کو اٹھالیا تو اب آدمی کا جہاز کو اٹھالینا عقلاً مستبعد کیا ہے اور کرامت کے متعلق ایک عقلی استبعاد کا مضمون یاد آگیا اس کا واقعہ یہ ہے کہ میں نے کرامت کے متعلق ایک وعظ میں بیان کیا تھا جس میں بعض غیر مقلدین بھی شریک تھے جو بعض کرامات کے اعتقاد میں شرک کا شبہ کرتے تھے۔ میں نے اس بیان میں اس کا جواب دیا تھا کہ یہ بتاؤ کہ کرامت میں فاعل کون ہے حق یا عبد۔ سو ہم تو کرامت میں فاعل حق تعالیٰ کو مانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کی قدرت محدود نہیں اس لئے بعید سے بعید کرامت کا صدور بشرط امکان عقلی و شرعی ممکن ہے اور آپ فاعل مانتے ہیں عبد کو اس لئے کرامت میں حدود قائم کرتے ہیں تو آپ غور کر لیجئے کہ یہ آپ کا کرامات مستبعدہ کو نہ ماننا اقرب الی التوحید ہوا یا اقرب الی الشرک۔ ظاہر ہے کہ آپ کا کرامات عظیمہ کو نہ ماننا اقرب الی الشرک ہے اور ہمارا ان کو ماننا اقرب الی التوحید ہے۔

ملفوظ نمبر ۹۷۹ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت عامل بھی صاحب نسبت ہو سکتا ہے۔ فرمایا کہ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادی بہت بڑے شیخ ہیں ایک ثقہ راوی بیان کرتے تھے کہ حضرت مولانا کے ایک مرید تھے ان کا یہ خیال تھا کہ مولانا عامل ہیں عملیات سے لوگوں کو ہدایت کے لئے تسخیر کرتے ہیں مولانا کو ان کے اس خیال کی اطلاع ہوگئی۔ فرمایا نعوذ باللہ استغفر اللہ۔ توبہ توبہ۔ ارے معلوم بھی ہے عملیات میں مشغول ہونے سے نسبت باطنی سلب ہو جاتی ہے۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ عملیات اصل میں ایک قسم کے تصرفات ہیں جو متضمن ہیں دعوے کو اور ایسا تصرف عبدیت کے منافی ہے۔

ملفوظ نمبر ۹۸۰ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ دعاء میں اجابت بالمعنی الاعم کا یقین ہونا چاہیئے مگر اجابت بالمعنی الاخص میں احتمال اور تفویض ہو۔ بعض بزرگ خود دعاء ہی کو خلاف تفویض سمجھتے ہیں مگر ہمارے بزرگوں کا یہ مذہب نہیں۔ ایک عالم نے اشکال کیا کہ دعاء اور تفویض جمع کیسے ہو سکتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ دعاء کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ یوں کر دے ہم آپ سے بالحاح عرض کرتے ہیں کیونکہ ہم اپنی مصلحت سمجھتے ہیں مگر چونکہ ممکن ہے کہ آپ کے علم میں اس کے خلاف میں مصلحت ہو اس لئے ہم اس میں تفویض کرتے ہیں اس طرح دعاء اور تفویض دونوں جمع ہو گئے ایسے موقع پر غیر محقق گھبرا کر کہہ اٹھتا ہے کہ ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ... باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

مگر محقق وہ شخص ہے جو جامع بین الاضداد ہو۔ اہل تحقیق ایسے اشعار کو گستاخی اور اعتراض سمجھتے ہیں یعنی دعا

کا بھی حکم ہے اور تفویض بھی اور تضاد ہے مگر حقیقت میں تضاد نہیں ہر چیز اپنے اپنے محل پر ہے جیسا ابھی بیان کیا گیا۔

ملفوظ نمبر ۹۸۱ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عملیات کے باب میں آج کل لوگوں کو از حد غلو ہو گیا ہے حدود سے تجاوز کر کے آگے بڑھ گئے عقائد تک خراب ہو گئے۔ ایک مرتبہ طالب علمی کے زمانہ میں میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے عرض کیا کہ حضرت کوئی عمل جنات کے مسخر کرنے کا بھی ہے۔ فرمایا۔ ہے اور سہل ہے مگر یہ بتلاؤ کہ تم بندہ بننے کے لئے پیدا ہوئے ہو یا خدا بننے کے لئے کہ اس کی مخلوق کو تابع بناتے ہو۔ پھر فرمایا کہ خدا معلوم کس دل سے مولانا نے یہ فرمایا تھا جس سے میرے قلب سے عملیات کا خیال بالکل ہی مٹ گیا۔ ان حضرت کی عجیب محققانہ شان تھی۔

ملفوظ نمبر ۹۸۲ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جیسے عملیات کرنے سے نسبت سلب ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص بطور علاج دوسرے سے عمل کرائے۔ فرمایا کہ عمل کرنے میں گفتگو تھی عمل کرانے میں گفتگو نہیں کیا آپ نے سنا نہ تھا یہ خلط مبحث کیا۔ عمل کرانا بطور علاج ضرورت کی وجہ سے ہے جبکہ حقیقت میں بھی ضرورت ہو۔

ملفوظ نمبر ۹۸۳ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت تمنا اور ارادہ کیا یہ دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ فرمایا کہ جی ہاں آج کل لوگ تمنا اور ارادہ میں کوئی فرق نہیں کرتے حالانکہ یہ دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ تمنا کہتے ہیں کسی چیز کے دل چاہنے کو اور ارادہ کہتے ہیں اس کے تحصیل کے لئے اسباب اختیار کر لینے کو اور کام شروع کر دینے کو۔ اسی کو عرفی لکھتا ہے ؎

عرفی اگر بہ گریہ میسر شدے وصال صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

ملفوظ نمبر ۹۸۴ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت دعاء مانگنا زیادہ افضل ہے یا عمل پڑھنا فرمایا کہ دعاء کرنا افضل ہے حضور نے کبھی کوئی کلام عمل کے طور پر نہیں پڑھا بلکہ دعا ہی کی ہے۔ گو بعد کے لوگ ان دعاؤں کو عمل کے طور پر استعمال کرنے لگے اور علی سبیل التنزل غالب شغل تو اس کا نہ تھا غالب معمول دعا ہی کا تھا۔

ملفوظ نمبر ۹۸۵ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جیسے عملیات میں خطرہ ہے۔ حالانکہ یہ بھی ایک ظاہری تدابیر میں سے ہے تو اسی طرح دعا میں بھی خطرہ ہوگا۔ فرمایا کہ عملیات میں فتنہ ہے۔ دعا میں فتنہ نہیں وہ فتنہ یہ ہے کہ عامل کی طرف بزرگی کا خیال ہوتا ہے طبیب کی طرف بزرگی کا خیال نہیں ہوتا۔ عوام عملیات کو تدبیر ظاہری خیال کر کے نہیں کرتے بلکہ سماوی اور ملکوتی چیز سمجھ کر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عملیات اور تعویذ گنڈوں کے متعلق عوام کے عقائد نہایت بڑے ہیں۔

ملفوظ نمبر ۹۸۶ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اسباب طبعیہ کی دو قسمیں ہیں ایک ظاہری اور ایک خفی۔ مثلاً جیسے اسباب طبعیہ میں سے ہے کہ آگ سے روٹی پکائی جائے ایسے ہی یہ بھی ہے کہ توجہ سے روٹی پکائی جائے دونوں اسباب طبعیہ ہیں فرق یہ ہے کہ ایک ظاہر ہے اور ایک خفی ایک میں فتنہ ہے ایک میں نہیں۔

ملفوظ نمبر ۹۸۷ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ قبر ایک حالت ہے بین الدنیا والآخرة اسی کو برزخ کہتے ہیں پس اگر پندرہ بیس بھیڑیئے ملکر مردہ کی ایک ایک بوٹی بانٹ لیں تب بھی اس کی ساتھ سب معاملات برزخ کے ہوں گے یہی قبر ہے۔

ملفوظ نمبر ۹۸۸ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ ہندو اپنے مردوں کو جلا دیتے ہیں اس سے تکلیف ہوتی ہوگی اس پر حضرت مولانا نے جواب میں فرمایا کہ ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسے کوئی تمہاری رضائی اتار کر جلا دے کیسا عجیب جواب ہے۔ یہی حضرات سمجھتے ہیں حقائق کو۔

ملفوظ نمبر ۹۸۹ ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا کفار بھی جاتے ہیں برزخ میں۔ فرمایا ہاں جاتے ہیں۔ برزخ میں بڑی وسعت ہے علیین سجین سب برزخ کے اجزاء ہیں۔

ملفوظ نمبر ۹۹۰ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس طریق کا مدار انقیاد محض ہے گو شیخ کا فیصلہ سمجھ میں نہ آوے جیسا طبیب کو معلوم ہوتا ہے کہ رفتار صحت کیا ہے مریض سمجھتا ہے کہ میں اسی حالت پر ہوں۔ یہ مریض کا سمجھنا غلط ہے۔ ایک مولوی صاحب نے اپنا کچھ حال بیان کیا۔ میں نے اس کا جواب دیا اس پر مولوی صاحب نے کہا تسلی نہیں ہوئی۔ میں نے کہا کہ ہم کو تمہاری تسلی مقصود نہیں اپنی تسلی کافی ہے وجہ یہ ہے کہ مبتدی کو نہ مقصود کا پتہ ہے نہ طریق کا۔

ملفوظ نمبر ۹۹۱ ایک مولوی صاحب نے دوسرے مولوی صاحب کے تبلیغ کرنے کا ذکر کیا حضرت والا نے سن کر فرمایا کہ ہر کام اپنی حد پر رہے اسی وقت تک اچھا معلوم ہوتا ہے۔ یہ انہماک بعض کو نہ معلوم کیوں ہے انتظام اور اہتمام کی بھی تو ایک حد ہے۔ مثلاً اگر حق تعالیٰ چاہتے تو ہر کافر پر ایک ایک فرشتہ مقرر فرما دیتے۔ اُن کی گردنوں پر سوار ہوتے اور مسلمان بناتے لیکن ایسا نہیں کیا پس ہر چیز کی ایک حد ہے۔ حد سے گذر کر کوئی کام کرنا خصوص اس طرز سے کہ نہ اُس کے اصول ہوں نہ قواعد محض بے ڈھنگا پن ہے آدمی جو کام کرے طریقہ سے کرے ہر چیز کو اپنی حد پر رکھے میں پوچھتا ہوں کہ مثلاً ایسی تبلیغ کہ وعظ ہو رہا ہے جس میں نماز نہ ادا ہوگی اس کو حد پر کام کرنا کہہ سکتے ہیں یا نماز کے وقت میں تلاوت قرآن کرتا ہے نماز نہ پڑھے۔ غرض ہر چیز کے حدود ہیں۔

ملفوظ نمبر ۹۹۲ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر قدرت ہے تو تلوار لے کر غلبہ حاصل کرو منع کون کرتا ہے اور اگر اس کی قدرت نہیں جیسا کہ ظاہر ہے تو صبر کرو۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ۔ سارا مدار قوت اور قدرت پر ہے جیسے نماز روزہ فرض ہے حکومت بھی فرض ہے لیکن اسی وقت جبکہ قدرت ہو اور عدم قدرت پر ایسا کرنا اپنے کو ہلاکت میں پھنسانا ہے۔ اور کافی قدرت کا نہ ہونا اظہر من الشمس ہے اور جتنی قدرت ہے اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ کسی نے دیا سلائی جلائی اور اس پر دوسرے نے ہاتھ رکھ دیا بجھ گئی۔ ایسی قوت اور قدرت سے کیا کام چل سکتا ہے۔

ملفوظ ۹۹۳ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اتنا کام جس کی مسلمانوں کو ضرورت ہے صلح سے بھی ہو سکتا ہے پھر جہاد کیوں فرض ہے فرمایا کہ ایک اور صاحب نے بھی مجھ سے یہ بات کہی تھی میں نے ان کو ان کو یہ جواب دیا تھا کہ صلح کے لئے بھی قوت اور قدرت ہی کی ضرورت ہے۔ صلح میں بھی برابری کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کسی وقت صلح توڑ دیں تو اس وقت مقابلہ تو کر سکیں گے اگر پہلے سے قوت اور قدرت ہو گی۔

ملفوظ ۹۹۴ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل مسلمانوں کی حالت عجیب ہے دوسروں سے اسلام احکام اسلام کی وقعت اور عظمت اور احترام کے خواہش مند ہیں اور خود احکام اسلام و شریعت مقدسہ کی وقعت اور عظمت قلوب میں نہیں رہی۔ سلطان صلاح الدین نے جب بیت المقدس فتح کر لیا وزراء نے عرض کیا کہ حضور یہاں کے نصرانی بڑے سرکش ہیں اور ملک نیا مفتوح ہوا ہے اور اسلام میں سیاسی احکام نرم ہیں اس لئے مناسب ہے کہ کچھ قوانین سخت مقرر کر دئے جائیں تاکہ یہ لوگ شکنجہ میں کسے رہیں اور کسی قسم کی گڑبڑ نہ کر سکیں۔ سلطان صلاح الدین نے جو وزراء کو جواب دیا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے وہ جواب یہ ہے کہ خدا کو تو معلوم تھا کہ سلطان صلاح الدین کے زمانہ میں ایسے سرکش نصرانی ہوں گے تو انھوں نے ایسے نرم احکام کیوں مقرر فرمائے۔ میں احکام اسلام سے ایک انچ اِدھر اُدھر نہ ہوں گا۔ وزراء نے عرض کیا کہ اس صورت میں تو پھر سلطنت جاتی رہے گی۔ سلطان نے کہا کہ سلطنت مقصود نہیں۔ خدا کی رضا مقصود ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے ملک کو سلطنت اور حکومت کے واسطے فتح کیا ہے میں نے خدا کے راضی کرنے کے واسطے فتح کیا ہے واقعی خدا کی رضا کے سامنے سلطنت اور حکومت یا کروفر کیا چیز ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کرتہ میں زمانہ خلافت میں متعدد پیوند لگے دیکھے گئے مگر ان کی ہیبت سے قیصر اور کسریٰ اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے کانپتے رہتے تھے وجہ یہ کہ ان کے قلب میں خدا کی خشیت ہوتی ہے وہ کسی سے مرعوب نہیں ہوتے اور نہ کسی سے دبتے ہیں اس لئے ان کی ہی دوسروں پر ہیبت ہوتی ہے اور وہ ایسی ہوتی ہے جس کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

ملفوظ ۹۹۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ پہلے سلاطین کو بدنام کیا جاتا ہے اور اب نہیں دیکھتے۔ تمام حکومت میں کیا ہو رہا ہے کیا یہ ظلم نہیں کیا اس کو بربریت نہیں کہتے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کو جہاں مسلمانوں کی آبادی قلیل ہے ذبح کیا جا رہا ہے پھر اسلام پر اعتراض ہے کہ تلوار کے زور سے اسلام پھیلا اور اب یہ کیا ہو رہا ہے ایک ہی چیز اوروں کے لئے مذموم اور اپنے لئے محمود۔ یہ عجیب فلسفہ ہے۔

ملفوظ ۹۹۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حجاج بن یوسف نے بھی ظلم کیا وہ اظہر من الشمس ہے۔ ایک لاکھ بیس ہزار لوگوں کو بندھوا کر قتل کرا دیا باوجود ان مظالم کے اس میں بھی ایک بات تھی یعنی بے حد اسلامی جوش تھا اور یہ قریب قریب سب ہی اسلامی سلاطین میں تھا اس سے کوئی خالی نہ تھا نیز ایک اور ریاست بھی تھی یعنی ایک شب میں تین سو رکعت نماز نفل پڑھنے کا معمول تھا عجیب بات ہے اتنی رکعت پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے

کہ تمام شب بیداری ہی میں رہتا تھا یہ اس وقت کے ظالموں کی حالت تھی اور قرآن مجید پر زیر زبر لگانے کی باقیات صالحات کا بانی ہونا اُس کا مشہور ہے۔

ملفوظ نمبر ۹۹۷ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کی تحقیقات جو فن تصوف کے متعلق ہیں اور اُن کو قرآن و حدیث سے ثابت کیا گیا ہے (ان مسائل اور اُن کے ماخذ کی فہرست ایک رسالہ کی شکل میں جس کا نام عنوانا التصوف ہے شائع ہو چکی ہے) اس کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ تصوف بڑے درجہ کی چیز ہے۔ فرمایا کہ جی ہاں جس فن کے مسائل قرآن سے ثابت ہیں کیا ٹھکانا ہے اس کے علو درجہ کا۔ ابن سعود نے میرا رسالہ التشرف دیکھ کر یہ کہا تھا کہ ھذا ایوا نقلنا اس کے قبل غلط تصوف ان کے کانوں میں پڑا تھا اس لئے وہ مسلم نہ تھا صحیح تصوف کو دیکھ کر موافقت کا اظہار کیا۔ یہ نجدی ابھی غیر وجدی ہیں ان میں ابھی یہی کسر ہے اگر وجدی بھی ہوتے خوب ہوتا۔

ملفوظ نمبر ۹۹۸ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہر چیز کے حدود ہیں اصول ہیں تو کیا تبلیغ کے حدود نہ ہوں گے جو دین کی اصل عظیم ہے، ثمرہ کے ظاہر نہ ہونے سے ہراس اور یاس کی کوئی وجہ نہیں۔ دیکھئے نوح علیہ السلام نو سو برس تک تبلیغ فرماتے رہے کل ستر اسی مسلمان ہوئے ان کو ذرہ برابر بھی ہراس نہ ہوا۔ برابر وعظ فرماتے رہے قوم کو دعوت الی اللہ دیتے رہے، باوجودیکہ قوم کی طرف سے انکار ہوتا رہا اعراض اور سرکشی پر تلے رہے اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نوح نہ صد سال دعوت می نمود دمبدم انکار قومش می فزود

ہیچ از قومش عنان واپس کشید ہیچ اندر غار خاموشی خزید

ملفوظ نمبر ۹۹۹ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تدابیر کو کون منع کرتا ہے تدابیر کریں لیکن حدود میں رہ کر۔ البتہ تدابیر غیر مشروعہ غیر منصوصہ سے منع کیا جاتا ہے۔ اسی طرح تدابیر مباحہ میں غلو سے منع کیا جاتا ہے کیونکہ غلو فی التدابیر سے توکل ضعیف ہو جاتا ہے۔ اور یہ ضعف توکل تو تدابیر مباحہ میں غلو کرنے کا اثر ہے اور تدابیر غیر مشروعہ پر عمل کرنے اور پھر اس پر غلو کرنے کا جو نتیجہ ہوگا وہ اظہر من الشمس ہے جس کا ہر شخص خود ہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ پھر اُس میں خیر و برکت کہاں فلاح کہاں۔ جب یہ نہیں تو مقصود میں کامیابی کیسی اس لئے کہ بدون نصرت حق اور اعانت حق کے منزل مقصود پر پہنچنا ایک امر محال ہے اور اس حالت میں نصرتِ حق کہاں۔

یہاں ایک مولوی صاحب آئے تھے بہت جوشیلے آدمی ہیں ساتھ ہی میں نیک نیت بھی ہیں۔ تحریکات حاضرہ میں نہایت سرگرمی سے کام کر رہے تھے۔ اُن سے گفتگو ہوئی۔ میں نے کہا کہ مسلمانوں نے جو طریقہ کار اختیار کر رکھا ہے مجھ کو اس سے اختلاف ہے میں نے طریقہ کی قید اس لئے لگائی کہ مقاصد شرعیہ اور مسلمانوں کی فلاح اور بہبود سے کون ایسا مسلمان ہے جس کو اختلاف ہو۔ میں نے یہ بھی کہا کہ چونکہ مسلمانوں نے تدابیر غیر مشروعہ کو اپنی کامیابی کا زینہ بنایا ہے اس صورت میں اول تو کامیابی مشکل ہے اور اگر ہو بھی گئی تو ہندوؤں کو ہوگی اور اگر مسلمانوں کو بھی ہوئی تو ہندو نما مسلمانوں کو ہوگی تم جیسے مسلمانوں کو کامیابی نہ ہوگی۔ اس پر ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت فلاں

مسلمان لیڈر نے اپنی تقریر میں یہ بیان کیا کہ اسلام کوئی ضروری چیز نہیں۔ ضروری چیز ترقی ہے۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ حق تعالٰی نے موسٰی علیہ السلام کو کیوں بھیجا۔ فرعون تو ترقی یافتہ تھا اس میں کمی کس چیز کی تھی حتٰی کہ خدائی کا دعوٰی کر رہا تھا کس چیز کی تھی۔ ایمان ہی کی تو کسر تھی۔ عرض کیا کہ پھر کیا کرنا چاہیئے۔ فرمایا کہ مسلمانوں کے واسطے جو زندہ ہیں ان کے لئے باہم اتفاق کی اور کفار پر غلبہ کی دعاء اور جو مردہ ہیں ان کے لئے مغفرت کی دعاء اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں یہ سب کچھ تجربات کی بناء پر عرض کر رہا ہوں۔ مسلمانوں کی موجودہ حالت پر نظر کر کے کہہ رہا ہوں۔ میں یہ چاہتا تھا کہ قصبات اور دیہات میں کم سے کم مسلمانوں کی پنچایتیں قائم ہو جائیں یہ محض اس لئے کہ موقع اور وقت پر مدافعت کر سکیں اپنی حفاظت کر سکیں لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ سو یہ تو مسلمانوں کی حالت ہے جب اتنا بھی نہیں کر سکتے تو آگے ان سے کیا امید ہو سکتی ہے اور کیا ان کے بھروسہ کوئی کام کیا جا سکتا ہے ان تحریکات میں میری عدم شرکت کی منجملہ اور وجوہ کے ایک وجہ یہ ہے یعنی مسلمانوں کی حالت سے کچھ امید نہ ہونا چنانچہ بہت سے حضرات نے کام کر کے تجربہ کر لیا اور تحریک سے علیحدگی اختیار کر لی۔ میرے دل میں اللہ تعالٰی نے پہلے ہی ڈال دیا تھا کہ انجام یہ ہونا ہے۔ میں نے بحمد اللہ اپنے بزرگوں کی صحبت اور ان کی دعاؤں کی برکت سے اپنا مسلک نہیں چھوڑا گو بظاہر خطرات بہت پیش آئے۔ مسلمانوں کی حالت دیکھ کر حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ چاہے جس قدر کوشش اور سعی و جدوجہد کرو مگر اب تو ظلمت اور فساد ہی عالم میں بڑھے گا ہاں کوشش کرو ثواب ملے گا۔

ملفوظ نمبر ۱۰۰۰ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں جو کسی مرض باطنی کے متعلق تھا فرمایا کہ اس کا تو بہت سہل علاج ہے کہ جب کسی خرابی میں نفس کو مبتلا دیکھا اس پر وعظ میں ایک مضمون بیان کر دیا اس ترکیب سے انشاء اللہ تعالٰی فوراً فضل ہو گا۔ یہ میرا تجربہ ہے اور میں نے ایسا کیا ہے کہ جہاں نفس میں کوئی گڑبڑ دیکھی وعظ میں اس پر ایک مضمون بیان کر دیا فوراً فضل ہو گیا۔ اس لئے کہ اس کے بعد خلاف کرنے سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ ممبر پر بیٹھ کر دوسروں کو تو نصیحت کی اور خود عمل نہ ہو اس لطیف تدبیر سے انشاء اللہ تعالٰی بڑا نفع ہو گا کر کے دیکھنے کی چیز ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۰۰۱ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل توکل کا استعمال دین ہی کے کاموں میں رہ گیا دنیا کے کاموں میں کیسی سعی و کوشش جدوجہد دوڑ دھوپ کرتے ہیں پھر اگر اس پر بھی ناکام رہتے ہیں تو ناکام نہیں ہوتے۔ اس توکل کی بالکل ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی قوم نکاح کر کے چھوڑ دے اور توکل پر اولاد کی تمنا کرے تو کیا اس طرح منہ سے اولاد پیدا ہو گی اس پر ایک آیت کی تفسیر مقصود کی تائید کے لئے بیان کرتا ہوں۔ حق تعالٰی کا ارشاد ہے انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالٰی خود قرآن مجید کے محافظ ہیں تو اگر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ جب خدا تعالٰی خود قرآن مجید کے محافظ ہیں تو پھر قرآن پاک کا پڑھنا لکھنا چھپوانا بھی چھوڑ دو تو گویا آج تک مسلمانوں نے ایسا کیا ہے میں اس کی حقیقت بتلاتا ہوں کہ انا لہ لحافظون کے معنی یہ ہیں کہ ہم ہر زمانہ میں ایسے لوگ اور ایسی جماعت پیدا فرماتے رہیں گے کہ اس کی حفاظت کرتی رہے گی اسی طرح پر دین کے

سب کاموں کو سمجھ لیا جاوے کہ ان میں توکل کرنا تدابیر سے مانع نہیں بلکہ توکل کے یہ معنی ہیں کہ تدابیر کرو اور اللہ تعالٰی کو کارساز سمجھو کیونکہ تدبیر کا حکم بھی انھوں نے کیا ہے جیسا قرآن مجید کی حفاظت کی تدابیر کی جاتی ہیں اور اللہ تعالٰی کو محافظ اعتقاد کیا جاتا ہے کیونکہ اس حفاظت کا حکم بھی انھوں ہی نے فرمایا ہے باقی دنیا کی تدبیر کرنا اور دین کو محض تقدیر و توکل پر چھوڑ دینا یہ بے ڈھنگا پن کیا۔

۱۹ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

ملفوظ ۱۰۰۲ ایک سائل نے آکر خرچ کا سوال کیا۔ حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ کسی خاص رقم کا تعین ذہن میں رکھ کر سوال کر رہے ہو یا یہ خیال ہے کہ جو کم و بیش مل جائے گا اس پر راضی ہو قبول کر لوں گا جو خیال ظاہر کرو اس کا جواب دوں۔ عرض کیا کہ جو آپ مناسب خیال فرمائیں میں اس پر راضی ہوں فرمایا کہ اول تو یہ میری بات کا جواب نہیں اور پھر وہ بھی مری ہوئی زبان سے کہا۔ صاف بات کہو۔ دو آنہ چار آنہ اگر دیئے جائیں تو بخوشی لے لو گے یا نہیں۔ عرض کیا کہ لیلوں گا۔ فرمایا اب بات صاف ہو گئی۔ حضرت والا کو جو کچھ دینا تھا دے دیا وہ سائل لے کر چلا گیا۔ اس پر فرمایا کہ اگر یہ طرز اختیار نہ کروں تو ان کو جتنا بھی دیا جائے کبھی خوش نہ ہوں پہلے میں کم رقم پر راضی ہونا معلوم کر لیتا ہوں اور وہ بھی تعین رقم کے ساتھ پھر اس سے زیادہ دیتا ہوں تو چونکہ امید سے زائد ملتا ہے اس لئے خوش ہو کر جاتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ بعض لوگ چھوٹی رقم کو حقیر سمجھتے ہیں اس کے ملنے سے خوش نہیں ہوتے، حالانکہ وہ بھی اللہ تعالٰی کی بڑی نعمت ہے بعض اوقات اس کے نہ ہونے سے پریشانی ہو جاتی ہے۔

ایک مرتبہ خواجہ صاحب سفر میں تھے اسٹیشن سہارنپور پر ٹکٹ خریدنے کا ارادہ کیا تو ایک پیسہ کی کمی تھی اب کیا کریں مانگ کسی سے سکتے نہیں ملنے والا کوئی پاس نہیں مدرسہ اسٹیشن سے دور اور نوکری پر حاضری اسی ٹرین سے سوار ہونے پر موقوف۔ اتفاق سے ان کی جیب میں ایک کارڈ نکل آیا اس زمانہ میں کارڈ کی قیمت ایک پیسہ تھی اس کو فروخت کرنے کے لئے مسافروں سے التجا کی کسی کو رحم آیا خرید لیا ورنہ ایک پیسہ بدون سارا کرایہ بیکار تھا خواجہ صاحب کہتے تھے کہ اس روز معلوم ہوا کہ پیسہ بھی خدا کی بڑی نعمت ہے۔ میں اسی لئے کسی سے اس کی سفر کی حالت میں ہدیہ لیتے ہوئے رکتا ہوں جب تک گنجائش کا پورا اطمینان نہ ہو جاوے کہ کہیں اس کو تکلیف نہ ہو اب تو محبت کے جوش میں دے رہا ہے ہوش آنے پر کہیں افسوس نہ ہو بلکہ میں تو عموماً کہا کرتا ہوں کہ ہوش میں ہدیہ دینا چاہیئے۔

جوش میں نہ دینا چاہیئے تاکہ بعد کو پچھتانا نہ پڑے۔ (?) جوش میں نہ دینا چاہیئے تاکہ پچھتانا نہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو اپنے سفر میں بھی کسی سے ہدیہ قبول نہ فرماتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ ممکن ہے کہ ہماری صورت دیکھ کر بیچارے کو جوش پیدا ہو گیا ہو۔ پہلے سے ارادہ نہ ہو پھر تنگی ہو اور ہدیہ کے متعلق ایک یہ بات بھی فرمایا کرتے تھے کہ جو ہم کو حاجت مند سمجھ کر ہدیہ دے ہم نہیں لیتے کہ ذلت ہے اس کو حق کیا کہ وہ ہم کو غریب سمجھے چاہے ہم غریب ہی ہوں اور جو شخص محبت سے دے لے لیتے ہیں۔ سبحان اللہ ان حضرات کے کیسے پاکیزہ اصول ہیں۔ ان کی ہر بات میں اپنی اور دوسروں کی راحت ہوتی ہے۔ یہی لوگ صوفی کہلانے جانے کے قابل ہیں۔ یہی بڑا تصوف ہے کہ اپنے سے دوسرے کو تکلیف نہ ہو۔

ملفوظ نمبر ۱۰۰۳ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بعض اہل لطائف نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص مکاری سے صوفی بنے اور صوفیوں کی وضع اختیار کرے اس کی بھی تحقیر نہ کرنا چاہیئے کیونکہ یہ تشبہ علامت اس کی ہے کہ اس کے قلب میں اس جماعت کی عظمت ہے کیونکہ تشبہ اس کے ساتھ کیا جاتا ہے جس کی قلب میں عظمت اور وقعت ہوتی ہے اور اسی سے تشبہ باہل باطل کا مسئلہ حل ہو گیا اور اس بناء پر علاوہ حدیث میں ہونے کے وہ مسئلہ خود نص قرآنی میں موجود ہے ارشاد فرماتے ہیں ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔ یعنی مائل مت ہو تم ان لوگوں کی طرف جنھوں نے ظلم کیا کبھی تم کو بھی آگ پہونچ جاتے اس سے معلوم ہوا کہ اہل باطل کی طرف میلان حرام ہے اور تشبہ بدون میلان قلبی کے ہوتا نہیں۔ قلب میں اول اس کی عظمت آتی ہے اور اس کے استحسان کا درجہ پیدا ہوتا ہے اور اس کی طرف میلان ہوتا ہے اس کے اثر سے تشبہ ہوتا ہے پس جب یہ میلان حرام ہے تو تشبہ بھی حرام ہے یہ ہے وہ مسئلہ جس کو آج کل نیچری کہتے ہیں کہ من تشبہ بقوم فھو منھم سمجھ میں نہیں آتا۔ گورکھپور میں ایک مرتبہ جانا ہوا وہاں پر بیان کیا گیا بڑا مجمع تھا۔ میں نے کہا کہ صاحبو یہ مسئلہ تشبہ کا صرف نقلی ہی نہیں عقلی بھی ہے۔ اگر کوئی جنٹلمین اپنی بیگم صاحبہ کا زنانہ رنگین جوڑا پہن کر اجلاس میں کرسی پر آ بیٹھے کیا خود اس کو یا دوسرے دیکھنے والوں کو ناگوار نہ ہوگا تو آخر ناگواری کی وجہ بجز تشبہ کے کیا۔ سو ایک عورت مسلمان جو دینداری میں شاید تم سے بھی بڑھی ہوئی ہو اس کی تشبہ سے تو ناگواری ہوتی ہے اور کفار فجار کے تشبہ سے ناگواری کیوں نہ ہو۔ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ جب ہم نے ترکی ٹوپی پہن لی تو سب لباس میں تو تشبہ نہ ہوا۔ میں نے کہا کہ ترکی ٹوپی پہن کر باقی لباس زنانہ پہن لو اور کہدو کہ ٹوپی تو ترکی ہے تو تشبہ کہاں۔ بات یہ ہے کہ تشبہ کبھی ناقص ہوتا ہے کبھی کامل اور دونوں مذموم ہیں۔ گو دونوں کے درجہ میں تفاوت ہو۔

ملفوظ نمبر ۱۰۰۴ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بدعات میں یہ اثر ہے کہ اس سے ظلمت پیدا ہوتی ہے عقل بالکل ظلمانی ہو جاتی ہے اس لئے اہل حق پر اعتراضات بے بنیاد کیا کرتے ہیں۔ میرے ایک دوست مولوی صاحب سے کسی بدعتی نے کہا کہ تم جو مولد میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کو کھڑے ہو کر کرنے کو منع کرتے ہو تو ذکر رسول کی تعظیم سے منع کرتے ہو۔ مولوی صاحب نے خوب ہی جواب دیا۔ کہا نہیں ہم ذکر رسول کی

تعظیم سے منع نہیں کرتے بلکہ ذکر اللہ کی بے تعظیمی سے منع کرتے ہیں کیونکہ اگر کھڑے ہو کر ذکر کرنا تعظیم ہے تو پھر حق تعالیٰ کا ذکر بیٹھ کر کیوں کرتے ہو وہ بھی کھڑے ہو کر کیا کرو پھر ہم قیام مولد سے بھی منع نہ کرینگے۔ عجیب ہی جواب دیا۔

۳۰ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم دوشنبہ

ملفوظ ۱۰۰۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ علوم کا حصہ مسلمانوں ہی کو عطاء ہوا ہے میری بعض انگریزوں سے گفتگو ہوئی علوم سے قطعاً مناسبت نہیں اور انگریزوں ہی کو سوائے مسلمانوں کے اور جس قدر غیر مسلم اقوام ہیں کسی کو بھی علوم سے مناسبت نہیں اور اصل راز یہ ہے کہ علوم کے لئے ضرورت ہے نور کی اور وہ نور ہے ایمان کا اور یہ سوائے مسلمانوں کے کسی کو حاصل نہیں۔ دوسروں میں حافظہ تو ہے لیکن نظر میں تعمق نہیں ہاں علوم سیاسیات میں ماہر ہیں سو اس کا مدار تجربہ پر ہے۔ حقیقی علوم کی ہوا تک نہیں لگی۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ آج کل تو مریخ میں پہونچنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ جس روز یہ مریخ میں پہونچ گئے میں چند رکعتیں شکرانہ کی پڑھوں گا اگر یاد رہا۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ آپ کا کیا نفع۔ میں نے کہا کہ ان لوگوں کو حضور کی جسمانی معراج سے انکار ہے۔ ہمارے پاس جواب ہوگا کہ وہاں موانع کے قائل ہو۔ اور ہمارے لئے وہ موانع کیوں مرتفع ہو گئے۔

ملفوظ ۱۰۰۶ ایک صاحب نے عرض کیا کہ آج کل حضرت کو زکام ہو رہا ہے۔ مزاحاً فرمایا کہ زکام اچھا ہے۔ بے کام سے اس پر فرمایا کہ میرا معمول ہے کہ میں اپنی علالت کی اطلاع نہیں کیا کرتا اس خیال سے کہ میں تو اچھا ہو ہی جاؤں گا لیکن دوسرے لوگوں کو بوجہ محبت کے تکلیف ہوگی، مگر بعض امراض اس قسم کے ہیں۔ مثلاً کھانسی زکام بدون بتلائے ہوئے معلوم ہو جاتے ہیں۔ اب بوجہ آواز نہ نکلنے کے میں چاہتا ہوں کہ نماز نہ پڑھاؤں اور اصلی مذاق بھی یہی ہے کہ نماز کوئی اور پڑھا دے مگر ایسا کرنے سے عیادت کرنے والوں کا ہجوم شروع ہو جاتا ہے اور ایک وجہ مرض کے ظاہر نہ کرنے کی یہ بھی ہے کہ اس کی تو شہرت ہو جاتی ہے اور پھر صحت کی اطلاع نہیں پہونچ پاتی دور دراز کے لوگ پریشان رہتے ہیں اس لئے حتی الامکان اس قسم کی تکلیف اور حالت کی اطلاع نہیں کرتا اس پر بھی اگر شہرت ہو جائے تو میں دوسروں کی تکلیف کا سبب نہ بنا۔

ملفوظ ۱۰۰۷ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مدرسہ کی حالت آج کل ابتری کی ہے۔ اصل مقصود سے بعد ہو گیا ہے وہ طرز اور مسلک ہی نہیں رہا جو اپنے بزرگوں کا تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان لکھا ہوا مدرسہ میں موجود ہے کہ جب تک مستقل آمدنی نہ ہوگی مدرسہ میں خیر و برکت رہے گی اور

جب اس کا عکس ہوگا خیر و برکت نہ رہے گی۔ اب جب سے مدرسہ میں مستقل آمدنی ہوئی ہے اور اوقاف وغیرہ ہوتے ہیں روز بروز خیر و برکت کم ہی ہوتی چلی جاتی ہے وجہ یہ ہے کہ توکل کی حالت میں خدا پر نظر اور خدا پر بھروسہ ہوتا ہے جس کام میں خدا پر بھروسہ ہوگا اس کام میں خیر و برکت کا نور ہوگا۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ مہتمم صاحب موجودہ حالت مدرسہ سے بہت تنگ ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ مہتمم صاحب ڈھیلے ہیں۔ بعض جگہ ڈھیلا ہونا مفید ہے اور بعض جگہ ڈھیلا ہونا مفید ہے اور ڈھیلا بھی پکا جو سر پھوڑ دے ایک بزرگ سے ایک سانپ مرید ہو گیا۔ ایک مرتبہ جو سانپ حاضر ہوا بزرگ نے دیکھا کہ تمام زخمی ہے مکھیاں بھنک رہی ہیں۔ بزرگ نے پوچھا کہ کیا حال ہے۔ عرض کیا کہ حضرت کی بیعت کی برکت ہے حضرت نے عہد لے لیا تھا کہ کسی کو ڈسنا مت۔ کاٹنا مت۔ میں نے کاٹنا چھوڑ دیا۔ کوئی نوچتا ہے کوئی کوچتا ہے۔ کوئی پچھلے بدلے لیتا ہے۔ بزرگ نے فرمایا کہ کاٹنے ہی کو تو منع کر دیا تھا کیا پھنکار کو بھی منع کر دیا تھا تو مہتمم صاحب تو پھنکارتے بھی نہیں اس کا کسی کے پاس کیا علاج؟

ملفوظ نمبر ۱۰۰۸ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میری مدرسہ کی ایسی سرپرستی ہے کہ جیسے بہادر شاہ بادشاہ کی حکومت تھی۔ ایک مرتبہ دھوبیوں نے بادشاہ کے یہاں نالش دائر کی کہ چور ہمارے تمام کپڑے زبردستی جمنا کے گھاٹ سے چھین لے گئے حضور انصاف فرمائیں دریافت کیا گیا کہ جمنا کے اس کنارے سے یا اس کنارے سے۔ عرض کیا کہ اس کنارے سے۔ بادشاہ فرماتے ہیں کہ تم کو معلوم نہیں کہ ہماری عملداری جمنا کے اس کنارے تک ہے اس کنارے کپڑے دھونے تم لوگ گئے کیوں تو جیسے بہادر شاہ بادشاہ کی اس کنارے تک عملداری تھی ایسے ہی میری سرپرستی ہے۔ ابھی کچھ نہیں نہ حدود ہیں نہ اصول۔ بے ڈھنگا پن ایسے کہیں انتظام ہوا کرتا ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۰۰۹ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شاہان سلف اسلام کی عظمت اور وقعت قلب میں رکھتے تھے۔ اسلام کے شیدائی۔ کفار سے بغض تھا۔ سب میں زیادہ بدنام اکبر بادشاہ ہے بجائے اکبر کے اکفر کہا کرتے تھے۔ میں بھی بدگمان تھا مگر ایک تاریخ میں کچھ حالات دیکھ کر میں تو ڈر گیا۔ اب کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ اب حجاج ہی کو دیکھ لیجئے کتنا بڑا ظالم اور حالت یہ ہے کہ ایک شب میں تین سو رکعت نماز نفل پڑھنا ثابت ہے اور ایک بات تو ایسی تھی حجاج میں کہ حُجاج میں بھی شاید نہ ہو۔ حمیت اسلام، جوش اسلام غیرت اسلام ان کی برائیاں اور خوبیاں اس طرح جمع ہو سکتی ہیں جیسے حسین کے چہرہ پر کالک مل دی جائے تو اس کو حسین ہی سمجھا جائے گا اور کالک کو مبغوض۔ عمل کو مبغوض سمجھتا ہے اور عامل کو محبوب سمجھتا ہے من حیث الاسلام۔ اب کوئی قباحت نہیں رہی۔

ملفوظ نمبر ۱۰۱۰ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ بالکل غلط ہے کہ غیر مسلم اقوام کو علوم سے مناسبت ہے۔ زبان تو ایسی چیز ہے کہ آ سکتی ہے گفتگو تو علوم میں ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۰۱۱ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل لوگوں نے ڈھونگ ایسے اختیار کر رکھے ہیں کہ اس سے لوگوں کو دھوکہ ہو جاتا ہے جس کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ حشم اور خدم ہیں اس کے لوگ معتقد ہو جاتے ہیں

ملفوظ ۱۰۱۲ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اپنے علوم کے مٹانے کے یہ معنی نہیں کہ خود علوم مٹ جائیں بلکہ مراد یہ ہے کہ علوم پر نظر کر کے جو دعویٰ ہے وہ مٹ جائے۔ اور فناء رذائل کے بھی معنی یہ ہیں کہ وہ رذائل مضمحل ہو جائیں۔ تفصیل مقام کی یہ ہے کہ فناء کی دو ۲ قسمیں ہیں ایک فناء حسی، ایک فناء علمی۔ فناء حسی رذائل کی ہوتی ہے یعنی وہ رذائل ہی فنا ہو جاویں مگر بمعنی معدوم ہو جانے کے نہیں بلکہ بمعنی اضمحلال کے۔ مثلاً کبر وریاء و بخل و حسد و کینہ و بغض و عداوت وغیرہا۔ ان کا ازالہ بمعنی اعدام مقصود نہیں بلکہ ان کا امالہ مقصود ہے یعنی ان کے مواد گو باقی رہیں مگر ان کا مصرف بدل دیا جاوے۔ مثلاً پہلے غصہ غیر محل میں ہوتا تھا اب محل میں ہونے لگا۔ اور غیر محل میں نہ ہونے کے معنی بھی یہ نہیں کہ زوال ہی ہو گیا بلکہ معنی یہ ہیں کہ اضمحلال ہو گیا یعنی داعیہ اتنا ضعیف ہو گیا کہ مقاومت آسان ہو گئی اور فناء علمی وجود و کمالات اور تمام کائنات ماسوی اللہ کی ہوتی ہے یعنی یہ چیزیں اصلی حالت پر بعینہا باقی رہتی ہیں مگر ان کی طرف التفات نہیں رہتا۔ علم بمعنی التفات منفی ہو جاتا ہے پس ان کے مٹ جانے کے یہ معنی ہوں گے کہ ان کی طرف التفات نہ رہے اور یہی حقیقت ہے وحدۃ الوجود کی جس کو ایک بہت بڑے عنوان سے جہلاء نے پیش کیا ہے۔ میں اس کی ایک مثال عرض کرتا ہوں اس سے وحدۃ الوجود کی حقیقت اچھی طرح سمجھ میں آ جاوے گی اور اس مسئلہ سے جو وحشت ہے وہ جاتی رہے گی۔ دیکھئے ایک تحصیلدار کرسی پر بیٹھے ہیں۔ بڑے طنطنہ سے احکام ہو رہے ہیں کہ اس کو پکڑ لاؤ اس کو بند کر دو کہ دفعۃً کلکٹر تحصیل میں آ گیا۔ اب یہ تحصیلدار اپنے کو کیا سمجھے گا۔ یہی سمجھے گا کہ ہوں تو تحصیلدار مگر کلکٹر کے ہوتے ہوئے کوئی چیز نہیں ایسے ہی کلکٹر اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا احکام کا اجراء کر رہا تھا کہ دفعۃً وائسرائے پہونچ گیا اب وہ کلکٹر کلکٹر ہے لیکن وائسرائے کے سامنے گویا اس کا وجود ہی نہیں اب اگر یہ ماتحت حکام وائسرائے کے ہوتے ہوئے اس کا قصد بھی کریں کہ اسی لہجہ اور طنطنہ کا استعمال کریں تو یہ ہو نہیں سکتا۔ پس اس غلبہ اور استحضار کا نام وحدۃ الوجود ہے اس میں اپنا وجود بایں معنی فانی ہو گیا کہ ایک بڑی ہستی کے ایسے استحضار سے اس کی طرف التفات ہی نہیں ہوتا گویا وہ وجود رہا ہی نہیں وہی ایک بڑا وجود رہ گیا اس لئے وجود کی وحدت کا حکم کر دیا گیا۔ دوسری مثال لیجئے کہ ابر میں سے ایک قطرہ پانی کا چلا جس کو اپنی ہستی پر نظر بھی تھی مگر جس وقت سمندر پر آتا ہے اپنے کو بے حقیقت کالعدم پاتا ہے۔ تیسری مثال لیجئے شب میں جگنو کی چمک سب کو معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح چراغ کی روشنی کو سب جانتے ہیں لیکن جب آفتاب رونما ہوتا ہے یہ سب بمنزلہ معدوم کے ہو جاتے ہیں۔ دن کو چراغ جلایئے اس کے متعلق مثنوی میں ہے کہ چراغ کا شعلہ ہے مگر اس قدر ضعیف النور کہ گویا معدوم ہے مختلف اعتبار سے باقی بھی ہے اور فانی بھی ہے یعنی ذات کے اعتبار سے تو باقی ہے اور آثار و انوار کے اعتبار سے فانی ہے۔ یہ ہے وحدۃ الوجود جس کے نام سے لوگوں کو وحشت ہے اور جب اس کی صحیح تفسیر معلوم ہو گئی اب میں کہتا ہوں کہ بدون وحدۃ الوجود کے کوئی شخص مومن کامل ہی نہیں بن سکتا اس پر اعتراض صرف جہل ہے۔ اب بحمد اللہ یہ مسئلہ بے غبار ہو گیا۔

۲۰ر شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم دوشنبہ

ملفوظ نمبر ۱۰۱۳ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بالکل صحیح ہے کہ آج کل اہل حق کی جماعت میں نظم نہیں اہل باطل کی جماعتوں میں نظم ہے لیکن باوجود اس کے کہ اہل حق میں نظم نہیں اس بدنظمی کے ہوتے ہوئے بھی حق تعالیٰ اہل حق کی غیب سے امداد فرماتے رہتے ہیں۔

ملفوظ نمبر ۱۰۱۴ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مشائخ چشتیہ کو بری طرح سے لوگوں نے بدنام کیا ہے فرمایا کہ جی ہاں آج تک بیچاروں کی کسی نے نصرت ہی نہیں کی اور وہ حضرات فانی تھے۔ ان کو خود اس کی پروا نہ تھی۔ مگر جواب کی حاجت تھی اس لئے میں نے ایک رسالہ مشائخ چشتیہ کی نصرت میں لکھا ہے قابل دید رسالہ ہے اُس کا نام ہے السنۃ الجلیہ فی الچشتیہ العلیہ۔ بات یہ ہے کہ یہ حضرات عشاق تھے اور عشاق کی معذوری کو صاحب حال ہی سمجھ سکتا ہے جس پر وہ حالتیں گذر چکی ہوں جو اُن حضرات پر گذری ہیں وہی محسوس کرسکتا ہے دوسرے کو کیا خبر خصوص اس کو جو اُس راہ اور کوچہ ہی سے نہ گذرا ہو۔

ملفوظ نمبر ۱۰۱۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل اکثر جو اہل تہذیب کہلاتے ہیں میں ان کو اہل تحذیب کہا کرتا ہوں ان کے قلوب میں احکام شرعیہ کی بالکل عظمت نہیں ہوتی سوال بھی کرتے ہیں تو تمسخر کی راہ سے ایک شخص کہتے تھے کہ ایک صاحب نے جو انگریزی تعلیم یافتہ تھے اس شخص کو ریل میں وضو کرتے دیکھ کر تمسخر کی راہ سے سوال کیا کہ سفر میں نماز میں تو قصر ہے وضو میں قصر کیوں نہیں۔ اور مسائل شرعیہ پر عمل کرنے کو یہ لوگ اپنی تحقیر کا سبب سمجھتے ہیں حالانکہ اگر عقل ہو تو اس عمل سے عامل کی وقعت ہوتی ہے عظمت ہوتی ہے اثر ہوتا ہے مئو کے اسٹیشن پر مغرب کے وقت گاڑی آئی تھی سب نے وہیں نماز پڑھی تقریباً چار سو آدمی تھے۔ ہنود پر اس مجمع کا ایک خاص اثر تھا۔

ملفوظ نمبر ۱۰۱۶ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ باطنی استفادہ اس پر موقوف ہے کہ صاحب افادہ سے بے تکلفی ہو بدون بے تکلفی کے استفادہ نہیں ہوتا۔ یہ سب وجدانی اور ذوقی باتیں ہیں جو احاطہ بیان سے باہر ہیں۔

ملفوظ نمبر ۱۰۱۷ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت منصور علیہ الرحمۃ پر جو علماء نے فتویٰ دیا اس کی کیا حقیقت تھی۔ فرمایا کہ ایک تاریخ داں صاحب مجھ سے کہتے تھے کہ انا الحق کہنا ہی تاریخ سے ثابت نہیں

اور نیز اس نام کے شخص کے ساتھ یہ واقعہ دار کا نہیں آیا حسین بن منصور ایک شخص ہیں ان کے ساتھ یہ واقعہ ہوا ہے ان سے جو کلمات منقول ہیں وہ بھی موحش ہیں

اصل بنا اصلی یہ ہے کہ ایک وزیر ان کا دشمن ہو گیا تھا اس نے علماء سے استفتاء کیا کہ ایک شخص کے یہ عقائد ہیں ایسے کلمات زبان سے نکالتا ہے. علماء نے استفتے پر ضابطہ کا جواب شرعی لکھ دیا جو قضیہ شرطیہ کے حکم میں ہے علماء سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے. ویسے ہی لوگوں نے علماء کے سر تھوپا ہے. حکم شرعی بتلانا علماء کا منصب ہے. سوال کی ذمہ داری سائل پر ہے. مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں بھی اس طرف اشارہ ہے ؂

چوں قلم در دست غدارے فتاد لاجرم منصور بردارے فتاد

غداراں نہیں فرمایا جس سے علماء مراد ہوتے. غدارے میں یائے وحدت ہے اشارہ ہے اس وزیر کی طرف اور قلم سے مراد فتوی کا قلم نہیں بلکہ تنفیذ کا قلم ہے جو حکام کا منصب ہے.

ملفوظ نمبر ۱۰۱۸ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے تو بعض کلمات اس سے بھی زیادہ سخت ہیں. فرمایا کہ اگر انتظام شریعت کے لئے محی الدین ابن عربی کے ساتھ یہی معاملہ کیا جاتا تو اجازت تھی شریعت ایسی چیز نہیں کہ کسی ایک شخص کی جلالت کی وجہ سے اس میں رخنہ گوارہ کر لیا جائے.

ملفوظ نمبر ۱۰۱۹ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ایک غلطی اہل ظاہر سے یہ ہوتی ہے کہ سلامت حواس اور سلامت عقل کو ایک سمجھ لیتے ہیں اس سے دھوکہ ہو جاتا ہے بعضے لوگ مغلوب العقل ہو جاتے ہیں مگر ان کے حواس درست ہوتے ہیں جیسے جانور کھانا بھی کھاتا ہے دشمن کو پہچانتا ہے تو حواس اس کے درست ہیں لیکن چونکہ عقل کا وہ درجہ نہیں جو مدار تکلیف کا ہے اس لئے وہ مکلف نہیں اسی طرح بعضے مغلوب العقل سلیم الحواس ہوتے ہیں اہل ظاہر ان پر نکیر کرتے ہیں کہ جب یہ شخص کھاتا بھی ہے پیتا بھی ہے تو نماز کیوں نہیں پڑھتا. سو حقیقت یہ ہے کہ کھانے پینے کا تعلق حواس سے ہے اور احکام کا مکلف ہونا عقل پر موقوف ہے وہ جس شخص میں نہ ہو وہ مکلف نہیں پس جو شارح صاحب بصیرت ہیں وہ ایسے شخص کو معذور سمجھتے ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ہر فن کے متعلق اسی فن والا جان سکتا ہے دوسرا نہیں جان سکتا. غیر محقق اہل ظاہر بعض اوقات اہل حال پر غلط حکم لگا دیتے ہیں. جس میں غلطی کرتے ہیں. اہل ظاہر کے ذہن کو وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی.

ملفوظ نمبر ۱۰۲۰:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں جو بعضوں کو اپنے سے جدا کر دیتا ہوں اس کا سبب کوئی گناہ یا معصیت نہیں ہوتی بلکہ عدم مناسبت ہوتی ہے. دیکھئے حضرت موسیٰ عؑ نے نعوذ باللہ کون سی معصیت کی تھی لیکن خضر عؑ سے جدائی کا اصل سبب عدم مناسبت ہی تھی. اور یہ عدم مناسبت کبھی تو فطری ہوتی ہے وہ تو جا ہی نہیں سکتی اور ایک عوارض کی وجہ سے ہوتی ہے مثلاً جہل کے سبب سے عدم مناسبت ہو سو جہل ایک عارض امر ہے سو جو عدم مناسبت اس کی وجہ سے ہو وہ جا سکتی ہے مثلاً صحبت میں رہنے سے علم حاصل ہو گیا سو جہل دور ہو جائیگا اور جو فطری ہو گی وہ جاتی رہے گی اور طریق میں مناسبت اعظم شرائط میں سے ہے بدون اس کے نفع نہیں ہو سکتا اور مناسبت کا معیار یہ ہے کہ اپنے مصلح کے کسی کام پر کسی بات پر الجھن نہ ہو اس کے کسی حکم سے قلب پر گرانی نہ ہو خلاصہ یہ ہے کہ اعتراض یا شکایت قلب میں نہ پیدا ہو اور اگر ہو تو اگر درجہ وسوسہ تک ہے تو اس کی طرف التفات ہی نہ کرے اور اگر اس سے آگے ہے تو اس کو دور کرے خواہ خود ورنہ اور کسی مبصر سے اس شبہ کو حل کرلے اور اگر یہ تفصیل حل کرنے سے بھی حل نہ ہو تو عدم مناسبت

کی علامت ہے کسی دوسرے معلم سے تعلق کرے۔

ملفوظ ۱۰۲۱ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ مشائخ کے یہاں تو یہ معاملہ ہے کہ ان کے یہاں دوستوں کی رعایت ہوتی ہے اور دشمنوں پر دانت پیستے ہیں اور میرے یہاں دوستوں کی شکایت ہوتی ہے اور دشمنوں کے ساتھ رعایت اور چشم پوشی ہوتی ہے۔

۲۱ شعبان المعظم سنہ ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم سہ شنبہ

ملفوظ ۱۰۲۲ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ انتظامی امور میں دوسری قوموں کی ایجاد کردہ چیزوں کا اختیار کر لینا جائز ہے بشرطیکہ ان کا شعار قومی یا مذہبی نہ بن گیا ہو۔ جیسے حضرت سلمان فارسی نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تھی کہ شاہان عجم کی عادت ہے کہ جب دشمن کا خوف ہوتا ہے تو خندق کھود لیتے ہیں۔ حضور نے خندق کھدوائی اسی طرح یہ توپ بندوق یورپ کی ایجاد ہیں مگر ان کا استعمال اسی اصل پر جائز ہے۔

ملفوظ ۱۰۲۳ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے مسئلہ جہاد کا بالکل ہی انکار کیا ہے۔ کہتا ہے کہ اسلام کبھی ایسی وحشیانہ تعلیم نہیں دے سکتا۔ فرمایا کہ اس سے کسی نے یہ کہا کہ کیا وہ تعلیم وحشیانہ ہے جس پر تمام دنیا کے عقلا کا اتفاق ہے تمام دنیا کی سلطنتیں اس پر متفق ہیں اور اتفاق بھی محض زبانی ہی نہیں بلکہ عملی صورت میں ہر سلطنت اس پر کاربند ہے وہ یہ ہے کہ آخر باغیوں اور سلطنت کے مخالفوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جاتا ہے اس کا یہی جواب ہو سکتا ہے کہ مدافعت کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ حفاظت خود اختیاری کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ یہی جواب مسلمانوں کی طرف سے ہے کہ جہاد اسلام کی مدافعت کے لئے ہے حفاظت خود اختیاری کے لئے ہے۔ اسلام پھیلانے کے لئے نہیں اگر اسلام پھیلانے کے لئے جہاد ہوتا تو یہ جزیہ مشروع نہ ہوتا سو اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک ہی چیز یعنی جنگ مدافعت ایک جگہ یعنی اسلام میں مذموم۔ دنیوی اغراض میں محمود۔ یہ عجیب فلسفہ ہے کہ وطن پرستی محمود۔ ملک پرستی محمود، سلطنت پرستی محمود اور اسلام پرستی محمود نہیں۔ ایک ہی چیز کے تم مرتکب ہو اس کو تو مہذب تعلیم کہا جاوے اور اسلام اگر اس کی اجازت دے تو اس کو غیر مہذب اور وحشیانہ تعلیم کہیں آخر مابہ الفرق کیا ہے۔ مگر معترضین بے سمجھی سے یہی گیت گاتے پھرتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا اور سلاطین اسلام نے یہ مظالم کئے ان سے کوئی بطور الزامی جواب کے پوچھے کہ اب تم نے کیا کیا جہاں مسلمانوں کی قلیل آبادی دیکھی وہیں

ذبح کر دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ تلوار کا چلانا کوئی اچھی بات تھی یا بری۔ اگر اچھی بات ہے اور اس لئے تم خود اس کے عامل ہوئے تو اسلام اور مسلمانوں پر کیا اعتراض ہے اور اگر بری ہے تو تم نے کیوں اختیار کی۔ اور اگر اسلام اور مسلمانوں کے لئے تو بری ہے اور دوسروں کے لئے اچھی ہے تو اس فرق کو بیان کرو۔ میں بھی سننے کا مشتاق ہوں۔ ایک مولوی صاحب نے مجھ سے دریافت کیا تھا کہ جہاد کی غرض کیا ہے اور اس کے بعد لا اکراہ فی الدین سے اشکال پیش کرنے والے تھے۔ میں نے کہا کہ جہاد اسلام پھیلانے کے لئے نہیں ہے۔ جہاد اسلام کے غلبہ کے لئے ہے کیونکہ ہمیں تبلیغ اسلام کا حق ہے اور وہ حق دوسروں کے غلبہ کی حالت میں اطمینان کے ساتھ نہیں ہو سکتا جب چاہیں اس کو روک سکتے ہیں اس لئے اسلام کو غلبہ کی ضرورت ہے اور غلبہ بدون جہاد یا جہاد کے خوف سے ادائے جزیہ کے نہیں ہو سکتا۔ کہنے لگے یہ غرض تو صلح سے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ میں نے کہا کہ صلح میں مساوات ہوتی ہے جب چاہیں امن اور صلح کو برباد کر دیں اور توڑ دیں اور غلبہ کی حالت میں یہ نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جہاد سے مقصود اسلام کا یہ ہے کہ عالم سے فتنہ فرو ہو جائے۔ حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ میں اس کی تصریح ہے اور فتنہ کا فرو ہونا موقوف ہے اسلام کے غلبہ پر اور غلبہ موقوف ہے جہاد یا خوفِ جہاد پر۔ پھر اس غلبہ کے بعد دیکھنے کی بات یہ ہے اور تواریخ اس پر شاہد ہیں کہ اور قومیں ایسے غلبہ کے بعد کیا کرتی ہیں اور اسلام کیا کرتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ کفار کو خود اپنی سلطنت اور حکومت میں بھی وہ چین نصیب نہ تھی جو اسلام کے ماتحت رہ کر نصیب ہوئی اور جو برتاؤ وہ اپنی حکومت میں اپنی رعایا کے ساتھ کرتے ہیں۔ اسلام میں ان کے ساتھ اس سے بہتر برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے احکام اسلام و مسائل اسلام دیکھو معلوم ہو گا کہ دوسری غیر مسلم اقوام اسلام کی سی رعایت پیش نہیں کر سکتیں۔ بات یہ ہے کہ اسلام اُس ذات کے احکام کا نام ہے کہ جن کے باغیوں تک کے حقوق ہیں۔ کفار باغی ہیں مگر دیکھ لیجئے کہ فرشتے ان کی حفاظت کے لئے مقرر ہیں۔ سانپ بچھو سے ان کی حفاظت فرماتے ہیں۔ ان کو کھانے اور پینے کو دیتے ہیں بس اُسی ذات کے یہ کفار کے متعلق احکام مقرر کردہ ہیں۔ یہ مذہب اسلام خدائی مذہب ہے دیکھئے یہ مسئلہ ہے کہ عین قتال کے وقت جبکہ میدانِ کارزار میں تلوار چل رہی ہو اگر کوئی کافر جبکہ اس کے سر پر تلوار پہونچ گئی ہو۔ کلمہ پڑھ لے فوراً ہاتھ روک لینے کا حکم ہے چاہے اس نے دھوکہ دینے کے لئے کلمہ پڑھا ہو کیا کسی اور مذہب میں یہ مسئلہ ہے۔ یہ حوصلہ کوئی دکھلا سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدائی مذہب ہے۔ خدا تعالیٰ جانتے ہیں کہ یہ ہر وقت ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ ہماری قدرت میں ہیں اس کے مقابلہ میں یہ کیا کر سکتے ہیں۔ جس وقت اور جس طرح ہم چاہیں گے ویسا ہی ہو جائے گا۔ خود ساختہ پرداختہ مذہب کا بانی کبھی ایسی بلند تعلیم کر سکتا ہے ہرگز ایسی تعلیم نہیں کر سکتا کہ جس سے اپنی جماعت اور مذہب بظاہر فنا کے درجہ کو پہونچ جائیں۔ یہی ایک مسئلہ مذہب اسلام کی صدق اور خدائی مذہب ہونے کی کافی وافی دلیل ہے اور یہ جو یہ کہا گیا کہ جہاد مدافعت اور حفاظت خود اختیاری کے لئے ہے اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ جہاد میں ابتداء نہ کی جاوے۔ خود ابتداء کرنے کی بھی غرض یہی مدافعت و حفاظت ہے کیونکہ بدون غلبہ کے احتمال ہے مزاحمت کا۔ اُس مزاحمت کے انسداد کے لئے اس کا حکم کیا جاتا ہے جس کی تفصیل و توضیح

اوپر کی گئی ہے خلاصہ یہ کہ جو مدافعت غایت ہے جہاد کی وہ عام ہے مزاحمت واقعہ فی الحال کی مدافعت کو اور مزاحمت متوقعہ فی الاستقبال کی مدافعت کو۔

ملفوظ ۱۰۲۴ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت احکام شرعی یا تکوینی میں حکمتیں اور اسرار تلاش کرنا جائز ہے یا نہیں۔ فرمایا کہ جہاں منع فرمادیا گیا اس کے جاننے کی کوشش کرنا حرام ہے جیسے مسئلہ قدر۔ بعضے اسرار حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی مخفی ہیں۔

ملفوظ ۱۰۲۵ مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے بعض حضرات اہل علم مجلس میں سلے جلے بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت والا نے دیکھ کر فرمایا کہ دینی مجلس میں تقدم تاخر سے کسی کی فضیلت میں کمی نہیں ہوتی۔ جیسے قرآن شریف میں آیات کے تقدم و تاخر سے کسی آیت کی فضیلت میں کمی نہیں آتی۔ اسی طرح قرآن شریف کے اجزاء میں سورتوں میں بھی ترتیب کی وجہ سے تقدم تاخر ہے مگر کسی کی فضیلت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اس پر خاقانی کا لطیفہ یاد آگیا۔ خاقانی دہلی پہونچے۔ ایک روز سڑک پر جارہے تھے۔ درباریوں میں سے کسی کا اس طرف گذر ہوا خاقانی کو اجنبی دیکھ کر پوچھا کہ کون کہا کہ منم ماعر۔ کہا ماعر چہ باشد کہا آنکہ مر گوید۔ کہا مر چہ باشد۔ خاقانی کہتے ہیں ؎

رفتم بہ بازار خریدم یک گنا ۔۔۔ قل اعوذ برب الناملک لنا الہ النا

یہ قصداً کہا تا کہ میرا کمال معلوم نہ ہو کیونکہ یہ لوگ حسد کی وجہ سے اہل کمال کو دربار شاہی تک پہونچنے نہ دیتے تھے۔ درباری نے سوچا کہ بادشاہ کی تفریح کا خوب سامان ہاتھ لگا۔ اپنے ساتھ دربار میں لے گیا۔ چونکہ زدہ حالت سے دربار میں پہونچے۔ کسی نے بیچارہ کی طرف التفات بھی نہ کیا۔ زمین پر بیٹھ گئے اور بادشاہ کی طرف خطاب کرکے کہا ؎

گر فرو تر نشست خاقانی ۔۔۔ نے مرا ننگ ونے ترا ادب است

قل ھو اللہ کہ وصف خالق ما ست ۔۔۔ زیر تبت یدا ابی لھب است

تمام دربار حیرت زدہ ہوگیا۔ بادشاہ بہت محجوب ہوئے اور فوراً حمام میں بھجوا کر غسل دلا کر جوڑا بدلوا دیا اور بڑے احترام کے ساتھ دربار میں جگہ دی۔ دیکھ لیجئے شادی وغیرہ کی تقریب میں مجمعے ہوتے ہیں۔ اجنبی مہمانوں کی سب طرح سے آؤ بھگت کرتے ہیں مگر گھر والوں کو کوئی پوچھتا بھی نہیں کہیں کھڑے ہوں کہیں بیٹھے ہوں حتیٰ کہ کھانے تک کو بھی کوئی نہیں پوچھتا لیکن اس پر بھی گھر والوں کی فضیلت میں کوئی کمی نہیں آتی بلکہ اور فضیلت بڑھتی ہے کہ یہ گھر والے ہیں اجنبی اور باہر والے ہیں۔

ایک غریب اور ایک امیر کی گفتگو ہوئی۔ اس غریب نے سفر حج کے کچھ واقعات تکلیف کے بیان کئے تھے۔ امیر نے کہا کہ تم ناخواندہ مہمان ہو۔ ناخواندہ مہمان کی ایسی ہی ذلت ہوا کرتی ہے۔ ہم بلائے ہوئے مہمان ہیں۔ غریب نے کہا کہ یہ بات نہیں بلکہ ہم گھر کے ہیں تم باہر کے غیر ہو۔ گھر والوں کو کوئی نہیں پوچھتا کہ کھانا بھی کھایا یا نہیں اور مہمان کی مدارات ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ مجلس میں ادنیٰ اعلیٰ جگہ کا خیال نہ کرنا چاہیئے اس کو فضیلت یا نقص میں کوئی

دخل نہیں۔

ملفوظ نمبر ۱۰۲۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل تو لوگوں کا مذاق ہی بدل گیا۔ مقصود سے بہت دور جا پڑے طریق سے تو اس قدر بے خبری ہے کہ اہل علم تک اس بلا میں مبتلا ہیں عوام کی تو شکایت ہی کیا کی جائے جب لکھے پڑھوں کی یہ حالت ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۰۲۷ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہندوستان میں اکثر نام غلط رکھے جاتے ہیں ایک شخص کا نام تھا پیر بخش میں نے کہا کہ یہ تو نام اچھا نہیں۔ کہا کہ بدل دو۔ میں نے نام بدل دیا اور کبیر بخش رکھدیا۔ اس میں حسن دوجہ لفظی رعایت بھی ہے ایک صاحب کا نام تھا محمد نبی۔ میں نے بدل کر رکھا محمد نبیہ۔ اس بدلنے پر یاد آیا کسی جنازہ کے لیجانے کے وقت زور سے آندھی چلی۔ ایک شاعر نے کہا مٹی خراب (یہ مادہ تاریخی ہے) ایک اہل دل بھی موجود تھے۔ انھوں نے کہا کہ مسلمان کے جنازہ پر ایسا مت کہو۔ یہ بھی تو کہہ سکتے ہو بات بخیر اس میں وہی حروف ہیں اور تاریخ محفوظ ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۰۲۸ ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ ایک صاحب یہاں پر آئے تھے ان کی کسی غلطی پر روک ٹوک ہوئی ہوگی یا مواخذہ ہوا ہوگا وطن پہونچ کر لکھتے ہیں کہ کیا جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے یہی اخلاق تھے۔ میں نے لکھدیا کہ جہاں اخلاق ہوں وہاں جاؤ۔ مجھ بد اخلاق کو چھوڑو۔ اب بڑھاپے میں مجھ کو سکھاتے ہیں۔ یہ میں نہیں کہتا کہ میں سیکھنے کا محتاج نہیں مگر یہاں آکر جو محبت کا دعوی کیا تھا یہ اعتراض اس کے تو خلاف ہے اس دعوے کو چھوڑ کر پھر یہاں آکر کہیں کہ ہم سکھلانے آئے ہیں تب سنوں گا۔

ملفوظ نمبر ۱۰۲۹ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جب گھر کی عقل انسان میں نہ ہو تو نری تعلیم سے کام نہیں چلتا اور وہ اس حکایت کا مصداق ہو جاتا ہے کہ کسی آقا نے ایک ملازم رکھا اس نے کہا کہ مجھ کو ان کاموں کی جو مجھ سے لئے جاویں گے فہرست بنا کر دیدی جاوے۔ آقا نے فہرست بنا کر دے دی۔ ایک روز آقا گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں سفر میں چلے یہ ملازم پیدل ہمراہ ہوا ایک جگہ کسی مقام پر آقا کے کندھے سے دوشالہ کھسک کر گر گیا تو ان ملازم صاحب نے وہ فہرست نکال کر دیکھی اس میں کسی چیز کے گرنے کے بعد اٹھا لینے کو نہیں لکھا تھا آپ نے وہ دوشالہ نہیں اٹھایا۔ آقا نے منزل مقصود پر پہونچ کر دیکھا کہ دوشالہ نہیں ہے۔ ملازم سے دریافت کیا میاں دوشالہ کیا ہوا۔ کہا حضور وہ تو فلاں مقام پر آپ کے کاندھے سے گر گیا تھا پھر اٹھایا کیوں نہیں۔ فہرست سامنے رکھدی کہ دیکھیے اس میں کہیں نہیں لکھا کہ اگر کوئی چیز گرے اس کو اٹھا لیا جائے۔ آقا نے کہا کہ وہ فہرست لاؤ یہ بھی لکھدوں۔ لکھدیا کہ اگر کوئی چیز گر پڑے اٹھا لی جاوے۔ اب جب دوسری منزل پر پہونچے ملازم صاحب نے ایک گٹھڑی لا کر آقا کے سامنے رکھدی آقا نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے کہا کہ یہ حضور کے گھوڑے کی لید ہے یہ کیوں لائے کہا کہ حضور فہرست میں لکھا ہے کہ جو چیز گرے اس کو اٹھا لیا جاوے۔ یہ لید گری میں نے اٹھالیا۔ غرض جب کسی شخص میں سمجھ نہیں ہوتی اُس کا یہی حشر ہوتا ہے۔ اب ایسے بدفہموں کی کہاں تک اصلاح کی جائے۔ مزید برآں

یہ کہ جب خود بھی اپنی اصلاح کی فکر نہ ہو تو کوئی علاج ہی نہیں۔

۲۱ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم سہ شنبہ

ملفوظ نمبر ۱۰۳۰ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ پرانے اہل کمال مدعی نہیں اس لئے ان کے کمالات کا اظہار نہیں ہوتا اور آج کل کے یہ لوگ خود اعلان کرتے پھرتے ہیں اس سے لوگوں کو دھوکا ہو جاتا ہے کہ بہت بڑے باکمال ہیں اور ایسے لوگوں کی بڑائی عوام الناس کے عقائد پر ہے اس لئے یہ بیچارے ہر وقت اسی ادھیڑبن میں رہتے ہیں کہ وہ بدظن نہ ہو جائے وہ بدعقیدہ نہ ہو جائے اچھا خاصہ عذاب ہے اور اچھی خاصی مخلوق پرستی ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۰۳۱ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ یہ آج کل کے بیدار مغز اور روشن دماغ جس قدر ہیں ان میں اکثر خر دماغ ہیں۔ ان لوگوں نے دین کو کھیل بنا رکھا ہے ذرہ برابر دین کی ان کے قلوب میں عظمت نہیں۔ بھائی اکبر علی مرحوم نے مولوی شبیر علی کو جب عربی پڑھانے کے لئے انتخاب کیا تو بھائی مرحوم کے ایک دوست نے ان سے کہا کہ ہم تو آپ کو روشن دماغ سمجھتے تھے آپ نے یہ کیا کیا۔ بھائی مرحوم نے جواب دیا کہ تمہارے دماغ میں گیس کا ہنڈا جل رہا ہوگا اس لئے تم روشن دماغ ہو گئے۔ مجھ کو تمام دنیا کی تحقیقات سے کچھ غرض نہیں۔ میں تو خود اپنے گھر میں دو چیزوں میں موازنہ کر رہا ہوں۔ ہم دو بھائی ہیں۔ ایک نے علم دین حاصل کیا۔ میں نے انگریزی پڑھی مگر طمانیت قلب اور راحت جیسے میرے بھائی کو حاصل ہے وہ مجھ کو نہ دولت سے حاصل ہے نہ عہدے سے۔

ملفوظ نمبر ۱۰۳۲ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس قدر کنج و کاوش اور رنج و غم کی کون ضرورت ہے میں اکثر ایک مراقبہ کا بیان کرتا ہوں جس میں تمام غموں اور کلفتوں اور پریشانیوں کا علاج ہے وہ یہ ہے کہ اگر یہ مستحضر ہو جائے کہ حق تعالیٰ مجھ کو چاہتے ہیں (اور یہ واقعہ بھی ہے کہ وہ ہر مومن سے محبت کرتے ہیں واللہ ولی المؤمنین نص ہے) تو تمام غموں کا خاتمہ ہو جائے۔ اس کو کوئی کر کے دیکھے معلوم ہوگا کہ تمام غم اور حزن ھباءً منثورا ہو گئے یا نہیں۔ اس کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے اور دیکھ لیجئے کہ بچہ کو یہ اعتماد ہوتا ہے کہ ماں کو مجھ سے محبت ہے مجھ کو چاہتی ہے۔ پھر ماں بہت سی باتیں ناگوار بھی کرتی ہے۔ مار پیٹ تک کر لیتی ہے لیکن اُن ناگوار باتوں کے ہوتے ہوئے بھی بچہ کو اطمینان ہوتا ہے اور ماں کی محبت کی ایک خاص شان ہوتی ہے کہ وہ اس کی کبھی پروا نہیں کرتی کہ بچہ کو میری قدر بھی ہوگی یا نہیں۔ برابر بچہ کو نفع پہونچاتی رہتی ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ بندہ کو نفع پہونچاتے رہتے ہیں۔ اُن کو کبھی اس کی پرواہ نہیں کہ بندہ قدر کرے گا یا نہیں بس ایسی محبت کا مراقبہ کیا

کرے۔ یہ میں ساری عمر کا تجربہ بیان کر رہا ہوں جس قدر نفع اس مراقبہ سے ہو سکتا ہے غالباً اور کسی مراقبہ سے نہیں ہو سکتا۔ اس میں سارے غموں کا ازالہ ہے۔ کوئی غم ہو۔ پریشانی یا رنج ہو سب کا علاج اس مراقبہ میں ہے عجیب و غریب مراقبہ ہے لیکن کر کے دیکھنے کا ہے۔ بدون کئے کوئی کام نہیں ہوا کرتا۔

ملفوظ ۱۰۳۳ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ کو تو اللہ تعالے نے اپنے فضل و کرم سے ایک بڑی بات سمجھا دی میں اس کو ایک بہت بڑی نعمت اور دولت سمجھتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کی تفتیش کو قلب سے نکال دیا گیا۔ مثلاً فلاں معاملہ کی کنہ کیا ہے اور دوں کی ساتھ یہ معاملہ کیوں ہو رہا ہے۔ اور اس کی کنہ کیا ہے۔ ہمیں اس سے کیا ______ غرض کہ کنہ کیا ہے۔ میں ایک مثال عرض کرتا ہوں۔ مثال تو صنیع کے لئے ہوا کرتی ہے۔ شفاخانہ میں مریضوں کی چارپائیاں برابر بچھی ہوئی ہیں۔ ایک مریض کہتا ہے کہ ڈاکٹر نہایت رحم دل اور خوش اخلاق ہے اس کے علاوہ تمام مریض شکایت کرتے ہیں کہ ڈاکٹر نہایت خونخوار اور سخت دل ہے تو اب یہ مریض جس کے ساتھ ڈاکٹر نے رحم دلی اور نرمی کا برتاؤ کیا ہے یہ کبھی اس شکایت سے متاثر نہیں ہو سکتا۔ سمجھے گا کہ اول تو وہ ایسا ہی نہیں اور بفرض محال ہو بھی تو میرے ساتھ تو اچھا ہی برتاؤ کر رکھا ہے ایسے ہی یہاں سمجھ لیجئے کہ اپنے ساتھ حق تعالے کے لطف و عنایت کا استحضار کر کے دوسروں کی مصیبت پہ غور و فکر نہ کرے کہ یہ اس میں کیوں مبتلا ہیں اور اگر اپنے ساتھ جو برتاؤ ہو رہا ہے اگر اس کے اچھے ہونے میں شبہ ہو تو یہ سمجھ لے کہ حق تعالے اپنی مصلحت کے موافق بندہ کے ساتھ برتاؤ کریں۔ بندہ کی مرضی کے موافق نہ کریں جیسے بچہ کوٹھے پر جانا چاہے اور ماں اس کو روکے تو یہاں ماں کی مصلحت بچہ کی حفاظت ہے اپنی ذات سے اس مصلحت کا کوئی تعلق نہیں اگر بچہ کی مرضی پر چھوڑ دیا جاوے تو سوائے ہلاکت کے اور کوئی نتیجہ نہیں۔ اسی طرح ساری مصیبتوں کی جڑ اور سب سے بڑی غلطی بندہ کی یہ ہے کہ یہ اپنے علم کو محیط سمجھ کر بندہ بنکر رہنا نہیں چاہتا اپنی سمجھی ہوئی مصلحت کو مصلحت سمجھتا ہے۔ بس اس کی اصلاح کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالے ہی مصلحت کو مصلحت سمجھتے ہیں اس وقت اللہ تعالے کا ہر برتاؤ لطف و عنایت نظر آوے گا۔ پھر اوروں کے ساتھ جو حق تعالے کا معاملہ ہے اس میں زیادہ غور و فکر نہ کرے گا۔ مثلاً ایک شخص کے کپڑے پڑے ہیں رو رہا ہے چلا رہا ہے اس پر یہ شبہ ہو کہ اس کے ساتھ یہ معاملہ کیوں ہے۔ یا ایک بچہ ہے اس کے ماں باپ مر گئے اس پر یہ شبہ ہو کہ اب اس کا کون ہے یہ چیزیں قلب کو مشوش کرنے والی ہیں بس خیر اسی میں ہے کہ تو یوں سمجھے کہ ہمارے ساتھ تو اچھا برتاؤ کر رہے ہیں۔ ہمیں ساری دنیا سے کیا غرض کچھ وجہ ہوگی ہم کو معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سب علاج ہیں تدابیر ہیں قلب کو تشویش سے بچانے کے لئے۔ اب دیکھئے حاکم وقت ہے جیل میں قیدیوں کے بیڑی لگوا رہا ہے مگر جس سے حاکم کا عنایت کا تعلق ہے کبھی اس شخص کو وسوسہ بھی نہ آئے گا کہ دوسروں کے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے اس وقت یہی سمجھے گا کہ میرے ساتھ تو اچھا برتاؤ ہے۔ مجھے اپنے کام سے کام مجھے ساری دنیا سے کیا بحث۔ میں اسی لئے کہا کرتا ہوں کہ بعض علوم حجاب اکبر بن جاتے ہیں اور بعض تحقیقات سد راہ بن جاتی ہیں۔ آدمی کو بالکل ایسے ہو کر رہنا چاہیئے جیسے اس کو کچھ معلوم ہی نہیں اس وقت اس کی شان بچہ کی سی ہو جائے گی کہ وہ ہر حال میں محبوب ہوتا ہے اس کا غصہ بھی محبوب اس کا رونا بھی محبوب اور اس کی ان ہی اداؤں کو دیکھنے کی غرض سے کبھی بچہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیتے ہیں کبھی کان

بڑھ کر کھینچ لیتے ہیں کبھی کوئی چیز دیتے وقت ہاتھ ادھر ادھر کر لیتے ہیں بظاہر منع ہے مگر مقصود عطاء ہے اسی طرح حق تعالٰی کا مومنین کے لئے منع بھی عطا ہے پس سلامتی اسی عبدیت میں ہے اس کو چھوڑ کر آدمی کیوں اس فکر میں پڑے کہ یہ کیوں ہو رہا ہے وہ کیوں ہو رہا ہے ایسی تدقیقات اور علوم سد راہ ہوتی ہیں۔ یہاں پر عقل سے کام نہیں چلتا۔ عقل کی پرواز کے بھی پر قینچ ہیں جیسے گھوڑا دامن کوہ تک جا سکتا ہے آگے بلندی پر نہیں جا سکتا کہ ایک خاص حد تک پہنچ کر آگے معطل ہے اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

ملفوظ ۱۰۳۴ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اعتراض کرنا کون مشکل کام ہے ایک بڑے سے بڑے انجینیر کی تعمیر اور تجویز کردہ نقشہ پر ایک لنگوٹیا ستوا اعتراض کر سکتا ہے۔ دیکھنے کی بات تو یہ ہوتی ہے کہ وہ اعتراض کس درجہ کا ہے۔ دیکھنا معقولیت عدم معقولیت کا ہوتا ہے۔ ایک آریہ نے مسئلہ تقدیر میں شبہ کیا تھا ایک صاحب نے بغرض جواب وہ شبہ مجھ تک پہنچایا۔ میں نے کہا کہ یہ مسئلہ عقلی ہے کیونکہ اس کے مقدمات عقلی ہیں اس کو ہم ثابت کر سکتے ہیں۔ جب عقلی ہے تو عقلی ہونے کی حیثیت سے یہ مسئلہ مسلمانوں ہی کے ساتھ خاص نہیں تمام مذاہب سے اس مسئلہ کا تعلق ہے پھر ہم سے کیوں مطالبہ کیا جاتا ہے۔ دوسرے بھی غور کریں ہم بھی غور کریں جس کی سمجھ میں آجاوے وہ دوسرے کو بھی بتلا دے اگر کسی کی سمجھ میں نہ آوے سب صبر کریں۔ اسلام ہی کے ساتھ یہ مسئلہ خاص نہیں اس لئے کسی کا منہ نہیں کہ اس مسئلہ کی بناء پر اسلام پر اعتراض کرے۔ میں ایک مثال پر عرض کرتا ہوں اس سے سمجھ لیجئے۔

ایک جائداد ہے مشترک ایک تو اس میں پندرہ آنے کا مالک ہے اور ایک ایک آنہ کا مالک ہے کوئی مقدمہ اس جائداد کے خلاف قائم ہو جاوے اور ایک آنہ والا پندرہ آنے والے سے کہے کہ مجھ کو تو کچھ فکر نہیں تم کچھ کرو۔ وہ کہے گا تم کیا کہتے ہو تم کو تو زیادہ فکر چاہیئے اس لئے کہ تمہارا ایک ہی آنہ ہے اور میرے پندرہ آنے ہیں۔ جاتے جاتے بھی میرے سات آٹھ آنے تو رہیں گے اور تمہارا گیا تو کچھ بھی نہ رہے گا اس لئے قلیل والوں کو زیادہ فکر کی ضرورت ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے ساتھ اس مسئلہ میں دوسرے مذاہب کو بھی زیادہ غور و فکر کرنا چاہیئے۔ سو مسئلہ تقدیر کو مسلمانوں ہی کے ساتھ خاص سمجھ لینے کی کیا وجہ ہے؟

ملفوظ ۱۰۳۵ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا نام ہے شبیر حضرت ہارون علیہ السلام کے صاحبزادوں کے نام ہیں شبیر۔ شبیر۔ مشبر۔ ان کا ترجمہ ہے حسین۔ حسن۔ محسن۔ یہ سریانی یا عبرانی زبان ہے جس کا یہ ترجمہ ہے

۲۲ شعبان المعظم سنہ ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم چہار شنبہ

ملفوظ ۱۰۳۶ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ خیال لوگوں کا غلط ہے مسلمانوں میں بحمد اللہ اب بھی سب کچھ ہے۔ صرف ایک چیز کے نہ ہونے سے کچھ نہیں معلوم ہوتا وہ یہ کہ انکی اجتماعی حالت نہیں۔ ورنہ اور کیا چیز نہیں کس چیز کی کمی ہے۔ علم بھی ہے عقل بھی ہے۔ فہم بھی ہے۔ مال بھی ہے۔ جائداد بھی ہے۔ شجاعت اور قوت بھی ہے۔ جوش و خروش بھی ہے۔ حمیت اسلام غیرت اسلام بھی ہے۔ ساتھ ہی میں سکون اور صبر بھی ہے اگر نہیں تو محض اجتماعی حالت نہیں اس کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں کچھ بھی نہیں۔ اللہ کے بندے بڑے بڑے کونوں میں پڑے ہیں اس وقت بھی مسلمان ایسے گرے ہوئے نہیں جیسا کہ سمجھ لیا گیا ہے

ملفوظ ۱۰۳۷ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اصول صحیحہ عجیب چیز ہے اس کو جو اختیار کریگا راحت پائیگا اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی قید نہیں جیسے ایک سڑک اعظم ہے جو پختہ ہے دونوں طرف سایہ دار درخت کھڑے ہیں اب اس پر جو بھی چلے گا راحت و آرام پائے گا۔ اس میں شیخ۔ سید۔ مسلم۔ غیر مسلم کی کوئی قید نہیں۔ ان اصول میں سے ایک یہ ہے جو میں کہا کرتا ہوں کہ جوش کے ماتحت کوئی کام نہیں کرنا چاہئے۔ ہوش کے ماتحت کام کرنا چاہیئے ہاں جوش سے اعانت تو ضرور ہوتی ہے لیکن کافی نہیں اس جوش کی بالکل ایسی مثال ہے کہ جیسے انجن کو خوب گرم کر دیا جائے کھڑا ہوا پھوں پھاں کرتا رہے گا اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا اب ضرورت ہے ہوش کی کہ کل کو گھمایا جائے اب راستہ قطع کر سکتا ہے اسی طرح جوش اعانت تو کر سکتا ہے مگر کافی نہیں۔

اسی سلسلہ میں ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بعض نے تمنا تو کی ہے جوش کی۔ فرمایا کہ جی ہاں تمنا تو کی ہے مگر اہتمام نہیں۔ عرض کیا کہ کیا جوش کی دعا بھی کر سکتے ہیں فرمایا کہ کر سکتے ہیں جائز ہے کیونکہ اس میں بھی ایک بات ہے وہ یہ کہ بدون جوش کے کام میں دشواری ضرور ہوتی ہے لیکن یہ بھی کوئی ضرر نہیں اول تو انسان مشقت ہی کے لئے پیدا ہوا ہے۔ اور مشقت پر اجر کا بھی وعدہ۔

ملفوظ ۱۰۳۸ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ڈپٹی نذیر احمد نے جو استباق کا ترجمہ کیا ہے کبڈی بالکل غلط ہے۔ کبڈی میں مسابقت نہیں ہوتی کہ آگے بڑھنے کے لئے دوڑتے ہوں اور اگر صحیح بھی ہوتا تب بھی اس میں ایک نقص ہوتا وہ یہ کہ قرآن پاک کا ترجمہ ایسا ہونا چاہیئے کہ اگر قرآن پاک کا اردو میں نزول ہوتا تو ان ہی الفاظ میں ہوتا جیسے بادشاہ کا کلام عامیوں سے ممتاز ہوتا ہے تو اس میں کبھی کبڈی کا لفظ

نہ ہوتا یہ تو ایک بازاری اور عامی لفظ ہے ترجمہ میں شاہی محاورات ہونے چاہئیں مگر مصیبت تو یہ ہے کہ آج کل ہر شخص مصنف بنا ہوا ہے اور خبر خاک کی بھی نہیں۔

ملفوظ ۱۰۳۹ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کو تقریظات لکھنے میں بڑی کلفت ہوتی ہوگی۔ فرمایا کہ میں کلفت کا کام ہی نہیں کرتا۔ ایسی درخواست پر لکھ دیتا ہوں کہ میں تمام کتاب تو دیکھ نہیں سکتا نہ میرے پاس اتنا وقت ہے اگر کہو تو کوئی خاص مقام کتاب میں دیکھ کر صرف اس مقام کے متعلق تقریظ لکھ دوں کیونکہ اگر وہ کہتے ہیں اسی طرح لکھ دیتا ہوں۔ باقی کہیں کہیں سے دیکھ کر تمام کتاب کے متعلق تقریظ لکھنے کو میں جائز نہیں سمجھتا خیانت سمجھتا ہوں مگر آج کل اہل علم اس کی بالکل پرواہ نہیں کرتے دھڑا دھڑ تقریظات لکھتے چلے جاتے ہیں اور بعض جگہ اس کی وجہ ایک یہ بھی ہے وہ یہ کہ تقریظ کے لکھنے میں ایک کتاب ہاتھ آتی ہے کیونکہ آج کل تصانیف کا معمول ہے کہ وہ تقریظ لکھوانے کی غرض سے کتاب ساتھ بھیجتے ہیں اور ملک کر دیتے ہیں اور محض تقریظ لکھوانے کی وجہ سے دیتے ہیں۔ میں وہمی ہوں۔ مجھ پر وہم کا فتوی ہے اس کو وہم لوگوں کی اصطلاح کے اعتبار سے سمجھتا ہوں کیونکہ انھوں نے فہم کا نام وہم رکھا ہے۔ لیکن میرا وہ وہم بالکل مصلحت کے موافق ہوتا ہے سو میرا معمول اس کے متعلق یہ ہے کہ میں کتاب کو واپس کر دیتا ہوں اس کے بعد تقریظ کے متعلق رائے قائم کرتا ہوں اس لئے کہ آزادی سے جو کچھ لکھنا ہوتا ہے لکھتا ہوں مجھ کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ میری تقریظ ناپسند رہے اور پھر پچتائیں کہ ایک کتاب مفت میں بیکار ہی کھوئی۔ کیا اس کو وہم کہیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کے ذہن کو حقیقت تک پہنچا دیں اس کو وہم سے تعبیر کرنا ظلم ہے۔ میں آپ سے تجربہ کی بنا پر سچ عرض کرتا ہوں کہ اگر مصنف کو یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص تقریظ نہ لکھے گا بلکہ لکھے گا مگر خلاف لکھے گا تو کوئی بھی کتاب نہ دے۔

ملفوظ ۱۰۴۰ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عقل بچاری کہاں تک رسائی کر سکتی ہے کہیں نہ کہیں گاڑی ہو نجکر اٹکے ہی گی کام تو ان کے فضل سے چلتا ہے کوئی چیز بھی کام نہیں دیتی نہ علم نہ عقل نہ فہم اور اگر کچھ کام بھی دیتی ہوں تو یہ سب چیزیں بھی خدا ہی کی ہیں وہی ان سے کام لیتے ہیں اگر فضل شامل حال نہ ہو سب بیکار ہیں۔ آدمی کو کسی بات یا کسی چیز میں اپنی ناز نہیں کرنا چاہئے ناز کی بات کونسی ہے سب انہی کی طرف سے ہے۔ بندہ ہر وقت ان ہی کے فضل کا حاجتمند ہے اور بدون ان کی رحمت اور فضل کے یہی چیزیں ان کی راہ میں راہزن اور سدِ راہ ہو جاتی ہیں۔ ایسے علوم کے باب میں جو ان کی راہ میں سد راہ ہوں۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

جملہ اوراق و کتب در نار کن سینہ را از نور حق گلزار کن

اور ایسی عقل کے متعلق جو کہ محبوب سے بُعد پیدا کرے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

بلکہ اگر یہ چیزیں صحیح درجہ پر مفید بھی ہوں دعویٰ تب بھی جائز نہیں۔ وہاں دعویٰ کسی کا پسند نہیں۔ تواضع خاکساری اپنے کو مٹانا فنا کرنا بس یہی پسند ہے

ملفوظ ۱۰۴۱ فرمایا کہ آج کل عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قتال مع الکفار جہاد اصغر ہے اور مجاہدۂ نفس جہاد اکبر ہے گویا کہ قتال مع الکفار کو علی الاطلاق اُس مجاہدۂ نفس سے جو خلوت میں ہو درجہ میں گھٹا ہوا سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ صحیح نہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ قتال مع الکفار اگر بلا اخلاص ہے تب تو واقع میں وہ مجاہدۂ نفس سے درجہ میں کم ہے وہ مجاہدہ نفس اُس سے افضل ہے اور ایسے ہی قتال مع الکفار کو جہاد اصغر اور اس کے مقابلہ میں مجاہدۂ نفس کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ لیکن اگر قتال مع الکفار اخلاص کے ساتھ ہو تو ایسی حالت میں قتال مع الکفار کو جہاد اصغر کہنا غیر محققین صوفیہ کا غلو ہے بلکہ ایسا قتال مع الکفار جہادِ اکبر ہی ہے۔ اور ایسا قتال اس مجاہدۂ نفس سے جو خلوت میں ہو افضل ہے کیونکہ جو قتال مع الکفار اخلاص کے ساتھ ہوگا وہ مجاہدۂ نفس کو بھی شامل ہوگا تو ایسے قتال کے اور دونوں جہادوں کی فضیلت جمع ہو جائے گی۔

ملفوظ ۱۰۴۲ حضرت والا حسب معمول بعد ظہر خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ سامنے سے ایک صاحب آئے اور مجلس سے دور خاموش کھڑے ہو کر حضرت والا کو تکنے لگے۔ جب ان کو اسی طرح کھڑے ہوئے دیر ہو گئی تو حضرت والا نے ایک خادم سے فرمایا کہ ان صاحب سے جا کر کہو کہ اگر ان کو کچھ کہنا ہے تو قریب آ کر جو کچھ اپنی حاجت ہو اس کو ظاہر کریں اور اگر کچھ کہنا نہیں تو اس طرح خاموش کھڑے ہو کر مجھ کو تکتے رہنے سے کیا فائدہ خادم نے جب یہ بات ان سے جا کر بیان کی تو بجائے اس کے کہ وہ کوئی اس کا جواب دیتے۔ بلا جواب خانقاہ سے باہر چلے گئے۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ ہر شخص کا مزاج اور حال ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ ہے ایک شخص سے ایسے افعال و حرکات کا صدور ہوتا ہے کہ دوسرے سے اس کی قطعی امید نہیں ہوتی۔ میں تو افراد انسانی کے حالات و افعال میں اس تفاوت عظیم کو دیکھ کر کہتا ہوں کہ منطقیین نے تو انسان کو نوع اور زید عمرو بکر وغیرہ کو اس کے افراد کہا ہے مگر میرے نزدیک انسان ایک جنس ہے اور زید عمرو بکر وغیرہ اس کے افراد میں سے ہر شخص ایک مستقل نوع منحصر فی فردِ واحد ہے۔ کیونکہ جتنا تفاوت افراد انسانی میں ایک فرد کو دوسرے کے ساتھ ہے وہ تفاوت ایک نوع کو دوسری نوع کے ساتھ ہو سکتا ہے نہ کہ باہم ایک ہی نوع کے افراد میں۔ اس پر ایک اہل علم نے جو اس وقت مجلس میں حاضر تھے فرمایا کہ بالکل درست ہے جتنا تفاوت نوع انسان کے ایک فرد کو دوسرے فرد کے ساتھ ہے اتنا تفاوت باہم کسی نوع کے افراد میں نہیں۔ چنانچہ بعض مرتبہ ضعف اور قوت جسمانی کے اندر ہی ایک شخص کو دوسرے شخص کے ساتھ اتنا تفاوت ہوتا ہے کہ ایک کو دوسرے سے کوئی نسبت ہی نہیں ہوتی اس پر حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ جی ہاں عرب میں تو اس ضعف و قوتِ جسمانی کے تفاوت کا اظہار اس طرح کیا جاتا تھا کہ فلاں شخص کے اندر ایک ہزار آدمیوں کی قوت ہے۔ چنانچہ حضرت رکانہ رض جن کا قصہ لکھا ہے کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے عرض کیا کہ میں اس شرط پر اسلام لا سکتا ہوں کہ حضور مجھ کو کشتی میں گرا دیں چنانچہ حضور نے ان کو کشتی میں گرا دیا اور یہ ایمان لے آئے تو ان رکانہ کے متعلق لکھا ہے کہ ان کے اندر ایک ہزار آدمیوں کی قوت تھی۔ اس کے بعد حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ ایک بار میرٹھ میں ان رکانہ رض کے اس واقعہ پر ایک

مولوی صاحب سے اور مجھ سے گفتگو ہوئی وہ یہ کہتے تھے کہ حضورؐ نے جو رکانہ رضی اللہ عنہ کو پچھاڑ دیا یہ حضور کا معجزہ نہ تھا بلکہ تصرف تھا۔ میں نے ان سے ان کے اس دعوے پر دلیل کا مطالبہ کیا تو انھوں نے کہا کہ اس واقعہ کے اندر کم از کم احتمال تو تصرف کا ہے ہی میں نے کہا کہ اثبات دعویٰ کے لئے احتمال تو کافی نہیں بلکہ دلیل کی ضرورت ہے کہنے لگے کہ جیسے اس کی کوئی دلیل نہیں کہ یہ حضور کا تصرف تھا اسی طرح اس کی بھی تو کوئی دلیل نہیں کہ یہ حضور کا معجزہ تھا میں نے کہا کہ نہیں یہ غلط ہے بلکہ ہمارے پاس اس کے معجزہ ہونے کی دلیل ہے اور وہ یہ ہے کہ محدثین نے اس واقعہ کو معجزات کے باب میں داخل فرمایا ہے اگر معجزہ نہ ہوتا بلکہ تصرف ہوتا تو اس کو معجزات کے باب میں کیوں نقل کرتے اور صرف اس رکانہ کے واقعہ کے متعلق نہیں بلکہ ایسے جتنے واقعات منقول ہیں سب کے متعلق کہتا ہوں کہ کسی دلیل قطعی سے ثابت نہیں کہ کسی موقعہ پر بھی حضورؐ نے تصرف سے کام لیا ہو زیادہ سے زیادہ ان واقعات کے اندر احتمال عقلی ہو سکتا ہے تصرف کا مگر ثبوت کے لئے احتمال تو کافی نہیں بلکہ ان تمام واقعات کو محدثین کا معجزات میں لکھنا یہ ہمارے پاس کافی دلیل ہے اس کی کہ یہ تصرفات نہ تھے بلکہ معجزات تھے۔ ورنہ اگر ان واقعات میں سے کوئی واقعہ تصرفات کے اندر داخل ہوتا تو محدثین نے جیسے کہ معجزات کا باب قائم کیا تھا اسی طرح تصرفات کا بھی ایک باب قرار دے کر جو واقعہ ان کے نزدیک تصرفات میں داخل ہوتا اس کو تصرفات کے باب میں نقل کرتے باقی رہا کسی کا یہ خیال کرنا کہ حضرات محدثین کو معجزہ اور تصرف میں فرق معلوم نہ تھا اس لئے انھوں نے سارے واقعات کو معجزات کے اندر داخل کر دیا بلا دلیل اور ان حضرات کی شان کے بالکل خلاف ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۰۴۳ فرمایا کہ آج ایک صاحب نے مرختم میں دعاء کے لئے کچھ رقم بھیجی ہے اور کوپن پر پتہ صاف نہیں لکھا۔ میں نے اس کو واپس کر دیا اس لئے کہ یہاں پر جو رقم آتی ہے اس میں صاحب رقم کا پورا پتہ اس لئے لکھا جاتا ہے کہ ممکن ہے کہ درمیان میں صاحب رقم کی رائے بدل جائے یا جس مقصد کے لئے رقم بھیجی تھی وہ مقصد پورا ہو جائے اس وجہ سے پورا پتہ لکھ لیا جاتا ہے تاکہ اس پتہ پر بقیہ رقم واپس کر دی جاوے اور یہ بھی ممکن ہے کہ صاحب رقم کا انتقال ہو جائے تو اب یہ رقم اس کی ملک سے خارج ہو کر ورثہ کی ملک ہو جائے گی، یہاں پر اطلاع ہونے کے ساتھ وہ بقیہ رقم واپس کر دی جاتی ہے کیا وہم کی باتیں ہیں جس میں حرام حلال جائز ناجائز کا سوال ہے ایک پیرجی یہاں پر بطور مہمان آئے ہوئے تھے ان کو احکام سے تو کوئی غرض نہیں ہوتی ان کے سامنے کسی صاحب رقم کے معاملہ کا ذکر ہوا اس لئے کہ صاحب رقم کا انتقال ہو گیا تھا کہنے لگے کہ واپس کرنے کی ضرورت کیا ہے رقم کو رکھا جائے اور مردے کے واسطے دعاء مغفرت کرا دی جایا کرے میں نے کہا کہ جی ہاں حلوائی کی دکان پر نانا جی کی فاتحہ ملک کسی کی دعاء کسی کے واسطے احکام کو یہ لوگ سختی سمجھتے ہیں اس وجہ سے کہ احکام کی قید سے جو جی میں آئے وہ نہیں کر سکتے اور یہاں پر بحمد اللہ تعالیٰ اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت سے احکام کے خلاف ایک انچ بھی کوئی کام نہیں ہوتا۔ یہ ایک بہت بڑا فضل ہے اور بڑی زبردست نعمت اور دولت ہے کہ ہر چیز اپنی حد پر ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۰۴۴ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں جنہوں نے اضطراب کی شکایت کی تھی فرمایا کہ ضرورت ہی کون ہے سکون کی اگر سکون ساری عمر بھی نصیب نہ ہو تو ضرر کیا ہوا اس لئے کہ اضطراب بھی خدا کی بہت بڑی نعمت ہے اُس میں بھی حکمتیں ہیں۔

ملفوظ نمبر ۱۰۴۵ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اس ہی لئے آنے والوں کے متعلق میری رائے ہے کہ چند روز خالی ذہن اور بند دہن کے ساتھ یہاں پر رہیں مجلس میں خاموش بیٹھ کر جو میں بیان کروں سنتے رہیں اس کے بعد میں اگر پسند ہوں اور میرا طرز اور مسلک پسند ہو رجوع کریں ورنہ سلامتی کے ساتھ اپنے وطن کو واپس ہو جائیں اسی میں طرفین کی راحت ہے ورنہ سوائے بے لطفی اور کش مکش کے کوئی امید نفع کی نہیں۔

ملفوظ نمبر ۱۰۴۶ فرمایا کہ ایک شخص کا خط آیا تھا لکھا تھا کہ مجھ کو بیعت کر لیجئے۔ میں نے لکھا کہ بیعت ضروری نہیں اس پر لکھا کہ بہت ضروری ہے۔ میں نے لکھا کہ جب تم خود محقق ہو تو غیر محقق سے کیوں رجوع کرتے ہو دوسرے اس اختلاف میں یا تو میں ضروری کو غیر ضروری سمجھ رہا ہوں۔ یا تم غیر ضروری کو ضروری سمجھ رہے ہو اس صورت میں یا تو میں جاہل ہوں یا تم جاہل ہو۔ آج خط آیا ہے لکھا ہے کہ حضرت میں ہی جاہل ہوں۔ میں نے لکھ دیا کہ میں نے لکھ دیا کہ میں بھی متفق ہوں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ واقعی بیعت ضروری نہیں۔

اس سلسلہ میں فرمایا کہ ایک شخص نے لکھا تھا کہ مجھ کو بھی اپنی فرزندی میں داخل کر لو۔ میں نے لکھا کہ شریعت میں دو شخصوں کا فرزند ہونا جائز نہیں اپنے باپ کے تو فرزند ہو ہی دوسرے کے کیسے ہو سکتے ہو۔ میرے اس لکھنے اور کہنے سے مقصود یہ ہے کہ ایسے تکلف کے الفاظ سے بچنا اور پرہیز کرنا چاہیئے۔ یہ سب رسمی پیروں کے یہاں کے الفاظ ہیں وہ ایسے الفاظ سے خوش ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ شخص جس کے یہ الفاظ ہیں اچھی طرح ہمارے پھندے میں اور جال میں پھنس چکا ہے خوب شکار رہا۔ مجھ کو ایسے الفاظ سے وحشت ہوتی ہے جیسے کوئی کسی کو بنایا کرتا ہے۔ یہاں پر رسمی باتوں کی بحمد اللہ گنجائش نہیں جو بات ہو صاف ہو۔ سیدھی ہو۔ بے لوث ہو۔ ان باتوں اور لفظوں میں رکھا کیا ہے۔ کام کی بات ہے مصلح کی طرف سے تعلیم اور طالب کی طرف سے اتباع بس چھٹی ہوئی مگر اس کو ضابطہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خشک بات ہے۔ مگر اتنی تر بات کس کام کی جس میں ڈوب ہی مرو۔ میں تو کہتا ہوں کہ نہ تم میرا اتباع کرو اور نہ میں تمہارا اتباع کروں تم بھی اصول صحیحہ کا اتباع کرو اور میں بھی یعنی میں تعلیم کروں اور تم اُس پر عمل کرو۔ ان فضولیات اور عبث کو چھوڑو۔ کیوں عمر عزیز اور قیمتی وقت کو لایعنی باتوں میں پڑ کر خراب اور برباد کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سب کو فہم سلیم عطا فرمائیں۔

ملفوظ نمبر ۱۰۴۷ فرمایا کہ ایک شخص کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ مجھ کو داخل سلسلہ کر لیا جائے میں نے لکھا ہے کہ کس فائدہ کے لئے اور کیا وہ فائدہ بدون داخل سلسلہ ہوئے نہیں ہو سکتا یہ سب تعلیم ہے خدانخواستہ کوئی مواخذہ یا مطالبہ تھوڑا ہی ہے یہاں تو ہر صورت میں پہلے ہی سے تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۰۴۸ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جو شخص یہاں سے خفا ہو کر جاتا ہے یا میں کسی حرکت پر ناراض

ہو جاتا ہوں اور نکال دیتا ہوں وہ بھی محروم نہیں جاتا، خواجہ صاحب کا ایک شعر ہے اس کا ایک مصرع یہ ہے ع
میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ سب مجھ سے راضی رہیں۔ نہیں ناراض رہیں مگر کچھ لے لیں۔

ملفوظ نمبر ۱۰۴۹ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ بلا ابھی پھیلی ہے پہلے کہیں بھی یہ تکلفات نہ تھے نہ کوئی شیخ التفسیر کہلاتا تھا اور نہ شیخ الحدیث حتیٰ کہ اکثر اکابر کو مولانا تک بھی نہ کہتے تھے صرف مولوی صاحب۔ اور اب تو شیخ التفسیر، شیخ الحدیث، امام الشریعت، امام الہند، شیخ الہند کا لقب حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے تجویز کیا گیا یہ حضرت مولانا کی قدر کی کہ شیخ العالم کو شیخ الہند کہتے ہیں یہ مدعیان محبت ہیں۔ یہ سب نیچریت کا اثر ہے۔ ایک دوسری قسم کے القاب بھی نکلے ہیں جن کی نسبت میں کہا کرتا ہوں کہ آدمی ہو کر جانوروں کے نام اختیار کئے گئے۔ کوئی بلبل ہند ہے۔ کوئی شیر پنجاب ہے۔ کوئی طوطی ہند ہے اب آگے کوئی گرگ ہند ہوگا کوئی اسپ ہند ہوگا۔ کوئی فیل ہند۔ کوئی خر ہند۔ کیا خرافات ہے۔ اپنے بزرگوں کی سادہ روش کو لوگوں نے قطعاً نظر انداز ہی کر دیا۔ اسی طرح یہ ہاتھ چومنے کی رسم اب ہو گئی ہے۔ اگر دس بیس کا مجمع ہو تو اس میں اچھا خاصہ وقت صرف ہوتا ہے خواہ اس غریب مخدوم کو پیشاب ہی کا تقاضہ ہو۔

ملفوظ نمبر ۱۰۵۰ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں نے ایک وعظ میں بیان کیا تھا کہ سنت اس کو نہیں کہتے کہ جو حضور سے محض ثابت ہو بلکہ سنت اس کو کہتے ہیں جو حضور کی عادت غالبہ ہو پھر وہ غلبہ خواہ حکمی ہو یا حسی جیسے تراویح کو سنت مؤکدہ کہا جاتا ہے اور تاکد دوام پر موقوف ہے اور ظاہر ہے کہ اس پر دوام حسی نہیں ہوا مگر حضور کے ایک خاص عارض یعنی خوف فرضیت کا عذر ظاہر فرما دینے سے دوام کا مطلوب ہونا معلوم ہوا یہ دوام حکمی ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۰۵۱ ایک صاحب نے حضرت والا کے لئے کچھ دعائیہ الفاظ کہے۔ فرمایا کہ یہ مجھ کو کیوں سنایا خواہ مخواہ رشوت کا شبہ ہوتا ہے چپکے سے دعا کر لیتے۔ ہر چیز کے حدود ہیں۔ جو چیز حد سے گذرے گی وہی ناپسند ہے۔ میں یہی حدود بتلاتا ہوں ان کا حصول موقوف ہے۔ طالب کے عمل پر محض شیخ کی تعلیم اس میں کافی نہیں۔ میں اس کی ایک مثال عرض کرتا ہوں۔ یہ طبی مسئلہ ہے کہ عورت کے نطفہ سے بچہ بنتا ہے اور مرد کے نطفہ سے اس میں اس کی استعداد پیدا ہوتی ہے ایسے ہی کام کرنے والے کے کام کرنے ہی سے کچھ حاصل ہوتا ہے اور شیخ کی تعلیم سے اس میں برکت اور اعانت ہوتی ہے۔ لوگوں کو اس میں غلو ہو گیا ہے جو ایک درجہ میں عقائد کی خرابی ہے یعنی اور جگہ اس کے خلاف تعلیم ہے کہ شیخ ہی کرتا ہے جو کچھ کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی بدولت لوگ سمجھنے لگے کہ شیخ ہی کچھ سینے میں سے دے تو لیں ورنہ خود کچھ نہیں کرتے۔ میں ضرورت سمجھ کر حقائق کو ظاہر کرتا ہوں۔

۲۳ رشعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم پنجشنبہ

ملفوظ نمبر ۱۰۵۲ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کسی بزرگ کے پاس بیٹھنے میں کسی خاص نیت کی ضرورت ہے فرمایا کہ یہی نیت کافی ہے کہ ہم نفع ہو۔ اب وہ نفع عام ہے جس قسم کا بھی نفع ہو جائے۔ علمی عملی حالی اور بزرگوں کی صحبت میں تو نفع ہی نفع ہے۔ نقصان کا تو بحمد اللہ وہاں نام بھی نہیں۔

ملفوظ نمبر ۱۰۵۳ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ صوفیہ سے جو بعض خشک مزاجوں کو وحشت ہے اس وحشت کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ ذکر و شغل کرتے ہیں مجاہدات و ریاضات کرتے ہیں ان چیزوں کی تو اصل نصوص میں ہے بلکہ وجہ وحشت کی یہ ہے کہ اس جماعت کا نام صوفیہ رکھ دیا گیا بس اس سے لوگوں کو وحشت ہے اس لقب سے اس کا ایہام ہوتا ہے کہ یہ جماعت علماء کی جماعت کے علاوہ کوئی جماعت ہے اور ان کے مقابل ہے اس جماعت کا نام بھی علما ہی ہوتا تو اچھا ہوتا ایک تو لوگوں کو وحشت نہ ہوتی دوسرے علماء میں ان کا اعلیٰ درجہ شمار ہوتا اس لئے کہ طریق احکام سے کوئی جدا چیز نہیں بس طریق کے عالم احکام ہی کے عالم ہیں اس لئے ان کا لقب علماء نہایت صحیح ہوتا اور دونوں کے جدا نہ ہونے کا بیان یہ ہے کہ یہی نماز روزہ حج و زکوٰۃ وغیرہ تصوف ہیں ان ہی کی تکمیل کے لئے ذکر و شغل کرایا جاتا ہے۔ میں نے تو قرآن و حدیث سے بحمد اللہ مسائل تصوف کو ثابت کر دیا ہے اور یہ دکھلا دیا ہے کہ یہی اعمال مامور بہا طریق ہیں اور رضاء حق مقصود ہے اس کے علاوہ تیسری کوئی چیز نہیں۔ اور یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ مشائخ کے یہاں جو خاص طرق کی تعلیم ہوتی ہے وہ سب تدابیر کے درجہ میں ہیں مقصود نہیں ہاں مقصود کی معین ہیں۔ غرض قرآن و حدیث تمام تصوف سے پر ہیں۔ البتہ سمجھنے کے لئے فہم کی ضرورت ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۰۵۴ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بحمد اللہ یہاں پر ہر کام اور ہر بات کا قاعدہ ہے بدون قاعدہ کوئی کام نہیں اور نہ بے قاعدہ کوئی تعلیم ہوتی ہے پہلے قاعدہ کی پھر اور چیزوں کی تعلیم ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ میرے یہاں اس کا بھی قاعدہ اور قانون ہے کہ اگر کہیں سے مثلاً کھانا پکا ہوا آئے یا دودھ وغیرہ آئے سو اگر لانے والا آشنا سا ہے اور معتمد ہے تو لیا جاتا ہے اور اگر غیر آشنا سا ہے نہیں لیا جاتا اب ان قواعد پر کوئی اعتراض کرے تو اس کا کیا علاج۔

ملفوظ نمبر ۱۰۵۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل یہ بھی ایک رسم ہے جو نہایت گندی رسم ہے کہ مشائخ کے یہاں

گھروں پر مریدین براہ راست ہدیہ بھیج دیتے ہیں پیر صاحب کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ بعض کے یہاں تو خدام ایسے ہیں کہ چیز آئی اور فوراً اٹھا کر بھاگے اور پیر صاحب کے مکان میں پہونچائی۔ پیر صاحب کو خبر تک بھی نہیں ہوتی۔ یہ خدام بکتے رہتے ہیں اگر ان جزئیات پر پیر صاحب کی نظر نہ ہو اور ضروری تحقیقات نہ کی جاوے تو بعض اوقات حرام سے پیٹ بھرنے کی نوبت آجاتی ہے یوں سمجھتے ہیں کہ نظم کو دین سے کوئی تعلق نہیں۔ حالانکہ تمام دین خود نظم ہی نظم ہے۔ دیکھئے قربات مقصودہ میں سے نماز روزہ ہے مگر وہ بھی سراسر نظم ہے۔ صرف ایک چیز ہے جس میں بظاہر کوئی قید نہیں معلوم ہوتی اور وہ ذکر اللہ ہے مگر وہاں بھی قیدیں ہیں خلاً حدیث میں ہے کہ اگر نیند کا غلبہ ہو تو ذکر کو چھوڑ دو یا نجاسات کے موقع پر احتیاط رکھو۔

ملفوظ ۱۰۵۶ ایک مولوی صاحب غیر مقلدین کی علمی بد استعدادی اور عدم قابلیت کا ذکر کر رہے تھے حضرت والا نے سنکر فرمایا کہ پہلے غیر مقلد جامع ہوتے تھے اور اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ پہلے جامع ہوتے تھے پھر غیر مقلد ہوتے تھے اس لئے جامع ہوتے تھے۔ غیر مقلد ہو کر کوئی جامع نہیں ہو سکتا۔ ہاں جامع سے باہر ہو سکتا ہے۔ اسی سلسلہ میں ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ دہلی میں آمین بالجہر پر کسی مسجد میں کسی مسافر شخص پر سختی کی گئی۔ حضرت مولانا شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیکھ کر آمین بالجہر کہنا شروع کر دیا کہ مجھ کو کوئی روکے میرے ساتھ سختی کرے لوگوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ آپ مولانا اسماعیل صاحب کو منع کر دیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر منع کرنے پر انہوں نے حدیث پیش کر دی تو کیا کروں گا۔ تم میرے سامنے ان سے گفتگو کرو۔ میں غالب کے ساتھ ہو جاؤں گا۔ ان سے کون گفتگو کرتا۔ پھر بھی شکایت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کی۔ شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ اس کی ضرورت ہی کیا ہے عوام میں شورش ہوتی ہے۔ مولانا شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ جو مردہ سنت کو زندہ کرے سو شہیدوں کا ثواب ہے چونکہ یہ سنت مردہ ہو چکی ہے میں اس کو زندہ کرتا ہوں۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جو جواب دیا ہے میں اس جواب پر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بے حد معتقد ہو گیا۔ عجیب ہی جواب ہے۔ یہ فرمایا کہ اسماعیل ہم تو سمجھتے تھے کہ تم مولوی ہو گئے مگر معلوم ہوا کہ سمجھ کچھ نہیں آئی۔ حدیث اس سنت کے باب میں ہے جس کے مقابلہ میں بدعت ہو اور جس کے مقابلہ میں بھی دوسری سنت ہو وہ حدیث میں مراد نہیں تو ایک سنت کا بھی زندہ رہنا سنت کا زندہ رہنا ہے چونکہ وہ حضرات مناظر نہ تھے۔ حضرت شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مان لیا۔ جی کو یہ بات لگ گئی۔ قیل و قال کرنا ہوتا تو بہت گنجائش بھی گو عمل کا تبدیل کرنا تو نہیں سنا مگر جواب کچھ نہیں دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کا ہر کام خلوص پر مبنی تھا۔ اب یہ باتیں کہاں۔

ملفوظ ۱۰۵۷ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ تو جہلاء کی باتیں ہیں کہ ہم کو نماز کی روح

حاصل ہے اس لئے ہم کو نماز کی صورت سے کیا لینا ہم ظاہر پرست نہیں ہم کو اعمال ظاہرہ سے کیا لینا ہم کو نہ جنت کی پرواہ ہے نہ دوزخ کی ایسی اٹ سٹ بٹرنگ جہلا ہانکا کرتے ہیں جس کا نام انھوں نے روح رکھا ہے وہ تو نماز کی صفت ہے اور نماز ذات ہے اور ذات اہم اور اصل ہوتی ہے اور صفت اس کی تابع۔ دوسرے روح جو مقصود ہے وہ خاص وہ روح ہے جو اسی ہیئت میں پائی جاتی ہے جیسے انسان کہ اس کا جزو اعظم روح ہے مگر اس شرط سے کہ وہ اس خاص قالب سے متعلق ہو ورنہ یہی روح کسی بندر کے قالب میں ہو تو اس میں انسانی شرف نہ ہوگا۔

ملفوظ نمبر ۱۰۵۸ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اجتہادی اختلاف کی ایسی مثال ہے کہ جیسے نوکر سے یہ کہا جائے کہ گلاس میں پانی لاؤ۔ اب دو نوکروں میں اختلاف ہوا ایک یہ سمجھا کہ اصل مقصود پانی منگانا ہے اور گلاس کی قید اتفاقی ہے۔ گلاس نہ ملا تو کٹورے میں لے آیا دوسرا یہ سمجھا کہ وہ قید بھی مقصود ہے اس لئے وہ گلاس ہی ڈھونڈتا پھرتا ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۰۵۹ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ذوقی اور وجدانی چیزیں جن کی حقیقت کا انکشاف مشاہدہ پر موقوف ہے محض تحریر اور تقریر سے کیسے سمجھ میں آسکتی ہیں نہ ان کے بیان پر قدرت ہوتی ہے۔ جیسے ایک نامرد کو ہم بستری کی حقیقت کوئی نہیں بتلا سکتا۔

ملفوظ نمبر ۱۰۶۰ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شیخ سے بے تکلفی کا درجہ مطلوب اور مفید ہے جو درجہ بے حجابی تک ہو مطلب یہ ہے کہ حجاب نہ رہے۔ نہ کہ ایسی بے تکلفی کہ گستاخی اور بے ادبی تک نوبت پہنچ جائے۔ ہر چیز کے حدود اور آداب ہیں اور یہ سب باتیں چند روز صحبت میں رہنے سے حاصل ہوتی ہیں۔

۲۳ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم پنجشنبہ

ملفوظ نمبر ۱۰۶۱ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ مجھ میں بدنگاہی کا مرض ہے اس کا علاج فرمائیں۔ میں نے لکھا ہے کہ اس سے بچنا اختیاری ہے یا غیر اختیاری اب اگر لکھیں گے کہ اختیاری ہے تو لکھوں گا کہ بچو اور اگر لکھیں گے کہ غیر اختیاری ہے تو میں لکھوں گا کہ پھر گناہ ہی نہیں فکر کیوں ہے کچھ جواب نہ بن پڑے گا۔ اور واقع میں چونکہ اختیاری ہے تو بجز اس کے کچھ علاج نہیں کہ ہمت سے کام لے۔

ملفوظ نمبر ۱۰۶۲ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے اپنے ایک دوست کے متعلق لکھا ہے کہ باوجودیکہ ان کو زنا

سے نفرت ہے اور ہر ممکن ذریعہ سے بچنے کا طریق اختیار کر چکے مگر اس وقت تک نہیں رک سکے اب اُن کو اس کی فکر ہے کہ پہلی بیعت باقی رہی یا تجدید بیعت کی ضرورت ہے۔ اب اگر لکھتا ہوں کہ بیعت باقی ہے تو جرأت بڑھتی ہے اگر لکھتا ہوں کہ باقی نہیں رہی تو غلط ہے۔ میں نے لکھا کہ بیعت کی حقیقت کیا ہے اس پوچھنے سے معلوم ہو جائے گا کہ بیعت کی حقیقت کیا سمجھے ہوئے ہیں اس سے ان کو یہ سمجھ لینا بھی آسان ہوگا کہ وہ حقیقت باقی رہی یا نہیں۔ میری تصریح کی ضرورت نہ ہوگی۔

۲۴ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز جمعہ

ملفوظ نمبر ۱۰۶۳ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر نماز میں ذات بحت کا تصور ہو اور معانی کی طرف بھی توجہ ہو تو اس حالت میں یہ ہوتا ہے کہ اگر اُس طرف خیال ہوتا ہے تو یہ نہیں رہتا اور اس طرف خیال ہوتا ہے تو وہ نہیں رہتا فرمایا کہ ایک ہی ہو سکتا ہے جس سے زیادہ دلچسپی ہو اسی ایک کو اختیار کر لے عرض کیا کہ اگر سجدہ کی جگہ پر نظر رکھی جاتی ہے تو نیند کا غلبہ ہوتا ہے فرمایا کہ یہ ایک شغل ہے اور شغل میں یکسوئی ہوتی ہے اس لئے نیند کا غلبہ ہوتا ہے کچھ مضر نہیں۔ عرض کیا کہ اگر نماز میں آنکھ بند کر لے۔ فرمایا کہ خلاف سنت ہے مگر جائز ہے اور جائز بھی بلا کراہت۔ عرض کیا کہ اکثر صاحب حال کو دیکھا ہے کہ ان کے اعمال میں کمی ہوتی ہے۔ فرمایا کہ وہ حال کے غلبہ کی وجہ سے معذور ہوتے ہیں۔ باقی اعمال ہی زیادہ قیمتی ہیں حال سے۔ عرض کیا کہ خشوع میں جو اختیار سے یکسوئی ہوگی کیا اس کو خشوع کہیں گے۔ فرمایا کہ خشوع اسی یکسوئی کو کہیں گے جو اختیار سے ہو۔

ملفوظ نمبر ۱۰۶۴ ایک مولوی صاحب کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں تکثیر عبادت سے جو حدیث میں ممانعت ہے اس کے متعلق محققین نے لکھا ہے کہ تکثیر عبادت سے ممانعت فی الحقیقت تقلیل عبادت سے ممانعت ہے اس لئے کہ عبادت کی تکثیر مفرط بوجہ ملال وکلال مفضی ہو جاتی ہے کہ اس کی تقلیل کی طرف ورنہ تکثیر عبادت تو خود مطلوب ہے۔ ممانعت کی چیز نہیں اور ہر چیز میں یہی حالت ہے کہ کثرت کرنا کسی چیز کا سبب ہو جاتی ہے اس کی قلت کا۔ بعض طلباء ہر وقت کتاب میں مشغول رہتے ہیں مگر بعد چند روز کے جتنا کام کرنا ضروری تھا اس سے بھی محروم ہو جاتے ہیں اس لئے یہ چاہیئے کہ جتنا شوق ہو اس سے بھی کام کچھ کم کرے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مثال بیان فرمائی ہوئی یاد ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ جیسے لڑکے چکی کو کھینچتے ہیں تو پھر واپس لوٹانے کے لئے کچھ ڈور الٹا چھوڑ دیتے ہیں اسی طرح اگر بھوک رکھ کر کھایا جائے تو دوسرے وقت خوب اشتہا ہوتی ہے۔ ان ہی باتوں کی

وجہ سے میں کہا کرتا ہوں کہ ہر چیز میں شیخ کامل کی ضرورت ہے اب شربت بنتے ہیں۔ خمیرہ بنتے ہیں۔ آگ کا انداز کہ چاشنی نہ بگڑ جائے جیسے اس کو دواساز سمجھ سکتا ہے اسی طرح باطن کی چاشنی کو ماہر فن شیخ کامل محقق ہی سمجھ سکتا ہے اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار مرد حال شو — پیش مردے کاملے پامال شو

ملفوظ ۱۰۶۵ ایک مولوی صاحب نے ایک شخص کی عملی حالت بیان کر کے اس پر اخروی مواخذہ کا حکم لگا دیا۔ حضرت والا نے سن کر فرمایا کہ وہاں ہمارے فتووں پر تھوڑا ہی فیصلہ ہوگا۔ بعض بات ایسی بھی ہوتی ہے کہ خود صاحب عمل کو بھی محسوس نہیں ہوتی اور وہ نجات کا ذریعہ بنجاتی ہے اس لئے کہ بات تو وہ بظاہر چھوٹی ہوتی ہے مگر وہ ایسے خلوص کے ساتھ ہوتی ہے کہ وہ بہت بڑی ہو جاتی ہے اور وہ سبب بنجاتی ہے نجات کا کسی کو کیا خبر کہ کس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا اور دوسروں کی تو کیا خبر ہوتی خود اپنی ہی خبر نہیں۔

ملفوظ ۱۰۶۶ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آج کل تو کہ بڑے درویشوں کی صورت بناتے ہیں حالانکہ درویش نہیں بلکہ صورت بنانے کی طرح صورت بھی نہیں بناتے کیونکہ صورت بنانا بھی کوئی آسان چیز تو نہیں اس لئے کہ ظاہر کے بھی تو حقوق ہیں اس کو نبھانا بھی بڑا کام ہے۔ معمولی کام نہیں اور صورت بنانے پر جو ملامت کی جاتی ہے یہ ملامت اس نقل پر ہے کہ جو محض لوگوں کی نظر میں اس جماعت میں شمار ہونے کی نیت سے ہو اور اگر اس قصد سے ہو کہ اس صورت کی برکت سے مجھ میں بھی حقیقت کا اثر آجاوے تو پھر کچھ ملامت نہیں۔

ملفوظ ۱۰۶۷ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے اس میں کہیں مناجات مقبول کی اجازت چاہی ہے اور کہیں حزب البحر کی اجازت لی ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ امید ہے کہ حضور میرے ان مقاصد پر توجہ فرما کر ممنون فرمائیں گے میں نے لکھ دیا ہے کہ تمہاری مرضی کے موافق یا اپنی مرضی کے موافق اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ جیسے خمیرہ عنبر اور خمیرہ مروارید خود تجویز کر کے اور طبیب سے محض برکت کے لئے اجازت چاہے تجویز تو اپنی اور توجہ اور برکت دوسروں کی۔ یہ حالت ہے آج لوگوں کی کسی چیز کی بھی خبر نہیں اول تو وظائف اور اوراد کو مقصود دلذات سمجھتے ہیں۔ پھر اس کو بھی اپنی رائے سے تجویز کر کے دوسروں کو اپنا تابع بناتے ہیں۔

ملفوظ ۱۰۶۸ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں جس مسجد میں نماز پڑھتا ہوں لوگ مجھ کو امامت کے لئے کہتے ہیں۔ میں اس مہتم بالشان کام کی اپنے اندر اہلیت نہیں پاتا اس خیال سے اگر کبھی تاخیر کر کے مسجد جاتا ہوں تو ترک جماعت کا افسوس ہوتا ہے۔ میرے رہبری فرمایئے۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ اگر اعتقاد عدم اہلیت کے ساتھ امامت کی جاوے کچھ حرج نہیں۔ اس پر فرمایا کہ اس جواب سے نہ تو اپنے کو اہل سمجھیں گے اور نہ ترک جماعت کی نوبت آئے گی۔ دونوں باتوں کی رعایت سے جواب لکھا ہے اس لئے یہ بھی رعایت کی کہ کہیں اہل سمجھ کر عجب نہ پیدا ہو جاوے۔

ملفوظ نمبر ۱۰۶۹ فرمایا کہ ریاست بہاولپور سے ایک صاحب کا خط ایک تعویذ کی درخواست میں آیا ہے اس میں ایک بزرگ کی کرامت تمہید میں لکھی ہے کہ پانی کا کمی ہو گیا تھا اس لئے آپ سے تعویذ مانگتا ہوں کہ بزرگوں کی ایسی برکات ہوتی ہیں۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ آپ نے ان بزرگ کی کرامت لکھ کر میرے لئے غلو کو آسان کر دیا وہ یہ کہ میں ایسی برکت اور کرامت والا نہیں تو میرے تعویذ سے کیا فائدہ ہوگا۔ یہ شخص کیسے جہل میں مبتلا ہے اب مروجہ اخلاق اگر اختیار کروں تو اس کا اقتضا تو یہی تھا کہ تعویذ لکھ دیتا مگر یہ غریب تو ساری عمر جہل میں مبتلا رہتا۔

ملفوظ نمبر ۱۰۷۰ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حسن صورت بھی ایک نعمت ہے۔ مقاصد حسنہ میں حدیث ہے۔ اطلبوا الخیر عند حسان الوجوہ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن صورت اکثر حسن سیرت کی علامت ہے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اسی کو لکھا ہے ؎

گنہ عفو کرد آل یعقوب را | کہ معنی بود صورت خوب را

۲۵ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم شنبہ

ملفوظ نمبر ۱۰۷۱ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مصائب میں جو حکمتیں ہوتی ہیں وہ حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں اگر بندہ کو معلوم ہو جائیں تو وہ مصائب کی تمنائیں کرے اور دعائیں کرے جب اس میں حکمت ہے تو ہر مصیبت میں یہ استحضار کرے کہ اس میں میرے لئے حکمت ہے۔ اب رہا یہ کہ وہ حکمت کیا ہے اس کی کاوش فضول ہے کیونکہ وہ حکمت بھی ایک واقعہ ہوگا تو پھر اس حکمت کی حکمت کے معلوم کرنے کا سوال ہوگا اس کے بعد پھر اس حکمت کی حکمت کی ضرورت سمجھی جاوے گی تو اس سلسلہ کا منقطع ہونا محال ہوگا۔ یہ سلسلہ صرف یوں منقطع ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ سے تعلق پیدا کرے تو ان کے کسی تصرف میں کسی سوال کا وسوسہ ہی نہ ہوگا اب یہ بات رہ گئی کہ اللہ سے کیسے تعلق پیدا ہو اس کا طریق یہ ہے کہ اللہ والوں سے تعلق پیدا کرو اور یہی ایک ذریعہ ہے تعلق مع اللہ کا اور یہ تعلق مع اللہ ہی اس سلسلہ کو منقطع کر سکتا ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۰۷۲ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نفس بری بلا ہے اس سے ہر وقت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ عجیب بات ہے کہ جس قدر انسان ریاضت مجاہدات عبادات میں مشغول ہوتا ہے اسی قدر اس کے اندر بھی ایک لطافت ادراک کی پیدا ہوتی رہتی ہے اور اس لطافت سے اس کے کید بھی نہایت لطیف صورت میں پیدا ہونے لگتے ہیں اس لئے یہ بڑی ہی خطرناک چیز ہے اور اس کا علاج بجز توت

اور ہمت کے کچھ نہیں۔ شیطان تو لاحول سے بھاگ جاتا ہے مغلوب ہو جاتا ہے۔ مگر یہ ظالم بجز مقابلہ کے اور وہ بھی ہمت اور قوت سے ہو قبضہ میں نہیں آتا اور ایک چیز سے تو یہ بالخاصہ بہت جلد پھول کر گدھا بنجاتا ہے وہ یہ کہ جب اس کی مدح کی جاتی ہے اسی لئے بزرگوں نے اس مدح سے بچنے کی خصوصیت کے ساتھ ہمیشہ کوشش کی ہے۔ مدح سے اس میں فرعونیت پیدا ہوتی ہے یہ فرعون ہو جاتا ہے۔ نفس اور شیطان کے فرق میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماویٰ جس سے نفس کی قوت معلوم ہوتی ہے کہ اس کے لئے کف اور ضبط کا اہتمام کرنا پڑتا ہے اور شیطان کے حق میں فرماتے ہیں ان کید الشیطان کان ضعیفا اس کے لئے ضعف کو ثابت کیا ہے اور نفس کی یہ خاصیت کہ یہ مدح سے فرعون ہو جاتا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں ؎

نفس از بس مدحہا فرعون شد کن ذلیل النفس ہونا لا تسد

ملفوظ ۱۰۷۳ ایک صاحب نے کسی درخواست کے لئے پرچہ پیش کیا۔ حضرت والا نے ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ ایسی درخواستوں کے لئے میں جس درجہ کا اطمینان چاہتا ہوں وہ یہاں کی محدود موجودگی پھر وہ بھی اول ملاقات میں میسر نہیں ہو سکتا۔ یہاں آنا تو صرف ملاقات کے لئے ہونا چاہیئے اور دوسری باتیں اس میں کھپتی نہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ جب آنکھیں سامنے ہوتی ہیں آزادی سے کچھ کہنا ذرا مشکل ہوتا ہے اور اکثر ضرورت ہوتی ہے کہنے کی۔ اور جب سامنے نہ ہوں تو بے حیا بن کر جو وہ چاہے لکھ دے جو میں چاہوں لکھ دوں اور اصل بات یہ ہے کہ اول ملاقات میں نہ مناسبت ہوتی ہے نہ موانست اس لئے نفع ہو نہیں سکتا۔ یہ سب تجربات کی بناء پر عرض کر رہا ہوں۔

ملفوظ ۱۰۷۴ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بے اصول کہاں کام چل سکتا ہے نفع میں ضرورت اس کی ہے کہ مصلح جامع بین الاضداد ہو وہی اصلاح کر سکتا ہے مثلاً دل میں تواضع ہو اور برتاؤ میں صورت تکبر کی ہو۔ ان دونوں چیزوں کے جمع کرنے کی ضرورت ہے بدون اس کے انتظام ہو نہیں سکتا۔ انتظام میں ان ہی چیزوں کی ضرورت ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حکومت کرنا بھی صوفیہ ہی کا کام ہے آج کل زیادہ خرابیاں اسی وجہ سے ہو رہی ہیں کہ نا اہل حکومت کر رہے ہیں۔

ملفوظ ۱۰۷۵ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ غیر متقی کا شیخ ہونا ممکن ہے جیسے بد پرہیز کا طبیب ہونا ممکن ہے کیونکہ شیخ کہتے ہیں ماہر فن کو اس میں متقی ہونے کی قید نہیں ہاں متقی وغیر متقی میں یہ فرق ضرور ہوگا کہ شیخ اگر متقی ہے تو اس کی تعلیم میں برکت ہوگی اور غیر متقی شیخ کی تعلیم میں برکت نہ ہوگی۔ متقی کا ایک جملہ کہہ دینا ساری عمر کی رہبری کے لئے کافی ہوگا۔ متقی اور غیر متقی کے اس فرق پر یاد آیا۔ ایک بزرگ کے پاس ایک بچہ کو لایا گیا اور عرض کیا کہ یہ گڑ بہت کھاتا ہے اس کو منع فرما دیجئے کہ یہ گڑ کھانا چھوڑ دے بزرگ نے فرمایا کہ اس کو کل لانا اگلے روز لایا گیا آپ نے اس بچہ کو گڑ کھانے سے منع فرمایا کہ میاں گڑ زیادہ نہیں کھایا کرتے۔

بچہ پر اثر ہو گیا کھانا چھوڑ دیا۔ بزرگ سے کسی نے دریافت کیا کہ اگر کل ہی منع فرما دیتے تو کیا بات تھی۔ فرمایا کہ کل تک میں بھی کھایا کرتا تھا۔ میں نے بھی کل سے نہیں کھایا خود چھوڑ کر کہنے کا اثر ہوا اور جس طرح تقوی شرط برکت ہے شیخ کے لئے اسی طرح اور بھی بعض چیزیں اسی برکت کی شرط ہیں۔ مثلاً شیخ کا کوئی وقت خلوت کا معمول نہ ہو تو اس کی تعلیم میں برکت نہ ہوگی۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ان لک فی النهار سبحا طویلا واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا۔ تبتل سے پہلے ان لک فی النهار سبحا طویلا فرمایا یعنی دن میں کام زیادہ رہتا ہے اور اس وجہ سے ذکر و تبتل کے لئے فراغ نہیں ہوتا اس لئے شب کا وقت اس کے واسطے تجویز کیا اور اس کا راز یہ ہے کہ برکت تعلیم کے لئے ضرورت ہے نور کی اور نور پیدا ہوتا ہے ذکرِ کامل سے اور ذکر کامل کے لئے ضرورت ہے خلوت کی۔ اس لئے بزرگوں نے یہاں تک اہتمام کیا ہے کہ قلب کو بجز ذاتِ واحد کے کسی طرف متوجہ نہ کرنا چاہیئے اور وہ ذات حق تعالیٰ کی ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

دلا آرامیکہ داری دل دروبند   دگر چشم از ہمہ عالم فروبند

ملفوظ ۱۰۷۶ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ جو شیخ کو طالب کی کسی حرکت پر تکدر یا انقباض ہو جاتا ہے کیا وہ حرکت معصیت ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے فیض بند ہو جاتا ہے فرمایا کہ یہ کیا ضرور ہے کہ معصیت ہی پر شیخ کی طبیعت منقبض ہو اور بہت سی باتیں ہیں جن سے انقباض اور تکدر ہو جاتا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ جس حرکت سے انقباض اور تکدر پیدا ہوا ہے وہ حرکت مشابہ معصیت کے ہوتی ہے تو طالب کو چاہیئے کہ جو حرکت مشابہ معصیت کے ہے اس سے بھی بچنے کا اہتمام کرے اور احتیاطاً خدا کی جناب میں استغفار کرے۔

ملفوظ ۱۰۷۷ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کیا یہ تھوڑا امر ہے کہ جب اپنے متعلق کامل ہونے کا شبہ ہوا اور اپنے کو اصلاح و مجاہدہ سے فارغ اور مستغنی سمجھنے لگتا ہے یہ سخت غلطی ہے۔ اس کو تو اور زیادہ ضرورت ہے اعمال ظاہری و باطنی کے اہتمام کی اور مشغول مع اللہ ہونے کی، دو وجہ سے ایک یہ کہ اس کی معرفت زیادہ ہے اور زیادت معرفت سے حقوق میں زیادتی ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کا اثر دوسروں تک متعدی ہوتا ہے۔

ملفوظ ۱۰۷۸ (متعلق ملفوظ سوم سابق) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت والا نے ابھی فرمایا کہ تعلیم کے لئے ضرورت ہے نور کی اور نور کے لئے ضرورت ہے ذکر کی اور ذکر کے لئے ضرورت ہے خلوت کی تو خلوت کے لئے اگر شب و روز میں کچھ وقت معتد بہ مقرر کر لیا جائے وہ خلوت کافی ہوگی۔ فرمایا کہ جی ہاں کافی ہوگی جیسے کہ کنواں کہ ہر وقت پانی کھینچنے سے پانی ٹوٹ جاتا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ کچھ دیر بند رکھا جائے تاکہ چشمہ آب سے پر ہو جائے طویل مدت کی ضرورت نہیں۔ ایسے ہی شیخ کو ضرورت ہے کہ تعلیم اور ارشاد سے فارغ ہو کر کچھ وقت خلوت کا مقرر کرے۔

ملفوظ ۱۰۷۹ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ہے تو نئی سی بات مگر میں کہتا ہوں کہ زیادہ بزرگوں سے بھی نہیں ملنا چاہیئے اس میں بڑی گڑبڑ ہو جاتی ہے اس لئے کہ بزرگ بھی مختلف الاحوال کے ہوتے ہیں۔ سب احوال کے جمع کرنے سے کچھ بھی نہیں بنتا آدھا تیتر آدھا بٹیر ہو جاتا ہے۔ بعض کو عادت ہوتی ہے یہاں گئے وہاں گئے۔ ان کی یہ حالت ہوتی ہے ؎

لختے برداز دل گذرد ہر کہ ز پیشم من قاش فروش دل صد پارہ خویشم

ملفوظ ۱۰۸۰ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اپنے شیخ کو انفع سمجھے افضل سمجھنا ضروری نہیں یہ کس کو معلوم ہے کہ خدا کے نزدیک کون افضل ہے اور کون مفضول۔ عرض کیا کہ اپنے کو اکمل سمجھنا کیسا ہے۔ فرمایا کہ اکمل سمجھنا جائز ہے افضل سمجھنا جائز نہیں۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کو پندرہ پارے یاد ہیں اور پچاس جگہ بھولتا ہے اور ہم کو سارا قرآن پاک یاد ہے اور پچاس برس تک بھی ہم پچاس جگہ نہیں بھولے تو ہم اپنے مقابلہ میں اس بھولنے والے کو اکمل کیسے سمجھیں گے بلکہ اپنے ہی کو سمجھیں گے۔ ہاں احتمالاً افضل سمجھیں گے باعتبار مآل کے۔ اور یہ بہت ہی سہل ہے یعنی یہ سمجھے کہ ممکن ہے میرے انجام سے اس کا انجام بہتر ہو اور باعتبار حال کے بھی اس طرح زیادہ مستبعد نہیں کہ ممکن ہے کہ اس میں کوئی ایسی خوبی ہو جس سے خدا کے نزدیک یہ زیادہ مقبول اور پسندیدہ ہو اور مجھ میں وہ خوبی نہ ہو۔ یہ عنوان فہم اور عمل میں بہت سہل ہے۔

ملفوظ ۱۰۸۱ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو ایسی چیز سے بھی منزہ رکھا جاتا ہے جو عرفاً عیب ہو کہ ان کے سپرد تبلیغ ہے اور اس کے موثر ہونے کے لئے مبلغ کی عظمت کی ضرورت ہے اور ایسے عیب سے عظمت نہیں رہتی۔ اسی کی ایک فرع ہے کہ بیوی کا فحش بھی عرفاً عیب ہے اس لئے اس سے بھی انبیاء کو پاک رکھا گیا اور کفر عرفاً عیب نہیں اس لئے بعض انبیاء کی بیویاں مومن نہ تھیں۔

ملفوظ ۱۰۸۲ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بدعتیوں سے ملنا کیسا ہے۔ فرمایا کہ اچھا نہیں۔ کانپور کے بدعتیوں کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ مجھ سے کوئی خفانہ تھا سب محبت کرتے تھے اور مالی خدمت بھی کرتے تھے۔ میں قبول کر لیتا تھا اور یہ جو میں نے کانپور کے بدعتیوں کا ذکر کیا ہے وہ ایسے بدعتی تھے جیسے ایک شخص کا گدھا کھو گیا تھا وہ اس کی تلاش میں پھر رہا تھا ایک شخص سے پوچھا کہ تم نے گدھا تو نہیں دیکھا اس نے کہا کہ ایک گدھی تو دیکھی ہے کہنے لگا کہ وہی ہوگی اس نے کہا کہ تم تو کہتے تھے کہ گدھا ہے کہنے لگا کہ ایسا زیادہ گدھا بھی نہیں تھا۔

ملفوظ ۱۰۸۳ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں جس وقت کانپور کے مدرسہ فیض عام میں مدرس ہو کر گیا ہوں تقریباً بیس برس کی عمر تھی مجھ سے کہا گیا کہ آپ وعظ میں مدرسہ کے چندہ کی ترغیب دیا کریں۔ میں نے کہا کہ نقل کے تو خلاف ہے ہی مگر عقل کے بھی تو خلاف ہے اگر میں وعظ میں ترغیب دیکر مہینہ میں دو سو روپیہ جمع کر دوں تو پونے دو سو روپے تو تم کو دیدوں اور پچیس روپیہ میں لیا کروں۔ اگر یہ کام کروں تو خود ہی دو سو کیوں

نہ رکھوں، مجھ کو بحمد اللہ اس متعارف چندہ کے کام سے شروع ہی سے وحشت ہے۔ میں نے اپنے بزرگوں کے آغوش میں پرورش پائی ہے ان کی تربیت کا اثر ہے۔

ملفوظ ۱۰۸۴ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ کے فضل سے اور اپنے بزرگوں کی دعاء کی برکت اور توجہ سے علم کی ہر ضروری چیز قلب میں بقدر ضرورت اللہ تعالیٰ پیدا فرما دیتے ہیں۔ یہ اس کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔

ایک مرتبہ زمانہ طالب علمی میں ہی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ تم جہاں بھی جاؤ گے تم ہی تم ہو گے میدان خالی ہے۔ خیر خالی تو نہیں دیکھا مگر مثل خالی کے دیکھا جہاں گئے مخالف مغلوب ہی رہے۔

ملفوظ ۱۰۸۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حالت تھی کہ جب کوئی بزرگ مشائخ میں سے آتے اور حضرت کی تعریف کرتے ان کے چلے جانے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ اللہ میاں کی ستاری ہے کہ اہل نظر کی نظر سے بھی میرے عیوب چھپا رکھے ہیں کیسی شان ہے ان حضرات کی بالکل ہی فانی محض ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم کے رہنے والے ہی نہ تھے ہر وقت اسی طرف کا استغراق اسی طرف کا دھیان دل میں رچا ہوا تھا کہ بجائے اس کے کہ اہل بصیرت کی مدح سے کمال کا گمان ہوتا خود مدح کی تاویل فرماتے تھے۔

ملفوظ ۱۰۸۶ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ علوم عالی اور عنوان سہل یہ انبیاء ہی کو عطا ہوا ہے اگر انبیاء علیہم السلام کے علوم ایسے عالی نہ ہوتے تو افلاطون اور ارسطو کو نبوت عطا ہوتی، مگر حق تعالیٰ کو تو علم تھا کہ افلاطون اور ارسطو انبیاء کے سامنے ہیں کیا بلا۔ فی الحقیقت انبیاء کے سامنے یہ سب گرد تھے اگر یہ بات نہ ہوتی تو یہ تو انبیاء کو بنا لیتے۔ انبیاء کے حقیقی علوم کے سامنے فلاسفہ کی رسمی ولفظی تحقیقات میں کیا رکھا ہے۔ میں عرض کیا کرتا ہوں کہ ایک شخص ہے اس کو مٹھائی کی پوری فہرست یاد ہے اور ایک کے پاس مٹھائی ہر قسم کی ہے یہاں سے اٹھائی کھائی وہاں سے اٹھائی کھائی مگر مٹھائیوں کے نام اس کو یاد نہیں تو اب قابل غور یہ بات ہے کہ آیا مٹھائیوں کا مالک محتاج ہے نام والی کا یا نام والا محتاج ہے مٹھائی والے کا اسی طرح جب حق تعالیٰ اپنے حبیب کی امت میں سے اپنا فضل فرماتے ہیں اس کو بھی مشابہ انبیاء علیہم السلام کے علوم عطاء فرما دیتے ہیں۔ دیکھ لیجئے ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اصطلاحی عالم نہ تھے مگر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ان سے خادمیت کا تعلق خود بتلا رہا ہے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں کوئی چیز تو ضرور تھی کہ جس کی وجہ سے اور جس کی طلب میں ان حضرات نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق پیدا کیا۔ بات یہ ہے کہ ہم اہل الفاظ ہیں اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اہل معنی ہیں الفاظ سے سکون نہیں ہوا کرتا سکون تو حقیقت پر پہنچنے سے ہوتا ہے جب علماء ظاہر اور اولیاء اللہ کے علوم میں اس قدر

فرق ہے تو انبیاء علیہم السلام تو کیا کچھ ہونگے۔

ملفوظ نمبر ۱۰۸۷ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے نہ طلب کا اظہار۔ نہ مطلوب کی غایت۔ نہ اپنی ضرورت، حالات کا تعارف۔ نہ پہلی کبھی ملاقات جس سے احتمال حالات کی اجمالی اطلاع ہو بس ایک دم سے لکھدیا کہ مجھ کو بیعت کر لو۔ میں نے لکھدیا ہے کہ خواہ مخواہ۔ کیونکہ ایسی خشک درخواست کا یہی جواب ہے اس پر فرمایا کہ اپنی غرض کے پورا کرنے کو لوگ اصل سمجھتے ہیں اور جس سے غرض کا تعلق ہے اس کی کسی بات کی بھی رعایت نہیں کرتے کہ اس پر ہمارے اس طرز کا کیا اثر ہوگا اس کو محض اپنا تابع سمجھتے ہیں۔ اس غرض پر ایک لطیفہ یاد آیا۔ کانپور میں مدرسہ کے لئے ایک زمین خریدنا تھی جس وقت سودا ہوا تو مالک زمین نے دو ہزار روپیہ کہے۔ میں نے کہا کہ زمین کی قیمت تو دو ہزار نہیں۔ البتہ غرض کی قیمت ہے دو ہزار۔ مہتمم صاحب نے کہا کہ غرض کے عدد بھی اتفاق سے دو ہی ہزار ہیں۔

ملفوظ نمبر ۱۰۸۸ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اکثر امراء میں اب کچھ عرصہ سے یہ بات پیدا ہو گئی ہے کہ ان کی نظر میں دین اور اہل دین کی وقعت اور عظمت نہیں رہی اور اس کا اصلی سبب یہ انگریزیت نیچریت ہے۔ اس منحوس نے تو اچھے خاصے لکھے پڑھے اور شریف خاندان کے لوگوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ پہلے امراء کی یہ حالت نہ تھی ان کے تادب میں دین کی وقعت اور عظمت ہوتی تھی اور امراء تو بیچارے کس شمار میں ہیں سلاطین کی بھی یہی حالت تھی نواب ٹونک نے اپنے آرام اور راحت کے لئے کوٹھی بنوائی اس میں معماروں نے نواب صاحب کو خوش کرنے کے لئے کسی اونچے مقام پر کوٹھی میں لفظ اللہ لکھ دیا۔ کوٹھی تیار ہو جانے پر نواب صاحب نے آکر ملاحظہ کیا نہایت خوشنما و آرام دہ بنی تھی۔ بہت خوش ہوئے دفعتاً لفظ اللہ پر نظر پڑی رائے بدل گئی اور کہا کہ اب یہ سونے کا مقام نہیں سونا خلاف ادب ہے اس کو عبادت گاہ قرار دیا اور آرام کے لئے دوسری کوٹھی بنانے کا حکم دیا۔

۲۵ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

ملفوظ نمبر ۱۰۸۹ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں اول ایسا معاملہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس کے بعد جو برتاؤ ہو وہ نرم ہی نرم نظر آوے جیسے نزع کے وقت سختی ہو پھر جنت ہو۔ اور اگر نزع کے وقت نرمی ہو پھر بعد میں دوزخ یہ بہت سخت بات ہے اسی کو کوئی تجربہ کار بعنوان قریب فرماتے ہیں ؎

چو می بینم کسے کز کوئے تو دل شاد می آید قریبے کز تو اول خوردہ بودم یاد می آید

نیز اگر کوئی شخص محض ملاقات کے لئے آتا ہے اس کے ساتھ تو اور برتاؤ ہوتا ہے اور جہاں اس نے محبت کا دعویٰ کیا میراڈنگ فوراً بدل جاتا ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۰۹۰ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل تو یہ حالت ہو رہی ہے ایک صاحب نے جانماز بھیجی کہا کہ اس پر چالیس روز تہجد کی نماز پڑھ دیں۔ میں نے کہلا کر بھیجا کہ پہلے اس کی تو تحقیق کر لی ہوتی کہ میں تہجد پڑھتا بھی ہوں تو اس طرح کہ چالیس دن میں ایک دن بھی ناغہ نہ ہو اور اگر ایسی توفیق بھی ہو تو کیا اس کو ظاہر کروں بڑی غیرت کی بات ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۰۹۱ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اب میں بیعت بہت کم کرتا ہوں الا نادراً اور یہ سب قواعد تجربوں کے بعد تجویز کئے ہیں۔ ایک شخص ہیں گنگوہ کے رہنے والے ہیں مولوی بھی ہیں وہ مجھ سے بیعت ہوئے ایک خط لکھا جس میں جہالت کی باتیں لکھی تھیں پھر ملنے آئے تو میں نے ان کو ڈانٹا کہ جب ایسی باتیں کرتے ہو تو تم کو بیعت سے کیا فائدہ ہوا۔ کہا کہ سچ بات تو یہ ہے کہ مجھ کو اعتقاد تو تھا نہیں۔ بیعت محض اس وجہ سے ہو گیا تھا کہ میں اس وقت بیمار تھا میں یہ سمجھا کہ بیعت کی برکت سے اچھا ہو جاؤں گا، میں نے کہا کہ تم نے بہت اچھا کیا سچ کہدیا اور سچ کا بدلا سچ ہے۔ اب میں بھی یہی سچ کہتا ہوں کہ تم تمام عمر اپنی صورت مت دکھانا۔ الحمد للہ مجھ پر تعلق کی تو کچھ گرانی ہوتی ہے اور ترک تعلق کی بالکل گرانی نہیں ہوتی۔ اس لئے قطع تعلق کر کے ہلکا ہو گیا۔ اچھا ہوا کہ وہ مجھ سے چھٹا اور میں اس سے چھٹا اور میرے یہاں ہر بات صاف ہے۔ میں اخفا نہیں کرتا میری جو حالت ہے وہ ظاہر ہے پرکھ لو پر کھالو۔ دیکھ لو دکھلا لو اگر پسند ہو تعلق رکھو ورنہ چلتے بنو بلانے کون جاتا ہے خود ہی دعوے لے کر کرتے ہیں اور پھر خود ہی یہ گڑبڑ کرتے ہیں۔ بدفہمی کا بازار گرم ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۰۹۲ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ متقدمین کی اصطلاح میں اخفاء اعمال کرنے والے کو ملامتی کہتے ہیں۔ اور تقلیل اعمال کرنے والے کو قلندر کہتے ہیں۔ متاخرین نے دونوں ہی اصطلاحیں بدل دیں۔

ملفوظ نمبر ۱۰۹۳ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل لوگوں کا مذاق ایسا خراب ہوا ہے کہ غرض تو لے کر آتے ہیں اپنی اور دوسروں پر نخرے بگھارتے ہیں۔ طالب بن کر نہیں آتے ناز لے کر آتے ہیں۔ یہ سب آفتیں اس کی ہیں کہ طلب صادق نہیں اگر بجائے ناز کے نیاز لے کر آویں تو سب کچھ ہے ورنہ اس کے عکس میں محروم جائے گا۔ ایسے متکبروں کے تکبر توڑنے کو اور ناز مٹا دینے کو جی چاہتا ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۰۹۴ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ دوسروں کی فکر میں آدمی کیوں پڑے پہلے اپنی فکر مقدم ہے اپنی ہی کیا خبر ہے کہ کیا انجام ہو حق تعالیٰ ایمان پر خاتمہ فرما دیں یہ بڑی دولت ہے۔ بطور ظرافت کے فرمایا کہ لیکن خاتمہ بالخیر میں خیر سے پہلے بل ہے۔ آج کل اس کی ضرورت ہے کہ ایک بل یعنی گوشہ میں بیٹھا ہوا اللہ اللہ کئے جائے اس میں ہی عافیت ہے بڑا ہی پُر فتن زمانہ ہے اس وقت درجات د

مقامات تو کیا حاصل ہوتے ایمان کے لالے پڑ رہے ہیں ہر وقت متوجہ الی الحق رہنا چاہیئے توبہ استغفار کرتا رہے اور سلامتی ایمان کی دعا کرتا رہے۔ ہزاروں لاکھوں روپ میں دجال ایمان اور دین پر ڈاکہ مارتے پھرتے ہیں۔ ایک فتنہ فرو نہیں ہوتا کہ دوسرا آکھڑا ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ ہی محافظ اور حافظ ہیں وہی اپنی رحمت سے دستگیری فرمائیں گے

ملفوظ ۱۰۹۵ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آپ تو مناسب اور غیر مناسب ہی کو لئے پھرتے ہیں۔ میں تو اس زمانہ میں اہل اللہ کی صحبت کو فرض عین کہتا ہوں اور فتویٰ دیتا ہوں کہ اس زمانہ میں اہل اللہ اور خاصان حق کی صحبت اور ان سے تعلق رکھنا فرض عین ہے۔ جیسے نماز۔ روزہ وغیرہ فرض عین ہیں اس لئے کہ ایمان کی سلامتی کا جو ذریعہ ہوگا اس کے فرض عین ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے اور یہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ آج کل ایمان کی سلامتی کا ذریعہ صرف اہل اللہ کی صحبت ہے۔ اس تعلق کے بعد بفضلہ تعالیٰ کوئی جادو اثر نہیں کرتا۔

۲۶ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم یکشنبہ

ملفوظ ۱۰۹۶ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تربیت السالک ایک جگہ جمع ہو کر چھپ گئی۔ اب تو صرف اتنی ضرورت ہے کہ کسی بزرگ سے تعلق پیدا کرے اور مناسبت ہو جانے کے بعد کچھ تھوڑی سی تعلیم حاصل کر کے اس کو لیکر بیٹھ جائے پھر ضرورت نہیں کسی کی اس میں سب کچھ ہے

ملفوظ ۱۰۹۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ رسالہ السنۃ الجلیہ فی الچشتیۃ العلیہ کے لکھنے کے سلسلہ میں جو کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا ایک فرق چشتیوں اور نقشبندیوں میں معلوم ہوا وہ یہ کہ نقشبندیوں میں تو اکثر علم کا غلبہ رہا اور چشتیوں میں عمل کا اور چشتیوں میں جو کہیں عمل میں لغزش ہو گئی ہے وہ غلبہ حال کی وجہ سے ہو گئی ہے جس میں وہ معذور تھے ورنہ حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چشتیہ حضرات کے افعال اور اقوال نقشبندیہ حضرات سے اتباع سنت کے باب میں کسی طرح کم نہیں بلکہ بہت جگہ بڑھے ہوئے ہیں مگر کچھ بدنام ہی ہو گئے ہیں کہ متبع سنت نہ تھے اور ان حضرات کی یہ بدنامی ایسی ہے جیسے حنفی بدنام ہیں کہ یہ متبع سنت نہیں حالانکہ امام صاحب کا جو اجتہاد ہے اور جس قدر مسائل استنباط کئے ہیں سب کتاب و سنت کے موافق ہیں۔ اس کے متعلق میں نے ایک کتاب تیار کرائی ہے اس کا نام ہے اعلاء السنن۔ اس میں ہر مسئلہ پر حدیثوں کو جمع کر دیا گیا ہے اس سے پہلے احناف کی نصرت میں کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی۔ متن عربی میں ہے اور عوام کی سہولت کے لئے بعض حصوں میں حاشیہ پر اردو میں ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ بہت ہی جامع اور نافع کتاب ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۰۹۸ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ رسالہ السنۃ الجلیۃ فی الچشتیۃ العلیہ میں ایک مقام سخت ہے وہ یہ کہ بعض بزرگوں سے تلبس بالمنکرات منقول ہے۔ میں نے اس کا ایک مستقل باب بنا دیا ہے اور اس کا نام بھی رکھدیا ہے یعنی سراب الشراب۔ اس باب میں عجیب عجیب توجیہات کر دی گئی ہیں۔ ایک اور مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت عنوان ایسا تجویز فرماتے ہیں کہ پھر کسی مضمون کے دیکھنے کی حاجت ہی باقی نہیں رہتی مثلاً حضرت نے اسی کا نام رکھا ہے۔ سراب الشراب اس میں خود ہی جواب موجود ہے۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جو لوگ شکی ہیں وہ تو یہی سمجھیں گے کہ توجیہات ہی ہیں۔ فرمایا کہ کیا قرآن میں توجیہات نہیں۔ حدیث میں توجیہات نہیں کیا توجیہات امر فضول ہے۔ دوسرے یہ کہ ساری دنیا کی ذمہ داری تھوڑا ہی ہے۔ کفار بھی یہی کہہ کر قرآن و حدیث کی تکذیب کرتے تھے۔ ان ھذا الا اساطیر الاولین۔ اس کا کیا علاج ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۰۹۹ ایک مولوی صاحب نے قادیانی فرقہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت والا سے عرض کیا کہ بعض مسلمان بھی قادیانیوں کو کافر نہیں سمجھتے اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے۔ فرمایا کہ نہ سمجھنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ یہ کہیں کہ ان کے یہ عقائد ہی نہیں جن کی بنا پر ان کو کافر کہا جاتا ہے اور ایک یہ کہ یہ عقائد ہیں مگر پھر بھی وہ کافر نہیں تو اب ایسا سمجھنے والا شخص بھی کافر ہے جو کفر کو کفر نہ کہے مگر احکام قضا میں کافر ہے باقی احکام دیانت میں خدا کو معلوم ہے شاید اس کے ذہن میں کوئی وجہ بعید ہو جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ایک مولوی صاحب نے شیعوں کے متعلق مجھ سے سوال کیا، میں نے کہا کہ کافر قطعی کے متعلق بھی یہی بات ہے کہ وہ احکام قضاء میں کافر ہے۔ حقیقت تو یہی ہے مگر ان فرقوں میں اور کفار کی دوسری جماعتوں میں فرق یہ ہے کہ شیعہ اور قادیانی اپنے کو کفر کی طرف منسوب نہیں کرتے اور دوسری جماعتیں اپنے کو کفر کی طرف منسوب کرتی ہیں۔

ایک مولوی صاحب نے شیعوں کے متعلق اہل فتوی پر اعتراض لکھا ہے کہ اتنے لوگوں کو کافر بنایا جاتا ہے میں نے لکھا کہ بنایا نہیں جاتا بتایا جاتا ہے۔ ایک نقطہ کا فرق ہے یعنی کافر تو وہ خود بنتے ہیں۔ صرف بتلا دیا جاتا ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۱۰۰ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ اصلاح اور تربیت کا بڑا مہتم بالشان کام ہے۔ اسی کو حضرت والا نے انجام فرمایا۔ حضرت والا نے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں یہ مہتم بالشان ہے اس وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اور جگہ یہ کام نہیں ہو رہا ورنہ حقیقت کے اعتبار سے تو یہ بات ہے کہ میں علماء کی منصبی خدمات کو بہ نسبت صوفیہ کی خدمت کے زیادہ اہم سمجھتا ہوں۔ علماء شعائر کے خادم ہیں اس لئے میں ہمیشہ صوفیہ سے علماء ہی کو افضل سمجھتا ہوں اور ان کی ہی خدمت کو اعلیٰ سمجھتا ہوں۔ صوفیہ کی خدمت کی حقیقت علماء کی خدمت کے سامنے یہ ہے کہ جیسے وضو میں کسی شخص نے بجائے تین مرتبہ پانی ڈالنے کے دو مرتبہ ڈالا کسی صوفی نے پہونچ کر ایک مرتبہ اور ڈلوا دیا تین مرتبہ ہو گیا یعنی صوفیہ اعمال کی تکمیل کرتے ہیں۔ باقی اصل خدمت علماء ہی کی ہے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ایک مولوی صاحب نے لکھا تھا کہ مجھ کو اول محبت محدثین سے ہے۔ دوسرے درجے میں فقہاء سے اور تیسرے

درجہ میں صوفیہ سے ۔ میں نے لکھا کہ مجھ کو اول صوفیہ سے ۔ دوسرے درجہ میں فقہاء سے ۔ تیسرے درجہ میں محدثین سے ۔ اپنا اپنا ذوق ہے مگر یہ ترتیب محبت میں ہے اور عظمت وجلالت میں صوفیہ کا درجہ سب کے بعد کا ہے ۔

ملفوظ ۱۱۰۱ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ الحمدللہ مجھ کو کسی کے عدم تعلق سے گرانی نہیں ہوتی اور یہ سب بزرگوں کی دعاء کی برکت ہے کہ ہلکا پھلکا رہتا ہوں ۔ میں کہتا ہوں کہ امام کے پیچھے جس قدر زیادہ مقتدی ہوں گے اس کو پریشانی پڑھے گی اس لئے کہ اگر دس ہزار مقتدی ہوتے اور نماز میں کوئی غلطی یاد آئی تو یہ شخص ساری عمر ہی مصیبت میں رہے گا اطلاع کرتا پھرے گا اور اگر دو چار مقتدی ہوتے تو بہت آسانی سے اطلاع کر دی اور سبکدوش ہو گئے ۔

ملفوظ ۱۱۰۲ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اپنا اپنا مذاق ہے لوگ تو اس کی کوشش کرتے ہیں کہ لوگ معتقد ہوں اور جو معتقد ہیں وہ غیر معتقد نہ ہوں میں اس کو اچھی خاصی مخلوق پرستی سمجھتا ہوں یا اپنی پرستش کرانا ہے ۔ مجھ پر تو اعتقاد سے بار ہوتا ہے ۔ البتہ اگر کوئی محبت کرے اس سے جی خوش ہوتا ہے کیونکہ اعتقاد میں تو جب تک اعتقاد کی بات ہے اس وقت تک اعتقاد رہتا ہے ورنہ جاتا رہتا ہے اور محبت میں کیسی ہی حالت ہو محبت جا ہی نہیں سکتی ۔ استاد ۔ شاگرد کا تعلق باپ بیٹے کا سا محبت کا ہے ۔ مرید اور پیر کا تعلق بادشاہ اور رعیت کا سا ہے کہ محبت ضروری نہیں اس ہی لئے مجھ کو ان صاحبوں سے زیادہ تعلق ہے جنہوں نے مجھ سے پڑھا ہے اس تعلق میں غالب محبت ہوتی ہے ۔

۲۶ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

ملفوظ نمبر ۱۱۰۳ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ جو پہلے حالت تھی وہی ہے (مطلب یہ تھا کہ ترقی نہیں ہوئی) میں نے لکھ دیا ہے کہ اگر کسی کی تنخواہ جیسی کل تھی ویسی ہی آج بھی ہے تو یہ خوشی کی بات ہے یا رنج کی ۔ ہاں ایک شبہ اس پر ہو سکتا ہے اگر لکھیں گے تو جواب دوں گا وہ یہ کہ پہلے ہی نظر کم تھی ویسی ہی اب بھی کم ہے ۔ میں لکھوں گا کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ کم تھی بقدر ضرورت تھی وہ اب بھی ہے جس کو وہ کمی کہے گا حقیقت میں کمی نہیں ۔ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی شخص کہے کہ کل جس قدر قد تھا ۔ آج بھی اسی قدر ہے اس پر افسوس ہے ۔ یہ افسوس کا محل نہیں بلکہ خوش ہونے کا محل ہے اس لئے کہ کمی تو نہیں ہوئی ۔ جیسے ایک مالدار کہے کہ کل جس قدر مالدار تھا آج بھی اسی قدر مالدار ہوں تو خوش ہونے کی بات ہے یا رنج کی ظاہر ہے کہ خوش ہونے کی بات ہے

کہ کمی تو کچھ نہیں ہوئی ۔

ملفوظ ۱۱۰۴ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے یہ وہی صاحب ہیں جنھوں نے یہاں سے وطن جا کر لکھا تھا کہ کیا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ایسے ہی اخلاق تھے ان کی بعض غلطیوں پر میں نے روک ٹوک اور مواخذہ کیا تھا میں نے جواب میں لکھ دیا تھا کہ میرے اخلاق برے ہیں تو مجھ کو چھوڑ دو جن کے اخلاق اچھے ہوں ان سے تعلق کر لو۔ اس پر آج خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں حضور کا غلام ہوں آپ کو نہیں چھوڑ سکتا اگر کوئی بندوق میں گولی بھر کر اور مجھ کو سامنے بٹھلا کر یہ کہے کہ تو حضرت مولانا تھانوی کو چھوڑ دے ورنہ گولی سے مار دیا جائے گا تو یہ غلام مارے جانے کو گوارا کرے گا اور تعلق کے چھوڑنے کو گوارا نہ کرے گا اس لئے کہ حضور سے محبت شدید ہو گئی ہے کسی طرح چھوڑ نہیں سکتا میں نے لکھ دیا ہے کہ محبت تو ہے مگر ریچھ کی سی ۔ اس لئے اس سے بچنا چاہیئے ۔ اسپر فرمایا کہ یہ ہے بدفہموں کے تعلق کی حقیقت کیا ایسے کوڑ مغزوں سے تعلق رکھ کر جی خوش ہو ۔

ملفوظ ۱۱۰۵ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ بجلی کی روشنی میں ذکر کرتا ہوں اس لئے کہ اندھیرے میں ذکر کرتے ہوئے طبیعت گھبراتی ہے (مطلب یہ کہ یہ نقص ہے) میں نے لکھ دیا کہ کیا حرج ہے روشنی تو اچھی چیز ہے اگر تجلی نہیں تو بجلی ہی سہی ۔

ملفوظ ۱۱۰۶ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ بات نہیں جو آپ سمجھے کہ ذکر خالی جاتا ہے مگر ہر چیز کے شرائط ہوتے ہیں لوگ توجہ سے ذکر نہیں کرتے جو ذکر کی برکت کی شرط ہے اور توجہ عام ہے چاہے مذکر کا تصور کرے یا ذکر کا تصور کرے یا ذاکر یعنی قلب کا ۔

۲۷ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم دوشنبہ

ملفوظ ۱۱۰۷ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آج کل فرق باطلہ کی ہر جگہ ترقی ہے ۔ فرمایا کہ جی ہاں سب ہی کو ترقی ہو رہی ہے اور اہل حق بیچارے دبتے چلے جاتے ہیں قلیل بھی ہوتے جاتے ہیں اور ذلیل بھی ہوتے جاتے ہیں قلیل مستضعفون فی الارض کے مصداق ہو رہے ہیں کوئی یار مددگار نہیں سوائے خدا کی ذات کے ۔ لیکن ہوتا کیا ہے اگر فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا اور بنی اسرائیل کی قوم کو ذلیل و خوار سمجھا فرعون اور اس کی قوم قبطی کا جو حشر ہوا ساری دنیا کو معلوم ہے ۔ ذلیل سمجھیں ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ایک دن یہی جلیل ہوں گے ۔

اور ان کی امداد حق تعالٰی فرماتے ہیں وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنافقین لا یعلمون

ملفوظ ۱۱۰۸ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جب تک خود آدمی اپنی اصلاح نہ چاہے۔ اصلاح نہیں ہو سکتی۔

۲۷ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم دوشنبہ

ملفوظ ۱۱۰۹ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اصل تو یہ ہے کہ اب دل اکثر لوگوں سے ملتا نہیں۔ مذاق ہی بدل گیا۔ نئی چیزوں کا لوگوں کے قلوب پر اس قدر غلبہ ہو گیا ہے کہ دیکھ کر وحشت معلوم ہوتی ہے اور زیادہ تر وجہ سفر بند کرنے کی یہ بھی ہے باقی اللہ تعالٰی نے تو ظاہر عذر کرنے کے لئے یہ مرض آنت اترنے کا دے دیا ہے جس کو میں علاوہ فضل خداوندی اور رحمت خداوندی سمجھتا ہوں کہ تکلیف بحمد اللہ کچھ نہیں اور عذر ہے۔

ملفوظ ۱۱۱۰ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میرے یہاں بحمد اللہ ہر چیز اپنی حد پر ہے۔ ایک صاحب نے لکھا تھا کہ حاضری کو بے حد دل چاہ رہا تھا مگر والد صاحب کی بیماری کی وجہ سے حاضری سے معذور ہوں جس کا بے حد قلق ہے۔ اس پر حضرت والا نے حسب ذیل جواب ارقام فرمایا۔ یہاں کا آنا تو آنا ہی تھا اور وہاں رہنا اشرفی ہے۔

ملفوظ ۱۱۱۱ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مبتدی کو اس کی ضرورت ہے کہ جس قدر چیزیں قلب کو مشوش اور پریشان کرنے والی ہیں ان سے حتی الامکان اجتناب کرے۔ حاصل یہ ہے کہ اختیار سے اپنے قلب کو ایسی باتوں میں نہ پھنسائے۔ یہ میں نے تجربہ کی بناء پر عرض کیا ہے کام کی بات ہے۔

ملفوظ ۱۱۱۲ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ دعاء فرمائیں کہ تہجد نہ چھوٹے۔ میں نے لکھا ہے کہ نہ چھوٹنے کی دعاء یا نہ چھوڑنے کی۔

۲۸ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم سہ شنبہ

ملفوظ ۱۱۱۳ ایک صاحب نے ایک راجہ کے مسلمان ہونے کا ذکر حضرت والا سے ایسے طریق سے کیا کہ جس سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ مسلمانوں کے لیے ان کا مسلمان ہونا باعث فخر ہے۔ حضرت والا نے سن کر فرمایا کہ اگر ہفت اقلیم کا بادشاہ جو کافر ہو اور وہ مسلمان ہو جاوے تو اس پر ہرگز مسلمانوں کو فخر نہیں کرنا چاہیئے خواہ مخواہ اس کا دماغ خراب کرنا ہے۔

ملفوظ ۱۱۱۴ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں یہاں پر آنے والوں کے ساتھ یہ معاملہ ہے کہ جیسے چھلنی میں چھن کر چوکر الگ اور آٹا الگ ایسے ہی یہاں پر چھینٹ کر بادی بلغم الگ صالح مواد الگ ادھر یا اُدھر وجہ اس کی یہ ہے کہ آج کل فہموں میں کجی پیدا ہو گئی ہے کسی کی رعایت اگر کیجائے یہ نہ سمجھے گا کہ یہ شفقت کی بناء پر ہے بلکہ یہ سمجھے گا کہ ایسا کرنا کسی غرض پر مبنی ہے بس سب سے اچھا رنگ مجذوب کا ہے جب کوئی پاس کو آیا اینٹ ماری پھینک کر۔

ملفوظ ۱۱۱۵ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نفع تو ہوتا ہے مگر اس کے کچھ شرائط ہیں منجملہ اور شرائط کے ایک شرط یہ ہے کہ نفع کا سارا نیت پر ہے حتیٰ کہ شعائر اسلام تک تو بدون نیت کے ہوتے ہی نہیں اور تو کیا کام ہوگا۔ دیکھیئے نماز بدون نیت کے نہیں ہو سکتی۔ روزہ بدون نیت کے نہیں ہو سکتا زکوٰۃ بدون نیت کے ادا نہیں ہو سکتی ایمان جو سب کی جڑ ہے بدون نیت کے نہیں ہو سکتا۔ غرض نیت اعظم شرائط میں سے ہے۔ نفع کے لئے اس لئے ضرورت ہے کہ نیت نفع کی کرے پھر انشاء اللہ نفع ہی ہوگا۔

ملفوظ ۱۱۱۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شاگردی کا علاقہ بیعت سے زیادہ ہے اس کے زیادہ حقوق ہیں اور عام طور سے مشہور یہ ہے کہ پیر کا حق استاد سے زیادہ ہے۔

ملفوظ ۱۱۱۷ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا جو متواضع ہو اور اپنے متواضع ہونے پر اس کو نظر ہو وہ متواضع نہیں متکبر ہے۔

ملفوظ ۱۱۱۸ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں مناظرہ اس سے کرتا ہوں جو مناظرہ کرنا نہ چاہے بلکہ سمجھنا چاہے تو میں بھی اُس وقت سمجھنا چاہتا ہوں۔ باقی یہ متعارف طرز مناظرہ کا یہ محض

ضد اضدی نفسانفسی اور ردوکد ہے۔ یہ کہتا ہے کہ میری ہیٹی نہ ہو وہ کہتا ہے میری سبکی نہ ہو۔

ملفوظ نمبر ۱۱۱۹ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل معاشرت کو تو دین کی فہرست ہی سے نکال دیا اس کی کوئی اصل ہی نہیں سمجھتے حالانکہ احادیث میں ابواب کے ابواب معاشرت کی تعلیم میں ملوّن ہیں بات یہ ہے کہ کوئی کہنے والا کان کھولنے والا ہی نہ تھا۔ یہ تو مدتوں کے بعد حق تعالیٰ نے اصلاح اور تربیت کا باب کھولا ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۱۲۰ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ طریقہ تو ہر چیز کا ہے مگر اس کے لئے سلیقہ ہونا چاہیئے۔ اور یہ ہوا کرتا ہے توجہ اور فکر سے اور لوگ اس کو ضروری ہی نہیں سمجھتے۔ دیکھئے حدیث مسلم میں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد دولت خانہ میں تشریف لاکر سلام تو اس لئے کرتے تھے کہ شاید لیٹنے والے جاگتے ہوں اور آواز ایسی پست ہوتی تھی کہ اگر سوتے ہوں تو جاگیں نہیں تکلیف نہ ہو تو حضور اس قدر تعب اٹھاتے تھے اسی طرح بولنے کا بھی ادب ہے۔ اسی طرح ہر چیز کا طریقہ ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۱۲۱ حضرت حاجی صاحب رح سے مولانا رومی رح کے اس شعر کی شرح نقل فرمائی ؎

ہر چہ گیرد علتی علت شود کفر گیرد کاملے ملت شود

وہ شرح یہ ہے کہ منافق علتی ہے اس نے کلمہ توحید پڑھا مگر اس کا اثر یہ ہوا ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کامل تھے اور انھوں نے اکراہ کی حالت میں تلفظ بالکفر کیا اور اس پر آیت نازل ہوئی من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ الیٰ عذاب عظیم جس سے مسئلہ اکراہ ایک ملت یعنی قانون بن گیا۔

۲۸ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم سہ شنبہ

ملفوظ نمبر ۱۱۲۲ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ساری کوششوں اور جدوجہد سے حاصل یہ ہے کہ اخلاق حمیدہ میں رسوخ کامل ہو جائے اور اخلاق رذیلہ کا امالہ ہو جائے۔ ازالہ مقصود نہیں اس لئے کہ رذائل اپنی ذات کے اعتبار سے مذموم نہیں جیسے مثلاً بخل ہے۔ بغض ہے شہوت ہے۔ عداوت وغیرہ وغیرہ اپنی ذات کے اعتبار سے سب محمود ہیں لیکن حدود سے گذر کر جب غیر محل میں ان کا استعمال ہوتا ہے اس وقت مذموم ہو جاتے ہیں۔

ملفوظ نمبر ۱۱۲۳ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شیخ کے متعلق جو کام ہیں وہ یہ تھوڑا ہی ہے کہ کتاب

پڑھادی یا حقیقت بیان کردی۔ یہ کام تو اُستاد کا ہے۔ امراضِ باطنہ رذیلہ کی تشخیص کرنا اس کی تدبیر کا تجویز کرنا یہ کام شیخ کا ہے۔ غرض کہ اُستاد سُناتے ہیں سمجھاتے ہیں اور شیخ دکھلاتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہ تمہاری منزل مقصود ہے اس لئے علوم کی تکمیل کے بعد شیخ کی خدمت میں جانا چاہیئے اور جس طرح سات برس یا دس برس تعلیم ظاہری میں صرف کئے ہیں کم از کم ایک سال تو اپنی اصلاح اور تربیت کے لئے نکال لئے جاویں مگر اس کی طرف مطلقاً کسی کو توجہ نہیں اور یہ شرط ساتھ ساتھ لازم ہے کہ اس راہ میں قدم رکھنے سے قبل ایسا بن جائے جس کو فرماتے ہیں ؎

در رہِ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں
شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

ملفوظ نمبر ۱۱۲۴ فرمایا کہ ایک مولوی صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے لکھ دیا کہ اجازت ہے خوشی سے تشریف لائیے۔ مگر فیض کے متعلق یہ ہے کہ نہ میں وعدہ کرتا ہوں اور نہ نفی کرتا ہوں۔ اس پر فرمایا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ فیض ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ ہو مجھے کیا خبر۔ باقی آنے والوں کے لئے رائے میری یہی ہے کہ یہاں بزمانہ قیام میں مجلس کے اندر خاموش بیٹھے رہیں۔ مکاتبت مخاطبت کچھ نہ کریں۔ انشاء اللہ اس سے غالب نفع کی امید ہے۔

۲۹ شعبان المعظم سنہ ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم چہار شنبہ

ملفوظ نمبر ۱۱۲۵ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شیطان کا کید تو اس درجہ کا نہیں جیسا کہ لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ خود حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ان کید الشیطان کان ضعیفا۔ اہل اللہ خاصان حق سے تو خود ہی ڈرتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ہزار عابد سے ایک فقیہ شیطان پر گراں اور بھاری ہے وجہ یہ ہے کہ وہ اس کے کید اور مکر سے خود بھی واقف ہوتا ہے اور اللہ کے بندوں کو آگاہ کرتا رہتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک روز شیطان نے دھوکا دینا چاہا ایک روشنی آپ کو نظر آئی آپ نے لاحول پڑھی وہ روشنی گم ہو گئی اور یہ کہتا ہوا شیطان بھاگا کہ جا عبدالقادر تجھ کو تیرے علم نے بچالیا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ جا مردود یہ دوسرا دھوکا ہے کہ علم نے بچالیا۔ علم بیچارہ کیا چیز ہے جو بچالے۔ اللہ نے بچالیا۔

ملفوظ نمبر ۱۱۲۶ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ مسئلہ قضا و قدر محل خوض نہیں۔ بس مختصر اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ انسان افعال میں مختار ہے۔ اختیار میں مجبور ہے۔ ایک معترض نے حضرت

علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تھا کہ یہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اختیار بھی ہے اور جبر بھی ہے فرمایا کہ زمین سے ایک پیر اٹھاؤ۔ اٹھا لیا فرمایا کہ دوسرا بھی اٹھاؤ نہیں اٹھا سکا فرمایا کہ بس یہ اختیار ہے اور یہ جبر ہے۔

ملفوظ ۱۱۲۷ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ سر قدر وہ چیز ہے کہ جنت میں بھی معلوم نہ ہوگی کیونکہ اس کا تعلق ذات وصفات سے ہے اور اُن کا ادراک بالکنہ محال ہے البتہ فرق یہ ہوگا کہ یہاں بعض کو خلجان ہے اور وہاں اطمینان ہوگا اور جس کو یہاں ہی اطمینان میسر ہو جائے وہ گویا جنت ہی میں ہے یہ کلام تو کنہ میں ہے باقی اجمالی علم کے لئے اور بہت سی تمثیلات ہیں۔ مثلاً آنکھ کھولنے پر جو کہ اختیاری ہے کیا نہ دیکھنے پر قدرت ہے عرض کیا گیا کہ نہیں فرمایا بس اس کو مجبوری کہتے ہیں تو جبر و اختیار جمع ہو گئے۔ غرض اس علم اجمالی سے ہمارے پاس مسکت جواب تو ہیں مگر کنہ معلوم نہ ہونے سے مسقط نہیں۔

ملفوظ ۱۱۲۸ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت حق تعالیٰ کا خوف بندہ کے لئے زیادہ انفع ہے یا محبت فرمایا کہ اس کا کوئی حکم کلی نہیں کسی کے لئے محبت انفع ہے اور کسی کے لئے خوف۔ کسی کے لئے شوق ہر شخص کا خدا تعالیٰ سے جدا معاملہ ہے باقی اکثر کے لئے جو چیز زیادہ نافع ثابت ہوئی وہ یہ ہے کہ اس کا مراقبہ کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو چاہتے ہیں یعنی اپنی محبوبیت کا مراقبہ۔ یہ تو افضلیت میں کلام ہے باقی کچھ کچھ سب ہی چیزوں کی ضرورت ہے کوئی ایک چیز کافی نہیں جیسے کھانا پکانے کے لئے آگ کی بھی ضرورت ہے۔ پانی کی بھی ضرورت ہے ایسے ہی محبت اور خوف دونوں کی ضرورت ہے علیہ میں تفصیل ہے اسی سلسلہ میں ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت حق تعالیٰ سے تو ہر ایمان والا تعلق رکھنا چاہتا ہے تو محبت عام ہوئی۔ فرمایا کہ چاہنے کے دو ترجمہ ہیں ایک تمنا اور ایک ارادہ اگر محض تمنا ہے تو اس کے معنی تو جی چاہنے کے ہوئے اور مطلق جی چاہنا کام نہیں آسکتا اور ایک یہ کہ جی چاہنے پر اس مقصد کے اسباب کو شروع کر دیا اس کو ارادہ کہتے ہیں۔ کام بنانے والی چیز یہ ہے اور محبت مطلوبہ یہی ہے اور آج کل اکثر میں محض تمنا ہی تمنا ہے اور طریق میں یہ محبت مطلوبہ نہیں۔ بعضے بدبخت اس تمنا سے بھی محروم ہیں انسے تمنا ہی والے محبت سے قریب ہیں۔

اسی سلسلہ میں ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت چاہنے کے حضرت والا نے دو ترجمہ فرمائے ایک تمنا اور ایک ارادہ۔ اور یہ بھی فرمایا کہ محض تمنا سے کام نہیں چلتا ارادہ سے چلتا ہے تو ارادہ کس طرح کرے۔ فرمایا کہ ارادہ فعل اختیاری ہے جیسے اس کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کر کے دیکھئے اور کیجئے۔ عرض کیا کہ ارادہ کے سہل ہونے کی کیا صورت ہے۔ فرمایا کہ یہ مراقبات سے سہل ہو جاتا ہے۔ عرض کیا کہ کس چیز کا مراقبہ۔ فرمایا کہ مختلف طبائع کے لئے مختلف مراقبات ہیں۔ بعض کو حق تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کا مراقبہ زیادہ مفید ہوتا ہے۔ بعض کو اس کا مراقبہ کہ ہم نیک کام کرینگے تو وہ خوش ہونگے۔ بعض کو رحمت کا مراقبہ زیادہ مفید ہوتا ہے۔ اب اس کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ کوئی اس کے سر پر ہو جو اس کی حالت کے مطابق اس کو تعلیم کرے بدون کسی کے سر پر ہوئے۔ محض اپنی رائے سے تجویز کرنا خطرہ سے خالی نہیں۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

یار باید راہ را تنہا مرد بے قلاؤز اندریں صحرا مرد

اسی سلسلہ میں ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ محض مطلق تعلق بدون عمل کیا کام دے سکتا ہے۔ اس تعلق کی بالکل ایسی مثال ہوگی کہ نکاح تو کرے اور اولاد کی تمنا بھی ہو لیکن مباشرت کا نام نہ لے تو اولاد ہو چکی۔ ایسے ہی یہاں سمجھ لیا جاوے۔

۲۹ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم چہار شنبہ

ملفوظ ۱۱۲۹ ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ علاج کے لئے بحسب اقتضائے وقت ہر چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپریشن کی بھی۔ مرہم کی بھی۔ دبا دبا کر مادہ نکالنے کی بھی۔ انگلیاں ڈال کر اندر سے مادہ نکالنے کی بھی۔ نرے مرہم پٹی سے کیا ہوتا ہے مگر اس وقت صرف مرہم ہی کو کافی سمجھ کر آپریشن سے گھبراتے ہیں اور اکثر منشا غلطیوں کا یہی ہے۔

ملفوظ ۱۱۳۰ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مخلوق کی ہر محبت مذموم تھوڑا ہی ہے مثلاً بھوک ہوتی ہے تو کیا کھانے سے محبت نہیں ہوتی پیاس ہوتی ہے تو کیا پانی سے محبت نہیں ہوتی تو کیا یہ مذموم ہے تو زہد یہ نہیں کہ ان چیزوں کی رغبت نہ ہو بلکہ باوجود رغبت کے پھر حد سے نہ نکلے۔ یہی مجاہدہ ہے جس پر اجر ہے۔ غرض زہد وہ ہے جس میں جہد ہو ورنہ دیوار ہے جو مستحق اجر نہیں۔
دیکھیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اموال غنیمہ دیکھ کر یہ آیت پڑھی زین للناس حب الشھوات الخ اور عرض کیا کہ اے اللہ آپ نے ان چیزوں کی رغبت پیدا کی ہے ہم اس کا ازالہ نہیں چاہتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ ان چیزوں کی رغبت اور محبت آپ کی محبت کا سبب ہو جاوے اس میں حضرت عمرؓ نے زین کا فاعل حق تعالیٰ کو قرار دیا اور دعا کی کہ ان چیزوں کو معین بنا دیجیے آخرت کا۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

شہوت دنیا مثال گلخن است کہ ازو حمام تقویٰ روشن است

شہوت و غضب جو انسان میں پایا جاتا ہے ان ہی وجہ سے تو تقویٰ انسان کے لئے باعث قرب اور سبب درجات بلند ہونے کا بنتا ہے۔ لوگ ان موانع کو اجر کے کم ہونے کا سبب سمجھتے ہیں حالانکہ اجر کا سبب انسان کے لئے یہی موانع ہیں کیونکہ ان ہی کی بدولت تو مجاہدہ کا تحقق ہوا جو مدرج ہے اجر کی۔ اسی طرح ایک غلطی اس کے جانب مقابل میں ہے کہ بعضے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اصلاح کے بعد اجر نہ ہوگا کیونکہ مجاہدہ تو نہ رہا جو مدرج تھی اجر کی۔ جواب یہ ہے کہ جو مجاہدہ

اصلاح کے لئے کیا گیا تھا اُس کا اثر حکماً آخر تک باقی رہے گا جیسے مشی کے قبل قصد وارادہ جو ہوتا ہے اُس کا اثر ختم مشی تک ممتد ہوتا ہے گو ہر قدم پر جدید قصد نہیں ہوگا۔

ملفوظ نمبر ۱۱۳۱ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جذب کوئی معمولی چیز نہیں۔ بڑی دولت ہے بڑی نعمت ہے بدون جذب کے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ شیطان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ محض سالک تھا اس میں جذب نہ تھا اسی لئے گمراہ ہوا۔ جذب کی قدر کرنا چاہیئے اور جو ذریعہ ہے جذب کے پیدا ہونے کا اس کی بھی قدر اور احترام کرنا چاہیئے اور وہ اہل اللہ کی صحبت ہے ان کی صحبت کی برکت سے جذب حق پیدا ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں ایک مولوی صاحب کے جواب میں فرمایا کہ اصل وصول جذب ہی سے ہوتا ہے اور ایسا واصل پھر راجع نہیں ہوتا مولانا نے عجیب مثال لکھی ہے کہ جیسے بالغ ہو کر پھر نابالغ نہیں ہوتا۔ شیطان واصل ہی نہ تھا کیونکہ اس میں جذب نہ تھا اسی وجہ سے گمراہ ہوا۔

ملفوظ نمبر ۱۱۳۲ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ برکت کے لئے حزب البحر کی اجازت فرما دیجئے میں نے لکھ دیا ہے کہ اس اجازت سے زیادہ نافع دعاء ہے تو دعا سے برکت کی درخواست کیوں نہیں کرتے بعضے لوگ لکھتے ہیں کہ حزب البحر کی اجازت دیدو۔ میں پوچھتا ہوں کہ حزب البحر کیوں پڑھتے ہو لکھتے ہیں کہ قرب حق کے لئے میں لکھتا ہوں کہ جب حزب البحر نہ تھی۔ اس وقت قرب حق کس چیز سے ہوتا تھا اس پر خفا ہوتے ہیں۔ مقصود ان چیزوں کا انکار نہیں بلکہ غلو سے روکنا ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۱۳۳ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مسلمان بھی دوزخ میں جاویں گے لیکن مسلمانوں کا جانا اور وجہ سے ہے اور کفار کا جانا اور وجہ سے ہے۔ مسلمان دوزخ میں تہذیب یعنی تطہیر کیلئے بھیجا دیں گے اور کفار تعذیب کے لئے۔

خاتمہ الحمد للہ آج شب جمعہ ۱۷ ربیع الاول کو ان ملفوظات ضبط کردہ حافظ صغیر احمد حسن مرحوم پر نظر اصلاحی سے فراغ ہوا اور آج میری عمر ستر دن کم اناسی سال کی ہوئی کیونکہ میری ولادت ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ کی ہے۔ اے اللہ بقیہ عمر کو اپنی مرضیات میں صرف فرما اور عمر گزشتہ کی کوتاہیوں سے درگذر فرما۔

لطیفہ ان ملفوظات کا خاتمہ تبشیر وانذار کے مشابہ ہوا جیسا آیات قرآنیہ کا خاتمہ تبشیر وانذار کی اس آیت پر ہوا واتقوا یوماً ترجعون فیہ الی اللہ ثم توفی کل نفس ما کسبت وھم لا یظلمون والحمد للہ اولاً وآخراً وباطناً وظاھراً وصلے اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد طیباً وطاھراً وعلی آلہ وصحبہ ومن تبعہ الی یوم القیمۃ وسلم سلاماً متناجاً ومتواتراً۔

فقط

اشرف علی تھانوی عفی عنہ

الحمد للہ جلد چہارم تمام شد

بقیہ فہرست مضامین ۔ صفحہ ۳۵۴ سے آگے ۔

ادارۂ فکرِ اسلامی دیوبند

مطبوعاتِ ادارہ ایک نظر میں

التبلیغ حضرت تھانویؒ کے مواعظ بے شمار موضوعات پر، ہر موضوع پر ایک مکمل اور جامع وعظ علماء اور عوام کے لیے یہ مواعظ یکساں مفید ہیں۔ ۱ تا ۲۶ در ۱۲ جلد ‎/۴۶۰

مدارج النبوۃ اُردو مکمل سرورِ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ علم و حکمت کا وہ بحرِ ناپیدکنارہ ہے جس کو عبور کرنے کے لئے زبردست وفورِ علم اور بے پناہ قوتِ تحقیق کی ضرورت ہے۔ اپنے عہد کے سب سے نامور عالم علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رہ نے سیرتِ طیبہ کے موضوع پر قلم اٹھا کر علم و فن کی جو وقیع خدمت انجام دی ہے اس کو لفظ و بیان کے پیرائے میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔
در تین جلد ریگزین میں مکمل سیٹ مجلد کی قیمت ‎/۲۵۰

اخبار الاخیار (اُردو) تالیف حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح۔ اس کتاب میں تقریباً ۳۰۰ اولیاء کرام و صوفیاءِ عظام کا مستند تذکرہ کیا گیا ہے۔ علماء و مشائخ کی پاکیزہ زندگیوں کی دلآویز داستانیں پوری تحقیق سے لکھی گئی ہیں۔ ترجمہ نہایت عام فہم اردو میں ہے۔ قیمت مجلد ‎/۸۰

تفسیر مدارک اردو سب سے پہلے حنفی مفسر علامہ ابوالبرکات احمد النسفی کی قدیم و نایاب تفسیر مترجم و محشی حضرت مولانا انظر شاہ استاذِ حدیث و تفسیر وقف دارالعلوم دیوبند جلد اوّل مجلد ‎/۸۵
(صرف ایک خط لکھ کر ممبر بنیں۔ ایک ایک جز دس روپے کی وی۔ پی سے ارسال ہوتا رہے گا)

مشارق الانوار اردو عربی ترجمہ چھٹی صدی ہجری کے مایۂ ناز محدث امام علامہ رضی الدین صنعانی کی وہ المنول ۲۲۷۲ احادیث قوی کا گراں مایہ ذخیرہ
در ۲ جلد قیمت مجلد ‎/۱۴۰

مسائلِ بہشتی زیور حضرت تھانوی رح کی مشہور تصنیف بہشتی زیور کی تلخیص خود حضرت تھانوی رحؒ کے قلم سے جو کہ پہلی مرتبہ شائع ہوئی ہے۔ قیمت ‎/۲۵

پیارے نبیؐ یہ مختصر سی کتاب مبتدیوں کے لئے ایک نعمت ہے۔ رسول پاک کا بچپن، سیرت، غزوات وغیرہ کا اجمالی بیان ہے۔ بچوں کے لئے بہت ہی مفید کتاب ہے۔ قیمت ‎/۷

کتاب الآثار امام محمد رح کی کتاب مشہور و معروف کتاب الآثار کا اردو ترجمہ ہندوستان میں پہلی بار شائع ہو رہا ہے۔ قیمت مجلد ‎/۶۰

راہِ سنت مصنف مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خاں قرآن کریم اور احادیث نبویؐ سے واضح طور پر برصغیر کی تمام مشہور بدعات کو اس طرح باطل اور غلط ثابت کیا گیا ہے جس نے بدعات کی اصل کو کھول کر رکھ دیا ہے۔ قیمت مجلد ‎/۲۵

شمائل ترمذی (مترجم مع اردو شرح) خصائل نبوی ؐ

ایک مسلمان کیلئے باعث سعادت ہے کہ رسول اللہ کا ذکر مبارک ورد زبان و حرز جان ہو۔ آپکے عادات و خصائل آپکی رفتار و گفتار اس کی آنکھوں میں پھرے۔ یہ کتاب اس سعادت کی طرف آپ کی رہنمائی کرے گی۔ قیمت مجلد ۲۲/-

ردِّ بدعات یعنی مسائل اربعین

حضرت شاہ اسحٰق صاحبؒ کے علم و فضل اور جامعیت و اختصار کا بہترین نمونہ دلنشیں انداز میں موجودہ بدعات و رسوم کی برائیاں بیان کی گئی ہیں۔ ۱۰/-

معین الطالبین شرح مفید الطالبین

مفید الطالبین کی بہترین شرح مع ترجمہ و ترکیب جسمیں اس بات کا پوری طرح خیال رکھا گیا ہے کہ ہر لفظ کی ترکیب سہل انداز میں ہو ۱۲/-

اقبال کے ممدوح علماء

قاضی افضل حق قرشی۔ یہ کتاب اقبال کے علماء سے روحانی ربط، عقیدت، بالغ نظری اور مسلمانوں کے ماضی و حال کے سیاسی قومی ملی خاکہ کی ایک مکمل دستاویز۔ ۱۳/۵۰

علوم القرآن

ڈاکٹر صالح کی ایک عظیم تصنیف، قرآن کا ایک تحقیقی مطالعہ جو آپکے دل میں قرآن کی عظمت کے انمٹ نقوش ثبت کر دے گا۔ قیمت ۱۸/-

خلافت راشدہ یعنی تلخیص ازالۃ الخفاء

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی مشہور و معروف کتاب ازالۃ الخفاء کی تلخیص جس کو حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی نے بڑے اچھوتے انداز میں کی ہے۔ قیمت ۱۶/-

تقریر ترمذی شریف مع شمائل نبوی ؐ

افادات:- حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند۔ بہترین آفسیٹ کی طباعت معیاری جلد کے ساتھ طبع کرائی گئی ہے۔ قیمت ۹۰/-

اشاعت اسلام یعنی دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

مصنف۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ اچھا کاغذ عمدہ طباعت ہے۔ قیمت مع ڈسٹ کور ۵۰/-

ملفوظات حکیم الامت

مجدد ملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رح۔

ملفوظات اولیاء اللہ کے اس دلنشیں کلام کو کہا جاتا ہے جو وہ اپنے گہرے مشاہدات و تجربات اور علوم و معارف الٰہیہ کی روشنی میں امت مسلمہ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ یہ ملفوظات دراصل حکیم الامت کا روزنامچہ ہے جو دس ہزار ملفوظات پر مشتمل ہے۔ قیمت در چار جلد ۳۲۵/-

۲۴۷۵۵۴

ملنے کا پتہ:- ادارہ فکر اسلامی دیوبند